7

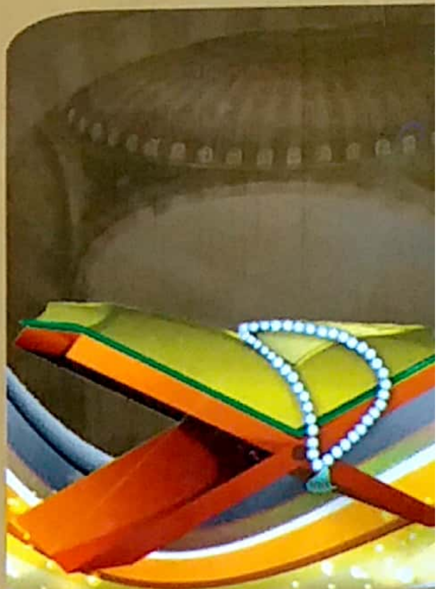
قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے

تفسیر مصباحین

ترجمہ وشرح

تفسیر جلالین



تصنیف

امام جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم وشارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی مدظلہ العالی

شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور

سورۃ القمر تا سورۃ الناس

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں ڈاؤن لوڈ کرنے کے ٹیلگرام پر ان چینل و گروپ کو جوائن کریں

https://telegram.me/Tehqiqat

https://telegram.me/faizanealahazrat

https://telegram.me/FiqaHanfiBooks

https://t.me/misbahilibrary

آرکایو لنک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://archive.org/details/@muhammad_tariq_hanafi_sunni_lahori

بلوگسپوٹ لنک

http://ataunnabi.blogspot.in

قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے

نمبر 7

تفسیر مصباحین ترجمہ و شرح تفسیر جلالین

سورۃ القمر

سورۃ الرحمٰن سورۃ الواقعۃ سورۃ الحدید سورۃ المجادلۃ سورۃ الحشر سورۃ الممتحنۃ سورۃ الصف سورۃ الجمعۃ سورۃ المنٰفقون سورۃ التغابن

سورۃ الطلاق سورۃ التحریم سورۃ الملک سورۃ القلم سورۃ الحاقۃ سورۃ المعارج سورۃ نوح سورۃ الجن سورۃ المزمل سورۃ المدثر

سورۃ القیٰمۃ سورۃ الدھر سورۃ المرسلٰت سورۃ النبا سورۃ النزعٰت سورۃ عبس سورۃ التکویر سورۃ الانفطار سورۃ المطففین سورۃ الانشقاق

سورۃ البروج سورۃ الطارق سورۃ الاعلیٰ سورۃ الغاشیۃ سورۃ الفجر سورۃ البلد سورۃ الشمس سورۃ اللیل سورۃ الضحیٰ سورۃ الم نشرح

سورۃ التین سورۃ العلق سورۃ القدر سورۃ البینۃ سورۃ الزلزال سورۃ العٰدیٰت سورۃ القارعۃ سورۃ التکاثر سورۃ العصر سورۃ الھمزۃ

سورۃ الفیل سورۃ قریش سورۃ الماعون سورۃ الکوثر سورۃ الکٰفرون سورۃ النصر سورۃ اللھب سورۃ الاخلاص سورۃ الفلق سورۃ الناس

تصنیف

امام جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی مدظلہ العالیہ

شبیر برادرز ®

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو القادر

نام کتاب ——— (نمبر 7) ——— تفسیر مصباحین فی تفسیر جلالین
تصنیف ——— امام جلال الدین محلی شافعی / امام جلال الدین سیوطی شافعی
مترجم ——— علامہ محمد لیاقت علی رضوی
کمپوزنگ ——— ورڈز میکر
باہتمام ——— ملک شبیر حسین
سن اشاعت ——— مئی 2014ء
سرورق ——— اے ایف ایس ایڈورٹائزر 0322-7202212
طباعت ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ ——— روپے

شبیر برادرز®
زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006
shabbirborther786@gmail.com

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

سُورَةُ الرَّحْمٰن

سُوْرَةُ الْوَاقِعَة

سُورَةُ الْحَدِيد

سُورَةُ الْمُجَادَلَة

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة

سُورَۃُ الصَّفّ

سُورَۃُ الْجُمُعَۃ

سُورَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ

سُورَةُ التَّغَابُنِ

سُورَۃُ الطَّلَاق

سُورَةُ التَّحْرِيم

سُورَةُ المُلْك

سُوْرَةُ الْقَلَم

سُورَةُ نُوح

سُورَةُ الْجِنّ

سُورَةُ الْمُزَّمِّل

سورۃ الإنسان

سُورَةُ الْمُرْسَلَات

سورة النباء

سورة النازعات

سورة عبس

سورة التكوير

سورة الانفطار

سورة المطففين

سورة الانشقاق

سورة البروج

سورۃ البلد

سورۃ الشمس

سورۃ اللیل

سورۃ الضحی

سورۃ الانشراح

سورۃ التین

سورۃ العلق

سورۃ القدر

سورۃ البینۃ

سورۃ الزلزالۃ

سورۃ العادیات

سورۃ القارعۃ

سورۃ التکاثر

سورۃ العصر

سورۃ الھمزۃ

سورۃ الفیل

سورۃ قریش

سورۃ الماعون

سورۃ الکوثر

سورۃ الکافرون

سورۃ النصر

سورة اللهب

سورة الإخلاص

سورة الفلق

سورة الناس

مقدمہ تفسیر مصباحین

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن کریم پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گا اور (خاص طور پر) جگمگاتی ہوئی دوسورتیں کہ وہ سورت بقرہ اور سورت آل عمران ہیں پڑھو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح ظاہر ہوں گی گویا کہ وہ ابر کی دوٹکڑیاں ہیں یادوسایہ کرنے والی چیزیں ہیں یا پرندوں کی صف باندھے ہوئے دوٹکڑیاں ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف جھگڑیں گے اور سورت بقرہ پڑھو کیونکہ اس کے پڑھنے پر مداومت اس کے مفہوم ومعانی میں غور وفکر اور اس کے حکم پرعمل کرنا برکت (نفع عظیم ہے اور اس کو ترک کرنا قیامت کے دن حسرت یعنی ندامت کا باعث ہوگا اور یادرکھو کہ سورت بقرہ کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کے پڑھنے کی طاقت وہی لوگ نہیں رکھتے جو اہل باطل ہوتے ہیں۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 632)

قرآن کریم پڑھا کرو، کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے مفہوم ومعانی میں غور وفکر کرنے کو نعمت اور اپنے حق میں باعث سعادت جانو اور اس کے پڑھنے پر مداومت اختیار کرو۔ سورت بقرہ اور سورت آل عمران کو جگمگاتی ہوئی سورتیں فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں سورتیں نور وہدایت اور ثواب کی زیادتی کی وجہ سے روشن ہیں گویا اللہ رب العزت کے نزدیک ان دونوں سورتوں میں اور بقیہ تمام سورتوں میں چانداور ستاروں کی نسبت ہے کہ یہ سورتیں تو بمنزلہ چاند کے ہیں بنسبت تمام سورتوں کے وہ بمنزلہ تمام ستاروں کے ہیں۔ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے حق میں ان سورتوں کی برکات کو متشکل طور پر ظاہر ہونے کو تین صورتوں میں بیان کیا گیا ہے پہلی صورت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورتیں قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے گویا ابر کی دوٹکڑیاں ہوں گی۔ جو میدان حشر میں کھڑے ہوئے ان پر آفتاب کی تمازت اور گرمی سے بچاؤ کے سایہ کریں گی، دوسری صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ یا وہ سایہ کرنے والی دو چیزیں ہوں گی یعنی خواہ وہ ابر کی صورت میں ہوں یا کسی اور شکل میں مفہوم اس کا بھی یہی ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں پر سایہ فگن ہوں گے فرق صرف اتنا ہے کہ اس صورت میں ان سایہ دار چیزوں کا دل پہلی صورت کی بہ نسبت کم ہوگا اور وہ اپنے پڑھنے والوں کے سر سے بالکل قریب ہوں گی جیسا کہ امراء وسلاطین کے سروں پر چھتری وغیر کا سایہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس صورت میں ان کے سروں پر سایہ بھی ہوگا اور روشنی بھی ہوگی۔ تیسری صورت یہ بتائی گئی ہے کہ یا وہ پرندوں کی صف باندھے ہوئے دوٹکڑیاں ہوگی جن کا سایہ بھی ہوگا اور جو اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے اس بات کی وکالت وسفارش کریں گی کہ انہیں آخرت کی تمام ابدی سعادتوں سے نوازا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ تین صورتیں بیک وقت ہوں گی جن کا تعلق اپنے پڑھنے والوں کے حال کی مناسبت سے ہوگا لہٰذا اول یعنی ابر کی صورت کا تعلق اس شخص سے ہوگا جس نے یہ سورتیں پڑھیں مگر ان کے مفہوم ومعانی کو نہ سمجھا دوم یعنی سایہ کی چیز کا تعلق اس شخص سے ہوگا جس نے ان سورتوں کو پڑھا بھی اور ان کے معنی بھی سمجھے اور دوسروں کو ان سورتوں کی تعلیم بھی دی۔

سُورَۃُ الْقَمَر

یہ قرآن مجید کی سورت قمر ہے

سورت قمر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الْقَمَر (مَکِّیَّۃٌ إِلَّا الْآیَۃَ 45 فَمَدَنِیَّۃٌ وَآیَاتُھَا خَمْس وَخَمْسُونَ آیَۃ)

سورہ قمر مکّیہ ہے سوائے آیت (سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ،القمر:45) کے،اس میں تین رکوع،پچپن آیات اور تین سو بیالیس کلمات اور ایک ہزار چار سو تئیس حروف ہیں۔

سورت قمر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت میں انشقاق قمر کا بیان ہے۔جس کی وجہ سے یہی لفظ اس سورت کے نام کے طور پر معروف ہوا ہے۔لہٰذا اسی مناسبت سے اس کا نام قمر ہے۔

عید کی نماز میں سورت قمر کی قرأت کا بیان

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید میں کہاں سے تلاوت فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا سورت ق اور سورت قمر سے قرأت فرمایا کرتے تھے۔(مسند احمد: جلدنہم: حدیث نمبر 1965)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ۝ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۝
قیامت بہت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
ایک جادو ہے جو گزر جانے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق قمر دیکھ کر کفار کے اعراض کرنے کا بیان

"اقْتَرَبَتِ السَّاعَۃ" قَرُبَتْ الْقِیَامَۃ "وَانْشَقَّ الْقَمَر" انْفَلَقَ فِلْقَتَیْنِ عَلَی أَبِی قُبَیْسٍ وَقُیَقْعَانَ آیَۃ لَہُ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ سُئِلَھَا فَقَالَ "اشْھَدُوا" رَوَاہُ الشَّیْخَان،
"وَإِنْ یَرَوْا" أَیْ کُفَّار قُرَیْش "آیَۃ" مُعْجِزَۃ لَہُ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "یُعْرِضُوا وَیَقُولُوا" ھَذَا "سِحْر مُسْتَمِرّ" قَوِیّ مِنْ الْمِرَّۃ : الْقُوَّۃ أَوْ دَائِم،

قیامت بہت قریب آ گئی یعنی اس کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور چاند پھٹ گیا۔ یعنی اس کے دو ٹکڑے ہوئے ایک ٹکڑا ابی قبیس پہاڑ پر تھا۔ جبکہ دوسرا ٹکڑا قیقعان پر تھا۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گواہ ہو جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

اور اگر وہ یعنی کفار قریش مکہ کوئی نشانی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک جادو ہے جو گزر جانے والا ہے۔ یہاں پر لفظ مرۃ بہ معنی قوت یا دائم آیا ہے۔

سورت قمر کی ابتدائی آیات کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شق قمر (چاند دو ٹکڑے) ہوا تو قریش نے کہا یہ ابن ابی کبشہ (کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کے لیے اس کنیت سے آپ کو پکارتے) کا جادو ہے جو اس نے تم پر کیا ہے تم سفر کرنے والوں سے پوچھ لو انہوں نے سفر سے آنے والوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہاں ہم نے بھی ایسا ہوتے دیکھا۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ، قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ کا جادو ہے۔ (نیسابوری 330، ابن کثیر 4۔62، قرطبی 17۔126)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے چاند دو ٹکڑے ہو جانے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم منیٰ میں رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے سے) چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس پار اور دوسرا اس پار۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ گواہ رہنا یعنی (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1233)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند درمیان میں سے شق ہو کر اس طرح دو ٹکڑے ہو گیا کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر کی جانب تھا اور دوسرا نیچے کے طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کافروں کی طلب پر یہ معجزہ دکھا کر ان سے) فرمایا کہ میری نبوت یا میرے معجزہ کی شہادت دو۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 437)

شہادت دو" کہ ایک معنی بعض حضرات نے یہ لکھے ہیں کہ۔" آ ؤ اس معجزہ کو دیکھو۔ اس معنی کی صورت میں اشہدوا کو شہادت سے مشتق کہا جائے گا پہلے معنی کی صورت میں (جو ترجمہ میں بیان ہوئے ہیں اشہدوا کو شہود سے مشتق مانا جائے گا۔ "شق القمر کا معجزہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے اشارہ پر چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، ایک حقیقی واقعہ ہے، جس کی صداقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اس واقعہ سے متعلق روایت کو صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے بیان کیا ہے اور ان کے واسطہ سے بے شمار محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ علامہ ابن سبکی نے شرح مختصر ابن حاجب میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے

کہ شق قمر کی روایت متواتر ہے اور اس کو بخاری و مسلم نیز دوسرے بہت سے ائمہ حدیث نے اتنے زیادہ طرق سے نقل کیا ہے کہ اس میں کہیں سے بھی شک کا گزر نہیں، علاوہ ازیں اس معجزہ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت خود قرآن کریم ہے چنانچہ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ۔ (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ، القمر:1-2) قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر یہ لوگ (کافر) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔" میں وہی شق قمر مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا نہ کہ وہ انشقاق قمر مراد ہے جو قیامت کے دن واقع ہوگا، اس کی واضح دلیل خود آیت کے الفاظ آیت (وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ، القمر:2) ہیں۔ بہت سے بے دینوں اور فلسفیوں نے اس معجزہ کا انکار کیا ہے، ان کے انکار کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ فلکیات میں خرق والتیام ممکن نہیں ہے، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی فلکیات کا خلق اور قادر مطلق ہے، تمام فلک اس کی قدرت کے مسخر اور کے حکم کے تابع ہیں، اس کائنات میں جو کچھ ہم، خواہ زمین ہو یا آسمان، چاند، ستارے، ہوں یا سورج، ان میں سے جس کو چاہے وہ توڑ پھوڑ کر ایک طرف کر سکتا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن وہ آسمان کو اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ فلکیات میں خرق والتیام کے محال کا نظریہ جو اس وقت بھی بہت سے فلاسفہ کے نزدیک محل نظر تھا تحقیق و تجربہ کے بعد اب بالکل ہی باطل ہو چکا ہے اس دور کے انسان نے چاند پر پہنچ کر شق القمر کے معجزہ کو زبردست تائید بھی پہنچائی ہے لہٰذا خرق والتیام کی بحث اٹھا کر اس معجزہ کے خلاف دلیل قائم کرنا بالکل بے معنی بات ہوگئی ہے۔

منکرین صداقت ایک اعتراض اور کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ چاند میں اتنا زبردست تغیر ہو جانا کہ وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا کوئی معمولی بات نہیں تھی اگر حقیقت میں ایسا ہوا تھا تو اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ تک محدود نہ رہتا بلکہ اس کرشمہ کو تمام اہل زمین دیکھتے اور بلا تفریق مذہب و ملت تمام مورخین تواتر کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس معجزہ کا وقوع کچھ خاص لوگوں کے مطالبہ پر ہوا تھا اور انہیں کو یہ کرشمہ دکھانا اور ان کو لاجواب کرنا مقصود تھا، علاوہ ازیں یہ رات کے وقت کا واقعہ ہے، جو ایک لمحہ کے لئے تھا ظاہر ہے کہ ایسے میں جب کہ اکثر لوگ محو خواب ہوں گے اس لمحاتی کرشمہ کا عام مشاہدہ کیسے ممکن تھا دوسرے یہ کہ اختلاف مطالع کی بناء پر یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ چاند ایک وقت میں ایک ہی مطلع پر دنیا کے تمام خطوں میں نظر آئے اس لئے معجزہ کے وقوع کے وقت کا چاند دنیا کے تمام خطوں میں سے کچھ کو نظر آیا اور کچھ کو نظر نہیں، جیسا کہ جب چاند گرہن ہوتا ہے تو اس وقت کچھ خطوں میں نظر آتا ہے اور کچھ خطوں میں نظر نہیں آتا، علاوہ ازیں بعض روایتوں میں آتا ہے اس دن عرب کے باہر کے جو لوگ مکہ مکرمہ یا اس کے کسی قریبی علاقوں میں آئے ہوئے تھے انہوں نے اپنے شہروں اور علاقوں میں پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔

جہاں تک تاریخ میں اس عجیب و غریب واقعہ (شق قمر) کے ذکر کا تعلق ہے تو اسلامی تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر تواتر کے ساتھ موجود ہی ہے، گو اسلام مخالف اور دین بیزار لوگ اس سے انکار کریں، لیکن اسلامی تاریخ کے علاوہ بعض دوسری

قوموں کے تذکرہ اور احوال میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، جیسے ہندوستان کے علاقہ ملیبار یا مالوہ کے شہر وہار کے راجہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تو صرف اس واقعہ کے مشاہدہ یا تصدیق کی وجہ ہی سے مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝
اور انھوں نے جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام انجام کو پہنچنے والا ہے۔ اور بلاشبہ یقیناً ان کے
پاس کئی خبریں آئی ہیں، جن میں عبرت کا سامان ہے۔

کفار مکہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے کا بیان

"وَكَذَّبُوا" النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ" فِي الْبَاطِل "وَكُلّ أَمْر" مِنْ الْخَيْر وَالشَّرّ "مُسْتَقِرّ" بِأَهْلِهِ فِي الْجَنَّة أَوْ النَّار،

"وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاء" أَخْبَار إِهْلَاك الْأُمَم الْمُكَذِّبَة رُسُلهمْ "مَا فِيهِ مُزْدَجَر" لَهُمْ اسْم مَصْدَر أَوْ اسْم مَكَان وَالدَّال بَدَل مِنْ تَاء الِافْتِعَال وَازْدَجَرْته وَزَجَرْته : نَهَيْته بِغِلْظَةٍ وَمَا مَوْصُولَة أَوْ مَوْصُوفَة،

اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں میں باطل کی پیروی کی اور ہر کام اچھا ہو یا برا ہو انجام کو پہنچنے والا ہے یعنی اس کے اہل کو جنت یا جہنم میں لے جانے والا ہے۔ اور بلاشبہ یقیناً ان کے پاس کئی خبریں آئی ہیں، یعنی ان قوموں کی ہلاکتوں کے واقعات جنہوں نے رسولان گرامی کی تکذیب کی ہے۔ جن میں عبرت کا سامان ہے۔ یہاں پر لفظ مزدجر یہ ان کیلئے اسم مصدر یا اسم مکان ہے۔ اس کی دال باب افتعال کی تاء سے بدل کر آئی ہوئی ہے۔ اور وہ وازدجرتہ اور زجرتہ آیا ہے یعنی میں نے سختی سے روک دیا ہے۔ اور یہاں ما موصولہ ہے یا پھر موصوفہ ہے۔

سابقہ اقوام کے واقعات کا بہ طور عبرت ہونے کا بیان

اہل مکہ جب اس مشاہدہ کی تکذیب نہ کر سکے تو اس کو جادو یا سخت جادو کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دینے لگے، وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ، استقر کے لغوی معنی قرار پکڑنے کے ہیں، مفہوم آیت کا یہ ہے کہ ہر کام اور ہر چیز اپنی غایت پر پہنچ کر آخر کار صاف ہو جاتی ہے، کسی جعل سازی سے جو پردہ حقیقت پر ڈالا جاتا ہے وہ انجام کار کھل کر رہتا ہے اور حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

ائمہ تفسیر میں سے مجاہد اور قتادہ نے اس جگہ یہی معنی بیان کئے ہیں، اس پر مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ یہ جادو کا اثر ہے جو دیر تک نہیں چلا کرتا خود ہی گزر جائے گا اور ختم ہو جائے گا اور ایک معنی مستمر کے قوی و شدید کے بھی آتے ہیں، ابوالعالیہ اور ضحاک نے اس آیت میں مستمر کی یہی تفسیر کی ہے اور مراد یہ ہوگی کہ یہ بڑا قوی جادو ہے۔ (تفسیر بغوی، سورت قمر، بیروت)

یعنی قرآن میں اقوام سابقہ کی سرگزشت کو اس لیے بار بار دہرایا گیا ہے کہ لوگ ان اقوام کے انجام اور عذاب سے عبرت

حاصل کریں اور ان واقعات کا ذکر ان کے لیے تازیانہ کا کام دے۔ (جسے شرعی اصطلاح میں تذکیر بایام اللہ کہا جاتا ہے) ان واقعات میں لوگوں کے عبرت اور سبق حاصل کرنے کے لیے مواد تو بہت موجود ہے لیکن اگر کوئی شخص ادھر توجہ ہی نہ کرے تو یہ تنبیہات اس کے کس کام آسکتی ہیں؟۔

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝
کامل دانائی وحکمت ہے کیا پھر بھی ڈرسنانے والے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ سو آپ ان سے منہ پھیر لیں،
جس دن بلانے والا ایک نہایت ناگوار چیز کی طرف بلائے گا۔

قرآن مجید کا حکمت بالغہ کے ساتھ انذار کا بیان

"حِكْمَةٌ" خَبَر مُبْتَدَأ مَحْذُوف أَوْ بَدَل مِنْ مَا أَوْ مِنْ مُزْدَجَر "بَالِغَةٌ" تَامَّة "فَمَا تُغْنِ" تَنفع فِيهِمْ مَا لِلنَّفْيِ أَوْ لِلاسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِيّ وَهِيَ عَلَى الثَّانِي مَفْعُول مُقَدَّم "النُّذُر" جَمْع نَذِير بِمَعْنَى مُنْذِر أَيْ الْأُمُور الْمُنْذِرَة لَهُمْ،

"فَتَوَلَّ عَنْهُمْ" هُوَ فَائِدَة مَا قَبْله وَتَمَّ بِهِ الْكَلَام "يَوْم يَدْعُ الدَّاعِي" هُوَ إِسْرَافِيل وَنَاصِب يَوْم يَخْرُجُونَ بَعْد "إِلَى شَيْء نُكُر" بِضَمِّ الْكَاف وَسُكُونهَا أَيْ مُنْكَر تُنْكِرهُ النُّفُوس وَهُوَ الْحِسَاب،

یہاں پر لفظ حکمت یہ، مبتداء محذوف کی خبر ہے یا پھر یہ ماء سے بدل ہے یا مزدجر سے بدل ہے۔ اور بالغہ سے مراد بالغہ تامہ ہے۔ اور لفظ فما میں مانفی کیلئے آیا ہے۔ یا استفہام انکاری کیلئے آیا ہے۔ اور ثانی کی صورت میں یہ مفعول ہوگا جس طرح گزر چکا ہے اور نذر یہ نذیر کی جمع بہ معنی منذر ہے یعنی وہ امور جن میں ان کیلئے ڈرایا جائے۔

یہ قرآن کامل دانائی وحکمت ہے کیا پھر بھی ڈرسنانے والے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ سو آپ ان سے منہ پھیر لیں، جو ماقبل سے فائدہ ہے اور اس کے ساتھ کلام مکمل ہے جس دن آواز دینے والا آواز دے گا اور وہ اسرافیل ہوں گے اور یخرجون کے سبب یوم منصوب ہے۔ اور لفظ نکر یہ کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی منکر جس کو پسند نہ کرتے ہوئے لوگوں کے دل گھبرائیں۔ اور وہ حساب ہے۔ جس دن بلانے والا فرشتہ ایک نہایت ناگوار چیز میدانِ حشر کی طرف بلائے گا۔

قیامت کے دن صور پھونکے جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دونوں نفخوں (یعنی ایک مرتبہ مارنے کے لئے اور دوسری مرتبہ جلانے کے لئے دونوں مرتبہ پھونکے جانے والے صور کے درمیان کا وقفہ چالیس ہوگا لوگوں نے (یہ سن کر) پوچھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا (چالیس سے) چالیس دن مراد ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں

معلوم! پھر لوگوں نے پوچھا کہ کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم ان لوگوں نے پھر پوچھا کہ کیا چالیس سال مراد ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان حدیث کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور اس پانی سے لوگ (یعنی انسان اور تمام جاندار) اس طرح اگیں کہ جیسے سبزہ اگتا ہے "نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" انسان کے جسم وبدن کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پرانی اور بوسیدہ نہ ہو جاتی ہو (یعنی گل سڑ کر ختم نہ ہو جاتی ہو) علاوہ ایک ہڈی کے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں اور قیامت کے دن ہر جاندار کی اسی ہڈی سے اس کے تمام جسم کو مرکب کیا جائے گا۔"

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 93)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب دینا کہ مجھے نہیں معلوم، اس بنا پر تھا کہ یا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو اسی طرح مجملا سنا تھا یا سنا تو مفصل تھا مگر وہ یہ بھول گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "چالیس" کے بعد کیا فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے مذکورہ جواب کے ذریعہ واضح کیا کہ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ "چالیس" سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد چالیس دن تھے، یا چالیس مہینے اور یا چالیس سال بہر حال اس حدیث میں چالیس کا لفظ مجمل نقل ہوا ہے جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ لفظ تفصیل کے ساتھ ہے اور وہ چالیس برس ہے پس دونوں نفخوں کے درمیان جو وقفہ ہوگا وہ چالیس سال کے برابر ہوگا۔ "عجب الذنب" اس ہڈی کو کہتے ہیں جو ریڑھ کے نیچے دونوں کولھوں کے درمیان ہوتی ہے جہاں جانور کی دم کا جوڑ ہوتا ہے اور عام طور پر اس کو ریڑھ کی ہڈی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعض روایتوں میں عجب الذنب میں "عجب" کے بجائے "عجم کا لفظ ہے ویسے جوڑ ہوتا ہے اس لئے اس کا نام عجب الذنب یا عجم الذنب ہے حاصل یہ کہ ریڑھ کی ہڈی گویا انسان کا بیج ہے کہ اسی سے ابتدائی تخلیق ہوتی ہے اور قیامت کے دن دوبارہ اسی کے ذریعہ تمام اعضاء جسمانی کو ازسر نو ترتیب دیا جائے گا بس مرنے کے بعد انسان یا کوئی بھی جاندار گل سڑ کر نابود ہو جاتا ہے اور اس کے پورے جسم کی ہڈیوں کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی نہ تو گلتی سڑتی ہے اور نہ اس کو مٹی کھاتی ہے واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہے جن کے بدن گل سڑ جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا سارا بدن محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو کھانا حرام کیا ہے۔

یہی بات ان لوگوں کے حق میں کہی جاسکتی ہے جو اس بارے میں انبیاء کے حکم میں ہیں یعنی شہداء اور اولیاء اللہ اور وہ مؤذن جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اذان دیتے ہیں چنانچہ یہ سب لوگ اپنی قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح اس دنیا میں زندہ لوگ ہیں۔

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ○
مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ○

ان کی نظریں جھکی ہوں گی، وہ قبروں سے نکلیں گے جیسے وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہوں۔ پکارنے والے کی طرف دوڑ کر جارہے ہوں گے، کفار کہتے ہوں گے: یہ بڑا سخت دن ہے۔

قیامت کے دن ٹڈیوں کی طرح دوڑ کر جمع ہونے کا بیان

"خُشَّعًا" أَیْ ذَلِیلًا وَفِی قِرَاءَة خُشَّعًا بِضَمِّ الْخَاء وَفَتْح الشِّين مُشَدَّدَة "أَبْصَارهمْ" حَال مِنْ الْفَاعِل "يَخْرُجُونَ" أَيْ النَّاس "مِنَ الْأَجْدَاث" الْقُبُور "كَأَنَّهُمْ جَرَاد مُنْتَشِر" لَا يَدْرُونَ أَيْنَ يَذْهَبُونَ مِنْ الْخَوْف وَالْحِيرَة وَالْجُمْلَة حَال مِنْ فَاعِل يَخْرُجُونَ

"مُهْطِعِينَ" مُسْرِعِينَ مَادِّينِ أَعْنَاقهمْ "إِلَى الدَّاعِ يَقُول الْكَافِرُونَ" مِنْهُمْ "هَذَا يَوْم عَسِر" صَعْب عَلَى الْكَافِرِينَ كَمَا فِي الْمُدَّثِّر "يَوْم عَسِير عَلَى الْكَافِرِينَ"

یہاں پر لفظ خشعا کا معنی ذلیل ہے اور ایک قرأت میں خشعا یہ خاء کے ضمہ اور شین مشددہ کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ کیونکہ فاعل سے حال ہے۔ ان کی نظریں جھکی ہوں گی، وہ لوگ قبروں سے نکلیں گے جیسے وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہوں۔ یعنی خوف وحیرت کے سبب انہیں معلوم بھی نہ ہوگا کہ وہ کہاں جارہے ہیں۔ اور جملہ یخرجون کے فاعل سے حال ہے۔ پکارنے والے کی طرف دوڑ کر گردنیں اٹھا کر بلانے والے کی طرف جارہے ہوں گے، کفار کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔ کیونکہ وہ کفار پر بہت سخت ہوگا جس طرح سورہ مدثر میں آیا ہے۔ "يَوْم عَسِير عَلَى الْكَافِرِينَ"

قیامت کے دن ندامت سے سر جھکائے ہونے کا بیان

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کو پتنگوں سے جو تشبیہ دی گئی ہے، یہ ان کی پراگندہ حالی اور پریشان حالی کے اعتبار سے ہے، کہ پتنگے اسی طرح ہوتے ہیں، جب کہ ٹڈی دل سے ان کی تشبیہ ان کی کثرت اور بہتات کے اعتبار سے ہے، اور یہ اس لیے کہ ان کی کوئی ایک جہت نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر طرف پھیلے ہوتے ہیں۔ سو یہی حال ان لوگوں کا اس وقت ہوگا جبکہ یہ قبروں سے نکل نکل کر مارے خوف ودہشت کے ہر طرف دوڑے چلے جارہے ہوں گے۔ (زاد المسیر، سورہ قمر، بیروت)

مھطعین کے لفظی معنی سر اٹھا ہونے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ بلانے والے کی آواز کی سمت میں دیکھتے ہوئے محشر کی طرف دوڑیں گے اور اس سے پہلی آیت میں جو خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ آیا ہے جس کے معنی ہیں نگاہ اور سر جھکانے کے، ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ محشر کے مواقف مختلف ہوں گے، کسی موقف میں ایسا بھی ہوگا کہ سب کے سر جھکے ہوئے ہوں گے۔

کفار کا قیامت کے دن منہ کے بل چل کر آنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کافر منہ کے بل چل کر کس طرح میدان حشر میں آئیں گے یعنی کسی کے لئے منہ کے بل چلنا کیسے ممکن ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا" حقیقت یہ ہے کہ جس ذات (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس (کافر) کو دنیا میں پاؤں کے بل چلایا وہی ذات اس کو قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 110)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَ قَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ○
فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○
اِن سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا تھا۔ سوانہوں نے ہمارے بندہ (مُرسَل نُوح علیہ السلام) کی تکذیب کی اور کہا دیوانہ ہے،
اورانہیں دھمکیاں دی گئیں۔ سوانہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں عاجز ہوں پس تو انتقام لے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی تکذیب کا بیان

"كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ" قَبْلَ قُرَيْش "قَوْمُ نُوحٍ" وَتَأْنِيث الْفِعْل كَذَّبَتْ لِمَعْنَى قَوْم "فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا" نُوحًا "وَقَالُوا مَجْنُون وَازْدُجِرَ" انْتَهَرُوهُ بِالسَّبِّ وَغَيْره "فَدَعَا رَبّه أَنِّي" بِالْفَتْحِ أَيْ بِأَنِّي

اِن سے یعنی قریش سے پہلے قوم نوح نے بھی جھٹلایا تھا۔ لفظ کذبت کو معنیٰ قوم کی رعایت کیلئے مؤنث لایا گیا ہے۔ سوانہوں نے ہمارے بندہ مُرسَل نُوح علیہ السلام کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے، اورانہیں دھمکیاں دی گئیں۔ اور گالیاں وغیرہ دیں سو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی، یہاں پر لفظ اَنی فتح کے ساتھ آیا ہے یعنی بانی کہ میں اپنی قوم کے مظالم سے عاجز ہوں پس تو انتقام لے۔

قوم نوح کی ہلاکت کا بیان

اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت سے پہلے امت نوح نے بھی اپنے نبی کو جو ہمارے بندے حضرت نوح تھے تکذیب کی اسے مجنون کہا اور ہر طرح ڈانٹا ڈپٹا اور دھمکایا، صاف کہہ دیا تھا کہ اے نوح اگر تم باز نہ رہے تو ہم تجھے پتھروں سے مار ڈالیں گے، ہمارے بندے اور رسول حضرت نوح نے ہمیں پکارا کہ پروردگار میں ان کے مقابلہ میں محض ناتواں اور ضعیف ہوں میں کسی طرح نہ اپنی ہستی کو سنبھال سکتا ہوں نہ تیرے دین کی حفاظت کر سکتا ہوں تو ہی میری مدد فرما اور مجھے غلبہ دے ان کی یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ان کی کافر قوم پر مشہور طوفان نوح بھیجا جاتا ہے۔ موسلا دھار بارش کے دروازے آسمان سے اور ابلتے ہوئے پانی کے چشمے زمین سے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ جو پانی کی جگہ نہ تھی مثلاً تنور وغیرہ وہاں سے زمین پانی اگل دیتی ہے ہر طرف پانی بھر جاتا ہے نہ آسمان سے برسنا رکتا ہے نہ زمین سے ابلنا تھمتا ہے پس حد حکم تک پہنچ جاتا ہے۔ ہمیشہ پانی ابر سے برستا ہے لیکن اس وقت آسمان سے پانی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اور عذاب الٰہی پانی کی شکل میں برس رہا تھا نہ اس سے پہلے کبھی اتنا پانی برسا نہ اس کے بعد کبھی ایسا برسے ادھر سے آسمان کی یہ رنگت ادھر سے زمین کو حکم کہ پانی اگل دے پس ریل پیل ہو گئی، حضرت علی فرماتے ہیں کہ آسمان کے دہانے کھول دیئے گئے اور ان میں سے براہ راست پانی برسا۔ اس طوفان سے ہم نے

اپنے بندے کو بچالیا انہیں کشتی پر سوار کرلیا جو تختوں میں کیلیں لگا کر بنائی گئی تھی۔ دسر کے معنی کشتی کے دائیں بائیں طرف کا حصہ اور ابتدائی حصہ جس پر موج تھپیڑے مارتی ہے اور اس کے جوڑے اور اس کی اصل کے بھی کیے گئے ہیں، وہ ہمارے حکم سے ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور صحیح وسالم آر پار جا رہی تھی۔ حضرت نوح کی مدد تھی اور کفار سے یہ انتقام تھا ہم نے اسے نشانی بنا کر چھوڑا۔ یعنی اس کشتی کو بطور عبرت کے باقی رکھا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہے لیکن ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس کشتی کے نمونے پر اور کشتیاں ہم نے بطور نشان کے دنیا میں قائم رکھیں، جیسے اور آیت میں ہے آیت (وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ، یس: 41) یعنی ان کے لئے نشانی ہے کہ ہم نے نسل آدم کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کرایا اور کشتی کے مانند اور بھی ایسی سواریاں دیں جن پر وہ سوار ہوں اور جگہ ہے آیت (اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ، الحاقۃ: 11) یعنی جب پانی نے طغیانی کی ہم نے تمہیں کشتی میں لے لیا تاکہ تمہارے لئے نصیحت و عبرت ہو اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھ سکیں، پس کوئی ہے جو ذکر و وعظ حاصل کرے؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قمر، بیروت)

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ○ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○
تو ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے، ایسے پانی کے ساتھ جو زور سے برسنے والا تھا۔ اور زمین کو چشموں کے ساتھ
پھاڑ دیا، تو تمام پانی مل گیا، اس کام کے لیے جو طے ہو چکا تھا۔

بارش و چشموں کے پانی مل کر قوم نوح کی غرقابی کا سبب بننے کا بیان

"فَفَتَحْنَا" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد "أَبْوَاب السَّمَاء بِمَاءٍ مُنْهَمِر " مُنْصَبّ انْصِبَابًا شَدِيدًا "وَفَجَّرْنَا الْأَرْض عُيُونًا " تَنْبُع "فَالْتَقَى الْمَاء " مَاء السَّمَاء وَالْأَرْض "عَلَى أَمْر " حَال "قَدْ قُدِرَ" قُضِيَ بِهِ فِي الْأَزَل وَهُوَ هَلَاكهمْ غَرَقًا،

تو ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے، یہاں پر لفظ فتحنا یہ تخفیف اور تشدید دونوں طرح آیا ہے ایسے پانی کے ساتھ جو زور سے برسنے والا تھا۔ یعنی زور والے پانی سے، اور زمین کو چشموں کے ساتھ پھاڑ دیا، تو تمام پانی یعنی آسمان اور چشموں کا پانی مل کر ایک ہو گیا، اس کام کے لیے جو طے ہو چکا تھا۔ جس کا فیصلہ ازل میں ہو چکا تھا اور وہ ان کو غرق کر کے ہلاک کرنا تھا۔

اوپر آسمان سے موسلا دھار، متواتر اور لگاتار بارش ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان نے اپنے دہانے کھول دیے ہیں۔ نیچے زمین سے پہلے تنور سے پانی نکلنا شروع ہوا۔ پھر بے شمار چشمے پھوٹ پڑے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری زمین چشمے ہی چشمے بن گئی ہے۔ جدھر دیکھو پانی کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ یہ عمل متواتر چھ ماہ جاری رہا اور پانی کی سطح اس قدر بلند ہو گئی کہ چھوٹے موٹے پہاڑ تک پانی میں ڈوب گئے اور پانی اس سطح تک پہنچ گیا جتنا اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھا تھا۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ٥ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ٥
اور ہم نے اسے تختوں اور میخوں والی پر سوار کر دیا۔ جو ہماری نگاہوں کے سامنے چلتی تھی،
اس شخص (نوح علیہ السلام) کا بدلہ لینے کی خاطر تھا جس کا انکار کیا گیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اور کفار کی ہلاکت کا بیان

"وَحَمَلْنَاهُ" أَيْ نُوحًا "عَلَى" سَفِينَة "ذَات أَلْوَاح وَدُسُر" وَهُوَ مَا تُشَدّ بِهِ الْأَلْوَاح مِنْ الْمَسَامِير وَغَيْرهَا وَأَحَدهَا دِسَار كَكِتَابٍ،

"تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا" بِمَرْأًى مِنَّا أَيْ مَحْفُوظَة "جَزَاء" مَنْصُوب بِفِعْلٍ مُقَدَّر أَيْ أُغْرِقُوا انْتِصَارًا "لِمَنْ كَانَ كُفِرَ" وَهُوَ نُوح عَلَيْهِ السَّلَام وَقُرِءَ كَفَرَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ أَيْ أُغْرِقُوا عِقَابًا لَهُمْ،

اور ہم نے اسے تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا۔ دُسرا ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے تختے جوڑے جاتے ہیں۔ جس کا واحد دسار ہے جس طرح کتب کا واحد کتاب ہے۔ جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہماری حفاظت میں چلتی تھی، یہاں پر لفظ جزاء یہ اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی اغرقوا انتصارا ہے۔ یہ سب کچھ اس ایک شخص نوح علیہ السلام کا بدلہ لینے کی خاطر تھا جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اور ایک قرأت میں کفر کو معروف پڑھا گیا ہے۔ یعنی ان کو سزا کے طور پر غرق کیا گیا ہے۔

یعنی جوں جوں پانی کی سطح بلند ہوتی جاتی تھی یہ کشتی خود بخود اوپر اٹھتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ پہاڑ تک پانی میں غرق ہو گئے۔ اس وقت سیدنا نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ہم نے کس طرف کشتی کا رخ موڑنا ہے اور ہماری منزل کون سی ہے وہ بھی اللہ کے سہارے اس کشتی میں جانیں محفوظ کیے بیٹھے تھے اس کے علاوہ انہیں کچھ علم نہ تھا اور نیچے پانی کا سمندر بن گیا تھا۔ اللہ ہی اس کشتی کی حفاظت اور نگرانی فرما رہا تھا اور اس کے حکم سے یہ کشتی اپنا رخ بدلتی تھی۔

امت مسلمہ کو غرق ہونے سے بچانے کی دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

حضرت سعد بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (انصار کے ایک قبیلہ) بنی معاویہ کی مسجد کے قریب سے گذرے تو اندر (مسجد میں) تشریف لائے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی، اس میں آپ کے ساتھ ہم بھی شریک ہوئے، (نماز کے بعد) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے بڑی طویل دعا مانگی (یعنی بہت دیر تک دعا میں مصروف رہے) پھر جب نماز و دعا سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں نے (آج اپنی دعا میں) اپنے پروردگار سے تین چیزیں مانگی تھیں، ان میں سے دو چیزیں تو مجھے عطا فرما دی گئیں اور ایک چیز سے منع کر دیا گیا، ایک چیز کی درخواست میں نے یہ کی تھی کہ میری امت کو قحط عام میں ہلاک نہ کیا جائے، یہ درخواست قبول فرمائی گئی۔

دوسری درخواست میں نے یہ کی تھی کہ میری امت کو پانی میں غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے (یعنی جس طرح فرعون کی قوم دریائے نیل میں غرق کر کے ہلاک کر دی گئی، یا نوح علیہ السلام کی قوم پانی کے طوفان میں مبتلا کر کے نیست ونابود کر دی گئی۔ اس طرح میری پوری امت پانی میں ڈبو کر ہلاک نہ کی جائے) اور میری یہ درخواست بھی قبول فرمائی گئی تیسری درخواست یہ تھی کہ میری امت کے لوگ آپس میں دست وگریبان نہ ہوں (یعنی مسلمان، مسلمان سے برسرپیکار نہ ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی نہ کریں) لیکن میری یہ درخواست قبول نہیں ہوئی۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 335)

بنو معاویہ "انصار مدینہ کے ایک قبیلہ کا نام تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اس قبیلہ میں تشریف لے گئے ہوں گے کسی فرض نماز کا وقت آ گیا ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فرض نماز اس قبیلہ کی مسجد میں ادا فرمائی یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں التحیات کے دوران یا سلام پھیر کر اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے حق میں جو تین دعائیں مانگیں اور ان میں سے جو ایک دعا قبول نہیں ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کی بھی بعض دعا قبول نہیں ہوتی تھی۔

اہل ایمان کی نجات کو کشتی نوح سے تشبیہ دینے کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر یوں بیان کیا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یاد رکھو، تمہارے حق میں میرے اہل بیت کی وہی اہمیت ہے جو نوح کی کشتی میں سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو شخص اس کشتی میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔ (احمد، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 821)

مطلب یہ کہ جس طرح طوفان نوح کے وقت وہی شخص زندہ سلامت بچا اور اس دنیا میں باقی رہا جو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو گیا تھا اور جو کشتی میں سوار نہیں ہوا وہ ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکا، طوفان کی بلا خیز موجوں نے اس کا نام ونشان تک مٹا کر رکھ دیا ٹھیک اسی طرح امت محمدیہ کے حق میں اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی پناہ گاہ ہیں کہ جو شخص ان کے دامان عاطفت سے وابستہ ہو گیا، جس نے ان کے اکرام واحترام اور ان کی محبت ومتابعت کو لازم پکڑ لیا اس نے دارین میں نجات پائی اور جو شخص ان کے دامن محبت ومتابعت سے وابستہ نہیں ہو سکا وہ دونوں جہاں میں ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکتا خواہ وہ کتنا مال لٹا دے، کیسی ہی عزت وجاہ کا سہارہ لے لے، کتنی بڑی طاقت سے اپنے آپ کو وابستہ کر لے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ کیا کہ اس سمندر کی بلا خیزی اور ہلاکت آمیزی سے وہی شخص زندہ سلامت بچ سکتا ہے، نجات پا سکتا ہے جو میرے اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہو جائے اس معنوی سیاق میں دیکھا جائے تو اس حدیث کہ جس میں فرمایا گیا ہے اصحابی مثل النجوم من اقتدی بشیء منہ اھتدی (اوکما قال) اور اس کے ارشاد گرامی کہ: میرے اہل بیت نوح کشتی کی مانند ہیں" کے درمیان گہرا اور لطیف ربط خود بخود سمجھ میں آ جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں بڑی پیاری بات لکھی ہے کہ "ہم اہل سنت وجماعت الحمد اللہ اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہوئے اور راہ ہدایت کے ستاروں یعنی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ راہ یاب ہوئے چنانچہ ہم قیامت کی ہولناکیوں،

تاریکیوں اور دوزخ کی ہلاکت خیزیوں سے نجات کی۔

اور درجات نجات اور وہاں کی ابدی نعمتوں تک پہنچنے کا راستہ پانے کی امید رکھتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص اس کشتی میں سرے سے سوار ہی نہیں ہوا جیسے خوارج تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اول دہلہ ہی میں ہلاک ہو گیا اور جو شخص اس کشتی میں سوار تو ہوا لیکن ہدایت کے ستاروں کے ذریعہ راستہ پانے سے محروم رہا جیسے روافض تو وہ گمراہی اور تاریکیوں میں اس طرح پھنس کر رہ گیا کہ اس کا زندہ سلامت بچ کر نکلنا ناممکن ہے۔ (تفسیر کبیر، سورہ قمر، بیروت)

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اسے ایک نشانی بنا کر چھوڑا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ پھر میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟

قرآن اور سابقہ قوموں کے واقعات سے نصیحت حاصل کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا" أَبْقَيْنَا هَذِهِ الْفِعْلَةَ "آيَةً" لِمَنْ يَعْتَبِر بِهَا أَيْ شَاعَ خَبَرهَا وَاسْتَمَرَّ "فَهَلْ مِنْ مُدَّكِر" مُعْتَبِر وَمُتَّعِظ بِهَا وَأَصْله مُذْتَكِرٌ أُبْدِلَتْ التَّاء دَالًا مُهْمَلَة وَكَذَا الْمُعْجَمَة وَأُدْغِمَتْ فِيهَا،

"فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُر " أَيْ إنْذَارِي اسْتِفْهَام تَقْرِير وَكَيْفَ خَبَر كَانَ وَهِيَ لِلسُّؤَالِ عَنْ الْحَال وَالْمَعْنَى حَمْل الْمُخَاطَبِينَ عَلَى الْإِقْرَار بِوُقُوعِ عَذَابه تَعَالَى بِالْمُكَذِّبِينَ لِنُوحٍ مَوْقِعه،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اسے یعنی اس واقعہ کو ایک نشانی بنا کر چھوڑا، تا کہ اس کی وجہ سے عبرت حاصل کی جائے۔ لہٰذا وہ خبر شائع ہو گئی اور باقی بھی رہ گئی ہے۔ تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ پھر یعنی اس سے وعظ حاصل کرنے والا اور مدکر اصل میں مذتکر تھا۔ یہاں پر تاء دال مہملہ کے ساتھ بدلہ گیا ہے۔ اور اسی طرح ذال معجمہ کو دال سے بدلہ گیا ہے۔ میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ یہ استفہام تقریری ہے۔ اور کیف کان کی خبر ہے۔ اور کیف حالت سے سوال کرنے کیلئے آیا ہے۔ اور معنی وقوع عذاب کا مخاطبین سے اقرار ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کرنے والوں کیلئے ہے۔

یعنی اس واقعہ کو کہ کفار غرق کر کے ہلاک کر دیئے گئے اور حضرت نوح علیہ السلام کو نجات دی گئی۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک تَرَكْنٰهَا کی ضمیر کشتی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو سرزمین جزیرہ میں اور بعض کے نزدیک جودی پہاڑ پر مدتوں باقی رکھا یہاں تک کہ ہماری امت کے پہلے لوگوں نے اس کو دیکھا۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ قمر، لاہور)

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

قرآن مجید کا یاد کرنے کیلئے آسان ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ " سَهَّلْنَاهُ لِلْحِفْظِ وَهَيَّأْنَاهُ لِلتَّذَكُّرِ "فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ " مُتَّعِظٍ بِهِ وَحَافِظٍ لَهُ وَالِاسْتِفْهَام بِمَعْنَى الْأَمْر أَيْ احْفَظُوهُ وَاتَّعِظُوا بِهِ وَلَيْسَ يُحْفَظ مِنْ كُتُب اللّٰه عَنْ ظَهْر الْقَلْب غَيْره

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے یعنی حفظ کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے۔ کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ تا کہ وہ اس کے ساتھ نصیحت حاصل کرے یہاں پر استفہام بہ معنی امر ہے۔ یعنی تم اس کو یاد کرو اور اس کے ساتھ نصیحت حاصل کرو۔ کیونکہ قرآن کے سوا جو اللہ کی کتابیں ہیں۔ ان کو دل میں یاد نہیں رکھا جا سکتا۔

قرآن مجید کے حفظ کو آسان بنا دینے کا بیان

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدکر) پڑھایا ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس لفظ کی قرأت اسی طرح مروی ہے، حضرت اسود سے سوال ہوتا ہے کہ یہ لفظ دال سے ہے یا ذال سے؟ فرمایا میں نے عبداللہ سے دال کے ساتھ سنا ہے اور وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دال کے ساتھ سنا ہے۔

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اگر اللہ پاک اس کتاب حق کو لوگوں کی زبان پر آسان نہ فرما دیتا تو کسی کے بس میں نہ تھا کہ وہ اس کو زبان سے ادا بھی کر سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قمر، بیروت)

ذکر کے معنی یاد کرنے اور حفظ کرنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کلام سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے بھی، یہ دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم کو حفظ کرنے کے لئے آسان کر دیا، یہ بات اس سے پہلے کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ پوری کتاب تورات یا انجیل یا زبور لوگوں کو برزباں یاد ہو اور یہ حق تعالیٰ ہی کی تفسیر اور آسانی کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پورے قرآن کو ایسا حفظ کر لیتے ہیں کہ ایک زیر زبر کا فرق نہیں آتا، چودہ سو برس سے ہر زمانہ ہر طبقہ ہر خطے میں ہزاروں لاکھوں حافظوں کے سینوں میں یہ اللہ کی کتاب محفوظ ہے۔

قرآن میں بیان کردہ عبر و نصائح کے آسان ہونے کا بیان

بعض لوگوں نے یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ کے الفاظ سے یہ غلط مطلب نکال لیا ہے کہ قرآن ایک آسان کتاب ہے، اسے سمجھنے کے لیے کسی علم کی ضرورت نہیں، حتیٰ کہ عربی زبان تک سے واقفیت کے بغیر جو شخص چاہے اس کی تفسیر کر سکتا ہے اور حدیث و فقہ سے بے نیاز ہو کر اس کی آیات سے جو احکام چاہے مستنبط کر سکتا ہے۔ حالانکہ جس سیاق و سباق میں یہ الفاظ آئے ہیں اس کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد کا مدعا لوگوں کو یہ سمجھانا ہے کہ نصیحت کا ایک ذریعہ تو ہیں وہ عبرتناک عذاب جو سرکش قوموں پر نازل ہوئے، اور دوسرا ذریعہ ہے یہ قرآن جو دلائل اور وعظ و تلقین سے تم کو سیدھا راستہ بتا رہا ہے۔ اس ذریعہ کے مقابلے میں نصیحت کا یہ ذریعہ زیادہ آسان ہے، پھر کیوں تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور عذاب ہی دیکھنے پر اصرار کیے جاتے ہو؟ یہ تو

سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اپنے نبی کے ذریعہ سے یہ کتاب بھیج کر وہ تمہیں خبردار کر رہا ہے کہ جن راہوں پر تم لوگ جا رہے ہو وہ کس تباہی کی طرف جاتی ہیں اور تمہاری خیر کس راہ میں ہے۔ نصیحت کا یہ طریقہ اسی لیے تو اختیار کیا گیا ہے کہ تباہی کے گڑھے میں گرنے سے پہلے تمہیں اس سے بچا لیا جائے۔ اب اس سے زیادہ نادان اور کون ہوگا جو سیدھی طرح سمجھانے سے نہ مانے اور گڑھے میں گر کر ہی یہ تسلیم کرے کہ واقعی یہ گڑھا تھا۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ○ اِنَّـآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا
فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○
قوم عاد نے جھٹلا دیا تو میرا عذاب اور میرا اڈرانا کیسا تھا؟ بے شک ہم نے ان پر ایک تیز آندھی بھیجی، ایسے دن میں
جو دائمی نحوست والا تھا۔ جو لوگوں کو اکھاڑ پھینکتی تھی گویا وہ اکھڑے ہوئے کھجور کے درختوں کے تنے ہیں۔

قوم عاد کی تکذیب وہلاکت کا بیان

"كَذَّبَتْ عَادٌ" نَبِيَّهُمْ هُودًا فَعُذِّبُوا "فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُر" إِنْذَارِي لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُوله أَيْ وَقَعَ مَوْقِعه وَقَدْ بَيَّنَهُ تَعَالَى فِي الْآيَة التَّالِيَة،

"إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا" أَيْ شَدِيدَة الصَّوْت "فِي يَوْم نَحْس" شُؤْم "مُسْتَمِرّ" دَائِم الشُّؤْم أَوْ قَوِيّه وَكَانَ يَوْم الْأَرْبِعَاء آخِر الشَّهْر،

"تَنْزِع النَّاس" تَقْلَعهُمْ مِنْ حُفَر الْأَرْض الْمُنْدَسِّينَ فِيهَا وَتَصْرَعهُمْ عَلَى رُءُوسهمْ فَتَدُقّ رِقَابهمْ فَتُبِين الرَّأْس عَنْ الْجَسَد "كَأَنَّهُمْ" وَحَالهمْ مَا ذُكِرَ "أَعْجَاز" أُصُول "نَخْل مُنْقَعِر" مُنْقَطِع سَاقِط عَلَى الْأَرْض وَشُبِّهُوا بِالنَّخْلِ لِطُولِهِمْ وَذُكِّرَ هُنَا وَأُنِّثَ فِي الْحَاقَّة "نَخْل خَاوِيَة" مُرَاعَاة لِلْفَوَاصِلِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ،

قوم عاد جن کے نبی حضرت ہود علیہ السلام تھے انہوں نے جھٹلا دیا تو ان کو عذاب دیا گیا تو میرا عذاب اور میرا اڈرانا کیسا تھا؟ یعنی میرا ان کو عذاب سے ڈرانا جو اس کے نزول سے پہلے تھا۔ یعنی وہ موقع پر واقع ہوا ہے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے آنے والی آیت میں بیان کیا ہے۔ بے شک ہم نے ان پر ایک تیز آندھی سخت آواز والی بھیجی، ایسے دن میں جو دائمی نحوست والا تھا۔ یعنی دائمی نحوست تھی۔ جو مہینے کا آخری چہار شنبہ ہے۔ جو لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی یعنی ان کو گڑھوں سے نکال کر پھینک رہی تھی۔ جو ان کی سر کے بل پٹخ رہی تھی۔ اور ان کی گردنوں کو کاٹ دیتی۔ اور ان کا سر جسم سے الگ ہو جاتا تھا۔ گویا وہ اکھڑے ہوئے کھجور کے درختوں کے تنے ہیں۔ یہاں ان کے لمبے ہونے کی وجہ سے کھجور کے درخت ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہاں مذکر لایا گیا ہے جبکہ سورہ حاقہ میں مونث لایا گیا ہے۔ جو نخل خاویہ اور یہاں دونوں مقامات پر فواصل کی رعایت کی گئی ہے۔

کفار کی بدترین روایات کے سبب عذاب کا بیان

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ قوم ہود نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھوٹا کہا اور بالکل قوم نوح کی طرح سرکشی پر اتر آئے تو ان پر سخت ٹھنڈی مہلک ہوا بھیجی گئی وہ دن ان کے لئے سراسر منحوس تھا برابر ان پر ہوائیں چلتی رہیں اور انہیں تہ و بالا کرتی رہیں، دنیوی اور اخروی عذاب میں گرفتار کر لئے گئے ہوا کا جھونکا آتا ان میں سے کسی کو اٹھا کر لے جاتا۔

یہاں تک کہ زمین والوں کی حد نظر سے وہ بالا ہو جاتا پھر اسے زمین پر اوندھے منہ پھینک دیتا سر کچل جاتا بھیجا نکل پڑتا، سر الگ دھڑ الگ ایسا معلوم ہوتا گویا کھجور کے درخت کے بن سرے ٹنڈ ہیں دیکھو میرا عذاب کیسا ہوا؟ میں نے قرآن کو آسان کر دیا جو چاہے نصیحت و عبرت حاصل کر لے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قمر، بیروت)

قوم عاد" کے لوگ بڑے تنومند اور قد آور تھے، لیکن ہوا کا جھکڑ ان کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پٹکتا تھا جیسے کھجور کا تنہ جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ نُذُرِ ○ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○
پھر میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا،
تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

عذاب کی ہولناکی کے ادراک کے سبب ڈرنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم (محمد) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقیناً تمہارا رونا زیادہ اور ہنسنا کم ہو جائے (یعنی قیامت کے احوال اور اس کی ہولناکیاں، مبدأ و معاد کی حقیقت گنہگاروں کے تئیں اللہ تعالیٰ کا عتاب و عذاب یوم حساب کی شدت پرسش اور باری تعالیٰ کی صفات قہریہ وجلالیہ کو، جو خوف مصیبت کا باعث ہیں جس قدر میں جانتا ہوں اور پھر ان چیزوں کے تعلق سے تمہارے انجام کار کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے اور جس کی وجہ سے میرے دل پر ہر وقت غم و خوف طاری رہتا ہے اگر تم بھی ان سب چیزوں سے پوری طرح آگاہ ہو جاؤ تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خوف وہیبت کے مارے تم ہنسنا بھول جاؤ اور اپنا زیادہ وقت رونے اور غم کھانے میں صرف کرو، کیونکہ اس صورت میں تم رجا یعنی رحمت الٰہی کی امید کے مقابلہ پر عذاب الٰہی کے خوف کو زیادہ ترجیح دینے لگو)۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1269)

اس ارشاد گرامی میں امت کے لئے ایک تنبیہ تو یہ ہے کہ اپنے اوپر گریہ طاری رکھنا چاہئے اور ان چیزوں کی یاد تازہ رکھنی چاہئے جو رونے دہلانے اور غم کھانے کا باعث ہوتی ہیں جیسے خوف الٰہی کا احساس اور عظمت وجلال حق کی حقیقت معلوم کرنا۔ دوسری تنبیہ یہ ہے کہ جاہل و غافل لوگوں کی طرح بہت زیادہ ہنسنے اور راحت چین اختیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی

طرف عفو مغفرت اوراس کی رحمت پرامید کی وجہ سے فی الجملہ راحت چین اختیار کرنا ایک حد تک گنجائش رکھتا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ○ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ○
ثمود نے بھی ڈرسنانے والے پیغمبروں کو جھٹلایا۔پس وہ کہنے لگے: کیا ایک بشر جو ہم ہی میں سے ہے،
ہم اس کی پیروی کریں، تب تو ہم یقیناً گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا ان کی تکذیب کرنے کا بیان

"كَذَّبَتْ ثَمُود بِالنُّذُرِ" جَمْع نَذِير بِمَعْنَى مُنْذِر أَيْ بِالْأُمُورِ الَّتِي أَنْذَرَهُمْ بِهَا نَبِيّهمْ صَالِح إنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ وَيَتَّبِعُوهُ،

"فَقَالُوا أَبَشَرًا" مَنْصُوب عَلَى الِاشْتِغَال "مِنَّا وَاحِدًا" صِفَتَانِ لِبَشَرًا "نَتَّبِعهُ" مُفَسِّر لِلْفِعْلِ النَّاصِب لَهُ وَالِاسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْي الْمَعْنَى كَيْفَ نَتَّبِعهُ وَنَحْنُ جَمَاعَة كَثِيرَة وَهُوَ وَاحِد مِنَّا وَلَيْسَ بِمَلَكٍ أَيْ لَا نَتَّبِعهُ "إنَّا إذًا" إنِ اتَّبَعْنَاهُ "لَفِي ضَلَال" ذَهَاب عَنْ الصَّوَاب "وَسُعُر" جُنُون،

قوم ثمود نے بھی ڈرسنانے والے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ یہاں لفظ نذر یہ نذیر کی جمع ہے۔ جو منذر کے معنی میں ہے یعنی وہ کام جن سے ان کے نبی مکرم حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو ڈرایا لیکن وہ ایمان نہ لائے اور نہ ہی انہوں نے اتباع کی۔ پس وہ کہنے لگے کیا ایک بشر جو ہم ہی میں سے ہے، یہاں پر لفظ بشرا یہ مااضمرہ کے قانون کے سبب، منصوب ہے۔ اور منا واحدا یہ دونوں صفات ہیں۔ جو بشرا کی صفات ہیں۔ اور فعل ناصب کی تفسیر ہے۔ یہاں پر استفہام بہ معنی نفی ہے۔ ہم اس کی پیروی کریں، یعنی ہم اس کی پیروی کیسے کریں کیونکہ ہم خود بڑی جماعت ہیں۔ جبکہ وہ ہم میں سے ایک ہیں۔ اور وہ فرشتہ بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم اس کی اتباع نہ کریں گے۔ تب تو ہم یقیناً گمراہی میں ہوں گے یعنی ہم سے صحیح راستہ چلا جائے گا۔ اور دیوانگی میں ہوں گے۔

قوم ثمود کی گمراہی وہلاکت کا بیان

ثمودیوں نے رسول اللہ حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تعجب کے طور پر محال سمجھ کر کہنے لگے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم ہمیں میں سے ایک شخص کے تابعدار بن جائیں؟ آخر اس کی اتنی بڑی فضیلت کی کیا وجہ؟ پھر اس سے آگے بڑھے اور کہنے لگے ہم نہیں مان سکتے کہ ہم سب میں سے صرف اسی ایک پر اللہ کی باتیں نازل کی جائیں، پھر اس سے بھی قدم بڑھایا اور نبی اللہ کو کھلے لفظوں میں جھوٹا اور پرلے سرے کا جھوٹا کہا بطور ڈانٹ کے اللہ فرماتا ہے اب تو جو چاہو کہہ لو لیکن کل کھل جائے گا کہ دراصل جھوٹا اور جھوٹ میں حد سے بڑھ جانے والا کون تھا؟ ان کی آزمائش کے لئے فتنہ بنا کر ہم ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں چنانچہ ان لوگوں کی طلب کے موافق پتھر کی ایک سخت چٹان میں سے ایک چکلے چوڑے اعضاء والی گابھن اونٹنی نکلی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ السلام سے فرمایا کہ

تم اب دیکھتے رہو کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور ان کی سختیوں پر صبر کرو دنیا اور آخرت میں انجام کار غلبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا رہے گا اب ان سے کہہ دیجئے کہ پانی پر ایک دن تو ان کا اختیار ہوگا اور ایک دن اس اونٹنی کا۔ جیسے اور آیت میں ہے آیت (قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ،الشعراء:155) ہر باری موجود کی گئی ہے یعنی جب اونٹنی نہ ہو تو پانی موجود ہے اور جب اونٹنی ہو تو اس کا دودھ حاضر ہے انہوں نے مل جل کر اپنے رفیق قدار بن سالف کو آواز دی اور یہ بڑا ہی بدبخت تھا، جیسے اور آیت میں ہے آیت (اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ،الشمس:12) ان کا بدترین آدمی اٹھا اس نے آکر اسے پکڑا اور زخمی کیا پھر تو ان کے کفر و تکذیب کا میں نے بھی پورا بدلہ لیا اور جس طرح کھیتی کے کٹے ہوئے سوکھے پتے اڑ اڑ کر کافور ہو جاتے ہیں انہیں بھی ہم نے بےنام و نشان کر دیا۔

خشک چارہ جس طرح جنگل میں اڑتا پھرتا ہے اسی میں انہیں بھی برباد کر دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرب میں دستور تھا کہ اونٹوں کو خشک کانٹوں دار باڑے میں رکھ لیا کرتے تھے۔ جب اس باڑھ کو روندھ دیا جائے اس وقت اس کی جیسی حالت ہو جاتی ہے وہی حالت ان کی ہوگئی کہ ایک بھی نہ بچا نہ بچ سکا۔ جیسے مٹی دیوار سے جھڑ جاتی ہے اسی طرح ان کے بھی پرپرزے اکھڑ گئے یہ سب اقوال مفسرین کے اس جملہ کی تفسیریں ہیں لیکن اول قوی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ قمر، بیروت)

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ○ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ○
کیا یہ نصیحت ہمارے درمیان میں سے اسی پر نازل کی گئی ہے؟ بلکہ وہ بہت جھوٹا ہے، متکبر ہے۔
عنقریب وہ کل جان لیں گے کہ بہت جھوٹا، متکبر کون ہے؟

نبی مکرم علیہ السلام کی تکذیب کے سبب عذاب آنے کا بیان

"أَأُلْقِيَ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكه "الذِّكْر" الْوَحْي "عَلَيْهِ مِنْ بَيْننَا" أَيْ لَمْ يُوحَ إِلَيْهِ "بَلْ هُوَ كَذَّاب" فِي قَوْله إِنَّهُ أُوحِيَ إِلَيْهِ مَا ذُكِرَ "أَشِر" مُتَكَبِّر بَطِر،

"سَيَعْلَمُونَ غَدًا" فِي الْآخِرَة "مَنِ الْكَذَّاب الْأَشِر" وَهُوَ هُمْ بِأَنْ يُعَذَّبُوا عَلَى تَكْذِيبهمْ نَبِيّهمْ صَالِحًا،

کیا یہ نصیحت ہمارے درمیان میں سے اسی پر نازل کی گئی ہے؟ یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کی تسہیل جب ان دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف کو داخل کیا جائے۔ یا ترک کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بلکہ وہ بہت جھوٹا ہے، یعنی اس کی جانب کوئی وحی نہیں کی گئی۔ جو اس نے ذکر کیا ہے۔ متکبر ہے۔ عنقریب وہ آخرت میں کل جان لیں گے کہ بہت جھوٹا، متکبر کون ہے؟ حالانکہ وہ انہیں ان کے نبی مکرم حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کے سبب عذاب دیا جائے گا۔

قوم ثمود کے سیدنا صالح کو جھٹلانے کی تین وجوہ کا بیان

قوم ثمود نے تین وجوہ کی بنا پر سیدنا صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا ایک یہ کہ وہ ہم ہی جیسا ایک انسان ہے۔کھاتا ہے، پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔کوئی مافوق الفطرت بات اس میں ہم نہیں دیکھتے۔دوسری یہ کہ وہ اکیلا ہے اس کے ساتھ نہ کوئی جتھا ہے نہ فوج نہ یار و مددگار اور نہ جاہ و حشم، پھر آخر ہم کس بنا پر اس کی اطاعت کر سکتے ہیں۔اور اگر ہم اس کی اطاعت کرنے لگیں تو ہم جیسا احمق اور پاگل کون ہوگا۔اور تیسری وجہ یہ کہ اگر اللہ کو اپنا کوئی رسول بنانا ہی تھا تو کیا اسے یہی شخص پسند آیا تھا؟ جس کے پاس نہ مال و دولت ہے اور نہ جاہ و حشم، پھر آخرت ہم کس بنا پر اس کی اطاعت کر سکتے ہیں۔اور اگر ہم اس کی اطاعت کرنے لگیں تو ہم جیسا احمق اور پاگل کون ہوگا۔

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ
قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝
بیشک ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں، پس (اے صالح!) ان کا انتظار کریں اور صبر جاری رکھیں۔اور انہیں
اس بات سے آگاہ کر دیں کہ ان کے درمیان پانی تقسیم کر دیا گیا ہے، ہر ایک پانی کا حصہ اس کی باری پر حاضر کیا جائے گا۔

اونٹنی کو قتل کر کے عذاب سے ہلاک ہونے والوں کا بیان

"اِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَة" مُخْرِجُوهَا مِنْ الْهَضْبَة الصَّخْرَة كَمَا سَأَلُوا "فِتْنَة" مِحْنَة "لَهُمْ" لِنَخْتَبِرهُمْ "فَارْتَقِبْهُمْ" يَا صَالِح أَيْ انْتَظِرْ مَا هُمْ صَانِعُونَ وَمَا يُصْنَع بِهِمْ "وَاصْطَبِرْ" الطَّاء بَدَل مِنْ تَاء الِافْتِعَال أَيْ اصْبِرْ عَلَى أَذَاهُمْ،

"وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاء قِسْمَة" مَقْسُوم "بَيْنهمْ" وَبَيْن النَّاقَة يَوْم لَهُمْ وَيَوْم لَهَا "كُلّ شِرْب" نَصِيب مِنْ الْمَاء "مُحْتَضَر" يَحْضُرهُ الْقَوْم يَوْمهمْ وَالنَّاقَة يَوْمهَا فَتَمَادَوْا عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ مَلُّوهُ فَهَمُّوا بِقَتْلِ النَّاقَة؛

بیشک ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں، جو پتھر سے نکالی گئی تھی۔جس طرح انہوں نے سوال کیا۔تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں۔پس اے صالح! ان کے انجام کا انتظار کریں۔کہ وہ کیا کرنے والے ہیں اور ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور صبر جاری رکھیں۔اور صطبر کی طاء یہ تاء سے بدل کر آئی ہے۔یعنی آپ ان کی تکالیف پر صبر کریں۔اور انہیں اس بات سے آگاہ کر دیں کہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم کر دیا گیا ہے، یعنی ایک دن ان کیلئے ہوگا اور ایک دن اونٹنی کیلئے ہوگا۔ہر ایک کو پانی کا حصہ اس کی باری پر حاضر کیا جائے گا۔یعنی جو پانی میں حصہ ہے۔لہٰذا قوم اپنے دن آیا کرے گی۔اور اونٹنی اپنے دن میں آیا کرے گی۔وہ ایک مدت تک اس پر قائم رہے۔اس کے بعد اس سے اکتا کر انہوں نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔

حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ اونٹنی کا بیان

حضرت صالح فرماتے ہیں لوگوں تمہارے پاس دلیل الٰہی آ چکی جس میں میری سچائی ظاہر ہے۔ان لوگوں نے حضرت صالح سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ ایک سنگلاخ چٹان جو ان کی بستی کے ایک کنارے پڑی تھی جس کا نام کاتبہ تھا اس سے آپ ایک اونٹنی نکالیں جو گابھن ہو (دودھ دینے والی اونٹنی جو دس ماہ کی حاملہ ہو) حضرت صالح نے ان سے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ انہوں نے پختہ وعدے کئے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی دعا کی ان سب کے دیکھتے ہی چٹان نے ہلنا شروع کیا اور چیخ گئی اس کے بیچ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی۔اسے دیکھتے ہی ان کے سردار جندع بن عمرو نے تو اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھیوں نے بھی۔باقی جو اور سردار تھے وہ ایمان لانے کیلئے تیار تھے مگر ذواب بن عمرو بن لبید نے اور حباب نے جو بتوں کا مجاور تھا اور رباب بن ہمر بن جلمس وغیرہ نے انہیں روک دیا۔حضرت جندع کا بھتیجا شہاب نامی تھا یہ ثمودیوں کا بڑا عالم فاضل اور شریف شخص تھا اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن انہی بد بختوں نے اسے بھی روکا جس پر ایک مومن ثمودی مہوش بن غنمہ نے کہا کہ آل عمرو نے شہاب کو دین حق کی دعوت دی قریب تھا کہ وہ مشرف باسلام ہو جائے اور اگر ہو جاتا تو اس کی عزت سیوا ہو جاتی مگر بد بختوں نے اسے روک دیا اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر لگا دیا۔اس حاملہ اونٹنی کو اس وقت بچہ ہوا ایک مدت تک دونوں ان میں رہے۔ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی۔اس دن اس قدر دودھ دیتی کہ یہ لوگ اپنے سب برتن بھر لیتے

ایک روایت میں ہے کہ ہجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معجزے نہ طلب کرو دیکھو قوم صالح نے معجزہ طلب کیا جو ظاہر ہوا یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی لیکن ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتاب کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آئی اور یہ جتنے بھی تھے سب کے سب ڈھیر ہو گئے۔بجز اس ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا لوگوں نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابو غال یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔یہ حدیث صحاح ستہ میں تو نہیں لیکن ہے مسلم شریف کی شرط پر۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔تمام نبیوں کی طرح آپ نے بھی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید الٰہی سکھائی کہ فقط اس کی عبادت کریں اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں۔اللہ کا فرمان ہے جتنے بھی رسول آئے سب کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں،صرف میری ہی عبادت کرو اور ارشاد ہے ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچو۔

(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ قمر، بیروت)

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ○ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ نُذُرِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً
وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ○ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○

پس انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا، اس نے وار کیا اور کونچیں کاٹ دیں۔ تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ بیشک
ہم نے ان پر ایک نہایت خوفناک آواز بھیجی سو وہ باڑ لگانے والے کے بچے ہوئے اور روندے گئے بھوسے کی طرح ہو گئے۔
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

تیز خوفناک آواز کے ذریعے عذاب آنے کا بیان

"فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ" قِدَارًا لِيَقْتُلَهَا "فَتَعَاطَى" تَنَاوَلَ السَّيْفَ "فَعَقَرَ" بِهِ النَّاقَةَ أَيْ قَتَلَهَا مُوَافَقَةً لَهُمْ "فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ" إِنْذَارِي لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُولِهِ أَيْ وَقَعَ مَوْقِعَهُ وَبَيَّنَهُ تَعَالَى فِي الْآيَةِ التَّالِيَةِ

"إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ" هُوَ الَّذِي يَجْعَلُ لِغَنَمِهِ حَظِيرَةً مِنْ يَابِسِ الشَّجَرِ وَالشَّوْكِ يَحْفَظُهُنَّ فِيهَا مِنَ الذِّئَابِ وَالسِّبَاعِ وَمَا سَقَطَ مِنْ ذَلِكَ فَدَاسَتْهُ هُوَ الْهَشِيمُ

پس انہوں نے قدار نامی اپنے ایک ساتھی کو بلایا، تا کہ وہ اونٹنی کو قتل کر دے تو اس نے اونٹنی پر تلوار سے وار کیا اور کونچیں کاٹ دیں۔ یعنی ان کے مشورے کے مطابق اس نے قتل کر دیا۔ تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ یعنی ان پر عذاب نازل کرنے سے پہلے ان کو ڈرانا یہ کیسا رہا یعنی عین موقع کے مطابق تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے آنے والی آیت میں بیان کیا ہے۔ بیشک ہم نے ان پر ایک نہایت خوفناک آواز بھیجی سو وہ باڑ لگانے والے کے بچے ہوئے اور روندے گئے بھوسے کی طرح ہو گئے۔ اور، محتظر اس خشک گھاس وغیرہ کو کہتے جو بکریوں والا بھیڑیوں کی حفاظت سے بچانے کیلئے لگاتا ہے۔ تا کہ وہ درندوں سے بھی محفوظ رہیں۔ اور بکریاں ان کو روند ڈالتی ہیں۔ اور ہشیم اسی کو کہتے ہیں۔

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

قوم ثمود کی تباہی کا بیان

امام ابن جریر وغیرہ کا فرمان ہے کہ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ عنیزہ بنت غنم بن مجلز جو ایک بڑھیا کافرہ تھی اور حضرت صالح سے بڑی دشمنی رکھتی تھی اس کی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور تھی بھی یہ عورت مالدار۔ اس کے خاوند کا نام ذواب بن عمرو تھا جو ثمودیوں کا ایک سردار تھا یہ بھی کافر تھا۔ اسی طرح ایک اور عورت تھی جس کا نام صدقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا۔ یہ بھی حسن کے علاوہ مال اور حسب نسب میں بڑھی ہوئی تھی اس کے خاوند مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس سرکش عورت نے ان کو چھوڑ دیا۔ اب یہ دونوں عورتیں لوگوں کو اکساتی تھیں کہ کوئی آمادہ ہو جائے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دے، صدقہ نامی عورت نے ایک شخص حباب کو بلایا اور اس سے کہا کہ میں تیرے گھر آ جاؤں گی اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا،

اس پر اس نے مصدع بن مہرج بن محیا کو بلایا جو اس کے چچا کا لڑکا تھا اور اسے بھی اسی بات پر آمادہ کیا۔ یہ خبیث اس کے حسن و جمال کا مفتون تھا اس برائی پر آمادہ ہو گیا۔ ادھر عنیزہ نے قدار بن سالف بن جذع کو بلا کر اس سے کہا کہ میری ان خوبصورت نوجوان لڑکیوں میں سے جسے تو پسند کرے اسے میں تجھے دے دوں گی اسی شرط پر کہ تو اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈال۔ یہ خبیث بھی آمادہ ہو گیا یہ تھا بھی زنا کاری کا بچہ، سالف کی اولاد میں نہ تھا، جیسان نامی ایک شخص سے اس کی بدکار ماں نے زنا کاری کی تھی اسی سے یہ پیدا ہوا تھا اب دونوں چلے اور اہل ثمود اور دوسرے شریروں کو بھی اس پر آمادہ کیا چنانچہ سات شخص اور بھی اس پر آمادہ ہو گئے اور یہ نو فسادی شخص اس بد ارادے پر تل گئے۔

اس شہر میں نو شخص تھے جن میں اصلاح کا مادہ ہی نہ تھا سراسر فسادی ہی تھے۔ چونکہ یہ لوگ قوم کے سردار تھے ان کے کہنے سننے سے تمام کفار بھی اس پر راضی ہو گئے اور اونٹنی کے واپس آنے کا راستے میں یہ دونوں شریر اپنی اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے جب اونٹنی نکلی تو پہلے مصدع نے اسے تیر مارا جو اس کی ران کی ہڈی میں پیوست ہو گیا اسی وقت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو کھلے منہ قدار کے پاس بھیجا اس نے کہا قدار کیا دیکھتے ہو اٹھو اور اس کا کام تمام کر دو۔ یہ اس کا منہ دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے دونوں پچھلے پاؤں کاٹ دیئے اونٹنی چکرا کر گری اور ایک آواز نکالی جس سے اس کا بچہ ہوشیار ہو گیا اور اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑی پر چلا گیا یہاں قدار نے اونٹنی کا گلا کاٹ دیا اور وہ مر گئی اس کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔ حسن بصری فرماتے ہیں اس نے اللہ کے سامنے اپنی ماں کے قتل کی فریاد کی پھر جس چٹان سے نکلا تھا اسی میں سما گیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ گھبرائے ہوئے موقعہ پر پہنچے دیکھا کہ اونٹنی بیجان پڑی ہے آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور فرمایا بس اب تین دن میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے، ہوا بھی یہی۔ بدھ کے دن ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اور چونکہ کوئی عذاب نہ آیا اس لئے اترا گئے اور ان مفسدوں نے ارادہ کر لیا کہ آج شام کو صالح کو بھی مار ڈالو اگر واقعی ہم ہلاک ہونے والے ہی ہیں تو پھر یہ کیوں بچا رہے؟ اور اگر ہم پر عذاب نہیں آتا تو بھی آ دو روز کے اس جھنجھٹ سے پاک ہو جائیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مل کر مشورہ کیا اور پھر قسمیں کھا کر اقرار کیا کہ رات کو صالح کے گھر پر چھاپہ مارو اور اسے اور اس کے گھرانے کو تہ تیغ کر دو اور صاف انکار کر دو کہ ہمیں کیا خبر کہ کس نے مارا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے ان کے اس مکر کے مقابل ہم نے بھی مکر کیا اور یہ ہمارے مکر سے بالکل بیخبر رہے اب انجام دیکھ لو کہ کیا ہوا؟ رات کو یہ اپنی بدنیتی سے حضرت صالح کے گھر کی طرف چلے آپ کا گھر پہاڑی کی بلندی پر تھا ابھی یہ اوپر چڑھ ہی رہے تھے جو اوپر سے ایک چٹان پتھر کی لڑھکتی ہوئی آئی اور سب کو ہی پیس ڈالا۔ (تفسیر جامع البیان، سورۂ قمر، بیروت)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ○

قوم لوط نے بھی ڈر سنانے والوں کو جھٹلایا۔ بے شک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ایک ہوا بھیجی، سوائے لوط کے گھر

والوں کے، انھیں ہم نے صبح سے کچھ پہلے نجات دی۔

قوم لوط کی پتھروں کے عذاب کے سبب ہلاکت کا بیان

"كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ" بِالْأُمُورِ الْمُنْذِرَة لَهُمْ عَلَى لِسَانه "إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا" رِيحًا تَرْمِيهِمْ بِالْحَصْبَاءِ وَهِيَ صِغَار الْحِجَارَة الْوَاحِد دُون مِلْء الْكَفّ فَهَلَكُوا "إِلَّا آل لُوط" وَهُمْ ابْنَتَاهُ مَعَهُ "نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ" مِنْ الْأَسْحَار وَقْت الصُّبْح مِنْ يَوْم غَيْر مُعَيَّن وَلَوْ أُرِيدَ مِنْ يَوْم مُعَيَّن لَمُنِعَ مِنَ الصَّرْف لِأَنَّهُ مَعْرِفَة مَعْدُول عَنْ السَّحَر لِأَنَّ حَقّه أَنْ يُسْتَعْمَل فِي الْمَعْرِفَة بِأَلْ وَهَلْ أُرْسِلَ الْحَاصِب عَلَى آل لُوط أَوْ لَا؟ قَوْلَانِ وَعَبَّرَ عَنْ الِاسْتِثْنَاء عَلَى الْأَوَّل بِأَنَّهُ مُتَّصِل وَعَلَى الثَّانِي بِأَنَّهُ مُنْقَطِع وَإِنْ كَانَ مِنْ الْجِنْس تَسَمُّحًا،

قوم لوط نے بھی ڈر سنانے والوں کو جھٹلایا۔ انہیں حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے ڈرایا۔ بے شک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ایک ہوا بھیجی، یعنی ایسی ہوا تھی جوان پر کنکریاں برسانے والی تھی۔ اور وہ ایک چھوٹی کنکری تھی۔ جبکہ مٹھی بھر نہ تھی۔ لہٰذا وہ ہلاک ہوئے۔ سوائے لوط کے گھر والوں کے، اور ان کے ساتھ ان کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ انھیں ہم نے صبح سے کچھ پہلے نجات دی۔ یعنی اسحار میں ایک غیر معین دن میں صبح کے وقت نجات دی۔ اور اگر یوم سے مراد معین دن ہو تو یہ غیر منصرف ہوگا کیونکہ وہ معرفہ ہے جو سحر سے عدول کر کے آیا ہے۔ کیونکہ اس کا حق ہے کہ معرفہ میں وہ الف لام کے ساتھ استعمال ہو۔ جبکہ آل لوط پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی گئی یا نہیں بھیجی گئی اس میں دو اقوال ہیں۔ ہوا بھیجنے کی صورت میں استثناء متصل ہوگا ورنہ منقطع ہوگا۔ جبکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو۔

قوم لوط کی برائی وہلاکت کا بیان

لوطیوں کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کر کے کس مکروہ کام کو کیا جسے ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا یعنی اغلام بازی، اسی لئے ان کی ہلاکت کی صورت بھی ایسی ہی انوکھی ہوئی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل نے ان کی بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب پہنچا کر اوندھی ماردیں اور ان پر آسمان سے ان کے نام کے پتھر برسائے مگر لوط کے ماننے والوں کو سحر کے وقت یعنی رات کی آخری گھڑی میں بچالیا انہیں حکم دیا گیا کہ تم اس بستی سے چلے جاؤ، حضرت لوط پر ان کی قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا یہاں تک کہ خود حضرت لوط کی بیوی بھی کافرہ ہی تھی قوم میں سے ایک بھی شخص کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ پس عذاب الٰہی سے بھی کوئی نہ بچا آپ کی بیوی بھی قوم کے ساتھ ہی ساتھ ہلاک ہوئی صرف آپ اور آپ کی لڑکیاں اس نحوست سے بچا لیئے گئے شاکروں کو اللہ اسی برے اور آڑے وقت میں کام آتا ہے اور انہیں ان کی شکر گذاری کا پھل دیتا ہے۔ عذاب کے آنے سے پہلے حضرت لوط انہیں آگاہ کر چکے تھے لیکن انہوں نے توجہ تک نہ کی بلکہ شک وشبہ اور جھگڑا کیا، اور ان کے مہمانوں کے بارے میں انہیں چکمہ دینا چاہا۔ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، وغیرہ فرشتے انسانی صورتوں

میں حضرت لوط کے گھر مہمان بن کر آئے تھے، نہایت خوبصورت چہرے پیاری پیاری شکلیں اور عنفوان شباب کی عمر۔ ادھر یہ رات کے وقت حضرت لوط کے گھر اترے ان کی بیوی کافرہ تھی قوم کو اطلاع دی کہ آج لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں ان لوگوں کو اغلام کی بدعادت تو تھی ہی دوڑ بھاگ کر حضرت لوط کے مکان کو گھیر لیا حضرت لوط نے دروازے بند کر لئے انہوں نے ترکیبیں شروع کیں کہ کسی طرح مہمان ہاتھ لگیں جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا شام کا وقت تھا حضرت لوط انہیں سمجھا رہے تھے ان سے کہہ رہے تھے کہ یہ میری بیٹیاں یعنی جو تمہاری جوروئیں موجود ہیں تم اس بدفعلی کو چھوڑو اور حلال چیز سے فائدہ اٹھاؤ لیکن ان سرکشوں کا جواب تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں عورتوں کی چاہت نہیں ہمارا جو ارادہ ہے وہ آپ سے مخفی نہیں تم ہمیں اپنے مہمان سونپ دو۔ جب اسی بحث ومباحثہ میں بہت وقت گذر چکا اور وہ لوگ مقابلہ پر تل گئے اور حضرت لوط بیحد زچ آ گئے اور بہت ہی تنگ ہوئے۔

تب حضرت جبرائیل باہر نکلے اور اپنا پر ان کی آنکھوں پر پھیرا سب اندھے بن گئے آنکھیں بالکل جاتی رہیں اب تو حضرت لوط کو برا کہتے ہوئے دیواریں ٹٹولتے ہوئے صبح کا وعدہ دے کر پچھلے پاؤں واپس ہوئے۔

لیکن صبح کے وقت ہی ان پر عذاب الٰہی آ گیا جس میں سے نہ بھاگ سکے نہ اس سے پیچھا چھڑا سکے عذاب کے مزے اور ڈراوے کی طرف دھیان نہ دینے کا وبال انہوں نے چکھ لیا یہ قرآن تو بہت ہی آسان ہے جو چاہے نصیحت حاصل کر سکتا ہے کوئی ہے جو بھی اس سے پند و وعظ حاصل کر لے؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قمر، بیروت)

نِّعۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ○ وَلَقَدۡ اَنۡذَرَهُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ ○
اپنی طرف سے خاص انعام کے ساتھ، اسی طرح ہم اس شخص کو جزا دیا کرتے ہیں جو شکر گزار ہوتا ہے۔ اور بیشک لوط (علیہ السلام)
نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا پھر ان لوگوں نے ان کے ڈرانے میں شک کرتے ہوئے جھٹلایا۔

قوم لوط کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا بیان

"نِعۡمَةً" مَصۡدَر أَیۡ إِنۡعَامًا "مِنۡ عِنۡدِنَا كَذٰلِكَ" أَیۡ مِثۡل ذٰلِكَ الۡجَزَاء "نَجۡزِی مَنۡ شَكَرَ" أَنۡعُمَنَا وَهُوَ مُؤۡمِن أَوۡ مَنۡ آمَنَ بِاَللّٰهِ وَرَسُوله وَأَطَاعَهُمَا،

"وَلَقَدۡ أَنۡذَرَهُمۡ" خَوَّفَهُمۡ لُوط "بَطۡشَتَنَا" أَخۡذَتنَا إِيَّاهُمۡ بِالۡعَذَابِ "فَتَمَارَوۡا" تَجَادَلُوا وَكَذَّبُوا "بِالنُّذُرِ" بِإِنۡذَارِهِ،

یہاں پر لفظ نعمت مصدر ہے یعنی انعام، اپنی طرف سے خاص انعام کے ساتھ، اسی طرح ہم اس شخص کو جزا دیا کرتے ہیں جو ہمارے انعام پر شکر گزار ہوتا ہے۔ اور وہ مؤمن ہے۔ یا جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور ان دونوں کی اطاعت کی۔ اور بیشک لوط علیہ السلام نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا یعنی ہمارے عذاب سے ڈرایا۔ تو انہوں نے جھگڑنا شروع کیا۔ پھر ان لوگوں نے ان کے ڈرانے میں شک کرتے ہوئے جھٹلایا۔ اور انہوں نے ہمارے انذار کی تکذیب کی۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور شکر گزار وہ ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت کرے۔
یعنی وہ پچھلی رات میں اپنے گھر والوں کو لے کر صاف نکل گئے۔ ان کو ہم نے عذاب کی ذرا بھی آنچ نہ لگنے دی۔ اور یہ ہی ہماری عادت ہے۔ حق شناس اور شکر گزار بندوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

قوم لوط کا نصیحت کی بہ جائے جھگڑا کرنے کا بیان

سیدنا لوط علیہ السلام نے قوم کو ڈرایا تو تھا مگر یہ بد بخت قوم بھلا ان کی نصیحت کو بلکہ خود ان کو بھی کیا سمجھتی تھی۔ وہ الٹا لوط علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگی۔ اگر تم اتنے ہی پاکباز ہو تو ہماری اس گندی بستی سے نکل جاؤ۔ ورنہ ہم خود تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ نیز انہوں نے سیدنا لوط علیہ السلام پر یہ پابندی بھی لگا رکھی تھی کہ باہر سے آنے والے مسافروں اور مہمانوں کو اپنے ہاں پناہ نہ دیا کرو۔ ورنہ اس کے نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ اور جو بات لوط علیہ السلام انہیں سمجھانا چاہتے تھے اور انہیں ان کے انجام سے مطلع کر کے انہیں اللہ کے حضور جوابدہی سے ڈرانا چاہتے تھے اس کو بھلا یہ لاتوں کے بھوت کب ماننے والے تھے بس الٹی سیدھی باتیں بنا کر جھگڑے کی راہ پیدا کر لیتے تھے۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَ نُذُرِ○
وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ○
اور بیشک ان لوگوں نے لوط (علیہ السلام) سے ان کے مہمانوں کو چھین لینے کا ارادہ کیا سو ہم نے ان کی آنکھوں کی ساخت مٹا کر
انہیں بینور کر دیا۔ پھر میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور بیشک ان پر صبح سویرے ہی ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب آ پہنچا۔

قوم لوط کیلئے آخرت سے متصل دائمی عذاب کا بیان

"وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفه" أَنْ يُخَلِّي بَيْنهمْ وَبَيْن الْقَوْم الَّذِينَ أَتَوْهُ فِي صُورَة الْأَضْيَاف لِيَخْبُثُوا بِهِمْ وَكَانُوا مَلَائِكَة "فَطَمَسْنَا أَعْيُنهمْ" أَعْمَيْنَاهَا وَجَعَلْنَاهَا بِلَا شَقّ كَبَاقِي الْوَجْه بِأَنْ صَفَقَهَا جِبْرِيل بِجَنَاحِهِ "فَذُوقُوا" فَقُلْنَا لَهُمْ ذُوقُوا "عَذَابِي وَنُذُر" إنْذَارِي وَتَخْوِيفِي أَيْ ثَمَرَته وَفَائِدَته،

"وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَة" وَقْت الصُّبْح مِنْ يَوْم غَيْر مُعَيَّن "عَذَاب مُسْتَقِرّ" دَائِم مُتَّصِل بِعَذَابِ الْآخِرَة،

اور بیشک ان لوگوں نے لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو چھین لینے کا ارادہ کیا یعنی انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کا کہا کہ آپ ہمارے اور ان مہمانوں کے درمیان میں نہ آئیں۔ کیونکہ وہ ان سے وہی خبیث عمل کرنا چاہتے تھے حالانکہ وہ فرشتے تھے سو ہم نے ان کی آنکھوں کی ساخت مٹا کر انہیں بینور کر دیا۔ یعنی ہم نے انہیں اندھا کر دیا اور وہ بغیر گڑھے کے چہروں پر نشان ہی رہ

گئے اور یہ ایسا اس لئے ہوا کہ جبرائیل امین نے پر مارے۔ پھر ہم اُن سے کہا کہ میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ یعنی اس کا ثمر وفائدہ حاصل کرو۔ اور بیشک ان پر صبح سویرے ہی ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب آ پہنچا۔ یعنی صبح کے وقت جو غیر معین دن تھا۔ اور دائمی عذاب جو آخرت سے متصل تھا۔

حضرت جبرائیل کے پروں نے قوم لوط کو اندھا کر دیا

اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمارے اور اپنے مہمانوں کے درمیان دخیل نہ ہوں، انہیں ہمارے حوالہ کر دیں اور یہ انہوں نے نیت فاسد اور خبیث ارادہ سے کہا تھا اور مہمان فرشتے تھے، انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ انہیں چھوڑ دیجئے، گھر میں آنے دیجئے، جبھی وہ گھر میں آئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک دستک دی۔ فوراً وہ اندھے ہو گئے اور آنکھیں ایسی ناپید ہو گئیں کہ نشان بھی باقی نہ رہا، چہرے سپاٹ ہو گئے، حیرت زدہ مارے مارے پھرتے تھے، دروازہ ہاتھ نہ آتا تھا، حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں دروازے سے باہر کیا۔ (تفسیر خازن، سورہ قمر، بیروت)

پھر دوسرے دن صبح کے وقت ان پر جو بڑا عذاب آیا اس کی تفصیل پہلے کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ پہلے اس پورے خطہ زمین کو جبریل علیہ السلام نے اپنے پروں پر اٹھایا اور بلندی پر لے جا کر پھر الٹا کر زمین پر دے مارا۔ جس سے یہ خطہ زمین میں دھنس گیا۔ اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ پھر اس دھنسے ہوئے خطہ زمین پر سمندر کا پانی چڑھ آیا جو متعفن اور بدبودار ہو گیا۔ اس طرح اس قوم کے نام ونشان کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ۝ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝
پھر میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور بیشک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے
تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

قوم لوط کے عذاب کا باعث عبرت ہونے کا بیان

یعنی اندھا کرنے کے بعد ان کی بستیاں الٹ دی گئیں۔ اور اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝
اور بلاشبہ یقیناً فرعون کی آل کے پاس ڈرانے والے آئے۔ انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلا دیا
پھر ہم نے انہیں بڑے غالب بڑی قدرت والے کی پکڑ کی شان کے مطابق پکڑ لیا۔

قوم فرعون کا نو معجزات کی تکذیب کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ" قَوْمه مَعَهُ "النُّذُر" الْإِنْذَار عَلَى لِسَان مُوسَى وَهَارُون فَلَمْ یُؤْمِنُوا

"كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا " التِّسع الَّتِي أُوتِيَهَا مُوسَى "فَأَخَذْنَاهُمْ" بِالْعَذَابِ "أَخْذَ عَزِيزٍ " قَوِيّ "مُقْتَدِرٍ " قَادِرٍ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ ،

اور بلاشبہ یقیناً فرعون کی آل یعنی اس کی قوم کے پاس ڈرانے والے آئے۔یعنی انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی زبان سے ڈرسنایا گیا۔لیکن وہ ایمان نہ لائے انہوں نے ہماری سب یعنی نونشانیوں کو جھٹلا دیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دیئے گئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں بڑے غالب بڑی قدرت والے کی پکڑ کی شان کے مطابق پکڑ لیا۔یعنی انہیں مضبوط عذاب نے پکڑ لیا لہٰذا اس کو کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں ہے۔

فرعون اور اس کی قوم کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بشارت اور ڈراوے لے کر آتے ہیں بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں اللہ کی طرف سے انہیں دی جاتی ہیں جو ان کی نبوت کی حقانیت پر پوری پوری دلیل ہوتی ہیں۔لیکن یہ فرعونی ان سب کو جھٹلاتے ہیں جس کی بدبختی میں ان پر عذاب الٰہی نازل ہوتے ہیں اور انہیں بالکل ہی سوکھے تنکوں کی طرح اڑا دیا جاتا ہے۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝
کیا تمہارے کافران لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے کتابوں میں نجات لکھی ہوئی ہے۔یا یہ کہتے ہیں کہ
ہم غالب رہنے والی مضبوط جماعت ہیں۔

کفار مکہ کا سابقہ کفار اقوام سے موازنہ کرنے کا بیان

"أَكُفَّارُكُمْ" يَا قُرَيْش "خَيْرٌ مِنْ أُولَئِكُمْ " الْمَذْكُورِينَ مِنْ قَوْم نُوح إِلَى فِرْعَوْن فَلَمْ يُعَذَّبُوا "أَمْ لَكُمْ" يَا كُفَّار قُرَيْش "بَرَاءَة" مِنْ الْعَذَاب "فِي الزُّبُر" الْكُتُب وَالِاسْتِفْهَام فِي الْمَوْضِعَيْنِ بِمَعْنَى النَّفْي أَيْ لَيْسَ الْأَمْر كَذَلِكَ

"أَمْ يَقُولُونَ" أَيْ كُفَّار قُرَيْش "نَحْنُ جَمِيع" جَمْع "مُنْتَصِر" عَلَى مُحَمَّد،

اے قریشِ مکہ! کیا تمہارے کافران اگلے قوم نوح سے قوم فرعون تک مذکورہ لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں نجات لکھی ہوئی ہے۔یہاں پر استفہام دونوں مقامات پر بہ معنی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہے۔یا یہ کفار قریش کہتے ہیں کہ ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غالب رہنے والی مضبوط جماعت ہیں۔

پھر فرماتا ہے اے مشرکین قریش اب بتلاؤ تم ان سے کچھ بہتر ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے لئے اللہ نے اپنی کتابوں میں چھوٹ دے رکھی ہے؟ کہ ان کے کفر پر تو انہیں عذاب کیا جائے لیکن تم کفر کئے جاؤ اور تمہیں کوئی سزا نہ جائے؟

زُبُر زبور کی جمع ہے،لغت میں ہر لکھی ہوئی کتاب کو زبور کہتے ہیں اور اس خاص کتاب کا نام بھی زبور ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

گذشتہ اقوام کے واقعات سنا کر موجودہ لوگوں کو خطاب ہے یعنی تم میں سے کافر کیا ان پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں جو کفر و طغیان کی سزا میں تباہ نہیں کیے جائیں گے؟ یا اللہ کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ تم جو چاہو شرارت کرتے رہو، سزا نہیں ملے گی؟ یا یہ سمجھتے ہوئے ہیں کہ ہمارا مجمع اور جتھا بہت بڑا ہے۔ اور سب مل کر جب ایک دوسرے کی مدد پر آ جائیں گے تو سب بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور کسی کو اپنے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ (تفسیر خازن، سورہ قمر، بیروت)

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○
عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے
اور قیامت زیادہ بڑی مصیبت اور زیادہ کڑوی ہے۔

قیامت کے دن کے عذاب کا دنیا کے عذاب سے سخت ہونے کا بیان

"سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُر " وَلَمَّا قَالَ أَبُو جَهْل يَوْم بَدْر إِنَّا جَمْع مُنْتَصِر نَزَلَتْ الْآيَة فَهُزِمُوا بِبَدْرٍ وَنُصِرَ رَسُولُ اللَّه صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ،
"بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ " بِالْعَذَابِ "وَالسَّاعَة" أَيْ عَذَابهَا "أَدْهَى" أَعْظَم بَلِيَّة "وَأَمَرّ" أَشَدّ مَرَارَة مِنْ عَذَاب الدُّنْيَا،

عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ کیونکہ جب ابوجہل نے بدر کے دن کہا کہ ہم مضبوط جماعت ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا بدر کے ان کو شکست ہوئی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے خلاف مدد کی گئی۔ بلکہ قیامت عذاب کے ساتھ ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت یعنی اس کا عذاب زیادہ بڑی مصیبت اور زیادہ کڑوی ہے۔ یعنی وہ دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ سخت عذاب ہے۔

سورت قمر آیت ۴۵ کے شان نزول کا بیان

روز بدر جب ابوجہل نے کہا کہ ہم سب مل کر بدلہ لیں گے، یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ پہن کر یہ آیت تلاوت فرمائی، پھر ایسا ہی ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح ہوئی اور کفار کو ہزیمت ہوئی۔

(تفسیر قرطبی، سورہ قمر، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے دن ایک خیمہ میں یہ دعا مانگ رہے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری امان مانگتا ہوں اور تیرے وعدہ کا ایفاء چاہتا ہوں اے اللہ! اگر تو یہی چاہتا ہے (کہ یہاں دشمنوں کے مقابلہ پر مسلمان ہلاک ہو جائیں) تو (روئے زمین پر کوئی مسلمان باقی نہیں رہے گا اور) آج کے بعد تیری عبادت نہیں ہوگی" جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گڑگڑا کر یہ دعا مانگتے ہی رہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ

لیا اور کہا: یارسول اللہ! بس کیجئے اتنا ہی دعا مانگنا بہت کافی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت الحاح وزاری کے ساتھ اپنے پروردگار سے فتح ونصرت کی التجا کی ہے۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے تھے (فرط مسرت سے) بڑی تیزی کے ساتھ اپنے خیمہ سے باہر آئے اور یہ آیت (جو اس وقت نازل ہوئی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بآواز بلند) پڑھ رہے تھے۔(سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ 54۔القمر:45)"(کفار کی) یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 459)

سورت قمر آیت ۴۶ کے محل نزول کا بیان

حضرت یوسف بن مالک روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پاس تھا کہ ایک عراقی آیا اور پوچھا کون سا کفن بہتر ہے؟ انہوں نے کہا افسوس ہے تجھ پر تجھے کیا چیز تکلیف دیتی ہے اس نے کہا مجھے اپنا مصحف دکھائیے انہوں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ میں قرآن کو اس کی ترتیب کے موافق کرلوں کیونکہ لوگ ترتیب کے خلاف پڑھتے ہیں انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں جو آیت بھی چاہو پہلے پڑھ لو سورت مفصل میں سب سے پہلے وہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال وحرام کی آیت نازل ہوئی اگر پہلے ہی یہ آیت نازل ہو جاتی کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑیں گے اور جب میں کم سن بچی تھی اور کھیلتی تھی تو اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی (بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰی وَاَمَرُّ ،القمر:46) اور سورت بقرہ اور سورت نساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی راوی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے لئے وہ مصحف نکال لائیں اور انہوں نے ان کو سورت کی آیتیں لکھا دیں۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2228)

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ٥ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ٥
یقیناً مجرم لوگ بڑی گمراہی اور دیوانگی میں ہیں۔جس دن وہ لوگ اپنے منہ کے بل دوزخ میں
گھسیٹے جائیں گے۔آگ میں جلنے کا مزہ چکھو۔

اہل جہنم کو گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیئے جانے کا بیان

"إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَال" هَلَاك بِالْقَتْلِ فِي الدُّنْيَا "وَسُعُر" نَار مُسَعَّرَة بِالتَّشْدِيدِ أَيْ مُهَيَّجَة فِي الْآخِرَة،

"يَوْم يُسْحَبُونَ فِي النَّار عَلَى وُجُوههمْ" فِي الْآخِرَة وَيُقَال لَهُمْ "ذُوقُوا مَسَّ سَقَر" إِصَابَة جَهَنَّم لَكُمْ،

یقیناً مجرم لوگ بڑی گمراہی اور دیوانگی میں ہیں۔ یعنی دنیا میں ان کی ہلاکت قتل کے ساتھ ہوئی۔ لفظ مسعرۃ تشدید کے ساتھ آیا ہے یعنی وہ آخرت میں سخت بھڑکتی آگ میں ہوں گے۔ جس دن یعنی آخرت میں وہ لوگ اپنے منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا آگ میں جلنے کا مزہ چکھو۔ کیونکہ دوزخ تمہارے لئے ہے۔

سورت قمر آیت ۴۷ کے سبب نزول کا بیان

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ قریش کے مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں جھگڑنے آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ الی قولہ تعالی اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ، بے شک گناہ گار لوگ گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں اس روز منھ کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے اب آگ کا مزہ چکھو ہم نے ہر چیز اندازہ کے ساتھ پیدا کی ہے۔ (مسلم 2656، نیسابوری 331، ابن کثیر 4۔ (267)

ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ آیت قدریہ (تقدیر کا انکار کرنے والوں) کے متعلق نازل ہوئی۔ (ابن کثیر 4۔ 267، زاد المسیر 8۔ 101، درمنثور 6۔ 137)

سورت قمر آیت ۴۸ کے سبب نزول کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکینِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں جھگڑا کرنے کے لئے آئے تو یہ آیت نازل ہوئی (یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ، القمر: 48) جس دن وہ جہنم میں اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا دوزخ کا عذاب چکھو بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2251)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین تقدیر کے متعلق جھگڑتے ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی (یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ 48 اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ، جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اوندھے منہ، چکھو مزا آگ کا۔ ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1238)

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝
بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک مقرّرہ اندازے کے مطابق بنایا ہے۔ اور ہمارا حکم تو فقط یک بارگی واقع ہو جاتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان کا لفظ کن سے اظہار کا بیان

"اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ " مَنْصُوب بِفِعْلٍ یُفَسِّرهُ "خَلَقْنَاهُ" وَقُرِءَ کُلّ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَأ خَبَره خَلَقْنَاهُ "خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ" بِتَقْدِیرٍ حَال مِنْ کُلّ أَیْ مُقَدَّرًا

"وَمَا أَمْرُنَا" لِشَيْءٍ نُرِيدُ وُجُودَهُ "إِلَّا" مَرَّةً "وَاحِدَةً كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ" فِي السُّرْعَةِ وَهِيَ قَوْلُ: كُنْ فَيُوجَدُ "إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ"

بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے کے مطابق بنایا ہے۔ یہاں پر لفظ کل فعل مقدر خلقناہ کے سبب منصوب ہے اور ایک قرأت میں لفظ کل مبتداء ہونے کی وجہ مرفوع بھی پڑھا گیا جبکہ اس کی خبر خلقناہ ہے یعنی ہم نے مقرر اندازے سے پیدا کیا۔ جو من کل سے حال یعنی مقدرا ہے۔ اور ہمارا حکم تو فقط یک بارگی واقع ہو جاتا ہے یعنی جب ہم کسی چیز کے وجود کا ارادہ کرتے ہیں جیسے آنکھ کا جھپکنا ہے۔ یعنی اتنی تیزی کے ساتھ اور ایک قول یہ ہے لفظ کن پایا جاتا ہے۔ ""إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ""

سورت قمر آیت ۴۹ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت قَدَریوں کے رد میں نازل ہوئی جو قدرت الٰہی کے منکر ہیں اور حوادث کو کواکب وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مسائلِ احادیث میں انہیں اس امت کا مجوس فرمایا گیا اور ان کے پاس بیٹھنے اور ان کے ساتھ کلام شروع کرنے اور وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کرنے اور مر جائیں تو ان کے جنازے میں شریک ہونے کی ممانعت فرمائی گئی اور انہیں دجّال کا ساتھی فرمایا گیا، وہ بدترین خَلق ہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ قمر، بیروت)

مسئلہ تقدیر سے متعلق تفسیری بیان

قدر کے لغوی معنی اندازہ کرنے اور کسی چیز کو حکمت و مصلحت کے مطابق اندازے سے بنانے کے ہیں، اس آیت میں یہ لغوی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے عالم کی تمام مخلوقات کو اور اس کی ہر نوع و صنف کو ایک حکیمانہ اندازہ سے بڑا چھوٹا اور مختلف ہیئت وصورت میں بنایا ہے، پھر ہر نوع و صنف کے ہر فرد کی تخلیق میں بھی حکیمانہ انداز بڑی حکمت کے ساتھ رکھا ہے، انگلیاں سب یکساں نہیں بنائیں، طول میں فرق رکھا، ہاتھوں پاؤں کے طول و عرض اور ان کے کھلنے بند ہونے سمٹنے اور پھیلنے کے لئے اسپرنگ لگائے، ایک ایک عضو کے ایک ایک جز کو دیکھو تو قدرت و حکمت خداوندی کے عجیب و غریب دروازے کھلتے نظر آنے لگیں۔

اور اصطلاح شرع میں لفظ قدر بمعنی تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے اور اکثر ائمہ تفسیر نے بعض روایات حدیث کی بناء پر اس آیت میں قدر سے تقدیر الٰہی مراد لی ہے۔

مسند احمد، مسلم، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ مشرکین قریش ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق مخاصمت کرنے لگے، تو اس پر یہ آیت قرآن نازل ہوئی، اس معنی کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ہم نے تمام عالم کی ایک ایک چیز کو اپنی تقدیر ازلی کے مطابق بنایا ہے، یعنی ازل میں پیدا ہونے والی چیز اور اس کی مقدار زمانہ و مکان اور اس کے بڑھنے گھٹنے کا پیمانہ عالم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا جو کچھ عالم میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔

تقدیر کا یہ مسئلہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے اس کا منکر کافر، اور جو فرقے بتاویل انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں امام احمد، ابوداؤد، طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت میں کچھ لوگ مجوسی ہوتے ہیں ،اس امت محمدیہ کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں، ایسے لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور مر جائیں تو ان کے کفن دفن میں شریک نہ ہو۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ قمر، بیروت)

تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

تقدیر پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے یعنی وجود ایمان کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ بندوں کے تمام اعمال خواہ وہ نیک ہوں یا بد، ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیئے گئے ہیں، بندہ سے جو عمل بھی سرزد ہوتا ہے وہ اللہ کے علم و اندازہ کے مطابق ہوتا ہے، لیکن اللہ نے انسان کو عقل و دانش کی دولت سے نواز کر اس کے سامنے نیکی اور بدی دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں اور ان پر چلنے کا اختیار دے دیا اور بتا دیا کہ اگر نیکی کے (راستہ کو) اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوگا جس پر جزاء و انعام سے نوازے جاؤ گے اور اگر بدی کے راستہ کو اختیار کرو گے تو یہ اللہ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوگا جس کی وجہ سے سزا اور عذاب کے مستحق گردانے جاؤ گے۔

منقول ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قضا و قدر کے بارہ میں سوال کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "یہ ایک بڑا راستہ ہے اس پر نہ چلو" اس آدمی نے "پھر یہی سوال کیا" "انہوں نے فرمایا" یہ ایک گہرا دریا ہے، اس میں نہ اترو وہ آدمی نہ مانا اور اس نے پھر سوال کیا۔ آخر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ اللہ کا ایک راز ہے جو تم سے پوشیدہ ہے اس لئے اس کی تفتیش و تحقیق میں مت پڑو"۔ لہٰذا اخروی سعادت اسی میں ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں اللہ اور اللہ کے رسول نے جو کچھ بتایا ہے اور جن اعتقادات کو ماننے کے لئے کہا ہے اس پر عمل پیرا ہو جائے، ورنہ اپنی عقل کے تیر چلانا در حقیقت گمراہی کا راستہ اختیار کرنا اور تباہی و بربادی کی راہ پر لگنا ہے۔

زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تقدیر کے لکھ دیئے جانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا ہے۔ اور "فرمایا" (اس وقت) اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 76)

ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات اجسام ظاہری اور مادیات کی ثقاوت سے پاک ہے اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ نے خود اپنے ہاتھ سے تقدیریں لکھ دی تھیں، بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی ان کی تقدیریں قلم کو جاری ہونے کا حکم دے کر اس کے ذریعہ لوح محفوظ میں ثبت کر دی تھیں، یا یہ کہ فرشتوں کو حکم دے کر ان سے تقدیریں لکھوا دی تھیں۔

منقول ہے کہ زمین و آسمان اور تمام مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے پانی ہی پانی تھا اور کہا جاتا ہے کہ پانی کا استقرار ہوا پر تھا اور ہوا

اللہ کی قدرت پر قائم تھی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اس عالم میں ازل سے لے کر ابد تک ہونے والے تمام واقعات واعمال اسی وقت اللہ کے علم میں تھے۔ جب کہ یہ زمین وآسمان بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور اس کا عرش پانی پر تھا جس کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل نہیں تھی۔

مسئلہ تقدیر اور آدم وموسیٰ علیہما السلام کے درمیان بحث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (عالم رواح میں) آدم وموسیٰ علیہما السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے مناظرہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ وہی آدم ہیں جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا آپ میں اپنی روح پھونکی تھی، فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا تھا اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا تھا اور پھر آپ نے اپنی خطاء سے لوگوں کو زمین پر اتروا دیا تھا (یعنی اگر آپ خطا نہ کرتے تو یہاں زمین پر نہ اتارے جاتے اور آپ کی اولاد اس دنیا میں نہ پھیلتی بلکہ جنت میں رہتی) آدم علیہ السلام نے کہا تم وہی موسیٰ ہو جن کو اللہ نے اپنے منصب رسالت سے نواز کر برگزیدہ کیا اور ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرمایا تھا اور تم کو وہ تختیاں دی تھیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور پھر تم کو سرگوشی کے لئے تقرب کی عزت بخشی تھی اور کیا تم جانتے ہو اللہ نے میری پیدائش سے کتنے عرصہ پہلے تورات کو لکھ دیا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا" چالیس سال پہلے! آدم علیہ السلام نے پوچھا" کیا تم نے تورات میں یہ لکھے ہوئے الفاظ نہیں پائے (ایت وعصی آدم ربہ فغوی) (یعنی آدم نے اپنے رب کے حکم میں لغزش کھائی اور اس سے دور ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہاں ہاں۔ آدم علیہ السلام نے کہا پھر تم مجھ کو میرے اس عمل پر کیوں ملامت کرتے ہو جس کو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میرے لئے لکھ دیا تھا،" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اس دلیل سے) آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 78)

حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جو دلیل پیش کی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے چونکہ میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے یہ لکھ دیا تھا کہ میں شیطان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے بہک جاؤں گا اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے شجر ممنوع کا استعمال کرلوں گا۔ لہٰذا اس میں میرے کسب واختیار کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ گمراہی میرے مقدر میں لکھی گئی تھی اس لئے اس کا مجھ سے صادر ہونا لازم وضروری تھا لہٰذا میں مورد الزام نہیں ٹھہر سکتا۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی کو میری پیدائش سے بھی پہلے میرے لئے لوح محفوظ میں مقدر فرما دیا تھا جس کا ملطب یہ تھا کہ وہ ضرور بروقت وقوع پذیر ہوگی، لہٰذا جب وقت مقدر آ پہنچا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ امر مقدر اور اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف وہ عمل ممنوع سرزد نہ ہوتا چنانچہ تم مجھ پر یہ الزام تو ڈال رہے ہو اور تمہیں سبب ظاہری یعنی میرا کسب واختیار تو یاد رہا لیکن اصل چیز یعنی مقدر سے تم صرف نظر کر گئے۔ حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ اس عالم دنیا میں نہیں ہوا جہاں اسباب سے قطع نظر درست نہیں ہے بلکہ یہ مناظرہ عالم بالا میں ان دونوں کی روحوں کے درمیان ہوا تھا۔ اسی لئے یہاں یہ بات بطور خاص ذہن نشین کر

لینی چاہیے کہ اگر کوئی عاصی و گناہ گار اس قسم کی دلیل کا سہارا لینے لگے تو وہ اس کے لئے کار آمد نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت آدم کا معاملہ اس جہاں میں تھا جہاں وہ اسباب کے مکلف نہیں تھے اور پھر ان کی یہ خطاء بارگاہ الوہیت سے معاف بھی کردی گئی تھی، للہذا یہاں تو کسب و اختیار اور ابواب کی بناء پر مواخذہ ہوگا کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ پر جو تختیاں اتری تھیں وہ زمرد کی تھیں اور ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھیں، ان تختیوں میں ان کی قوم کے لئے اللہ کی جانب سے احکام و مسائل لکھے ہوئے تھے، ان تختیوں میں جو مضامین مذکور تھے وہ قدیم ہیں للہذا چالیس سال کی تحدید ان مضامین کے بارہ میں نہیں ہوگی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ مضامین جو ان تختیوں پر لکھے گئے تھے، ان کے لکھنے کی مدت آدم کی پیدائش سے چالیس سال قبل ہے۔

حکم تقدیر کے غالب آجانے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ صادق و مصدوق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا۔ تم میں سے ہر آدمی کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ (پہلے) اس کا نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں یعنی چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون بنتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں کے بعد وہ لوتھڑا ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار باتوں کے لکھنے کے لئے بھیجتا ہے، چنانچہ وہ فرشتہ اس کے عمل اس کی موت (کا وقت) اس کے رزق (کی مقدار) اور اس کا بد بخت و نیک بخت ہونا اللہ کے حکم سے اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے ایک آدمی جنت والوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔

یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا آگے آتا ہے۔ اور وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں ایک آدمی دوزخیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا سامنے آتا ہے اور وہ جنت والوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 79)

دعا کی برکت سے تقدیر معلق کے بدل جانے کا بیان

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تقدیر کو دعا کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بدلتی اور عمر کو نیکی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بڑھاتی۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 756)

تقدیر سے مراد ہے ایسی ناپسندیدہ چیز کا پیش آنا جس سے انسان ڈرتا ہے، للہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب بندہ کو دعا کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ایسی چیز کو دور کرتا ہے۔ تقدیر کی قسمیں خوب سمجھ لیجئے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک تو "مبرم" اور دوسری "معلق" تقدیر مبرم تو حق تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہوتا ہے جو چیز پیش آنے والی ہوتی ہے اس میں کچھ بھی تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے مگر تقدیر معلق میں بعض اسباب کی بناء پر تغیر و تبدل بھی ہوتا ہے۔ للہذا یہاں حدیث میں جس تقدیر کے بارہ میں کہا ہے کہ وہ دعا سے بدل جاتی ہے وہ تقدیر معلق ہی ہے یہاں تقدیر مبرم مراد نہیں ہے۔ نیکی سے عمر میں اضافہ کا مطلب حدیث سے جو یہ بات

معلوم ہوتی ہے کہ نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کے بارہ میں بھی سمجھ لیجئے کہ یہاں بھی عمر کی کمی و زیادتی تقدیر معلق کے اعتبار سے ہے یعنی تقدیر میں لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اگر نیکی کرے گا تو اتنی عمر ہوگی اور اگر نیکی نہ کرے گا تو اتنی عمر ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لوح محفوظ میں اس طرح لکھا جاتا ہے کہ مثلاً اگر فلاں شخص حج کرے گا یا جہاد کرے گا تو اس کی عمر چالیس سال کی ہوگی اور اگر حج و جہاد دونوں کرے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگی لہٰذا اگر اس شخص نے حج بھی کیا اور جہاد بھی کیا تو اس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگی اس طرح اس کی عمر بڑھ گئی اور اگر اس نے صرف جہاد ہی کیا یا صرف حج ہی کیا تو اس کی عمر چالیس سال کی ہوگی اس طرح اس کی عمر انتہاء عمر سے کہ وہ ساٹھ سال تھی کم ہوئی۔ بعض حضرات نے حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے نیکی کی اس کی عمر ضائع نہیں ہوئی پس گویا اس کی عمر زیادہ ہوئی اس اعتبار سے یہاں فرمایا گیا ہے کہ نیکی انسان کی عمر میں اضافہ کر دیتی ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝
وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝
اور بیشک ہم نے تمہارے گروہوں کو ہلاک کر ڈالا، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔
اور ہر چیز جسے انھوں نے کیا وہ دفتروں میں درج ہے۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔

ہر چھوٹی و بڑی چیز کا لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ" أَشْبَاهَكُمْ فِي الْكُفْر مِنَ الْأُمَم الْمَاضِيَة "فَهَلْ مِنْ مُدَّكِر" اسْتِفْهَام بِمَعْنَى الْأَمْر أَيْ اُذْكُرُوا وَاتَّعِظُوا "وَكُلّ شَيْء فَعَلُوهُ" أَيْ الْعِبَاد مَكْتُوب "فِي الزُّبُر" كُتُب الْحَفَظَة،

"وَكُلّ صَغِير وَكَبِير" مِنْ الذَّنْب أَوْ الْعَمَل "مُسْتَطَر" مَكْتُوب فِي اللَّوْح الْمَحْفُوظ،

اور بیشک ہم نے تمہارے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر ڈالا، یعنی جو سابقہ قومیں کفر میں تمہارے جیسی تھیں۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ یہاں پر بھی استفہام بہ معنی امر ہے۔ یعنی نصیحت و وعظ حاصل کرو۔ اور ہر چیز جسے انھوں نے کیا وہ دفتروں میں درج ہے۔ یعنی فرشتوں کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔ یعنی جو بھی گناہ یا عمل ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

اَدْهٰى وَ اَمَرُّ، ادھی کے معنی زیادہ ہیبت ناک اور اَمَر مُرٌّ سے ماخوذ ہے، جس کے اصلی معنی کڑوے کے ہیں اور ہر سخت اور تکلیف دہ چیز کو بھی مراد امر کہہ دیا جاتا ہے، فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ، ضلال کے معنی معروف ہیں گمراہی اور سعر کے معنی اس جگہ جہنم کی آگ کے ہیں، اَشْیَاعَکُمْ، اشیاع، شیعہ کی جمع ہے، جس کی معنی متبع اور پیروکار کے ہیں، مراد وہ لوگ ہیں جو عمل میں ان کے متبع یا مثل ہیں،

مَقْعَدِ صِدْقٍ، مقعد کے معنی مجلس اور مقام کے ہیں اور صدق بمعنی حق ہے، مراد یہ ہے کہ یہ مجلس حق ہوگی جس میں کوئی لغو و بیہودہ بات نہ ہوگی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ قمر، بیروت)

اچھے برے اعمال کے لکھ لئے جانے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھی یعنی فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ لوح محفوظ میں نیکیوں اور برائیوں کے بارہ میں یہ تفصیل لکھ دیں کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور وہ اس پر عمل نہ کر سکے (یعنی ارادہ کے باوجود وہ کسی عذر کی بناء پر اس نیکی کو کرنے پر قادر نہ ہو سکے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں اس ارادہ ہی کو ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے اور جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور پھر اس نیکی کو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ لیتا ہے۔

یعنی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے اللہ چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے بحسب اخلاص اور ادائیگی شرائط و آداب اس سے بھی زیادہ ثواب لکھتا ہے اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اللہ کے خوف کی وجہ سے اس برائی میں بھی مبتلا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا تو پھر اس برائی میں مبتلا بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک ہی برائی لکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 906)

نیکیوں سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو کرنے سے ثواب ملتا ہے اور برائیوں سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو کرنے سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ جو شخص کسی نیکی کا اردہ کرے اور وہ نیکی کسی وجہ سے نہ کر سکے تو اس کے لئے بھی ایک نیکی اس لئے لکھی جاتی ہے کہ کسی بھی عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر اور افضل ہوتی ہے بلکہ یوں کہئے کہ اصل تو نیت ہی ہے عمل کا درجہ اس کے بعد ہے کیونکہ عمل کے بغیر صرف نیت پر تو ثواب دیا جاتا ہے مگر نیت کے بغیر صرف عمل پر ثواب نہیں دیا جاتا ہاں اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ بغیر عمل کے نیت پر جو ثواب ملتا ہے وہ مضاعف نہیں ہوتا۔ نیکی پر ثواب کے مضاعف ہونے کی مقدار کو سات سو تک بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ثواب میں کتنا اضافہ کرتا ہے اس کی آخر حد اور مقدار کسی کو معلوم نہیں ہے کیونکہ سات سو کے بعد مقدار کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف رغبت دلانے کے لئے اس کو معین کرکے ذکر کرنے کی بجائے مبہم ذکر کرنا زیادہ موثر ہوتا ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ آیت (فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝
بیشک پرہیزگار جنتوں اور نہروں میں ہوں گے۔

اہل جنت کیلئے مختلف نہروں کے ہونے کا بیان

"اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰت" بَسَاتِين "وَنَهَر" أُرِيدَ بِهِ الْجِنْس وَقُرِئَ بِضَمِّ النُّون وَالْهَاء جَمْعًا

كَأَسَدٍ وَأُسُد.وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ يَشْرَبُوْنَ مِنْ أَنْهَارِهَا الْمَاءِ وَاللَّبَن وَالْعَسَل وَالْخَمر،

بیشک پرہیز گار جنتوں اور نہروں میں لطف اندوز ہوں گے۔ یہاں پر جنس نہر کا ارادہ کیا گیا ہے یہاں پر لفظ نہر کا نون کے ضمہ اور ہاء کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ جس طرح اسد اور اُسد ہے۔ معنی یہ ہے کہ جنتی ان نہروں سے پانی اور دودھ، شہد اور شراب طہور پئیں گے۔

جنت کے درجات اور جنت فردوس کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں سو درجے ہیں ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین وآسمان کے درمیان ہے اور فردوس صورۃ اور معنی وہ اپنے درجات (کی بلندی) کے اعتبار سے سب جنتوں سے اعلیٰ و برتر ہے اور اسی فردوس سے بہشت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اور فردوس ہی کے اوپر عرش الٰہی ہے پس جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگو (جو سب سے اعلیٰ و برتر ہے)" اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 184)

سو درجے "میں سو کا عدد تعین وتحدید کے لئے نہیں بلکہ " کثرت " کے اظہار کے لئے بھی ہو سکتا ہے اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو بیہقی نے نقل کیا ہے اور جس میں جنت کے درجات کی تعداد قرآن کی آیتوں کے برابر بیان کی گئی ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں **عدد درج الجنت عدد ای القران فمن دخل الجنة من اهل القران فليس فوقه درجة** اور یہ بھی ممکن ہے کہ "سو" سے یہ خاص عدد ہی مراد ہو اور اس کے ذریعہ جنت کے کثیر درجات میں صرف ان سو درجوں کا بیان کرنا مقصود ہو، جن میں سے ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ مذکور فاصلہ سے کم یا زیادہ ہوگا۔

امام دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جنت میں ایک درجہ وہ ہے، جس تک اصحاب ہموم کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچے گا" فردوس" جنت کا نام ہے اور یہ نام قرآن کریم میں بایں طور مذکور ہے کہ:

(أُولَٰئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ 10 الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ،المؤمنون:10-11)"

یہی (پاک طینت پاک کردار) لوگ (جن کا پچھلی آیتوں میں ذکر ہوا) وارث بنیں گے (یعنی فردوس کی میراث حاصل کریں گے (اور) اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے " چاروں نہروں " سے مراد پانی، دودھ شہد اور شراب کی وہ نہریں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں کیا گیا ہے۔ **"فيها انهار من ماء غير اسن وانهار من لبن لم يتغير طعمه وانهار من خمر لذة للشاربين وانهار من عسل مصفى** ۔"جنت میں بہت سی چیزیں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلہ ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف وشفاف ہوگا۔" فردوس ہی کے اوپر عرش الٰہی ہے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فردوس سب جنتوں سے افضل اور اوپر ہے کہ اس کے اوپر بس عرش الٰہی ہے۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تلقین فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگو تا کہ سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر جنت تمہیں حاصل ہو۔

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝
صدق کی مجلس میں، عظیم بادشاہ کے پاس، جو بے حد قدرت والا ہے۔

مجلس صدق کا بیان

"فِي مَقْعَد صِدْق" مَجْلِس حَقّ لَا لَغْو فِيهِ وَلَا تَأْثِيم أُرِيدَ بِهِ الْجِنْس وَقُرِءَ مَقَاعِد الْمَعْنَى أَنَّهُمْ فِي مَجَالِس مِنْ الْجَنَّات سَالِمَة مِنْ اللَّغْو وَالتَّأْثِيم بِخِلَافِ مَجَالِس الدُّنْيَا فَقَلَّ أَنْ تَسْلَم مِنْ ذَلِكَ وَأُعْرِبَ هَذَا خَبَرًا ثَانِيًا وَبَدَلًا وَهُوَ صَادِق بِبَدَلِ الْبَعْض وَغَيْره "عِنْد مَلِيك" مِثَال مُبَالَغَة أَيْ عَزِيز الْمُلْك وَاسِعه "مُقْتَدِر" قَادِر لَا يُعْجِزهُ شَيْء وَهُوَ اللَّه تَعَالَى وَعِنْده إِشَارَة إِلَى الرُّتْبَة وَالْقُرْبَة مِنْ فَضْله تَعَالَى،

صدق کی مجلس میں، یعنی حق کی مجلس میں ہوں گے جہاں پر کوئی فضول باتیں اور گناہ کی باتیں نہ ہوں گی۔ اور یہاں پر جنس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور مقاعد پڑھا گیا ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ مجالس جنتوں میں ہوں گی جو لغو و گناہ سے پاک ہوں گی جبکہ دنیا کی مجالس میں میں بہت کم ہے جو اسی طرح کی ہوں۔ اور مقعد صدق کو ان کی خبر ثانی کا اعراب بھی دیا گیا ہے۔ جب وہ جنت سے بدل ہو۔ اور وہ بدل بعض وغیرہ پر بھی صادق آتا ہے۔ عظیم بادشاہ کے پاس، یہ مبالغہ کی مثال ہے۔ یعنی وسیع مملکت والا ہے۔ جو بے حد قدرت والا ہے۔ لہٰذا اس کو کوئی چیز عاجز کرنیوالی نہیں ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور عند سے مرتبے کی جانب اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد اس کا قرب ہے۔

دنیا میں ذکر کرنے والے کا اعلیٰ مجلس میں ذکر ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارہ میں رکھتا ہے جب وہ دل سے یا زبان سے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنی ذات میں یعنی خفیہ طور پر اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں (یعنی نہ کہ اس کو صرف پوشیدہ طور پر ثواب دیتا ہوں بلکہ اس کو از خود ثواب دیتا ہوں ثواب دینے کا کام کسی اور کے سپرد نہیں کرتا) اگر وہ مجھے جماعت میں (یعنی ظاہری طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 785)

میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ میری نسبت جو گمان و خیال رکھتا ہے میں اس کے لئے

ویسا ہی ہوں اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے جس کی وہ مجھ سے توقع رکھتا ہے اگر وہ مجھ سے عفو معافی کی امید رکھتا ہے تو اس کو معافی دیتا ہوں اور اگر وہ میرے عذاب کا گمان رکھتا ہے تو پھر عذاب دیتا ہوں۔ اس ارشاد کے ذریعہ گویا ترغیب دلائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی امید اس کے عذاب کے خوف پر غالب ہونی چاہئے اور اس کے بارہ میں اچھا گمان رکھنا چاہئے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں بخشش اور لامحدود رحمت سے نوازے گا۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ اللہ ایک شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم کرے گا جب اسے کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب تیرے بارے میں میرا گمان اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو واپس لے آؤ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔ امید کا مطلب اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کیا جائے اور پھر بخشش کا امیدوار رہے بغیر عمل صرف امید ہی پر تکیہ کر لینا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے یعنی ایسی امید کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو شخص میری یاد میں مشغول رہتا ہے تو میں اسے مزید نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دیتا ہوں اور اس پر رحمت نازل کرتا ہوں اور اس کی مدد و حفاظت کرتا ہوں۔

مقام صدق میں لوگوں کے احوال کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو لوگ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے (یعنی انبیاء علیہم السلام) وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و منور ہونگے اور ان کے بعد جو لوگ داخل ہوں گے (یعنی علماء، اولیاء، شہدا اور صلحاء) وہ اس ستارے کی مانند روشن و چمکدار ہوں گے جو آسمان پر بہت تیز چمکتا ہے (اور چاند و سورج سے کم لیکن اور ستاروں سے زیادہ روشن ہوتا ہے) تمام جنتیوں کے دل ایک شخص کے دل کی مانند ہوں گے (یعنی ان کے درمیان اس طرح باہمی ربط و اتفاق ہوگا کہ وہ سب ایک دل اور ایک جان ہوں گے) نہ تو ان میں کوئی باہمی اختلاف ہوگا اور نہ وہ ایک دوسرے سے کوئی بغض و عداوت رکھیں گے۔ ان میں سے ہر ایک شخص کے لئے حورعین میں سے دو دو بیویاں ہوں گی (جو اتنی زیادہ حسین و جمیل اور صاف شفاف ہوں گی کہ) ان کی پنڈلیوں کی ہڈی کا گودا ہڈی اور گوشت کے باہر سے نظر آئے گا۔ تمام جنتی صبح و شام (یعنی ہر وقت) اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں گے وہ نہ تو بیمار ہوں گے، نہ پیشاب کریں گے، نہ پاخانہ پھریں گے، نہ تھوکیں گے اور نہ (رینٹھ) سنکیں گے، ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن "اگر" ہوگا۔ ان کا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا اور سارے جنتی ایک شخص کی سی عادت و سیرت کے ہوں گے (یعنی سب کے سب یکساں طور پر خوش خلق و ملنسار اور ایک دوسرے سے گہرا ربط و تعلق رکھنے والے ہوں گے) نیز وہ سب شکل و صورت میں باپ آدم علیہ السلام کی طرح ہوں گے اور ساٹھ گز اونچا قد رکھتے ہوں گے۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 186)

سورہ قمر کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالی کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ قمر کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے ،اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکرادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُوْرَةُ الرَّحْمٰن

یہ قرآن مجید کی سورت الرحمٰن ہے

سورت الرحمٰن کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الرَّحْمَن (مَکِّیَّۃٌ إِلَّا آیَۃ 29 فَمَدَنِیَّۃٌ وَآیَاتُھَا سِتٌّ أَوْ ثَمَان وَسَبْعُونَ آیَۃ)

سورہ رحمٰن مکیہ ہے، اس میں تین رکوع اور اس میں ۷۶ یا ۷۸ آیات ہیں اور تین سو اکیاون کلمات، ایک ہزار چھ سو چھتیس حروف ہیں۔

سورت الرحمٰن کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کا پہلا لفظ ہی الرحمٰن ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک خاص نام ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عموم کا بھی بیان ہوا ہے۔ پس اسی مناسبت سے یہ سورت الرحمٰن کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

اسی طرح کی اور بھی چند روایات قرطبی نے نقل کی ہیں جن سے اس سورت کا مکی ہونا معلوم ہوتا ہے اس سورت کو لفظ رحمٰن سے شروع کیا گیا اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے رحمٰن سے واقف نہ تھے، اسی لئے کہتے تھے وما الرحمٰن کہ رحمٰن کیا چیز ہے، ان لوگوں کو واقف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے یہاں رحمٰن کا انتخاب کیا گیا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آگے جو کام رحمٰن کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی تعلیم قرآن، اس میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اس تعلیم قرآن کا مقتضی اور سبب داعی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، ورنہ اس کے ذمہ کوئی کام واجب وضروری نہیں، جس کا اس سے سوال کیا جاسکے اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

سورت الرحمٰن کا قرآن کی زینت ہونے کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر چیز کے لئے زینت ہوتی ہے اور قرآن کریم کی زینت سورت رحمٰن ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 690)

سورت رحمٰن کو قرآن کریم کی زینت اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس میں دنیا وآخرت کی نعمتوں کا بیان ہے حوروں کے اوصاف کا بیان ہے جو جنت کی دلہنیں ہیں اور ان حوروں کے زیورات وغیرہ کا بیان ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ o
رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔
سورج اور چاند مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا

"الرَّحْمَن" اللَّه تَعَالَى "عَلَّمَ" مَنْ شَاء "خَلَقَ الْإِنْسَان" أَيْ الْجِنْس "عَلَّمَهُ الْبَيَان" النُّطْق "الشَّمْس وَالْقَمَر بِحُسْبَانٍ" يَجْرِيَانِ

رحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ اس نے انسان یعنی جنس انسان کو پیدا کیا۔ ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔ یعنی بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند اسی کے مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔

سورت الرحمٰن آیت ۲ کے شان نزول کا بیان

جب آیت (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ، السجدہ، الفرقان: 60) نازل ہوئی، کفار مکہ نے کہا رحمٰن کیا ہے، ہم نہیں جانتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اَلرَّحمٰن نازل فرمائی کہ رحمٰن جس کا تم انکار کرتے ہو، وہی ہے جس نے قرآن نازل فرمایا، اور ایک قول یہ ہے کہ اہل مکہ نے جب کہا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کوئی بشر سکھاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن نے قرآن اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھایا۔ (تفسیر خازن، سورہ الرحمٰن، بیروت)

انسان سے اس آیت میں سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور بیان سے مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا بیان، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوّلین وآخرین کی خبریں دیتے تھے۔ (تفسیر خازن، سورہ الرحمٰن، بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک کے احوال کو بیان کر دینے کا بیان

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں قیام فرمایا: اس مقام میں قیامت تک ہونے والی کسی چیز کو نہ چھوڑا مگر سب کو بیان فرمادیا۔ (الحدیث) (صحیح مسلم، ج ۲، ۳۹۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

آنے والے وقت اور موت کا علم ہونے کا بیان

حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اور اُس جگہ ہاتھ رکھتے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر متجاوز نہیں ہوا (یعنی جس جگہ آپ نے اس کا نام لیکر کہا تھا کہ وہ یہاں مرے گا وہ وہیں مرا) (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۰۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم غیب کا اظہار فرماتے ہوئے جن کافروں کی موت کی خبر دی، وہ کافر اسی

جگہ مرا، کیونکہ موت کا علم غیب کا علم ہے جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔اسی طرح آنے والے وقت کا علم بھی اللہ تعالی نے آپ کو عطا فرمایا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کافر کے بارے میں جس جگہ نشاندہی کی تھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو ایک محدث اور جلیل القدر صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ وہ کافر اسی جگہ مرا، اس جگہ سے ذرا برابر بھی اِدھر یا اُدھر نہ ہو سکا۔

قبر کے عذاب وثواب کے علم کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا: ان دونوں کو ضرور عذاب ہورہا ہے اوران کو کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں ہورہا، ان میں سے ایک چغلی کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ توڑی۔

اوراس کے دو ٹکڑے کئے، پھران میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ پھر فرمایا: تحقیق یہ ہے کہ جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (صحیح بخاری، ج۱ص۱۸۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بخاری شریف کی اس حدیث میں کتنی صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس گزرتے ہی ان کے عذاب کا ادراک کرلیا جو کہ علم غیب میں سے ہے کیونکہ وہاں سے ہزاروں لوگ اگر ہزاروں سال گزرتے رہتے مگر کسی کو عذاب وثواب کا علم نہ ہوتا۔ آج بھی یہی حال ہے کہ قبر میں میت کو عذاب ہو یا اسے ثواب ملے لیکن لوگ اس سے بے خبر ہیں کیونکہ قبر کے عذاب وثواب کو لوگوں سے پردے میں رکھا گیا ہے حتیٰ کہ جدید دور میں کئی نام نہاد میڈیا کے لوگوں نے کوشش کی ہے کہ وہ اس غیب کا مشاہدہ کریں لیکن اللہ تعالی نے ایسا کرنے والوں کو دنیا ہی میں عذاب دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے لاؤڈ سپیکر ON کر کے قبر کے سوال وجواب معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ کی قدرت نے ان سے ایسا سلوک کیا کہ ان لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ کیونکہ وہ اس علم غیب کو حاصل نہیں کرسکتے۔ جبکہ یہی علم غیب اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔

جنتی یا دوزخی ہونے کے علم کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ سورج ڈھل چکا تھا آپ نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی جب آپ نے سلام پھیرا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر کیا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا: جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے، خدا کی قسم! جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کسی بات کا سوال ہم سے کرو گے ہم ضرور تمہیں اس کی خبر دیں گے، ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: حذافہ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے، مجھے سے سوال کرو، مجھ سے سوال کرو۔ (الخ) (صحیح بخاری، ج۲،ص۱۰۸۳، وزارت تعلیم اسلام آباد)

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ٹھکانہ بتادیا کہ وہ جہنمی ہے۔حالانکہ جہنمی ہونا یا جنتی ہونا یہ قیامت کے بعد حساب وکتاب کے بعد کا علم ہے اور اللہ نے اس علم کو لوگوں سے پردے میں رکھا ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں قطعی علم نہیں رکھتا کہ وہ دوزخی ہوگا یا جنتی ہوگا، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی عطا سے اس غیب کا اظہار فرمادیا ہے۔

کون مومن ہوگا کون کافر ہوگا کا علم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتادیا گیا ہے کہ کون ہم پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔یہ خبر جب منافقین کو پہنچی تو ہنس کر کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے پیدائش سے پہلے ہی کافر ومومن کی خبر ہوگئی ہے، جبکہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے نہیں۔یہ خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد وثناء کی پھر فرمایا: ان قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں ہم سے جو بھی پوچھو گے، ہم تم کو خبر دیں گے۔(تفسیر خازن، پارہ نمبر ۴، مطبوعہ بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں طعنہ کرنا منافقوں کا کام ہے۔اس سے وہ بدعقیدہ لوگ عبرت حاصل کریں جو اردو ادب کی چند لکیریں پڑھ کر علم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارنے میں بحث ومباحثہ کرتے ہیں اور بے باک ہوکر یہ کہہ دیتے ہیں کہ انہیں غیب کا علم نہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تمہاری اس بدعقیدگی کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے کہ بدعقیدہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر طعنہ کرکے منافقین کے نقش قدم پر چلیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کائنات کی ہر چیز منکشف ہوگئی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھانے کیلئے آنے میں دیر کردی حتی کہ سورج کے نکلنے کا وقت قریب آگیا، پھر آپ نے جلدی جلدی نماز پڑھائی، پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ نے بہ آواز بلند فرمایا: تم جس طرح بیٹھے ہوا پنی اپنی صفوں پر بیٹھے رہو، پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: میں عنقریب تم سے بیان کروں گا کہ مجھے صبح آنے میں تاخیر کیوں ہوگئی، آپ نے فرمایا: میں رات کو اٹھا اور میں نے وضو کرکے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر کردی گئی تھی، پھر مجھے نماز میں نیند آگئی۔اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالی کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اللہ تعالی نے فرمایا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے کہا یا میرے رب، لبیک! فرمایا: فرشتے کس چیز میں بحث کررہے ہیں؟

میں نے کہا اے میرے رب! مجھے از خود علم نہیں، یہ مکالمہ تین بار رہا، پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالی نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے جان لیا۔(الحدیث) امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن، صحیح ہے اور میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔(جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۳۲۴۶) مسند احمد، رقم الحدیث، ۲۲۷۰۰)

جامع ترمذی کی دوسری سند کے مطابق یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جان لیا جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے۔اور آپ نے پوروں کی ٹھنڈک اور علم حاصل ہونے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں جواب دیا کہ مقرب فرشتے کفارات کے بارے میں بحث کرر ہے ہیں۔(ترمذی)

سورج اور چاند کے حساب کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب سورج غروب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج جاتا ہے حتیٰ کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر (طلوع ہونے کی) اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت مل جاتی ہے اور عنقریب وہ وقت آئے گا کہ یہ (جاکر) سجدہ کرے گا تو وہ مقبول نہ ہوگا اور (طلوع ہونے کی) اجازت چاہے گا تو اجازت نہ ملے گی بلکہ اسے حکم ہوگا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا اس وقت یہ مغرب سے طلوع ہوگا اور یہی اس آیت کریمہ کا مطلب ہے اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست ہے علم والا ہے۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 459)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند اور سورج کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے بلکہ یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں لہٰذا جب تم ان دونوں کو گرہن دیکھو تو نماز پڑھو۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 461)

سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنے کا بیان

حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سورج گرہن کے وقت (اس طرح) نماز پڑھائی (کہ) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں سنتے تھے۔

(جامع ترمذی، ابوداؤدو، سنن نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1463)

یہ حدیث اور اسی قسم کی اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کسوف میں امام بآواز بلند قرات نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا مسلک یہ ہے۔صحیح البخاری وصحیح مسلم نیز دوسری کتابوں میں ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ جن سے نماز کسوف کی قرات کا بآواز بلند ہونا ثابت ہوتا ہے۔روایات کے اس تعارض کے پیش نظر حضرت ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب روایتوں میں تعارض پیدا ہوا تو ان روایتوں کو ترجیح دینا ضروری ہوا جن سے قراء کا بآواز آہستہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کی نماز میں قرات کا بآواز آہستہ ہونا اصل ہے۔

آفتاب مکمل ہونے تک کسوف پڑھنے کا بیان

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی) یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھتے اگر گرہن ختم نہ ہوتا تو پھر دو دو رکعت نماز پڑھتے اسی طرح گرہن تک نماز پڑھتے رہے) اور (اللہ تعالیٰ سے یہ دعا) مانگتے (کہ یا اللہ آفتاب روشن کر دے یا یہ کہ ہر دو دو رکعت کے بعد لوگوں سے گرہن کے بارہ میں پوچھتے کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ابھی گرہن باقی ہے تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے) جہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔" (ابوداؤد) اور سنن نسائی کی روایت ہے کہ "جب سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی جس میں رکوع وسجدہ کرتے تھے" سنن نسائی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ایک روز جب کہ سورج کو گرہن ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجلت کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ زمین پر رہنے والے بڑے آدمیوں میں سے کسی بڑے آدمی کے مر جانے کی وجہ سے سورج اور چاند کو گرہن لگتا ہے، حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) سورج و چاند نہ تو کسی کے مر جانے کی وجہ سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں محض اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، اللہ جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تغیر (مثلاً گرہن، روشنی اور اندھیرا) پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھنی شروع کر دو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ظاہر ہو جائے (یعنی عذاب آ جائے یا قیامت شروع ہو جائے)۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1466)

حدیث کے الفاظ "ہماری نماز کی طرح کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں کئی کئی رکوع نہیں کئے بلکہ جس طرح کہ ہم روزمرہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں ایک ایک رکوع اور دو دو سجدے کئے۔" یہ حدیث حنیفہ کے مسلک کی دلیل ہیں اس کے علاوہ اور احادیث بھی منقول ہیں جو اس مسئلہ میں حنیفہ کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

نماز کسوف میں لمبی قرأت کرنے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسوف کی نماز پڑھی اس میں قرات کی پھر رکوع کیا پھر قرات کی پھر رکوع کیا پھر دو سجدے کئے اور دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی اس باب میں علی عائشہ عبداللہ بن عمرو نعمان بن بشیر مغیرہ بن شعبہ ابومسعود ابوبکر سمرہ ابن مسعود ابوبکر سمرہ ابن مسعود اسماء بنت ابوبکر ابن عمر قبیصہ ہلالی جابر بن عبداللہ ابوموسی عبدالرحمٰن بن سمرہ اور ابی بن کعب سے بھی روایت ہے امام ترمذی کہتے ہیں ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کسوف میں دو رکعتوں میں چار رکوع کئے یہ امام شافعی احمد اور اسحاق کا قول ہے نماز کسوف میں قرات کے متعلق علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ دن کے وقت بغیر آواز قرات کرے جبکہ بعض اہل علم بلند آواز سے قرات کے قائل ہیں جیسے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

حضرت امام مالک، امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں کہ بلند آواز سے پڑھے لیکن امام شافعی بغیر آواز سے پڑھنے کا

کہتے ہیں پھر یہ دونوں حدیثیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں ایک حدیث یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار رکوع اور چار سجدے کئے دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار سجدوں میں چھ رکوع کئے اہل علم کے نزدیک یہ کسوف کی مقدار کے ساتھ جائز ہے یعنی اگر سورج گرہن لمبا ہو تو چھ رکوع اور چار سجدے کرنا جائز ہے لیکن اگر چار رکوع اور چار سجدے کرے اور قرات بھی لمبی کرے تو یہ بھی جائز ہے ہمارے اصحاب کے نزدیک سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں میں نماز باجماعت پڑھی جائے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 547)

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ٥ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ ٥ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ٥
اور زمین پر پھیلنے والی بوٹیاں اور سب درخت سجدہ کر رہے ہیں۔ اور اسی نے آسمان کو بلند کر رکھا ہے
اور ترازو قائم کر رکھی ہے۔ تاکہ تم تولنے میں بے اعتدالی نہ کرو۔

گھاس اور درختوں کے سجدہ کرنے کا بیان

"وَالنَّجْم" مَا لَا سَاقَ لَهُ مِنْ النَّبَات "وَالشَّجَر" مَا لَهُ سَاق "يَسْجُدَان" يَخْضَعَانِ لِمَا يُرَاد مِنْهُمَا "وَالسَّمَاء رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَان" أَثْبَتَ الْعَدْل "أَلَّا تَطْغَوْا" أَيْ لِأَجْلِ أَنْ لَا تَجُورُوا "فِي الْمِيزَان" مَا يُوزَن بِهِ،

اور زمین پر پھیلنے والی بوٹیاں یعنی وہ گھاس جس کا تنا نہ ہو۔ اور سب درخت اسی کو سجدہ کر رہے ہیں یعنی درخت جن کا تنا ہو اور یعنی وہ جھکتے ہیں جب ارادہ کیا جائے۔ اسی نے آسمان کو بلند کر رکھا ہے اور اسی نے عدل کے لئے ترازو قائم کر رکھی ہے۔ تاکہ تم تولنے میں بے اعتدالی نہ کرو۔ یعنی وزن میں کمی نہ کرو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

والنجم والشجر یسجدان اور بیلیں (بے تنے کے پودے) اور درخت (تنے والے پودے) (اسی کے حکم سے) سجدہ ریز ہیں۔ النجم کے متعلق مختلف اقوال ہیں:۔ بعض علماء کا قول ہے کہ:۔ (1) النجم سے مراد نباتات کی وہ قسم ہے جس کا تنا نہ ہو جیسے بیلیں وغیرہ۔ اور الشجر سے مراد وہ قسم ہے جس کا تنا ہو۔ (2) مقید کا قول ہے کہ:۔ النجم سے مراد آسمان کے ستارے ہیں اور اس پر وہ سورۃ الحج کی یہ آیت دلیل لائے ہیں۔ الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والشجر والدواب وکثیر من الناس، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے اور بہت سے انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔

روح المعانی میں ہے کہ:۔ والمراد بالنجم النبات الذی ینجم ای یظھر ویطلع من الرض ولا ساق لہ .... اقترانہ بالشجر یدل علیہ۔ النجم سے مراد وہ سبزی یا نباتات ہے جو زمین سے اگتی اور نکلتی ہے اور اس کا تنا نہیں

ہوتا۔ شجر کے ساتھ اس کا ذکر کرنا اس کی دلیل اور قرینہ ہے۔ بیضاوی کا یہی قول ہے۔

یسجدان، مضارع تثنیہ مذکر غائب۔ سجود (باب نصر) سے مصدر۔ وہ دونوں سجدہ کرتے ہیں۔ بیلوں اور درختوں کے سجدہ کرنے سے مراد ان کے سایہ کا سربسجود ہونا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔ یتفیئوا ظلله عن الیمین والشمائل سجدا لله وھم داخرون، جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) خدا کے آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ یا اس سے مراد ان کا ہر طرح سے خدا کا تابع فرمان ہونا ہے۔ ان کا اگنا، بڑھنا، پھل دینا، سوکھ جانا۔ بالارادہ نہیں بلکہ ارادہ بلا چون و چراء قانون الٰہی کے پابند ہیں۔ اگر النجم کے معنی ستارے لئے جائیں تو ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کا طلوع و غروب ہے یا ان کا کائنات میں ایک متعینہ نظام کے تحت گردش کرنا ہے۔

نجم سے مراد جڑی بوٹیاں ہونے کا بیان

اصل میں لفظ النجم استعمال ہوا ہے جس کے معروف اور متبادر معنی تارے کے ہیں۔ لیکن لغت عرب میں یہ لفظ ایسے پودوں اور بیل بوٹوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے جن کا تنا نہیں ہوتا، مثلاً ترکاریاں، خربوزے، تربوز وغیرہ۔ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ یہاں یہ لفظ کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ابن عباس سعید بن جبیر، سدی اور سفیان ثوری اس کو بے تنے والی نباتات کے معنی میں لیتے ہیں، کیونکہ اس کے بعد لفظ الشجر (درخت) استعمال فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہی معنی زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ بخلاف اس کے مجاہد، قتادہ اور حسن بصری کہتے ہیں کہ نجم سے مراد یہاں بھی زمین کے بوٹے نہیں بلکہ آسمان کے تارے ہی ہیں، کیونکہ یہی اس کے معروف معنی ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

قیامت کے دن میزان، حساب اور قصاص کا بیان

"میزان" اس چیز سے تعبیر ہے جس کے ذریعہ بندوں کے اعمال کی مقدار و حیثیت جانی جاسکے اور جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ چیز میزان یعنی ترازو ہی کی شکل میں ہوگی جس کے دو پلے ہوں گے اور ایک زبان ہوگی اور دونوں پلوں کے درمیان مشرق و مغرب جیسا فاصلہ ہوگا اس میزان کے ذریعہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے یعنی ایک پلے میں نیکیوں کے اعمال نامے اور دوسرے پلے میں برائیوں کے اعمال نامے رکھے جائیں گے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حسنات یعنی نیک اعمال کو اچھی صورتوں میں اور سیأت یعنی برے عمل کو بری صورتوں میں ڈھال دیا جائے گا اور ان دونوں کو تولا جائے گا لیکن بعض روایتوں میں پہلا قول ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں جو نصوص ہیں ان کا ظاہری مفہوم اسی پر دلالت کرتا ہے۔

حساب" کے معنی ہیں گننا، شمار کرنا! اور یہاں سے مراد ہے قیامت کے دن بندوں کے اعمال و کردار کو گننا اور ان کا حساب کرنا! واضح رہے کہ حق تعالیٰ کی علیم و خبیر ذات کو سب کچھ معلوم ہے اور بندہ اس دنیا میں جو بھی عمل کرتا ہے وہ اس پر روشن و عیاں ہے لیکن قیامت کے دن بندوں کے اعمال و کردار کا حساب اس لئے ہوگا تا کہ ان پر حجت قائم ہو اور تمام مخلوق پر روشن ہو جائے کہ دنیا میں کس نے کیا کیا ہے اور کون کس درجہ کا آدمی ہے! پس قیامت کے دن کا یہ حساب قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس

کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔"

قصاص" کے معنی بدلہ و مکافات کے ہیں یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی کرنا! مثلاً اگر کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی قتل کرنا اور اگر کسی شخص نے کسی شخص کو زخمی کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی زخمی کرنا قصاص کہلاتا ہے قیامت کے دن، جان کا بدلہ جان، زخم اور تکلیف ہوگا اور دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا کہ خواہ اس کو آزردہ کیا ہو اور خواہ کوئی بھی جسمانی اور روحانی اذیت پہنچائی ہو اور وہ چیونٹی یا مکھی ہی کیوں نہ ہو، تو قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا اگرچہ وہ مکلف نہ ہو چنانچہ تمام حیوانات کو بھی قیامت کے دن اسی لئے اٹھایا جائے گا تاکہ ان کو بھی ایک دوسرے کا بدلہ دلوایا جاسکے مثلاً اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ بکری کو مارا ہوگا تو اس دن اس کو قصاص یعنی بدلہ دینا ہوگا۔

میزان میں بھاری اعمال کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ کہنا آدھی میزان اعمال کو یعنی (میزان اعمال کے اس پلڑے کو جو نیکیوں کو تولنے کے لئے مخصوص ہوگا) بھر دیتا ہے الحمد للہ کہنا پوری میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور لا الہ الا اللہ کے لئے اللہ تک پہنچنے میں کوئی پردہ حائل نہیں، یہ سیدھا اللہ تک پہنچتا ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 844)

الحمد للہ کہنا پوری میزان عمل کو بھر دیتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ صرف الحمد للہ کا ثواب ہی پوری میزان کو بھر دیتا ہے اور یہ کہ الحمد للہ، سبحان اللہ سے افضل ہے! یا پھر مراد یہ ہے کہ الحمد للہ، سبحان اللہ کے برابر ہے کہ آدھی میزان کو تو سبحان اللہ کا ثواب بھر دیتا ہے اور آدھی میزان کو الحمد للہ کا ثواب بھر دیتا ہے اس طرح دونوں مل کر پوری میزان کو بھر دیتے ہیں۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ بارگاہ کبریائی میں بہت جلد قبول ہوتا ہے اور اس کو پڑھنے والا بہت ثواب پاتا ہے اس طرح حدیث کا یہ آخری جزء وضاحت کے ساتھ اس بات کی دلیل ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ سے لا الہ الا اللہ افضل ہے۔

میزان میں سب سے زیادہ بھاری کلمہ کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت کے دن (میدان حشر میں) اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوقات کے سامنے طلب کرے گا اور اس کے سامنے ننانویں رجسٹر کھول کر ڈال دے گا جن میں کا ہر رجسٹر حد نظر تک پھیلا ہوا نظر آئے گا) پھر اس شخص سے فرمائے گا کہ ان رجسٹروں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے (اور یہ کہنے کی جرأت رکھتا ہے کہ ان رجسٹروں سے میرے جن برے اعمال کا پتہ چلتا ہے وہ میں نے نہیں کئے ہیں) اور کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میرے لکھنے والوں نے (یعنی نامہ اعمال لکھنے والے ان فرشتوں نے جو تیرے افعال واحوال کے نگہبان تھے) تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے وہ شخص عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! نہیں (نہ تو میں ان رجسٹروں میں لکھے ہوئے اپنے نامہ اعمال سے انکار کر سکتا ہوں اور نہ یہ سمجھتا ہوں کہ نامہ لکھنے والے فرشتوں نے ان رجسٹروں میں غلط اندراجات کے

ذریعہ میرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے) پھر پروردگار فرمائے گا کیا تو کوئی عذر رکھتا ہے (یعنی تو نے دنیا میں جو برے اعمال کئے اور جوان رجسٹروں میں لکھے ہوئے ہیں کیا تو ان کی معذرت میں کچھ کہنا چاہتا ہے کہ میں نے سہوایا جہلا یا خطاء اور یا کسی بھی فلاں وجہ سے براکام کیا تھا؟) وہ بندہ عرض کرے گا کہ نہیں! میرے پروردگار! (میں کوئی عذر بیان نہیں کر سکتا) تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ " ہاں (ہمارے پاس ایک چیز ہے جو تیرے عذر کے قائم مقام ہے یعنی) ہمارے یہاں تیری ایک بہت بڑی) نیکی ہے (جو ہماری بارگاہ میں قبول کی جاچکی ہے اور جو تیرے تمام گناہوں کو مٹادے گی) اور یقیناً آج کے دن تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا (یعنی نہ تو تیری اس نیکی کے ثواب کو گھٹایا جائے گا اور نہ تجھے عذاب دینے کے لئے تیرے گناہوں کو بڑھایا جائے گا) پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ لکھا ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا کہ جاؤ اپنے اعمال (کے تولے جانے کی جگہ یا اعمال تولے جانے کے وقت اور یا اعمال تولے جانے کی چیز یعنی میزان) کے پاس پہنچ جا (تاکہ جب تیری نیکی کا یہ چھوٹا سا پرچہ تیرے گناہوں سے بھرے ہوئے ننانوے رجسٹروں کے ساتھ تولا جائے تو تجھ پر ظاہر ہو جائے کہ ہمارا عدل وانصاف کسی طرح ظاہر ہوتا ہے اور تجھ پر کسی ظلم وزیادتی کی بجائے ہمارے فضل واحسان کا سایہ کسی طرح سایہ فگن ہوا ہے ") وہ بندہ (حیرت واستعجاب کے ساتھ) عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! بھلا اس ایک چھوٹے سے پرچہ کو اتنے بڑے بڑے اور اتنے زیادہ رجسٹروں کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ (کہاں میری ایک نیکی کا یہ ایک چھوٹا سا پرچہ اور کہاں میرے تمام گناہوں پر مشتمل یہ دفتر کے دفتر؟ اس صورت میں اس پرچہ کو ان رجسٹروں کے مقابلہ میں تولنے کا کیا فائدہ؟ (پروردگار فرمائے گا کہ "(تو جا کر دیکھ تو سہی) یقیناً تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا! (یعنی اس پرچہ کو معمولی مت جان یہ بہت عظیم القدر اور بہت بھاری ہے اس کا تولا جانا ضروری ہے تاکہ تجھ پر ظلم نہ ہو جائے۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے "یقیناً تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا" کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس ایک نیکی کا پرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم القدر اور بہت بھاری ہے، کیونکہ اللہ کے نام کے مقابلہ پر کوئی بھی چیز بھاری نہیں ہے" اور اگر اس کے نام سے بھی بھاری کوئی چیز ہوگی تو تجھ پر ظلم ہو جائے گا یعنی پھر تو اپنے گناہوں کی پاداش میں مارا جائے گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر ان رجسٹروں کی پوٹ ترازو کے ایک پلے میں رکھی جائے گی اور اس پرچہ کو دوسرے پلے میں پس وہ رجسٹر ہلکے پڑ جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائے گا (یعنی ان رجسٹروں کا پلا اوپر اٹھ جائے گا اور اس پرچہ کا پلا نیچے جھک جائے گا) حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے زیادہ وزن دار کوئی چیز نہیں ہوگی کیونکہ اللہ کا نام سب سے بڑا اور سب سے بھاری ہے اگر چہ گناہوں کے بڑے سے بڑے پہاڑ جیسے رجسٹر کیوں نہ ہوں۔"

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 132)

قیامت کے دن میزان قسط رکھ دیئے جانے کا بیان

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آ کر بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میرے مال میں

خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، چنانچہ میں (از راہ تادیب وتنبیہ) ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور ان کو مارتا ہوں تو ان کی وجہ سے قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کے ہاں) میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا (یعنی کیا مجھے ان کو برا بھلا کہنے ڈانٹنے ڈپٹنے اور مارنے پیٹنے کا حساب دینا ہوگا اور ان چیزوں کی وجہ سے میرا مواخذہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا) اور ہر شخص کے ایک ایک عمل اور ایک ایک چیز کی پوچھ گچھ ہوگی) تو غلاموں نے تمہارے مال میں جو خیانت کی ہوگی، تمہاری جو نافرمانی کی ہوگی اور تمہارے ساتھ جو جھوٹ بولا ہوگا، ان سب کا حساب ہوگا، اسی طرح تم نے ان کو جو کچھ سزا دی ہوگی اس کا بھی حساب ہوگا پس اگر تمہاری دی ہوئی سزا (رائج ضابطہ اخلاق وقانون اور عام عادت معمول کے مطابق) ان کے جرائم کے بقدر ثابت ہوئی تو تمہارا برابر سرابر رہے گا کہ نہ تمہیں کوئی ثواب ملے گا اور نہ تم پر کوئی عذاب ہوگا کیونکہ اس صورت میں کہا جائے گا کہ تم نے ان کے ساتھ حالات کے مطابق اور مباح معاملہ کیا ہے جس پر تم کسی مواخذہ وعذاب کے مستوجب نہیں ہوگے) اور تم نے ان کو سزا دی ہوگی وہ اگر ان کے جرائم سے کم ثابت ہوگی تو وہ تمہارا زائد حق ہوگا (یعنی تمہارا ان کو ان کے جرائم سے کم سزا دینا ان پر تمہارے لئے ایک ایسے حق کو واجب کردے کہ اگر تم چاہو گے تو اس کے عوض تمہیں انعام دیا جائے گا ورنہ نہیں) اور تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو پھر ان کے لئے تم سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرے گا کہ تم نے چونکہ اپنے ان غلاموں کو ان کے جرائم سے زیادہ سزا دی تھی جس کا تمہیں کوئی حق نہیں تھا لہٰذا اب تم اپنے ان غلاموں کو اس زیادتی کا بدلہ دو) وہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) الگ جا بیٹھا اور رونے چلانے لگا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کو مؤکد اور ثابت کرنے کے لئے) فرمایا کہ کیا تم (قرآن کریم میں) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے ہو کہ: **ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیأ وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین** ۔یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اور قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کی میزان کھڑی کریں گے (جس کے ذریعہ سب کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن کیا جائے گا) پس کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی جس کا بھی حق ہوگا وہ اس کو یقیناً دلوایا جائے گا اور اگر (کسی کا) عمل رائی کے دانہ کے برابر ہوگا تو (اس سے صرف نظر نہیں کی جائے گا بلکہ) ہم اس کو (بھی وہاں) حاضر کریں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں (یعنی ہمارے وزن اور حساب کے بعد حساب کتاب کی اور کسی مرافعہ کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ہم سے بڑھ کر عدل وانصاف کرنے والا اور کوئی نہیں ہے اور اس وقت ہمارا فیصلہ بالکل آخری فیصلہ ہوگا جس پر کسی کو شک وشبہ کرنے کی ہم گنجائش ہی نہیں چھوڑیں گے)" اس شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے اور ان غلاموں کے حق میں ان کی جدائی سے بہتر اور کوئی بات نہیں جانتا (یعنی اس صورت میں میرا خیال ہے کہ قیامت کے دن کے محاسبہ ومواخذہ سے بچنے اور وہاں کی جواب دہی سے محفوظ رہنے کی خاطر میرے اور میرے ان غلاموں دونوں کے حق میں سب سے بہتر بات یہی ہے کہ وہ مجھ سے الگ ہو جائیں بایں طور کہ میں ان کو آزادی دے دوں) لہٰذا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب غلام آزاد ہیں۔

(ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 134)

وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ۝ وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ ۝

اور انصاف کے ساتھ تول سیدھا رکھو اور ترازو میں کمی مت کرو۔ اور زمین، اس نے اسے مخلوق کے لیے بچھا دیا۔

عدل وانصاف کے ساتھ ناپ تول کرنے کا بیان

"وَأَقِيمُوا الْوَزْن بِالْقِسْطِ" بِالْعَدْلِ "وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَان" تُنْقِصُوا الْمَوْزُون "وَالْأَرْض وَضَعَهَا" أَثْبَتَهَا "لِلْأَنَامِ" لِلْخَلْقِ الْإِنْس وَالْجِنّ وَغَيْرهمْ،

اور انصاف کے ساتھ تول سیدھا رکھو اور ترازو میں کمی مت کرو۔ یعنی موزونی چیز میں کمی نہ کرو اور زمین، اس نے اسے مخلوق کے لیے بچھا دیا۔ یعنی انس وجن وغیرہ کیلئے اس کو بچھا دیا ہے۔

قسط کے لفظی معنی انصاف کے ہیں، مراد ظاہر ہے کہ وزن کو ٹھیک ٹھیک قائم کرو انصاف کے ساتھ۔ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ، خسر کے معنی وزن میں کمی کرنے کے ہیں، جو بات پہلے جملے وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ میں مثبت انداز سے بیان کی گئی ہے، یہ اسی کا منفی پہلو ہے کہ وزن میں کم تولنا حرام ہے۔

انام سے مراد ہر وہ جاندار مخلوق ہے جو روئے زمین پر پائی جاتی ہے۔ خواہ وہ چرند ہوں، یا پرند، مویشی ہوں یا درندے، انسان ہوں یا جن، اور انام سے مراد انسان اور جن لینا اس لحاظ سے زیادہ مناسب ہے کہ آگے انہیں دو انواع کا ذکر آ رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کا رزق ہم نے زمین سے ہی وابستہ کر دیا ہے۔ یہی ان کی جائے پیدائش یہی ان کا مسکن اور یہی ان کا مدفن ہے۔ (تفسیر بیضاوی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

فِیۡهَا فَاکِهَةٌ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ ۝ وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّیۡحَانُ ۝

اس میں پھل ہیں اور کھجور کے درخت جو غلافوں والے ہیں۔ اور بھوسہ والا اناج ہے اور خوشبو دار پھول ہیں۔

پھلوں اور کھجور کے درختوں کا بیان

"فِيهَا فَاكِهَة وَالنَّخْل" الْمَعْهُود "ذَات الْأَكْمَام" أَوْعِيَة طَلْعهَا "وَالْحَبّ" كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِير "ذُو الْعَصْف" التِّبْن "وَالرَّيْحَان" الْوَرَق الْمَشْمُوم،

اس میں پھل ہیں اور کھجور کے درخت جو خوشوں پر غلافوں والے ہیں۔ یعنی غلاف والے ہیں۔ اور بھوسہ والا اناج ہے، جس طرح گندم، جو ہیں۔ اور خوشبو دار پھل پھول ہیں۔ یعنی وہ پتوں والے ہیں۔

عصف اور ریحان کے مفہوم کا بیان

لفظ حب بفتح حاء وتشدید باء دانے یعنی غلے کو کہا جاتا ہے، جیسے گندم، چنا، چاول، ماش، مسور وغیرہ اور عصف اس بھوسے کو کہتے ہیں جس کے اندر پک کیا ہوا دانہ بقدرت خداوندی وحکمت بالغہ پیدا کیا جاتا ہے، عصف یعنی بھوسے کے غلاف میں پک ہو کر

خراب ہواؤں اور مکھی مچھر وغیرہ سے پاک وصاف رہتا ہے، دانے کی پیدائش کے ساتھ ذُوالْعَصْفِ کا لفظ بڑھا کر غافل انسان کو اس طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ روٹی، دال وغیرہ جو وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتا ہے اس کا ایک ایک دانہ مالک وخالق نے کیسی کیسی صنعت عجیبہ کے ساتھ مٹی اور پانی سے پیدا کیا اور پھر کس طرح اس کو حشرات الارض سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایک دانہ پر غلاف چڑھایا، جب وہ تمہارا لقمہ تر بنا، اس کے ساتھ شاید عصف کو ذکر کرنے سے ایک دوسری نعمت کی طرف بھی اشارہ ہو کہ یہ عصف (بھوسہ) تمہارے مویشی کی غذا بنتا ہے، جن کا تم دودھ پیتے ہو اور سواری و بار برداری کی خدمت ان سے لیتے ہو۔ ریحان کے مشہور معنی خوشبو کے ہیں اور ابن زید نے یہی معنی آیت میں مراد لئے ہیں کہ اس نے زمین سے پیدا ہونے والے درختوں سے طرح طرح کی خوشبوئیں اور خوشبو دار پھول پیدا فرمائے اور کبھی لفظ ریحان بمعنی مغز اور رزق بھی استعمال کیا جاتا ہے، خرجت اطلب ریحان اللہ، یعنی میں نکلا اللہ کا رزق تلاش کرنے کے لئے حضرت ابن عباس نے اس آیت میں ریحان کی تفسیر رزق ہی سے کی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

زمین میں ہونے والے مختلف خزانوں کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک خلیفہ (یعنی سلطان برحق) پیدا ہوگا جو ضرورت مندوں، مستحقین کو خوب مال تقسیم کرے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔ یعنی لوگوں میں بے حساب مال ودولت تقسیم کرے گا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میری امت کے آخری زمانہ میں ایک خلیفہ پیدا ہوگا جو لوگوں کو مٹھی یا چلو بھر کر مال دولت دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا جیسا کہ شمار کیا جاتا ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 6)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ان کے نظام حکومت کی مالی حالت بہت زیادہ اچھی ہوگی، فتوحات اور مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ ان کی آمدنی کا کوئی حساب نہیں ہوگا، لیکن وہ اس مال ودولت کو اپنی شان وشوکت بڑھانے اور اپنی زندگی کو پر عیش بنانے پر خرچ نہیں کریں گے یا جمع کر کے اپنے خزانوں میں بند کر کے نہیں رکھیں گے جیسا کہ ہمارے زمانہ کے حکمران اور بادشاہوں کا دستور ہے، بلکہ وہ اس دولت کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی ضروریات میں خرچ کریں گے اور اپنی طبعی سخاوت کی وجہ سے دونوں ہاتھ بھر بھر کر یہ دولت لوگوں میں تقسیم کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "(قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ) زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو نکال کر باہر پھینک دے گی جو سونے چاندی کے ستونوں کے مانند ہوں گے۔ پس ایک شخص کہ جس نے محض مال حاصل کرنے کے لئے قتل کا ارتکاب کیا ہوگا آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) اسی کے لئے میں نے لوگوں کو قتل کیا ہے اور ایک شخص کہ جس نے ناطہ توڑا ہوگا (یعنی جس نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان وسلوک نہیں کیا ہوگا) آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) میں نے اسی مال کے لئے رشتہ داروں سے ناطہ توڑا ہے اور پھر چور آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) اسی مال کے لئے میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے (یعنی ان سب کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مال ودولت ایسی چیز ہے جس کی محبت میں اور جس کو حاصل کرنے کے

لئے ہم نے ایسے ایسے گناہ کئے اور ایسی ایسی پریشانیوں سے دو چار ہوئے لیکن اب جب کہ یہ مال ودولت ہمارے سامنے اور ہمارے اختیار میں ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے اور ہمیں اس کی کوئی حاجت وضرورت محسوس نہیں ہوتی) چنانچہ وہ سب لوگ اس مال ودولت کو یوں ہی چھوڑیں گے کہ کوئی بھی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 9)

افلاذ "اصل میں "فلذۃ" کی جمع ہے جس کے معنی کسی چیز کے اس ٹکڑے کے ہیں جس کو لمبائی میں کاٹا گیا ہو اور قاموس میں لکھا ہے کہ فلذ (ف کے زیر کے ساتھ) کے معنی ہیں اونٹ کا جگر، جب کہ فلذۃ (یعنی ۃ کے ساتھ، کے معنی ہیں جگر کا ٹکڑا، سونے یا چاندی کا ٹکڑا اور گوشت کا ٹکڑا۔ واضح رہے کہ زمین کے جگر ٹکڑے سے مراد زمین کے نیچے چھپے ہوئے خزینے یعنی معدنیات ہیں اور معدنیات کو "جگر کے ٹکڑوں" سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے۔

زمین کا خلاصہ اور جوہر اصل میں معدنیات ہی ہیں جیسا کہ اونٹ کی سب سے اصل چیز اس کا جگر ہوتا ہے نیز معدنیات، زمین کی چیزوں میں سے سب سے زیادہ قابل اعتناء اور سب سے زیادہ پسندیدہ چیز ہے جیسا کہ پیٹ کے اندر کی چیزوں میں سے جگر ہی سب سے اعلیٰ ہے۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آخر زمانہ میں زمین کا سینہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ اپنے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو باہر اگل دے گا ہر طرف معدنیات کا کام زور شور کے ساتھ جاری ہوگا اور ایک ایک ملک میں مختلف قسم کی مفید کارآمد اور قیمتی چیزیں کانوں کے ذریعہ نکالی جائیں گی جس کے ذریعہ نسل انسانی مال ودولت کی فراوانی میں غرق ہو جائے گی۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

جن وانس اللہ تعالیٰ کی کونسی نعمتوں کی تکذیب کریں گے

"فَبِأَيِّ آلَاء "نِعَم "رَبِّكُمَا" أَيُّهَا الْإِنْس وَالْجِنّ "تُكَذِّبَانِ" ذُكِرَتْ إِحْدَى وَثَلَاثِينَ مَرَّة وَالِاسْتِفْهَام فِيهَا لِلتَّقْرِيرِ لِمَا رَوَى الْحَاكِم عَنْ جَابِر قَالَ : "قَرَأَ عَلَيْنَا رَسُول اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُورَة الرَّحْمَن حَتَّى خَتَمَهَا ثُمَّ قَالَ : مَالِي أَرَاكُمْ سُكُوتًا لَلْجِنّ كَانُوا أَحْسَن مِنْكُمْ رَدًّا مَا قَرَأْت عَلَيْهِمْ هَذِهِ الْآيَة مِنْ مَرَّة "فَبِأَيِّ آلَاء رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" إلَّا قَالُوا : وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمك رَبّنَا نُكَذِّب فَلَك الْحَمْد

تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس آیت کو یہاں پر اس سورت میں ۳۱ بار بیان کیا گیا ہے اور استفہام تقریری ہے۔

امام حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورت رحمٰن کو پڑھا یہاں تک کہ وہ مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ کیا بات ہے میں تمہیں خاموش دیکھ رہا ہوں جبکہ جنات تم کہیں زیادہ اچھے ہیں۔ کہ وہ اس کی قرأت کے جواب میں یعنی اس آیت "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" کے جواب یہ کہتے ہیں۔ "إِلَّا قَالُوا :

وَلَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ،

سورت الرحمٰن آیت ۱۳ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف آئے اور سورت رحمٰن شروع سے آخر تک تلاوت فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ سورت جنوں کے پڑھی تھی تو ان لوگوں نے تم سے بہتر جواب دیا۔ چنانچہ جب میں فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ الآية پڑھتا تو وہ کہتے اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلاتے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف ولید بن مسلم کی روایت سے جانتے ہیں۔ ولید بن مسلم زہیر بن محمد سے نقل کرتے ہیں۔ احمد بن زہیر کا خیال ہے کہ زہیر بن محمد وہ نہیں ہوں جو شام کی طرف گئے ہیں۔ اور اہل عراق ان سے روایت کرتے ہیں بلکہ شائید کوئی اور ہیں۔ لوگوں نے ان کا نام بدل دیا کیونکہ لوگ ان سے منکر احادیث روایت کرتے ہیں۔ میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ شام کے لوگ زہیر بن محمد منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں اور اہل عراق ان میں سے ایسی احادیث نقل کرتے ہیں جو صحت کے قریب ہوتی ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1239)

لفظ آلاء کے مختلف معانی کا بیان

اصل میں لفظ آلاء استعمال ہوا ہے جسے آگے کی آیتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے اور ہم نے مختلف مقامات پر اس کا مفہوم مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے۔ اس لیے آغاز ہی میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس لفظ میں معنی کی کتنی وسعت ہے اور اس میں کیا کیا مفہومات شامل ہیں۔

آلاء کے معنی اہل لغت اور اہل تفسیر نے بالعموم "نعمتوں" کے بیان کیے ہیں۔ تمام مترجمین نے بھی یہی اس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ اور یہی معنی ابن عباس، قتادہ اور حسن بصری سے منقول ہیں۔ سب سے بڑی دلیل اس معنی کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کے اس قول کو نقل فرمایا ہے کہ وہ اس آیت کو سن کر بار بار لا بشیء من نعمک ربنا نکذب کہتے تھے۔ لہٰذا زمانہ حال کے بعض محققین کی اس رائے سے ہمیں اتفاق نہیں ہے کہ آلاء نعمتوں کے معنی میں سرے سے استعمال ہی نہیں ہوتا۔

دوسرے معنی اس لفظ کے قدرت اور عجائب قدرت یا کمالات قدرت ہیں۔ ابن جریر طبری نے ابن زید کا قول نقل کیا ہے کہ فبای الاء ربکما کے معنی ہیں فبای قدرۃ اللہ۔

ابن جریر نے خود بھی آیات 37۔38 کی تفسیر میں آلاء کو قدرت کے معنی میں لیا ہے۔ امام رازی نے بھی آیات 14۔15۔16 کی تفسیر میں لکھا ہے۔ "ان آیات بیان نعمت کے لیے نہیں بلکہ بیان قدرت کے لیے ہیں۔ اور آیات 22۔23 کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں "یہ اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت کے بیان میں ہے نہ کہ نعمتوں کے بیان میں۔ اس کے تیسرے معنی ہیں خوبیاں، اوصاف حمیدہ اور کمالات وفضائل ہیں۔

اس معنی کو اہل لغت اور تفسیر نے بیان نہیں کیا ہے، مگر اشعار عرب میں یہ لفظ کثرت سے اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نابغہ کہتا ہے۔ هم الملوك وابناء الملوك لهم فضل على الناس في الالاء والنعم وہ بادشاہ اور شاہزادے ہیں ان کو لوگوں پر اپنی خوبیوں اور نعمتوں میں فضیلت حاصل ہے۔ (تفسیر جامع البیان، کبیر، سورہ الرحمٰن، بیروت)

نعمتوں کے شکر پر ثواب جبکہ ناشکری پر سزا ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ان میں ایک تو کوڑھی تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمانا چاہا کہ یہ نعمت الٰہی کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ مسکین وفقیر کی صورت میں بھیجا وہ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ کوڑھی نے کہا کہ اچھا رنگ اور جسم کی بہترین جلد نیز یہ کہ مجھے اس چیز یعنی وڑھ سے نجات مل جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ سن کر فرشتہ نے کوڑھی کے بدن پر ہاتھ پھیرا چنانچہ اس کا کوڑھ جاتا رہا۔ اسے بہترین رنگ وروپ اور بہترین جلد عطا کردی گئی۔ پھر فرشتہ نے پوچھا کہ اب تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟

اس شخص نے کہا کہ "اونٹ" "یا کہا" گائیں۔ (حدیث کے ایک راوی اسحٰق کو شک ہے کہ) گائے کے لئے کوڑھی نے کہا تھا یا گنجے نے کہا تھا بہرحال یہ طے ہے کہ ان میں سے ایک نے تو اونٹ کے لئے کہا تھا اور دوسرے نے گائے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اس شخص کو حاملہ اونٹنیاں عطا کردی گئیں پھر فرشتے نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ گنجے نے کہا کہ بہترین قسم کے بال اور یہ کہ یہ چیز یعنی گنجے پن سے نجات پا جاؤں جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا گنج جاتا رہا نیز اسے بہترین قسم کے بال عطا کردیئے گئے۔ پھر فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ اب تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا کہ گائیں چنانچہ اسے حاملہ گائیں عطا کردی گئیں اور فرشتہ نے اسے دعا بھی دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اس کے بعد پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟

اندھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی دے تاکہ میں اس کے ذریعے لوگوں کو دیکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فرشتہ نے اس اس پر ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی بینائی عطا فرمادی، پھر فرشتے نے اس سے پوچھا کہ اب تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا بکریاں چنانچہ اسے بہت سی بچے دینے والی بکریاں عنایت فرمادی گئیں اس کے کچھ عرصے کے بعد کوڑھی اور گنجے نے اونٹنیوں اور گائیوں کے ذریعے اور اندھے نے بکریوں کے ذریعے بچے حاصل کئے گویا اللہ نے

تینوں کے مال میں بے انتہا برکت دی یہاں تک کہ کوڑھی کے اونٹوں سے ایک جنگل بھر گیا گنجے کی گائیوں سے ایک جنگل بھر گیا اور اندھے کی بکریوں سے ایک جنگل بھر گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد فرشتہ پھر کوڑھی کے پاس اپنی اسی پہلی شکل وصورت میں آیا۔ اور اس سے کہنے لگا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں میرا تمام سامان سفر کے دوران جاتا رہا ہے اس لئے آج منزل مقصود تک میرا پہنچنا ممکن نہیں ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت ومہربانی ہو جائے اور اس کے بعد تم ذریعہ بن جاؤ تو میری یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

لہٰذا میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ، بہترین جلد اور مال عطا کیا ہے ایک اونٹ مانگتا ہوں تا کہ اس کے ذریعے میرا سفر پورا ہو جائے اور میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اس کوڑھی نے کہا کہ میرے اوپر حق بہت زیادہ ہیں (یعنی اس کوڑھی نے فرشتے کو ٹالنے کے لئے جھوٹ کہا کہ میرے اس مال کے حقدار بہت ہیں اس لئے تمہیں کوئی اونٹ نہیں مل سکتا) فرشتے نے کہا کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں کیا تم وہی کوڑھی نہیں ہو جس سے لوگوں کو گھن آتی تھی اور تم محتاج وقلاش تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہترین رنگ وروپ کے ساتھ صحت عطا فرمائی اور مال سے نوازا کوڑھی نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ مال تو مجھے اپنے باپ دادا کی طرف سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتے نے کہا کہ تم جھوٹے ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حالت کی طرف پھیر دے جس میں تم پہلے مبتلا تھے یعنی تمہیں پھر کوڑھی اور مفلس بنا دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ پھر فرشتہ گنجے کے پاس اپنی پہلی سی شکل وصورت میں آیا اور اس سے بھی وہی کہا جو اس نے کوڑھی سے کہا تھا چنانچہ گنجے نے بھی وہی جواب دیا جو جواب کوڑھی نے دیا تھا فرشتے نے گنجے سے بھی یہی کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں ویسا ہی کر دے جیسا کہ تم پہلے گنجے اور محتاج تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس اپنی اسی پہلی شکل وصورت میں آیا اور اس سے بھی یہی کہا کہ میں ایک مسکین انسان اور مسافر ہوں میرا تمام سامان سفر کے دوران جاتا رہا ہے۔

اس لئے آج منزل مقصود تک پہنچنا اس شکل میں ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی میرے شامل حال ہو جائے اور اس کے بعد تم اس کا ذریعہ بن جاؤ لہٰذا میں اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہاری بینائی واپس کر دی تم سے ایک بکری مانگتا ہوں تا کہ اس کے ذریعے میں اپنا سفر پورا کر سکوں اندھے نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ کہا کہ بے شک پہلے میں ایک اندھا تھا اللہ تعالیٰ نے میری بینائی واپس کر دی ہے لہٰذا میری تمام بکریاں حاضر ہیں اس میں تم جو چاہو لے لو اور جو نہ چاہو اسے چھوڑ دو تم جو کچھ بھی لو گے میں اللہ کی قسم تمہیں اس کو واپس کرنے کی تکلیف نہیں دوں گا۔ یہ سن کر فرشتے نے کہا کہ تمہیں تمہارا مال مبارک تم اپنا مال اپنے پاس رکھو مجھے تمہارے مال کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت تو صرف تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا امتحان لیا تھا کہ آیا تمہیں اپنا پرانا حال یاد بھی ہے یا نہیں؟ اور تم اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہو یا نہیں؟ سو تم آزمائش میں پورے اترے چنانچہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہوا اور تمہارے وہ دونوں بدبخت ساتھی یعنی کوڑھی اور گنجا ناشکرے ثابت ہوئے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض قرار پائے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 376)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

اسی نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتے ہوئے خشک گارے سے بنایا۔اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔

تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

انسان و جنات کی تخلیق کا بیان

"خَلَقَ الْاِنْسَان" آدَم "مِنْ صَلْصَال " طِین یَابِس یُسْمَع لَهُ صَلْصَلَة أَیْ صَوْت إِذَا نُقِرَ "كَالْفَخَّارِ" وَهُوَ مَا طُبِخَ مِنْ طِین

"وَخَلَقَ الْجَانّ" أَبَا الْجِنّ وَهُوَ إِبْلِیس "مِنْ مَارِج مِنْ نَار" هُوَ لَهَبهَا الْخَالِص مِنْ الدُّخَان

اسی نے انسان یعنی آدم علیہ السلام کو ٹھیکری کی طرح بجتے ہوئے خشک گارے سے بنایا۔یعنی وہ خشک مٹی کی ٹھیکری جس سے گھنٹی کی آواز سنی جائے ۔جب اس کو بجایا جائے اور ایسی مٹی جس کو پکایا گیا ہو۔اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔یعنی ابوالجن جو ابلیس ہے۔اور مارج سے مراد آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

صَلصَالٍ خشک مٹی جس میں آواز ہو۔فَخَّار آگ میں پکی ہوئی مٹی، جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں،جن کا پہلے مٹی کا پتلا بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا کو پیدا فرمایا،اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور مٹی کو اٹھانے کا واقعہ

جنات کئی ہزار سال پہلے حضرت آدم کی پیدائش سے قبل دنیا پر آباد تھے۔پرودگار عالم جلالہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو حضرت جبرائیل کو فرمایا کہ روئے زمین سے ہر رنگ کی مٹی سفید سرخ سیاہ شور شیریں نرم سخت میں سے ایک مشت حال اُٹھا کر لا کہ میں ایک مخلوق پیدا کرتا ہوں۔جب حضرت جبرائیل زمین کے پاس گئے اور چاہا کہ ایک مشت خاک اُٹھائے تو زمین نے پوچھا کس واسطے اتنی کم کرتا ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ اس سے ایک مخلوق پیدا کرے گا جو زمین پر رہیں گے نیک اور بد بھی ہونگے۔عذاب اور ثواب اُن کے واسطے ہوگا۔پھر زمین نے عرض کیا کہ میں اللہ کی عزت کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے مٹی نہ اُٹھا کیونکہ لوگ نافرمانی کی وجہ سے جہنم میں جلیں گے۔حضرت جبرائیل زمین کی فریاد سن کر واپس چلے گئے اور عرض کی الٰہی زمین تیری عزت کی پناہ چاہتی ہے۔میں تیرے نام کی عزت سے مٹی کو اُٹھا نہ سکا۔

پھر حق تعالیٰ جل جلالہ نے حضرت میکائیل کو بھیجا وہ بھی واپس آ گئے۔پھر پروردگارِ عالم نے اسرافیل علیہ السلام کو بھیجا وہ بھی اسی طرح خالی ہاتھ واپس آ گئے۔پھر پروردگارِ عالم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا تو عزرائیل علیہ السلام نے زمین کی منت

سماجت وزاری نہ سنی اور کہا کہ میں اللہ کے حکم کو تیری منت وزاری پر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں خدا تعالیٰ کا تابعدار ہوں۔ ملک الموت فرشتہ مٹی لیکر واپس آ گیا پھر اللہ نے روحوں کے قبض کرنے کا کام اسی کے سپرد کیا۔

انتالیس دن غم اور ایک دن کی خوشی کی بارش کا واقعہ

پھر چالیس دن اس پر بارش کرنے کیلئے کعبہ مکرمہ میں رکھنے کا حکم دیا۔ انتالیس دن غم اور ایک دن خوشی کی بارش برسائی گئی فرشتوں نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسی خاک کا گارا بنایا پھر وہ کیچڑ خشک کیا گیا۔ جیسا کمہار برتن خشک پر وہ برتن آواز کرتا ہے پھر اس گارے کو خدا کے حکم سے وادئ لقمان جو مکہ اور طائف کے راستے عرفات سے متصل ہے۔ لے جا کر فرشتوں نے ڈالا۔ پھر اللہ نے اپنے دست قدرت سے اس گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کا خوبصورت قالب بنایا پھر فرشتے اس قالب کو دیکھ کر حیران ہو گئے اس کے گرداگرد پھرتے رہے اور ابلیس بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور تعجب سے کہا کہ یہ اندر جسم خالی ہے جگہ جگہ خلل ہیں۔ یہ بغیر سیر ہونے پر نہ ہوگا اور سیر ہو گیا تو پھٹ جائے گا اور چلنے پھرنے میں سُست ہوگا۔ اور اس سے کوئی کام نہ ہو سکے گا۔ مگر جب سینہ بائیں طرف سے دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ حجرہ بغیر دروازہ کے ہے۔

روح کے سر کی جانب سے داخل ہونے کا واقعہ

میں نہیں جانتا کہ اس مین کیا چیز پوشیدہ ہے شاید یہ وہی لطیفہ ربانی ہے کہ جس کے سبب سے خلافت کو استحقاق حاصل کرے بعض روایات میں ہے کہ غالباً چالیس سال تک وہاں ہی بے جان پڑا رہا جب پروردگارِ عالم نے چاہا تو اس قالب میں روح کو داخل ہونے کا حکم دیا۔ حکم دیا داخل ہو جاؤ روح اس بدن میں جب روح کے حکم سے سر کی طرف داخل ہوتی ہے تو جہاں جہاں تک روح پہنچتی گئی وہ خاکی بدن جو ٹھیکری کی طرح تھا گوشت پوست ہڈی سے بدلتا گیا جب روح ستر تک پہنچی تو حضرت آدم نے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو وزمین پر گر گیا۔

پھر اللہ نے فرمایا پیدا کیا گیا جلد باز انسان پھر اسی حالت میں آدم علیہ السلام کو چھینک بھی آئی تو الہام الٰہی سے آدم علیہ السلام نے کہا کہ الحمد للہ اسکے جواب میں اللہ نے فرمایا یَــرحـمُكَ الله یعنی تیرے پر اللہ رحم کرے۔ اسکے بعد اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ بہشت سے ایک جوڑا لایا اور آدم علیہ السلام کو خلعت الٰہی سے مشرق ومکرم کیا اور عزت واحترام سے تخت پر جمعہ المبارک کے دن بٹھایا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ رحمٰن، بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت وخلافت کا اعزاز

حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان فرمایا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی تصدیق میں بہت سی حدیثیں ہیں ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے کرا دیجئے جو خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر جمع ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ

آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں بھی پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا۔

ابن عباس فرماتے ہیں ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا جنہیں جن کہتے تھے جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا۔ اس قبیلے کے سوا اور فرشتے سب کے سب نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے آیت (وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ) 55 ۔ الرحمن:15) آگ کے شعلے کی جو تیزی سے بلند ہوتے ہیں اسے مارج کہتے ہیں جس سے جن پیدا کیے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ زمین میں پہلے جن بستے تھے۔

جنات کے فساد کے سبب ہلاکت کا بیان

انہوں نے فساد اور خون ریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا انہی کو "جن" کہا جاتا تھا۔ ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندر کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامنوں میں پہنچا دیا اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔ جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ ایسے کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خونریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے اس کا مجھی کو علم ہے تمہیں خبر نہیں پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

انسان اور جنات کی پیدائش میں فرق

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ انسان کی پیدائش بجنے والی ٹھیکری جیسی مٹی سے ہوئی ہے اور جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی ہے جو خالص اور احسن تھا مسند کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فرشتے نور سے جنات نار سے اور انسان اس مٹی سے جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے پیدا کیے گئے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝
دونوں مشرقوں کا مالک ہے اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔
اسی نے دو سمندر رواں کیے جو باہم مل جاتے ہیں۔

مشرقین و مغربین کے رب ہونے کا بیان

"رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ" مَشْرِق الشِّتَاء وَمَشْرِق الصَّيْف "وَرَبّ الْمَغْرِبَيْنِ" مَغْرِب الصَّيْف وَمَغْرِب الشِّتَاء ، فَبِأَيِّ آلَاء رَبّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

"مَرَجَ" أَرْسَلَ "الْبَحْرَيْنِ" الْعَذْب وَالْمِلْح "يَلْتَقِيَانِ" فِي رَأْي الْعَيْن

وہی دونوں مشرقوں کا مالک ہے یعنی سردیوں کے مشرق اور گرمیوں کے مشرق کا رب ہے۔ اور وہی دونوں مغربوں کا مالک

ہے۔یعنی گرمیوں اور سردیوں کے مغرب کا رب ہے۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔اسی نے دو سمندر جو میٹھے اور کڑوے ہیں رواں کئے جو دیکھنے والے مطابق باہم مل جاتے ہیں۔

سردی اور گرمی میں مشرقین ومغربین کا بیان

سردی اور گرمی کے دو سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے مقامات کا رب اللہ ہی ہے دو سے مراد سورج نکلنے اور ڈوبنے کی دو مختلف جگہیں ہیں کہ وہاں سے سورج چڑھتا اترتا ہے اور موسم کے لحاظ سے یہ بدلتی جگہیں رہتی ہیں ہر دن انقلاب لاتا ہے جیسے دوسری آیت میں مشرق ومغرب کا رب وہی ہے تو اسی کو اپنا وکیل سمجھ تو یہاں مراد جنس مشرق ومغرب ہے اور دوسری مشرق مغرب سے مراد طلوع وغرب کی دو جگہ ہیں، اور چونکہ طلوع وغروب کی جگہ کے جدا جدا ہونے میں انسانی منفعت اور اس کی مصلحت بنی تھی اس لئے پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تم اپنے رب کی نعمتوں کے منکر ہی رہو گے؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الرحمٰن، بیروت)

میٹھے اور کڑوے پانی والے دو سمندروں کے باہم ملے ہوئے ہونے کا بیان

اس کی قدرت کا مظاہرہ دیکھو کہ دو سمندر برابر چل رہے ہیں ایک کھاری پانی کا ہے دوسرا میٹھے پانی کا لیکن نہ اس کا پانی اس میں مل کر اسے کھاری کرتا ہے نہ اس کا میٹھا پانی اس میں مل کر اسے میٹھا کر سکتا ہے بلکہ دونوں اپنی رفتار سے چل رہے ہیں دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے نہ وہ اس میں مل سکے نہ وہ اس میں جا سکے یہ اپنی حد میں ہے وہ اپنی حد میں اور قدرتی فاصلہ انہیں الگ الگ کئے ہوئے ہے حالانکہ دونوں پانی ملے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الرحمٰن، بیروت)

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○
ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے۔آگے نہیں بڑھتے۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

دو سمندروں کے پانی کا باہم نہ مل سکنے کا بیان

"بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ" حَاجِزٌ مِنْ قُدْرَتِه تَعَالٰى "لَا يَبْغِيَانِ" لَا يَبْغِي وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلَى الْآخَرِ فَيَخْتَلِط بِهِ،، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت ان کے درمیان پردہ ہے۔لہٰذا وہ دونوں آگے نہیں بڑھتے۔یعنی ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے میں مکس نہیں ہو سکتا۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

بینھما۔ ای بین البحرین۔ دونوں دریاؤں کے درمیان برزخ: روک۔اوٹ۔دو چیزوں کے درمیان کی حد۔موت سے حشر تک کے عالم کو عالم برزخ کہتے ہیں۔لا یبغین: مضارع منفی تثنیہ مذکر غائب بغی (باب ضرب) مصدر وہ دونوں اپنے حدود سے آگے نہیں بڑھتے۔یعنی اپنی درمیانی حد فاصل سے تجاوز کر کے آپس میں مل نہیں جاتے بلکہ قریب قریب اور متصل بہنے کے

باوجود اپنی علیحدہ حیثیت قائم رکھتے ہیں۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۞
ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

موتی اور مرجان کے نکلنے کا بیان

"يَخْرُج" بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ وَالْفَاعِل "مِنْهُمَا" مِنْ مَجْمُوعهمَا الصَّادِق بِأَحَدِهِمَا وَهُوَ الْمِلْح "اللُّؤْلُؤ وَالْمَرْجَان" خَرَز أَحْمَر أَوْ صِغَار اللُّؤْلُؤ،فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔یخرج یہ معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔یعنی دونوں کے اکٹھے ہونے سے موتی وہیرے نکلتے ہیں۔لؤلؤ چھوٹے سرخ موتی کو جبکہ مرجان بڑے موتی کو کہتے ہیں۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

لؤلؤ اور مرجان کی تفسیر کا بیان

امام ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ آسمان میں جو پانی کا قطرہ ہے اور صدف جو زمین کے دریا میں ہے ان دونوں سے مل کر لؤلؤ پیدا ہوتا ہے واقعہ تو یہ ٹھیک ہے لیکن اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنی کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ آیت میں ان دونوں کے درمیان برزخ یعنی آڑ کا ہونا بیان فرمایا گیا ہے جو اس کو اس سے اور اس کو اس سے روکے ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زمین میں ہی ہیں بلکہ ایک دوسرے سے لگے لگے چلتے ہیں مگر قدرت انہیں جدا رکھتی ہے آسمان وزمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ برزخ اور حجر نہیں کہا جاتا اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ یہ زمین کے دو دریاؤں کا ذکر ہے نہ کہ آسمان اور زمین کے دریا کا۔ان دونوں میں سے یعنی دونوں میں سے ایک میں سے۔جیسے اور جگہ جن وانس کو خطاب کر کے سوال ہوا ہے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ ظاہر ہے کہ رسول صرف انسان میں سے ہی ہوئے ہیں جنات میں کوئی جن رسول نہیں آیا تو جیسے یہاں اطلاع صحیح ہے حالانکہ وقوع ایک میں ہی ہے اسی طرح اس آیت میں بھی اطلاق دونوں دریا پر ہے اور وقوع ایک میں ہی ہے لؤلؤ یعنی موتی کو کہتے ہیں کہ اور کہا گیا ہے کہ بہترین اور عمدہ موتی کو مرجان کہتے ہیں بعض کہتے ہیں سرخ رنگ جواہر کو کہتے ہیں،بعض کہتے ہیں سرخ مہرے کا نام ہے اور آیت میں ہے (وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ،فاطر:12) یعنی تم ہر ایک میں سے نکلا ہوا گوشت کھاتے ہو جو تازہ ہوتا ہے اور پہننے کے زیور نکال لیتے ہو تو خیر مچھلی تو کھاری اور میٹھے دونوں پانی سے نکلتی ہے اور موتی مونگے صرف کھاری پانی میں سے نکلتے ہیں میٹھے میں سے نہیں نکلتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آسمان کا جو قطرہ سمندر کی سیپ کے منہ میں سیدھا جاتا ہے وہ لؤلؤ بن جاتا ہے

اور جب صدف میں نہیں جاتا تو اس سے عنبر پیدا ہوتا ہے مینہ برستے وقت سیپ اپنا منہ کھول دیتی ہے۔

پس اس نعمت کو بیان فرما کر پھر دریافت فرماتا ہے کہ ایسی ہی بیشمار نعمتیں جس رب کی ہیں تم بھلا کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ (تفسیر جامع البیان، سورہ الرحمٰن، بیروت)

لولو کے معنی موتی اور مرجان کے معنی مونگا، یہ بھی قیمتی جواہرات سے ہے، اس میں درخت کے مشابہ شاخیں ہوتی ہے، یہ دونوں چیزیں دریا سے نکلتی ہیں مگر معروف یہ ہے کہ موتی اور جواہرات دریائے شور سے نکلتے ہیں، شیریں دریا سے نہیں، اس آیت میں دونوں سے نکلنا بیان فرمایا ہے، اس کی توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ موتی دونوں ہی دریاؤں میں پیدا ہوتے مگر شیریں دریا سب جاری ہوتے ہیں ان سے موتی کا نکالنا آسان نہیں اور شیریں دریا سب جا کر دیائے شور میں گر جاتے ہیں، وہیں سے موتی نکالے جاتے ہیں، اس لئے موتیوں کا منبع دریائے شور کو کہا جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝
اور اسی کے ہیں بادبان اٹھائے ہوئے جہاز سمندر میں، جو پہاڑوں کی طرح ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

سمندروں میں پہاڑوں کی مانند کشتیوں کا بیان

"وَلَـهُ الْجَوَارِ" السُّفُن "الْـمُنْشَآت" الْـمُحْدَثَات "فِـي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ" كَـالْـجِبَالِ عِظَمًا وَارْتِفَاعًا، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

اور اسی کے ہیں بادبان اٹھائے ہوئے جہاز سمندر میں، جو پہاڑوں کی طرح ہیں۔ یعنی بڑے ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

جواری، جاریہ کی جمع ہے، اس کے ایک معنی کشتی کے بھی آتے ہیں وہی یہاں مراد ہیں، منشئت، نشاء سے مشتق ہے جس کے معنی ابھرنے اور بلند ہونے کے ہیں، مراد کشتیوں کے بادبان ہیں جو جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں، اس میں کشتی کی صنعت اور اس کے پانی کے اوپر چلنے کی حکمت کا بیان ہے۔ جن چیزوں سے وہ کشتیاں بنائی گئیں وہ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور ان کو ترکیب دینے اور کشتی بنانے اور صناعی کرنے کی عقل بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی اور دریاؤں میں ان کشتیوں کا چلنا اور تیرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ الرحمن، لاہور)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۝
ہر کوئی جو بھی زمین پر ہے فنا ہوجانے والا ہے۔

زمین میں ہونے والی ہر چیز کے فنا ہوجانے کا بیان

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا" أَيْ الْأَرْض مِنْ الْحَيَوَان "فَانٍ" هَـالِك وَعَبَّرَ بِمَنْ تَغْلِيبًا لِلْعُقَلَاءِ، فَبِأَيِّ آلَاءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

ہر کوئی جو بھی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے۔ یعنی جو بھی حیوان ہے۔ پس وہ اگر وہ ہلاک ہوا اور اس کو بہ طور غلبہ اہل عقل کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

فرماتا ہے کہ زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے ایک دن آئے گا کہ اس پر کچھ نہ ہوگا کل جاندار مخلوق کو موت آ جائے گی اسی طرح کل آسمان والے بھی موت کا مزہ چکھیں گے مگر جسے اللہ چاہے صرف اللہ کی ذات باقی رہ جائے گی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک ہے جو موت وفوت سے پاک ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں اولاً تو پیدائش عالم کا ذکر فرمایا پھر ان کی فنا کا بیان کیا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کی سلامتی کا بیان

حضرت اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کا دن تمہارے لئے بہترین دنوں میں سے ہے۔ (کیونکہ) اس دن آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن (دوسرا) صور پھونکا جائے گا۔ (جس کی آواز سے مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے)۔) اسی دن (پہلا) صور پھونکا جائے گا (جس کی آواز سے قیامت قائم ہوگی اور تمام مخلوق فنا کے گھاٹ اتر جائے گی) لہٰذا اس دن تم لوگ مجھ پر زیادہ درود بھیجو کیونکہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائینگے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح پیش کئے جائیں گے۔ جب کہ (ہمارے درود بھیجے کے وقت) آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ راوی فرماتے ہیں کہ لفظ ارمت سے صحابہ کی مراد لفظ بلیت تھی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کرام کے جسم حرام کر دیئے ہیں۔ (یعنی انبیاء کے جسم زمین فنا نہیں کرتی۔

(سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، دارمی، بیہقی، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1334)

صفت فنا اور صفت بقا کے مفہوم تصوف کا بیان

یہ صفتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہیں چنانچہ آپ اسی طریقت کے رہنماؤں کے امام ہیں آپ کا دل اغیار سے خالی تھا جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پاک کے وقت کا شانہ مقدسہ میں دل شکستہ ہو کر جمع ہوئے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جس نے بھی یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا؛ خبردار ہو جاؤ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا ہے تو بے شک وہ زندہ ہے جسے موت نہیں ہے۔ اس وقت آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہی ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس اگر آپ وصال فرمائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے۔

مطلب یہ تھا کہ جس کے معبود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو وہ وصال فرما گئے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا تھا وہ زندہ ہے ہرگز اس پر موت نہیں آنی ہے یعنی جس کا فانی سے پیوستہ ہوتا ہے تو وہ فانی تو فنا ہو جاتا ہے اور اس کا رنج باقی رہ جاتا ہے لیکن جس کا دل حضرت سبحٰنہ تعالیٰ سے لگا ہوا ہو تو جب نفس فنا ہو جاتا ہے تو وہ دل باقی کے ساتھ رہتا ہے پس جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت کی آنکھ سے دیکھا (اور آپ کو اپنے جیسا بشر سمجھا) تو جب آپ نے دنیا سے وصال فرمایا تو اب اس کے دل سے وہ تعظیم جاتی رہی جو موجود تھی اور جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا۔

تو اس کیلئے آپ کا وصال فرمانا یا دنیا میں رہنا برابر ہے کیونکہ اس نے آپ کی موجودگی اور حالت بقا کو حق تعالیٰ کے بقا کے ساتھ اور آپ کے وصال کو حق تعالیٰ سے واصل وفنا اور پلٹنے والی چیزوں سے روگرداں ہو کر پلٹانے والے وجود کو محول یعنی پلٹانے والی ذات کے ساتھ قائم دیکھا اور حق تعالیٰ کی جس طرح تعظیم وتکریم کی جاتی ہے اسی طرح اس نے وجود واصل کی تعظیم وتکریم کی اور دل کی راہیں کسی مخلوق کیلئے نہ کھولیں اور اپنی نظریں کسی غیر کی طرف نہ پھیلائیں کیونکہ جس نے مخلوق کی طرف نظر اٹھائی وہ ہلاک ہوا اور جس نے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا وہ مالک ہوا۔ (کشف المحجوب ص ۷۱، نوری بک ڈپو لاہور)

صفت بندگی کی فنا، صفت حق کی بقاء کے ساتھ ہے اور یہ صفت حق ہے اور اس کے ظاہری رسم وحالت بندہ کی دائمی ریاضت و مجاہدہ کا تقاضہ کرتی ہے اور دائمی ریاضت ومجاہدہ بندہ کا ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے (اصل میں بندے کا یہ عمل اجر کے بقاء کی وجہ سے باقی رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھے عمل کرنے والوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا) اس مفہوم ومعنی کو اس طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے بندے کو روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے اب روزہ رکھنے کی وجہ سے بندہ روزہ دار کہلائے گا تو وہ روزہ از روئے ظاہر بندہ کی صفت ہوئی لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خبر دی کہ "الصوم لی و انا اجزی بہ" روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور جو اس کے مفعولات ہیں وہ سب اسکی ملکیت ہیں۔ (کشف المحجوب ص ۷۷، لاہور)

وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
اور آپ کے رب ہی کی ذات باقی رہے گی جو صاحب عظمت وجلال اور صاحب انعام واکرام ہے۔
تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اللہ کی ذات کے لئے بقاء کا بیان

"وَيَبْقَى وَجه رَبّك" ذَاته "ذُو الْجَلَال" الْعَظَمَة "وَالْإِكْرَام" لِلْمُؤْمِنِينَ بِأَنْعُمِهِ عَلَيْهِمْ، "فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ"

اور آپ کے رب ہی کی ذات باقی رہے گی جو صاحب عظمت وجلال اور صاحب انعام واکرام ہے۔ کیونکہ اس نے اہل

ایمان پر انعام کیا ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

وجہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک ذات حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور ربک میں ضمیر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، یہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز واکرام ہے کہ آپ کو خاص مقام مدح میں کہیں تو عبدہ کا خطاب ہوا ہے اور کہیں رب الارباب نے اپنی ذات کی نسبت حضور کی طرف کر کے ربک سے خطاب فرمایا ہے۔

مشہور تفسیر کے مطابق معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے جن میں جن وانس بھی داخل ہیں سب کے سب فانی ہیں، باقی رہنے والی ایک ہی ذات حق جل وعلا شانہ کی ہے۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں، ان میں دوام وبقاء کی صلاحیت نہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔

اور بعض حضرات مفسرین نے وَجْهُ رَبِّكَ کی تفسیر جہت اور سمت سے کی ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ کل موجودات میں بقا صرف اس چیز کو ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب میں ہے اس میں اس کی ذات وصفات بھی داخل ہیں اور مخلوقات کے اعمال واحوال میں جس چیز کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان اور جن اور فرشتے جو کام اللہ کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی باقی ہے وہ فنا نہیں ہوگا (كذا فی المظهری و القرطبی و الروح) اور اس مفہوم کی تائید قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی ہوتی ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ "یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے مال ودولت ہو یا قوت وطاقت یا راحت وکلفت یا کسی کی محبت وعداوت یہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے" اللہ کے پاس انسان کے اعمال واحوال میں سے وہ چیز ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے کہ اس کو فنا نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ: یعنی وہ رب صاحب عظمت وجلال بھی ہے اور صاحب اکرام بھی، صاحب اکرام ہونے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ درحقیقت ہر اکرام واعزاز کا مستحق تنہا وہی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ خود صاحب عظمت وجلال ہونے کے باوجود عام دنیا کے بادشاہوں اور عظمت والوں کی طرح نہیں کہ ان کو دوسروں کی اور غریبوں کی طرف التفات وتوجہ نہ ہو، بلکہ وہ عظمت وجلال کے ساتھ اپنی مخلوقات کا بھی اکرام کرتا ہے، کہ ان کو عطاء وجود کے بعد طرح طرح کی بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے اور ان کی درخواستیں اور دعائیں سنتا ہے، اگلی آیت اسی دوسرے معنی کی شہادت دیتی ہے اور یہ لفظ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ حق تعالیٰ کی ان خاص صفات میں سے ہے کہ ان کو ذکر کر کے انسان جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ربیعہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الظوا بیا ذا الجلال و الاکرام، الظوا، الظاظ سے مشتق ہے، جس کے معنی لازم پکڑنے کے ہیں، مراد حدیث کی یہ ہے کہ اپنی دعاؤں میں يَا ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ کو یاد رکھو اور اس کے ساتھ دعا کیا کرو (کیونکہ وہ اقرب الی القبول ہے۔ (تفسیر مظہری، سورۃ الرحمٰن، لاہور)

صفت جلالت واکرام کے اظہار سے دعا مانگنے کا بیان

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب (فرض نماز کا) سلام پھیر لیتے تھے تو صرف اس دعا کے بقدر بیٹھتے تھے اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یاذای الجلال و الاکرام۔ (رواہ صحیح مسلم) اے اللہ! تو سالم ہے (یعنی تمام عیوب سے پاک ہے) اور تجھی سے (بندوں کی تمام آفات سے) سلامتی ہے۔ اے بزرگی وبخشش والے تو برتر ہے۔" (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 926)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے سلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی قدر بیٹھتے تھے کہ یہ دعا پڑھ لیں۔ لیکن جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں۔ جیسے فجر، عصر، ان کے سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے زیادہ بیٹھنا بھی ثابت ہے، چنانچہ اسی بناء پر علماء کرام لکھتے ہیں کہ ان نمازوں کے بعد طلوع آفتاب وغروب آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے۔ سلام کے بعد "نہ بیٹھنے" کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیئت نماز میں صرف اتنی ہی دیر تک بیٹھے رہتے کہ یہ دعا پڑھ لیں یا یہ کہ آپ اکثر و بیشتر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے۔

لفظ ذوالجلال والاکرام سے دعا مانگنے کا بیان

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دعا مانگتے سنا جو اس طرح کہہ رہا تھا اے اللہ میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پوری نعمت کیا چیز ہے؟ اس شخص نے کہا یہ دعا ہے جس کے ذریعہ میں زیادہ مال کے حصول کی امید رکھتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نادان! جان لے جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے نجات پانا پوری نعمت ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دعا مانگتے سنا جو بارگاہ حق میں ان الفاظ کے ذریعہ عرض رساں تھا یاذالجلال والاکرام یعنی اے بزرگی وبخشش کے مالک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہاری دعا قبول کی گئی لہٰذا جو مانگنا ہو مانگ لو۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا ایک شخص یہ دعا مانگ رہا تھا اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم تو اللہ تعالیٰ سے بلا مانگ رہے ہو۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ تم اس سے عافیت مانگو۔

(ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 963)

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ○ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○
سب اسی سے مانگتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے۔
تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

زمین وآسمان کی ساری مخلوق کے محتاج ہونے کا بیان

"يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض" بِنُطْقٍ أَوْ حَال : مَا يَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ مِنَ الْقُوَّة عَلَى الْعِبَادَة وَالرِّزْق وَالْمَغْفِرَة وَغَيْر ذَلِكَ "كُلّ يَوْم" وَقْت "هُوَ فِي شَأْن" أَمْر يُظْهِرهُ عَلَى وَفْق مَا قَدَّرَهُ فِي الْأَزَل مِنْ إِحْيَاء وَإِمَاتَة وَإِعْزَاز وَإِذْلَال وَإِغْنَاء وَإِعْدَام وَإِجَابَة دَاعٍ وَإِعْطَاء سَائِل وَغَيْر ذَلِكَ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

سب اسی سے مانگتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ یعنی زبان سے بول کر یا حالت سے مانگتے ہیں۔ یعنی جس چیز کی ان کو ضرورت ہوتی ہے اگرچہ وہ عبادت کی توفیق ہو اور رزق ہو اور مغفرت وغیرہ ہو۔ وہ ہر آن یعنی ہر وقت نئی شان میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ امر ظاہر کرتا ہے جس کو اس نے ازل میں لکھ دیا ہے جس طرح زندگی دینا اور موت دینا ہے عزت دینا ہے اور ذلت دینا ہے اور مالدار کرتا ہے اور مفلس کرتا ہے اور دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہے اور سوال کرنے والے کو دیتا ہے وغیرہ ذلک، تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

سورت الرحمٰن آیت ۲۹ کے شان نزول کا بیان

کہا گیا ہے کہ یہ آیت یہود کے رد میں نازل ہوئی جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سنیچر کے روز کوئی کام نہیں کرتا، ان کے قول کا بطلان ظاہر فرمایا گیا، منقول ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے اس آیت کے معنی دریافت کئے اس نے ایک روز کی مہلت چاہی اور نہایت متفکر ومغموم ہوکر اپنے مکان پر آیا، اس کے ایک حبشی غلام نے وزیر کو پریشان دیکھ کر کہا: اے میرے آقا آپ کو کیا مصیبت پیش آئی، بیان کیجئے، وزیر نے بیان کیا تو غلام نے کہا کہ اس کے معنی بادشاہ کو میں سمجھا دوں گا۔

وزیر نے اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو غلام نے کہا کہ اے بادشاہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور مردے سے زندہ نکالتا ہے اور زندے سے مردہ اور بیمار کو تندرستی دیتا ہے اور تندرست کو بیمار کرتا ہے، مصیبت زدہ کو رہائی دیتا ہے اور بےغموں کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے، عزت والوں کو ذلیل کرتا ہے، ذلیلوں کو عزت دیتا ہے، مالداروں کو محتاج کرتا ہے، محتاجوں کو مالدار، بادشاہ نے غلام کا جواب پسند کیا اور وزیر کو حکم دیا کہ اس غلام کو خلعتِ وزارت پہنائے، غلام نے وزیر سے کہا اے آقا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک شان ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ الرحمٰن، لاہور)

ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے راحت طلب کرتی ہے

زمین وآسمان کی ساری مخلوقات حق تعالیٰ کی محتاج ہیں اور اسی سے اپنی حاجات مانگتی ہیں، زمین والے اپنے مناسب حاجات رزق اور صحت وعافیت اور آرام وراحت پھر آخرت کی مغفرت وراحت اور جنت مانگتے ہیں، آسمان والے اگرچہ کھاتے پیتے نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے ہر وقت محتاج ہیں، وہ بھی رحمت ومغفرت وغیرہ اپنی حاجات کے طلب گار رہتے ہیں، آگے كُلَّ يَوْمٍ اسی يَسْئَلُ کا ظرف ہے، یعنی ان کے سوالات اور درخواستیں حق تعالیٰ سے ہر روز رہتی ہیں اور یوم اور روز سے مراد بھی عرفی

دن نہیں، بلکہ مطلقاً وقت مراد ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ساری مخلوقات مختلف خطوں، مختلف زبانوں میں اس سے اپنی اپنی حاجات ہر وقت مانگتی رہتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ پوری مخلوقات ارضی وسمائی اور ان کے ایک ایک فرد کی بے شمار حاجتیں اور وہ بھی ہر گھڑی ہر آن سوائے اس عظمت وجلال والے قادر مطلق کے کون سن سکتا ہے اور کون ان کو پورا کر سکتا ہے، اسی لئے کُلَّ یَوْمٍ کے ساتھ یہ بھی فرمایا هُوَ فِی شَأْنٍ یعنی ہر وقت ہر لحظہ حق تعالیٰ کی ایک خاص شان ہوتی ہے وہ کسی کو زندہ کرتا ہے، کسی کو موت دیتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت دیتا ہے، کسی تندرست کو بیمار اور کسی بیمار کو تندرست کرتا ہے، کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے کسی غم زدہ رونے والے کو ہنسا دیتا ہے، کسی سائل کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دیتا ہے، کسی کا گناہ معاف کر کے جنت میں داخل ہونے کا مستحق بنا دیتا ہے، کسی قوم کو بلند و صاحب اقتدار بنا دیتا ہے کسی قوم کو پست و ذلیل کر دیتا ہے، غرض ہر آن ہر لحظہ حق تعالیٰ جل شانہ کی ایک خاص شان ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
اے ہر دو گروہان (انس وجن!) ہم عنقریب تمہارے حساب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

انس وجن کے دونوں گروہوں سے خطاب کا بیان

"سَنَفْرُغُ لَكُمْ" سَنَقْصِدُ لِحِسَابِكُمْ "اَيُّهَا الثَّقَلَانِ" الْإِنْس وَالْجِنّ، فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان

اے ہر دو گروہان (انس وجن!) ہم عنقریب تمہارے حساب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

ثقلان کے مفہوم کا بیان

ثقلان ثقل کا تثنیہ ہے جس کے معنی وزن اور بوجھ کے ہیں، ثقلان دو بوجھ، مراد اس سے انسان اور جنات ہیں، لفظ ثقل عربی زبان میں ہر ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جس کا وزن اور قدر و قیمت معروف ہو، اسی لئے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، انی تارك فیکم الثقلین الخ یعنی میں اپنے بعد دو وزن دار قابل قدر چیزیں چھوڑتا ہوں، جو تمہاری ہدایت واصلاح کا کام دیتی رہیں گی، ان دونوں چیزوں کا بیان بعض روایات میں کتاب اللہ وعترتی آیا ہے، بعض میں کتاب اللہ وسنتی اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کیونکہ عترت سے مراد اپنی اولاد ہے جس میں نسبی اور روحانی دونوں قسم کی اولاد شامل ہے، اس لئے مراد سب صحابہ کرام ہوئے اور معنی حدیث کے یہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو چیزیں مسلمانوں کی ہدایت واصلاح کا ذریعہ ہوں گی، ایک اللہ کی کتاب دوسرے آپ کے صحابہ کرام اور معاملات واحکام میں ان کا تعامل اور جس روایت میں عترت کی جگہ سنت آیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات جو صحابہ کرام کے واسطے سے مسلمانوں کو پہنچی ہیں۔

بہرحال اس حدیث میں ثقلین سے مراد دو وزن دار قابل قدر چیزیں ہیں، آیت مذکورہ میں جن وانس کی دونوں نوعوں کو ثقلین اسی مفہوم کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ زمین پر بسنے رہنے والی سب ذی روح چیزوں میں جن وانس سب سے زیادہ وزن دار اور قابل قدر ہیں

اور سنفرغ، فراغ سے مشتق ہے، جس کے معنی کسی شغل سے فارغ اور خالی ہونے کے ہیں، فراغ کا مقابل لغت میں شغل ہے اور لفظ فراغ دو چیزوں کی خبر دیتا ہے اول یہ کہ کسی شغل میں مشغول تھا، دوسرے یہ کہ اب اس شغل کو ختم کر کے فارغ ہو گیا، یہ دونوں باتیں مخلوقات میں تو معروف ومشہور ہیں، انسان کبھی ایک شغل میں لگا ہوا ہوتا ہے پھر اس سے فارغ ہو جاتا ہے مگر حق تعالیٰ جل شانہ ان دونوں سے بری ہیں نہ ان کو ایک شغل دوسرے شغل سے مانع ہوتا ہے نہ وہ کبھی اس طرح فارغ ہوتے ہیں جس طرح انسان فارغ ہوا کرتا ہے۔

اس لئے آیت مذکورہ میں سنفرغ کا لفظ ایک تشبیہ واستعارہ کے طور پر لایا گیا ہے جو عام انسانوں میں رائج ہے کہ کسی کام کی اہمیت بتلانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ ہم اس کام کے لئے فارغ ہو گئے یعنی اب پوری توجہ اسی کام پر ہے اور جو آدمی کسی کام پر اپنی پوری توجہ خرچ کرتا ہے اس کے لئے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ اس کو تو اس کے سوا کوئی کام نہیں۔ اس سے پہلی آیت میں جو یہ مذکور تھا کہ آسمان وزمین کی ساری مخلوقات اور ان کا ایک ایک فرد حق تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگتا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر حال میں ان کی درخواست پورا کرنے کے لحاظ سے ایک خاص شان میں ہوتے ہیں، آیت سنفرغ لکم الخ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز درخواستوں اور ان کے قبول اور ان پر عمل کا سب سلسلہ بند ہو جائے گا اس وقت کام صرف ایک رہ جائے گا اور شیون مختلفہ میں سے صرف ایک شان ہوگی، یعنی حساب وکتاب اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

لوگوں کے حساب کا وقت آ جانے کا بیان

فرمایا گیا ہے کہ صرف تمہاری طرف پوری توجہ فرمانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے اب کھرے کھرے فیصلے ہو جائیں گے اسے کوئی اور چیز مشغول نہ کرے گی بلکہ صرف تمہارا حساب ہی ہوگا، محاورہ عرب کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے جیسے غصہ کے وقت کوئی کسی سے کہتا ہے اچھا فرصت میں تجھ سے نپٹ لوں گا، تو یہ معنی نہیں کہ اس وقت مشغول ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایک خاص وقت تجھ سے نمٹنے کا نکالوں گا اور تیری غفلت میں تجھے پکڑ لوں گا۔ (ثقلین) سے مراد انسان اور جن ہیں جیسے ایک حدیث میں ہے اسے سوائے ثقلین کے ہر چیز سنتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے سوائے انسانوں اور جنوں کے اور حدیث صور میں صاف ہے کہ ثقلین یعنی جن وانس پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ (تفسیر جامع البیان، سورہ الرحمٰن، بیروت)

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
اے گروہ جن وانس! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل سکو تو تم نکل جاؤ،
تم جس مقام پر بھی نکل کر جاؤ گے وہاں بھی اسی کی سلطنت ہوگی۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

زمین وآسمان میں ہر جگہ اسی کی بادشاہت کا بیان

"یَا مَعْشَر الْجِنّ وَالْإِنْس إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا " تَخْرُجُوا "مِنْ أَقْطَار " نَوَاحِي "السَّمَاوَات

وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا " أَمْر تَعْجِيز "لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ " بِقُوَّةٍ وَلَا قُوَّة لَكُمْ عَلَى ذَلِكَ. ‌‌فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

اے گروہ جن و انس! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل سکو تو تم نکل جاؤ، تم جس مقام پر بھی نکل کر جاؤ گے، یہاں امر عجز کیلئے آیا ہے۔ وہاں بھی اسی کی سلطنت ہوگی۔ لہٰذا تمہیں وہاں سے نکل سکنے کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اے جنو اور انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے بلکہ وہ تم سب کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے اس کا ہر ہر حکم تم پر بیروک جاری ہے جہاں جاؤ اسی کی سلطنت ہے حقیقتاً یہ میدان محشر میں واقع ہوگا کہ مخلوقات کو ہر طرف سے فرشتے احاطہ کئے ہوئے ہوں گے چاروں جانب ان کی سات سات صفیں ہوں گی کوئی شخص بغیر دلیل کے ادھر سے ادھر نہ ہو سکے گا اور دلیل سوائے امر الٰہی یعنی حکم اللہ کے اور کچھ نہیں انسان اس دن کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کدھر ہے؟ لیکن جواب ملے گا کہ آج تو رب کے سامنے ہی کھڑا ہونے کی جگہ ہے۔

جن وانس کیلئے موت وحساب سے کوئی فرار نہ ہونے کا بیان

اس آیت میں یہ بتلانا منظور ہے کہ روز جزاء کی حاضری اور حساب اعمال سے کوئی شخص راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا، کسی کی مجال نہیں جو موت سے یا روز قیامت کے حساب سے کہیں بھاگ کر بچ نکلے، اس آیت میں ثقلین کے بجائے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ کے صریح نام ذکر فرمائے اور جن کو انس پر مقدم کیا، شاید اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ آسمان و زمین کے اقطار سے پار نکل جانا بڑی قوت وقدرت چاہتا ہے، جنات کو حق تعالیٰ نے ایسے امور کی قوت انسان سے زیادہ بخشی ہے، اس لئے جن کے ذکر کو مقدم کیا گیا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے جنات اور انسانو! اگر تمہیں یہ گمان ہو کہ ہم کہیں بھاگ جائیں گے اور اس طرح ملک الموت کے تصرف سے بچ جائیں یا میدان حشر سے بھاگ کر نکل جائیں گے اور حساب کتاب سے بچ جائیں گے تو لو اپنی قوت آزما دیکھو، اگر تمہیں اس پر قدرت ہے کہ آسمان و زمین کے دائروں سے باہر نکل جاؤ تو نکل کر دکھلاؤ، یہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لئے تو بہت بڑی قوت وقدرت درکار ہے، جو جن وانس کی دونوں قوموں کو حاصل نہیں۔ اس کا حاصل ان کا اقطار سماء وارض سے باہر نکلنے کا امکان و احتمال بتلانا نہیں، بلکہ بطور فرض محال ان کا عاجز ہونا دکھلانا ہے۔ آیت میں مراد اگر موت سے فرار ہے تو یہی دنیا اس کا مصداق ہے کہ کسی کے امکان میں نہیں کہ زمین سے آسمانوں تک کی حدود کو پھلانگ کر باہر نکل جائے اور موت سے بچ جائے، ان حدود کو پار کرنے کا ذکر بھی انسانی خیال کے مطابق کیا گیا ہے، ورنہ بالفرض کوئی آسمانوں کی حدود سے باہر نکل جائے تو اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت سے بھی باہر نہیں اور اگر مراد محشر کے حساب و کتاب اور جواب دہی سے فرار کا ناممکن ہونا بتلانا ہے، تو اس کی عملی صورت قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث میں یہ ہے کہ قیامت کے روز آسمان شق ہو کر سب فرشتے زمین کے کناروں پر آ جائیں گے اور ہر طرف سے محاصرہ ہوگا جن وانس قیامت کی ہولناک چیزوں کو دیکھ کر مختلف سمتوں میں بھاگیں گے، ہر سمت میں

فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
تم دونوں پر آگ کے خالص شعلے بھیج دیئے جائیں گے اور دھواں اور تم دونوں ان سے بچ نہ سکو گے۔
تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

آگ سے شواظ ونحاس کو بھیجنے کا بیان

"يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظ مِنْ نَار" هُوَ لَهِبهَا الْخَالِص مِنْ الدُّخَان أَوْ مَعَهُ "وَنُحَاس" أَيْ دُخَان لَا لَهَب فِيهِ "فَلَا تَنْتَصِرَانِ" تَمْتَنِعَانِ مِنْ ذَلِكَ بَلْ يَسُوقكُمْ إِلَى الْمَحْشَر، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

تم دونوں پر آگ کے خالص شعلے بھیج دیئے جائیں گے اور دھواں، یہاں پر لفظ شواظ وہ دھواں ہے جس میں شعلہ نہ ہو اور یا دھوئیں کے ساتھ۔ اور نحاس وہ دھواں ہیں جس میں شعلہ نہ ہو۔ اور تم دونوں ان سے بچ نہ سکو گے یعنی اس سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا بلکہ وہ تمہیں محشر کی ہانک کر لے جائیں گے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

شواظ ونحاس کے مفہوم کا بیان

(شواظ) کے معنی آگ کے شعلے جو دھواں ملے ہوئے سبز رنگ کے جھلسا دینے والے ہوں۔ بعض کہتے ہیں بیدھوئیں کا آگ کا اوپر کا شعلہ جو اس طرح لپکتا ہے کہ گویا پانی کی موج ہے (نحاس) کہتے ہیں دھوئیں کو، یہ لفظ نون کے زبر سے بھی آتا ہے لیکن یہاں قرأت نون کے پیش سے ہی ہے۔ نابغہ کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے ہاں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سند میں امیہ بن صلت کا شعر پڑھ کر سنایا۔ اور نحاس کے معنی آپ نے کئے ہیں محض دھواں جس میں شعلہ نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایک عربی شعر نابغہ کا پڑھ کر سنایا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں نحاس سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔ بہرصورت مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن میدان محشر سے بھاگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر دھواں چھوڑ کر تمہارے سر پر پگھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے تم نہ ان کا مقابلہ کر سکتے ہو نہ انہیں دفع کر سکتے ہو نہ ان سے انتقام لے سکتے ہو۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت سے انکار کرو گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الرحمٰن، بیروت)

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
پھر جب آسمان پھٹ جائے گا، تو وہ سرخ چمڑے کی طرح گلابی ہو جائے گا۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

قیام قیامت کے وقت آسمان کے دروازوں کو کھول دینے کا بیان

"فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاء " انْفَرَجَتْ أَبْوَابًا لِنُزُولِ الْمَلَائِكَة "فَكَانَتْ وَرْدَة " أَيْ مِثْلهَا مُحْمَرَّة "كَالدِّهَانِ" كَالْأَدِيمِ الْأَحْمَر عَلَى خِلَاف الْعَهْد بِهَا وَجَوَاب إِذَا فَمَا أَعْظَم الْهَوْل، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا، یعنی فرشتوں کے نازل ہونے کیلئے دروازوں کو کھول دیا جائے گا۔ تو وہ سرخ چمڑے کی طرح گلابی ہو جائے گا۔ جس طرح سرخ چمڑے کا کارنگ خلاف عہد کے سبب ہو جاتا ہے اور یہاں پر اذا کا جواب **فما اعظم الهول** یہ محذوف ہے یعنی وہ منظر کتنا ہلا دینے والا ہوگا۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

یعنی کیا حال ہوگا اس وقت جبکہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے گا لال چمڑے کی طرح۔ یعنی آگ کی تپش اور گرمی سے آسمان اس طرح سرخ ہو جائے گا، جیسا کہ سرخ چمڑا (قالہ ابن عباس، روح، خازن وغیرہ)

اور بعض نے اس کے معنی تیل کی تلچھٹ کے کیے ہیں، کہ اس روز آسمان اس طرح مختلف رنگ بدلے گا کہ کبھی سرخ ہوگا، کبھی زرد اور کبھی سبز ہوگا۔ (جامع البیان، سورہ الرحمٰن، بیروت)

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
پھر اس دن نہ کسی انسان سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھا جائے گا اور نہ کسی جنّ سے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

محشر میں جمع کرتے وقت سوال و جواب نہ ہونے کا بیان

"فَيَوْمئِذٍ لَا يُسْأَل عَنْ ذَنْبه إِنْس وَلَا جَانّ " عَنْ ذَنْبه وَيُسْأَلُونَ فِي وَقْت آخَر "فَوَرَبِّك لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ " وَالْجَانّ هُنَا وَفِيمَا سَيَأْتِي بِمَعْنَى الْجِنّ وَالْإِنْس فِيهِمَا بِمَعْنَى الْإِنْسِيّ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

پھر اس دن نہ کسی انسان سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھا جائے گا اور نہ کسی جنّ سے اس کے گناہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بلکہ ان سے دوسرے وقت میں پوچھا جائے گا۔ جس طرح یہ فرمان الٰہی ہے کہ آپ کے رب کی قسم ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے۔ یہاں پر لفظ جانّ ہے جس میں معنی جن آتے ہیں اور انس میں معنی انسی آتا ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

قیامت کے دن تین بار حساب کیلئے پیش ہونے کا بیان

حضرت حسن بصری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن لوگوں کو (اللہ تعالیٰ کے سامنے) تین مرتبہ پیش کیا جائے گا اور دو مرتبہ تو بحث و جرح اور عذر آرائی ہوگی

اور جب تیسری مرتبہ پیش ہوں گے تو اس وقت (چونکہ حساب، کتاب اور پوچھ گچھ کا مرحلہ نمٹ چکا ہوگا اس لئے) اعمال نامے اڑ اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے پس ان میں سے کچھ لوگ (کہ جو اہل سعادت اور خوش نصیب ہوں گے اپنے دائیں ہاتھوں میں اعمال نامے لیں گے اور کچھ لوگ (کہ جو اہل شقاوت اور بد بخت ہوں گے) اپنے بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے لیں گے اس روایت کو امام احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ روایت اس اعتبار سے صحیح نہیں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت حسن بصری کا سماع ثابت نہیں ہے بعض محدثین نے اس روایت کو حضرت حسن بصری سے اور انہوں نے ابو موسیٰ اشعری سے نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 131)

دو مرتبہ تو بحث و جرح اور عذر آرائی ہوگی۔" کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ پہلی مرتبہ پیش ہوں گے تو اس وقت وہ اپنے گناہ و معصیت اور اپنی بدعملیوں کا اقرار و اعتراف نہیں کرینگے اور اپنے آپ کو مستوجب عذاب ہونے سے بچانے کی کوشش کریں گے یعنی حق تعالیٰ کے سامنے بحث و مباحثہ کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تک کسی بھی نبی نے آپ کے احکام نہیں پہنچائے اور نہ کسی نے ہمیں یہ بتایا کہ ہمارا کون سا عمل درست ہے اور کون سا عمل نادرست! اور جب ہم تک ہدایت پہنچی ہی نہیں اور ہمارے سامنے برائی اور بھلائی کے راستوں کو واضح ہی نہیں کیا گیا تو ہمارے خلاف بدعملیوں اور گناہوں کی فرد جرم کیوں عائد ہو؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ مختلف دلائل اور گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت فر ے گا کہ ان تک ہدایت کا پیغام پہنچایا تھا اور مختلف زمانوں میں اس کے پیغمبر اور رسول ان کے پاس اللہ کے احکام پہنچاتے رہے تھے جن کو انہوں نے یا تو قبول نہیں کیا یا ان پر صحیح طرح سے عمل نہیں کیا تو دوسری مرتبہ کی پیشی کے وقت وہ اپنے گناہوں اور اپنی بدعملیوں کا اقرار و اعتراف کریں گے اور پھر عذر آرائی کرنے لگیں کے مثلاً کوئی تو یوں کہے گا کہ میں نے از راہ سہو خطا کاروں کا راستہ اختیار کر لیا تھا، کوئی یوں کہے گا کہ میں جہالت و غفلت کے اندھیروں میں کھو گیا تھا اور اس کی وجہ سے ہدایت کے راستہ پر نہیں چل سکا اور کوئی یوں کہے گا کہ میں تیری رحمت کی امید پر کوتاہ عمل اور غفلت کا شکار ہو گیا تھا، غرض کہ ہر ایک اسی طرح کے عذر بیان کرے گا۔

اور پھر تیسری مرتبہ جب لوگوں کے تمام معاملات منقح ہو کر سامنے آجائیں گے اور ہر ایک کے عقیدہ و عمل کی چھان بین پوری ہو جائے گی تو پھر آخری فیصلہ ظاہر ہو جائے گا اور سب کے سامنے اہل ہدایت اور ضلالت کے درمیان فرق و امتیاز بالکل واضح ہو جائے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جو لوگ جنت کی سعادت سے نوازے جانے والے ہوں گے ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں پہنچ جائیں گے اور جن کو دوزخ میں ڈالا جانا ہوگا ان کے نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

قیامت کے دن مجرمین کی پہچان ہو جانے کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اس دن کسی مجرم سے اس کا جرم نہ پوچھا جائے گا جیسے ایک اور آیت میں ہے (هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ، المرسلات:35)، یہ وہ دن ہے کہ بات نہ کریں گے نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر معذرت کریں۔ ہاں اور آیات میں ان کا بولنا عذر کرنا ان سے حساب لیا جانا وغیرہ بھی بیان ہوا ہے فرمان ہے آیت (فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ، الحجر:92)

تیرے رب کی قسم ہم سب سے سوال کریں گے اور ان کے تمام کاموں کی پرسش کریں گے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ایک موقعہ پر یہ ہے پرسش ہوئی حساب کتاب ہوا عذر معذرت ختم کردی گئی اب منہ پر مہر لگ گئی ہاتھ پاؤں اور اعضاء جسم نے گواہی دی پھر پوچھ گچھ کی ضرورت نہ رہی عذر معذرت توڑ دی گئی۔ اور یہ تطبیق بھی ہے کہ کسی سے نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں عمل کیا؟ یا نہیں کیا؟ کیونکہ اللہ کو جو خوب معلوم ہے اس سے جو سوال ہوگا وہ یہ کہ ایسا کیوں کیا؟ تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتے پوچھیں گے نہیں وہ تو چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور جہنمی کو زنجیروں میں باندھ کر اوندھے گھسیٹ کر جہنم واصل کردیں گے جیسے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ گنہگار اپنے چہروں اور اپنی خاص علامتوں سے پہچان لئے جائیں گے چہرے سیاہ ہوں گے آنکھیں کیری ہوں گی ٹھیک اسی طرح مومنوں کے چہرے بھی الگ ممتاز ہوں گے۔ ان کے اعضائے وضو چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ گنہگاروں کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس طرح بڑی لکڑی کو دو طرف سے پکڑ کر تنور میں جھونک دیا جاتا ہے پیٹھ کی طرف زنجیر لا کر گردن اور پاؤں ایک کرکے باندھ دیے جائیں گے۔ کمر توڑ دی جائے گی اور قدم اور پیشانی ملا دیجائے گی اور جکڑ دیا جائے گا۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ الرحمٰن، بیروت)

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ۝فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝
مجرم لوگ اپنے چہروں کی سیاہی سے پہچان لئے جائیں گے پس انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے
پکڑ کر کھینچا جائے گا۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

قیامت کے دن پیشانیوں سے مجرموں کے پہچانے جانے کا بیان

"يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ " سَوَادُ الْوُجُوه وَزُرْقَة الْعُيُون "فَيُؤْخَذ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَام" "فَبِأَيِّ آلَاء رَبّكُمَا تُكَذِّبَان" تُضَمّ نَاصِيَة كُلّ مِنْهُمْ إلَى قَدَمَيْهِ مِنْ خَلْف أَوْ قُدَّام وَيُلْقَى فِي النَّار وَيُقَال لَهُمْ : "هَذِهِ جَهَنَّم الَّتِي يُكَذِّب بِهَا الْمُجْرِمُونَ"،

مجرم لوگ اپنے چہروں کی سیاہی سے پہچان لئے جائیں گے یعنی ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ پس انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر کھینچا جائے گا۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کی پیشانی آگے اور پیچھے سے قدموں سے ملا دی جائے گی اور انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ دوزخ ہے جس کا مجرمین سے وعدہ کیا گیا تھا۔

سیماء کے معنی علامت کے ہیں، حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس روز مجرمین جن کو جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ ہوگا ان کی علامت یہ ہوگی کہ چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلگوں ہوں گی، رنج و غم سے چہرے فق ہوں گے، فرشتے اسی علامت کے ذریعہ ان کو پکڑیں گے۔

نواصی ناصیۃ کی جمع ہے پیشانی کے بالوں کو کہا جاتا ہے نواصی اور اقدام سے پکڑنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کو سر کے بال پکڑ کر گھسیٹا جائے گا، کسی کا ٹانگیں پکڑ کر یا کبھی اس طرح کبھی اس طرح گھسیٹا جائے گا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں کو ایک جگہ جکڑ دیا جائے گا۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

دوزخیوں کے اجسام کے بڑا ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر دوزخی کی کھال بیالیس ہاتھ موٹی ہوگی، اس کے دانت احد پہاڑ کے برابر ہوں گے اور دوزخ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوگی۔

(ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 240)

ایک روایت میں بیالیس ہاتھ کی وضاحت کے لئے بذرع الجبار کے الفاظ بھی منقول ہیں یعنی ہاتھ بھی کونسا، ایک لمبے چوڑے شخص کا ہاتھ اوپر کی حدیث میں کافر دوزخی کے بیٹھنے جگہ مدینہ اور ربذہ کے درمیانی فاصلہ کے برابر بیان فرمائی گئی ہے جب کہ اس حدیث میں مکہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلہ کا ذکر ہے؟

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ مقدار کا یہ فرق واختلاف دراصل کافر دوزخی کو دیئے جانے والے عذاب میں فرق واختلاف کی بنیاد پر ہے کہ جو کافر سخت ترین عذاب کا مستوجب ہوگا اس کی جسامت بھی اسی اعتبار سے لمبی چوڑی ہوگی اور اسی لحاظ سے بیٹھنے کی جگہ بھی زیادہ لمبی چوڑی ہوگی اور جو کافر نسبتاً ہلکے عذاب کا مستوجب ہوگا اس کی جسامت نسبتاً کم لمبی چوڑی ہوگی اور اسی لہٰذا سے اس کے بیٹھنے کی جگہ بھی کم لمبی چوڑی ہوگی اسی پر کھال وغیرہ کی مقدار اختلاف کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
یہی ہے وہ جہنم جسے مجرم لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ اس کے درمیان اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان
چکر کاٹتے رہیں گے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اہل دوزخ کا گرم پانی کے گرد چکر کاٹنے کا بیان

"يَطُوفُونَ" يَسْعَوْنَ "بَيْنَهَا وَبَيْن حَمِيم " مَاء حَارّ "آنٍ" شَدِيد الْحَرَارَة يُسْقَوْنَهُ إِذَا اسْتَغَاثُوا مِنْ حَرّ النَّار وَهُوَ مَنْقُوص كَقَاضٍ، ،فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

یہی ہے وہ جہنم جسے مجرم لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ اس کے درمیان اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر کاٹتے رہیں گے۔ لفظ حار سخت حرارت کو کہتے ہیں۔ یعنی آگ کی گرمی سے جب فریاد کریں گے تو انہیں گرم پانی پلایا جائے گا۔ اور وہ منقوص جس سے کا

قاض آیا ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اہل جہنم سے جاری ہونے والے پانی کی شدت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کے احاطہ کے لئے چار دیواریں ہوں گی جن میں سے ہر دیوار کی چوڑائی چالیس برس کی مسافت کے برابر ہوگی۔ (ترمذی)

حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخیوں کے زخموں سے جو زرد پانی بہے گا (یعنی خراب خون اور پیپ) اگر اس کا ڈول بھر کر دنیا میں انڈیل دیا جائے تو یقیناً تمام دنیا والے سڑ جائیں۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ، آل عمران:102) تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا اگر (دوزخ کے) زقوم یعنی تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ بھی اس دنیا کے گھر میں ٹپک پڑے تو یقیناً دنیا والوں کے سامان زندگی کو تہس نہس کردے پھر (سوچو) اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 246)

حق تقاتہ (جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) کا مطلب یہ ہے، واجبات کو بجالانا اور سیأات سے پرہیز کرنا۔ حضرت ابن مسعود نے ان الفاظ کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ۔ ھو ان یطاع فلا یعصی ویشکر فلایکفر ویذکر فلا ینسی۔ وہ (اللہ سے ڈرنے کا حق) یہ ہے کہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے اور کسی حال میں اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور کسی بھی حال میں کفران نعمت نہ کیا جائے، اس کو یاد کیا جائے اور کسی بھی حال میں اس کو بھولا نہ جائے۔

امام حاکم نے یہ تفسیر وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے، اسی طرح ابن مردویہ اور ابن حاتم نے بھی اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، بہرحال اگر یہ الفاظ حق تقاتہ کمال تقویٰ کو بیان کرنے کے لئے ہیں (یعنی یہ کہا جائے کہ "حق تقاتہ" سے مراد کمال تقویٰ ہے) تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا اور اگر ان الفاظ کو اصل تقویٰ کی تعبیر قرار دیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ آیت قرآن ہی کی اس دوسری آیت (فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ،التغابن:16) کے ذریعہ منسوخ ہے کیونکہ اصل تقویٰ یعنی حق تعالیٰ سے اس کے مرتبہ کے لائق خشیت بھلا کون بشر اختیار کرسکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد جو مضمون ارشاد فرمایا وہ اس آیت کے ساتھ کیا مناسبت رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل تقویٰ، عذاب دوزخ سے سلامت ومحفوظ رکھنے کا سبب ہے اور تقویٰ اختیار نہ کرنا گویا عذاب دوزخ میں گرفتار ہونا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مناسبت سے دوزخ کے بعض عذاب کا ذکر کرنا مناسب سمجھا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرنے والے کیلئے دو جنتیں ہونے کا بیان

"وَلِمَنْ خَافَ " اَیْ لِكُلٍّ مِنْهُمْ اَوْ لِمَجْمُوْعِهِمْ "مَقَامَ رَبِّهٖ " قِيَامَه بَيْنَ يَدَيْهِ لِلْحِسَابِ فَتَرَكَ مَعْصِيَتَه، فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے یعنی ان میں ہر ایک کیلئے یا دونوں کے مجموعہ کیلئے، جو حساب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اور نافرمانی کو چھوڑ دیتا ہے۔اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

سورت الرحمٰن آیت ۴۶ کے شان نزول کا بیان

ابن شوذب اور عطا خراسانی فرماتے ہیں آیت (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ،الرحمٰن:46) حضرت صدیق اکبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضرت عطیہ بن قیس فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے کہا تھا مجھے آگ میں جلا دینا تاکہ میں اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈ انے پر نہ ملوں یہ کلمہ کہنے کے بعد ایک رات ایک دن توبہ کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اسے جنت میں لے گیا۔لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔

حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے اور اپنے آپ کو نفس کی خواہشوں سے بچاتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا زندگانی دنیا کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غفلت نہیں کرتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے اور اسے بہتر اور پائدار سمجھتا ہے فرائض بجالاتا ہے محرمات سے رکتا ہے قیامت کے دن اسے ایک چھوڑ دو دو جنتیں ملیں گی۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ الرحمٰن، بیروت)

سونے چاندی کی ۲،۲ جنتیں ہونے کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کو جنت میں جو خیمہ ملے گا وہ پورا ایک کھوکھلا موتی ہوگا جس کا عرض ایک اور روایت میں ہے کہ "جس کا طول ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر ہوگا، اس خیمہ کے ہر گوشہ میں اس (مومن) کے اہل خانہ ہونگے اور ایک گوشہ کے آدمی دوسرے گوشہ کے آدمیوں کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ان سب اہل خانہ کے پاس مومن آتا جاتا رہے گا۔(مومن کے لئے) دو جنتیں چاندی کی ہوں گی کہ ان جنتیوں کے برتن، باسن (مکانات ومحلات اور خانہ داری کے دوسرے ضروری وآرائشی سامان تخت کرسی میز پلنگ، جھاڑ، فانوس، یہاں تک درخت وغیرہ) سب چاندی کے ہوں گے اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی کہ ان جنتوں کے برتن باسن اور ان میں ہر چیز سونے کی ہوگی اور جنت العدن میں جنتیوں اور

پروردگار کی طرف سے ان کے دیکھنے کے درمیان ذات باری تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے پردہ کے علاوہ اور کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 183)

یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ زیادہ صحیح اس روایت کے الفاظ ہیں جس میں اس خیمہ کا عرض ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر بیان کیا گیا ہے یا اس روایت کے الفاظ زیادہ صحیح ہیں جس میں خیمہ کے طول کو ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر بتایا گیا ہے، اصل مقصد اس خیمہ کی وسعت و کشادگی کو بیان کرنا ہے جو دونوں روایتوں سے حاصل ہو جاتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس خیمہ کی چوڑائی ساٹھ کوس کے بقدر ہے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی لمبائی کتنی زیادہ ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی لمبائی ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر ہے تو اس پر قیاس کر کے اس کی چوڑائی کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ "اہل خانہ" سے مراد بیوی وغیرہ ہیں۔

اور ایک شارح نے لکھا ہے کہ "اہل" سے مراد بیویاں ہیں جو اس مومن کو وہاں ملیں گی اور جن سے وہ جنسی لذت حاصل کرے گا، چنانچہ "آتا جاتا رہے گا" کے الفاظ کے ذریعہ اسی بات کو کنایہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ مومن اپنی ان بیویوں کے ساتھ جنسی اختلاط کرتا رہے گا۔ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جنتیں خالص چاندی کی اور دو جنتیں خالص سونے کی ہوں گی جب کہ ایک روایت میں جنت کی عمارتوں اور محلات کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے کہ ان میں جو اینٹیں لگی ہوں گی ان کی ترتیب یہ ہوگی کہ ایک اینٹ تو سونے کی ہوگی اور ایک اینٹ چاندی کی۔ پس ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہوگی کہ پہلی روایت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو جنت کے اندر ہوں گی، جیسے برتن، باسن اور دیگر اشیاء چنانچہ ایک جنت میں تو تمام چیزیں سونے کی ہوں گی اور ایک جنت میں تمام چیزیں چاندی کی ہوں گی اور دوسری روایت میں جنت کی عمارتوں کی خوبی بیان کی گئی ہے کہ جنت کی ہر عمارت و محل کی دیوار میں سونے اور چاندی کی اینٹیں ہوں گی۔

جنتوں کی تعداد اور ان کے نام علامہ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جنتیں چار ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورت رحمٰن میں فرمایا ہے۔ (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ، الرحمٰن: 46) "اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا ہو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔" اس کے بعد کی آیتوں میں ان دونوں جنتوں کی تعریف و توصیف بیان فرمائی گئی ہے اور پھر ارشاد ہوا۔ (وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ، الرحمٰن: 16) "اور ان دو جنتوں سے کم درجہ میں دو جنتیں اور ہیں۔" پہلی دو جنتوں کی طرح آگے کی آیات میں ان دو جنتوں کی بھی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے رہی حدیث کی بات تو اوپر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ یہ الفاظ جنتان من فضة انیتهما وما فیها وجنتان من ذهب انیتهما وما فیها اس پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ جنتیں چار ہیں۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ جنتان من الذهب للسابقین وجنتان من فضة لا صحاب الیمین۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں "جنتان" (دو جنتوں) کا جو لفظ ہے اس سے جنت کی دو قسمیں مراد ہوں یعنی ان جنتوں میں سے ایک سونے کی اور دوسری چاندی کی ہوگی۔ حاصل یہ نکلا کہ اصل میں چار جنتیں ہیں، دو سونے کی ہیں جو خاص مقربین کے لئے ہیں اور دو

چاندی کی ہیں جو عام مؤمنین کے لئے ہیں، لیکن یہ بھی واضح رہے کہ "جنتان" کو تثنیہ کا صیغہ ہے مگر بعض موقعوں پر تثنیہ کا صیغہ ہے مگر بعض موقعوں پر تثنیہ سے کثرت (یعنی دو سے زائد کی تعداد بھی مراد ہوتی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ "جنتان" سے مراد چار جنتیں ہوں اور "کاملین" کو ان دو اصل جنتوں کے علاوہ جو دو جنتیں اور عطا ہوں جو سونے اور چاندی ہی کی ہوں گی اور وہ جنتیں زیبائش وخوشنمائی کے لئے ان کاملین کے محلات کے دائیں بائیں واقع ہوں گی، اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے۔

جن میں جنت کے تعلق سے آٹھ نام ذکر ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) جنت العدن (۲) جنت الفردوس (۳) جنت الخلد (۴) جنت النعیم (۵) جنت الماوی (۶) دار السلام (۷) دار القرار (۸) دار المقامہ۔ "اور جنت العدن میں جنتیوں اور پروردگار کی طرف ان کو دیکھنے۔۔ الخ۔ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو وہ جسمانی حجاب اور طبعی کدورتیں جو بندے اور پروردگار کے دیدار کے درمیان حائل ہوتی ہیں اٹھ جائیں گی مگر ذات مقدس کی کبریائی وعظمت اور ہیبت وجلال کا پردہ باقی رہے گا تاہم اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس پردہ کو بھی اٹھادے گا یعنی نظروں کو تاب دیدار بخش دے گا اور جنتی لوگ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

خوف الٰہی کی کیفیت میں فوت ہونے کیلئے دو جنتیں ہونے کا بیان

حضرت یحییٰ بن ایوب الخزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کرلیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے بہت خوش تھے اس کا ایک بوڑھا باپ تھا وہ عشاء کی نماز پڑھ کر واپس اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا اس کے راستے میں ایک عورت کے گھر کا دروازہ تھا وہ اس پر فریفتہ ہوگئی تھی وہ اس کے راستے میں کھڑی ہوجایا کرتی تھی ایک رات وہ گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی، حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا، جب وہ اس کے دروازے کے پاس پہنچا تو وہ بھی داخل ہوگئی، اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کردیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی۔

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جائے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (اعراف، ۲۰۱)

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہوگیا اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں، اس کے گھر والے اسے اٹھا کر لے گئے، کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا، اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹے! تمہیں کیا ہوا تھا۔ اس نے کہا خیر ہے باپ نے پھر پوچھا؟ تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے پوچھا بیٹے تم نے کونسی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جس کو پڑھا تھا۔

وہ پھر بے ہوش ہوگیا گھر والوں نے اسے ہلایا جلایا لیکن وہ فوت ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور اسے لے جا کر دفن کردیا۔ صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے والد پاس تعزیت کیلئے آئے اور فرمایا: تم

نے مجھے خبر کیوں نہ دی؟ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر کی طرف لے چلو، پھر حضرت عمر اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کیلئے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق، جامع رقم الحدیث،۱۱۴، ج۱۹، ص۱۹۰، بیروت)

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○
دونوں بہت شاخوں والے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

دو بہت شاخوں والوں کا بیان

"ذَوَاتَا" تَثْنِيَةُ ذَوَات عَلَى الْأَصْل وَلَامهَا يَاء "أَفْنَان" أَغْصَان جَمْع فَنَن كَطَلَلٍ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

دونوں بہت شاخوں والے ہیں۔ یہاں پر لفظ ذواتا یہ ذات کی تثنیہ ہے اور اس کا لام اصل میں یاء سے آیا ہے۔ اور افنان یہ فنن کی جمع ہے جس طلل یہ طلال کی جمع ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

جنت کے درخت طوبیٰ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں ایک درخت ہے (جس کا نام طوبیٰ ہے) اگر کوئی سوار اس درخت کے سائے میں سو برس تک چلتا رہے تب بھی اس کی مسافت ختم نہ ہوگی اور جنت میں تمہارے کمان کی برابر جگہ ان تمام چیزوں سے بہتر و برتر ہے جن پر آفتاب طلوع یا غروب ہوتا ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 182)

جن پر آفتاب طلوح وغروب ہوتا ہے۔" سے مراد تمام دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں ہیں۔ "طلوع یا غروب" میں حرف "یا" یا تو راوی کے شک کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یا اظہار حیرت کے لئے ہے، یا "اور" کے معنی میں ہے اس طرح کی پہلے جو حدیث گزری ہے اس میں "ایک کوڑے کے برابر جگہ" کا ذکر ہے اور یہاں "ایک کمان کی برابر جگہ" کا ذکر کیا گیا ہے تو دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور یہاں بھی وہی وضاحت پیش نظر رہنی چاہئے جو پہلے بیان ہو چکی ہے، البتہ اس فرق کو سامنے رکھنا چاہئے کہ سفر کے دوران سوار تو اترنے کی جگہ اپنا کوڑا ڈال دیا کرتا تھا اور جو شخص پیدل ہوتا تھا وہ جس جگہ ٹھہرنا چاہتا وہاں اپنی کمان ڈال دیتا تھا تا کہ وہ جگہ اس کے ٹھہرنے کے لئے مخصوص ہو جائے۔

جنت میں درختوں اور باغات کا بیان

صراح میں لکھا ہے کہ "جنت" کے معنی ہیں باغ بہشت "جنت" اصل میں "ڈھانپنے" کے معنی میں آتا ہے۔ اس مناسبت

سے پہلے اس لفظ کا اطلاق "سایہ دار درختوں" پر ہوتا تھا جو اپنے نیچے کی چیز کو گویا اپنے سائے میں چھپائے اور ڈھانپتے رہتے ہیں، پھر اس لفظ کو "باغ" کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا جو سایہ دار درختوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں یہ لفظ "ثواب وانعام ملنے کی جگہ یعنی بہشت" کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا، چنانچہ بہشت کو "جنت" اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہاں گھنے درخت اور باغات ہیں جو ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہیں۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ، یہ پہلے دو باغوں کی صف ہے کہ بہت شاخوں والے ہوں گے، جس کا یہ اثر لازمی ہے کہ ان کا سایہ بھی گھنا ہوگا اور پھل بھی زیادہ ہوگا، دوسرے دو باغ جن کا ذکر آگے آتا ہے ان میں یہ صفت مذکور نہیں، جس سے اس معاملہ میں ان کی کمی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ افنان۔ فن کی جمع ہے یعنی بہت بڑا اور لمبا ٹہنا یعنی ان دو باغوں کے جتنے درخت ہوں گے ان سب کے دو بڑے بڑے ٹہنے ہوں گے۔ پھر ان ٹہنوں کی چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں نکلیں گی۔ اس آیت میں اللہ کی اس قدرت کا اظہار ہے کہ ان باغوں کے درختوں کی نشوونما میں ایک دوسرے سے پوری طرح یکسانیت اور ہم آہنگی ہوگی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
ان دونوں میں دو چشمے ہیں، جو بہہ رہے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

جنت میں بہنے والے دو چشموں کا بیان

ان دونوں باغوں کی عظمت شان کے بارے میں مزید ارشاد فرمایا گیا کہ ان دونوں باغوں میں دو عظیم الشان چشمے جاری ہوں گے۔ یعنی دونوں میں سے ہر باغ میں ایک ایک چشمہ ہوگا جو اس کو سیراب کرتا ہوگا اور اہل جنت اپنی مرضی سے اسے جہاں اور جدھر چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے، یفجرونها تفجیرًا ، سو ان دونوں باغوں کے اندر بہنے والے یہ عظیم الشان چشمے ان کی زرخیزی اور شادابی کی ضمانت ہوں گے، اللہ نصیب فرمائے اور محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کو تسنیم کہا جائے گا اور دوسرے کو سلسبیل کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا گیا کہ ان دونوں باغوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہونگی۔ ایک وہ جو تمہاری دیکھی بھالی ہوگی، اور دوسری وہ جو تم نے ابھی تک دیکھی بھی نہ ہوگی، یا ایک خشک اور دوسری تر، اور دونوں لذت ومزہ اور خوشبو وغیرہ فوائد ومزایا میں ایک جیسے ہوں گے، دنیاوی پھلوں کی طرح نہیں کہ جہاں تازہ پھل خشک پھل کے مقابلے میں زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ (ابن کثیر، ابن جریر، قرطبی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
ان دونوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

دنیا کے کڑوے پھل بھی آخرت میں میٹھے ہوں گے

"فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ" فِي الدُّنْيَا أَوْ كُلِّ مَا يُتَفَكَّه بِهِ "زَوْجَانِ" نَوْعَانِ رَطْب وَيَابِس وَالْمُرّ

مِنْهُمَا فِي الدُّنْيَا كَالْحَنْظَلِ حُلْو،فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

ان دونوں میں یعنی دنیا میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں۔یا ہر وہ پھل جس کو کھایا جائے۔دو اقسام سے مراد بعض تر بعض خشک ہیں اوران دونوں اقسام میں جو دنیا میں کڑوا ہے وہ آخرت میں میٹھا ہوگا جس طرح حنظلہ ہے۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

پہلے دو باغوں کی صفت میں فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ کے الفاظ سے تمام انواع فواکہ کا ہونا بیان فرمایا ہے،اس کے بالمقابل دوسرے باغوں میں فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ کے بجائے صرف فَاكِهَةٍ کے الفاظ ہیں اور زوجان کے معنی یہ ہیں کہ ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی،یہ دو قسمیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خشک و تر کی ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک تو عام معروف و مشہور اور مزے کی ہو اور دوسری غیر معمولی انداز کی۔(تفسیر مظہری،سورہ الرحمٰن،لاہور)

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ○فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ○
ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے،جن کے استر موٹے ریشم کے ہیں اور دونوں باغوں کا پھل قریب ہے۔
تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اہل جنت کا بستروں پر تکیہ لگائے بیٹھنے کا بیان

"مُتَّكِئِينَ" حَال عَامِله مَحْذُوف أَيْ يَتَنَعَّمُونَ "عَلَى فُرُش بَطَائِنهَا مِنْ إِسْتَبْرَق" مَا غَلُظَ مِنْ الدِّيبَاج وَخَشُنَ وَالظَّهَائِر مِنْ السُّنْدُس "وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ" ثَمَرهمَا "دَانٍ" قَرِيب يَنَالهُ الْقَائِم وَالْقَاعِد وَالْمُضْطَجِع،،فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے،یہاں پر لفظ متکئین یہ حال ہے اوراس کا عامل محذوف ہے یعنی یتنعمون،جن کے استر موٹے ریشم کے ہیں۔استبرق ریشم کے اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دبیز اور کھردرا ہو۔جبکہ سندس باریک ریشم کے کپڑے کو کہتے یں اوردونوں باغوں کا پھل قریب ہے۔جس کو کھڑا شخص اور بیٹھا شخص اور لیٹنے والا بھی بہ آسانی حاصل کرسکتا ہے۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اہل جنت کے انداز راحت وآرام کا بیان

جنتی لوگ بے فکری سے تکئے لگائے ہوئے ہوں گے خواہ لیٹے ہوئے ہوں خواہ باآرام بیٹھے ہوئے تکیہ سے لگے ہوئے ہوں ان کے بچھاؤنے بھی اتنے بڑھیا ہوں گے کہ ان کے اندر کا استر بھی دبیز اور خالص زرین ریشم کا ہوگا پھر اوپر کا ابرا کچھ ایسا ہوگا اسے تم آپ سوچ لو۔

مالک بن دینار اور سفیان ثوری فرماتے ہیں استر کا یہ حال ہے اور ابرا تو محض نورانی ہوگا جو سراسر اظہار رحمت و نور ہوگا۔پھر اس

پر بہترین گلکاریاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان جنتوں کے پھل جنتیوں سے بالکل قریب ہیں۔ جب چاہے جس حال میں چاہیں وہاں سے لے لیں لیٹے ہوں تو بیٹھا ہونے کی اور بیٹھے ہوں تو کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں خود بخود شاخیں جھوم جھوم کر جھکتی رہتی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الرحمٰن، بیروت)

اہل جنت کے بچھونوں کی بلندی کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وفرش موفوعۃ (اور اونچے اونچے فرش اور بچھونے ہوں گے) کی تفسیر میں فرمایا کہ "ان بچھونوں کی بلندی اتنی ہوگی جتنی کہ آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے یعنی پانچ سو برس کا راستہ۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 199)

مطلب یہ ہے کہ جنت کے درجوں میں جو فرش اور بچھونے ہوں گے وہ اتنے اونچے اونچے ہوں گے کہ بظاہر یہ نظر آئے گا کہ وہ آسمان جیسی بلندی تک چلے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں جن اونچے اونچے فرش اور بچھونوں کا ذکر ہے وہ جنت کے ان درجات میں بچھے ہوں گے جو زمین سے آسمان تک کی مسافت کے بقدر بلند ہوں گے اور جن کی اس بلندی کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ ان للجنۃ مائۃ درجۃ ما بین کل درجتین کما بین السماء والارض (جنت میں سو درجے ہیں اور ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان۔

بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "فرش مرفوعۃ" میں لفظ "فرش" سے مراد حوران جنت ہیں اور "مرفوعۃ" سے مراد ان حوران جنت کا حسن و جمال میں دنیا کی عورتوں سے فائق و برتر ہونا ہے، لیکن ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں مومن عورتیں حوروں سے بھی زیادہ حسین و جمیل ہوں گی اور ان کو حوروں پر فضیلت اس نماز روزہ کے سبب حاصل ہوگی جو وہ دنیا میں کرتی تھیں۔

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○
اوران میں نیچی نگاہ رکھنے والی ہوں گی جنہیں پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔
تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

جنت میں حوروں کے ہونے کا بیان

"فِيهِنَّ" فِي الْجَنَّتَيْنِ وَمَا اشْتَمَلَتَا عَلَيْهِ مِنْ الْعَلَالِيّ وَالْقُصُور "قَاصِرَات الطَّرْف" الْعَيْن عَلَى أَزْوَاجهنَّ الْمُتَّكِئِينَ مِنْ الْإِنْس وَالْجِنّ "لَمْ يَطْمِثهُنَّ" يَفْتَضّهُنَّ وَهُنَّ مِنْ الْحُور أَوْ مِنْ نِسَاء الدُّنْيَا الْمُنْشَآت،، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

اوران میں یعنی دونوں جنتیں جو بڑے محلات وعالی شان مکانوں پر مشتمل ہوں گی۔ ان میں نیچی نگاہ رکھنے والی حوریں ہوں گی

جنہیں پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔ اور وہ حوریں ہوں گی یا دنیا کی وہ عورتیں ہوں گی۔ جنہیں ولادت کے توسط کے بغیر پیدا کیا گیا۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

جنت کی عورتوں اور حوروں کے اوصاف کا بیان

فرمایا کہ ان فروش پر ان کے ساتھ ان کی بیویاں ہوں گی، جو عفیفہ، پاکدامن، شرمیلی نگاہوں والی ہوں گی اپنے خاوندوں کے سوا کسی پر نظریں نہ ڈالیں گے اور ان کے خاوند بھی ان پر سو جان سے مائل ہوں گے۔ یہ بھی جنت کی کسی چیز کو اپنے ان مومن خاوندوں سے بہتر نہ پائیں گی۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی اللہ کی قسم ساری جنت میں میرے لئے تم سے بہتر کوئی چیز نہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں جنت کی کسی چیز کی خواہش و محبت اتنی نہیں جتنی آپ کی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو میرے حصے میں کر دیا اور مجھے آپ کی خدمت کا شرف بخشا۔ یہ حوریں کنواری اچھوتی نوجوان ہوں گی ان جنتیوں سے پہلے ان کے پاک جسم کو کسی انس و جن کا ہاتھ بھی نہ لگا۔ یہ آیت بھی مومن جنوں کے جنت میں جانے کی دلیل ہے۔

حضرت ضمرہ بن حبیب سے سوال ہوتا ہے کہ کیا مومن جن بھی جنت میں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جنیہ عورتوں سے ان کے نکاح ہوں گے جیسے انسان کے انسان عورتوں سے۔ پھر یہی آیتیں تلاوت کیں پھر ان حوروں کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنی صفائی خوبی اور حسن میں ایسی ہیں جیسے یاقوت و مرجان، یاقوت سے صفائی میں تشبیہ دی اور مرجان سے بیاض میں پس مرجان سے مراد یہاں لؤلؤ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اہل جنت کی بیویوں میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ ان کی پنڈلی کی سفیدی ستر ستر حلوں کے پہننے کے بعد بھی نظر آتی ہے یہاں تک کہ اندر کا گودا بھی آپ نے آیت (كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ، الرحمٰن:58) پڑھی اور فرمایا دیکھو یاقوت ایک پتھر ہے لیکن قدرت نے اس کی صفائی اور جوت ایسی رکھی ہے کہ اس کے بیچ میں دھاگہ پرو دو تو باہر سے نظر آتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞
گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

یاقوت و مرجان کا بیان

"كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوت" مِنْ صَفَاء "وَالْمَرْجَان" اللُّؤْلُؤ بَيَاضًا، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان

گویا وہ حوریں یاقوت اور مرجان ہیں۔ اور لؤلؤ سفید موتی کو کہتے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اہل جنت کیلئے کثرت ازواج ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتیوں میں سب سے کم مرتبہ کا جو شخص ہوگا اس کے اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں ہوں گی، (جن میں سے دو بیویاں دنیا کی عورتوں میں سے اور ستر بیویاں حوران جنت میں

سے ہوں گی) اس لئے جو خیمہ کھڑا کیا جائے گا وہ موتی زمرد اور یاقوت سے (بنا ہوگا یا یہ کہ ان چیزوں سے مرصع ومزین) ہوگا۔" اسی اسناد کے ساتھ (حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہونے والی) ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ لوگ جن کو جنت میں داخل کیا جائے گا دنیا میں خواہ چھوٹی عمر میں مریں یا بڑی عمر میں جنت کے اندر تیس تیس سال کی عمر کے ہوکر جائیں گے اور وہ کبھی بھی اس عمر سے زیادہ کے نہیں ہوں گے، یہی معاملہ دوزخیوں کا بھی ہوگا۔" اور اسی اسناد کے ساتھ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتیوں کے سروں پر جو تاج ہوگا اس کا سب سے معمولی موتی بھی ایسا ہوگا کہ مشرق سے مغرب تک کو روشن ومنور کردے۔" اور اسی اسناد کے ساتھ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر (بالفرض) کوئی مسلمان جنت میں اولاد کا خواہش مند ہوگا تو (اس کی خواہش اس طرح پوری کی جائے گی کہ) بچہ کا حمل قرار پانا، اس کا پیدا ہونا اور اس کا انتہائی عمر (یعنی تیس سال کی عمر) تک پہنچنا سب کچھ ایک ساعت میں عمل پذیر ہوجائے گا۔" حضرت ابواسحاق بن ابراہیم اس آخری روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی مومن جنت میں اولاد کا خواہش مند ہوگا تو اس کی خواہش ایک ساعت میں پوری تو ہوجائے گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی خواہش کوئی بھی نہیں کرے گا اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ماجہ نے چوتھی روایت نقل کی ہے اور دارمی نے صرف آخر کا حصہ (جو ابواسحٰق سے منقول ہے) نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 213)

یہی معاملہ دوزخیوں کا بھی ہوگا۔" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اہل جنت تیس تیس سال کی عمر کے ہوکر جنت میں داخل ہوں گے خواہ وہ دنیا میں چھوٹی عمر میں مرے ہوں یا بڑی عمر میں، اسی طرح دوزخی بھی تیس تیس سال ہی کی عمر کے ہوکر دوزخ میں جائیں گے اور جنتیوں کی طرح وہ دوزخی بھی ہمیشہ تیس ہی سال کی عمر کے رہیں گے واضح رہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے لئے ہمیشہ کی عمر تیس سال مقرر ہونا شاید اس لئے ہو کہ جو مستحق چین وراحت ہوں انہیں کامل راحت نصیب ہوسکے اور جو مستحق عذاب ہوں انہیں کامل عذاب ملے، پس جس طرح اہل جنت دارالقرار میں ہمیشہ ہمیشہ اپنی اس بھری عمر کے ساتھ راحت وچین کا پورا سکھ اٹھاتے رہیں گے اسی طرح اہل دوزخ دارالبوار میں ہمیشہ ہمیشہ اپنی بھری عمر کے ساتھ عذاب وسختی کا پورا دکھ جھیلتے رہیں گے۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○
نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

نیکی کا بدلہ نیکی ہونے کا بیان

"هَلْ" مَا "جَزَاءُ الْاِحْسَانِ" بِالطَّاعَةِ "اِلَّا الْاِحْسَانُ" بِالنَّعِيمِ، فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا یعنی طاعت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

یعنی جس نے دنیا میں نیکی کی اس کی جزا آخرت میں احسان الٰہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قائل ہو اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عامل، اس کی جزا جنت ہے۔

کلمہ طیبہ پر یقین رکھنے والے کا خاتمہ باعث جنت ہے

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا یقین رکھتے ہوئے مرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 139)

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کجاوے کی درمیانی لکڑی کے علاوہ اور کوئی چیز حائل نہ تھی اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں، پھر تھوڑی دیر چلے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میں نے عرض کیا میں حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم (! پھر تھوڑی دور چلے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر چلتے رہے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا تو جانتا ہے کہ بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ بشرطیکہ وہ ایسا کریں یعنی شرک نہ کریں، میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 146)

کلمہ طیبہ پر فوت ہونے والے کیلئے جنت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دیر تک تشریف نہ لائے ہم ڈر گئے کہ کہیں (اللہ نہ کرے) آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ اس لئے ہم گھبرا کر کھڑے ہو گئے سب سے پہلے مجھے گھبراہٹ ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ بنی نجار کے باغ تک پہنچ گیا ہر چند باغ کے چاروں طرف گھوما مگر اندر جانے کا کوئی دروازہ نہ ملا۔ اتفاقاً ایک نالہ دکھائی دیا جو بیرونی کنوئیں سے باغ کے اندر جار ہا تھا میں اسی نالہ میں سمٹ کر گھر کے اندر داخل ہوا اور آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ! میں نے عرض کیا جی ہاں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا کیا حال ہے؟ آپ ہمارے سامنے تشریف فرما تھے اور اچانک اٹھ کر تشریف لے گئے اور دیر ہوگئی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ گزرا ہو اس لئے ہم گھبرا گئے۔ سب سے پہلے مجھے ہی گھبراہٹ ہوئی (تلاش کرتے کرتے) اس باغ تک پہنچ گیا اور لومڑی کی طرح سمٹ کر (نالہ کے راستہ سے) اندر آ گیا اور لوگ میرے پیچھے ہیں۔ آپ نے اپنے نعلین مبارک مجھے دے کر فرمایا ابوہریرہ! میری یہ دونوں نعلین (بطور نشانی) کے لے جاؤ اور جو شخص باغ کے باہر دل

کے یقین کے ساتھ لا الــــہ الا اللہ کہتا ہوا ملے اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ (میں نے حکم کی تعمیل کی) سب سے پہلے مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے۔ انہوں نے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوتیاں ہیں۔ آپ نے مجھے یہ نعلین دے کر بھیجا ہے کہ جو مجھے دل کے یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کو جنت کی بشارت دے دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر ہاتھ سے میرے سینے پر ایک ضرب رسید کی جس کی وجہ سے میں سرینوں کے بل گر پڑا۔ کہنے لگے اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! لوٹ جا۔ میں لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور میں رو پڑنے کے قریب تھا۔ میرے پیچھے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میری ملاقات عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور جو پیغام آپ نے مجھے دے کر بھیجا تھا میں نے ان کو پہنچا دیا۔ انہوں نے میرے سینے پر ایک ضرب رسید کی جس کی وجہ سے میں سرینوں کے بل گر پڑا اور کہنے لگے لوٹ جا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعلین دے کر حکم دیا تھا کہ جو شخص دل کے یقین کے ساتھ لا الــــہ الا اللہ کہے اس کو جنت کی بشارت دے دینا۔ فرمایا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا آپ ایسا نہ کریں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ لوگ (عمل کرنا چھوڑ دیں گے) اور اسی فرمان پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ ان کو عمل کرنے دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اچھا تو) رہنے دو۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 150)

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○
اور ان دو کے علاوہ اور دو باغ ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

خوف خدا والے کیلئے جنت کے کئی باغات ہونے کا بیان

"وَمِنْ دُونِهِمَا" مِنْ دُونِ الْجَنَّتَيْنِ الْمَذْكُورَتَيْنِ "جَنَّتَانِ" أَيْضًا لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّه، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

اور ان دو مذکورہ باغوں کے علاوہ اور دو باغ ہیں۔ یعنی اس شخص کیلئے جو اپنے رب سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

اہل تقویٰ کیلئے مزید دو جنتیں ہونے کا بیان

یہ دونوں جنتیں ہیں جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے ان جنتوں سے کم مرتبہ ہیں جن کا ذکر پہلے گذرا اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی جس میں ہے دو جنتیں سونے کی اور دو چاندی کی۔ پہلی دو تو مقربین خاص کی جگہ ہیں اور یہ دوسری دو اصحاب یمین کی الغرض درجے

اور فضیلت میں یہ دوان دو سے کم ہیں جس کی دلیلیں بہت سی ہیں ایک یہ کہ ان کا ذکر اور صف ان سے پہلے بیان ہوئی اور یہ تقدیم بیان بھی دلیل ہے ان کی فضیلت کی، پھر یہاں آیت (وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ، الرحمٰن:62) فرمانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ ان سے کم مرتبہ ہیں وہاں ان کی تعریف میں آیت (ذَوَاتَـآ اَفْـنَـانٍ ،الرحمٰن:48) یعنی بکثرت مختلف مزے کے میووں والی شاخ دار۔

یہاں فرمایا آیت:

(مُدْهَامَّتٰنِ ،الرحمٰن:64) یعنی پانی کی پوری تری سے سیاہ ابن عباس فرماتے ہیں سبز،

محمد بن کعب فرماتے ہیں سبزی سے پُر، قتادہ فرماتے ہیں اس قدر پھل پکے ہوئے تیار ہیں کہ وہ ساری جنت سرسبز معلوم ہو رہی ہے الغرض وہاں شاخوں کی پھیلاوٹ بیان ہوئی یہاں درختوں کی کثرت بیان فرمائی گئی تو ظاہر ہے کہ اس میں اور اس میں بھی بہت فرق ہے ان کی نہروں کی بابت لفظ آیت (تجریان) ہے اور یہاں لفظ آیت (فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ،الرحمٰن:66) ہے یعنی ابلنے والی اور یہ ظاہر ہے کہ نضخ سے جری یعنی ابلنے سے بہنا بہت برتری والا ہے حضرت ضحاک فرماتے ہیں یعنی پُر ہیں پانی رکتا نہیں اور لیجئے وہاں فرمایا تھا کہ ہر قسم کے میووں کے جوڑے ہیں اور یہاں فرمایا اس میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں تو ظاہر ہے کہ پہلے کے الفاظ عمومیت کے لئے ہوئے ہیں وہ قسم کے اعتبار سے اور کیفیت کے اعتبار سے بھی اس سے افضلیت رکھتے ہیں کیونکہ یہاں لفظ فاکھہ گو نکرہ ہے لیکن سیاق میں اثبات کے ہے اس لئے عام نہ ہوگا اسی لئے بطور تفسیر کے بعد میں نخل ورمان کہہ دیا۔ جیسے عطف خاص عام پر ہوتا ہے امام بخاری وغیرہ کی تحقیق بھی یہی ہے کھجور اور انار کو خاصتہ اس لئے ذکر کیا کہ اور میووں پر انہیں شرف ہے۔

مُدْهَآمَّـتٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
وہ دونوں گہری سبز رنگت میں سیاہی مائل لگتی ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

گہرے سبز رنگ میں ہونے کا بیان

"مُدْهَامَّتَانِ" سَوْدَاوَانِ مِنْ شِدَّة خُضْرَتهمَا، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

وہ دونوں گہری سبز رنگت میں سیاہی مائل لگتی ہیں۔ یعنی سبزی کی شدت کے سبب وہ گہری سبز ہوں گی۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

ہاں پہلی جنتوں کی حوروں کے اوصاف میں اتنا جملہ وہاں تھا کہ وہ یاقوت ومرجان جیسی ہیں یہاں ان کے لئے یہ نہیں فرمایا گیا پھر سوال ہوا کہ حوروں کے اوصاف میں اتنا جملہ وہاں تھا کہ وہ یاقوت ومرجان جیسی ہیں، یہاں ان کے لئے یہ نہیں فرمایا گیا پھر سوال ہوا کہ تمہیں رب کی کس کس نعمت کا انکار ہے؟ یعنی کسی نعمت کا انکار نہ کرنا چاہیے یہ جنتی سبز رنگ اعلیٰ قیمتی فرشوں غالیچوں اور تکیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے تخت ہوں گے اور تختوں پر پاکیزہ اعلیٰ فرش ہوں گے اور بہترین منقش تکئے لگے ہوئے ہوں گے یہ تخت یہ فرش یہ تکئے جنت کے باغیچوں اور ان کی کیاریوں پر ہوں گے اور یہی ان کے فرش ہوں گے کوئی سرخ رنگ ہوگا کوئی زرد رنگ اور کوئی سبز رنگ جنتیوں کے کپڑے بھی ایسے ہی اعلیٰ اور بالا ہوں گے دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے انہیں تشبیہ دی جاسکے یہ

بسترے مخملی ہوں گے جو بہت نرم اور بالکل خالص ہوں گے کئی کئی رنگ کے ملے جلے نقش ان میں بنے ہوئے ہوں گے ابو عبیدہ فرماتے ہیں عبقرہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں منقش بہترین کپڑے بنے جاتے تھے۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ
وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
ان دونوں میں جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔
ان دونوں میں پھل اور کھجوروں کے درخت اور انار ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

پانی کے چشموں کے فوارہ مارنے کا بیان

"فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ" فَوَّارَتَانِ بِالْمَاءِ، ،فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ "فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ" هُمَا مِنْهَا وَقِيلَ مِنْ غَيْرِهَا، ،فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

ان دونوں میں جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہیں۔ یعنی جو پانی کے فوارے مارتے ہوں گے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں پھل اور کھجوروں کے درخت اور انار ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

جنت میں ہونے والے پھلوں کا بیان

مسند عبد بن حمید میں ہے یہودیوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں میوے ہیں؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہاں ہیں انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں پئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں بلکہ بہت کچھ زیادہ اور بہت کچھ زیادہ انہوں نے کہا پھر وہاں فضلہ بھی نکلے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ پسینہ آ کر سب ہضم ہو جائے گا۔

ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جنتی کھجور کے درختوں کے ریشہ کا جنتیوں کا لباس بنائیں گے۔ یہ سرخ رنگ سونے کے ہوں گے اس کے تنے سبز زمرد میں ہوں گے اس کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے گٹھلی بالکل نہ ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے جنت کے انار دیکھے اتنے بڑے تھے جیسے اونٹ مع ہودج۔ خیرات کے معنی بہ کثرت اور بہت حسین نہایت نیک خلق اور بہتر خلق ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ معنی مروی ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ حور عین :۔ اشعار پڑھیں گی ان میں یہ بھی ہوگا ہم خوش خلق خوبصورت ہیں جو بزرگ خاوندوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔

یہ لفظ تشدید سے بھی پڑھا گیا ہے پھر سوال ہوتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرتے ہو؟ حوریں ہیں جو خیموں میں رہتی سہتی ہیں یہاں بھی وہی فرق ملاحظہ ہو کہ وہاں تو فرمایا تھا کہ خود وہ حوریں اپنی نگاہ نیچی رکھتی ہیں اور یہاں فرمایا ان کی نگاہیں نیچی کی گئی ہیں، پس اپنے آپ ایک کام کرنا اور دوسرے سے کرایا جانا ان دونوں میں کس قدر فرق ہے گو پردہ دونوں صورتوں

میں حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ہر مسلمان کے لئے خیرہ یعنی نیک اور بہترین نورانی حور اور ہر خیرہ کے لئے خیمہ ہے اور خیمہ کے چار دروازے ہیں جن میں سے ہر روز تحفہ کرامت ہدیہ اور انعام آتا رہتا ہے۔ نہ وہاں کوئی فساد ہے نہ سختی نہ گندگی نہ بدبو۔ حوروں کی صحبت ہے جو اچھوتے صاف سفید چمکیلے موتیوں جیسی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہے در مجوف، جس کا عرض ساٹھ میل کا ہے اس کے ہر ہر کونے میں جنتی کی بیویاں ہیں جو دوسرے کونے والیوں کو نظر نہیں آتیں مومن ان سب کے پاس آتا جاتا رہے گا۔

دوسری روایت میں چوڑائی کا تیس میل ہونا مروی ہے یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے حضرت ابودرداء فرماتے ہیں خیمہ ایک ہی لولو کا ہے جس میں ستر دروازے موتی کے ہیں ابن عباس فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک موتی کا بنا ہوا ہوگا چار فرسخ چوڑا جس کے چار ہزار دروازے ہوں گے اور چوکھٹیں سب کی سونے کی ہوں گی ایک مرفوع حدیث میں ہے ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور بہتر بیویاں ہوں گی اور لولو زبرجد کا محل ہوگا جو جابیہ سے صنعاء تک پہنچے پھر فرماتا ہے ان بے مثل حسینوں کے پنڈے اچھوتے ہیں کسی جن وانس کا گذران کے پاس سے نہیں ہوا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، بیروت)

فِيهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○
ان میں کئی خوب سیرت، خوبصورت عورتیں ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ایسی حوریں جو خیموں میں پردہ نشین ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

پردہ نشین حوروں کا بیان

"فِيهِنَّ" أَيِ الْجَنَّتَيْنِ وَمَا فِيهِمَا "خَيْرَات" أَخْلَاقهَا خَيِّرَة "حِسَان" حَسَنَة الْوُجُوه، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، "حُور" شَدِيدَات سَوَاد الْعُيُون وَبَيَاضهَا "مَقْصُورَات" مَسْتُورَات "فِي الْخِيَام" خِيَام مِنْ دُرّ مُجَوَّف مُضَافَة إلَى الْقُصُور شَبِيهَة بِالْخُدُورِ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

ان میں کئی خوب سیرت، خوبصورت عورتیں ہیں یعنی جن اخلاق اچھے ہوں گے اور چہرے خوبصورت ہوں گے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ایسی حوریں جو خیموں میں پردہ نشین ہیں۔ جن کی آنکھوں کی سیاہی زیادہ سیاہ جبکہ سفیدی زیادہ سفید ہوگی۔ اور خیام در مجوف کو کہتے ہیں۔ ان کو خیموں کی طرف مضاف اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اوڑھنی کے مشابہ ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

خیام میں ہونے والی حورات مقصورات کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان کے استقبال کے لئے جنت شروع سال سے آخر سال تک اپنی زیب وزینت کرتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب چنانچہ جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے درختوں کے پتوں سے حورعین کے سر پر ہوا چلتی ہے۔

پھر حوریں کہتی ہیں اے ہمارے پروردگار! اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے شوہر بنا دے کہ ان (کی صحبت وہم نشینی کے سرور وکیف) ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کی آنکھیں ہمارے دیدار ووصل سے ٹھنڈک پائیں۔ (یہ تینوں روایتیں بیہقی شعب الایمان میں درج کی ہیں)۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 471)

تشریح شروع سال سے مراد محرم کا ابتدائی دن ہے لیکن یہ بھی بعید نہیں کہ جنت ورمضان کے اعتبار سے شروع سال سے مراد شوال کا ابتدائی دن ہو۔ حاصل یہ کہ رمضان اور رمضان کی برکات یعنی کثرت ومغفرت اور بلندی درجات وغیرہ کے آنے کی خوشی میں جنت تمام سال اپنا بناؤ سنگار کرتی ہے۔ اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے شوہر بنا دے، بندہ سے اللہ کے وہ نیک وفرمانبردار بندے مراد ہیں جو رمضان کے دنوں میں روزہ رکھتے ہیں اور راتوں میں نماز تراویح میں مشغول رہتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ جو بندہ رمضان میں روزہ رکھتا ہے تو اس کے ہر دن کے روزہ کے بدلے میں اسے موتیوں کے خیمے میں حورعین میں سے ایک زوجہ عطا کی جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے حور مقصورات فی الخیام۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى
رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝
انہیں پہلے نہ کسی انسان ہی نے ہاتھ سے چھوا ہے اور نہ کسی جن نے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔
وہ ایسے قالینوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں جو سبز ہیں اور نادر، نفیس ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

جنتی ازواج کی تعریف کا بیان

"لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْس قَبْلهمْ" قَبْل أَزْوَاجهنَّ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، "مُتَّكِئِينَ" أَيْ أَزْوَاجهمْ وَإِعْرَابه كَمَا تَقَدَّمَ "عَلَى رَفْرَف خُضْر" جَمْع رَفْرَفَة أَيْ بُسُط أَوْ وَسَائِد "وَعَبْقَرِيّ حِسَان" جَمْع عَبْقَرِيَّة أَيْ طَنَافِس، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

انہیں پہلے یعنی ان کے شوہروں سے پہلے نہ کسی انسان ہی نے ہاتھ سے چھوا ہے اور نہ کسی جن نے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

وہ یعنی ان کے شوہر ایسے قالینوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں جو سبز ہیں اور نادر، نفیس ہیں۔ یہاں پر متکئین کا اعراب وہی ہے جو

پہلے گزر چکا ہے۔اور رفرف یہ رفرفہ کی جمع ہے۔یعنی بچھائے ہوئے ہوں گے۔یا تکیے۔اور عبقری یہ عبقریۃ کی جمع ہے جس کا معنی طنافس ہے۔تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

لفظ عبقری کے مفہوم کا بیان

قاموس میں ہے کہ رفرف سبز رنگ کا ریشمی کپڑا ہے جس کے فرش اور تکئے اور دوسرا زینت کا سامان بنایا جاتا ہے اور صحاح میں ہے کہ اس پر نقش و نگار درختوں اور پھولوں کے ہوتے ہیں، جس کو اردو میں مشجر کہا جاتا ہے عبقری ہر عمدہ خوبصورت کپڑے کو کہا جاتا ہے حسان سے اسی کا وصف خوبصورتی بیان کیا گیا ہے۔

خلیل بن احمد فرماتے ہیں ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب کی نسبت فرمایا میں نے کسی عبقری کو نہیں دیکھا جو عمر کی طرح پانی کے بڑے بڑے ڈول کھینچتا ہو یہاں یہ بھی خیال فرمایئے کہ پہلی دو جنتوں کے فرش و فروش اور وہاں کے تکیوں کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ ان سے اعلیٰ ہے وہاں بیان فرمایا گیا تھا کہ ان کے استر یعنی اندر کا کپڑا خالص دبیز ریشم ہوگا پھر اوپر کے کپڑے کا بیان نہیں ہوا تھا اس لئے کہ جس کا استر اتنا اعلیٰ ہے اس کے ابرے یعنی اوپر کے کپڑے کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ پھر اگلی دو جنتوں کے اوصاف میں احسان کو بیان فرمایا جو اعلیٰ مرتبہ اور غایت ہے جیسے کہ حضرت جبرائیل والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے پھر احسان کے بارے میں پس یہ کئی کئی وجوہ ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ پہلے کہ دو جنتوں کو ان دو جنتوں پر بہترین فضیلت حاصل ہے اللہ تعالیٰ کریم ووہاب سے ہمارا سوال ہے کہ وہ ہمیں بھی ان جنتیوں میں سے کرے جو ان دو جنتوں میں ہوں گے جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ الرحمٰن، بیروت)

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۝
آپ کے رب کا نام بڑی برکت والا ہے، جو صاحب عظمت و جلال اور صاحب انعام و اکرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کا بیان

"تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلَال وَالْاِكْرَام" تَقَدَّمَ وَلَفْظ اسْم زَائِد،

آپ کے رب کا نام بڑی برکت والا ہے، جو صاحب عظمت و جلال اور صاحب انعام و اکرام ہے۔پہلے ذکر گزر چکا ہے جبکہ یہاں پر لفظ اسم یہ زائد ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت کے دن (میدان حشر میں) اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوقات کے سامنے طلب کرے گا اور اس کے سامنے ننانویں رجسٹر کھول کر ڈال دے گا جن میں کا ہر رجسٹر حد نظر تک پھیلا ہوا نظر آئے گا) پھر اس شخص سے فرمائے گا کہ ان رجسٹروں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے کیا تو اس

میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے (اور یہ کہنے کی جرأت رکھتا ہے کہ ان رجسٹروں سے میرے جن برے اعمال کا پتہ چلتا ہے وہ میں نے نہیں کئے ہیں) اور کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میرے لکھنے والوں نے (یعنی نامہ اعمال لکھنے والے ان فرشتوں نے جو تیرے افعال واحوال کے نگہبان تھے) تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے وہ شخص عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! نہیں (نہ تو میں ان رجسٹروں میں لکھے ہوئے اپنے نامہ اعمال سے انکار کرسکتا ہوں۔

اور نہ یہ سمجھتا ہوں کہ نامہ لکھنے والے فرشتوں نے ان رجسٹروں میں غلط اندراجات کے ذریعہ میرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے) پھر پروردگار فرمائے گا کیا تو کوئی عذر رکھتا ہے (یعنی تو نے دنیا میں جو برے اعمال کئے اور جو ان رجسٹروں میں لکھے ہوئے ہیں کیا تو ان کی معذرت میں کچھ کہنا چاہتا ہے کہ میں نے سہوایا جہلا یا خطاء اور یا کسی بھی فلاں وجہ سے برا کام کیا تھا؟) وہ بندہ عرض کرے گا کہ نہیں! میرے پروردگار! (میں کوئی عذر بیان نہیں کرسکتا) تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "ہاں (ہمارے پاس ایک چیز ہے جو تیرے عذر کے قائم مقام ہے یعنی) ہمارے یہاں تیری ایک بہت بڑی) نیکی ہے (جو ہماری بارگاہ میں قبول کی جا چکی ہے اور جو تیرے تمام گناہوں کو مٹادے گی) اور یقیناً آج کے دن تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا (یعنی نہ تو تیری اس نیکی کے ثواب کو گھٹایا جائے گا اور نہ تجھے عذاب دینے کے لئے تیرے گناہوں کو بڑھایا جائے گا) پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله لکھا ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا کہ جاؤ اپنے اعمال (کے تولے جانے کی جگہ یا اعمال تولے جانے کے وقت اور یا اعمال تولے جانے کی چیز یعنی میزان) کے پاس پہنچ جا (تا کہ جب تیری نیکی کا یہ چھوٹا سا پرچہ تیرے گناہوں سے بھرے ہوئے ننانوے رجسٹروں کے ساتھ تولا جائے تو تجھ پر ظاہر ہو جائے کہ ہمارا عدل وانصاف کس طرح ظاہر ہوتا ہے اور تجھ پر کسی ظلم وزیادتی کی بجائے ہمارے فضل واحسان کا سایہ کس طرح سایہ فگن ہوا ہے") وہ بندہ (حیرت واستعجاب کے ساتھ) عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! بھلا اس ایک چھوٹے سے پرچہ کو اتنے بڑے بڑے اور اتنے زیادہ رجسٹروں کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ (کہاں میری ایک نیکی کا یہ ایک چھوٹا سا پرچہ اور کہاں میرے تمام گناہوں پر مشتمل یہ دفتر کے دفتر؟ اس صورت میں اس پرچہ کو ان رجسٹروں کے مقابلہ میں تولنے کا کیا فائدہ؟ (پروردگار فرمائے گا کہ "(تو جا کر دیکھ تو سہی) یقیناً تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا! (یعنی اس پرچہ کو معمولی مت جان یہ بہت عظیم القدر اور بہت بھاری ہے اس کا تولا جانا ضروری ہے تا کہ تجھ پر ظلم نہ ہو جائے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے "یقیناً تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا، کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس ایک نیکی کا پرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم القدر اور بہت بھاری ہے، کیونکہ اللہ کے نام کے مقابلہ پر کوئی بھی چیز بھاری نہیں ہے "اور اگر اس کے نام سے بھی بھاری کوئی چیز ہوگی تو تجھ پر ظلم ہو جائے گا یعنی پھر تو اپنے گناہوں کی پاداش میں مارا جائے گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پھر ان رجسٹروں کی پوٹ کی پوٹ ترازو کے ایک پلے میں رکھی جائے گی اور اس پرچہ کو دوسرے پلے میں پس وہ رجسٹر ہلکے پڑ جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائے گا (یعنی ان رجسٹروں کا پلا او پر اٹھ جائے گا اور اس پرچہ کا پلا نیچے جھک جائے گا) حاصل یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے زیادہ وزن دار کوئی چیز نہیں ہوگی کیونکہ اللہ کا نام سب سے بڑا اور سب سے بھاری ہے اگرچہ گناہوں کے بڑے سے بڑے پہاڑ جیسے رجسٹر کیوں نہ ہوں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 132)

وہی مستحق احترام واکرام ہے

پھر فرماتا ہے تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا نام بابرکت ہے وہ جلال والا ہے یعنی اس لائق ہے کہ اس کا جلال مانا جائے اور اس کی بزرگی کا پاس کر کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے بلکہ کامل اطاعت گذاری کی جائے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے یعنی اس کی عبادت کی جائے اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کی جائے اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اور اسے بھلایا نہ جائے۔ وہ عظمت اور کبریائی والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اجلال کرو اس کی عظمت کو مانو وہ تمہیں بخش دے گا۔ (احمد)

ایک اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت ماننے میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان کی اور بادشاہ کی اور عامل قرآن جو قرآن میں کمی زیادتی نہ کرتا ہو یعنی نہ اس میں غلو کرتا ہو نہ کمی کرتا ہو عزت کی جائے۔ ابو یعلیٰ میں ہے (یاذاالجلال والاکرام) کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ (مسند ابو یعلی، ابن ابی حاتم رازی، سورہ الرحمٰن، بیروت)

سورت الرحمٰن کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورت الرحمٰن کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَةُ الْوَاقِعَة

یہ قرآن مجید کی سورت واقعہ ہے

سورت واقعہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الْوَاقِعَة (مَكِّيَّة إِلَّا آيَتَي 81 و 82 فَمَدَنِيَّتَانِ) "وَآيَاتها 96 و 97 و 99"

سورہ واقعہ مکیہ ہے سوائے آیت (اَفَبِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْھِنُوْنَ ،الواقعۃ:81) اور آیت (ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ،الواقعۃ:13) کے، اس سورت میں تین رکوع اور چھیانوے ۹۶ یا ستانوے یا ننانوے آیتیں اور تین سو اٹھتر کلمے اور ایک ہزار سات سو تین حرف ہیں۔ امام بغوی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورہ واقعہ کو ہر شب پڑھے وہ فاقہ سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ (تفسیر خازن، سورہ الرحمٰن، بیروت)

سورت واقعہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت میں لفظ واقعہ آیا ہے۔ جس سے مراد قیامت ہے یعنی جب قیامت واقع ہو جائے گی۔ اسی لفظ واقعہ کے سبب یہ سورت واقعہ کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

رات کے وقت سورت واقعہ پڑھنے کے سبب رزق میں اضافہ ہونے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص شب میں سورت واقعہ پڑھتا ہے وہ کبھی بھی فاقہ کی حالت کو نہیں پہنچتا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی صاحبزادیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ ہر شب میں یہ سورت پڑھا کریں۔ (بیہقی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 691)

فاقہ کے معنی ہیں محتاجگی اور حاجت مندی، لہٰذا اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص روزانہ رات میں سورت واقعہ پڑھتا ہے اس کے لئے محتاجگی، نقصان و پریشانی کا باعث نہیں بنتی اس وجہ سے کہ اسے صبر وقناعت کی دولت فرما دی جاتی ہے یا یہ کہ ایسے شخص کو دل کی محتاجگی نہیں ہوتی یعنی ظاہری محتاجگی کے باوجود اس کا دل مستغنی ہوتا ہے کیونکہ اس کے قلب میں وسعت وفراخی عطا کی جاتی ہے، معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور توکل واعتماد کا سرمایہ اس کے قلب وروح میں طمانیت پیدا کر دیتا ہے اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس سورت کے معانی ومفہوم سے استفادہ کرتا ہے۔ بہر کیف اتنی بات جان لینی چاہئے کہ شارع نے بعض ان عبادات و نیکیوں کی طرف رغبت دلائی ہے جو نہ صرف یہ کہ اخروی طور پر باعث فلاح وسعادت ہوتی ہیں بلکہ ان دنیاوی امور میں بھی نافع اور موثر بنتی ہیں جن کا حصول انسان کے لئے ممد ومعاون ہوتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ بہر صورت کسی نہ کسی طرح عبادت اور

نیک کاموں میں مصروف رہیں۔

سورت واقعہ سے فکر آخرت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بوڑھے ہوگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے سورت ہود، واقعہ، مرسلات، عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ اور اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ علی بن صالح بھی یہ حدیث ابواسحاق سے اور وہ ابوجحیفہ سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔ پھر کوئی راوی ابواسحاق سے ابومیسرہ کے حوالے سے بھی کچھ مرسلاً نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1245)

فاقہ سے بچنے کیلئے سورت واقعہ پڑھنے کا بیان

حافظ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود کے واقعات میں ایک روایت لائے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بیمار ہوئے جس بیماری سے آپ جاں بر نہ ہوئے اس بیماری میں حضرت عثمان بن عفان ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے؟ فرمایا اپنے گناہوں کا، دریافت کیا خواہش کیا ہے؟

فرمایا اپنے رب کی رحمت کی، پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا طبیب نے ہی تو بیمار ڈالا ہے۔ پوچھا کچھ مال بھیج دوں؟ فرمایا مال کی کوئی حاجت نہیں، کہا آپ کے بچوں کے کام آئے گا فرمایا کیا میری بچیوں کی نسبت آپ کو فقیری کا ڈر ہے؟ سنئے میں نے اپنی سب لڑکیوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص سورہ واقعہ کو ہر روز پڑھ لیا کرے اس کو ہرگز ہرگز فاقہ نہ پہنچے گا۔ (تاریخ ابن عساکر، دمشق، بیروت)

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ○ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ○ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ○ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ○
جب قیامت واقع ہوگی۔ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ کسی کو پست کرنے والی، کسی کو بلندی
دینے والی، جب زمین کپکپا کر شدید لرزنے لگے گی۔

قیامت قائم ہو کر اہل جنت و دوزخ میں فیصلہ کر دے گی

"اِذَا وَقَعَتْ الْوَاقِعَة" قَامَتْ الْقِيَامَة "لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَة" نَفْس تُكَذِّب بِأَنْ تَنْفِيهَا كَمَا نَفَتْهَا فِي الدُّنْيَا،

"خَافِضَة رَافِعَة" أَيْ هِيَ مُظْهِرَة لِخَفْضِ أَقْوَام بِدُخُولِهِمْ النَّار وَلِرَفْعِ آخَرِينَ بِدُخُولِهِمْ الْجَنَّة

"إِذَا رُجَّتْ الْأَرْض رَجًّا" حُرِّكَتْ حَرَكَة شَدِيدَة وَإِذَا هَذِهِ بَدَل مِنْ الْأُولَى،

جب قیامت واقع ہوگی۔ یعنی قائم ہو جائے گی۔ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ یعنی اس کی تکذیب سے وئی

فائدہ نہیں ہے جس طرح دنیا میں ممکن کوئی شخص جھوٹ بول کر فائدہ حاصل کرلے۔ کسی کو پست کرنے والی، یعنی کئی اقوام کو جہنم میں داخل کر کے پست کر دیا جائے گا۔ کسی کو بلندی دینے والی، یعنی اہل جنت کو جنت میں داخل کر کے بلند کر دیا جائے گا۔ جب زمین کپکپا کر شدید لرزنے لگے گی۔ یعنی زمین میں سخت حرکت آئے گی۔ اور یہاں پر اذا پہلے والے اذا سے بدل ہے۔

وقوع قیامت کے وقت کے احوال کا بیان

واقع قیامت کا نام ہے کیونکہ اس کا ہونا یقینی امر ہے۔ جسے اور آیت میں ہے آیت (فَيَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ 15)-69 الحاقۃ:15) اس دن ہو پڑے گی، اس کا واقعہ ہونا حتمی امر ہے، نہ اسے کوئی ٹال سکے نہ ہٹا سکے وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر ہی رہے گی، جسے اور آیت میں ہے، آیت (اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ 47) -42 الشوری: 47) اپنے پروردگار کی باتیں مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں اور جگہ فرمایا آیت (سَاَلَ سَاۗىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ) -70 المعارج:1) سائل کا سوال اس کے متعلق ہے جو یقیناً آنے والا ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور آیت میں ہے آیت (وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ 73)-6 الانعام:73) جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہو جا تو ہو جائے گی۔ وہ عالم غیب و ظاہر ہے اور وہ حکیم و خبیر ہے، قیامت کاذبہ نہیں یعنی برحق ہے ضرور ہونے والی ہے اس دن نہ تو دوبارہ آنا ہے نہ وہاں سے لوٹنا ہے نہ واپس آنا ہے۔

(کاذبہ) مصدر ہے جیسے (عاقبۃ) اور (عافیہ) وہ دن پست کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے، بہت لوگوں کو پست کر کے جہنم میں پہنچا دے گا جو دنیا میں بڑے ذی عزت و وقعت تھے اور بہت سے لوگوں کو وہ اونچا کر دے گا اعلیٰ علیین ہو کر جنتی ہو جائیں گے، متکبرین کو وہ ذلیل کر دے گی اور متواضعین کو وہ عزیز کر دے وہی نزدیک و دور والوں کو سنا دے گی اور ہر اک کو چوکنا کر دے گی وہ نیچا کرے گی اور قریب والوں کو سنائے گی پھر اونچی ہو گی اور دور والوں کو سنائے گی، زمین ساری کی ساری لرزنے لگے گی، چپہ چپہ کپکپانے لگے گا طور و عرض زمین میں زلزلہ پڑ جائے گا، اور بے طرح ہلنے لگے گی۔

یہ حالت ہو جائے گی کہ گویا چھلنی میں کوئی چیز ہے جسے کوئی ہلا رہا ہے اور آیت میں ہے (اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، الزلزلۃ:1) اور جگہ ہے آیت (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ، الحج:1) لوگو اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ بہت بری چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ پہاڑ اس دن ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور جگہ الفاظ آیت (يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ، المزمل:14) آئے ہیں، پس وہ مثل غبار پریشان کے ہو جائیں گے جسے ہوا ادھر ادھر بکھیر دے اور کچھ نہ رہے (ھباء) ان شراروں کو بھی کہتے ہیں جو آگ جلاتے وقت پتنگوں کی طرح اڑتے ہیں، نیچے گرنے پر وہ کچھ نہیں رہتے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ واقعہ، بیروت)

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّاo فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّاo وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةًo فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ

مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِo وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِo

اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔پس وہ پھیلا ہوا غبار بن جائیں گے۔اور تم لوگ تین قسموں میں

بٹ جاؤ گے۔پس دائیں ہاتھ والے، کیا ہیں دائیں ہاتھ والے۔اور بائیں ہاتھ والے، کیا ہیں بائیں ہاتھ والے۔

دائیں اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے کا بیان

"وَبُسَّتْ الْجِبَال بَسًّا " فُتِّتَتْ "فَكَانَتْ هَبَاء " غُبَارًا "مُنْبَثًّا" مُنْتَشِرًا "وَكُنْتُمْ" فِي الْقِيَامَة "أَزْوَاجًا" أَصْنَافًا "فَأَصْحَاب الْمَيْمَنَة" وَهُمْ الَّذِينَ يُؤْتَوْنَ كُتُبهمْ بِأَيْمَانِهِمْ مُبْتَدَأ خَبَره "مَا أَصْحَاب الْمَيْمَنَة" تَعْظِيم لِشَأْنِهِمْ بِدُخُولِهِمْ الْجَنَّة،

"وَأَصْحَاب الْمَشْأَمَة" أَيْ الشِّمَال بِأَنْ يُؤْتَى كُلّ مِنْهُمْ كِتَابه بِشِمَالِهِ "مَا أَصْحَاب الْمَشْأَمَة" تَحْقِير لِشَأْنِهِمْ بِدُخُولِهِمْ النَّار،

اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔پس وہ پھیلا ہوا غبار بن جائیں گے۔اور تم لوگ قیامت کے دن تین قسموں میں بٹ جاؤ گے۔پس دائیں ہاتھ والے، یعنی جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کیا خوب ہیں دائیں ہاتھ والے۔یہاں پر اصحاب میمنہ یہ مبتداء ہے۔اور ما اصحاب میمنہ اس کی خبر ہے۔اور یہ ان کی شان ہوگی کیونکہ ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔اور بائیں ہاتھ والے، یعنی جن کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔کیا برے ہیں بائیں ہاتھ والے۔یہ ان کیلئے حقارت ہوگی کیونکہ انہیں دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

وقوع قیامت کے وقت پہاڑوں وغیرہ کے احوال کا بیان

(منبث) اس چیز کو کہتے ہیں جسے ہوا اوپر کر دے اور پھیلا کر نابود کر دے جیسے خشک پتوں کے چورے کو ہوا ادھر سے ادھر کر دیتی ہے۔اس قسم کی اور آیتیں بھی بہت سی ہیں جن سے ثابت ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ ٹل جائیں گے ٹکڑے ہو جائیں گے پھر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام ونشان ہو جائیں گے۔لوگ اس دن تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گے۔ایک جماعت عرش کے دائیں ہوگی اور یہ لوگ وہ ہوں گے جو حضرت آدم کی دائیں کروٹ سے نکلے تھے نامہ اعمال داہنے ہاتھ دیئے جائیں گے اور دائیں جانب چلائے جائیں گے، یہ جنتیوں کا عام گروہ ہے۔

دوسری جماعت عرش کے بائیں جانب ہوگی یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدم کی بائیں کروٹ سے نکالے گئے تھے انہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے گئے تھے اور بائیں طرف کی راہ پر لگائے گئے تھے۔یہ سب جہنمی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔تیسری جماعت اللہ عزوجل کے سامنے ہوگی یہ خاص الخاص لوگ ہیں یہ اصحاب یمین سے بھی زیادہ باقعت اور خاص قرب

کے مالک ہیں۔ یہ اہل جنت کے سردار ہیں ان میں رسول ہیں انبیاء ہیں صدیق وشہداء ہیں۔ یہ تعداد میں بہت دائیں ہاتھ والوں کی نسبت کم ہیں۔ پس تمام اہل محشر یہ تین قسمیں ہو جائیں گی جیسے کہ اس سورت کے آخر میں بھی اختصار کے ساتھ ان کی یہی تقسیم کی گئی ہے۔ اسی طرح سورۃ ملائکہ میں فرمایا ہے آیت (ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ،فاطر:32) یعنی پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اپنا چیدہ بندوں کو بنایا پس ان میں سے بعض تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ روش ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف آگے بڑھنے والے ہیں۔ پس یہاں بھی تین قسمیں ہیں یہ اس وقت جبکہ آیت (وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ، الصافات:113) کی وہ تفسیر لیں جو اس کے مطابق ہے، ورنہ ایک دوسرا قول بھی ہے جو اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر گذر چکا۔ حضرت ابن عباس وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ دو گروہ تو جنتی اور ایک جہنمی۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آیت (وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ،التکویر:7) جب لوگوں کے جوڑے ملائے جائیں فرمایا قسم قسم کی یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے، یعنی اصحاب یمین اصحاب شمال اور سابقین۔

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا یہ جنتی ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں یہ سب جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے سائے کی طرف قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ جائیں گے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور رسول خوب جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ جو جب اپنا حق دیئے جائیں قبول تو کر لیں اور جو حق ان پر ہو جب مانگا جائے ادا کر دیں اور لوگوں کے لئے بھی وہی حکم کریں جو خود اپنے لئے کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ واقعہ، بیروت)

اصحاب یمین وشمال والوں کا بیان

حضرت ابوذر بیان کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں مکہ میں اپنے گھر میں (سویا ہوا) تھا کہ (اچانک) مکان کی چھت کھلی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، انہوں نے میرا سینہ چاک کر کے آب زمزم سے دھویا پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا، اس کو میرے سینہ میں الٹ دیا گیا اور پھر سینہ (کی چاکی) کو ملا کر برابر کر دیا گیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف چڑھا کر لے گئے، جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ کھولو، داروغہ نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ہاں، میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ داروغہ نے پوچھا: کیا ان کو بلوایا گیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ہاں!! چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور جب ہم آسمان دنیا کے اوپر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں اور (ان کی اولاد وذریات میں سے) کچھ لوگ ان کے دائیں اور کچھ بائیں بیٹھے ہوئے ہیں (پھر میں نے یہ بھی دیکھا ک)

جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنسنے لگتے ہیں الخ۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 448)

اور یہ لوگ جوان کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں" کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ چونکہ منقول ہے کہ مؤمنوں کی روحیں تو "علیین" میں چین کرتی ہیں اور کافروں کی روحیں "سجین" میں محبوس ہیں لہٰذا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب روحیں ایک مقام میں (یعنی آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں) کیسے جمع ہوئیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاید ایک وقت معین میں یہ روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش ہوتی ہوں گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان دنیا پر پہنچے اور حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی تو وہ وہی وقت تھا جب تمام روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش تھیں۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں جو روحیں دیکھی تھیں وہ ان لوگوں کی تھیں جو اس وقت تک دنیا میں پیدا نہیں ہوئے تھے اور وہ روحیں اپنے اپنے اجسام میں نہیں گئی تھیں اور ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کے رہنے کی جگہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں ہو، نیز حضرت آدم علیہ السلام ان روحوں کا انجام جانتے تھے کہ جو روحیں دائیں طرف ہیں وہ دنیا میں اچھے عقائد و اعمال اختیار کر کے جنت میں جائیں گی اور جو روحیں بائیں طرف ہیں وہ دنیا میں برے عقائد و اعمال اختیار کر کے دوزخ میں جائیں گی۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○
اور جو پہل کرنے والے ہیں، وہی آگے بڑھنے والے ہیں۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں۔ نعمت کے باغوں میں۔
بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے ہوں گے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی پہل کرنے کا بیان

"وَالسَّابِقُونَ" إلَى الْخَيْرِ وَهُمُ الْأَنْبِيَاء مُبْتَدَأ "السَّابِقُونَ" تَأْكِيد لِتَعْظِيمِ "ثُلَّة مِنْ الْأَوَّلِينَ" مُبْتَدَأ أَيْ جَمَاعَة مِنْ الْأُمَم الْمَاضِيَة،

"وَقَلِيل مِنْ الْآخِرِينَ" مِنْ أُمَّة مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ السَّابِقُونَ مِنْ الْأُمَم الْمَاضِيَة وَهَذِهِ الْأُمَّة وَالْخَبَر،

اور جو پہل کرنے والے ہیں، اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ یہاں پر سابقون یہ مبتداء ہے اور دوسرا سابقون یہ تعظیم کیلئے و تاکید کیلئے آیا ہے۔ وہی آگے بڑھنے والے ہیں۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں۔ نعمت کے باغوں میں۔ ان مقربین میں بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ یہ مبتداء ہے یعنی امم ماضیہ میں سے ہوگا۔ اور پچھلے لوگوں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ان میں امم ماضیہ کی بہ نسبت تھوڑے ہوں گے۔ اور وہ یہ امت ہے۔ اور یہ خبر ہے۔

سورت واقعہ آیت ۱۴،۱۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بہت شاق گزرا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ، ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ) ، اور یہ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں اور بہت سے پچھلوں میں سے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۔ جب واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی۔

اور اس میں یہ ذکر بھی کیا گیا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ، وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلوں میں سے بڑی جامعت اور ہم میں تھوڑے سے؟ سورہ کا آخری حصہ ایک سال تک نازل نہ ہوا تو پھر ایک سال بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ، ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے عمر جو اللہ نے نازل فرمایا سن لے۔ (سیوطی 281، ابن کثیر 4۔284، قرطبی 17۔200)

اللہ تعالیٰ کے مقربین لوگوں کیلئے اعلیٰ مقام ہونے کا بیان

سابقون کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں، مثلاً انبیاء اہل علیین حضرت یوشع بن نون جو حضرت موسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے وہ مومن جن کا ذکر سوۃ یاسین میں ہے جو حضرت عیسیٰ پر پہلے ایمان لائے تھے، حضرت علی بن ابی طالب جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سبقت کر گئے تھے، وہ لوگ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی، ہر امت کے وہ لوگ جو اپنے نبیوں پر پہلے پہل ایمان لائے تھے، وہ لوگ جو مسجد میں سب سے پہلے جاتے ہیں، جو جہاد میں سب سے آگے نکلتے ہیں۔ یہ سب اقوال دراصل صحیح ہیں یعنی یہ سب لوگ سابقون ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو آگے بڑھ کر دوسروں پر سبقت کر کے قبول کرنے والے سب اس میں داخل ہیں، قرآن کریم میں اور جگہ ہے آیت (وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ، آل عمران:133) اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض مثل آسمان و زمین کے ہے، پس جس شخص نے اس دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کی وہ آخرت میں اللہ کی نعمتوں کی طرف بھی سابق ہی رہے گا، ہر عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے جیسا جو کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے، اسی لئے یہاں ان کی نسبت فرمایا گیا یہ مقربین اللہ ہیں یہ نعمتوں والی جنت میں ہیں۔

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ فرشتوں نے درگاہ اللہ میں عرض کی کہ پروردگار تو نے ابن آدم کے لئے تو دنیا بنادی ہے وہ وہاں کھاتے پیتے ہیں اور بیوی بچوں سے لطف اٹھاتے ہیں پس ہمارے لئے آخرت کر دے جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے جسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اسے ان جیسا ہرگز نہ کروں گا جنہیں میں نے صرف لفظ کن سے پیدا کیا، حضرت امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو اپنی کتاب (الرد علی الجہمیہ) میں وارد کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اس کی نیک اولاد کو میں اس جیسا نہ کروں گا جیسے میں نے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ واقعہ، بیروت)

جنت میں درجات میں تفاوت ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والے اپنے اوپر کے بالا خانہ والوں کو اس طرح دیکھیں گے کہ جس طرح تم مشرقی یا مغربی کناروں میں چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو اس وجہ سے کہ جنت والوں کے درجات میں آپس میں تفاوت ہوگا صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ انبیاء کے درجات ہوں گے کہ جن تک ان کے علاوہ کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے کہ ان لوگوں کو بھی وہ درجات عطا کئے جائیں گے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کے رسولوں کی تصدیق کریں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2643)

مقربین کون ہیں؟ اور اولین کون؟

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے کہ مقربین خاص بہت سے پہلے کے ہیں اور کچھ پچھلوں میں سے بھی ہیں، ان اولین و آخرین کی تفسیر میں کئی قول ہیں، مثلاً اگلی امتوں میں سے اور اس امت میں سے، امام ابن جریر اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور اس حدیث کو بھی اس قول کی پختگی میں پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہم پچھلے ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہیں۔

اور اس قول کی تائید ابن ابی حاتم کی اس روایت سے بھی ہو سکتی ہے کہ جب یہ آیت اتری اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گراں گزری۔ پس یہ آیت اتری (ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ،الواقعہ:13) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ کل اہل جنت کی چوتھائی تم ہو بلکہ تہائی تم ہو بلکہ آدھوں آدھ تم ہو تم آدھی جنت کے مالک ہو گے اور باقی آدھی تمام امتوں میں تقسیم ہوگی جن میں تم بھی شریک ہو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے۔

ابن عساکر میں ہے حضرت عمر نے اس آیت کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اگلی امتوں میں سے بہت لوگ سابقین میں داخل ہوں گے اور ہم میں سے کم لوگ؟ اس کے ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلوں میں سے بھی بہت اور پچھلوں میں سے بھی بہت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بلا کر کہا سنو حضرت آدم سے لے کر مجھ تک ثلہ ہے اور صرف میری امت ثلہ ہے، ہم اپنے (ثلہ) کو پورا کرنے کے لئے ان حبشیوں کو بھی لے لیں گے جو اونٹ کے چرواہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے واحد اور لاشریک ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ لیکن اس روایت کی سند میں نظر ہے، ہاں بہت سی سندوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ثابت ہے کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کی چوتھائی ہو آخر تک۔ پس الحمد اللہ یہ ایک بہترین خوشخبری ہے۔

امام ابن جریر نے جس قول کو پسند فرمایا ہے اس میں ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے بلکہ دراصل یہ قول بہت کمزور ہے۔ کیونکہ الفاظ قرآن سے اس امت کا اور تمام امتوں سے افضل و اعلیٰ ہونا ثابت ہے، پھر کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ مقربین بارگاہ صمدیت اور امتوں میں سے تو بہت سے ہوئے اور اس بہترین امت میں سے کم ہوں، ہاں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان تمام امتوں کے مقرب مل کر

صرف اس ایک امت کے مقربین کی تعداد سے بڑھ جائیں، لیکن بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکل امتوں کے مقربین سے صرف اس ایک امت کے مقربین کی تعداد سے بڑھ جائیں، لیکن بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل امتوں کے مقربین سے صرف اس امت کے مقربین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ آگے اللہ کو علم ہے۔

دوسرا قول اس جملہ کی تفسیر میں یہ ہے کہ اس امت کے شروع زمانے کے لوگوں میں سے مقربین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعد کے لوگوں میں کم۔ یہی قول رائج ہے۔ چنانچہ حضرت حسن سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابقین تو گذر چکے اے اللہ تو ہمیں اصحاب یمین میں کر دے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت میں سے جو گزر چکے ان میں مقربین بہت تھے۔

امام ابن سیرین بھی یہی فرماتے ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہر امت میں یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ شروع میں بہت سے مقربین ہوتے ہیں اور بعد والوں میں یہ تعداد کم ہو جاتی ہے، تو یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یونہی ہو یعنی ہر امت کے اگلے لوگ سبقت کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت ہر امت کے پچھلے لوگوں کے، چنانچہ صحاح وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب زمانوں میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والا پھر اس کا متصل زمانہ، الخ۔ ہاں ایک حدیث میں یہ بھی آیا میری امت کی مثال بارش جیسی ہے نہ معلوم کہ شروع زمانے کی بارش بہتر ہو یا آخر زمانے کی، تو یہ حدیث جب کہ اس کی اسناد کو صحت کا حکم دے دیا جائے اس امر پر محمول ہے کہ جس طرح دین کو شروع کے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس کی تبلیغ اپنے بعد والوں کو کریں اسی طرح آ کر میں بھی اسے قائم رکھنے والوں کی ضرورت ہے جو لوگوں کو سنت رسول پر جمائیں اس کی روایتیں کریں اسے لوگوں پر ظاہر کریں، لیکن فضیلت اول والوں کی ہی رہے گی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کھیت کو شروع بارش کی اور آخری بارش کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بڑا فائدہ ابتدائی بارش سے ہی ہوتا ہے اس لئے کہ اگر شروع شروع بارش نہ ہو تو دانے اگیں ہی نہیں نہ ان کی جڑیں جمیں۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک جماعت میری امت میں سے ہمیشہ حق پر رہ کر غالب رہے گی ان کے دشمن انہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے، ان کے مخالف انہیں رسوا اور پست نہ کر سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور وہ اس طرح ہوں۔ الغرض یہ امت باقی تمام امتوں سے افضل و اشرف ہے اور اس میں مقربین الیہہ بنسبت اور امتوں کے بہت ہیں، اور بہت بڑے مرتبے والے کیونکہ دین کے کامل ہونے اور نبی کے عالی مرتبہ ہونے کے لحاظ سے یہ سب بہتر ہیں۔ تواتر کے ساتھ یہ حدیث ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔

طبرانی میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے ایک بہت بڑی جماعت قیامت کے روز کھڑی کی جائے گی جو اس قدر بری اور گنتی میں زائد ہوگی کہ گویا رات آ گئی زمین کے تمام کناروں کو گھیرا لے گی فرشتے کہنے لگیں گے سب نبیوں کے ساتھ جتنے لوگ آئے ہیں ان سے بہت ہی زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔

مناسب مقام یہ ہے کہ بہت بری جماعت اگلوں میں سے اور بہت ہی بڑی پچھلوں میں سے والی آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ حدیث ذکر کردی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ واقعہ، بیروت)

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ٥ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ٥ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ٥
بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ٥ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ٥
یہ لوگ سونے کی تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر۔ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے۔ہمیشہ ایک ہی حال میں
رہنے والے نوجوان خدمت گاران کے اردگرد گھومتے ہوں گے۔ایسے کوزے اور ٹونٹی والی صراحیاں اور لبالب بھرے
ہوئے پیالے لے کر جو بہتی ہوئی شراب کے ہوں گے۔نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔

سونے اور جواہر سے بنے تخت پر رہنے والوں کا بیان

"عَلَى سُرُرٍ مَوْضُونَةٍ" مَنْسُوجَة بِقُضْبَانِ الذَّهَب وَالْجَوَاهِر "مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ" حَالَانِ مِنْ الضَّمِير فِي الْخَبَر،

"يَطُوف عَلَيْهِمْ" لِلْخِدْمَةِ "وِلْدَان مُخَلَّدُونَ" عَلَى شَكْل الْأَوْلَاد لَا يَهْرَمُونَ "بِأَكْوَاب" أَقْدَاح لَا عُرَا لَهَا "وَأَبَارِيق" لَهَا عُرًا وَخَرَاطِيم "وَكَأْس" إنَاء شُرْب الْخَمْر "مِنْ مَعِين" أَيْ خَمْر جَارِيَة مِنْ مَنْبَع لَا يَنْقَطِع أَبَدًا

"لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزَفُونَ" بِفَتْحِ الزَّاي وَكَسْرهَا مِنْ نَزَفَ الشَّارِب وَأَنْزَفَ أَيْ لَا يَحْصُل لَهُمْ مِنْهَا صُدَاع وَلَا ذَهَاب عَقْل بِخِلَافِ خَمْر الدُّنْيَا،

یہ لوگ سونے کی تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر۔یعنی وہ تخت جو سونے اور جواہر کے بنے ہوئے ہوں گے۔ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے۔یہاں پر متکئین اور متقابلین یہ دونوں خبر کی ضمیر سے حال ہیں۔ہمیشہ ایک ہی حال میں رہنے والے نوجوان خدمت گاران کے اردگرد گھومتے ہوں گے۔یعنی وہ ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے جو کبھی بوڑھے نہ ہوں گے۔ایسے کوزے اور ٹونٹی والی صراحیاں اور لبالب بھرے ہوئے پیالے لے کر جو بہتی ہوئی شراب کے ہوں گے۔کاس شراب کے برتن کو کہتے ہیں۔ اور وہ ایسی شراب ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔بلکہ ہمیشہ جاری رہے گی۔نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔ یہاں پر لفظ ینزفون یہ زاء کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔جو نزف الشارب سے ہے۔اور انزف سے ہے یعنی ان کو پینے کے سبب عقل میں فتور نہ آئے گا جبکہ دنیاوی شراب کے سبب عقل میں فتور آجاتا ہے۔

اہل جنت کے بعض احوال وانعامات کا بیان

حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوۃ میں وارد کی ہے کہ رسول اللہ لی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے پاؤں موڑے

ہوئے ہی ستر مرتبہ یہ پڑھتے دعا (سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ ان اللہ کان توابا) پھر فرماتے ستر کے بدلے سات سو ہیں جس کے ایک دن کے گناہ سات سو سے بھی بڑھ جائیں وہ بیخبر ہے پھر مرتبہ اسی کو فرماتے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اچھا معلوم ہوتا تھا اس لئے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟

ابوزمل کہتے ہیں ایک دن اسی طرح حسب عادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو میں نے کہا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک خواب دیکھا ہے، فرمایا اللہ خیر سے ملائے شر سے بچائے ہمارے لئے بہتر بنائے اور ہمارے دشمنوں کے لئے بدتر بنائے ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اپنا خواب بیان کرو۔ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا کہ ایک راستہ ہے کشادہ، آسان، نرم، صاف اور بیشمار لوگ اس راستے میں چلے جارہے ہیں یہ راستہ جاتے جاتے ایک سرسبز باغ کو نکلتا ہے کہ میری آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ کبھی نہیں دیکھا پانی ہر سو رواں ہے سبزے سے پٹا پڑا ہے انواع واقوام کے درخت خوشنما پھلے پھولے کھڑے ہیں اب میں نے دیکھا کہ پہلی جماعت جو آئی اور اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنی سواریاں تیز کرلیں دائیں بائیں نہیں گئے اور تیز رفتاری کے ساتھ یہاں سے گزر گئے۔

پھر دوسری جماعت آئی جو تعداد میں بہت زیادہ تھی، جب یہاں پہنچے تو بعض لوگوں نے اپنے جانوروں کو چرانا چگانا شروع کیا اور بعضوں نے کچھ لے لیا اور چل دیئے پھر تو بہت زیادہ لوگ آئے جب ان کا گذر اان گل وگلزار پر ہوا تو یہ تو پھول گئے اور کہنے لگے یہ سب سے اچھی جگہ ہے گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دائیں بائیں جھک پڑے میں نے یہ دیکھا لیکن میں آپ تو چلتا ہی رہا جب دور نکل گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک منبر سات سیڑھیوں کا بچھا ہوا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اعلیٰ درجہ پر تشریف فرما ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب ایک صاحب ہیں گندم گوں رنگ بھری انگلیوں والے دراز قد جب کلام کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں اور لوگ اونچے ہو ہو کر توجہ سے ان کی باتیں سنتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف ایک شخص ہیں بھرے جسم کے درمیانہ قد کے جن کے چہرہ پر بکثرت تل ہیں ان کے بال گویا پانی سے تر ہیں جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے اکرام کی وجہ سے سب لوگ جھک جاتے ہیں پھر اس سے آگے ایک شخص ہیں جو اخلاق و عادات میں اور چہرے نقشے میں بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہیں۔

آپ لوگ سب ان کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں اور ان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان سے آگے ایک دبلی پتلی بڑھیا اونٹنی ہے میں نے دیکھا کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اٹھا رہے ہیں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر ہوگیا تھوڑی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت بدل گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدھے سچے اور صحیح راستے سے مراد تو وہ دین ہے جسے میں لے کر اللہ کی طرف سے آیا ہوں اور جس ہدایت پر تم ہو، ہر بھرا سبز باغ جو تم نے دیکھا ہے وہ دنیا ہے اور اس کی عیش وعشرت کا دل لبھانے والا سامان، میں اور میرے اصحاب تو اس سے گذر جائیں گے نہ تم اس میں مشغول ہوں گے نہ وہ ہمیں چمٹے گی نہ ہمارا تعلق اس سے ہوگا نہ اس کا تعلق ہم سے نہ ہم اس کی چاہت کریں گے نہ وہ ہمیں لپٹے گی،

پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئے گی جو ہم سے تعداد میں بہت زیادہ ہوگی ان میں سے بعض تو اس دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے لیں گے اور چل دیں گے اور نجات پالیں گے، پھر ان کے بعد زبردست جماعت آئے جو اس دنیا میں بالکل مستغرق ہو جائے گی اور دائیں بائیں بہک جائے گی آیت (فانا للہ وانا الیہ راجعون)۔ اب رہے تم سو تم اپنی سیدھی راہ چلتے رہو گے یہاں تک کہ مجھ سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی، جس منبر کے آخری ساتوں درجہ پر تم نے مجھے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے میں آخری ہزارویں سال میں ہوں۔

میرے دائیں جس گندمی رنگ موٹی ہتھیلی والے انسان کو تم نے دیکھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جب وہ کلام کرتے ہیں تو لوگ اونچے ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی ہو چکا ہے اور جنہیں تم نے میرے بائیں دیکھا جو درمیانہ قد کے بھرے جسم کے بہت سے تلوں والے تھے جن کے بال پانی سے تر نظر آتے تھے وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں چونکہ ان کا اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ہم سب بھی ان کی بزرگی کرتے ہیں اور جن شیخ کو تم نے بالکل مجھ سا دیکھا وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ہم سب ان کا قصد کرتے ہیں اور ان کی اقتداء اور تابعداری کرتے ہیں اور جس اونٹنی کو تم نے دیکھا کہ میں اسے کھڑی کر رہا ہوں اور اس سے مراد قیامت ہے جو میری امت پر قائم ہوگی نہ میرے بعد کوئی نبی آئے گا، نہ میری امت کے بعد کوئی امت ہے۔

فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ اپنا خواب بیان کر دے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعبیر دے دیا کرتے تھے۔ ان کے بیٹھنے کے تخت اور آرام کرنے کے پلنگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے جن میں جگہ جگہ موتی ٹکے ہوئے ہوں گے درویاقوت جڑے ہوئے ہوں گے۔ یہ فعیل معنی میں مفعول کے ہے اسی لئے اونٹنی کے پیٹ کے نیچے والے کو وضین کہتے ہیں۔ سب کے منہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے کوئی کسی کی طرف پیٹھ دیئے ہوئے نہ ہوگا، وہ علماء ان کی خدمت گزاری میں مشغول ہوں گے جو عمر میں ویسے ہی چھوٹے رہیں گے نہ بڑے ہوں نہ بوڑھے ہوں۔ نہ ان میں تغیر تبدیل آئے۔

اکواب کہتے ہیں ان کوزوں کو جن کی ٹونٹی اور پکڑنے کی چیز نہ ہو اور اباریق وہ آفتابے جو ٹونٹی دار اور پکڑے جانے کے قابل ہوں۔ یہ سب شراب کی جاری نہر سے چھلکتے ہوئے ہوں گے جو شراب نہ ختم ہو نہ کم ہو کیونکہ اس کے چشمے بہ رہے ہیں، جام چھلکتے ہوئے ہر وقت اپنے نازک ہاتھوں میں لئے ہوئے یہ گل اندام ساقی ادھر ادھر گشت کر رہے ہوں گے۔ اس شراب سے انہیں درد سر ہو نہ ان کی عقل زائل ہو بلکہ باوجود پورے سرور اور کیف کے عقل و حواس اپنی جگہ قائم رہیں گے اور کامل لذت حاصل ہوگی۔ شراب میں چار صفتیں ہیں نشہ سر دردتی اور پیشاب، پس پروردگار عالم نے جنت کی شراب کا ذکر کر کے ان چاروں نقصانوں کی نفی کر دی کہ وہ شراب ان نقصانات سے پاک ہے۔ پھر قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے پرندوں کے گوشت انہیں ملیں گے جس میوے کو جی چاہے اور جس طرح کے گوشت کی طرف دل کی رغبت ہو موجود ہو جائیگا، یہ تمام چیزیں لئے ہوئے ان کے سلیقہ شعار خدام ہر وقت

ان کے اردگرد گھومتے رہیں گے تا کہ جس چیز کی جب بھی خواہش ہو لے لیں، اس آیت میں دلیل ہے کہ آدمی میوے چن چن کر اپنی خواہش کے مطابق کھا سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ واقعہ، بیروت)

اہل جنت کیلئے اعلیٰ محلات کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی اپنے اوپر کے بالا خانے والے لوگوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ اس روشن ستارے کو دیکھتے ہو جو آسمان کے مشرقی یا مغربی افق میں ہوتا ہے اور اس (بالا خانوں کی بلندی و خوشنمائی) کا تعلق فرق مراتب سے ہوگا جو اہل جنت کے درمیان پایا جاتا ہے۔" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بالا خانے اوپر کے پر شکوہ محلات۔ کیا انبیاء علیہم السلام کے مکان ہونگے جن تک انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہوگی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " کیوں نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان بلند و بالا محلات اور بالا خانوں تک ان لوگوں کی بھی رسائی ہوگی جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔ (مسلم بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 190)

لفظ عابر اصل میں عبور سے مشتق ہے جس کے معنی باقی رہنا، ٹھہرنا ہیں اور پھر یہاں وہ روشن ستارہ مراد ہے جو ڈوبنے کے قریب ہو یا طلوع فجر کے بعد آسمان کے کنارے میں باقی رہ گیا ہو، ایک روایت میں غابر منقول ہے جو غور سے ہے اور جس کے معنی نشیب، پست جگہ کے ہیں، لیکن زیادہ صحیح اور مشہور پہلی ہی روایت ہے جس میں غابر منقول ہے۔ اور اس کا تعلق فرق مراتب سے ہوگا الخ کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں میں یہ فرق مراتب ہوگا کہ بعض اعلیٰ مرتبہ کے ہوں گے، بعض درمیانی مرتبہ کے اور بعض ادنیٰ مرتبہ کے اور اسی کے اعتبار سے سب کو محلات و مکانات اور منازل و مراتب بھی اعلیٰ، درمیانی اور ادنیٰ عطا ہوں گے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ جنت میں منزلیں ہوں گی، اعلیٰ منزل تو سابقین کے لئے درمیانی مقصدین کے لئے اور نیچے کی منزل مخلطین کے لئے ہوگی۔ جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی "یعنی وہ اولیاء و اتقیاء جو ایمان باللہ اور اتباع رسول میں کامل ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور رسولوں کے احکام و اوامر کو ماننے والے اور ان کی طرف سے ممنوع قرار دی جانے والی چیزوں سے اجتناب کرنے والے ہیں اور جن کی تعریف قرآن کریم کی ان آیات: وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا الایة "اور رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں الخ میں یہ بات فرمائی گئی ہے اور پھر ان کی مختلف اعلیٰ صفات بیان کرنے کے بعد ان کے حق میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اولئك یجزون الغرفة بما صبروا (الایۃ) "ایسے لوگوں کو (جنت میں رہنے کے لئے) بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے الخ۔"

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ○ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ○ وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ○
كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ○ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے۔ اور ان پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اور ان کے لئے خوبصورت آنکھوں
والی عظیم الشان حوریں ہوں گی۔ جیسے محفوظ چھپائے ہوئے موتی ہوں۔ ان اعمال کی جزا ہوگی جو وہ کرتے رہے تھے۔

اہل جنت کیلئے جنتی نعمتوں کا بیان

"وَلَحْم طَيْر مِمَّا يَشْتَهُونَ " لَهُمْ لِلاسْتِمْتَاعِ "وَحُور" نِسَاء شَدِيدَات سَوَاد الْعُيُون وَبَيَاضهَا "عِين" ضِخَام الْعُيُون كُسِرَتْ عَيْنه بَدَل ضَمّهَا لِمُجَانَسَةِ الْيَاء وَمُفْرَده عَيْنَاء كَحَمْرَاء وَفِي قِرَاءَة بِجَرِّ حُور عِين "كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤ الْمَكْنُون" الْمَصُون

"جَزَاء " مَفْعُول لَهُ أَوْ مَصْدَر وَالْعَامِل الْمُقَدَّر أَيْ جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُكِرَ لِلْجَزَاءِ أَوْ جَزَيْنَاهُمْ

اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے۔ اور ان پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ ان کے فائدے کیلئے ہوگا اور ان کے لئے خوبصورت آنکھوں والی عظیم الشان حوریں ہوں گی۔ یعنی وہ حوریں جن کی آنکھوں کی سیاہی کمال سیاہی اور سفیدی کمال سفیدی ہوگی۔ اور عیون کے عین کا یاء کی مناسبت کی وجہ سے ضمہ سے بدل کر کسرہ دیا گیا ہے۔ جو عیناء کا مفرد ہے جس حمراء یہ حمر کا مفرد ہے۔ اور ایک قرأت میں حور عین کو جر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ جیسے محفوظ چھپائے ہوئے موتی ہوں۔ یہ ان نیک اعمال کی جزا ہوگی جو وہ کرتے رہے تھے۔ یہاں پر لفظ جزاء مفعول لہ ہے یا مصدر ہے اور اس کا عامل مقدر ہے یعنی جعلنا کہ ذکر کردہ کو ہم نے ان کیلئے بہ طور جزاء بنایا ہے۔

اہل جنت کیلئے جنتی عورتوں کے ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی مرد جزا یافتہ شخص جنت میں ستر مسندوں کا تکیہ لگا کر بیٹھے گا قبل اس کے کہ ایک پہلو سے دوسرا پہلو بدلے پھر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت اس کے پاس آئے گی اور (اس کو اپنی طرف متوجہ و مائل کرنے کے لئے) اس کے کاندھے پر ٹھوکا دے گی، وہ مرد اس طرف متوجہ ہوگا اس کے رخساروں میں جو آئینہ سے زیادہ صاف و روشن ہوں گے اپنا چہرہ دیکھے گا اور حقیقت یہ ہے کہ اس عورت کے (کسی زیور یا تاج میں جڑا ہوا) ایک معمولی سا موتی بھی (اس قدر بیش قیمت اور نظر کو خیرہ کرنے والا ہوگا کہ) اگر وہ دنیا میں آ جائے تو مشرق سے مغرب تک (کی ہر چیز) کو روشن و منور کر دے۔ بہر حال وہ عورت اس مرد کو سلام کرے گی اور مرد اس کے سلام کا جواب دے گا اور پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی کہ میں مزید "میں سے ہوں۔ صورت حال یہ ہوگی کہ اس عورت کے جسم پر ستر (رنگ برنگ) کپڑوں کا (تہ در تہ لباس ہوگا اور اس مرد کی نظر عورت کے اس لباس میں سے بھی پار ہو جائے گی (یعنی وہ لباس کے نیچے چھپے ہوئے عورت کے حسن و جمال اور اس کے جسم کی نزاکت و لطافت کا نظارا کرے گا) یہاں تک کہ وہ مرد اس عورت کی پنڈلی کے گودے کو لباس کے پیچھے سے دیکھے گا (گویا اس کی نگاہ اتنی تیز اور صاف ہوگی کہ کوئی بھی چیز اس کے) آگے دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنے گی) اور اس عورت کے سر پر تاج رکھے ہونگے اور ان تاجوں کا معمولی سا موتی بھی ایسا ہوگا کہ اگر وہ (دنیا میں آ جائے)

تو مشرق سے مغرب تک (کی ہر چیز) کو روشن ومنور کردے۔ (احمد، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 216)

قبل اس کے کہ وہ ایک پہلو سے دوسرا پہلو بدلے "کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس مرد کے پہلوؤں میں اتنے زیادہ گاؤ تکیئے رکھے ہونگے کہ وہ ایک ہی پہلو پر بیٹھا ہوا دوسرا پہلو بدلنے تک طرح طرح کے ستر تکیوں سے ٹیک لگائے گا۔" میں، مزید، میں سے ہوں۔ "یعنی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہوں جن کا حق تعالیٰ نے تمہاری نیکو کاریوں کے بدلہ وجزاء کے علاوہ خصوصی انعام کے طور پر مزید عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا یہ گویا قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہوگا کہ: (لَهُمْ مَّا يَشَاءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ، ق:35) "ان (اہل ایمان) کو جنت میں وہ کچھ ملے گا جو ہم (جزاء کے طور پر) دینا چاہیں گے اس کے علاوہ ہمارے پاس اور بھی (خصوصی انعام) ہیں اس مضمون کی ایک آیت یہ بھی ہے: (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ، یونس:26) "نیک کاروں کے لئے جنت ہیں مزید برآں۔

ویسے مفسرین نے اس آیت میں زیادۃ (مزید برآں) کی تفسیر 'حق تعالیٰ کا دیدار" کیا ہے، تاہم یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان مزید نعمتوں (خصوصی انعام) میں سے ایک نعمت بعض حوریں بھی ہیں، رہی یہ بات کہ حوران جنت کی اس نعمت کو "مزید یا زیادہ سے کیوں تعبیر فرمایا گیا ہے تو وجہ یہ ہے کہ وہ فضل الٰہی سے بندوں کو ان نیک اعمال کی جزاء میں عطا کی جائیں گی، اب وہ جنت عطا ہونے کے بعد پھر بندوں کو جو کچھ ملے گا وہ خصوصی عنایت وانعام اور فضل بر فضل ہوگا اور ظاہر ہے کہ اصل اجر وبدلہ سے زائد چیز ہوگی۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًاo اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًاo وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ
مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِo فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍo وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍo
وہ نہ تو وہاں کوئی بیکار بات سنیں گے اور نہ ہی کوئی گناہ کی بات، بس سلام ہی سلام کی آواز سنائی دے گی۔
اور دائیں بازو والے، دائیں بازو والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ ایسی بیریوں میں ہوں گے
جن کے کانٹے دور کیے ہوئے ہیں۔ اور ایسے کیلوں میں جو تہ بہ تہ لگے ہوئے ہیں۔

اہل جنت کیلئے پھلوں کی بعض نعمتوں کا بیان

"لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا" فِي الْجَنَّة "لَغْوًا" فَاحِشًا مِنْ الْكَلَام "وَلَا تَأْثِيمًا" مَا يُؤْثِم "إِلَّا" لَكِنْ "قِيلًا" قَوْلًا "سَلَامًا سَلَامًا" بَدَل مِنْ قِيلًا فَإِنَّهُمْ يَسْمَعُونَهُ "فِي سِدْر" شَجَر النَّبْق "مَخْضُود" لَا شَوْك فِيهِ "وَطَلْح" شَجَر الْمَوْز "مَنْضُود" بِالْحَمْلِ مِنْ أَسْفَله إِلَى أَعْلَاهُ،

وہ نہ تو وہاں یعنی جنت میں کوئی بیکار بات سنیں گے اور نہ ہی کوئی گناہ کی بات، یعنی جس میں کوئی گناہ ہو۔ بس سلام ہی سلام کی آواز سنائی دے گی۔ یہاں پر لفظ سلام یہ قولا سے بدل ہے۔ کیونکہ وہ اس کو سنیں گے۔ اور دائیں بازو والے، دائیں بازو والوں کی

خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ وہ ایسی بیریوں میں ہوں گے جن کے کانٹے دور کیے ہوئے ہیں۔ سدر بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ جس میں کانٹے نہ ہوں گے۔ اور ایسے کیلوں میں جو تہ بہ تہ لگے ہوئے ہیں۔ لفظ طلح کا معنی کیلا ہے جو نیچے سے اوپر تک لدے ہوئے ہوں گے۔

اہل جنت کے کلام میں سلام ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا، ان کی لمبائی ساٹھ گز کی تھی جب اللہ نے ان کو بنایا تو ان سے فرمایا جاؤ اور اس جماعت کو سلام کرو اور وہ جماعت فرشتوں کی تھی جو وہاں بیٹھی ہوئی تھی پھر سنو کہ وہ تمہیں کیا جواب دیتی ہے وہ جو جواب دے گا وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب ہے۔ چنانچہ حضرت آدم اس حکم الٰہی کی تعمیل میں فرشتوں کی اس جماعت کے پاس گئے اور کہا کہ السلام علیکم فرشتوں نے جواب دیا۔ السلام علیک ورحمہ اللہ (یعنی تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو) آنحضرت نے فرمایا کہ گویا آدم کے سلام کے جواب میں ورحمۃ اللہ کا لفظ فرشتوں نے زیادہ کیا پھر آپ نے فرمایا کہ پس جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت پر ہوگا بایں طور پر کہ اس کی لمبائی ساٹھ گز کی ہوگی یعنی جنت میں جانے والے حضرت آدم کے قد کی مذکورہ بلندی اور ان کے حسن و جمال کے ساتھ وہاں داخل ہوں گے۔ پھر حضرت آدم کے بعد لوگوں کی ساخت برابر کم ہوتی رہی یہاں تک کہ موجودہ مقدار کو پہنچی۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 562)

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ اس ارشاد گرامی کے معنی میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی احادیث صفات میں سے ہے جس کے حقیقی مفہوم و مطلب تک رسائی ممکن نہیں ہے اس لئے اس بارے میں کوئی تاویل و توجیہ کرنے کے بجائے سکوت ہی بہتر ہے جیسا کہ اس قسم کے ان اقوال و ارشادات کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے جو متشابہات کہلاتے ہیں علماء سلف اسی قول کی طرف مائل ہیں جب کہ بعض دوسرے حضرات اس ارشاد گرامی کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں جن سے مشہور تاویل یہ ہے کہ فلاں معاملہ کی صورت مسئلہ یہ ہے یا صورت حال یوں ہے ظاہر ہے کہ جس طرح کسی مسئلہ یا حال کی کوئی ظاہر صورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ صورت کا لفظ استعمال کر کے حقیقت میں اس مسئلہ یا حال کی صفت و کیفیت مراد ہوتی ہے اس طرح یہاں اللہ کی صورت کا لفظ سے مراد اللہ کی صفت جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفت پر بنایا اور ان کو صفات کے ساتھ موصوف کیا جو صفات کریمہ باری تعالیٰ کا پرتو ہے چنانچہ اللہ نے ان کو، حی، عالم، قادر، مرید، متکلم، سمیع اور بصیر بنایا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ صورتہ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف، شرف و عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ روح اللہ اور بیت اللہ میں روح اور بیت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس لطیف و جمیل صورت پر پیدا کیا جو اسرار و لطائف پر مشتمل ہے اور جس کو اس نے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ اپنے پاس سے عطا کیا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ صورتہ کی ضمیر حضرت آدم کی طرف راجع ہے یعنی اللہ نے آدم کو انہی کی صورت پر بنایا مطلب یہ ہے کہ وہ ابتداء آفرینش سے ہی شکل پر تھے دوسرے انسانوں کی طرح ان کی تخلیق اس تدریجی طور پر نہیں ہوئی تھی کہ

پہلے وہ نطفہ تھے پھر مضغہ ہوئے پھر جنین، پھر طفل، پھر صبی اور پھر پورے مرد ہوئے بلکہ وہ ابتداء ہی میں تمام اعضاء و جوارح، کامل شکل وصورت اور ساٹھ گز کے قد کے پورے انسان بنائے گئے تھے۔

لہٰذا اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا سے مراد آدم کی تخلیق و پیدائش کی حقیقت کو واضح کرنا ہے اور چونکہ دیگر صفات کے برخلاف قد کی لمبائی ایک غیر معروف چیز تھی اس لئے اس کو خاص طور پر ذکر کیا اسی طرح چونکہ لمبائی پر چوڑائی بھی قیاس کی جاسکتی ہے اور اجمالی طور پر اس کا تصور ذہن میں آسکتا ہے لہٰذا چوڑائی کو ذکر نہیں کیا۔ ورحمۃ اللہ کا لفظ فرشتوں نے زیادہ کیا اس کے ذریعہ سلام کے جواب کے سلسلے میں ایک تہذیب وشائستگی اور ادب فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا چنانچہ افضل طریقہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص السلام علیک کہے تو اس کے جواب میں وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے اسی طرح اگر کوئی السلام علیک ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے ایک روایت میں ورحمۃ اللہ کے بعد ومغفرۃ کا لفظ بھی منقول ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں وعلیک السلام کے بجائے السلام علیک کہنا بھی درست ہے کیونکہ معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک افضل یہی ہے کہ جواب میں وعلیک السلام یا وعلیکم السلام ہی کہا جائے رہی یہ بات کہ فرشتوں نے حضرت آدم کے سلام کے جواب میں وعلیک کے بجائے السلام علیک کیوں کہا تو ہوسکتا ہے کہ ملائکہ نے بھی یہ چاہا ہوگا کہ سلام کرنے میں وہ خود ابتداء کریں، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ جب دو آدمی ملتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک سلام میں ابتداء کرنا چاہتا ہے تو دونوں ہی ایک دوسرے سے السلام علیک یا السلام علیکم کہتے ہیں لیکن یہ بات واضح رہے کہ جواب کے درست وصحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جواب سلام کے بعد واقع ہو نہ کہ دونوں ایک ساتھ واقع ہوں جیسا کہ فاستمع ما یحیونک سے واضح ہوتا ہے۔

چنانچہ فاستمع میں حرف فا تعقیب کے لئے ہے جو مذکورہ وضاحت کی دلیل ہے عام طور پر لوگ اس مسئلہ سے بہت غافل ہیں اس لئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر دو شخص ملیں اور دونوں ایک ہی ساتھ السلام علیکم کہیں تو دونوں میں سے ہر ایک پر جواب دینا واجب ہوگا۔ حدیث کا آخری جملہ، تقدیم وتاخیر، پر دلالت کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کا قد ساٹھ گز تھا ان کے بعد لوگوں کے قد بتدریج کوتاہ ہوتے گئے پھر جنت میں داخل ہوں گے تو سب کے قد دراز ہو جائیں گے جیسا کہ حضرت آدم کا قد تھا۔

وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝
اور ایسے سائے میں جو خوب پھیلا ہوا ہے۔ اور ایسے پانی میں جو گرایا جا رہا ہے۔ اور کثرت سے میوے ہوں گے۔
جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان سے کوئی روک ٹوک ہوگی۔ اور اونچے اونچے فرش ہونگے۔

اہل جنت کیلئے دائمی سایوں کے ہونے کا بیان

"وَظِلٍّ مَمْدُودٍ" دَائِمٍ "وَمَاءٍ مَسْكُوبٍ" جَارٍ دَائِمًا "لَا مَقْطُوعَةٍ" فِي زَمَنٍ "وَلَا مَمْنُوعَةٍ" بِثَمَنٍ "وَفُرُشٍ مَرْفُوعَةٍ" عَلَى السُّرَرِ،

اور ایسے سائے میں جو ہمیشہ خوب پھیلا ہوا ہے۔ اور ایسے پانی میں جو گرایا جارہا ہے۔ جو ہمیشہ جاری رہے گا اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ جو نہ کبھی ختم ہوں گے یعنی کسی وقت بھی ختم نہ ہوں گے۔ اور نہ ان سے قیمت کے بدلے میں کوئی روک ٹوک ہوگی۔ اور مسہریوں پر اونچے اونچے فرش ہونگے۔

جنت کے سائے ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جنت میں ایسے درخت ہیں کہ کوئی سوار اگر اس کے سایہ میں سو سال تک بھی چلتا رہے تو بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا (الظِّلُّ الْمَمْدُودُ) پھیلے ہوئے سائے سے یہی مراد ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 423)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیز (جنت) تیار کی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے۔ نہ کسی کان نے (اس کے متعلق) سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔ اگر جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیا چیز تیار کی گئی ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے)۔ اور جنت میں ایک درخت ہے اگر کوئی سوار اس کے سائے میں چلنے لگے تو سو سال تک چلنے کے باوجود بھی اسے طے نہ کر سکے۔ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو (وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ، اور لمبا سایہ۔

اور جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور اس میں موجود تمام چیزوں سے بہتر ہے لہذا چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ الایۃ (یعنی جو شخص دوزخ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سودا ہے)۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1240)

جنت کے درجات میں زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (فُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ، اور بچھونے اونچے) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ان کی بلندی ایسی ہوگی جیسے زمین سے آسمان اور دونوں کے درمیان کا فاصلہ پانچ سو برس کا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف رشدین کی روایت سے جانتے ہیں۔

بعض اہل علم اس بلندی کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد درجات ہیں۔ یعنی ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1242)

اِنَّـآ اَنْشَاْنٰـهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰـهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝

بلاشبہ ہم نے ان کو پیدا کیا، نئے سرے سے پیدا کرنا۔ پس ہم نے انھیں کنواریاں بنادیا۔

جوخاوندوں کی محبوب، ان کی ہم عمر ہیں۔ یہ سب اصحاب یمین کے لئے ہیں۔

اہل جنت کیلئے ہم عمر حوروں کے ہونے کا بیان

"إِنَّـا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاء " أَيْ الْـحُور الْعِين مِنْ غَيْر وِلَادَة "فَـجَـعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا" عَـذَارَى كُلَّمَا أَتَاهُنَّ أَزْوَاجهنَّ وَجَدُوهُنَّ عَذَارَى وَلَا وَجَع "عُرُبًا" بِضَمِّ الرَّاء وَسُكُونهَا جَمْع عُرُوب وَهِيَ الْـمُتَـحَبِّبَة إِلَـى زَوْجهَا عِشْقًا لَهُ "أَتْـرَابًا" جَـمْـع تِرْب أَيْ مُسْتَوِيَات فِي السِّنّ "لِأَصْحَابِ الْيَمِين" صِلَة أَنْشَأْنَاهُنَّ أَوْ جَعَلْنَاهُنَّ وَهُمْ : "

بلاشبہ ہم نے ان بستروں والی عورتوں کو پیدا کیا، یعنی انہیں بغیر ولادت کے پیدا کیا ہے۔ نئے سرے سے پیدا کرنا۔ پس ہم نے انھیں کنواریاں بنادیا یعنی جب بھی ان کے شوہران کے پاس آئیں گے تو وہ انہیں کنواری پائیں گے۔ اور کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی جوخاوندوں کی محبوب، ان کی ہم عمر ہیں۔ یہاں پر لفظ عربا یہ راء کے ضمہ اور اس کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے جو عروب کی جمع ہے یعنی وہ اپنے شوہروں کو بہت پسند آئیں گی۔ اور اترابا یہ ترب کی جمع ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ وہ عمر میں برابر ہوں گی۔ یہ سب اصحاب یمین کے لئے ہیں۔ یہاں اصحاب یمین یہ انشانا ہن سے یا جعلنا ہن سے متعلق ہے۔

جنت کی خواتین کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ (اِنَّـآ اَنْشَـاْنٰهُنَّ اِنْشَـآءً ،اور ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو ایک اچھی اٹھان پر)۔ کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ خاص طور پر بنائی جانے والی عورتیں وہ ہیں جو دنیا میں بوڑھی تھیں ان کی آنکھیں کمزور تھیں اور ان کی آنکھوں سے پانی بہتا تھا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

ہم اس حدیث کو صرف موسیٰ بن عبیدہ کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں موسیٰ بن عبیدہ اور یزید بن ربان رقاشی دونوں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1244)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝

فِيْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِيْمٍ ۝ وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝

جن کا ایک گروہ پہلے لوگوں کا ہے اور ایک گروہ آخری لوگوں کا ہے اور بائیں ہاتھ والے تو ان کا کیا پوچھنا ہے

گرم گرم ہوا کھولتا ہوا پانی کالے سیاہ دھوئیں کا سایہ جو نہ ٹھنڈا ہو اور نہ اچھا لگے۔

بعد لوگوں سے بھی ایک بڑے گروہ کے ہونے کا بیان

ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ "فِي سَمُوم" رِيح حَارَّة مِنَ النَّار تَنْفُذ فِي الْمَسَام "وَحَمِيم" مَاء شَدِيد الْحَرَارَة "وَظِلّ مِنْ يَحْمُوم" دُخَان شَدِيد السَّوَاد "لَا بَارِد" كَغَيْرِهِ مِنْ الظِّلَال "وَلَا كَرِيم" حَسَن الْمَنْظَر،

جن کا ایک گروہ پہلے لوگوں کا ہے اور ایک گروہ آخری لوگوں کا ہے اور بائیں ہاتھ والے تو ان کا کیا پوچھنا ہے۔

گرم گرم ہوا کھولتا ہوا، سموم اس لئے کہا ہے کہ وہ اپنی اہل دوزخ کے مسامات میں داخل ہو جائے گا۔ اور وہ سخت گرم پانی ہوگا پانی کالے سیاہ دھوئیں کا ہوگا یعنی یحموم جو سخت سیاہ دھواں ہوگا۔ سایہ جو نہ ٹھنڈا ہو اور نہ اچھا لگے۔ یعنی دوسرے سایوں کی طرح ٹھنڈا نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی اس میں سکون ہوگا۔

امت مسلمہ میں سے بغیر حساب جنت میں جانے والوں کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو حساب اور عذاب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور (ان ستر ہزار میں سے) ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار اور میرے پروردگار کے چلوں میں سے تین چلو بھر کر لوگ جنت میں جائیں گے۔"

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 130)

حساب وعذاب کے بغیر" سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس سخت حساب کے مرحلہ سے گزرنا نہیں پڑے گا جس میں بندہ پرسش و مواخذہ، دارو گیر اور سخت پوچھ گچھ سے دوچار ہونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار الخ" کا مطلب یہ ہے کہ ستر ہزار لوگ تو حساب وعذاب کے مرحلہ سے گزرے بغیر جنت میں جائیں ہی گے لیکن ان میں سے بھی ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار لوگ ہوں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے تین چلو بھر کر اور لوگ ان کے ساتھ کر دے گا! اب رہی یہ بات کہ ستر ہزار سے کیا مراد ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ خاص عدد ہی مراد ہو اور یا یہ کہ اس عدد سے " کثرت "مراد ہے نیز" تین چلوں" کے الفاظ بھی کثرت ومبالغہ سے کنایہ ہیں پس حاصل یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے اتنے زیادہ لوگوں کو کہ جو شمار بھی نہیں کئے جاسکتے حساب عذاب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا۔

جنت میں امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد سب سے زیادہ ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" (قیامت کے دن میدان حشر میں) اللہ تعالیٰ آواز دے گا کہ اے آدم!" آدم جواب دیں گے کہ میں حاضر ہوں تیری تابعداری کے لئے تیار ہوں ساری بھلائیاں تیرے ہی ہاتھوں میں ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا" آگ والوں کے لشکر کو نکال لو یعنی ہمیں تمہاری اولاد میں سے جن لوگو کو دوزخ میں بھیجنا منظور ہے ان کو علیحدہ کرلو۔" آدم عرض کریں گے کہ دوزخیوں کے لشکر کو نکال لو یعنی ہمیں تمہاری

اولاد میں سے جن لوگوں کو دوزخ میں بھیجنا منظور ہے ان کو علیحدہ کر لو۔" آدم عرض کریں گے کہ دوزخیوں کے لشکر کی تعداد (کا تناسب) کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانویں (یعنی دوزخیوں کا تناسب یہ ہے کہ ہر ہزار میں سے ایک آدمی جنت میں جائے گا اور باقی دوزخ میں ڈالے جائیں گے)! یہ حکم الٰہی سن کر چھوٹی عمر والا بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل ضائع کر دے گی۔ اور اس وقت) تم دیکھو گے کہ لوگ گویا نشہ میں مست ہیں حالانکہ وہ (شراب جیسے نشہ سے مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بہت سخت ہے (یعنی لوگوں کی وہ سرمستی و مدہوشی، عذاب الٰہی کے خوف و دہشت کی بناء پر ہوگی) صحابہ کرام نے (جب یہ سنا کہ جنت میں جائے گا) ہم میں کون ہوگا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کو سمجھانے اور تسلی دینے کے لئے) فرمایا اطمینان رکھو غم نہ کھاؤ (جنت میں جانے والا) ایک شخص تم میں سے ہوگا اور (دوزخ میں جانے والے ہزار شخص یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں امید رکھتا ہوں کہ (اے میری امت کے لوگو) تم اہل جنت کی مجموعی تعداد میں جنت کے مستحق ہوں گے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر (اور بڑی بشارت دینے کے لئے) فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت کی مجموعی تعداد کا تہائی حصہ ہونگے، (یہ سن کر) ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں۔" (تم لوگوں یعنی امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک عظیم فضیلت ہے کہ جنت میں جانے والوں میں سب سے بڑی تعداد اسی امت کی ہوگی جب کہ اس دنیا میں) لوگوں کے درمیان تمہاری تعداد اتنی کم ہے جیسا کہ سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ تل یا ایک کالے بیل کے جسم پر ایک سفید بال ہو۔" (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 114)

ہر ہزار میں سے نو سو ننانویں ان الفاظ کے اعتبار سے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل کردہ اس حدیث کے مخالف ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ہر سو ننانویں لوگ دوزخی ہوں گے؟ پس کرمانی نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ ان دونوں روایتوں میں کسی خاص عدد کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اصل مقصد اہل ایمان کی تعداد کے کم ہونے اور اہل کفر کی تعداد کے زیادہ ہونے کو بیان کرنا ہے! پس یہاں ہر ہزار میں سے نو سو ننانویں کا جو تناسب بیان کیا گیا ہے وہ کافروں کے اعتبار سے ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں "ہر سو میں سے ننانویں جو تناسب ذکر کیا گیا ہے وہ گنہگاروں کے اعتبار سے ہے! اور ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے مفہوم کو تو حضرت آدم علیہ السلام کی تمام ذریت پر محمول کیا جائے (یعنی یہاں حدیث میں اہل دوزخ کے لئے ہر ہزار میں سے نو سو ننانویں کا جو تناسب ذکر کیا گیا ہے وہ از اول تا آخر تمام انسانوں کے اعتبار سے ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اہل دوزخ کے لئے "ہر سو ننانوے" کا جو تناسب ذکر کیا گیا ہے اس کو یاجوج ماجوج کے علاوہ دوسرے لوگوں پر محمول کیا جائے۔

اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا ذکر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت میں ہے نہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں پایہ کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا تعلق تمام مخلوق سے ہے اور حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا تعلق صرف امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے! اور یا یہ کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اہل دوزخ کے لشکر سے مراد تمام کفار اور تمام گنہگار ہیں جب کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں "اہل دوزخ کے لشکر سے مراد صرف مسلمان گنہگار ہیں! بہرحال ان تاویلات اور توجیہات سے ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہتا۔ اور ہر حاملہ اپنا حمل ضائع کردیگی" کے بارے میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بات فرض کرنے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بالفرض اس وقت کوئی چھوٹی عمر کا ہو تو وہ اس صورت حال کی ہیبت اور اس فیصلہ الٰہی کے صدمہ وخوف سے بوڑھا ہوجائے اسی طرح اس وقت اگر کوئی عورت حمل سے ہو تو مارے ہیبت کے اس کا پیٹ گر پڑے اور بعض حضرات نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ جو عورتیں حمل کی حالت میں مری ہوں گی وہ اپنے حمل کے ساتھ اٹھ کر میدان حشر میں آئینگی اور اس وقت وہ حکم الٰہی سن کر مارے ہیبت کے ان کا حمل گر پڑے گا اسی طرح چھوٹی عمر والے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے وہ مارے ہیبت کے بوڑھے ہوجائیں گے یہ اور بات ہے کہ وہ جنت میں جاتے وقت جوان ہوجائیں گے۔ اطمینان رکھو غم نہ کھاؤ الخ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خوف وخدشہ کو دور فرمایا کہ دراصل یاجوج وماجوج کی قوم کے لوگ اتنی کثرت میں ہوں گے کہ اگر تمہاری اور ان کی تعداد کا تناسب نکالا جائے تو وہ اس طرح ہوگا کہ ان میں سے تو ایک ہزار شخص اور تم میں سے صرف ایک شخص اور اس صورت حال میں بھی اہل جنت کی تعداد کچھ کم نہیں ہوگی بلکہ بہت ہوگی۔

لہٰذا تمہیں اس خدشہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ جنت میں جانے والون کا تناسب دوزخ میں جانے والوں کے تناسب سے اس قدر کم ہوگا تو ہم میں سے بہت ہی کم لوگ جنت میں جائینگے! تاہم اس بات سے یہ ضرور واضح ہوگیا کہ مجموعی طور پر دوزخ میں جانے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی اور جنت میں جانے والوں کی تعداد کم! لیکن اگر اہل جنت میں ملائکہ اور حوروں کو بھی شامل کرلیا جائے تو شاید اہل جنت کی تعداد، اہل دوزخ کی تعداد سے زیادہ بڑھ جائے گی اور اس صورت میں حدیث قدسی غلبت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوئی) کے معنی بھی صحیح ہوں گے۔ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت میں امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تناسب بیان فرمایا اس کو بتدریج ذکر فرمایا یکبارگی ذکر نہیں کیا تا کہ صحابہ کرام کے دل خوشی کے مارے پھٹ نہ جائیں، یا بتدریج ذکر اس بنا پر فرمایا کہ شاید امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ کئی مراحل میں اسی تناسب کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے یعنی پہلے مرحلہ میں جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا تہائی حصہ بنے گا یہاں تک کہ جب سب لوگ جنت میں پہنچ جائینگے تو پھر امت محمدی کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا آدھا حصہ ہوں گے اور یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد بار وحی نازل ہوئی اور مذکورہ تناسب کو اسی تدریج کے ساتھ بتایا گیا، چنانچہ جب بھی وحی نازل ہوتی اور اس میں جس تناسب کا ذکر ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو بشارت دینے کے لئے اسی کو بیان فرمادیتے! بہرحال یہ احتمالات مذکورہ تناسب کو بتدریج ذکر کرنے کے سلسلہ میں ہیں جو اصل بات ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امت محمدی صلی

اللہ علیہ وسلم کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہوں گے۔

حالانکہ زیادہ صحیح بات ہے کہ جنت میں امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد کا دو تہائی حصہ ہوگی، چنانچہ یہ ثابت ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس ۱۲۰ صفیں ہوں گی، جن میں سے ۸۰ (اسی) صفیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر مشتمل ہوں گی اور چالیس صفیں باقی تمام امتیوں کی ہوں گی، پس ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حدیث (کہ جس سے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہونا معلوم ہوتا ہے) ارشاد فرمائی تھی اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اہل جنت کی کل تعداد کا دو تہائی حصہ ہوگی! اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نصف حصہ" والی بات ابتدائی مرحلہ میں جنت میں جانے والوں کے تناسب کے اعتبار سے فرمائی ہو۔

کامل ایمان والوں کا بغیر حساب جنت میں جانے کا بیان

اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ابن سکن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن لوگوں کو ایک فراخ وہموار میدان میں جمع کیا جائے گا، پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں اور خواب گاہوں سے جدا رہتے تھے (یہ اعلان سن کر) اہل محشر میں سے بہت تھوڑے لوگ (جو اہل اسلام میں ہوں گے اٹھیں گے (یعنی مجمع سے نکل کر باہر آئیں گے) اور حساب کتاب کے (مرحلہ سے گزرے) بغیر جنت میں چلے جائیں گے، پھر باقی لوگوں سے حساب کا حکم دیا جائے گا" (اس روایت کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 138)

جن کے پہلو بستروں اور خواب گاہوں سے جدا رہتے تھے) سے مراد یا تو وہ بندگان اللہ ہیں جو رات میں اپنی پرسکون نیند کی راحت سے صرف نظر کر کے اور اپنے آرام دہ بستروں اور خواب گاہوں کو چھوڑ کر اپنے خالق کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں اور نماز تہجد پڑھتے ہیں! اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شاید وہ لوگ مراد ہوں جو صلوۃ الاوابین پڑھتے ہیں! نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہوں جو عشا اور فجر کی نماز پڑھتے ہیں بہر حال حدیث کے ان الفاظ سے قرآن کریم کی ان آیتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عبادت گزار اور پاکباز بندوں کو یوں متعارف کرایا ہے کہ: (اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ 15 تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ 16 فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ' السجدہ 15-16-17) بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لائے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ (ایمان لانے اور اللہ کے احکام ماننے سے) تکبر نہیں کرتے (جیسا کہ کافر لوگ تکبر کرتے ہیں اور ازراہ خوف اللہ کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہیں) نیز (رات کو ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں (خواہ عشاء فجر کی نماز یا تہجد کی نماز اور خواہ صلوۃ الاوبین پڑھنے کے لئے اور ان کے پہلو خواب گاہوں سے صرف علیحدہ

ہی نہیں رہتے بلکہ وہ لوگ اپنے رب کو ثواب کی) امید اور (عذاب کے) خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

پس کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے، یہ ان کو ان کے نیک اعمال کا صلہ ملا ہے" پس ان آیات میں ان صفات اور خوبیوں کا ذکر ہے جو اہل ایمان کا خاصہ ہیں اور جن میں سے بعض صفات تو ایسی ہیں جن پر خود ایمان ہی موقوف ہے اور بعض صفات ایسی ہیں جن پر ایمان کا کامل ہونا موقوف ہے نیز مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان وعمل کا کمال رکھنے والے بندگان خاص قیامت کے دن حساب کتاب کے مرحلہ سے محفوظ رہیں گے ان پر کوئی سختی نہیں ہوگی ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور وہ اپنے رب کی بے پایاں عنایتوں اور رحمتوں کے سائے میں رہتے ہوئے حساب کتاب کے بغیر سیدھے جنت میں پہنچادیے جائیں گے۔ **الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت وقلیل ما ھم** ۔مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں ! اور ایک موقع پر یوں ارشاد ہوا ہے۔ **وقلیل من عبادی الشکور**۔اور میرے بندوں میں (طاعت وعبادت کے ذریعہ میرا) شکر ادا کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان اور اہل حق کا اقلیت میں ہونا اور اس اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ان کا مختلف قسم کے سماجی، معاشرتی اور سیاسی مصائب وآلام میں مبتلا ہونا اور طرح طرح کے ظلم وجور سہنا ان کے لئے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے وہ تنگ دل اور مایوسی کا شکار ہوں بلکہ حقیقت میں ان کے اللہ کی طرف سے ان کے لئے ایک اعزاز اور ایک سعادت ہے اور آخر کار جس کا صلہ انہیں ابدی راحتوں اور نعمتوں کی صورت میں ملنے والا ہے اللہ کے ان بندگان خاص یعنی ایمان وعمل کا کمال رکھنے والوں کو حساب کتاب کے بغیر جنت میں اس لئے داخل کیا جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں ہدایت کے راستہ کو اختیار کیا، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری کی، دین کی راہ پر استقامت واستقلال کے ساتھ چلے، اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے طاعت وعبادت کی مشقت برداشت کی، دنیا کی لذتوں اور راحتوں کو ترک کیا اور اس طرح انہوں نے "صبر" کا مقام اختیار کیا تو پھر ان کو اللہ کے یہاں کی سعادتوں اور بے پایاں راحتوں کا مستحق ہونا ہی ہے اور ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یوں بشارت دیتا ہے کہ **قل یعبادی الذین امنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وارض اللہ واسعۃ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب** (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مؤمنین کو میری طرف سے) کہیں کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو (یعنی طاعت پر دوام اور گناہوں سے پرہیز کرو) جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے (یعنی اگر تمہیں دین کر راہ میں اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرو اور ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے جاؤ) اور (ہم وعدہ کرتے ہیں کہ دین کی راہ میں) استقلال اختیار کرنے والوں (اور ہر طرح کی مشقت وتکلیف پر صبر کرنے والوں کو) ان کا صلہ بے حساب ملے گا۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میدان حشر میں (ترازو) کھڑی کرے گا جس کے دو پلے اور ایک چوٹی

ہوگی اوراس ترازو کے ذریعہ بندوں کے نیک اور برے اعمال کووزن کرے گا معتزلہ، مرجیہ اور فارجیہ فرقے کے لوگوں کو "ترازو" کے وجود سے انکار ہے وہ کہتے ہیں کہ "ترازو" سے مراد "میزان عدل" ہے، اعمال کا تولنا اور وزن کرنا مراد نہیں ہے لیکن قرآن کریم اوراحادیث نبویہ کی رو سے یہ لوگ جھوٹے ہیں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔ **ونضع الموازین القسط لیوم القیمة فلا تظلم نفس شیأ وان کان مثقال حبة من خردل اتینا بها وکفی بنا حاسبین o** اور وہاں ہم قیامت کے دن عدل کے لئے ترازو رکھیں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) پس کسی پر کسی بات کا ظلم نہ ہوگا اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کی نیکی ہوگی تو اسے دی جائے گی (یعنی اس نیکی کو وہاں حاضر کر کے میزان عدل میں رکھا جائے گا) اور ہم ہی حساب کے لئے کافی ہیں ایک موقع پر یوں فرمایا ہے۔ **فاما من ثقلت موازینه فهو فی عیشة راضیة واما من خفت موازینه فامه هاویة۔** (پھر اعمال کے وزن کے بعد) جس شخص (کے ایمان وعمل) کا پلہ بھاری ہوگا وہ ہمیشہ عیش وراحت میں رہے گا اور جس شخص (کے ایمان وعمل) کا پلہ ہلکا ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا۔ پس عدل کی تعریف سب کی اور گرانی درست نہیں، بلکہ ظہار عدل کے لئے درحقیت ترازو میں اعمال کو تولنا مراد ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ یہ ترازو اللہ تعالیٰ کے اپنے دست قدرت میں ہوگی کیونکہ بندوں کا حساب اللہ تعالیٰ بلند کرے گا اور ایک کو پست کرے گا۔

بیان کیا گیا ہے کہ بندوں کی نیکیاں رائی کے دانہ اور چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کے برابر ہوں گی جو بہت خوبصورت ہونگی، انہیں نور کے پلے میں رکھا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ پلہ بھاری ہو جائے گا برائیوں کی شکل بہت بھونڈی ہوگی اور انہیں ظلمت کے پلے میں رکھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ پلہ ہلکا ہو جائے گا اعمال کے تلنے میں لوگوں کا حال تین طرح سے ہوگا بعض وہ ہوں گے جن کے نیک اعمال کا پلہ برے اعمال کے پلہ کی نسبت سے بھاری ہوگا، ایسے لوگ بہشت میں جائیں گے، دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کے نیک اعمال کی نسبت ان کے برے اعمال کا پلہ بھاری ہوگا ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے، تیسرا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہوگا جن کے نیک اعمال اور برے اعمال کے دونوں پلے برابر ہوں گے، ایسے لوگوں کو اعراف میں پہنچایا جائے گا اور پھر خواہ شفاعت کی وجہ سے سزا سے پہلے ہی خواہ سزا کے بعد ان کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اہل سنت کے نزدیک پل صراط پر ایمان لانا بھی واجب ہے، یہ وہ پل ہے جو دوزخ کی پیٹھ پر سے گزرتا ہے اور جو بال سے زیادہ باریک اور آگ سے زیادہ گرم اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

قیامت کے دن تمام مخلوق کو اس پل پر سے گزارا جائے گا، جو اہل جنت ہوں گے وہ اپنے ایمان وعمل کے مراتب کے مطابق آسانی یا پریشانی کے ساتھ پل پر سے گزر کر جنت میں چلے جائیں گے اور جو اہل دوزخ ہوں گے وہ اس پر سے گر کر دوزخ میں جا پڑیں گے اہل ایمان کو ان کے عمل کے مطابق نور عطا کیا جائے گا جس کی روشنی میں وہ اس پل کے راستہ کو طے کریں گے ان میں سے بعض سوار ہو کر اور دوڑنے کر برابر ہو جائیں گے بعض گھٹنوں کے بل اور بعض سرین کے بل رینگتے ہوئے جائیں گے پل صراط کی مسافت آخرت کے سالوں کے حساب سے تین ہزار سال ہے! ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دوزخ پر سات پل ہیں اور ہر

پل کے درمیان ستر برس کی مسافت جتنا فاصلہ۔

ہے اور ہر پل تلوار کی دھار جتنا تیز ہے اس کے اوپر سے گزرنے والے گروہوں میں سے پہلا گروہ آنکھ جھپکتے ہی گزر جائے گا دوسرا گروہ اس طرح گزرے گا جس طرح بجلی اچک لے جاتی ہے تیسرا گروہ تیز ہوا کہ طرح گزر جائے گا، چوتھا گروہ پرندوں کی سی تیزی کے ساتھ گزر جائے گا پانچواں گروہ گھوڑوں کی طرح دوڑ کر گزر جائے گا چھٹا گروہ دوڑتے ہوئے آدمیوں کی طرح سے عبور کرے گا اور ساتواں گروہ پیدل چلنے والے لوگوں کی طرح سے گزر جائے گا۔

ان سب کے بعد آخر میں ایک گروہ وہ باقی رہ جائے گا جب انہیں گزرنے کے لئے کہا جائے گا تو وہ اپنا پاؤں پل صراط پر رکھیں گے، مگر ان کے پاؤں لرزنے لگیں گے، چنانچہ وہ گھٹنوں کے بل چلنے لگیں گے اور دوزخ کی آگ کی چنگاریاں ان کے پاؤں اور پوست تک پہنچیں گی، تب یہ لوگ پیٹ کے بل گھسیٹے چلیں گے پھر ہاتھوں کے ذریعہ پل کے ساتھ لپٹ جائیں گے، آگ بھی ان سے لپٹ جائے گی، تب آگ سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ پیٹ کے بل گھسٹنے لگیں گے یہاں تک کہ دوزخ کو عبور کرلیں گے، عبور کرنے کے بعد پلٹ کر دوزخ کی طرف نگاہ دوڑائیں گے اور کہیں گے جس اللہ نے اس (دوزخ) سے ہمیں پار کردیا ہے وہ پاک ہے، بیشک اس نے اپنے لطف وکرم سے میرے حال پر مہربانی فرمائی ہے، آج تک ازاول تا آخر اس نے میرے سوا اور کسی پر فضل نہیں کیا، مجھے اپنے فضل سے پل صراط کے پنجہ سے رہائی دلائی۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ٥ وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ٥
وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ٥
یہ وہی لوگ ہیں جو پہلے بہت آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔ اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کر رہے تھے۔
اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈی ہوجائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

دنیا میں گناہوں پر اصرار کرنے والوں کا بیان

"إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ " فِي الدُّنْيَا "مُتْرَفِينَ" مُنَعَّمِينَ لَا يَتْعَبُونَ فِي الطَّاعَة "وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنْث" الذَّنْب "الْعَظِيم" أَيْ الشِّرْك، "وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ " فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيق وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ،

یہ وہی لوگ ہیں جو دنیا میں پہلے بہت آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔ اور وہ طاعت کی اتباع نہیں کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے گناہوں یعنی شرک پر اصرار کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈی ہوجائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہاں پر دونوں ہمزے دونوں مقامات پر تحقیق کیلئے اور ثانی تسہیل کیلئے جبکہ دونوں کے درمیان دونوں

مقامات پر الف داخل کیا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ بیان فرمایا ہے یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لئے ہوئے کہ دنیا میں جو اللہ کی نعمتیں انہیں ملی تھیں ان میں یہ سست ہوگئے۔ رسولوں کی باتوں کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی۔ بدکاریوں میں پڑ گئے اور پھر توبہ کی طرف دلی توجہ بھی نہ رہی۔ (حنث عظیم) سے مراد بقول حضرت ابن عباس کفر شرک ہے، بعض کہتے ہیں جھوٹی قسم ہے، پھر ان کا ایک اور عیب بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کا ہونا بھی محال جانتے تھے، اس کی تکذیب کرتے تھے اور عقلی استدلال پیش کرتے تھے کہ مر کر مٹی میں مل کر پھر بھی کہیں کوئی جی سکتا ہے؟ انہیں جواب مل رہا ہے کہ تمام اولاد آدم قیامت کے دن نئی زندگی میں پیدا ہو کر اور ایک میدان میں جمع ہوگی، کوئی ایک وجود بھی ایسا نہ ہوگا جو دنیا میں آیا ہو اور یہاں نہ ہو، جیسے اور جگہ ہے اس دن سب جمع کر دیئے جائیں گے یہ حاضر باشی کا دن ہے، تمہیں دنیا میں چند روز مہلت ہے قیامت کے دن کون ہے جو بلا اجازت اللہ لب بھی ہلا سکے انسان دو قسم پر تقسیم کر دیئے جائیں گے نیک الگ اور بد علیحدہ۔ وقت قیامت محدود اور مقرر ہے، کمی زیادتی تقدیم تاخیر اس میں بالکل نہ ہوگی۔

پھر تم اے گمراہو اور جھٹلانے والو زقوم کے درخت تمہیں پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اونٹ پی رہا ہو، ہیم جمع ہے اس کا واحد اہیم ہے مونث ہماء ہے ہائم اور ہوتی اور نہ اس بیماری سے اونٹ جانبر ہوتا ہے، اسی طرح یہ جنت جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب ہوگا بھلا اس سے پیاس کیا رکتی ہے؟ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاس والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لیے مکروہ ہے پھر فرمایا ان مجرموں کی ضیافت آج جزا کے دن یہی ہے، جیسے متقین کے بارے میں اور جگہ ہے کہ ان کی مہمانداری جنت الفردوس ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ واقعہ، بیروت)

دنیا میں تکبر کرنے والوں کی کوئی حیثیت نہ ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن (میدان حشر میں) جاہ و مال کے اعتبار سے) ایک بڑا اور خوب موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن اللہ کے نزدیک وہ مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت اور کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتا ہوگا اور (اے مؤمنین) تم یہ آیت پڑھا کرو (تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ وہ دنیا دار جو اپنی دنیاوی حیثیت و وقعت پر نازاں اور مغرور ہیں اور اپنے کردار و عمل کو اچھا سمجھتے ہیں حقیقت کے اعتبار سے وہ بے حیثیت ہیں اور ان کے تمام اعمال و کردار ضائع و نابود ہو جانے والے ہیں اور وہ آیت یہ ہے کہ (فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا، الکہف:105) قیامت کے دن ہم ان کو کوئی قدر و منزلت نہیں دیں گے۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 116)

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۝
کیا ہمارے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اولین و آخرین سب کے سب۔
ایک مقرر دن کی وعدہ گاہ پر جمع کئے جائیں گے۔

قیامت کے دن سب اولین وآخرین کو جمع کیے جانے کا بیان

"أَوَ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ" بِفَتْحِ الْوَاوِ لِلْعَطْفِ وَالْهَمْزَةِ لِلِاسْتِفْهَامِ وَهُوَ فِي ذَٰلِكَ وَفِيمَا قَبْلَه لِلِاسْتِبْعَادِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِسُكُونِ الْوَاوِ عَطْفًا بِأَوْ وَالْمَعْطُوف عَلَيْهِ مَحَلّ إِنَّ وَاسْمِهَا "لَمَجْمُوعُونَ إِلَى مِيقَات" لِوَقْتِ "يَوْم مَعْلُوم" أَيْ يَوْم الْقِيَامَة،

کیا ہمارے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے۔ یہاں پر لفظ اولون یہ لام کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور عطف کیلئے آیا ہے اور ہمزہ استفہام کیلئے آیا ہے۔ اور وہ اس میں بھی اسی طرح ہے جس طرح اس سے پہلے میں آیا ہے۔ جو استبعاد کیلئے ہے اور ایک قرأت میں واؤ سکون کے ساتھ یا اُو واؤ مفتوحہ کے ساتھ عطف کیلئے آیا ہے۔ کیونکہ یہ اِن کا محل ہے اور اس کے اسم کا محل ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اولین وآخرین سب کے سب۔ ایک مقرر دن یعنی قیامت کے دن کی وعدہ گاہ پر جمع کئے جائیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

او اباء نا الاولون: اہمزہ استفہامیہ انکاریہ ہے واؤ عاطفہ ہے۔ جس کا عطف جملہ محذوف پر ہے۔ ای ء انـا لمبعوثون واباء نـا الاولون۔ کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ہمارے اولین باپ دادا بھی۔ جملہ استفہام انکاریہ ہے۔ اباء نا مضاف مضاف الیہ ہمارے آباء واجداد۔ باپ دادے، الاولون ہم سے پہلے، ہمارے اگلے، اسلاف۔

آیت 47 میں ائذا متنا اور ء انا میں ہمزہ استفہامیہ کے تکرار کے متعلق اور آیت 48 میں واو عاطفہ پر ہمزہ استفہامیہ داخل کرنے کے متعلق بیضاوی میں ہے۔

ہمزہ کا تکرار بعث سے مطلقاً انکار کی دلیل ہے یعنی اگر ہمزہ کو دوبارہ نہ لایا جاتا تو انکار بعث محض مٹی اور ہڈیاں کے دوبارہ جی اٹھنے پر محدود رہ جاتا ہے یا میت کے مٹی اور ہڈیاں ہونے تک۔ بعث کے متعلق انکار کے لئے ہمزہ استفہامیہ انکاریہ کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ ایسے ہی اوا باء نا میں ہمزہ کو واو عاطفہ سے قبل لایا گیا۔ گویا کہ انہوں (منکرین بعث) نے کہا ہو کہ ہمیں اس سے انکار ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے۔ اور ہمارے باپ دادا کا دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا تو اس سے بھی زیادہ قابل انکار ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ۝
فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ۝ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ۝
اس کے بعد تم اے گمراہو اور جھٹلانے والو! تھوہڑ کے درخت کے کھانے والے ہو گے۔ پھر اس سے اپنے پیٹ بھرو گے،
پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ پھر اس طرح پیو گے جس طرح پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔

اہل دوزخ کیلئے کھولتا ہوا پانی پیاسے اونٹوں کی طرح پینے کا بیان

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ "لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ" بَيَان لِلشَّجَرِ "فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا" مِنَ الشَّجَرِ "فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ" أَيْ الزَّقُّوم الْمَأْكُول،

"فَشَارِبُوْنَ شُرْب" بِفَتْحِ الشِّين وَضَمّهَا مَصْدَر "الْهِيم" الْإِبِل الْعِطَاش جَمْع هَيْمَان لِلذَّكَرِ وَهَيْمَى لِلْأُنْثَى كَعَطْشَان وَعَطْشَى،

اس کے بعد تم اے گمراہو اور جھٹلانے والو! تھوہڑ کے درخت کے کھانے والے ہوگے۔ یہاں پر من زقوم یہ شجر کا بیان ہے پھر اس سے زقوم کو کھا کر اپنے پیٹ بھرو گے، پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ یہاں پر لفظ شرب یہ شین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور مصدر ہے۔ پھر اس طرح پیو گے جس طرح پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔ اور لفظ ہیم پیاسے اونٹ کو کہتے ہیں۔ جو ہیمان کی جمع ہے۔ جو مذکر کیلئے آتا ہے اور اس کی مؤنث ہیمی آتا ہے جس طرح عطشان اور عطشی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ،آل عمران:102) تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا اگر (دوزخ کے) زقوم یعنی تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ بھی اس دنیا کے گھر میں ٹپک پڑے تو یقیناً دنیا والوں کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے پھر (سوچو) اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، قیامت کا بیان)

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝
یہ قیامت کے دن ان کی مہمانداری کا سامان ہوگا۔ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو دوبارہ پیدا کرنے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔
کیا تم نے اس نطفہ کو دیکھا ہے جو رحم میں ڈالتے ہو۔ اسے تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

انسان کی تخلیق سے دلیل بعث کا بیان

"هٰذَا نُزُلهمْ" مَا أُعِدَّ لَهُمْ "يَوْم الدِّين" يَوْم الْقِيَامَة "نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ" أَوْجَدْنَاكُمْ مِنْ عَدَم "فَلَوْلَا" هَلَّا "تُصَدِّقُوْنَ" بِالْبَعْثِ إِذْ الْقَادِر عَلَى الْإِنْشَاء قَادِر عَلَى الْإِعَادَة،

"أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ" تُرِيقُوْنَ مِنَ الْمَنِيّ فِي أَرْحَام النِّسَاء "أَأَنْتُمْ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة أَلِفًا وَتَسْهِيلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَيْن الْمُسَهَّلَة وَالْأُخْرَى وَتَرْكه فِي الْمَوَاضِع الْأُخْرَى "تَخْلُقُوْنَهُ" أَيْ الْمَنِيّ بَشَرًا،

یہ قیامت کے دن ان کی مہمانداری کا سامان ہوگا۔ جو قیامت کے دن ان کیلئے تیار کیا جائے گا۔ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے یعنی ہم تمہیں عدم سے وجود میں لائے ہیں۔ تو دوبارہ پیدا کرنے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ یعنی بعث کی تصدیق کیوں نہیں کرتے لہٰذا جب وہ پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے تو لوٹانے پر بھی قادر ہے۔ کیا تم نے اس نطفہ کو دیکھا ہے جو رحم میں ڈالتے ہو۔ یعنی جو منی عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو۔ یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدلہ گیا ہے اور دونوں کی تسہیل کے ساتھ بھی جبکہ ان کے درمیان الف داخل کیا جائے اور اسی طرح ترک ادخال الف کے ساتھ بھی دوسری مقام پر آیا ہے۔ اسے تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ یعنی منی سے بشر تم بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔

منکرین قیامت کو جواب دینے کا بیان

اللہ تعالیٰ قیامت کے منکرین کو لاجواب کرنے کے لئے قیامت کے قائم ہونے اور لوگوں کے دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل دے رہا ہے، فرماتا ہے کہ جب ہم نے پہلی مرتبہ جبکہ تم کچھ نہ تھے تمہیں پیدا کر دیا تو اب فنا ہونے کے بعد جبکہ کچھ نہ کچھ تو تم رہو گے ہی۔ تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا گراں ہوگا؟ جب ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر دوسری مرتبہ کے پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ دیکھو انسان کے خاص پانی کے قطرے تو عورت کے بچہ دان میں پہنچ جاتے ہیں اتنا کام تو تمہارا تھا لیکن اب ان قطروں کو بصورت انسان پیدا کرنا یہ کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ تمہارا اس میں کوئی دخل نہیں کوئی ہاتھ نہیں کوئی قدرت نہیں کوئی تدبیر نہیں، پیدا کرنا یہ صفت صرف خالق کل اللہ رب العزت کی ہی ہے ٹھیک اسی طرح مار ڈالنے پر بھی وہی قادر ہے۔ کل آسمان وزمین والوں کی موت کا متصرف بھی اللہ ہی ہے۔ پھر بھلا اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کیا یہ نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن تمہاری پیدائش میں تبدیلی کر کے جس صفت اور جس حال میں چاہے تمہیں از سر نو پیدا کر دے۔ پس جبکہ جانتے ہو مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش اسی نے کی ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ پہلی پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے مشکل ہے پھر دوسری پیدائش کا انکار کیوں کرتے ہو؟ یہی اور جگہ ہے آیت (وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَـلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُه وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ، الروم: 27) اللہ ہی نے پہلی پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ دوہرائے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے، سورۂ یاسین میں آیت (اولم یر الانسان) سے علیم) تک ارشاد فرمایا یعنی ہم انسان کو نطفے سے پیدا کرتے ہیں پھر وہ حجت بازیاں کرنے لگتا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگتا ہے۔

اور کہتا پھرتا ہے ان بوسیدہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا تم اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف سے جواب دو کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلے پہل پیدا کیا ہے وہ ہر پیدائش کا علم رکھنے والا ہے سورۂ قیامہ میں فرمایا آیت (اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ، القیامۃ: 36) سے آخر سورۃ تک یعنی کیا انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اسے یونہی آوارہ چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا یہ ایک غلیظ پانی کے نطفے کی شکل میں نہ تھا، پھر خون کے لوتھڑے کی صورت میں نمایا ہوا تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا درست کیا مرد عورت بنایا ایسا اللہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ واقعہ، بیروت)

انسان کی تخلیق سے استدلال بعث کا بیان

انسان کی خلقت کے بارے میں دعوتِ غور فکر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگوں نے کبھی اس بارے میں بھی غور وفکر سے کام لیا کہ جو منی تم گراتے ہو کیا اس سے بچہ تم لوگ پیدا کرتے ہو یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں؟ اور ظاہر ہے کہ اس کو جواب ایک اور یقیناً ایک ہی ہے، کہ یہ سب کچھ از اول تا آخر ہماری ہی قدرت وکارستانی کا نتیجہ ہے، ورنہ تمہیں تو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ نطفہءِ منی اور قطرہءِ آب کہاں پہنچا اور بطنِ مادر میں اس پر کیا کچھ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، اور وہ قطرہ آب کن کن مرحلوں سے گزرتا ہے اور خود اس ماں کو بھی اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی جس کے پیٹ کے اندر اور اس کے رحم میں یہ سب کچھ ہو رہا ہوتا ہے۔ سو جب ہم اس طرح تمہیں ابتداءً نعمت وجود بخش سکتے ہیں تو پھر دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتے؟ اور جب تمہیں اس بات کا اقرار واعتراف ہے کہ پہلی مرتبہ ہم پیدا کرتے اور عدم سے وجود میں ہم ہی لاتے ہیں، تو پھر ہماری طرف سے دوبارہ پیدا کیے جانے اور " بعث بعد الموت " کا آخر تم لوگ کیوں کیسے انکار کرتے ہو، سو تمہارا یہ وجود بذات خود بعث بعد الموت پر دلیل اور اس کا ایک بین اور واضح ثبوت ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ واقعہ، بیروت)

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ۝
عَلَىٰٓ اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝
ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں
اور تمہیں اس عالم میں دوبارہ ایجاد کر دیں جسے تم جانتے بھی نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا انسانوں کیلئے موت کو مقدر کر دینے کا بیان

"نَحْنُ قَدَّرْنَا" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف "بَيْنَكُمُ الْمَوْت وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ" بِعَاجِزِينَ "عَلَى" عَنْ "أَنْ نُبَدِّل" نَجْعَل "أَمْثَالكُمْ" مَكَانكُمْ "وَنُنْشِئكُمْ" نَخْلُقكُمْ "فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ" مِنْ الصُّوَر كَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِير،

ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے۔ یہاں پر لفظ قدرنا یہ تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں یعنی تمہاری طرح اور لوگوں کو تمہاری جگہ پیدا کرنے سے ہم عاجز نہیں ہے۔ اور تمہیں اس عالم میں دوبارہ ایجاد کر دیں جسے تم جانتے بھی نہیں ہو۔ جس طرح بندر اور خنازیر کی صورتیں ہیں۔

یعنی حسبِ اقتضائے حکمت ومشیت اور عمریں مختلف رکھیں کوئی بچپن میں ہی مر جاتا ہے، کوئی جوان ہو کر، کوئی ادھیڑ عمر میں کوئی بڑھاپے تک پہنچتا ہے جو ہم مقدر کرتے ہیں وہی ہوتا ہے۔

انسان پر تقدیر کے غالب آ جانے کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صادق ومصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا نطفہ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع رہتا ہے پھر اسی میں جما (پھٹکی بنا ہوا) ہوا خون اتنی مدت رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کا رزق، عمر، عمل اور شقی یا سعید ہونا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک تم میں سے کوئی اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ اہل جہنم کا سا عمل کر لیتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے کوئی اہل جہنم جیسے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ اہل جنت والا عمل کر لیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2222)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ۝
ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ۝
اور تم پہلی خلقت کو تو جانتے ہو تو پھر اس میں غور کیوں نہیں کرتے ہو اس دانہ کو بھی دیکھا ہے جو تم زمین میں
بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔

زمین میں دانہ بیجنے والے کا اگانے والے کی طرف نظر کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ النَّشْأَة الْأُولَى" وَفِي قِرَاءَة بِسُكُونِ الشِّين "فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ" فِيهِ إدْغَام التَّاء الثَّانِيَة فِي الْأَصْل فِي الذَّال "أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ" تُثِيرُونَ فِي الْأَرْض وَتُلْقُونَ الْبَذْر فِيهَا "أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ" تُنْبِتُونَهُ،

اور تم پہلی خلقت کو تو جانتے ہو، یہاں پر لفظ نشاء ایک قرأت میں شین کے سکون کے ساتھ آیا ہے۔ تو پھر اس میں غور کیوں نہیں کرتے ہو۔ یہاں پر لفظ تذکرون میں تائے ثانیہ کو اصل میں ذال میں ادغام کیا گیا ہے۔ اس دانہ کو بھی دیکھا ہے جو تم زمین میں بوتے ہو، یعنی جسے تم زمین میں پھینک دیتے ہو۔ اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔

یعنی تم یہ تو جانتے ہی ہو کہ پہلے تم کیسے پیدا کیے گئے تھے۔ کس طرح باپ کی صُلب سے وہ نطفہ منتقل ہوا جس سے تم وجود میں آئے کس طرح رحم مادر میں، جو قبر سے کچھ کم تاریک نہ تھا، تمہیں پرورش کر کے زندہ انسان بنایا گیا۔ کس طرح ایک ذرہ بے مقدار کو نشو ونما دے کر یہ دل و دماغ، یہ آنکھ کان اور یہ ہاتھ پاؤں اس میں پیدا کیے گئے اور عقل وشعور، علم وحکمت، صنعت وایجاد اور تدبیر و تسخیر کی یہ حیرت انگیز صلاحیتیں اس کو عطا کی گئیں۔ کیا یہ معجزہ مردوں کو دوبارہ جلا اٹھانے سے کچھ کم عجیب ہے۔؟ اس عجیب معجزے

کو جب تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور خود اس کی زندہ شہادت کے طور پر دنیا میں موجود ہو تو کیوں اس سے یہ سبق نہیں سیکھتے کہ جس خدا کی قدرت سے یہ معجزہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔؟

تخلیق انسانی میں غور وفکر کرنے کا بیان

تخلیق انسانی کے معاملے میں انسان کی غفلت اور اسباب طبعیہ کے پردہ میں الجھ کر اصل خالق و مالک سے بے خبر ہونے کا پردہ چاک کرنے کے بعد اس کی غذا جو اس کی زندگی کا مدار ہے اس کی حقیقت اسی انداز سے ظاہر فرمائی کہ سوال کیا کہ تم جو کچھ زمین میں بیج بوتے ہو ذرا غور تو کرو کہ اس بیج میں سے درخت پیدا کرنے میں تمہارے عمل کا کیا اور کتنا دخل ہے، غور کرو گے تو جواب اس کے سوا نہ ملے گا کہ کاشتکار کا دخل اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ اس نے زمین کو ہل چلا کر پھر کھاد ڈال کر نرم کر دیا کہ جو ضعیف کونپل اس دانہ سے پیدا ہو کر اوپر آنا چاہئے اس کی راہ میں زمین کی سختی رکاوٹ نہ بنے بیج بونے والے انسان کی ساری کوشش اسی ایک نقطہ کے گرد دائر ہے اور جب درخت نمودار ہو جائے تو اس کی حفاظت پر یہ کوشش لگ جاتی ہے، لیکن ایک دانہ کے اندر سے درخت نکال لانا نہ اس کے بس کا ہے، نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے یہ درخت بنایا ہے، تو پھر وہی سوال آتا ہے کہ منوں مٹی کے چھیر میں پڑے ہوئے دانے کے اندر سے یہ خوبصورت اور ہزاروں فوائد پر مشتمل درخت کس نے بنایا؟ تو جواب اس کے سوا کیا ہے کہ وہی مالک و خالق کائنات کی قدرت کاملہ اور صنعت عجیبہ اس کی بنانے والی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ واقعہ، بیروت)

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ○
اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤ۔
کہ ہم تو بڑے گھاٹے میں رہے۔ بلکہ ہم تو محروم ہی رہ گئے۔

زمین پر بیج دیئے جانے سے رزق ہونے نہ ہونے کا بیان

"لَوْ نَشَاء لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا" نَبَاتًا يَابِسًا لَا حَبَّ فِيهِ "فَظَلْتُمْ" أَصْله ظَلِلْتُمْ بِكَسْرِ اللَّام حُذِفَتْ تَخْفِيفًا أَيْ أَقَمْتُمْ نَهَارًا "تَفَكَّهُونَ" حُذِفَتْ مِنْهُ إِحْدَى التَّاءَيْنِ فِي الْأَصْل تَعْجَبُونَ مِنْ ذَلِكَ وَتَقُولُونَ: "إِنَّا لَمُغْرَمُونَ" نَفَقَة زَرْعنَا "بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ" مَمْنُوعُونَ رِزْقنَا،

اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں یعنی اس کو خشک کر دیں کہ ایک دانہ بھی اس میں نہ ہو۔ پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤ۔ یہاں پر لفظ ظلتم اصل میں ظللتم تھا لام کے کسرہ کو تخفیف کے پیش نظر حذف کر دیا جس کا معنی اقمتم ہوا۔ اور تفکھون میں دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یعنی تم تعجب کرتے ہو اور کہتے ہو۔ کہ ہم تو بڑے گھاٹے میں رہے بلکہ ہم تو محروم ہی رہ گئے۔ یعنی ہم رزق سے محروم رہ گئے۔

یعنی تمہارا کام صرف زمین میں بیج ڈالنا ہے پھر اس کے بعد زمین کی تاریکیوں میں اس بیج پر جو تخلیقی مراحل آتے ہیں یا جو

تغیرات واقع ہوتے ہیں ان کا نہ تمہیں علم ہے اور نہ ان میں کچھ تمہارا عمل دخل ہے۔ دانہ سے نازک سی کونپل کیسے بنتی ہے؟ پھر اس نازک سی کونپل میں اتنا زور کہاں سے آتا ہے کہ وہ زمین کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہے بیج بے جان اور مردہ تھا۔ اس سے جاندار نباتات پیدا ہو گئی جو پھلتی پھولتی اور بڑھتی ہے اور تمہارے لیے رزق کا سامان مہیا کرتی ہے اب دیکھئے لاکھوں کی تعداد میں مردہ بیج زمین کے پیٹ میں دفن کیے جاتے ہیں۔ پھر اسی زمین کے قبرستان سے وہی مردہ بیج نئی زندگی اور نئی آن بان سے تمہارے سامنے پیدا ہو رہے ہیں پھر بھی تمہیں اس بات میں شک ہے کہ تم زمین میں دفن ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کیے اور زمین سے نکالے نہیں جاسکتے؟

اَفَرَءَ یْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ○ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ○
لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰـهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ○ اَفَرَءَ یْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ○
کیا تم نے اس پانی کو دیکھا ہے جس کو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں اگر ہم چاہتے
تو اسے کھارا بنا دیتے تو پھر تم ہمارا شکریہ کیوں نہیں ادا کرتے ہو کیا تم نے اس آگ کو دیکھا ہے جسے لکڑی سے نکالتے ہو۔

سبز درخت سے نکلنے والی آگ کا بیان

"أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ" السَّحَاب جَمْع مُزْنَة "لَوْ نَشَاء جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا" مِلْحًا لَا يُمْكِن شُرْبه "فَلَوْلَا" هَلَّا "أَفَرَأَيْتُمْ النَّار الَّتِي تُورُونَ" تُخْرِجُونَ مِنَ الشَّجَر الْأَخْضَر،

کیا تم نے اس پانی کو دیکھا ہے جس کو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں۔ یہاں پر لفظ مزن جو مزنہ کی جمع ہے۔ جس کا معنی بادل ہے۔ اگر ہم چاہتے تو اسے کھارا بنا دیتے جو تمہارے لئے پینا ممکن نہ ہوتا۔ تو پھر تم ہمارا شکریہ کیوں نہیں ادا کرتے ہو کیا تم نے اس آگ کو دیکھا ہے جسے لکڑی سے نکالتے ہو۔ یعنی جو سبز درخت سے نکلتی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لونشاء جملہ شرطیہ ہے۔ جعلنہ اجاجا جواب شرط۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب المزن کی طرف راجع ہے۔ اجاجا مفعول ثانی جعلنا کا سخت گرم اور سخت کھاری پانی۔ اج ج مادہ۔ اور جگہ قرآن مجید میں آیا ہے: ھذا عذب فرات و ھذا ملح اجاج ،ایک کا پانی شیریں ہے پیاس بجھانے والا۔ اور دوسرے کا کھاری چھاتی جلانے والا۔

یہ اجاج: اجیج النار (شعلہ نار یا اس کی شدید تپش اور حرارت) واجتھا وقد اجت (میں نے آگ بھڑکائی اور ہو بھڑک اٹھی) وغیرہ محاورات سے ماخوذ ہے۔ فلولا: فھلا پھر کیوں نہیں۔ ف سببیہ ہے۔ نیز ملاحظہ ہو آیت 57 متذکرہ الصدر۔ تشکرون: مضارع جمع مذکر حاضر۔ شکر (باب نصر) مصدر سے۔ تم شکر کرتے ہو۔ تم احسان مانتے ہو۔

آگ کے سبب نصیحت حاصل کرنے کا بیان

درخت سے مراد یا تو وہ درخت ہیں جن سے آگ جلانے کے لیے لکڑی فراہم ہوتی ہے، یا مرخ اور عفار نامی وہ درخت ہیں

جن کی ہری بھری ٹہنیوں کو ایک دوسرے پر مار کر قدیم زمانے میں اہل عرب آگ جھاڑا کرتے تھے۔

ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں میں تمام مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے آگ گھاس اور پانی۔ ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ ایک روایت میں ان کی قیمت کا ذکر بھی ہے۔

پھر فرماتا ہے تم سب کو چاہیئے کہ اس بہت بڑی قدرتوں کے مالک اللہ کی ہر وقت پاکیزگی بیان کرتے رہو جس نے آگ جیسی جلا دینے والی چیز کو تمہارے لئے نفع دینے والی بنا دیا۔ جس نے پانی کو کھاری اور کڑوا نہ کر دیا کہ تم پیاس کے مارے تکلیف اٹھاؤ بلکہ اسے میٹھا صاف شفاف اور مزیدار بنایا، دنیا میں رب کی ان نعمتوں سے فائدے اٹھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ تو پھر آخرت میں بھی فائدے ہی فائدے ہیں دنیا میں یہ آگ اس نے تمہارے فائدہ کے لئے بنائی ہے اور ساتھ ہی اس لئے کہ آخرت کی آگ کا بھی اندازہ تم کر سکو اور اس سے بچنے کے لئے اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ واقعہ، بیروت)

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ○ نَحْنُ جَعَلْنٰـهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ○
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ○
اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے اسے یاد دہانی کا ذریعہ اور مسافروں
کے لئے نفع کا سامان قرار دیا ہے اب آپ اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کریں۔

درختوں کی تخلیق سے استدلال قدرت کا بیان

"ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا" كَالْمَرْخِ وَالْعَفَار والكلخ "نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً" لِنَارِ جَهَنَّم "وَمَتَاعًا" بِلْغَةٍ "لِّلْمُقْوِينَ" لِلْمُسَافِرِينَ مِنْ أَقْوَى الْقَوْم : أَيْ صَارُوا بالقوا بِالْقَصْرِ وَالْمَدّ أَيْ الْقَفْر وَهُوَ مَفَازَة لَا نَبَات فِيهَا وَلَا مَاء "فَسَبِّحْ" نَزِّهْ "بِاسْمِ" زَائِدَة "رَبِّك الْعَظِيم" اللّٰه،

اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں۔ جس طرح مرخ، عفار اور کلخ ہے۔ ہم نے اسے یاد دہانی کا ذریعہ یعنی جہنم کی آگ کو اور مسافروں کے لئے نفع کا سامان قرار دیا ہے۔ یہاں پر مقوین یہ من اقوی القوم سے مشتق ہے۔ یعنی وہ طاقت والا ہو گیا اور یہ قصر کے ساتھ آیا ہے اور مد کے ساتھ جیسے قفر یعنی ایسا جنگل جس میں کوئی پانی شافی نہ ہو۔ اب آپ اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح یعنی اس کی پاکی بیان کریں۔ یہاں پر لفظ اسم زائدہ ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

جعلنا ھا۔ میں ضمیر ھا واحد مونث غائب النار کے لئے ہے۔ تذکرۃ: یاد دہانی۔ نصیحت، یاد کرنے کی چیز، بروزن تفعلۃ (باب تفعیل) کا مصدر ہے۔ جعلنا کا مفعول ثانی۔ ومتاعا فائدہ اور تمتع کی چیز۔ اسباب خانہ۔ جمع امتعۃ۔ کلام کے وزن پر۔ باب تفعیل سے مصدر ہے۔ جعلنا کا مفعول ثالث۔

المقوین: اسم فاعل جمع مذکر۔ مجرور۔ المقوی واحد۔ اقواء (افعال) مصدر قواء یا قوۃ ماخذ۔ اس لفظ کے ترجمہ میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔مقوین کا ترجمہ کیا گیا ہے مسافر۔ یہ لفظ قواء سے مشتق ہے قواء کا معنی ہے ویران، بیابان۔ جہاں کوئی عمارت نہ ہو۔ آبادی سے دور۔ سو مسافروں کو بہ نسبت اہل اقامت آگ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ درندوں اور جنگلی جانوروں سے حفاظت کے لئے وہ اکثر اوقات رات کو آگ روشن رکھتے ہیں (کہیں ٹیلے یا پہاڑی پر) آگ جل رہی ہو تو مسافروں کو راستہ مل جاتا ہے۔ پھر سردی کی وجہ سے ان کو تاپنے کی اور جسم کو سینکنے کی بھی زیادہ ضرورت پڑتی ہے اسی لئے مسافروں کے لئے فائدہ رساں ہونے کا ذکر کیا۔ اکثر اہل تفسیر نے مقوین کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ ہم نے ہی اس کو مسافروں کے لئے نصیحت اور فائدہ مند چیز بنایا۔

مقوین، اقواء سے مشتق ہے اور وہ قواء بمعنی صحرا سے مشتق ہے، مقوی کے معنے ہوئے صحرا میں اترنے والا، مراد اس سے مسافر ہے جو جنگل میں کہیں ٹھہر کر اپنے کھانے کے انتظام میں لگا ہو اور مراد آیت کی یہ ہے کہ یہ سب تحقیقات ہماری ہی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہیں۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ۝ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ۝ فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ۝
تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں۔ اور اگر تم سمجھو تو بیشک یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بیشک یہ بڑی عظمت والا
قرآن ہے (جو بڑی عظمت والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتر رہا ہے)۔ ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

نجوم کی قسم کو عظیم کہنے کا بیان

"فَلَا أُقْسِم" لَا زَائِدَة "بِمَوَاقِعِ النُّجُوم" بِمَسَاقِطِهَا لِغُرُوبِهَا "وَإِنَّهُ" أَيْ الْقَسَم بِهَا "لَقَسَم لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيم" لَوْ كُنْتُمْ مِنْ ذَوِي الْعِلْم لَعَلِمْتُمْ عِظَم هَذَا الْقَسَم "إِنَّهُ" أَيْ الْمَتْلُوّ عَلَيْكُمْ "فِي كِتَاب" مَكْتُوب "مَكْنُون" مَصُون وَهُوَ الْمُصْحَف،

تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں۔ یہاں پر حرف لا یہ زائدہ ہے۔ یعنی وقت غروب جہاں تارے گرتے ہیں۔ اور اگر تم سمجھو تو بیشک یہ بہت بڑی قسم ہے۔ یعنی اگر تمہیں اس کی قسم کی عظمت کا علم ہو جائے۔ بیشک یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے (جو بڑی عظمت والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتر رہا ہے)۔ ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی پاکیزہ کلام اور وہ مصحف ہے۔

ستاروں کو مؤثر ماننے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بارش ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ شکر کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں اور کچھ لوگ ناشکری کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں شکر

گزاروں نے کہا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے اور ناشکروں نے کہا کہ ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (فَلَا اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ، الواقعہ:75) میں ستاروں کے گرنے کی جگہ کی قسم کھاتا ہوں یہاں تک پہنچے (اَنَّكُم تُكَذِّبُونَ) تم جھوٹ اور باطل کو اپنا رزق بتاتے ہو۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 236)

مواقع نجوم کے مفہوم کا بیان

لفظ لاقسم کے شروع میں ایک عام محاورہ ہے، جیسے لا واللہ اور جاہلیت کی قسموں میں لا وابیک مشہور ہے، بعض حضرات نے اس حرف لا کو زائد قرار دیا ہے اور بعض نے اس کی توجیہ یہ کی کہ اس موقع پر حرف لا مخاطب کے گمان کی نفی کے لئے ہوتا ہے، یعنی لیس کما تقول، یعنی جیسا تم کہتے اور سمجھتے ہو وہ بات نہیں، بلکہ حقیقت وہ ہے جو آگے قسم کھا کر بتلائی جاتی ہے۔

مواقع، موقع کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ یا وقت، اس آیت میں ستاروں کی قسم کو غروب کے وقت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، جیسے سورہ نجم میں بھی وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى میں بھی وقت غروب کی قید ہے، اس قید کی حکمت یہ ہے کہ غروب کے وقت ہر ستارے کے عمل کا اس افق سے انقطاع نظر آتا ہے اور اس کے آثار کی فنا کا مشاہدہ ہوتا ہے جس سے ان کا حادث اور قدرت الٰہیہ کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ واقعہ، بیروت)

ستاروں کی تاثیر کا بیان

حضرت ابوبردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعری) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی حضرت ابوموسی نے بیان کیا کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر (وحی کے انتظار میں) آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور پھر فرمایا: ستارے آسمان کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہیں جس وقت یہ ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان کے لئے وہ چیز آجائے گی جو موعود ومقدر ہے۔ میں اپنے صحابہ کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہوں، جب میں (اس دنیا سے) چلا جاؤں گا۔

تو میرے صحابہ میری امت کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہیں جب میرے صحابہ (اس دنیا سے) رخصت ہو جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز آپڑے گی جو موعود ومقدر ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 615)

ستارے" کا لفظ سورج اور چاند کو بھی شامل ہے۔ اور ستاروں کے جاتے رہنے" سے مراد سورج، چاند اور تمام ستاروں کا بے نور ہو جانا ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑنا اور معدوم ہو جانا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ اذا الشمس کورت و اذا النجوم انکدرت جب (قیامت کے دن) آفتاب بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ "" آسمان کے لئے جو چیز موعود ومقدر ہے" سے مراد قیامت کے دن آسمانوں کا پھٹ جانا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑنا ہے، اس کی خبر قرآن کریم نے اذا السماء انفطرت (جب آسمان پھٹ جائے گا) اور اذا السماء انشقت (جب آسمان ٹکڑے ٹکڑے

ہو جائے گا) الفاظ میں دی ہے۔ صحابہ کے لئے موعود و مقدر چیز" سے مراد فتنہ و فساد، اختلاف و نزاعات باہمی جنگ و جدل اور بعض اعرابی قبائل کا مرتد ہو جانا اسی طرح "امت کے لئے موعود و مقدر چیز" سے مراد بد اعتقادی و بد عملی کے فتنوں کا امنڈ پڑنا، بدعات کا زور ہو جانا، مسلمانوں پر دینی و ملی سانحات و حادثات کا واقع ہونا، اہل خیر و برکت کا اس دنیا سے اٹھ جانا، اہل شر کا باقی رہنا اور ان (اہل شر) پر قیامت قائم ہونا، پس اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل خیر کا وجود شر کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے، جب اہل خیر اٹھ جاتے ہیں تو شر کو در آنے کا موقع مل جاتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے شر سے حفاظت کا مکمل ضامن تھا، کسی بھی معاشرے میں فتنہ کی ابتداء مختلف الذہن اور مختلف الخیال لوگوں کی باہمی آویزش اور ایک دوسرے کے خلاف رائے ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلو بیان فرما دیتے جو حقیقت کے مطابق ہوتا اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی پر جم جاتے تھے۔ اسی صورت میں کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو صورت حال مختلف ہوگئی۔ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم مسلمانوں کی کثرت ہوتی گئی خود رائی کا رجحان پیدا ہونے لگا اور چونکہ اس خود رائی کی بنیاد ذاتی اغراض اور نفسیاتی خواہشات ہوتی تھی اس لئے فتنہ و فساد جنم لینے لگے، وہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی تعداد موجود تھی جو کسی بھی معاملہ میں اپنی ذاتی خواہش اور رجحان کو اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ ہر معاملہ اور ہر مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل اور یا دلالت حال سے استناد کرتے تھے اور ذات رسالت پناہ کی صحبت و رفاقت کے انوار سے بھرپور تھے، اس لئے ان کا وجود بہر حال اتنا باعث خیر و برکت تھا کہ فتنوں اور برائیوں کے اندھیرے زیادہ پھیلنے نہیں پائے لیکن جب ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وجود بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو انوار و برکات میں بہت ہی کمی آگئی اور تاریکیوں کو بڑھنے پھیلنے کا موقع مل گیا۔

اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستاروں اور آسمان کی مثال کے ذریعہ پہلے سے بیان فرما دیا تھا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ آسمان کا وجود اسی وقت تک ہے جب تک چاند سورج اور ستارے اپنی ضیا پاشیوں کے ساتھ موجود ہیں جب یہ ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان کے وجود کے خاتمہ کا وقت آجائے اور جب آسمان کا وجود ختم ہو جائے گا تو پوری کائنات اپنے عدم کی تاریکی میں گم ہو جائے گی۔ پس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان ستاروں کی مانند ہیں جن کے وجود سے کائنات کو روشنی ملتی ہے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں جس کی بھی اقتدا کرو گے راہ یاب ہو گے۔

لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ۝

اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوئے گا۔ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ سو کیا تم اسی کلام کی تحقیر کرتے ہو۔

قرآن مجید کو چھونے کیلئے وجوب طہارت کا بیان

"لَا يَمَسُّهُ" خبر بمعنى النهي "إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ" الَّذِينَ طَهَّرُوا أَنْفُسَهُمْ مِنَ الْأَحْدَاث "تَنْزِيل" مُنَزَّل "أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ" الْقُرْآن "أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ" مُتَهَاوِنُونَ مُكَذِّبُونَ،

اس کو پاک طہارت والے لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوئے گا۔ یہاں پر خبر بہ معنی نہی ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ احداث سے پاک کرلیا ہو۔ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا گیا قرآن ہے۔ سو کیا تم اسی کلام کی تحقیر کرتے ہو۔ یعنی تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔

یہاں دو مسئلے غور طلب اور ائمہ تفسیر میں مختلف فیہ ہیں، اول یہ کہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے اس جملے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ جس کتاب کی ایک صفت مکنون آئی یہ جملہ اسی کتاب کی دوسری صفت ہے اور ضمیر لایمسہ کی اسی کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوتے ہیں کتاب مکنون یعنی لوح محفوظ کو سوائے پاک لوگوں کے اور کوئی نہیں چھو سکتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مطہرون کی مراد صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں، جن کی رسائی لوح محفوظ تک ہو سکے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں لفظ مس اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں نہیں لیا جا سکتا، بلکہ مس کرنے اور چھونے کے مجازی اور لازمی معنی مراد لینے ہوں گے، یعنی لوح محفوظ میں لکھے ہوئے مضامین پر مطلع ہونا کیونکہ لوح محفوظ کو ہاتھ سے چھونا کسی مخلوق فرشتے وغیرہ کا کام نہیں۔ (قرطبی)

دوسرا احتمال اس جملے کی ترکیب نحوی میں یہ ہے کہ اس کو قرآن کی صفت بنایا جائے جو اوپر اِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ میں مذکور ہے اس صورت میں لایمسہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوگی اور اس سے مراد وہ صحیفہ ہوگا جس میں قرآن لکھا ہوا ہو اور لفظ مس اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں رہے گا، مجاز کی ضرورت نہ ہوگی، اسی لئے قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس کو ترجیح دی ہے اور امام مالک نے فرمایا کہ آیت لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تفسیر میں کچھ میں نے سنا ہے ان سب میں بہتر یہ قول ہے کہ اس کا وہی مفہوم ہے جو سورہ عبس کی آیت کا ہے یعنی فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ مَرْفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ (قرطبی و روح المعانی)

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جملہ کتاب مکنون کی صفت نہیں بلکہ قرآن کی صفت ہے اور قرآن سے مراد وہ صحیفے ہیں جو وحی لانے والے فرشتوں کے ہاتھ میں دیئے جاتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ غور طلب اور مختلف فیہ اس آیت میں یہ ہے کہ مطہرون سے کون مراد ہیں، صحابہ و تابعین اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک مطہرون سے مراد فرشتے ہیں جو معاصی اور رذائل سے پاک و معصوم ہیں، یہ قول حضرت انس اور سعید بن جبیر سے منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ واقعہ، بیروت)

حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ قرآن سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور مطہرون سے مراد وہ لوگ ہیں جو نجاست ظاہری اور معنوی یعنی حدث اصغر و اکبر سے پاک ہوں، حدث اصغر کے معنی بے وضو ہونے کے ہیں، اس کا ازالہ وضو کرنے سے ہو جاتا ہے اور حدث اکبر جنابت اور حیض و نفاس کو کہا جاتا ہے جس سے پاکی کے لئے غسل ضروری ہے، یہ تفسیر حضرت عطاء، طاؤس، سالم اور حضرت محمد باقر سے منقول

ہے۔(روح)

اس صورت میں جملہ لایمسہ اگر چہ جملہ خبریہ ہے مگر اس خبر کو بحکم انشاء یعنی نہی وممانعت کے معنی میں قرار دیا جائے گا اور مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مصحف قرآن کو چھونا بغیر طہارت کے جائز نہیں اور طہارت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ ظاہری نجاست سے بھی اس کا ہاتھ پاک ہو اور بے وضو بھی نہ ہو اور حدث اکبر یعنی جنابت بھی نہ ہو، قرطبی نے اسی تفسیر کو اظہر فرمایا ہے، تفسیر مظہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے۔

حضرت فاروق اعظم کے اسلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انہوں اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو اوراق قرآن کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اوراق قرآن ان کے ہاتھ میں دینے سے انکار کیا کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا، فاروق اعظم نے مجبور ہو کر غسل کیا، پھر یہ اوراق پڑھے، اس واقعہ سے بھی اسی آخری تفسیر کی ترجیح ہوتی ہے اور روایات حدیث جن میں غیر طاہر کو قرآن کے چھونے سے منع کیا گیا ہے، ان روایات کو بھی بعض حضرات نے اس آخری تفسیر کی ترجیح کے لئے پیش کیا ہے۔

مگر چونکہ اس مسئلے میں حضرت ابن عباس اور حضرت انس وغیرہ کا اختلاف ہے جو اوپر آچکا ہے، اس لئے بہت سے حضرات نے بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کی ممانعت کے مسئلے میں آیت مذکورہ سے استدلال چھوڑ کر صرف روایات حدیث کو پیش کیا (روح المعانی) وہ احادیث یہ ہیں۔

امام مالک نے مؤطاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھا تھا، جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے لایمس القران الا طاھر (ابن کثیر) یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو طاہر نہ ہو۔

اور روح المعانی میں روایت مسند عبدالرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے اور طبرانی وابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لا یمس القران الا طاھر** (روح المعانی) یعنی قرآن کو ہاتھ نہ لگائے بجز اس شخص کے جو پاک ہو۔

مس قرآن کیلئے شرط طہارت میں فقہی مذاہب اربعہ

روایات مذکورہ کی بناء پر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت شرط ہے اس کے خلاف گناہ ہے، ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، باوضو ہونا، حالت جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے، حضرت علی مرتضٰی، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید ابن زید، عطاء اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ سب کا یہی مسلک ہے، اوپر جو اختلاف اقوال نقل کیا گیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث مذکورہ سے ثابت اور جمہور امت کے نزدیک مسلم ہے، کیا یہ بات قرآن کی آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے یا نہیں، بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم اور احادیث مذکورہ کا مفہوم ایک قرار دیا اور اس آیت اور احادیث مذکورہ کے مجموعہ سے اس مسئلہ کو ثابت کیا، دوسرے حضرات نے آیت کو استدلال میں

پیش کرنے سے بوجہ اختلاف صحابہ احتیاط کی، لیکن احادیث مذکورہ کی بناء پر مسلک سب نے یہی اختیار کیا کہ بے وضوء بے طہارت قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، اس لئے خلاف مسئلے میں نہیں، بلکہ اس کی دلیل میں ہوا ہے۔ قرآن مجید کا غلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہوا ہو وہ بھی بحکم قرآن ہے، اس کو بھی بغیر وضوء بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا باتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے، البتہ قرآن مجید کا جز دان جو علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے اگر اس میں قرآن بند ہے تو اس جز دان کے ساتھ قرآن کریم کو ہاتھ لگنا بلا وضوء ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، مگر امام مالک اور شافعی کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ واقعہ، لاہور)

وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۝ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ۝ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ۝
اور تم اپنا حصہ یہ ٹھہراتے ہو کہ بے شک تم جھٹلاتے ہو۔ پھر کیوں نہیں، جب وہ حلق تک آ پہنچتی ہے۔
اور تم اس وقت دیکھتے ہی رہ جاتے ہو۔

میت کی پرواز روح کے وقت لوگوں کے دیکھتے ہی رہ جانے کا بیان

"وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ" مِنَ الْمَطَرِ أَيْ شُكْرَه "أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ" بِسُقْيَا اللّٰه حَيْثُ قُلْتُمْ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا "فَلَوْلَا" فَهَلَّا "إِذَا بَلَغَتْ" الرُّوح وَقْت النَّزْع "الْحُلْقُوم" هُوَ مَجْرَى الطَّعَام "وَأَنْتُمْ" يَا حَاضِرِي الْمَيِّت "حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ" تَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ

اور تم بارش سے یعنی اس کے شکر سے اپنا حصہ یہ ٹھہراتے ہو کہ بے شک تم جھٹلاتے ہو۔ یعنی سیراب اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور تم کہتے ہو کہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پھر کیوں نہیں روح کو واپس لوٹا لیتے جب وہ وہ وقت نزع پرواز کرنے کے لئے حلق تک آ پہنچتی ہے۔ اور حلقوم جہاں سے کھانا گزرتا ہے۔ اور تم اس وقت موجود میت کو دیکھتے ہی رہ جاتے ہو۔

سورت واقعہ آیت ۸۲ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ، اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو)۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے رزق کا شکر یوں ادا کرتے ہو کہ تم کہتے ہو کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے، سفیان یہ حدیث عبدالاعلی سے اسی سند سے غیر مرفوع روایت کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1243)

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ
غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝
اور ہم اس سے تمہاری نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں ہو۔ پھر کیوں نہیں،
اگر تم کسی کی مِلک واختیار میں نہیں ہو۔ تم اسے واپس لے آتے، اگر تم سچے ہو۔

میت کی روح کو نہ روک سکنے سے استدلال بعث کا بیان

"وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ" بِالْعِلْمِ "وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ" مِنَ الْبَصِيرَةِ أَيْ لَا تَعْلَمُونَ ذَلِكَ "فَلَوْلَا" فَهَلَّا "إِنْ كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ" مَجْزِيِّينَ بِأَنْ تُبْعَثُوا أَيْ غَيْرَ مَبْعُوثِينَ بِزَعْمِكُمْ، "تَرْجِعُونَهَا" تَرُدُّونَ الرُّوحَ إِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ بُلُوغِ الْحُلْقُومِ "إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ" فِيمَا زَعَمْتُمْ فَلَوْلَا الثَّانِيَةُ تَأْكِيدٌ لِلْأُولَى وَإِذَا ظَرْفٌ لِتَرْجِعُونَ الْمُتَعَلِّقِ بِهِ الشَّرْطَانِ وَالْمَعْنَى: هَلَّا تَرْجِعُونَهَا إِنْ نَفَيْتُمُ الْبَعْثَ صَادِقِينَ فِي نَفْيِهِ أَيْ لِيَنْتَفِيَ عَنْ مَحِلِّهَا الْمَوْتُ كَالْبَعْثِ،

اور ہم اس مرنے والے سے تمہاری نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم ہمیں دیکھتے نہیں ہو۔یعنی تمہارے پاس ہمیں جاننے کیلئے بصیرت نہیں ہے۔پھر کیوں نہیں ایسا کر سکتے اگر تم کسی کی مِلک واختیار میں نہیں ہو۔یہ کہ تم اس کو دوبارہ لے آؤ۔یعنی تمہارے نظریے کے مطابق تم زندہ ہو کر دوبارہ آنے والے نہیں ہو۔تم اسے یعنی اس روح کو حلقوم تک پہنچنے کے بعد واپس جس میں لے آتے ،اگر تم اپنے نظریے میں سچے ہو۔یہاں پر لولا ثانی یہ اول کی تاکید کیلئے آیا ہے۔اور لفظ اذا یہ ظرف کیلئے آیا ہے اور ترجعون سے دو شرائط متعلق ہیں۔جن کا معنی یہ ہے اگر تم بعث کی نفی کرنے میں سچے ہو تو تم اس کو کیوں نہیں لوٹا سکتے۔تا کہ موت اپنے محل سے ختم ہو جائے۔جیسا کہ تمہارے لئے بعث ہے۔

دین کا ایک معنی قانون جزا وسزا بھی ہے اور اس قانون کے مطابق اچھے اور برے اعمال کی جزا اور سزا دینا بھی۔ان چند آیات میں مرنے والے اور اس کے عزیز و اقارب سب کی انتہائی بے بسی کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ایک طرف مرنے والا ہے جسے اپنی جان بچانا سب باتوں سے زیادہ عزیز ہے۔پھر اس کے ساتھ اس کے عزیز و اقارب ہیں جنہوں نے اس کے علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور چاہتے ہیں کہ اس کی جان بچ جائے۔دوسری طرف اللہ کے فرشتے ہوتے ہیں جو اس کی روح قبض کرنے آتے ہیں۔پھر دیکھ لو غالب کون رہتا ہے اور مغلوب کون؟ اللہ تعالیٰ کا ان منکرین آخرت سے سوال یہ ہے کہ آخرت کی چوکھٹ یا نقطہ آغاز موت ہے۔اگر تم اپنے آپ کو کسی بالائی قانون کی گرفت سے آزاد سمجھتے ہو تو میت کی جان کو لوٹا کیوں نہیں لیتے پھر جب تم ہمارے فرشتوں سے پہلے قدم پر ہی مات کھا گئے تو آگے کیسے بچ سکو گے؟

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ○ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ○
وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ○فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ○
پھر اگر وہ مقربین میں سے تھا۔تو راحت اور خوشبودار پھول اور نعمت والی جنت ہے۔اور لیکن اگر وہ دائیں ہاتھ
والوں سے ہوا۔تو تمہارے لئے دائیں جانب والوں کی طرف سے سلام ہے۔

اہل جنت کیلئے ہر طرف سے سلامتی ہونے کا بیان

"فَأَمَّا إِنْ كَانَ" "الْمَيِّت "فَرَوْح" أَيْ فَلَهُ اسْتِرَاحَة "وَرَيْحَان" أَيْ رِزْق حَسَن "وَجَنَّة نَعِيم" وَهَلْ الْجَوَاب لِأَمَّا أَوْ لِإِنْ أَوْ لَهُمَا؟ أَقْوَال .

"فَسَلَام لَك" أَيْ لَهُ السَّلَامَة مِنْ الْعَذَاب "مِنْ أَصْحَاب الْيَمِين" مِنْ جِهَة أَنَّهُ مِنْهُمْ

پھر اگر وہ وفات پانے والا مقرّبین میں سے تھا۔ تو اس کے لیے راحت اور خوشبودار پھول یعنی اچھا رزق اور نعمت والی جنت ہے۔ یہاں پر لفظ ھل یہ لاما یا لان یا دونوں کا جواب ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔ ور لیکن اگر وہ دائیں ہاتھ والوں سے ہوا۔ تو اس سے کہا جائے گا، تمہارے لئے دائیں جانب والوں کی طرف سے سلام ہے۔ یعنی انہیں ہر جانب سے عذاب سے سلامتی حاصل ہے۔

وقت موت کے احوال کا بیان

یہاں وہ احوال بیان ہو رہے ہیں جو موت کے وقت سکرات کے وقت دنیا کی آخری ساعت میں انسانوں کے ہوتے ہیں کہ یا تو وہ اعلیٰ درجہ کا اللہ کا مرقب ہے یا اس سے کم درج کا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ یا بالکل بدنصیب ہے جو اللہ سے جاہل رہا اور راہ حق سے غافل رہا۔ فرماتا ہے کہ جو مقربین بارگاہ الٰہی ہیں، جو احکام کے عامل تھے، نافرمانیوں کے تارک تھے انہیں تو فرشتے طرح طرح کی خوشخبریاں سناتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے براء کی حدیث گذری کہ رحمت کے فرشتے اس سے کہتے ہیں اے پاک روح پاک جسم والی روح چل راحت و آرام کی طرف چل کبھی نہ ناراض ہونے والے رحمٰن کی طرف۔ روح سے مرد راحت ہے اور ریحان سے مراد آرام ہے۔

غرض دنیا کے مصائب سے راحت مل جاتی ہے ابدی سرور اور سچی خوشی اللہ کے غلام کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے وہ ایک فراخی اور وسعت دیکھتا ہے اس کے سامنے رزق اور رحمت ہوتی ہے وہ جنت عدن کی طرف لپکتا ہے۔ حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس وقت مقرب اللہ کی روح قبض کی جاتی ہے۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں مرنے سے پہلے ہی ہر مرنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے (یا اللہ! ہمارے اس وقت میں تو ہماری مدد کر ہمیں ایمان سے اٹھا اور اپنی رضامندی کی خوشخبری سنا کر سکون و راحت کے ساتھ یہاں سے لے جا آمین) گو سکرات کے وقت کی احادیث ہم سورہ ابراہیم کی آیت (يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ،ابراھیم: 27)، کی تفسیر میں وارد کر چکے ہیں لیکن چونکہ یہ ان کا بہترین موقعہ ہے اس لئے یہاں ایک ٹکڑا بیان کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرماتا ہے میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اسے میرے دربار میں لے آ میں نے اسے رنج راحت و آرام تکلیف خوشی ناخوشی غرض ہر آزمائش میں آزما لیا اور اپنی مرضی کے مطابق پایا بس اب میں اسے ابدی راحت دینا چاہتا ہوں جا اسے میرے خاص دربار میں پیش کر۔ ملک الموت پانچ سو رحمت کے

فرشتے اور جنت کے کفن اور جنتی خوشبوئیں ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہیں گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسمیں ہوتی ہیں ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں مشک کی لپٹیں آتی ہیں، الخ۔

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت فروح رے کے پیش سے تھی۔ لیکن تمام قاریوں کی قرأت رے کے زبر سے ہے یعنی فروح مسند میں ہے حضرت ام ہانی نے رسول مقبول علیہ السلام سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی جو درختوں کے میوے چگے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو اس وقت اپنے اپنے جسم میں چلی جائیگی، اس حدیث میں ہر مومن کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔

مسند احمد میں بھی اس کی شاہد ایک حدیث ہے جس کی اسناد بہت بہتر ہے اور متن بھی بہت قوی ہے اور صحیح روایت میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں، ساری جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی رہتی ہیں اور عرش تلے لٹکی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو یعلی ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اسی اثناء میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے صحابہ یہ سن کر سر جھکائے رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روتے کیوں ہو؟ صحابہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھلا موت کون چاہتا ہے؟ فرمایا سنو سنو مطلب سکرات کے وقت سے ہے اس وقت نیک مقرب بندے کو تو راحت و انعام اور آرام دہ جنت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ سے ملے تاکہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس اللہ بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے اور اگر بد بندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرمی پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے جس سے یہ بیزار ہوؤں پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر وہ سعادت مندوں سے ہے تو موت کے فرشتے اسے سلام کہتے ہیں تجھ پر سلامتی ہو تو اصحاب یمین میں سے ہے، اللہ کے عذاب سے تو سلامتی پائے گا اور خود فرشتے بھی اسے سلام کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے (اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ،الاحقاف:13) یعنی سچے پکے توحید والوں کے پاس ان کے انتقال کے وقت رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں کہ کچھ ڈر خوف نہیں کچھ رنج غم نہ کر جنت تیرے لئے حسب وعدہ تیار ہے، دنیا اور آخرت میں ہم تیری حمایت کے لئے موجود ہیں جو تمہارا جی چاہے تمہارے لئے موجود ہے جو تمنا تم کرو گے پوری ہو کر رہے گی، غفور و رحیم اللہ کے تم ذی عزت مہمان ہو۔

بخاری میں ہے یعنی تیرے لئے مسلم ہے کہ تو اصحاب یمین میں سے ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلام یہاں دعا کے معنی میں ہو، واللہ اعلم اور اگر مرنے والا حق کی تکذیب کرنے والا اور ہدایت سے کھویا ہوا ہے تو اس کی ضیافت اس گرم حمیم سے ہوگی جو آنتیں اور

کھال تک جھلسا دے پھر چاروں طرف سے جہنم کی آگ گھیر لے گی جس میں جلتا بھنتا رہے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ واقعہ، بیروت)

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝
اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے تھا۔ تو اس کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے۔ اور جہنم میں
داخل کیا جانا ہے۔ بیشک یہی قطعی طور پر حق الیقین ہے۔ لہٰذا اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرتے رہو۔

اہل دوزخ کیلئے عذاب کے حق الیقین ہونے کا بیان

"اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْن" مِنْ إِضَافَةِ الْمَوْصُوف إِلَى صِفَته "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّك الْعَظِيم" تَقَدَّمَ،

اور اگر وہ مرنے والا جھٹلانے والے گمراہوں میں سے تھا۔ تو اس کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے۔ اور جہنم میں داخل کیا جانا ہے۔ بیشک یہی قطعی طور پر حق الیقین ہے۔ یہاں پر موصوف سے صفت کی طرف اضافت کی گئی ہے۔ لہٰذا اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرتے رہو۔ جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے۔

پھر فرمایا یہ یقینی باتیں ہیں جن کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پس اپنے بڑے رب کے نام کی تسبیح کرتا رہے۔ مسند میں ہے اس آیت کے اترنے پر آپ نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو اور آیت (سبح اسم ربك الاعلى) اترنے پر فرمایا اسے سجدے میں رکھو۔ آپ فرماتے ہیں جس نے حدیث (سبحان الله العظيم وبحمده) کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا۔

(ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو بہت محبوب ہیں اور زبان پر نہایت ہلکے ہیں مگر میزان (تول) میں بہت بھاری ہیں، وہ کلمات یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2456)

سورت الواقعہ کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورت الواقعہ کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَۃ الْحَدِیْد

یہ قرآن مجید کی سورت حدید ہے

سورت حدید کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃ الْحَدِیْد (مَکِّیَّۃ اَوْ مَدَنِیَّۃ وَآیَاتُھَا تِسْع وَعِشْرُوْنَ)

سورہ حدید مکّیہ ہے یا مدنیّہ، اس میں چار ۴ رکوع، انتیس آیات، پانچ سو چوالیس کلمات، دو ہزار چار سو چھہتر حروف ہیں۔

سورت حدید کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں لفظ حدید آیا ہے جس کا معنی لوہا ہے۔ یعنی لوہے سے متعلق بیان آیا ہے جیسا موجودہ دور میں لوہے سے بنائی گئی حیرت انگیز ایجادات ہیں۔ جنہیں دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت مبارکہ حدید کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سونے سے پہلے مسبحات کو پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات پڑھتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔ ترمذی، ابوداؤد، نیز دارمی نے اس روایت کو خالد بن معدان سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 662)

مسبحات ان سورتوں کو کہتے ہیں جن کی ابتداء لفظ سبحان یا سَبَّحَ یا سَبِّحْ یا یُسَبِّحُ سے ہوتی ہے اور وہ سات سورتیں ہیں (۱) سبحان الذی اسری بعبدہ الآیہ یعنی سورت بنی اسرائیل (۲) سورت حدید (۳) سورت حشر (۴) سورت صف (۵) سورت جمعہ (۶) سورت تغابن (۷) سورت اعلیٰ۔ ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے کے بارہ میں بعض فرماتے ہیں کہ وہ آیت (لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ) 59۔ الحشر: 21) ہے اور دوسرے بعض حضرات کہتے ہیں وہ آیت یہ ہے (هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ) 57۔ الحدید: 3) لیکن حضرت علامہ طیبی کے نزدیک ان سورتوں میں کسی آیت کو متعین کر کے یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ وہ فلاں آیت ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح لیلۃ القدر یا ساعت جمعہ (یعنی جمع کے دن ساعت قبولیت) کے بارہ میں کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا اسی طرح یہ آیت بھی پوشیدہ ہے لہٰذا علماء لکھتے ہیں کہ علامہ طیبی کی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہی بڑی عزت والا بڑی حکمت والا ہے۔ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، وہ زندگی بخشا اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

زمین وآسمان کی ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بیان کرنا

"سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض " أَيْ نَزَّهَهُ كُلّ شَيْء فَاللَّام مَزِيدَة وَجِيء بِمَا دُون مِنْ تَغْلِيبًا لِلْأَكْثَرِ "وَهُوَ الْعَزِيز " فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه "لَهُ مُلْك السَّمَوَات وَالْأَرْض يُحْيِي" بِالْإِنْشَاءِ "وَيُمِيت" بَعْده،

اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، یعنی ہر چیز اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔ یہاں پر لام زائدہ ہے۔ یہاں پر من کی بہ جائے ماء کو استعال کیا گیا ہے اور بہ طور تغلیب اہل عقل کیلئے آیا ہے۔ اور وہی اپنے ملک میں بڑی عزت والا، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، وہ زندگی بخشا یعنی عدم سے وجود میں لاتا ہے اور اس کے بعد موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اللہ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے تو ہم وہی کرتے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں (سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ،يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ، اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں اور وہی ہے زبردست حکم والا، اے ایمان والو کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے)۔ عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ سورت پڑھائی اور ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سورت پڑھی۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ابوسلمہ نے ہمارے سامنے تلاوت کی، ابن کثیر کے سامنے اوزاعی نے اور عبداللہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے ابن کثیر نے پڑھ کر سنائی۔ محمد بن کثیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ابن مبارک، اوزاعی سے وہ یحییٰ بن کثیر سے وہ ہلال بن ابی میمونہ سے وہ عطاء سے اور وہ عبداللہ بن سلام سے یا ابوسلمہ کے واسطے سے عبداللہ بن سلام سے روایت کرتے ہیں۔ ولید بن مسلم بھی یہ حدیث اوزاعی سے محمد بن کثیر کی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1257)

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○

وہی اوّل اور آخر ہے اور ظاہر اور پوشیدہ ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اول وآخر صفات کا بیان

"هُوَ الْاَوَّل" قَبْل كُلّ شَیْء بِلَا بِدَايَة "وَالْآخِر" بَعْد كُلّ شَیْء بِلَا نِهَايَة "وَالظَّاهِر" بِالْأَدِلَّةِ عَلَيْهِ "وَالْبَاطِن" عَنْ إِدْرَاك الْحَوَاسّ

وہی ہر چیز کو ظاہر کیے بغیر اوّل اور ہر چیز کے بغیر منتہی ہونے کے بعد آخر ہے اور ظاہر یعنی جس پر دلائل ہیں اور پوشیدہ یعنی جس کو حواس سے ادراک کیا جائے پوشیدہ ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اول وآخر اور ظاہر و باطن صفات کے مفہوم کا بیان

اس آیت کی تفسیر اور اول وآخر، ظاہر و باطن کے معنی میں حضرات مفسرین کے اقوال دس سے زیادہ منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض نہیں، سبھی کی گنجائش ہے، لفظ اول کے معنی تو تقریباً متعین ہیں، یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات وکائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیونکہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لئے وہ سب سے اول ہے اور آخر کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا، جیسا کہ آیت (كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَه) میں اس کی تصریح ہے، اور فنا سے مراد عام ہے خواہ فنا وعدم کا وقوع ہو جائے، جیسا قیامت کے روز عام مخلوقات فنا ہو جاوے گی، یا فنا کا وقوع نہ ہو، مگر اس کی فنا وعدم کا وقوع ہو جائے۔

جس طرح قیامت کے روز عام مخلوقات فنا ہو جاوے گی، یا فنا کا وقوع نہ ہو، مگر اس کی فنا وعدم ممکن ہو اور وہ اپنی ذات میں عدم کے خطرہ سے خالی نہ ہو، اس کو موجود ہونے کے وقت بھی فانی کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مثال جنت ودوزخ اور ان میں داخل ہونے والے اچھے برے انسان ہیں کہ ان کا وجود فنا نہیں ہوگا مگر باوجود وقوعاً فنا نہ ہونے کے امکان واحتمال فنا سے پھر بھی خالی نہیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس پر کسی حیثیت اور کسی مفہوم سے نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے، اس لئے اس کو سب سے آخر کہہ سکتے ہیں۔ اور امام غزالی نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کو آخر باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب سے آخر معرفت اس کی ہے انسان علم ومعرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے، مگر یہ سب درجات جو اس کو حاصل ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں ہیں اس کی انتہا اور آخری حد حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ حدید، بیروت)

سورت حدید آیت ۳ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھے ہوئے تھے کہ بادل آ گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا

اللہ اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بادل زمین کو سیراب کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان لوگوں کی طرف ہانکتے ہیں جو اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور اسے پکارتے نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا جانتے ہو تمہارے اوپر کیا ہے۔ عرض کیا اللہ اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ رقیع یعنی اونچی چھت ہے جس سے حفاظت کی گئی۔ اور یہ موج کی طرح ہے جو بغیر ستون کے ہے۔ پھر پوچھا کیا جانتے ہو کہ تمہارے اوراس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی اللہ اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے اس کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اللہ اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے اوپر دو آسمان ہیں جنکے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح سات آسمان گنوائے اور بتایا ہر دو آسمانوں کے درمان آسمان وزمین کے درمیان کے فاصلے کے برابر فاصلہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اللہ اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے اوپر عرش ہے اور وہ آسمان سے اتنا دور ہے جتنا زمین سے آسمان۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے نیچے کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اللہ اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ زمین ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اللہ اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے نیچے دوسری زمین ہے پہلی زمین اور دوسری زمین کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ پھر پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات زمینیں گنوائیں اور بتایا کہ ہر دو کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے اگر تم لوگ نیچے زمین کی طرف رسی پھینکو گے تو وہ اللہ تک پہنچے گی اور پھر یہ آیت پڑھی ہو

(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ،

وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ جانتا ہے)۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور ایوب، یونس بن عبید اور علی بن زید سے منقول ہے کہ حسن نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی۔ بعض اہل علم اس حدیث کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد اس رسی کا اللہ کے علم، اس کی قدرت اور حکومت تک پہنچنا ہے کیونکہ اللہ کا علم، اس کی قدرت اوراس کی حکومت ہر جگہ ہے اور وہ عرش پر ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرمایا ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1246)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ
یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا
یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝
وہی ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں
داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اور وہ
تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔

زمین وآسمان کی چھ دن میں تخلیق ہونے کا بیان

"هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْض فِي سِتَّة أَيَّام" مِنْ أَيَّام الدُّنْيَا أَوَّلهَا الْأَحَد وَآخِرهَا الْجُمُعَة "ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْش" الْكُرْسِيّ اسْتِوَاء يَلِيق بِهِ "يَعْلَم مَا يَلِج" يَدْخُل "فِي الْأَرْض" كَالْمَطَرِ وَالْأَمْوَات "وَمَا يَخْرُج مِنْهَا" كَالنَّبَاتِ وَالْمَعَادِن "وَمَا يَنْزِل مِنْ السَّمَاء" كَالرَّحْمَةِ وَالْعَذَاب "وَمَا يَعْرُج" يَصْعَد "فِيهَا" كَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَة وَالسَّيِّئَة "وَهُوَ مَعَكُمْ" بِعِلْمِهِ

وہی ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، یعنی دنیا کے دنوں کے حساب سے جس کا پہلا دن یوم الاحد اور آخری دن جمعہ تھا۔ پھر وہ عرش یعنی کرسی پر بلند ہوا، یعنی ایسا استواء جواس کے شایانِ شان ہے۔ وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے جس طرح بارش اور اموات ہیں اور جو اس سے نکلتی ہے جس طرح نباتات اور معدنیات ہیں۔ اور جو آسمان سے اترتی ہے یعنی رحمت اور عذاب اور جو اس میں چڑھتی ہے جس طرح نیک اور برے اعمال ہیں۔ اور وہ اپنے علم میں تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔

استواء علی العرش سے متعلق تفسیری بیان

استوی: ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب استوا (افتعال) مصدر۔ سوی حروف مادہ۔ استوی علی سواری پر جم کر بیٹھنا۔ ثم استوی علی العرش پھر وہ تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ اس استواء علی العرش کی کیفیت کیا ہے؟

صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں:۔ یہ آیت متشابہات میں سے ہے سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ اس کی مراد کی تشریح نہ کی جائے کہ استوی علی العرش کا کیا مطلب ہے؟ کی مراد ہے؟ اس کو اللہ ہی کے سپرد کر دیا جائے۔ یعنی یہ ان متشابہات میں سے ہے کہ جن کی تشریح نہ شارع نے کی ہے نہ اپنی مراد بیان کی ہے؟ اور نہ قیاس کو اس میں دخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

استوی کے متعلق لغات القرآن میں ذرا تفصیلی بحث ہے جو قاری کے فائدے کے لئے درج ذیل کی جاتی ہے۔ استٰی اس نے قصد کیا۔ اس نے قرار پکڑا۔ وہ قائم ہوا۔ وہ سنبھل گیا۔ وہ چڑھا۔ وہ سیدھا بیٹھا۔ استواء سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔

استواء کے جب وہ فاعل ہوتے ہیں تو اس کے معنی دونوں کے مساوی اور برابر ہونے کے آتے ہیں۔ جیسے لا یستوی الخبیث و الطیب (100:5) برابر نہیں ناپاک اور پاک، اور اگر فاعل دو نہ ہوں تو سنبھلنے، درست ہونے، اور سیدھے رہنے کے معنی آتے ہیں جیسے فاستوی وھو بالافق الاعلی، پھر وہ سیدھا بیٹھا اور وہ آسمان کے کنارے پر تھا۔

اور ولما بلغ اشدہ واستوی جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا۔ اس صورت میں استوا کے معنی میں کسی شے کا اعتدال ذاتی مراد ہے۔ اور جب اس کا تعدیہ علی کے ساتھ ہو تو اس کے معنی چڑھنے، قرار پکڑنے اور قائم ہونے کے آتے ہیں۔ جیسے واستوت علی الجودی، اور وہ کشتی جودی پر جا ٹھہری اور جیسے لتستوا علی ظھورہ، اور تا کہ تم اس کی پیٹھ پر جا بیٹھو۔ اور جب اس کا تعدیہ الٰی کے ساتھ ہو تو اس کے معنی قصد کرنے اور پہنچنے کے ہوتے ہیں جیسے ثم استوی الی السماء ، پھر قصد کیا آسمان کی طرف۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے استواء علی العرش کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن وحدیث میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی بیان کئے گئے ہیں اور مخلوق کے اوصاف میں بھی ان کا ذکر ہوا ہے۔ جیسے حی۔ سمیع۔ بصیر کہ یہ الفاظ اللہ عزوجل کے لئے بھی استعمال کئے گئے ہیں اور بندے کے لئے بھی۔ لیکن دونوں جگہ اس کے استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔

کسی مخلوق کو سمیع وبصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب یہاں دو چیزیں ہوئیں ایک تو وہ آلہ جو سننے اور دیکھنے کا مبدا اور ذریعہ ہے یعنی کان اور آنکھ۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت۔ یعنی وہ خاص علم جو آنکھ سے دیکھنے اور کان سے سننے سے حاصل ہوتا ہے۔ پس جب مخلوق کو سمیع وبصیر کہا جائے تو اس کے حق میں یہ مبداء اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوں گی۔ جن کی کیفیات ہم کو معلوم ہیں لیکن یہی الفاظ جب اللہ عزوجل کے متعلق استعمال کئے جائیں گے تو یقیناً ان سے وہ مبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں لئے جاسکتے جو مخلوق کے خواص میں داخل ہیں۔ اور جن سے جناب باری عزاسمہ قطعاً منزہ ہیں۔ البتہ یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ سمع وبصر کا مبداء ومعاد اس ذات اقدس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت وسمع سے حاصل ہوتا ہے اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔

رہا یہ کہ وہ مبداء کیسا ہے اور دیکھنے اور سننے کی کیا کیفیت ہے تو ظاہر ہے کہ اس سوال کے جواب میں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس کا دیکھنا اور سننا مخلوق کی طرح نہیں ہے۔ غرض اسی طرح اس کی تمام صفات کو سمجھنا چاہئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبدا اور غایت کے ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ کسی آسمانی شریعت نے کبھی انسان کو اس پر مجبور کیا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ان حقائق میں غور وخوض کر کے جو اس کی عقل وادراک کی دسترس سے باہر ہیں بے کار اپنے عقل ودماغ کو پریشان کرے۔

اسی اصول پر استواء علی العرش کو بھی سمجھ لیجئے ۔ کہ عرش کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں اور استواء کا ترجمہ اکثر محققین نے تمکن واستقرار یعنی قرار پکڑنے اور قائم ہونے سے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تخت حکومت پر اس طرح قابض ہو کہ اس کا کوئی حصہ اور کوئی گوشہ حیط اقتدار سے باہر نہ ہو۔ اور نہ قبضہ وتسلط میں کسی قسم کی کوئی مزاحمت اور گڑبڑ ہو۔ غرض سب کام اور انتظام درست ہو۔

اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک تو مبدا اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض وغایت۔ یعنی ملک پر پورا تسلط اور اقتدار اور نفوذ وتصرف کی قدرت حاصل ہونا۔

سو حق تعالیٰ کے استعا علی العرش میں یہ حقیقت اور غرض وغایت بدرجہ کمال موجود ہے کہ تمام مخلوقات اور ساری کائنات پر پورا تسلط واقتدار اور مالکانہ وشہنشاہانہ تصرف اور نفوذ بے روک ٹوک اسی کو حاصل ہے۔

آیت شریفہ **ثم استوی علی العرش یغشی الیل النھار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ** ۔ پھر قرار پکڑا عرش پر اڑھاتا ہے رات پر دن کو کہ وہ اس سے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا۔ اور آفتاب ماہتاب اور ستارے (سب) اس کے حکم کے تابع ہیں۔ اور آیت شریفہ: **ثم استوی علی العرش یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ** ، پھر قائم ہوا عرش پر تدبیر کرتا ہے کام کی۔ کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد۔ سے بخوبی اس مضمون پر روشنی پڑتی ہے۔

رہا **استواء علی العرش** کا مبداء اس کی ظاہری کیفیت وصورت، پس دیگر صفات سمع وبصر کی طرح یقیناً اس کی کوئی ایسی صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ اس میں مخلوق کی صفت اور حدوث کا ذرا سا بھی شائبہ ہو۔ پھر وہ کیونکر اور کس طرح اس کی کیفیت کے لئے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ **لیس کمثلہ شیء** نہیں ہے اس طرح کا سا کوئی۔ اور ہمارا کیا مایہ علمی کہ اس کی کیفیت بیان کر سکیں۔

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بہ علما وہ تو جو کچھ لوگوں کے آگے پیچھے ہے سب جانتا ہے مگر لوگ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں (ترجمہ) استواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی۔ اس کا اقرار ایمان ہے اور انکار کفر ہے۔

قاضی ابو العلاء صاعد بن محمد نے کتاب الاعتقاد میں امام ابو یوسف کی روایت سے امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔ (ترجمہ) کسی کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بارے میں اس کی ذات کے متعلق ذرا بھی زبان کھولے بلکہ اس طرح بیان کرے جس طرح کہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمایا ہے اپنی رائے سے کچھ نہ کہے۔ (بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو رب ہے سارے جہان کا سچ ہے:۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان ووہم — وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

یلج: مضارع واحد مذکر غائب ولوج (باب ضرب) مصدر۔ وہ داخل ہوتی ہے اسی سے ولیجہ بمعنی گہرا دوست یا اندرونی دوست ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔ولم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المومنین ولیجۃ،اور خدا اور اس کے رسول اور مومنون کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔

مایلج فی الارض (جو زمین میں داخل ہوتا ہے) سے مراد پانی۔ بناتات کے تخم، خزانے، مردوں کی لاشیں وغیرہ۔ مایخرج منھا (اور جو اس سے باہر نکلتا ہے) مثلاً کھیتی، گھاس، پودے، بخارات، کانیں اور قیامت کے دن مردے بھی اسی سے زندہ ہو کر برآمد ہوں گے۔

وما ینزل من السماء (جو چیز آسمان سے اترتی ہے) جیسے بارش، فرشتے، برکات، اللہ کے احکام وغیرہ۔ وما یعرج فیھا (اور جو آسمان میں چڑھتی ہے) جیسے، بخارات، ملائکہ۔ بندوں کے اعمال، لوگوں کی روحیں وغیرہ۔ یعرج مضارع واحد مذکر غائب عروج (باب نصر) مصدر۔ وہ اوپر چڑھتا ہے۔

وھو معکم این ما کنتم اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی معیت بے کیف ہے نہ جسمانی ہے نہ زمانی ہے نہ مکانی، نا قابل بیان ہے۔ (انوار البیان، سورہ حدید)

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ رات کو
دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی بات کو خوب جاننے والا ہے۔

تمام موجودات کا اللہ کی طرف لوٹ جانے کا بیان

"لَهُ مُلْك السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَإِلَى اللَّه تُرْجَع الْأُمُور" الْمَوْجُودَات جَمِيعهَا "يُولِج اللَّيْل" يُدْخِلهُ "فِي النَّهَار" فَيَزِيد وَيَنْقُص اللَّيْل "وَيُولِج النَّهَار فِي اللَّيْل" فَيَزِيد وَيَنْقُص النَّهَار "وَهُوَ عَلِيم بِذَاتِ الصُّدُور" بِمَا فِيهَا مِنْ الْأَسْرَار وَالْمُعْتَقَدَات،

اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور تمام معاملات یعنی جمیع موجودات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے یعنی اس کو زیادہ اور کم کرتا ہے۔ اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی اس کو زیادہ اور کم کرتا ہے۔ اور وہ سینوں کی بات کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ تمہارے پوشیدہ اعتقادات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

عالم سفلی سے لے کر عالم علوی تک اور جسمانی سے لے کر روحانی تک جن کے کاروبار اسباب پر مبنی ہیں۔سب اسباب اسی مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی قبضہ قدرت میں ہیں۔اور تمام کائنات کا وہی مرکز اصلی ہے۔سب کا میلان اسی طرف ہے۔ ہمہ روسوئے تو بود وہمہ سوروئے تو بود

مگر بہیمیت کے ظلمات اور رسم ورواج کی تقلید کے پتھر اس کے راستے میں حائل ہو کر اس کو اس طرف جانے سے روک دیتے ہیں انہیں کے دور کرنے کو انبیاء علیہم السلام اور کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔

ترجع مضارع مجہول واحد مونث غائب رجع (باب ضرب) مصدر بمعنی لوٹانا۔اور ر، ج، ع: مادہ سے رجوع (باب ضرب) مصدر سے بمعنی لوٹنا۔(فعل لازم آتا ہے) یہاں ترجع۔رجع سے آیا ہے۔جملہ لہ ملک السموت والارض آیت 2 کے شروع میں بھی آیا ہے اور یہاں اس کا تکرار ہے وہاں آغاز آفرینش کا ذکر کر کے یہ آیت ذکر کی تھی اور دوبارہ اب یہاں انجام امور کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے گویا آیت آغاز وانجام دونوں کی تمہید ہے۔(تفسیر مظہری، سورہ حدید، لاہور)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ○
اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور اس میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں
اپنا نائب بنایا ہے، پس تم میں ۔ گ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان پر دوام اختیار کرنے کا بیان

"آمِنُوا" دَاوِمُوا عَلَى الْإِيمَان "بِاَللَّهِ وَرَسُوله وَأَنْفِقُوا" فِي سَبِيل اللَّه "مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ" مِنْ مَال مَنْ تَقَدَّمَكُمْ وَسَيَخْلُفُكُمْ فِيهِ مَنْ بَعْدكُمْ نَزَلَ فِي غَزْوَة الْعُسْرَة وَهِيَ غَزْوَة تَبُوك "فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا" إشَارَة إلَى عُثْمَان رَضِيَ اللَّه عَنْهُ،

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ یعنی اس ایمان پر دوام اختیار کرو اور اس مال و دولت میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے، یعنی ان لوگوں کے اموال کا نائب جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔اور یہ آیت غزوہ عسر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہی غزوہ تبوک ہے۔پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب اشارہ ہے۔ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوہ عسرہ میں خرچ کرنے کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن ابن خباب بیان کرتے ہیں: اس وقت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر تھا جب آپ جیش عسرۃ (جنگ عسرۃ) کی مالی امداد کے لئے لوگوں کو جوش دلا رہے تھے۔ حضرت عثمان (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرجوش تلقین سن کر) کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی راہ میں کام آنے کے لئے سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے میں اپنے ذمہ لیتا ہوں (یعنی اس جنگ کے لئے میں اللہ کی راہ میں سو اونٹ مع ان کے ساز و سامان کے پیش کرتا ہوں) اس کے بعد (اسی مجلس میں یا کسی اور موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو اس جنگ کے لئے امداد ومعاونت کی طرف متوجہ اور راغب کیا تو حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ (پہلے سو اونٹوں کے علاوہ مزید) دو سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے اللہ کی راہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ پس (حضرت عبدالرحمٰن ابن خباب کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل کے بعد اب عثمان جو بھی کریں ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اس کے بعد اب عثمان جو بھی کریں ان سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 680)

جیش عسرۃ اس اسلامی لشکر کو کہتے ہیں کہ جو غزوہ تبوک کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ دراصل "عسرۃ" تنگی اور مالی اور بدحالی کو کہتے ہیں اور وہ زمانہ کہ جنگ تبوک کا مرحلہ درپیش تھا مسلمانوں کے لئے سخت عسرت وتنگی کا تھا، ایک طرف تو خشک سالی اور قحط نے نہ صرف یہ کہ غذا اور پانی کی کمیابی کے سبب انسانوں کو درخت کے پتے کھانے اور منہ کی خشکی دور کرنے کے لئے اونٹوں کی اوجھڑی نچوڑنے پر مجبور کر رکھا تھا، دوسری طرف مسلمانوں کی کمی اور ان کے مقابلہ پر دشمنوں کی کثرت، محاذ جنگ کی نہایت دوری سامان جنگ اور زاد راہ کی کمی، شدید گرمی اور دھوپ اور بے سروسامانی کی پریشانی نے نہایت سخت صورت حال پیدا کر رکھی تھی۔ اس لئے جنگ تبوک کے لشکر کا نام جیش عسرۃ (پریشان حال لشکر) ہوگیا۔" اس روایت کے مطابق حضرت عثمان نے چھ سو اونٹ اس لشکر کے لئے اللہ کی راہ میں پیش کئے، پہلی مرتبہ سو اونٹ پیش کئے، پھر دو سو اونٹ اور پھر تین سو اونٹ، اس طرح کل ملا کر چھ سو اونٹ کی پیش کش ان کی طرف سے ہوئی۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عثمان نے غزوہ تبوک کے ساڑھے نو سو اونٹ اپنی طرف سے پیش کئے تھے۔ اور ہزار کا عدد پورا کرنے کے لئے پچاس گھوڑے بھی دیئے تھے۔ حضرت عثمان کے اس زبردست مالی ایثار اور ان کے حوصلہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بار بار ارشاد فرمائے ان کا حاصل یہ تھا کہ عثمان کا یہ عمل نہ صرف یہ کہ ان کے گزشتہ گناہوں اور لغزشوں کا کفارہ بن گیا ہے بلکہ آئندہ بھی بالفرض ان سے کوئی خطا صادر ہو تو وہ اس عمل کے سبب معاف ہو جائے گی پس ان الفاظ میں گویا اس بشارت کی طرف اشارہ تھا کہ عثمان کو خاتمہ بخیر کی سعادت حاصل ہوگی۔ اور ایک شارح نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ اس عمل کے بعد عثمان اب اگر از قسم نفل (نہ کہ از قسم فرض) کوئی عبادت اور کوئی نیک کام نہ کریں تو ان کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ ان کا یہ عظیم عمل تمام نفل عبادتوں اور

نیکیوں کے واسطے کافی ہو گیا ہے۔

ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم

اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے اوپر اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی اور ہیشگی کے ساتھ جم کر رہنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنی راہ میں خیرات کرنے کی رغبت دلاتا ہے جو مال ہاتھوں ہاتھ تمہیں اس نے پہنچایا ہو تم اس کی اطاعت گذاری میں اسے خرچ کرو اور سمجھ لو کہ جس طرح دوسرے ہاتھوں سے تمہیں ملا ہے اسی طرح عنقریب تمہارے ہاتھوں سے دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور تم پر حساب اور عتاب رہ جائے گا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تیرے بعد تیرا وارث ممکن ہے نیک ہو اور وہ تیرے ترکے کو میری راہ میں خرچ کر کے مجھ سے قربت حاصل کرے اور ممکن ہے کہ وہ بد اور اپنی مستی اور سیاہ کاری میں تیرا اندوختہ فنا کر دے اور اس کی بدیوں کا باعث تو بنے نہ تو چھوڑتا نہ اڑاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورہ (الھکم) پڑھ کر فرمانے لگے انسان گو کہتا رہتا ہے یہ بھی میرا مال ہے یہ بھی میرا مال ہے حالانکہ دراصل انسان کا مال وہ ہے جو کھا لیا پہن لیا صدقہ کر دیا کھایا ہوا فنا ہو گیا پہنا ہوا پرانا ہو کر برباد ہو گیا، ہاں راہ اللہ دیا ہوا بطور خزانہ کے جمع رہا۔ (مسلم)

اور جو باقی رہے گا وہ تو اوروں کا مال ہے تو تو اسے جمع کر کے چھوڑ جانے والا ہے۔ پھر ان ہی دونوں باتوں کی ترغیب دلاتا ہے اور بہت بڑے اجر کا وعدہ دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے تمہیں ایمان سے کون سی چیز روکتی ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم میں موجود ہیں وہ تمہیں ایمان کیطرف بلا رہے ہیں دلیلیں دے رہے ہیں اور معجزے دکھا رہے ہیں۔

صحیح بخاری کی شرح کے ابتدائی حصہ کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا سب سے زیادہ اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے، فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء فرمایا ان پر تو وحی اور کلام اللہ اترتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ کہا پھر ہم فرمایا واہ تم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے، میں تم میں زندہ موجود ہوں، سنو بہترین اور عجیب تر ایماندار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے، صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حدید، بیروت)

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ
وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○
اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں بلا رہے ہیں کہ
تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بیشک تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے، اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

عالم ارواح کے عہد کو یاد دلانے سے ایمان کی دعوت دینے کا بیان

"وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ" خِطَاب لِلْكُفَّارِ أَيْ لَا مَانِع لَكُمْ مِنَ الْإِيمَان "بِاللّٰهِ وَالرَّسُول يَدْعُوكُمْ

لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أُخِذَ "بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الْخَاءِ وَبِفَتْحِهَا وَنَصْبِ مَا بَعْدَه "مِيثَاقُكُمْ" عَلَيْهِ أَيْ أَخَذَهُ اللَّهُ فِي عَالَمِ الذَّرِّ حِينَ أَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ "إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" أَيْ مُرِيدِينَ الْإِيمَانَ بِهِ فَبَادِرُوا إِلَيْهِ،

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے اس میں کفار کیلئے خطاب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ،یعنی تمہیں ایمان لانے سے کیا چیز روکنے والی ہے۔حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بیشک اللہ تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے، یہاں پر لفظ اخذ یہ ہمزہ کے ضمہ اور خاء کے کسرہ اور اس کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔اور اس کے مابعد کو نصب دیا گیا ہے۔یعنی اللہ تعالی نے عالم ذر میں ان سے عہد لیا اور خود کو ان پر گواہ بنایا جب انہوں نے بلیٰ کہا تھا۔اگر تم ایمان لانے والے ہو۔یعنی اگر تم ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کی جانب تیزی سے آؤ۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

مالکم۔تم کو کیا عذر ہے۔تم کیسے ہو۔تم کو کیا ہو گیا ہے۔تمہارے لئے کیا سبب ہے۔اور جگہ قرآن مجید میں ہے وما لکم الا تنفقوا فی سبیل اللہ اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہو۔اور دوسری جگہ ہے:۔وقالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ،اور کہتے ہیں یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے۔

وما لکم لا تومنون باللہ ۔ اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔والرسول یدعوکم لتومنوا بربکم: جملہ حالیہ ہے۔حالانکہ رسول تم کو تمہارے رب پر ایمان لانے کے لئے (برابر) بلا رہا ہے۔لتومنوا میں لام تعلیل کا ہے۔یہ اصل میں تومنون تھا (مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ایمان مصدر سے) نون اعرابی عامل کی وجہ سے گر گیا۔

وقد اخذ میثاقکم واو عاطفہ ہے اور جملہ حالیہ ہے اور اس کا عطف جملہ سابقہ پر ہے اور وہ تم سے عہد بھی لے چکا ہے ای وقیل ذلک قد اخذ اللہ میثاقکم حین اخرجکم من ظھر ادم علیہ السلام بان اللہ ربکم لا الہ لکم سواہ ۔

اور اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد لے رکھا تھا جب اس نے تم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے برآمد کیا۔(اور کہا کہ) اللہ تعالیٰ ہی تمہارا رب ہے اور اس کے سوا تمہارا کوئی رب نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:۔الست بربکم قالوا بلی شھدنا ،یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔

میثاقکم مضاف مضاف الیہ۔دونوں مل کر اخذ کا مفعول۔تمہارا میثاق، پختہ۔عہد۔قول وقرار جس پر قسم کھائی گئی ہو۔وثق یثق وثوق (باب ضرب) مصدر اعتماد کرنا۔مطمئن ہونا۔الوثاق والوثاق اس زنجیر یا رسی کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھ دیا جائے۔اور اوثقہ (باب افعال) زنجیر میں جکڑنا۔رسی سے کس کر باندھنا۔میثاق وہ عہد جو قسموں یا شرطوں سے جکڑ کر کیا گیا ہو۔بمعنی پختہ و مضبوط عہد۔قرآن مجید میں ہے:۔ولا یوثق وثاقہ احد (26:89) اور نہ کوئی ایسا جکڑنا جکڑے گا۔ان کنتم مومنین ٥

جملہ شرط ہے اور جواب شرط محذوف۔

اگر تم ایمان لانا چاہتے ہو تو تردد میں مت پڑو اور بغیر کسی تردد کے ایمان لے آو، تم جو اپنے خیال میں اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہو اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آو۔ (تفسیر مظہری، سورہ حدید، لاہور)

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○
وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح نشانیاں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جائے،
اور بیشک اللہ تم پر نہایت شفقت فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کفر سے ایمان کی طرف نکالنے والا ہے

"هُوَ الَّذِي يُنَزِّل عَلَى عَبْده آيَات بَيِّنَات " آيَات الْقُرْآن "لِيُخْرِجكُمْ مِنْ الظُّلُمَات " الْكُفْر "إلَى النُّور" الْإِيمَان "وَإِنَّ اللَّه بِكُمْ" أَيْ فِي إخْرَاجكُمْ مِنْ الْكُفْر إلَى الْإِيمَان

وہی ہے جو اپنے برگزیدہ بندے پر واضح نشانیاں یعنی قرآنی آیات نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں یعنی کفر سے روشنی یعنی ایمان کی طرف نکال لے جائے، اور بیشک اللہ تمہیں کفر سے ایمان کی طرف نکالنے میں تم پر نہایت شفقت فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

یعنی قرآن اتارا اور صداقت کے نشان دیے تاکہ ان کے ذریعہ سے تم کو کفر و جہل کے اندھیروں سے نکال کر ایمان و علم کے اجالے میں لے آئے۔ یہ اللہ کی بہت ہی بڑی شفقت اور مہربانی ہے، اگر سختی کرتا تو ان ہی اندھیروں میں پڑا چھوڑ کر تم کو ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ
مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا
مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○
اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے، تم میں سے جن
لوگوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ برابر نہیں ہو سکتے، وہ ان لوگوں سے درجہ میں بہت بلند ہیں جنہوں نے بعد میں مال
خرچ کیا ہے اور قتال کیا ہے، مگر اللہ نے حسن آخرت کا وعدہ سب سے فرما دیا ہے، اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو ان سے خوب آگاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دینے کا بیان

"وَمَا لَكُمْ" وَمَا حَالُكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ "أَلَّا" فِيهِ إِدْغَامُ نُونِ أَنْ فِي لَامِ لَا "تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" بِمَا فِيهِمَا فَتَصِلُ إِلَيْهِ أَمْوَالُكُمْ مِنْ غَيْرِ أَجْرِ الْإِنْفَاقِ بِخِلَافِ مَا لَوْ أَنْفَقْتُمْ فَتُؤْجَرُونَ "لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ" لِمَكَّةَ "وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا" مِنَ الْفَرِيقَيْنِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَأً "وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى" الْجَنَّةَ "وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" فَيُجَازِيكُمْ بِهِ،

اور تمہیں ایمان لانے کے بعد کیا ہوگیا ہے یہاں پر لفظ الا میں اَن کے نون کا لام میں ادغام ہے۔ کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے یعنی جو کچھ ان میں ہے جبکہ تمہارے اموال انفاق کے ثواب کے بغیر بھی پہنچنے والے ہیں۔ بہ خلاف اس کے کہ جو تم خرچ کرتے ہوتا کہ تمہیں اجر دیا جائے گا۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور قتال کیا وہ اور تم برابر نہیں ہو سکتے، وہ ان لوگوں سے درجہ میں بہت بلند ہیں جنہوں نے بعد میں مال خرچ کیا ہے اور قتال کیا ہے، مگر اللہ نے حسن آخرت یعنی جنت کا وعدہ سب یعنی دونوں فریقین سے فرما دیا ہے، یہاں پر لفظ کل ایک قرأت کے مطابق مرفوع آیا ہے اور مبتداء ہے۔ اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو ان سے خوب آگاہ ہے۔ پس وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ومالکم اور تم کو کیا ہوا ہے۔ الا مرکب ہے ان مصدریہ اور لا نفی سے۔ کہ (تم) نہیں (خرچ کرتے ہو) لا زائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا:۔ اور تمہیں کیا عذر ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے۔ وللہ میراث السموت والارض۔ جملہ حالیہ ہے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی وراثت خدا ہی کی ہے۔ میراث السموت والارض مضاف مضاف الیہ آسمانوں کی اور زمین کی وراثت یعنی ملکیت)۔ میراث کا لفظ قرآن میں دو دفعہ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی نسبت سے آیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:۔ وللہ میراث السموت والارض، ورثۃ ارث اور تراث مصدر ہیں باب حسب سے۔ ورثۃ اور ارث کا اصل معنی ہے۔ بغیر بیع و شراء اور بلا ہبہ وغیرہ کسی کی طرف کسی مالی ملکیت کا دوسرے کی جانب منتقل ہونا۔ اسی مناسبت سے میت کے متروکہ مال کو جو میت کے بعد اس کے اقرباء کے پاس منتقل ہو کر آتا ہے میراث کہا جاتا ہے۔ لیکن اس معنی کے علاوہ دو معنی اور بھی ہیں، جن کے لئے وراثت کے مختلف صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔

(1) بلاعوض اور بغیر مشقت کسی چیز کا مالک ہو جانا جس طرح مومنین صالحین جنت کے وارث ہوں گے اس صورت میں ایک کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی بلکہ ابتداء بلا انتقال ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

(2) علم یا کتاب کا وارث ہونا۔اس صورت میں مال کی ملکیت نہیں ہوتی۔نہ منقولہ نہ ابتدائی، بلکہ ایک کا علم اس کے بعد دوسرے کو ملتا ہے یعنی جو علم یا دستور اسلاف کا تھا اخلاف اس کے حامل ہو جاتے ہیں جیسے العلماء ورثة الانبیاء علماء انبیاء کے علم کے حامل ہوتے ہیں

میراث سے مراد حقیقی ملکیت کا بیان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ:۔انت اخی ووارثی۔تم میرے بھائی اور میرے علم کے حامل ہو۔اور قرآن مجید میں آیا ہے:۔ ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا ، پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کرلیا۔

اللہ کے وارث ہونے کا معنی ہے مالک حقیقی ہونا۔اللہ سارے عالم کا وارث ہے۔یعنی مالک حقیقی ہے اور قیامت کے دن اللہ کے وارث ہونے کا مطلب ہے کہ:۔ہر چیز کا ظاہری، باطنی، صوری، حقیقی اختیار اللہ کو ہونا اور کسی دوسرے کا کسی طرح مالک نہ ہونا۔ کیونکہ ہر چیز کی ظاہری ملکیت بھی اللہ ہی کی طرف لوٹے گی۔

ورث عنہ اور ورثہ دونوں طرح مستعمل ہے۔ایراث (افعال) توریث (تفعیل) وارث بنانا۔کسی کو ورثہ میں شریک بنانا۔ توارث (تفاعل) باہم وراثت کی طلب۔

لایستوی۔مضارع منفی واحد مذکر غائب۔استواء (افتعال) مصدر۔وہ برابر نہیں ہے۔وہ برابر نہیں ہوسکتا۔من انفق من قبل الفتح وقاتل۔اس جملہ کے بعد ایک اور جملہ محذوف ہے عبارت کچھ یوں بنے گی۔لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل (ومن انفق بعد الفتح وقاتل)۔تم میں سے وہ شخص جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی اور وہ شخص جس نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی، برابر نہیں ہے۔برابر نہیں ہوسکتا۔

انفق ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب انفاق (افعال) مصدر ہے بمعنی خرچ کرنا۔الفتح سے مراد فتح مکہ ہے۔بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔اولئک اسم اشارہ جمع مذکر۔وہ۔مراد ہیں وہ اصحاب جنہوں نے فتح مکہ سے قبل راہ حق میں خرچ کیا اور جنگ کی۔ اعظم: فعل التفضیل کا صیغہ واحد مذکر۔عظامۃ (باب کرم) مصدر سے بمعنی بہت بڑا۔درجۃ تمیز۔یعنی ازروئے درجہ کے۔ بلحاظ درجہ کے۔

کلا۔سب، سارے۔کلھم ہر ایک، کل لفظاً واحد ہے اور معنی جمع اس لئے اس کا استعمال دونوں طرح ہے مذکر اور مونث دونوں کے لئے مستعمل ہے کل کا مضاف ہونا ضروری ہے۔اگر مضاف الیہ مذکور نہ ہو تو محذوف مانا جائے گا۔جیسے وکلا جعلنا صلحین ،اور سب کو نیک بخت کیا۔اور وکل من الصبرین، یہ سب صبر کرنے والے واتھے۔یہاں آیت ہذا میں کلا'' ای وعد اللہ کلا منھم۔ کلا منصوب بوجہ مفعول ہے۔اور مضاف ہے۔ہم مضاف الیہ محذوف۔الحسنی افعل التفضیل کا صیغہ واحد مونث صفت ہے۔ اس کا موصوف محذوف ہے ای المثوبۃ الحسنی۔عبارت کچھ یوں ہوگی:۔ وکلا منھم وعد اللہ المثوبة الحسنی (ویسے تو)

ان سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اچھے عمدہ ثواب یا اجر کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (تفسیر انوار البیان، سورہ حدید)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ۝

کون ہے وہ جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، تو وہ اسے اس کے لیے کئی گنا کر دے اور اس کے لیے باعزت اجر ہو۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے سبب رزق میں اضافہ ہونے کا بیان

"مَنْ ذَا الَّذِی یُقْرِض اللّٰه" بِإِنْفَاقِ مَاله فِی سَبِیل اللّٰه "قَرْضًا حَسَنًا" بِأَنْ یُنْفِقهُ لِلّٰهِ "فَیُضَاعِفهُ" وَفِی قِرَاءَة فَیُضَعِّفهُ بِالتَّشْدِیدِ "لَهُ" مِنْ عَشْر إِلَی أَكْثَر مِنْ سَبْعمِائَةٍ كَمَا ذُكِرَ فِی الْبَقَرَة "وَلَهُ" مَعَ الْمُضَاعَفَة "أَجْر كَرِیم" مُقْتَرِن بِهِ رِضَا وَإِقْبَال

کون ہے وہ جو اللہ کو قرض دے، یعنی جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اچھا قرض، یعنی اس کو اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرے۔ تو وہ اسے اس کے لیے کئی گنا کر دے، یہاں پر لفظ یضاعف ایک قرأت کے مطابق تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یعنی اس کیلئے ثواب دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک ہے جس طرح سورہ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے لیے باعزت اجر ہو۔ یعنی اس ثواب میں رضامندی اور قبولیت بھی ہے۔

ابوداحداح اور منافع کے سودے کا بیان

سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک یتیم جوان شکایت لیئے حاضر خدمت ہوا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ! میں اپنی کھجورو باغ کے اردگرد دیوار تعمیر کرا رہا تھا کہ میرے ہمسائے کی کھجور کا ایک درخت دیوار کے درمیان میں آ گیا۔ میں نے اپنے ہمسائے سے درخواست کی کہ وہ اپنی کھجور کا درخت میرے لیئے چھوڑ دے تا کہ میں اپنی دیوار سیدھی بنا سکوں، اُس نے دینے سے انکار کیا تو میں نے اُس کھجور کے درخت کو خریدنے کی پیشکش کر ڈالی، میرے ہمسائے نے مجھے کھجور کا درخت بیچنے سے بھی انکار کر دیا ہے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نوجوان کے ہمسائے کو بلا بھیجا۔ ہمسایہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے نوجوان کی شکایت سُنائی جسے اُس نے تسلیم کیا کہ واقعتاً ایسا ہی ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ تم اپنی کھجور کا درخت اِس نوجوان کیلئے چھوڑ دو یا اُس درخت کو نوجوان کے ہاتھوں فروخت کر دو اور قیمت لے لو۔ اُس آدمی نے دونوں حالتوں میں انکار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو ایک بار پھر دہرایا؛ کھجور کا درخت اِس نوجوان کو فروخت کر کے پیسے بھی وصول کر لو اور تمہیں جنت میں بھی ایک عظیم الشان کھجور کا درخت ملے گا جس کے سائے کی طوالت میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا۔ دُنیا کیا یک درخت کے بدلے میں جنت میں ایک درخت کی پیشکش ایسی عظیم تھی جسکو سُن کر مجلس میں موجود سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما دنگ رہ گئے۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ ایسا شخص جو جنت میں ایسے عظیم الشان درخت کا مالک ہو کیسے جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں جائے گا۔

مگر وائے قسمت کہ دنیاوی مال و متاع کی لالچ اور طمع آڑے آ گئی اور اُس شخص نے اپنا کھجور کا درخت بیچنے سے انکار کر دیا۔

مجلس میں موجود ایک صحابی (اباالدحداح) آگے بڑھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اگر میں کسی طرح وہ درخت خرید کر اِس نوجوان کو دیدوں تو کیا مجھے جنت کا وہ درخت ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں تمہیں وہ درخت ملے گا۔ اباالدحداح اُس آدمی کی طرف پلٹے اور اُس سے پوچھا میرے کھجوروں کے باغ کو جانتے ہو؟ اُس آدمی نے فوراً جواب دیا؛ جی کیوں نہیں، مدینے کا کونسا ایسا شخص ہے جو اباالدحداح کے چھ سو کھجوروں کے باغ کو نہ جانتا ہو، ایسا باغ جس کے اندر ہی ایک محل تعمیر کیا گیا ہے، باغ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں اور باغ کے ارد گرد تعمیر خوبصورت اور نمایاں دیوار دور سے ہی نظر آتی ہے۔ مدینہ کے سارے تاجر تیرے باغ کی اعلٰی اقسام کی کھجوروں کو کھانے اور خریدنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ابالداحداح نے اُس شخص کی بات کو مکمل ہونے پر کہا، تو پھر کیا تم اپنے اُس کھجور کے ایک درخت کو میرے سارے باغ، محل، کنویں اور اُس خوبصورت دیوار کے بدلے میں فروخت کرتے ہو؟ اُس شخص نے غیر یقینی سے سرکارِ دو عالم کی طرف دیکھا کہ کیا عقل مانتی ہے کہ ایک کھجور کے بدلے میں اُسے ابالداحداح کے چھ سو کھجوروں کے باغ کا قبضہ بھی مِل پائے گا کہ نہیں؟ معاملہ تو ہر لحاظ سے فائدہ مند نظر آ رہا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مجلس میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے گواہی دی اور معاملہ طے پا گیا۔

ابالداحداح نے خوشی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور سوال کیا؛ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جنت میں میرا ایک کھجور کا درخت پکا ہو گیا ناں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ ابالدحداح سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے حیرت زدہ سے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا اُس کا مفہوم یوں بنتا ہے کہ؛ اللہ رب العزت نے تو جنت میں ایک درخت محض ایک درخت کے بدلے میں دینا تھا۔ تم نے تو اپنا پورا باغ ہی دیدیا۔

اللہ رب العزت جود و کرم میں بے مثال ہیں اُنہوں نے تجھے جنت میں کھجوروں کے اتنے باغات عطاء کیئے ہیں کثرت کی بنا پر جنکے درختوں کی گنتی بھی نہیں کی جا سکتی۔ ابالدحداح، میں تجھے پھل سے لدے ہوئے اُن درختوں کی کسقدر تعریف بیان کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اِس بات کو اسقدر دہراتے رہے کہ محفل میں موجود ہر شخص یہ حسرت کرنے لگا اے کاش وہ ابالداحداح ہوتا۔ ابالداحداح وہاں سے اُٹھ کر جب اپنے گھر کو لوٹے تو خوشی کو چُھپا نہ پا رہے تھے۔ گھر کے باہر سے ہی اپنی بیوی کو آواز دی کہ میں نے چار دیواری سمیت یہ باغ، محل اور کنواں بیچ دیا ہے۔ بیوی اپنے خاوند کی کاروباری خوبیوں اور صلاحیتوں کو اچھی طرح جانتی تھی، اُس نے اپنے خاوند سے پوچھا؛ ابالداحداح کتنے میں بیچا ہے یہ سب کُچھ؟ ابالداحداح نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے یہاں کا ایک درخت جنت میں لگے ایسے ایک درخت کے بدلے میں بیچا ہے جس کے سایہ میں سوار سو سال تک چلتا رہے۔ ابالداحداح کی بیوی نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا. ابالداحداح، تو نے منافع کا سودا کیا ہے۔ ابالداحداح، تو نے منافع کا سودا کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حدید، بیروت)

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝

جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب تیزی سے چل رہا ہوگا تمہیں بشارت ہو آج جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں ہمیشہ ان میں رہو گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

قیامت کے دن نیک لوگوں کے ساتھ ایمان کے چلنے کا بیان

اُذْكُرْ "يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَات يَسْعَى نُورهمْ بَيْن أَيْدِيهمْ" أَمَامهمْ "و" يَكُون "بِأَيْمَانِهِمْ" وَيُقَال لَهُمْ : "بُشْرَاكُمْ الْيَوْم جَنَّات" أَيْ اُدْخُلُوهَا

آپ یاد کریں جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب تیزی سے چل رہا ہوگا یعنی وہ ان کا ایمان ہوگا۔ اور ان سے کہا جائے گا تمہیں بشارت ہو آج تمہارے لئے جنتیں ہیں لہٰذا تم ان میں داخل ہو جاؤ۔ جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں تم ہمیشہ ان میں رہو گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

قیامت کے دن ایمان کے نور سے چلنے کا بیان

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے نیک اعمال کے مطابق انہیں نور ملے گا جو قیامت کے دن کے ان کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجوروں کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر سب سے کم نور جس گنہگار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا (ابن جریر)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بعض مومن ایسے بھی ہوں گے جن کا نور اس قدر ہوگا کہ جس قدر مدینہ سے عدن دور ہے اور ابین دور ہے اور صنعا دور ہے۔ بعض اس سے کم بعض اس سے کم یہاں تک کہ بعض وہ بھی ہوں گے جن کے نور سے صرف ان کے دونوں قدموں کے پاس ہی اجالا ہوگا۔

حضرت جنادہ بن ابوامیہ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے اللہ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اسی طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں تیرے لئے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں اول اول تو ہر شخص کو نور عطا ہوگا لیکن جب پل صراط پر جائیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا اسے دیکھ کر مومن بھی ڈرنے لگیں گے کہ ایسا نہ ہو ہمارا نور بھی بجھ جائے تو اللہ سے دعائیں کریں گے کہ یا اللہ ہمارا نور ہمارے لئے پورا پورا کر۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تا کہ اس اندھیری جگہ سے با آرام گذر جائیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے سجدے کی اجازت قیامت کے دن مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم بھی مجھے ہوگا میں آگے پیچھے دائیں بائیں نظریں ڈالوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا تو ایک شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی ان میں سے آپ اپنی امت کی شناخت کیسے کریں گے؟ آپ نے فرمایا بعض مخصوص نشانیوں کی وجہ سے میری امت کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے یہ وصف کسی اور امت میں نہ ہوگا اور انہیں ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور ان کا نور ان کے آگے آگے چلتا ہوگا اور ان کی اولاد ان کے ساتھ ہی ہوگی۔ ضحاک فرماتے ہیں ان کے دائیں ہاتھ میں ان کا عمل نامہ ہوگا جیسے اور آیتوں میں تشریح ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے چپے چپے پر چشمے جاری ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں، یہ زبردست کامیابی ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں میدان قیامت کے ہولناک دل شکن اور کپکپا دینے والے واقعہ کا بیان ہے کہ سوائے سچے ایمان اور کھرے اعمال والوں کے نجات کسی کو منہ دکھائے گی۔ سلیم بن عامر فرماتے ہیں ہم ایک جنازے کے ساتھ باب دمشق میں تھے جب جنازے کی نماز ہو چکی اور دفن کا کام شروع ہوا تو حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگو! تم اس دنیا کی منزل میں آج صبح شام کر رہے ہو نیکیاں برائیاں کر سکتے ہو اس کے بعد ایک اور منزل کی طرف تم سب کوچ کرنے والے ہو وہ منزل یہی قبر کی ہے جو تنہائی کا، اندھیرے کا، کیڑوں کا اور تنگی اور تاریکی والا گھر ہے مگر جس کے لئے اللہ تعالیٰ اسے وسعت دے دے۔ یہاں سے تم پھر میدان قیامت کے مختلف مقامات پر وارد ہو گے۔ ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ پڑ جائیں گے، پھر ایک اور میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہوگا وہاں ایمانداروں کو نور تقسیم کیا جائے گا۔ (تفسیر جامع البیان، ابن کثیر، سورہ حدید، بیروت)

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ج
قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ط فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ط
بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؁
جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ان لوگوں سے کہیں گے جو ایمان لائے ہمارا انتظار کرو کہ ہم تمھاری روشنی سے کچھ روشنی حاصل
کر لیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پس کچھ روشنی تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنا دی جائے گی جس میں ایک
دروازہ ہوگا، اس کی اندرونی جانب، اس میں رحمت ہوگی اور اس کی بیرونی جانب، اس کی طرف عذاب ہوگا۔

قیامت کے دن منافقین کا اہل ایمان سے روشنی مانگنے کا بیان

"يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا" أَبْصِرُونَا وَفِي قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الظَّاءِ : أَمْهِلُونَا "نَقْتَبِسْ" نَأْخُذِ الْقَبَسَ وَالْإِضَاءَةَ "مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ" "لَهُمْ اسْتِهْزَاءً بِهِمْ "ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا" فَرَجَعُوا "فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ" وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ "بِسُورٍ" قِيلَ هُوَ سُورُ الْأَعْرَافِ "لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ" مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِينَ "وَظَاهِرُهُ" مِنْ جِهَةِ الْمُنَافِقِينَ،

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ان لوگوں سے کہیں گے جو ایمان لائے ہمارا انتظار کرو کہ ہم تمھاری روشنی سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔تاکہ اس میں کچھ دیکھ سکیں۔یہاں پر لفظ انظرونا ایک قرأت کے مطابق ہمزہ کے فتحہ اور ظاء کے کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی کچھ دیر ٹھہرو تاکہ ہم کچھ روشنی حاصل کرلیں۔جو تمہارے نور کی ہے۔تو انہیں بہ طور استہزاء کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پس کچھ روشنی تلاش کرو،تو وہ پیچھے لوٹیں گے۔پھر ان کے درمیان اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے گی۔اور کہا گیا ہے وہ اہل اعراف کی دیوار ہے۔جس میں ایک دروازہ ہوگا،اس کی اندرونی جانب،اس میں رحمت ہوگی جو اہل ایمان کی جانب سے ہوگی۔اور اس کی بیرونی جانب،منافقین کی جانب ہوگی۔اس کی طرف عذاب ہوگا۔

منافقین کیلئے قیامت کے دن نور ایمان نہ ہونے کا بیان

پھر ایک اور میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہوگا وہاں ایمانداروں کو نور تقسیم کیا جائے گا اور کافر و منافق بے نور رہ جائے گا، اسی کا ذکر آیت (او ظلمات) الخ، میں ہے پس جس طرح آنکھوں والے کی بصارت سے اندھا کوئی نفع حاصل نہیں کرسکتا منافق و کافر ایماندار کے نور سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔تو منافق ایمانداروں سے آرزو کریں گے کہ اس قدر آگے نہ بڑھ جاؤ کچھ تو ٹھہرو جو ہم بھی تمہارے نور کے سہارے چلیں تو جس طرح یہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ مکر وفریب کرتے تھے آج ان سے کہا جائے گا کہ لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرلاؤ یہ واپس نور کی تقسیم کی جگہ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہ پائیں گے، یہی اللہ کا وہ مکر ہے جس کا بیان آیت (إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۱۴۲)۔4 النسآء:142)، میں ہے۔اب لوٹ کر یہاں جو آئیں گے تو دیکھیں گے کہ مومنوں اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہوگئی ہے جس کے اس طرف رحمت ہی رحمت ہے اور اس طرف عذاب و سزا ہے۔پس منافق نور کی تقسیم کے وقت تک دھوکے میں ہی پڑا رہے گا نور مل جانے پر بھید کھل جائے گا تمیز ہوجائے گی اور یہ منافق اللہ کی رحمت سے مایوس ہوجائیں گے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب کامل اندھیرا چھایا ہوا ہوگا کہ کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہ دیکھ سکے اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نور ظاہر کرے گا مسلمان اس طرف جانے لگیں گے تو منافق بھی پیچھے لگ جائیں گے۔جب مومن زیادہ آگے نکل جائیں گے تو یہ انہیں ٹھہرانے کے لئے آوازیں دیں گے اور یاد دلائیں گے کہ دنیا میں ہم سب ساتھ ہی تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت

کے دن لوگوں کو ان کی پردہ پوشی کے لئے ان کے ناموں سے پکارا جائے گا لیکن پل صراط پر تمیز ہو جائے گی مومنوں کو نور ملے گا اور منافقوں کو بھی ملے گا لیکن جب درمیان میں پہنچ جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا یہ مومنوں کو آواز دیں گے لیکن اس وقت خود مومن خوف زدہ ہو رہے ہوں گے یہ وہ وقت ہوگا کہ ہر ایک آپا دھاپی میں ہوگا، جس دیوار کا یہاں ذکر ہے یہ جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل ہوگی اسی کا ذکر آیت (وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ،الاعراف:46) میں ہے۔ پس جنت میں رحمت اور جہنم میں عذاب۔ ٹھیک بات یہی ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی وادی کے پاس ہوگی، ابن عمر سے مروی ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس کی شرقی دیوار ہے جس کے باطن میں مسجد وغیرہ ہے اور جس کے ظاہر میں وادی جہنم ہے اور بعض بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا مطلب یہ نہیں کہ بعینہ یہی دیوار اس آیت میں مراد ہے بلکہ اس کا ذکر بطور قرب کے معنی میں آیت کی تفسیر میں ان حضرات نے کر دیا ہے اس لئے کہ جنت آسمانوں میں اعلیٰ علیین میں ہے اور جہنم اسفل السافلین میں حضرت کعب احبار سے مروی ہے کہ جس دروازے کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد مسجد کا باب الرحمت ہے یہ بنو اسرائیل کی روایت ہے جو ہمارے لئے سند نہیں بن سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار قیامت کے دن مومنوں اور منافقوں کے درمیان علیحدگی کے لئے کھڑی کی جائے گی مومن تو اس کے دروازے میں سے جا کر جنت میں پہنچ جائیں گے پھر دروازہ بند ہو جائے گا اور منافق حیرت زدہ ظلمت و عذاب میں رہ جائیں گے۔ جیسے کہ دنیا میں بھی یہ لوگ کفر و جہالت شک و حیرت کی اندھیروں میں تھے، اب یہ یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جمعہ جماعت ادا کرتے تھے عرفات اور غزوات میں موجود رہتے تھے واجبات ادا کرتے تھے۔ ایماندار کہیں گے ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن اپنے کرتوت تو دیکھو گناہوں میں نفسانی خواہشوں میں اللہ کی نافرمانیوں میں عمر بھر تم لذتیں اٹھاتے رہے اور آج توبہ کر لیں گے کل بداعمالیوں چھوڑ دیں گے اسی میں رہے۔ انتظار میں ہی عمر گزاری دی کہ دیکھیں مسلمانوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور تمہیں یہ بھی یقین نہ آیا کہ قیامت آئے گی بھی یا نہیں؟ اور پھر اس آرزو میں رہے کہ اگر آئے گی پھر تو ہم ضرور بخش دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک اللہ کی طرف یقین خلوص کے ساتھ جھکنے کی توفیق میسر نہ آئی اور اللہ کے ساتھ تمہیں دھوکے باز شیطان نے دھوکے میں ہی رکھا۔ یہاں تک کہ آج تم جہنم واصل ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ جسموں سے تو تم ہمارے ساتھ تھے لیکن دل اور نیت سے ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ حیرت و شک میں ہی پڑے رہے ریاکاری میں رہے اور دل لگا کر یاد الٰہی کرنا بھی تمہیں نصیب نہ ہوا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ منافق مومنوں کے ساتھ تھے نکاح بیاہ مجلس مجمع موت زیست میں شریک رہے۔ کہ خبرداران کا رنگ تم پر نہ چڑھ جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حدید، بیروت)

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ
وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

وہ ان کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہاری سنگت میں نہ تھے؟ وہ کہیں گے، کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیا تھا
اور تم منتظر رہتے تھے اور تم (نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام میں) شک کرتے تھے اور باطل امیدوں
نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا، یہاں تک کہ اللہ کا اَمر آ پہنچا اور تمہیں اللہ کے بارے میں دغاباز دھوکہ دیتا رہا۔

قیامت کے دن منافقین کا اہل ایمان سے ساتھ طلب کرنے کا بیان

"يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ " عَلَى الطَّاعَة "قَالُوا بَلَى وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ " بِالنِّفَاقِ "وَتَرَبَّصْتُمْ" بِالْمُؤْمِنِينَ الدَّوَائِر "وَارْتَبْتُمْ " شَكَكْتُمْ فِي دِين الْإِسْلَام "وَغَرَّتْكُمْ الْأَمَانِيّ " الْأَطْمَاع "حَتَّى جَاءَ أَمْر اللَّه" الْمَوْت "وَغَرَّكُمْ بِاَللَّهِ الْغَرُور " الشَّيْطَان

وہ منافق ان مومنوں کو پکار کر کہیں گے، کیا ہم طاعت میں تمہاری سنگت میں نہ تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو منافقت کے فتنہ میں مبتلا کر دیا تھا اور تم ہمارے لئے برائی اور نقصان کے منتظر رہتے تھے اور تم دین اسلام میں شک کرتے تھے اور باطل امیدوں نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا، یہاں تک کہ اللہ کا اَمرِ موت آ پہنچا اور تمہیں اللہ کے بارے میں دغا باز شیطان دھوکہ دیتا رہا۔

بیشک دنیا میں بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے اور زبان سے دعوئ اسلام کا کرتے تھے۔ لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ لذات وشہوات میں پڑ کر تم نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نفس کو دھوکا دے کر ہلاکت میں ڈالا۔ پھر توبہ نہ کی بلکہ راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور دین کے متعلق شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ یہی دھوکا رہا کہ آگے ان منافقانہ چالوں کا کچھ خمیازہ بھگتنا نہیں۔ بلکہ یہ خیالات اور امیدیں پکالیں کہ چند روز میں اسلام اور مسلمانوں کا یہ سب قصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آخر ہم ہی غالب ہوں گے۔ رہا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔ ان ہی خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور موت نے آ دبایا اور اس بڑے دغاباز (شیطان) نے تم کو بہکا کر ایسا کھو دیا کہ اب بیل رستگاری کی نہیں رہی۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
پس آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنھوں نے انکار کیا، تمھارا ٹھکانا ہی آگ ہے،
وہی تمھاری دوست ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

قیامت کے دن کوئی فدیہ نہ لیے جانے کا بیان

"فَالْيَوْم لَا يُؤْخَذ " بِالْيَاءِ وَالتَّاء "مِنْكُمْ فِدْيَة وَلَا مِنْ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوَاكُمْ النَّار هِيَ مَوْلَاكُمْ " أَوْلَى بِكُمْ "وَبِئْسَ الْمَصِير" هِيَ،

پس آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا یہاں پر لفظ یوخذ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ اور نہ ان لوگوں سے جنھوں نے انکار

کیا، تمہارا ٹھکانا ہی آگ ہے، وہی تمہاری دوست ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

یعنی بالفرض اگر آج تم (منافق) اور جو کھلے بندوں کافر تھے کچھ معاوضہ وغیرہ دے کر سزا سے بچنا چاہو تو اس کے منظور کیے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ بس تم سب کو اب اسی گھر میں رہنا ہے۔ یہ ہی دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے اور یہ ہی رفیق ہے۔ کسی دوسرے سے رفاقت کی توقع مت رکھو۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝
کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے رقّت کے ساتھ جھک جائیں
اور اس حق کے لئے جو نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی
پھر ان پر مدت دراز گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کے نرم ہو جانے کا بیان

"أَلَمْ يَأْنِ " يَحِنْ "لِلَّذِينَ آمَنُوا" نَزَلَتْ فِي شَأْنِ الصَّحَابَة لَمَّا أَكْثَرُوا الْمِزَاح "أَنْ تَخْشَع قُلُوبهمْ لِذِكْرِ اللَّه وَمَا نَزَّلَ " بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف "مِنْ الْحَقّ " الْقُرْآن "وَلَا يَكُونُوا " مَعْطُوف عَلَى تَخْشَع "كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَاب مِنْ قَبْل " هُمْ الْيَهُود وَالنَّصَارَى "فَطَالَ عَلَيْهِمْ الْأَمَد " الزَّمَن بَيْنهمْ وَبَيْن أَنْبِيَائِهِمْ "فَقَسَتْ قُلُوبهمْ " لَمْ تَلِنْ لِذِكْرِ اللَّه،

کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی جب ان میں مزاح کی کثرت ہونے لگی۔ کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے رقّت کے ساتھ جھک جائیں اور اس حق یعنی قرآن سے جو نازل ہوا ہے یہاں پر لفظ نزل یہ تشدید و تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں، یہاں پر لفظ ولا یکونوا کا عطف تخشع پر کیا گیا ہے۔ جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ پھر ان پر مدت دراز گزر گئی یعنی ان کے درمیان اور انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان زمانہ طویل ہو گیا۔ تو ان کے دل سخت ہو گئے، جو اللہ کے ذکر سے نرم نہیں ہوا کرتے تھے۔ اور ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔

سورت حدید آیت ۱۶ کے شان نزول کا بیان

کلبی اور مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت ہجرت کے ایک سال بعد منافقین کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے سلمان فارسی سے ایک دن کہا کہ ہمیں تورات کی کچھ باتیں سناؤ کیونکہ کہ اس میں بہت سی عجیب باتیں ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان حضرات کے علاوہ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت مومنین کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہی قول صحیح ہے۔

عبدالعزیز بن ابی رواد سے روایت ہے کہ نبی کے صحابہ میں کچھ ہنسی مذاق کا دو چلا تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل بن حیان سے روایت ہے کہ نبی کے صحابہ میں کسی چیز میں مذاق شروع ہو گیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ اعمش سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے صحابہ مدینہ آئے تو انہیں اس تنگی کے بعد جس میں وہ ایک عرصہ مبتلا رہے جب فراخی نصیب ہوئی تو وہ خیر کے کاموں میں تھوڑا سست پڑ گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔(سیوطی 283، ابن کثیر 4۔310، قرطبی 17۔248)

مصعب بن سعد حضرت سعد سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ پر ایک زمانہ تک اترتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ پر ایک زمانہ تک اسے تلاوت فرماتے رہے (ایک مرتبہ) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ آپ ہمیں کوئی قصہ سنائیں اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نحن نقص علیک احسن القصص)۔ ترجمہ۔ اے پیغمبر اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زمانہ تک قرآن کی تلاوت فرمائی تو ایک مرتبہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ آپ ہمیں کوئی حدیث سنائیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ اللہ نزل احسن الحدیث ۔ ترجمہ۔ خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہر مرتبہ انہیں قرآن ہی کا حکم دیا گیا۔ (مستدرک 2۔345)

خلاد کہتے ہیں کہ دوسرے راوی نے یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں کہ پھر صحابہ نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ آپ ہمارے سامنے کچھ ذکر فرمائیں تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ، کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد کرنے کے وقت اور قرآن جو (خدائے) برحق (کی طرف) سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں۔ (نیسابوری 335)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝
جان لو کہ بے شک اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے، بلاشبہ ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں، تا کہ تم سمجھو۔

زمین کی حیات سے دلوں کی حیات پر استدلال کا بیان

"اِعْلَمُوا " خِطَاب لِلْمُؤْمِنِينَ الْمَذْكُورِينَ "أَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْأَرْض بَعْد مَوْتهَا " بِالنَّبَاتِ فَكَذَلِكَ يَفْعَل بِقُلُوبِكُمْ يَرُدّهَا إِلَى الْخُشُوع "قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَات " الدَّالَّة عَلَى قُدْرَتنَا بِهَذَا وَغَيْره،

یہاں پر ذکر کردہ اہل ایمان سے خطاب ہے۔ جان لو کہ بے شک اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد نباتات کے ذریعے زندہ کرتا ہے، پس اسی طرح ہم تمہارے دلوں کو خشوع کی طرف لوٹا دیں گے۔ بلاشبہ ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں، جو ہماری قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ تا کہ تم سمجھو۔

مینہ برسا کر سبزہ اُگا کر بعد اس کے کہ خشک ہوگئی تھی ایسے ہی دلوں کو سخت ہو جانے کے بعد نرم کرتا ہے اور انہیں علم وحکمت سے زندگی عطا فرماتا ہے۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تمثیل ہے ذکر کے دلوں میں اثر کرنے کی جس طرح بارش سے زمین کو زندگی حاصل ہوتی ہے ایسے ہی ذکرِ الٰہی سے دل زندہ ہوتے ہیں۔(تفسیر خزائن العرفان،سورہ حدید،لاہور)

مومن اور منافق پر وحی کے اثر کا تقابل کا بیان

زمین پر بارش ہو تو وہ گلزار بن جاتی ہے اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔مگر بنجر زمین اس بارش کا بھی الٹا اثر لیتی ہے۔وہاں شور پیدا ہو جاتا ہے یا خاردار جھاڑیاں اور فضول قسم کی نباتات اگ آتی ہے۔یہی حال منافقوں کا ہے۔انسان کا دل زمین ہے اور وحی الٰہی باران رحمت۔اس سے سلیم الطبع لوگوں کے ایمان کی کھیتیاں تو لہلہانے لگتی ہیں مگر منافقوں کے دلوں میں یہی آیات الٰہی مزید شکوک وشبہات کا باعث بن جاتی ہیں اور وہ اپنی ناپاک سازشوں میں پہلے سے زیادہ سرگرم ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ٥
بیشک صدقہ وخیرات دینے والے مرد اور صدقہ وخیرات دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسنہ کے طور پر
قرض دیا ان کے لئے کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور ان کے لئے بڑی عزت والا ثواب ہوگا۔

صدقہ کرنے والے مرد وخواتین کی فضیلت کا بیان

"إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ " مِنْ التَّصَدُّق أُدْغِمَتْ التَّاء فِي الصَّاد أَيْ الَّذِينَ تَصَدَّقُوا "وَالْمُصَّدِّقَات" اللَّاتِي تَصَدَّقْنَ وَفِي قِرَاءَة بِتَخْفِيفِ الصَّاد فِيهِمَا مِنْ التَّصْدِيق وَالْإِيمَان "وَأَقْرَضُوا اللَّه قَرْضًا حَسَنًا " رَاجِع إلَى الذُّكُور وَالْإِنَاث بِالتَّغْلِيبِ وَعَطَفَ الْفِعْل عَلَى الِاسْم فِي صِلَة أَلْ لِأَنَّهُ فِيهَا حَلَّ مَحَلّ الْفِعْل وَذَكَرَ الْقَرْض بِوَصْفِهِ بَعْد التَّصَدُّق تَقْيِيد لَهُ "يُضَاعَف " وَفِي قِرَاءَة يُضَعَّف بِالتَّشْدِيدِ أَيْ قَرْضهمْ ،

بیشک صدقہ وخیرات دینے والے مرد، یہاں پر لفظ مصدقین یہ تصدق سے مشتق ہے۔جس میں تاء کا صاد میں ادغام کیا گیا ہے یعنی جنہوں نے صدقہ کیا۔اور صدقہ وخیرات دینے والی عورتیں یعنی وہ عورتیں جنہوں نے صدقہ کیا۔اور یہ ایک قرأت میں ان دونوں میں صاد کی تخفیف کے ساتھ آیا ہے۔جو تصدیق اور ایمان سے ہے۔اور جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسنہ کے طور پر قرض دیا اور یہ مرد اور عورتوں دونوں کو شامل ہے جبکہ لفظی تغلیب کے طور لایا گیا ہے۔اور یہاں پر فعل کا عطف اسم پر ہے جو الف لام کے صلہ میں ہے۔کیونکہ وہ محل فعل میں واقع ہوا ہے۔اور قرض کو صدقے کی قید کے بعد وصف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ان کے لئے صدقہ و قرضہ کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جائے گا یہاں پر بھی لفظ یضاعف ایک قرأت کے مطابق تشدید کے ساتھ یضعف آیا ہے۔یعنی جو ان کا قرض ہے۔اور ان کے لئے بڑی عزت والا ثواب ہوگا۔

صدقہ کرنے کے ثواب میں اضافہ ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھجور برابر (خواہ صورت میں خواہ قیمت میں) حلال کمائی میں خرچ کرے (اور یہ جان لو کہ) اللہ تعالیٰ صرف مال حلال قبول کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے۔

اور پھر اس صدقہ کو صدقہ دینے والے کے لئے اسی طرح پالتا ہے۔جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا بچھڑا پالتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ یا اس کا ثواب) پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 387)

کسب کے معنی ہیں جمع کرنا یہاں " کسب طیب " سے مراد وہ مال ہے جسے حلال ذریعوں سے جمع کیا جائے یعنی شرعی اصولوں کے تحت ہونے والی تجارت وصنعت زراعت و ملازمت اور وراثت یا حصہ میں حاصل ہونے والا مال۔"ولا یقبل اللہ الا الطیب" (اللہ تعالیٰ صرف حلال مال قبول کرتا ہے) میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بارگاہ الوہیت میں صرف وہی صدقہ قبول ہوتا ہے جو حلال مال کا ہو، غیر حلال مال قبول نہیں ہوتا نیز اس سے یہ نکتہ بھی پیدا ہوا کہ حلال مال اچھی اور نیک جگہ ہی خرچ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے۔کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جانے والا حلال مال بارگاہ الوہیت میں کمال قبول کو پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ حلال مال خرچ کرنے والے سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اسی مفہوم کو یہاں " داہنے سے لینے " سے اس لئے محاورۃ اور عرفاً تعبیر کیا گیا ہے کہ پسندیدہ اور محبوب چیز داہنے ہاتھ ہی سے لی جاتی ہے۔" پالتا " ہے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقے کے ثواب کو بڑھاتا جاتا ہے تاکہ وہ قیامت کے روز میزان عمل میں گراں ثابت ہو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط لَهُمْ اَجْرُهُمْ
وَنُوْرُهُمْ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○
اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں، ان کے لئے
ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے، اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں۔

ایمان وصداقت وشہادت والوں کا بیان

"وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُله أُولَئِكَ هُمْ الصِّدِّيقُونَ " الْمُبَالِغُونَ فِي التَّصْدِيق "وَالشُّهَدَاء عِنْد رَبّهمْ " عَلَى الْمُكَذِّبِينَ مِنْ الْأُمَم "لَهُمْ أَجْرهمْ وَنُورهمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا " الدَّالَّة عَلَى وَحْدَانِيّتنَا "أُولَئِكَ أَصْحَاب الْجَحِيم " النَّار،

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں، یعنی تصدیق میں مبالغہ کرنے والے ہیں۔اور اپنے رب کے ہاں شہید ہیں۔جو تکذیب کرنے والی امم پر گواہ ہیں۔ان کے لئے ان کا اجر بھی ہے اور

ان کا نور بھی ہے، اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یعنی جن کی دلالت ہماری وحدانیت پر تھی۔ وہی لوگ دوزخی ہیں۔

صدقہ وخیرات کرنے والوں کے لئے اجر وثواب

فقیر مسکین محتاجوں اور حاجت مندوں کو خالص اللہ کی مرضی کی جستجو میں جو لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے اللہ کی راہ میں صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ دس دس گنے اور اس سے بھی زیادہ سات سات سو تک بلکہ اس سے بھی سوا ان کے ثواب بیحساب ہیں ان کے اجر بہت بڑے ہیں۔ اللہ رسول پر ایمان رکھنے والے ہی صدیق وشہید ہیں، ان دونوں اوصاف کے مستحق صرف با ایمان لوگ ہیں، بعض حضرات نے الشہداء کو الگ جملہ مانا ہے، غرض تین قسمیں ہوئیں مصدقین صدیقین شہداء جیسے اور روایت میں ہے اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت گذار انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی، صدیق، شہید اور صالح لوگ ہیں، پس صدیق وشہید میں یہاں بھی فرق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں، صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو، لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری مسلم)

ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف اس آیت میں اسی مومن کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے مومن شہید ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عمرو بن میمون کا قول ہے یہ دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے، بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ، پرندوں کے قالب میں ہوں گی جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی ان کے رب نے ان کی طرف ایک بار دیکھا اور پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ کہ تو ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج تا کہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں اللہ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں۔ 1- وہ پکے ایمان والا مومن جو دشمن اللہ سے بھڑ گیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس کا وہ درجہ ہے کہ اہل محشر اس طرح سر اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنا سر اس قدر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی اور اس حدیث کے راوی حضرت عمر نے بھی اسے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی۔ 2- دوسرا وہ ایمان دار نکلا جہاد میں لیکن دل میں جرات کم ہے کہ یکا یک ایک تیر آ لگا اور روح پرواز کر گئی یہ دوسرے درجہ کا شہید جنتی ہے۔ 3- تیسرا وہ جس کے بھلے برے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرما لیا اور میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی تیسرے درجے میں ہیں۔

چوتھا وہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جہاد میں نکلا اور اللہ نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوالیا۔ان نیک لوگوں کا انجام بیان کر کے اب بدلوگوں کا نتیجہ بیان کیا کہ یہ جہنمی ہیں۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ حدید، بیروت)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ
وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝
جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور ظاہری آرائش ہے اور آپس میں فخر اور خودستائی ہے اور ایک دوسرے پر
مال واولاد میں زیادتی کی طلب ہے، اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ جس کی پیداوار کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خشک
ہو جاتی ہے پھر تم اسے پک کر زرد ہوتا دیکھتے ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں سخت عذاب ہے
اور اللہ کی جانب سے مغفرت اور عظیم خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی کو کھیل تماشہ سمجھنے والوں کا بیان

"اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاة الدُّنْيَا لَعِب وَلَهْو وَزِينَة "تَزْيِين "وَتَفَاخُر بَيْنكُمْ وَتَكَاثُر فِي الْأَمْوَال وَالْأَوْلَاد " أَيْ الِاشْتِغَال فِيهَا وَأَمَّا الطَّاعَات وَمَا يُعِين عَلَيْهَا فَمِنْ أُمُور الْآخِرَة "كَمَثَلِ" أَيْ هِيَ فِي إعْجَابهَا لَكُمْ وَاضْمِحْلَالهَا كَمَثَلِ "غَيْث" مَطَر "أَعْجَبَ الْكُفَّار " الزُّرَّاع "نَبَاته " النَّاشِء عَنْهُ "ثُمَّ يَهِيج" يَيْبَس "فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُون حُطَامًا " فُتَاتًا يَضْمَحِلّ بِالرِّيَاحِ "وَفِي الْآخِرَة عَذَاب شَدِيد "لِمَنْ آثَرَ عَلَيْهَا الدُّنْيَا "وَمَغْفِرَة مِنْ اللَّه وَرِضْوَان "لِمَنْ لَمْ يُؤْثِر عَلَيْهَا الدُّنْيَا "وَمَا الْحَيَاة الدُّنْيَا" مَا التَّمَتُّع فِيهَا،

جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے یعنی تمہارا باہمی فخر کرنا اور تمہارے اموال اور اولاد میں کثرت کا ہونا یعنی ان میں مصروف ہو جانا۔اور ظاہری آرائش ہے اور آپس میں فخر اور خودستائی ہے اور ایک دوسرے پر مال واولاد میں زیادتی کی طلب ہے، جبکہ اس کے برخلاف طاعات جس کا معائنہ آخرت کے امور سے ہے۔اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ جس کی پیداوار کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تم اسے پک کر زرد ہوتا دیکھتے ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں نافرمانوں کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ انہوں نے جو دنیا میں اثر چھوڑا ہے۔اور فرمانبرداروں کے لئے اللہ کی جانب سے مغفرت اور عظیم خوشنودی ہے، جن پر دنیاوی خواہشات اثر نہ کرسکیں۔اور دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں ہے۔یعنی اس میں حقیقت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

لوگوں کی خواہشات کے مزین ہونے کا بیان

لوگوں کے لئے ان کی خواہش کی چیزوں کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے عورتیں بچے وغیرہ پھر حیات دنیا کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ اس کی تازگی فانی ہے اور یہاں کی نعمتیں زوال پذیر ہیں۔غیث کہتے ہیں اس بارش کو جو لوگوں کی نا امیدی کے بعد برسے۔جیسے فرمان ہے آیت (وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ،الشوریٰ:28)،اللہ وہ ہے جو لوگوں کی نا امیدی کے بعد بارش برساتا ہے۔پس جس طرح بارش کی وجہ سے زمین سے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ لہلہاتی ہوئی کسان کی آنکھوں کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں،اسی طرح اہل دنیا اسباب دنیوی پر پھولتے ہیں،لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی ہری بھری کھیتی خشک ہو کر زرد پڑ جاتی ہے پھر آخر سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح دنیا کی تر و تازگی اور یہاں کی بہبودی اور ترقی بھی خاک میں مل جانے والی ہے،دنیا کی بھی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایک وقت جوان ہے پھر ادھیڑ ہے پھر بڑھیا ہے،ٹھیک اسی طرح خود انسان کی حالت ہے اس کے بچپن جوانی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کو دیکھتے جایئے پھر اس کی موت اور فنا کو سامنے رکھے،کہاں جوانی کے وقت اس کا جوش وخروش زور طاقت اور کس بل؟اور کہاں بڑھاپے کی کمزوری جھریاں پڑا ہوا جسم خمیدہ کمر اور بیطاقت ہڈیاں؟جیسے ارشاد باری ہے آیت (اللہ هو الذی خلقکم من ضعف) اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی پھر اس وقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ عالم اور قادر ہے۔اس مثال سے دنیا کی فنا اور اس کا زوال ظاہر کر کے پھر آخرت کے دونوں منظر دکھا کر ایک سے ڈراتا ہے اور دوسرے کی رغبت دلاتا ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی،سورہ حدید،بیروت)

صدقہ کرنے والے اور بخیل کی مثال کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی ہے جن کے جسم پر لوہے کی زرہیں اور ان زرہوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے ہاتھ ان کی چھاتیوں اور گردن کی ہنسلی کی طرف چمٹے ہوئے ہوں چنانچہ جب صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کھل جاتی ہے اور جب بخیل صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کے حلقے اور تنگ ہو جاتے ہیں اور اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔

(بخاری ومسلم،مشکوٰۃ شریف:جلد دوم:حدیث نمبر 362)

اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ سخی انسان جب اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس جذبہ صدق کی بنا پر اس کا سینہ کشادہ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کے قلب واحساسات کے تابع ہوتے ہیں بایں طور کہ وہ مال خرچ کرنے کے لئے دراز ہوتے ہیں اس کے برخلاف ایسے مواقع پر بخیل انسان کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ سمٹ جاتے ہیں۔

اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ جب سخی انسان خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے بایں طور کہ اس کے لئے خیر و بھلائی اور نیکی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے اور بخیل کے لئے نیکی و بھلائی کا راستہ دشوار گزار ہو جاتا ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝

تم اپنے رب کی بخشش کی طرف تیز لپکو اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی وسعت جتنی ہے، ان لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے اسے عطا فرمادیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

مغفرت وجنت کی طرف آنے کے حکم کا بیان

"سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضهَا كَعَرْضِ السَّمَاء وَالْأَرْض " لَوْ وُصِلَتْ إِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى وَالْعَرْض : السَّعَة،

تم اپنے رب کی بخشش کی طرف تیز لپکو اور جنت کی طرف بھی جس کی چوڑائی ہی آسمان اور زمین کی وسعت جتنی ہے، یعنی جب ایک کو دوسرے سے ملایا جائے۔ اور عرض سے مراد وسعت ہے۔ ان لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے اسے عطا فرمادیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

جنت کی طرف مسابقت کرنے کا بیان

مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان وزمین کے عرض کے برابر ہے۔ مسابقت کرنے سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ عمر اور صحت وقدرت کا کچھ بھروسہ نہیں، نیک اعمال میں سستی اور ٹال مٹول نہ کرو ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی بیماری یا عذر آ کر تمہیں اس کام کے قابل نہ چھوڑے، یا موت ہی آجائے تو حاصل مسابقت کا یہ ہے کہ عجز وضعف اور موت سے مسابقت کرو کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے ایسے اعمال کا ذخیرہ کرلو جو جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکیں۔

اور مسابقت کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو جیسا کہ حضرت علی نے اپنی نصائح میں فرمایا کہ تم مسجد میں سب سے پہلے جانے والے اور سب سے آخر میں نکلنے والے بنو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ جہاد کی صفوف میں سے پہلی صف میں رہنے کے لئے بڑھو، حضرت انس نے فرمایا کہ جماعت نماز میں پہلی تکبیر میں حاضر رہنے کی کوشش کرو۔

جنت کی تعریف میں فرمایا کہ اس کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہوگا، سورہ آل عمران میں بھی اسی مضمون کی آیت پہلے آچکی ہے، اس میں لفظ سمٰوٰت جمع کے ساتھ آیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آسمان سے مراد ساتوں آسمان ہیں اور معنی یہ ہیں کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کی وسعت کو ایک جگہ جمع کرلو تو وہ جنت کا عرض ہو، یعنی چوڑائی اور یہ ظاہر ہے کہ طول ہر چیز کا اس کے عرض سے زائد ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جنت کی وسعت ساتوں آسمانوں اور زمین کی وسعت سے بڑھی ہوئی ہے اور لفظ عرض کبھی مطلق وسعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس میں طویل کا مقابلہ مقصود نہیں ہوتا، دونوں صورتوں میں جنت کی عظیم الشان وسعت کا

بیان ہو گیا۔

اس سے پہلی آیت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے لئے مسابقت اور کوشش کا حکم تھا، اس سے کسی کو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ہمارے عمل کا ثمرہ اور ہمارا عمل اس کے لئے کافی ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال حصول جنت کے لئے علت کافیہ نہیں ہیں، جن پر عطاء جنت کا مرتب ہونا لازمی ہی ہو، انسان کے عمر بھر کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اس کو مل چکی ہیں۔

ہمارے یہ اعمال جنت کی لازوال نعمتوں کی قیمت نہیں بن سکتے، جنت میں جو بھی داخل ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان ہی سے داخل ہوگا، جیسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت حاصل نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت ہو جائے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ حدید، بیروت)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝
کوئی بھی مصیبت نہ تو زمین میں پہنچتی ہے اور نہ تمہاری زندگیوں میں مگر وہ ایک کتاب میں اس سے قبل کہ
ہم اسے پیدا کریں ہوتی ہے، بیشک یہ اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔

لوح محفوظ پر تقدیر کے لکھ دیئے جانے کا بیان

"مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَة فِي الْأَرْض " بِالْجَدْبِ "وَلَا فِي أَنْفُسكُمْ" كَالْمَرَضِ وَفَقْد الْوَلَد "إِلَّا فِي كِتَاب" يَعْنِي اللَّوْح الْمَحْفُوظ "مِنْ قَبْل أَنْ نَبْرَأهَا " نَخْلُقهَا وَيُقَال فِي النِّعْمَة كَذَلِكَ،

کوئی بھی مصیبت یعنی خشک سالی نہ تو زمین میں پہنچتی ہے اور نہ تمہاری زندگیوں میں جس طرح بیماری اور بچے کا فوت ہو جانا ہے۔ مگر وہ ایک کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں ہے اس سے قبل کہ ہم اسے پیدا کریں اور اس نعمت کے بارے میں کہا جاتا ہے تو وہ موجود ہوتی ہے، بیشک یہ (علم محیط و کامل) اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔

تقدیر کے مطابق وقوع واقعات کا بیان

ملک میں جو عام آفت آئے مثلاً قحط، زلزلہ وغیرہ اور خود تم کو جو مصیبت لاحق ہو مثلاً مرض وغیرہ وہ سب اللہ کے علم میں قدیم سے طے شدہ ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اسی کے موافق دنیا میں ظہور ہو کر رہے گا۔ ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔

یعنی اللہ کو ہر چیز کا علم ذاتی ہے کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا پھر اپنے علم محیط کے موافق تمام واقعات و حوادث کو قبل از وقوع

کتاب (لوح محفوظ) میں درج کر دینا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔

ابی خزامہ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ عملیات جن کو ہم (شفاء کے لئے) پڑھواتے ہیں اور وہ دوائیں جن کو ہم (حصول صحت کے لئے) استعمال کرتے ہیں اور وہ ہر چیزیں جن سے ہم حفاظت حاصل کرتے ہیں (مثلاً ڈھال اور زرہ وغیرہ ان کے بارے میں مجھے بتایئے کہ کیا یہ سب چیزیں نوشتہ تقدیر میں کچھ اثرانداز ہو جاتی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ چیزیں بھی نوشتہ تقدیر ہی کے مطابق ہیں)۔

(مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 94)

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰـكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ
تا کہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اس چیز پر نہ اِتراؤ جو اس نے تمہیں عطا کی،
اور اللہ کسی تکبّر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

بعض نعمتوں کے چلے جانے پر غم نہ کرنے کا بیان

"لِكَيْلَا" كَيْ نَاصِبَة لِلْفِعْلِ بِمَعْنَى أَنْ أَيْ أَخْبَرَ تَعَالَى بِذَلِكَ لِئَلَّا "تَأْسَوْا" تَحْزَنُوا "عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا" فَرَح بَطَر بَلْ فَرَح شُكْر عَلَى النِّعْمَة "بِمَا آتَاكُمْ" بِالْمَدِّ أَعْطَاكُمْ وَبِالْقَصْرِ جَاءَكُمْ مِنْهُ "وَاَللّٰه لَا يُحِبّ كُلّ مُخْتَال" مُتَكَبِّر بِمَا أُوتِيَ "فَخُور" بِهِ عَلَى النَّاس

تا کہ تم اس چیز پر غم نہ کرو، یہاں پر لفظ کی یہ ناصب فعل بہ معنی اَن ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے۔ جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اس چیز پر نہ اِتراؤ بلکہ تم خوش ہو کر اس پر شکر ادا کرو۔ جو اس نے تمہیں عطا کی، یہاں پر لفظ اتاکم یہ مد اور بغیر مد دونوں طرح آیا ہے۔ اور اللہ کسی تکبّر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی جب اس کو دیا جائے تو وہ اس کے سبب لوگوں پر تکبر کرے۔

اور یہ سمجھ لو کہ جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے ضرور ہونا ہے نہ غم کرنے سے کوئی ضائع شدہ چیز واپس مل سکتی ہیں، نہ فنا ہونے والی چیز اترانے کے لائق ہے تو چاہئے کہ خوشی کی جگہ شکر اور غم کی جگہ صبر اختیار کرو۔ غم سے مراد یہاں انسان کی وہ حالت ہے جس میں صبر اور رضا بقضائے الٰہی اور امیدِ ثواب باقی نہ رہے۔ اور خوشی سے وہ اترانا مراد ہے جس میں مست ہو کر آدمی شکر سے غافل ہو جائے۔ اور وہ غم و رنج جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس کی رضا پر راضی ہو ایسے ہی وہ خوشی جس پر حق تعالیٰ کا شکر گزار ہو ممنوع نہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے فرزندِ آدم کسی چیز کے فقدان پر کیوں غم کرتا ہے یہ اس کو تیرے پاس واپس نہ لائے گا اور کسی موجود چیز پر کیوں اتراتا ہے موت اس کو تیرے ہاتھ میں نہ چھوڑے گی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ حدید)

﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾
وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو منہ موڑ جائے تو یقیناً اللہ ہی ہے
جو بڑا بے پرواہے، بہت تعریفوں والا ہے۔

بخل کرنے اور بخل کا حکم دینے والوں کا بیان

"الَّذِينَ يَبْخَلُونَ" بِمَا يَجِب عَلَيْهِمْ "وَيَأْمُرُونَ النَّاس بِالْبُخْلِ" بِهِ لَهُمْ وَعِيد شَدِيد "وَمَنْ يَتَوَلَّ" عَمَّا يَجِب عَلَيْهِ "فَإِنَّ اللَّه هُوَ" ضَمِير فَصْل وَفِي قِرَاءَة بِسُقُوطِهِ "الْغَنِيّ" عَنْ غَيْره "الْحَمِيد" لِأَوْلِيَائِهِ،

وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں یعنی جن پر واجبات ہیں۔ اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں لہٰذا اس کنجوسی کے سبب ان کیلئے سخت وعید ہے۔ اور جو منہ موڑ جائے اس سے جو اس پر واجب تھا۔ تو یقیناً اللہ ہی ہے، یہاں پر ھو ضمیر فصل ہے۔ اور ایک قرأت میں اس کے سقوط کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جو اپنے غیر سے بڑا بے پرواہے، اپنے اولیاء کیلئے بہت تعریفوں والا ہے۔

بخل کی مذمت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک فرشتہ تو سخی کے لئے یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما یعنی جو شخص جائز جگہ اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کو بہت زیادہ بدلہ عطا فرما بایں طور کہ یا تو دنیا میں اسے خرچ کرنے سے کہیں زیادہ مال دے دے یا آخرت میں اجر و ثواب عطا فرما اور دوسرا فرشتہ بخیل کے لئے بد دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخیل کو تلف (نقصان) دے اور یعنی جو شخص مال و دولت جمع کرتا ہے اور جائز جگہ خرچ نہیں کرتا بلکہ بے محل اور بے مصرف خرچ کرتا ہے تو اس کا مال تلف و ضائع کر دے۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 358)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز ظلم اندھیروں کی شکل میں ہوگا (جس میں ظالم بھٹکتا پھرے گا) اور بخل سے بچو کیونکہ بخل نے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے جو تم سے پہلے گزرے ہیں بخل ہی کے باعث انہوں نے خونریزی کی اور حرام کو حلال جانا۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 363)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ
وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾

بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا، تا کہ لوگ انصاف
پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں اور تا کہ اللہ جان
لے کہ کون دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔

رسولان گرامی کی بعثت کا دلائل قواطع کے ساتھ ہونے کا بیان

"لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلنَا " الْمَلَائِكَة إِلَى الْأَنْبِيَاء "بِالْبَيِّنَاتِ " بِالْحِجَجِ الْقَوَاطِع "وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمْ الْكِتَاب " بِمَعْنَى الْكُتُب "وَالْمِيزَان " الْعَدْل "لِيَقُومَ النَّاس بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيد " أَخْرَجْنَاهُ مِنْ الْمَعَادِن "فِيهِ بَأْس شَدِيد" يُقَاتِل بِهِ "وَمَنَافِع لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَم اللَّه " عِلْم مُشَاهَدَة مَعْطُوف عَلَى لِيَقُومَ النَّاس "مَنْ يَنْصُرهُ " بِأَنْ يَنْصُر دِينه بِآلَاتِ الْحَرْب مِنْ الْحَدِيد وَغَيْره "وَرُسُله بِالْغَيْبِ " حَال مِنْ هَاء يَنْصُرهُ أَيْ غَائِبًا عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ ابْن عَبَّاس : يَنْصُرُونَهُ وَلَا يُبْصِرُونَهُ "إِنَّ اللَّه قَوِيّ عَزِيز" لَا حَاجَة لَهُ إِلَى النُّصْرَة لَكِنَّهَا تَنْفَع مَنْ يَأْتِي بِهَا،

بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں یعنی فرشتوں کو انبیائے کرام کی طرف واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا یعنی دلائل قواطع کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور ان کے ساتھ کتاب بہ معنی کتب اور ترازو یعنی عدل کو نازل کیا، تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا یعنی اس کو معادن سے نکالا ہے۔ جس میں سخت لڑائی کا سامان ہے جس کے ساتھ وہ لڑتے ہیں۔ اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں اور تا کہ اللہ آزمائش کر لے یعنی جو اس کا علم مشاہدہ ہے۔ یہاں پر اس کا عطف لیقوم کیا گیا ہے۔ کہ کون دیکھے بغیر اس کی یعنی اس کے دین کی لوہے وغیرہ کے جنگی سامان سے مدد کرتا ہے۔ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یہاں پر لفظ بالغیب یہ ینصرہ کی ضمیر سے حال ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ وہ اس کی مدد کرتے ہیں جبکہ اس کو دیکھتے نہیں۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔ لہٰذا اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ لیکن جو ایسا کرتا ہے وہ اپنے لئے فائدہ کرتا ہے۔

لوہے کے ذریعے منکرین حق پر تغلیب کا بیان

پھر فرماتا ہے ہم نے منکرین حق کی سرکوبی کے لئے لوہا بنایا ہے، یعنی اولاً تو کتاب و رسول اور حق سے حجت قائم کی پھر ٹیڑھے دل والوں کی کجی نکالنے کے لئے لوہے کو پیدا کر دیا تا کہ اس کے ہتھیار بنیں اور اللہ دوست حضرات اللہ کے دشمنوں کے دل کا کانٹا نکال دیں، یہی نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بالکل عیاں نظر آتا ہے کہ مکہ شریف کے تیرہ سال مشرکین کو سمجھانے، توحید و سنت کی دعوت دینے، ان کے عقائد کی اصلاح کرنے میں گذارے۔ خود اپنے اوپر مصیبتیں جھیلیں لیکن جب یہ حجت ختم ہوگئی تو شرع نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی، پھر حکم دیا کہ اب ان مخالفین سے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کو روک رکھا ہے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا ہے ان کی زندگی دوبھر کردی ہے ان سے باقاعدہ جنگ کرو، ان کی گردنیں مارو اور ان مخالفین وحی الٰہی سے زمین کو پاک کرو۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں قیامت کے آگے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کے سایہ تلے رکھا گیا ہے اور کمینہ پن اور ذلت ان لوگوں پر ہے جو میرے حکم کی مخالفت کریں اور جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔ پس لوہے سے لڑائی کے ہتھیار بنتے ہیں جیسے تلوار نیزے چھریاں تیز زرہیں وغیرہ اور لوگوں کے لئے اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں۔ جیسے سکے، کدال، پھاوڑے، آرے، کھیتی کے آلات، بننے کے آلات، پکانے کے برتن، توے وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی ایسی ہی چیزیں جو انسانی زندگی کی ضروریات سے ہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آئیں نہائی، سنی اور ہتھوڑا۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ حدید، بیروت)

لوہے کے فوائد کا بیان

کتاب اور میزان کے بعد ایک تیسری چیز کے نازل کرنے کا ذکر ہے، یعنی حدید (لوہا) اس کے نازل کرنے کا مطلب بھی اس کو پیدا کرنا، جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں چوپایہ جانوروں کے متعلق بھی لفظ انزال استعمال فرمایا ہے، حالانکہ وہ کہیں آسمان سے نازل نہیں ہوتے، زمین پر پیدا ہوتے ہیں، آیت یہ ہے (آیت) وانزل لکم من الانعام ثمنية ازواج، یہاں باتفاق انزلنا سے مراد خلقنا ہے یعنی تخلیق کو انزال کے لفظ سے تعبیر کر دیا کہ جس میں اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اس اعتبار سے منزل من السماء ہے کہ اس کے پیدا ہونے سے بھی بہت پہلے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ حدید یعنی لوہے کو نازل کرنے کی دو حکمتیں آیت میں بیان فرمائی ہیں، اول یہ کہ مخالفین پر اس کا رعب پڑتا ہے اور سرکشوں کو اس کے ذریعہ احکام الٰہیہ اور عدل وانصاف کے احکام کا پابند بنایا جا سکتا ہے، دوسرے یہ کہ اس میں لوگوں کے لئے بہت منافع حق تعالیٰ نے رکھے ہیں کہ جس قدر صنعتیں اور ایجادات ومصنوعات دنیا میں ہوئی یا آئندہ ہو رہی ہیں ان سب میں لوہے کی ضرورت ہے، لوہے کے بغیر کوئی صنعت نہیں چل سکتی۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ حدید بہ تصرف، بیروت)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ
فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞
اور بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا اور ہم نے دونوں کی اولاد میں رسالت اور کتاب
مقرر فرمادی تو ان میں سے ہدایت یافتہ ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت وکتابیں آنے کا بیان

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيم وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتهمَا النُّبُوَّة وَالْكِتَاب " يَعْنِي الْكُتُب الْأَرْبَعَة: التَّوْرَاة وَالْإِنْجِيل وَالزَّبُور وَالْفُرْقَان فَإِنَّهَا فِي ذُرِّيَّة إِبْرَاهِيم،

اور بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا اور ہم نے دونوں کی اولاد میں رسالت اور کتاب مقرر فرما دی یعنی کتب اربعہ جیسے تورات، انجیل، زبور اور فرقان ہے۔ پس بے شک یہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں ہیں۔ تو ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔

انبیائے کرام کی بعثت کا دلائل کے ساتھ ہونے کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو پکارا آپ نے لبیک کہا آپ نے فرمایا سنو بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے تین نے نجات پائی، پہلے فرقہ نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ شروع کی لیکن آخر وہ لوگ جدال وقتال پر اتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے ان پر لشکر کشی کی اور انہیں قتل بھی کیا قید بھی کیا ان لوگوں نے تو نجات حاصل کر لی، پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی ان میں مقابلہ کی طاقت تو نہ تھی تاہم اپنے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہوں کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور اللہ کے سچے دین اور حضرت عیسیٰ کے اصلی مسلک کی طرف انہیں دعوت دینے لگے، ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کرایا آروں سے بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا جسے اس جماعت نے صبر وشکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی، پھر تیسری جماعت اٹھی یہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں اس لئے انہوں نے اپنے دین کا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں انہی کا ذکر رہبانیت والی آیت میں ہے، یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں ایسے ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میرا خلاف کریں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ حدید، بیروت)

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ
فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○
پھر ہم نے ان رسولوں کے نقوشِ قدم پر رسولوں کو بھیجا اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کو بھیجا اور
ہم نے انہیں انجیل عطا کی اور ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں جو ان کی پیروی کر رہے تھے شفقت اور رحمت پیدا کر دی۔
اور رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر محض اللہ کی رضا حاصل کرنے
کے لئے، پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کر سکے، سو ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے
ایمان لائے تھے، ان کا اجر وثواب عطا کر دیا اور ان میں سے اکثر لوگ بہت نافرمان ہیں۔

دین عیسوی اور تصور رہبانیت کا بیان

"ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيل وَجَعَلْنَا فِي قُلُوب الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَة وَرَحْمَة وَرَهْبَانِيَّة " هِيَ رَفْض النِّسَاء وَاتِّخَاذ الصَّوَامِع "ابْتَدَعُوهَا " مِنْ قَبْل أَنْفُسهمْ "مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ" مَا أَمَرْنَاهُمْ بِهَا "إلَّا " لَكِنْ فَعَلُوهَا "ابْتِغَاء رِضْوَان " مَرْضَاة "اللَّه فَمَا رَعَوْهَا حَقّ رِعَايَتهَا " إذْ تَرَكَهَا كَثِير مِنْهُمْ وَكَفَرُوا بِدِينِ عِيسَى وَدَخَلُوا فِي دِين مَلِكهمْ وَبَقِيَ عَلَى دِين عِيسَى كَثِير مِنْهُمْ فَآمَنُوا بِنَبِيِّنَا "فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا " بِهِ،

پھر ہم نے ان رسولوں کے نقوشِ قدم پر دوسرے رسولوں کو بھیجا اور ہم نے ان کے پیچھے عیسٰی ابن مریم علیہما السلام کو بھیجا اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی اور ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں جو ان کی (یعنی عیسٰی علیہ السلام کی صحیح) پیروی کر رہے تھے شفقت اور رحمت پیدا کر دی۔ اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے عورتوں کو ترک کرنا اور عبادت خانے کو لازم پکڑ لینا ہے۔ اس کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، یعنی ہم نے انہیں اس کا حکم نہ دیا تھا۔ مگر انہوں نے رہبانیت کی یہ بدعت محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے شروع کی تھی۔ پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کر سکے یعنی اسے اسی جذبہ اور پابندی سے جاری نہ رکھ سکی۔ پس انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دین کو چھوڑ دیا اور اپنے بادشاہوں کے دین میں داخل ہو گئے۔ اور ان میں سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دین پر بھی کثیر رہے جو ہمارے انبیائے کرام پر ایمان لائے۔ سو ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے تھے، ان کا اجر وثواب عطا کر دیا اور ان میں سے اکثر لوگ بہت نافرمان ہیں۔

عبادت کیلئے تنہائی اختیار کر جانے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسٰی کے بعد توریت وانجیل میں تبدیلیاں کر لیں، لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات وانجیل ان کے ہاتھوں میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان لوگوں نے (جنہوں نے کتاب اللہ میں ردوبدل کر لیا تھا) اپنے بادشاہوں سے ان سچے مومنوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ کتاب اللہ کہہ کر جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں اس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں، پھر یہ لوگ ہمارے اعمال پر بھی عیب گیری کرتے رہتے ہیں، پس آپ انہیں دربار میں بلوائیے اور انہیں مجبور کیجئے کہ یا تو وہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ویسا ہی عقیدہ ایمان رکھیں جیسا ہمارا ہے ورنہ انہیں بدترین عبرت ناک سزا دیجیے، چنانچہ ان سچے مسلمانوں کو دربار میں بلوایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یا تو ہماری اصلاح کردہ کتاب پڑھا کرو اور تمہارے اپنے ہاتھوں میں جو الہامی کتابیں انہیں چھوڑ دو ورنہ جان سے ہاتھ دھو لو اور قتل گاہ کی طرف قدم بڑھاؤ، اس پر ان پاک بازوں کی ایک جماعت نے کہا کہ تم ہمیں ستاؤ نہیں تم اونچی عمارت بنا دو ہمیں وہاں پہنچا دو اور

ڈوری چھڑی دیدو ہمارا کھانا پینا اس میں ڈال دیا کرو ہم اوپر سے گھسیٹ لیا کریں گے نیچے اتریں گے ہی نہیں اور تم میں آئیں گے ہی نہیں، ایک جماعت نے کہا سنو ہم یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جاتے ہیں تمہاری بادشاہت کی سرزمین سے باہر ہو جاتے ہیں چشموں، نہروں، ندیوں، نالوں اَوْر تالابوں سے جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پیا کریں گے اور جو پھول پات مل جائیں گے ان پر گزارہ کرلیں گے۔ اس کے بعد اگر تم ہمیں اپنے ملک میں دیکھ لو تو بیشک گردن اڑا دینا، تیسری جماعت نے کہا ہمیں اپنی آبادی کے ایک طرف کچھ زمین دیدو اور وہاں حصار کھینچ دو وہیں ہم کنویں کھود لیں گے اور کھیتی کر لیا کریں گے تم میں ہرگز نہ آئیں گے۔ چونکہ اس اللہ پرست جماعت سے ان لوگوں کی قریبی رشتہ داریاں تھیں اس لئے یہ درخواستیں منظور کر لی گئیں اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے، لیکن ان کے ساتھ بعض اور لوگ بھی لگ گئے جنہیں دراصل علم و ایمان نہ تھا تقلیداً ساتھ ہو لیے، ان کے بارے میں یہ آیت (وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ،الحدید:27) نازل ہوئی، پس جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اس وقت ان میں سے بہت کم لوگ رہ گئے تھے آپ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں والے اپنی خانقاہوں سے اور جنگلوں والے اپنے جنگلوں سے اور حصار والے اپنے حصاروں سے نکل کھڑے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی جس کا ذکر اس آیت میں ہے (یا ایها الذین امنوا بر سوله یؤتكم كفلين من رحمته ويجعل لكم نورا تمشون به) الخ، یعنی ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تمہیں اللہ اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا (یعنی حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا اور پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو (یعنی قرآن وسنت) تا کہ اہل کتاب جان لیں (جو تم جیسے ہیں) کہ اللہ کے کسی فضل کا انہیں اختیار نہیں اور سارا فضل اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

ابو یعلی میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے زمانہ میں آئے، آپ اس وقت امیر مدینہ تھے جب یہ آئے اس وقت حضرت انس نماز ادا کر رہے تھے اور بہت ہلکی نماز پڑھ رہے تھے جیسے مسافرت کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض اور یہی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، میں نے اپنے خیال سے اپنی یاد برابر تو اس میں کوئی خطا نہیں کی، ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت نہیں کہہ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی، ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی پس ان کی بقیہ خانقاہوں میں اور گھروں میں اب بھی دیکھ لو ترک دنیا کی ہی وہی سختی تھی جسے اللہ نے ان پر واجب نہیں کیا تھا۔ دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آئیے سواریوں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

حضرت انس نے فرمایا بہت اچھا ہم سوار ہو کر چلے اور کئی ایک بستیاں دیکھیں جو بالکل اجڑ گئی تھیں اور مکانات اوندھے پڑے

ہوئے تھے تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے باشندوں سے بھی انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا۔ حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ آنکھ کا بھی زنا ہے ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے اور شرمگاہ اسے سچ ثابت کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حدید، بیروت)

اسلام میں رہبانیت نہ ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، تم اپنے نفس پر سختی نہ کرو اس لئے کہ پھر اللہ بھی تم پر سختی کرے گا، ایک قوم (یعنی بنی اسرائیل) نے اپنے نفس پر سختی کی تھی چنانچہ اللہ نے بھی اس پر سختی کی۔ پس آج جو لوگ صومعوں اور دیار میں پائے جاتے ہیں یہ انہیں لوگوں نے پیدا کیا ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔

(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 176)

مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں کو خواہ مخواہ زیادہ محنت و مشقت میں مبتلا نہ کرو یعنی ریاضت و مجاہدہ میں ایسے طریقے اختیار نہ کرو جن کو تمہارے قوی برداشت کرنے کے اہل نہ ہوں اور نہ تمہارا نفس اتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتا ہو اور اسی طرح ایسی چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لئے مباح قرار دی ہیں اس لئے کہ اگر تم اپنی طرف سے اپنی جانوں پر سختی کرو گے اور زیادہ محنت و مشقت میں پڑو گے تو اللہ انہیں چیزوں کو تمہارے اوپر فرض کرے گا لیکن تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ تم ان کے حقوق ادا کر سکو، نتیجہ میں آخرت کی تباہی و ہلاکت اپنے ذمہ لے لو گے۔

صومعہ اس جگہ کو فرماتے ہیں جہاں عیسائی عبادت کیا کرتے ہیں جسے گرجا کہا جاتا ہے اور دیار یہود کے عبادت کرنے کو جگہ کو کہتے ہیں اسی طرح رہبانیت اسے کہتے ہیں کہ عبادت و ریاضت بہت زیادہ کی جائے اپنے نفس کو مشقتوں اور تکلیفوں میں ڈالا جائے دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جائے تمام لوگوں سے اپنے کو منقطع کر لے ٹاٹ کے پیراہن استعمال کرے گردن میں زنجیر باندھ لے قوت مردانگی کو ختم کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو مار ڈالنے کے لئے بالکل غیر فطری طور پر جنسی محرکات کو منقطع کر ڈالے اور دنیاوی زندگی کو یکسر چھوڑ کر جنگل و پہاڑ پر جا کر بسیرا ڈال لے، جیسا کہ رہبانیت اہل کتاب نے اپنے اوپر ضروری کر رکھی تھی اور ان کے عابد و زاہد لوگ ایسا کیا کرتے تھے لیکن چونکہ رہبانیت اسلام کے فطری اصولوں سے بالکل جدا اور الگ ہے اس لئے شریعت نے کبھی اس کا جائز قرار نہیں دیا۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت اسلام میں ناجائز قرار دی ہے اور فرمایا ہے الحدیث (**لا رھبانیة فی الاسلام**) یعنی اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے، بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رہبانیت کسی بھی آسمانی دین میں ضروری نہیں تھی بلکہ خود اس دین کے ماننے والے رہبانیت کو اپنی دینی و دنیاوی فلاح و کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ یہود و نصاریٰ میں بھی لوگوں نے خود ہی ان چیزوں کا اختراع کیا تھا اور ایسی مشقتیں و تکلیفیں اپنے اوپر لازم کر لی تھیں جو شریعت کی جانب سے ان پر فرض نہ کی گئی تھیں لیکن یہ قوم میں چونکہ فطرتاً غیر مستقل مزاج، خواہشات نفسانی کی پابند اور آزاد طبع واقع ہوئی ہیں اس لئے وہ اپنے اوپر خود فرض کی ہوئی

چیزوں کو بھی پورا نہ کر سکیں ان کے ذہن وقوی نہ ان کے حقوق ادا کر سکے اور نہ وہ ان پر مستقل مزاجی سے قائم رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دین سے بھی ہاتھ دھونا پڑا چنانچہ اکثر نہ ان کے حقوق ادا کر سکے اور نہ وہ ان پر مستقل مزاجی سے قائم رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دین سے بھی ہاتھ دھونا پڑا چنانچہ اکثر عیسائی اپنے دین سے منحرف ہو گئے اور انہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا بہت سے یہودی رہبانیت کو چھوڑ چھاڑ کر نصرانیت کی طرف مائل ہو گئے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے دین پر قائم رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

بہر حال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اسی طرح تم رہبانیت کو اختیار نہ کرو اور نہ غیر شرعی فطری مشقتوں میں اپنی جانوں کو مبتلا کرو بلکہ شریعت نے جو حدود متعین کر دی ہیں انہیں کے اندر اپنی زندگی گزارو اور خداوند کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرائض بتائے ہیں وہی ادا کرتے رہو۔

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر نبی کیلئے رہبانیت تھی اور میری امت کی رہبانیت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔(مسند احمد بن حنبل، بیروت)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ
وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسولِ (مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آؤ
وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصّے عطا فرمائے گا اور تمہارے لئے نور پیدا فرما دے گا جس میں تم چلا کرو گے
اور تمہاری مغفرت فرما دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

نور ایمان سے چل کر پل صراط سے گزرنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا " بِعِيسَى "اتَّقُوا اللّٰه وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ " مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِيسَى "يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ " نَصِيبَيْنِ "مِنْ رَحْمَته " لِإِيمَانِكُمْ بِالنَّبِيَّيْنِ "وَيَجْعَل لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ " عَلَى الصِّرَاط،

اے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصّے عطا فرمائے گا کیونکہ تم انبیائے کرام پر ایمان لائے ہو۔ اور تمہارے لئے نور پیدا فرما دے گا جس میں تم پل صراط پر چلا کرو گے اور تمہاری مغفرت فرما دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے کا بیان

ایک شخص حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ

سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی، یہی تمام نیکیوں کا سر ہے اور تو جہاد کو لازم پکڑے رہ یہی اسلام کی رہبانیت ہے اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت کر۔ وہی آسمان میں، زمین میں تیری راحت وروح ہے اور تیری یاد ہے۔

دیگر امتوں کی بہ نسبت امت مسلمہ کے اجر میں دو قیراط ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے) فرمایا: دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں تمہارا عرصہ حیات اتنا ہے جتنا کہ (سارے دن کے مقابلہ میں) نماز عصر کے بعد سے غروب افتاب تک کا درمیانی وقت، علاوہ ازیں (اللہ رب العزت کے ساتھ) تمہارا معاملہ اور یہود ونصاری کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اجرت پر کام کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کو طلب کرے اور ان سے کہے کہ کوئی ہے جو دو پہر تک میرا کام کرے اور میں (اتنے عرصہ کام کرنے کی اجرت کے طور پر) ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا۔ چنانچہ اس اجرت کو منظور کر کے) یہود نے دو پہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو دو پہر سے عصر تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو ایک ایک قیراط دونگا چنانچہ یہود کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے لوگوں نے یعنی) انصاری نے دو پہر سے عصر کے وقت ایک ایک قیراط پر کام کیا اور پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو دو دو قیراط دوں گا (اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا) جان لو (اس مثال میں) تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہیں، یاد رکھو تمہارا اجر دو گنا ہے اور اسی وجہ سے (کہ تمہارے کام کی مدت تو کم ہے لیکن مستحق دو گنے اجر کے قرار پائے ہو) یہود ونصاری بھڑک اٹھے اور بولے کہ عمل کے اعتبار سے تو ہم بہت بڑھے ہوئے ہیں اجر وثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے یعنی میں نے تمہاری جو اجرت مقرر کی تھی اور تمہیں جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا کیا اس میں کچھ کمی کی ہے، یہود ونصاری نے کہا! نہیں (ہمارے حق میں تو نے کچھ کم نہیں کیا ہے لیکن تیری طرف سے یہ تفاوت اور تفریق کیسی ہے؟) پروردگار نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ اجر دینا میرا فضل واحسان ہے میں جس کو چاہوں زیادہ دوں (میں فاعل مختار ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں)۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 980)

لِئَـلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ
بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝
کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کچھ قدرت نہیں رکھتے اور کہ سارا فضل اللہ ہی کے دستِ قدرت میں
ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ فضل والا عظمت والا ہے۔

اہل تورات کے وہم احباء ہونے کی تردید کا بیان

"لِئَلَّا يَعْلَمَ " أَيْ أَعْلَمَكُمْ بِذَلِكَ لِيَعْلَمَ "أَهْلُ الْكِتَابِ" التَّوْرَاةِ الَّذِينَ لَمْ يُؤْمِنُوا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَنْ" مُخَفَّفَةٌ مِنْ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا ضَمِيرُ الشَّأْنِ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ "لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ " خِلَافَ مَا فِي زَعْمِهِمْ أَنَّهُمْ أَحِبَّاءُ اللَّهِ وَأَهْلُ رِضْوَانِهِ "وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ " يُعْطِيهِ "مَنْ يَشَاءُ " فَآتَى الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ كَمَا تَقَدَّمَ،

یہ بیان اس لئے ہے کہ اہل کتاب یعنی تورات والے جان لیں کیونکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہاں پر لفظ اَن یہ ثقل سے مخففہ ہے۔اوراس کا اسم ضمیر شان ہے۔اور یہ انہم کے معنی میں ہے۔کہ وہ اللہ کے فضل پر کچھ قدرت نہیں رکھتے یعنی ایسا نہیں ہے جس طرح ان کا وہم ہے کہ وہ اللہ کے پیارے اوراس کی رضا والے ہیں۔اور یہ کہ سارا فضل اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے،اور اللہ فضل والا عظمت والا ہے۔پس اس نے ان میں ایمان لانے والوں کو دوگنا اجر دیا جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے۔

سورت حدید آیت ۲۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت قتادہ کہتے ہیں ہمیں خبر پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔یوتکم کفلین من رحمته)۔ترجمہ۔وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔تو اہل کتاب مومنین نے مسلمانوں سے اس پر حسد کیا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ یہود نے کہا قریب ہے کہ ہم میں سے ایک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے جو ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں سے ظا[illegible]ئے تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔فضل سے مراد نبوت ہے۔(نیسابوری 284،قرطبی 17۔268)

جب اوپر کی آیت نازل ہوئی اوراس میں مومنینِ اہل کتاب کو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر ایمان لانے پر دو نے اجر کا وعدہ دیا گیا تو کفار اہل کتاب نے کہا اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں تو دونا اجر ملے اوراگر نہ لائیں تو ایک اجر جب بھی رہے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اوران کے اس خیال کا ابطال کر دیا گیا۔

(تفسیر خازن،سورہ حدید،بیروت)

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں جن کو دو دو اجر ملیں گے۔اس اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) کو جو (پہلے) اپنے نبی پر ایمان رکھتا اور پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔اس غلام کو جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حق کو بھی ادا کرتا رہے۔اس آدمی کو جسکی کوئی لونڈی تھی اور وہ اس سے صحت کرتا تھا۔پہلے اس کو اچھا ہنر مند بنایا پھر اس کو خوب اچھی طرح تعلیم دی اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو یہ بھی دوہرے اجر کا حقدار ہوگا۔(صحیح البخاری وصحیح مسلم،مشکوۃ شریف:جلد اول:حدیث نمبر 10)

سورت حدید کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالی کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے واں ہے۔ انہی کے تصدق سے سورت حدید کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلة النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَةُ الْمُجَادِلَة

یہ قرآن مجید کی سورت مجادلہ ہے

سورت مجادلہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الْمُجَادَلَة (مَدَنِيَّة وَ آيَاتهَا اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ)

سورہ مجادلہ مدنیہ ہے، اس میں تین رکوع، بائیس آیات، چار سو تہتر کلمات، ایک ہزار سات سو بانوے حروف ہیں۔

سورت مجادلہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت میں لفظ تجادل آیا ہے جس کا معنی فریاد کرنا ہے یا مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ اور اس سورت کے آغاز میں ہی مسئلہ ظہار بیان کیا گیا ہے۔ پس اسی سبب سے یہ سورت مجادلہ کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ
وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝
بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی،
اور اللہ آپ دونوں کے باہمی سوال وجواب سن رہا تھا، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ ظہار پوچھنے کا بیان

"قَدْ سَمِعَ اللَّه قَوْل الَّتِي تُجَادِلك" تُرَاجِعك أَيّهَا النَّبِيّ "فِي زَوْجهَا" الْمُظَاهِر مِنْهَا وَكَانَ قَالَ لَهَا : أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي وَقَدْ سَأَلَتْ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَأَجَابَهَا بِأَنَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ عَلَى مَا هُوَ الْمَعْهُود عِنْدهمْ مِنْ أَنَّ الظِّهَار مُوجِبه فُرْقَة مُؤَبَّدَة وَهِيَ خَوْلَة بِنْت ثَعْلَبَة وَهُوَ أَوْس بْن الصَّامِت "وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّه" وَحْدتهَا وَفَاقَتهَا وَصِبْيَة صِغَارًا إِنْ ضَمَّتْهُمْ إِلَيْهِ ضَاعُوا أَوْ إِلَيْهَا جَاعُوا "وَاَللَّه يَسْمَع تَحَاوُركُمَا" تُرَاجِعكُمَا "إِنَّ اللَّه سَمِيع بَصِير" عَالِم،

بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے یا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی یعنی جس کے شوہر نے اس سے ظہار کیا اور اس نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ تو اس عورت نے

اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے موجود دستور کے مطابق فرمایا کہ وہ حرام ہو چکی ہے۔ کیونکہ ظہار دائمی جدائی کرا دیتا ہے۔ اور وہ خولہ بنت ثعلبہ تھیں۔ اور ان کے شوہر اوس بن صامت تھے۔ اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی، یعنی تنہائی میں فریاد کر رہی تھی کہ اگر وہ اپنے چھوٹے بچوں کو شوہر کے حوالے کر دے تو وہ ضائع کر دے گا اور ان کو اپنے پاس ٹھہرائے تو بھوک کے سبب ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اور اللہ آپ دونوں کے باہمی سوال و جواب سن رہا تھا، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

سورت مجادلہ کے شان نزول کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہیں خولہ بنت ثعلبہ کے کلام کو سن رہی تھی اور اس کی بعض باتیں مجھ پر بھی مخفی رہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھیں کہ اور کہہ رہی تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میری جوانی کو کھا گیا میں نے اس کے لیے بہت بچے جنے یہاں تک کہ جب میری عمر زیادہ ہو گئی اور میری اولاد مجھ سے جدا ہو گئی اس نے مجھ سے اظہار کیا اے اللہ میں تجھ سے ہی شکایت کرتی ہوں وہ پنی جگہ کھڑی رہی یہاں تک کہ جبرائیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ اس کا خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہ تھے۔

(مستدرک 23-81، ابن کثیر 4-318، تفسیر نسائی 950، ابن ماجہ (188)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس کی سماعت تمام آوازوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے جھگڑنے والی آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو میں کمرے کی ایک جانب میں تھی مجھے معلوم نہیں کہ اس نے کیا کہا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری 336، قرطبی 17-269)

حضرت خولہ بنت ثعلبہ اور مسئلہ ظہار کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ آپ کا یہ فرمان اس طرح منقول ہے کہ بابرکت ہے وہ الہ جو ہر اونچی نیچی آواز کو سنتا ہے، یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا ورنہ اکثر باتیں باوجود اسی گھر میں موجود ہونے کے میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں۔ اپنے میاں کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جوانی تو ان کے ساتھ کٹی بچے ان سے ہوئے اب جبکہ میں بڑھیا ہو گئی بچے پیدا کرنے کے قابل نہ رہی تو میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا، اے اللہ میں تیرے سامنے اپنے اس دکھڑے کا رونا روتی ہوں، ابھی یہ بی بی صاحبہ گھر سے باہر نہیں نکلی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے، ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

انہیں بھی کچھ جنون سا ہو جاتا تھا اس حالت میں اپنی بیوی صاحبہ سے ظہار کر لیتے پھر جب اچھے ہو جاتے تو گویا کچھ کہا ہی نہ تھا، یہ بی بی صاحبہ حضور سے فتویٰ پوچھنے اور اللہ کے سامنے اپنی التجا بیان کرنے کو آئیں جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت یزید فرماتے

ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں اور لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک عورت نے آواز دے کر ٹھہرالیا، حضرت عمر فوراً ٹھہر گئے اور ان کے پاس جا کر توجہ اور ادب سے سر جھکائے ان کی باتیں سننے لگے، جب وہ اپنی فرمائش کی تعمیل کرا چکیں اور خود لوٹ گئیں تب امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی واپس ہمارے پاس آئے، ایک شخص نے کہا امیر المومنین ایک بڑھیا کے کہنے سے آپ رک گئے اور اتنے آدمیوں کو آپ کی وجہ سے اب تک رکنا پڑا، آپ نے فرمایا افسوس جانتے بھی ہو یہ کون تھیں؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا یہ وہ عورت ہیں جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ہیں اگر یہ آج صبح سے شام چھوڑ رات کر دیتیں اور مجھ سے کچھ فرماتی رہتیں تو بھی میں ان کی خدمت سے نہ ٹلتا ہاں نماز کے وقت نماز ادا کر لیتا اور پھر کمر بستہ خدمت کیلئے حاضر ہو جاتا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مجادلہ، بیروت)

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ
وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝
تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کر بیٹھتے ہیں، تو وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں)، ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں
نے ان کو جنا ہے، اور بیشک وہ لوگ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور بیشک اللہ ضرور درگزر فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے۔

اپنی بیویوں سے ظہار کے ناپسندیدہ ہونے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ" أَصْلُه يَتَظَهَّرُوْنَ أُدْغِمَتْ التَّاء فِي الظَّاء وَفِي قِرَاءَة بِأَلِفٍ بَيْن الظَّاء وَالْهَاء الْخَفِيفَة وَفِي أُخْرَى كَيُقَاتِلُوْنَ وَالْمَوْضِع الثَّانِي كَذَلِكَ "مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتهمْ إِنْ أُمَّهَاتهمْ إِلَّا اللَّائِي" بِهَمْزَةٍ وَيَاء وَبِلَا يَاء "وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ" بِالظِّهَارِ "لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْل وَزُوْرًا" كَذِبًا "وَإِنَّ اللّٰه لَعَفُوٌّ غَفُوْر" لِلْمُظَاهِرِ بِالْكَفَّارَةِ

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں یہاں پر لفظ یظاھرون اصل میں یتظھرون تھا۔ تو یہاں پر تاء کو ظاء میں ادغام کیا گیا ہے۔ اور ایک قرأت کے مطابق ظاء اور ھاء کے درمیان الف ہے اور دوسری قرأت کے مطابق یقاتلون کی طرح ہے۔ اور دوسرے مقام پر بھی ایسے ہی ہے۔ (یعنی یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو)، تو (یہ کہنے سے) وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں)، ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں، یہاں پر لفظ اللائی یہ ہمزہ اور یاء کے ساتھ یا بغیر یاء کے بھی آیا ہے جنہوں نے ان کو جنا ہے، اور بیشک وہ یعنی ظہار لوگ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور بیشک اللہ ضرور درگزر فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے۔ یعنی ایسے مظاہر کو جو کفارہ دینے والا ہو۔

سورت مجادلہ آیت ۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ اوس بن صامت نے اپنی بیوی خویلہ بنت ثعلبہ سے ظہار کر لیا تو یہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس شکایت کے لیے آئی اور کہا جب میری عمر زیادہ ہوگئی اور ہڈیاں کمزور پڑ گئیں تو میرے خاوند نے مجھ سے ظہار کرلیا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت ظہار نازل فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس سے کہا تم ایک غلام آزاد کرو اس نے کہا میرے پاس اتنی وسعت نہیں ہے آپ نے فرمایا دو ماہ مسلسل روزے رکھ لو اس نے کہا مجھ سے اگر ایک دن کھانا چھوٹ جائے تو میری نگاہ کام کرنا چھوڑ دیتی ہے آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اس نے کہا میرے پاس یہ بھی نہیں ہے ہاں البتہ اگر آپ اپنی امداد اور اعانت سے میری مدد فرمائیں آپ نے پندرہ صاع سے اس کی مدد فرمائی یہاں تک کہ اللہ نے اس کے لیے اتنی مقدار جمع فرمادی اور اللہ بہت رحیم ہے صحابہ خیال کرتے تھے کہ اس کے پاس اس کے مثل (یعنی پندرہ صاع) موجود تھا یہ کل (یعنی تیس صاع) ساٹھ مسکینوں کا کھانا بنتا ہے۔ (نیسابوری 337، درمنثور 6۔180، قرطبی 17۔273)

ظہار سے حرمت دلیل کا بیان

حضرت امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روک رکھا یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر گیا کہ اگر چاہتا تو اس میں باقاعدہ طلاق دے سکتا تھا لیکن طلاق نہ دی۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ پھر لوٹے جماع کی طرف یا ارادہ کرے تو یہ حلال نہیں تاوقتیکہ مذکورہ کفارہ ادا نہ کرے۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے جماع کا ارادہ یا پھر بسانے کا عزم یا جماع ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ وغیرہ کہتے ہیں مراد ظہار کی طرف لوٹنا ہے اس کی حرمت اور جاہلیت کے حکم کے اٹھ جانے کے بعد پس جو شخص اب ظہار کرے گا اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک کہ یہ کفارہ ادا نہ کرے۔ حضرت سعید فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اس نے اپنی جان پر حرام کرلیا تھا اب پھر اس کام کو کرنا چاہے تو اس کا کفارہ ادا کرے۔

حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجامعت کرنا چاہے ورنہ اور طرح چھونے میں قبل کفارہ کے بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں یہاں مس سے مراد صحبت کرنا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ ہاتھ لگانا پیار کرنا بھی کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جائز نہیں۔

کفارہ ظہار سے قبل جماع کرنے میں اعادہ کفارہ کے عدم پر فقہی مذاہب اربعہ

حضرت سلمہ بن صخر بیاضی سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ظہارہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرے اس پر ایک کفارہ ہے یہ حدیث حسن غریب ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان، ثوری، مالک، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ایسے شخص پر دو کفارہ واجب ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدی کا بھی یہی قول ہے۔ جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1210

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اس سے صحبت کر بیٹھا پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے صحبت کرلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے تمہیں کس چیز نے اس پر مجبور کیا وہ

کہنے لگا میں نے چاند کی روشنی میں اس کی پازیب دیکھ لی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اللہ کا حکم (کفارہ ادا) پورا کرنے سے پہلے اس کے پاس نہ جانا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1211

اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لے تو اس پر بھی ایک ہی کفارہ واجب ہوگا لیکن بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لینے کی صورت میں دو کفارے واجب ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی ایک سے زائد دو یا تین اور چار بیویوں سے ظہار کرے یعنی ان سب سے یوں کہے کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند حرام ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جاتا ہے البتہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ اس پر کفارہ ایک واجب ہوگا یا کئی واجب ہوں گے۔

چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک تو اس پر کئی کفارے واجب ہوں گے یعنی وہ ان بیویوں میں سے جس کسی کے ساتھ بھی جماع کا ارادہ کرے گا پہلے کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا حسن، زہری اور ثوری وغیرہ کا بھی یہی قول ہے جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اور حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا یعنی وہ پہلے ایک کفارہ ادا کر دے اس کے بعد ہر بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا۔

حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا اس کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا یعنی کیا دلیل پیش آئی کہ تم کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر بیٹھے اس نے عرض کیا کہ چاندنی میں اس کی پازیب کی سفیدی پر میری نظر پڑ گئی اور میں جماع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو نہ روک سکا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے۔ اور اس کو یہ حکم دیا کہ اب دوبارہ اس سے اس وقت تک جماع نہ کرنا جب تک کفارہ ادا نہ کرو۔ (ابن ماجہ)

ترمذی نے بھی اسی طرح کی یعنی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، نیز ابوداؤد اور نسائی نے اس طرح کی روایت مسند اور مرسل نقل کی ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ مسند کی بہ نسبت مرسل زیادہ صحیح ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ
ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝
اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں جو انھوں نے کہا، تو ایک گردن آزاد
کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے وہ جس کے ساتھ تم نصیحت کیے جاؤ گے،
اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح باخبر ہے۔

مظاہر کا جماع سے قبل کفار ظہار ادا کرنے کا بیان

"وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا" أَىْ فِيهِ بِأَنْ يُخَالِفُوهُ بِإِمْسَاكِ الْمُظَاهِرِ مِنْهَا الَّذِى هُوَ خِلَافُ مَقْصُودِ الظِّهَارِ مِنْ وَصْفِ الْمَرْأَةِ بِالتَّحْرِيمِ "فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ" أَىْ إِعْتَاقُهَا عَلَيْهِ "مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا" بِالْوَطْءِ،

اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں جو انھوں نے کہا یعنی جب مظاہر مظاہر منہا کو روک کر جو اس نے مقصد ظہار کے طور پر عورت کو حرمت کے ساتھ متصف کیا تھا اس کے خلاف کرنا چاہتا ہے۔ تو ایک گردن آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یعنی جماع کریں۔ یہ ہے وہ کفارہ جس کے ساتھ تم نصیحت کیے جاؤ گے، اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح باخبر ہے۔

کفارہ ظہار کے طریقے میں فقہی بیان

حضرت ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ایک صحابی سلمان ابن صخر نے کہ جن کو سلمہ ابن صخر بیاضی کہا جاتا تھا اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کی مانند قرار دیا تاوقتیکہ رمضان ختم ہو (یعنی انہوں نے بیوی سے یوں کہا کہ ختم رمضان تک کے لیے تو مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے گویا اس طرح انہوں نے اپنی بیوی کو رمضان کے ختم تک کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیا) مگر ابھی آدھا ہی رمضان گزرا تھا کہ انہوں نے اسی رات اپنی بیوی سے صحبت کر لی پھر جب صبح ہوئی۔

تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا دو مہینے یعنی پے در پے روزے رکھو انہوں نے عرض کیا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کیونکہ حکم خداوندی تو یہ ہے کہ دو مہینے مسلسل اس طرح روزے رکھے جائیں کہ ان مہینوں میں جماع سے کلیۃ اجتناب کیا جائے اور میں اپنے جنسی ہیجان کی دلیل سے اتنے دنوں تک جماع سے باز نہیں رہ سکتا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ! انہوں نے عرض کیا میں اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور صحابی حضرت فروہ ابن عمرو سے فرمایا کہ ان کو کھجوروں کا فرق دیدو فرق کھجور کے درخت کے پتوں سے بنے ہوئے تھیلے چھابے) کو کہتے ہیں جس میں پندرہ صاع یا سولہ صاع (یعنی تقریبا ساڑھے باون سیر یا چھپن سیر) کھجور سماتی ہیں۔ (ترمذی ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 497)

اور دارمی نے اس روایت کو سلیمان ابن یسار سے اور انہوں نے حضرت سلمہ ابن صخر سے اسی طرح نقل کیا ہے جس میں حضرت سلمہ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں اپنی عورتوں سے اس قدر قربت کیا کرتا تھا کہ کوئی اور شخص میری برابر قربت نہیں کرتا تھا چنانچہ جنسی ہیجان کے اتنے زیادہ غلبہ ہی کی دلیل سے میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہ رک سکا) اور ان دونوں میں یعنی ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ فرمانے کی جگہ یہ فرمایا کہ ساٹھ

مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ۔

اس حدیث میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ظہار اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اس اس کے جسم کے کسی ایسے جسمے کو کہ اس کو بول کر پورا بدن مراد لیا جاتا ہو اور یا اسکے جسم کے کسی ایسے حصہ کو جو شائع غیر متعین ہو محرمات ابدیہ یعنی ماں بہن اور پھوپھی وغیرہ) کے جسم کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف نظر کرنا حلال نہ ہو جیسے وہ اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو یا تمہارا سر یا تمہارے بدن کا نصف حصہ میری ماں کی پیٹھ یا پیٹ کے مانند ہے یا میری ماں کی ران کے مانند ہے یا میری بہن یا میری پھوپھی کی پیٹھ کے مانند ہے اس طرح کہنے سے اس بیوی سے جماع کرنا یا ایسا کوئی بھی فعل کرنا جو جماع کا سبب بنتا ہے جیسے مساس کرنا یا بوسہ لینا اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ کفارہ ظہار ادا نہ کر دیا جائے اور اگر کسی شخص نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہوگا ہاں اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور پھر جب تک کفارہ ادا نہ کرے دوبارہ جماع نہ کرے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے اور بیوی خواہ آزاد عورت ہو اور خواہ کسی کی لونڈی ہو اسی طرح خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ یعنی عیسائی و یہودی ہو ظہار کے باقی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھنے چاہئیں۔

علامہ طیب فرماتے ہیں کہ حدیث الفاظ (حتی یمضی رمضان) (جب تک کہ رمضان ختم ہو) کہ ظاہر موقت صحیح ہو جاتا ہے اور قاضی خان نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص موقت یعنی کسی متعین مدت و عرصہ کے لیے ظہار کرتا ہے تو وہ اسی وقت ظہار کرنے والا ہو جاتا ہے اور جب وہ متعینہ عرصہ گزر جاتا ہے تو ظہار باطل ہو جاتا ہے۔

محقق علام حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور مثلاً جمعہ کے دن استثناء کر دے تو صحیح نہیں ہوتا اور اگر ایک دن یا ایک مہینہ کے لئے ظہار کر دے (یعنی کسی مدت متعین کے لئے ظہار کرے) تو اس مدت کی قید لگانی صحیح ہے اور پھر اس مدت کے گزر جانے کے بعد ظہار باقی نہیں رہتا۔

حدیث (اطعم ستین مسکینا) یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ سے دونوں باتیں مراد تھیں کہ یا تو تم ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو یا ان میں سے ہر ایک کو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر کچا اناج یا اس کی قیمت دیدو اور جس طرح کفارہ ادا کرنے کے لئے غلام آزاد کرنے کی صورت میں جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے یا کفارہ ادا کرنے کے لئے دو مہینے کے روزے رکھنے کی صورت میں جماع سے پہلے دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے اس طرح ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی جماع کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

حدیث کے اس جملہ تاکہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیں کے بارے میں بظاہر ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے حضرت سلمہ ابن صخر کو جو کھجوریں دلائیں انکی مقدار خود روایت کی وضاحت کے مطابق پندرہ یا سولہ صاع تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کو ایک ایک صاع دینا واجب نہیں ہے جب کہ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر

کھجوریں دی جائیں تو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر یعنی ایک ایک صاع دی جائیں۔

گویا حدیث کے اس جملہ اور فقہی حکم میں تعارض واقع ہو گیا لیکن اگر اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا جائیگا کہ تا کہ یہ ان کھجوروں کو ساٹھ مسکینوں کو کھلانے میں صرف کردیں۔ تو پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے بھی کھجوریں ملا کر ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کردو۔

اس کے علاوہ ابوداؤد دارمی کی دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ) بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ صرف یہی کھجوریں ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے کھجوریں ملا کر ایک وسق کی مقدار پوری کرلو اور پھر ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع کھجور دے دو واضح رہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔

کفارہ ظہار کے غلام میں مذہبی قید کے معدوم ہونے کا بیان

حضرت معاویہ ابن حکم کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک لونڈی ہے جو میرا ریوڑ چراتی ہے میں جب اس کے پاس گیا اور ریوڑ میں اپنی بکری کم پائی تو میں نے اس بکری کے بارے میں پوچھا کہ کیا ہوئی؟ اس نے کہا کہ بھیڑیا لے گیا مجھ کو اس پر غصہ آ گیا اور چونکہ میں بنی آدم میں سے ہوں یعنی ایک انسان ہوں اور انسان بتقاضائے بشریت مغلوب الغضب ہو جاتا ہے اس لیے میں نے اس لونڈی کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا اور اس وقت کفارہ ظہار یا کفارہ قسم کے طور پر اور یا کسی اور سبب سے مجھ پر ایک بردہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کردوں تا کہ میرے ذمہ سے وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے اور اس کو تھپڑ مار دینے کی دلیل سے میں جس ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہوں اس سے بھی نجات پا جاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو (مالک) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت معاویہ نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کے اطراف میں میرا ریوڑ چرایا کرتی تھی جوانیہ احد پہاڑ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے ایک دن جو میں نے اپنا ریوڑ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ بھیڑیا میری ایک بکری کو ریوڑ میں سے اٹھا کر لے گیا ہے میں بنی آدم کا ایک مرد ہوں اور جس طرح کسی نقصان و اتلاف کی دلیل سے اولاد آدم کو غصہ آ جاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آ گیا (چنانچہ اس غصہ کی دلیل سے میں نے چاہا کہ اس لونڈی کو خوب ماروں لیکن میں اس کو ایک ہی تھپڑ مار کر رہ گیا پھر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو میرے حق میں ایک امر اہم جانا اور فرمایا کہ تم نے یہ بڑا گناہ کیا ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس بلاؤ میں لونڈی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلا لایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے جواب دیا

کہ آسمان میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس لونڈی کو آزاد کردو کیونکہ یہ مسلمان ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 499) اس باب میں اس حدیث کو نقل کرنے سے مصنف کتاب کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظہار میں بطور کفارہ جو بردہ یعنی غلام یا لونڈی آزاد کیا جائے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے لیکن حنفی مسلک میں چونکہ یہ ضروری نہیں ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو افضیلت پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفارہ ظہار میں آزاد کیا جانیوالا بردہ اگر مسلمان ہو تو یہ افضل اور بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مکان کے بارے میں سوال نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مکان وزمان سے پاک ہے بلکہ اس موڑ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ سوال کرنا تھا کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا حکم کہاں جاری وساری ہے اور اس کی بادشاہت وقدرت کس جگہ ظاہر وباہر ہے اور اس سوال کی ضرورت یہ تھی کہ اس وقت عرب کے کفار بتوں ہی کو معبود جانتے تھے اور جاہل لوگ ان بتوں کے علاوہ اور کسی کو معبود نہیں مانتے تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جاننا چاہا کہ آیا یہ لونڈی موحدہ یا مشرکہ ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد دراصل ان بے شمار معبودوں کی نفی کرنی تھی جو زمین پر موجود تھے نہ کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ کا مکان ثابت کرنا تھا چنانچہ جب اس لونڈی نے مذکورہ جواب دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہ موحدہ ہے مشرکہ نہیں ہے۔

مالک کی روایت میں تو حضرت معاویہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بردہ آزاد کرنا مجھ پر کسی اور سبب سے واجب ہے تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کردوں تا کہ وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے جو واجب ہے اور اس کو مارنے کی دلیل سے مجھے جو پشیمانی اور شرمندگی ہے وہ بھی جاتی رہے لیکن مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ نے اس لونڈی کو محض اس دلیل سے آزاد کرنا چاہا کہ انہوں نے اس کو غصہ میں ماردیا تھا۔

گویا دونوں روایتوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں قطعا کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ مالک کی روایت میں تو اس مفہوم کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یوں تو کسی اور سبب سے مجھ پر بردہ آزاد کرنا واجب ہے لیکن مارنے کی دلیل سے بھی اس کو آزاد کرنا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے تو اگر میں اس کو آزاد کردوں تو ان دونوں سبب کا تقاضا پورا ہو جائے گا اس کے برخلاف مسلم کی روایت اس بارے میں مطلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ مسلم کی روایت کا مطلق مفہوم مالک کی روایت کے مقید مفہوم پر محمول ہے یعنی مسلم کی روایت کے الفاظ کا مطلب بھی وہی ہے جو مالک کی روایت کے الفاظ کا ہے کہ اگر میں اس لونڈی کو آزاد کردوں تو کیا دونوں سبب پورے ہو جائیں گے یا نہیں؟

کفارے میں اباحت کے جواز کا فقہی مفہوم

اباحت کا مطلب یہ ہے کہ کھانا پکا کر فقیر کے سامنے رکھ دیا جائے تا کہ وہ اس میں سے جس قدر کھانا چاہے کھالے چنانچہ یہ

اباحت کفارات اور رمضان کے روزے کے بدلے میں دیئے جانیوالے) فدیہ میں تو جائز ہے لیکن صدقات واجبہ مثلاً زکوۃ وغیرہ میں جائز نہیں ہے کیونکہ صدقات واجبہ یعنی زکوۃ وغیرہ میں فقیر کو مال کا مالک بنا دینا ضروری ہے اس وضاحت کے بعد اب سمجھئے کہ ظہار کے کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے خواہ ایک ہی دن میں دو وقت یعنی دوپہر اور رات میں کھلا دیا جائے۔ اسی طرح کھلانے میں پیٹ بھرنے کا اعتبار ہے خواہ کتنے ہی تھوڑے کھانے میں ان کا پیٹ بھر جائے جہاں تک کھانے کی نوعیت کا سوال ہے تو اس کا انحصار کھلانے والے کی حیثیت واستطاعت پر ہے کہ وہ جیسا کھانا کھلا سکتا ہو کھلائے اگر کھانے میں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن ہونا ضروری ہے البتہ گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن ضروری نہیں ہے اگر دو وقت ساٹھ فقیروں کو کھلانے کی بجائے ایک ہی فقیر کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلائے تو بھی جائز ہے لیکن ایک ہی فقیر کو ایک ہی دن ساٹھ فقیروں کا کھانا دیدیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اس صورت میں صرف ایک ہی دن کا ادا ہوگا۔

ظہار کرنے والے نے اگر کھانا کھلانے کے درمیان جماع کر لیا تو اس صورت میں اگرچہ وہ گنہگار ہوگا مگر از سر نو کھانا کھلانا نہ پڑے گا اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور وہ ساٹھ فقیروں کو مثلاً گیہوں نصف صاع فی کفارہ کا اعتبار کر کے ایک ایک صاع دے تو دونوں ظہار کا کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی ظہار کا کفارہ ادا ہوگا۔ ہاں اگر کسی شخص پر ایک ایک کفارہ تو ظہار کا اور ایک کفارہ روزہ توڑنے کا واجب ہو اور وہ ہر فقیر کو ایک ایک صاع گیہوں دے تو یہ جائز ہوگا اور دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔

مطلق کے اطلاق پر جاری رہنے کا قاعدہ فقہیہ

المطلق یجری علی اطلاقه والمقید علی تقییده (اصول شاشی)

مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے اور مقید اپنی قید کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ شرعی احکام جن کا حکم نصوص شرعیہ سے مطلقاً وارد ہوا ہے وہ اپنے اطلاق پر جاری رہیں گے اور جن احکام کی تقیید نصوص شرعیہ سے وارد ہوئی وہ اس کے مطابق جاری رہیں گے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں پھر عمل زوجیت کی طرف لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے یہ وہ جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ (جل جلالہ) اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان برقرار رکھ سکو اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (المجادلہ ۳-۴)

اس آیت میں کفارہ ظہار ادا کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اسکی ادائیگی کیلئے تین اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے کہ کفارہ ظہار ادا کرنے والا ان تینوں میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔

۱۔غلام آزاد کرنا ۲۔دو ماہ کے لگاتار روزے ۳۔ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

اس آیت میں غلام آزاد کرنے اور دو ماہ کے لگاتار روزوں کو عمل زوجیت سے پہلے ادا کرنے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں کسی ایک ادائیگی عمل زوجیت سے پہلے ضروری ہے۔جبکہ ساٹھ مسکینوں کے کھانے کو مطلق بیان کیا گیا ہے لہٰذا وہاں عمل زوجیت سے پہلے مکمل ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری نہ ہوگا کیونکہ یہ مطلق ہے جو اپنے اطلاق پر جاری رہے گا اور عتاق و صیام کا حکم مقید ہے جو اپنی قید کے ساتھ جاری ہوگا۔

صاحب نصب الرایہ لکھتے ہیں:

اور کھانا کھلانے میں یہ قید نہیں لگائی گئی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں اس لئے یہ کفارہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور کھانا کھلانے کے دوران وہ جماع کرسکتا ہے۔(نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۱، ادارۃ القرآن کراچی)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
پھر جسے میسر نہ ہو تو دو ماہ متواتر روزے رکھنا، قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں، پھر جو شخص اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، یہ اس لئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھو۔اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

کفار ظہار میں غلام، صیام اور طعام ہونے کا بیان

"فَمَنْ لَمْ يَجِد" رَقَبَة "فَصِيَام شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْل أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ" أَيْ الصِّيَام "فَإِطْعَام سِتِّينَ مِسْكِينًا" عَلَيْهِ : أَيْ مِنْ قَبْل أَنْ يَتَمَاسَّا حَمْلًا لِلْمُطْلَقِ عَلَى الْمُقَيَّد لِكُلِّ مِسْكِين مُدّ مِنْ غَالِب قُوت الْبَلَد "ذَلِكَ" أَيْ التَّخْفِيف فِي الْكَفَّارَة "لِتُؤْمِنُوا بِاَللَّهِ وَرَسُوله وَتِلْكَ" أَيْ الْأَحْكَام الْمَذْكُورَة "حُدُود اللَّه وَلِلْكَافِرِينَ" أَيْ وَلِلْكَافِرِينَ بِهَا "عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم،

پھر جسے غلام یا باندی میسر نہ ہو تو دو ماہ متواتر روزے رکھنا لازم ہے قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں، پھر جو شخص اس روزوں کی بھی طاقت نہ رکھے تو جماع سے قبل ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے، یہاں [illegible] کو مقید پر محمول کیا گیا ہے۔اور وہ ہر مسکین کیلئے شہر کے غالب پیمانے کے مطابق ایک صاع ہے۔یہ یعنی کفارے میں تخفیف اس لئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھو۔اور یہ ذکر کردہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔یعنی تکلیف پہنچانے والا عذاب ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلایا یا ہر روز بقدر صدقہ فطر اُسے دیدیا جب بھی ادا ہو گیا اور اگر ایک ہی دن میں ایک مسکین کو سب دیدیا ایک دفعہ میں یا ساٹھ دفعہ کر کے یا اُس کو سب بطور اباحت دیا تو صرف اُس ایک دن کا ادا ہوا۔ یونہی اگر تیس مساکین کو ایک ایک صاع گیہوں دیے یا دو دو صاع جَو تو صرف تیس کو دینا قرار پائیگا یعنی تیس مساکین کو پھر دینا پڑے گا یہ اُس صورت میں ہے کہ ایک دن میں دیے ہوں۔

اور دو دنوں میں دیے تو جائز ہے۔ ساٹھ مساکین کو پاؤ پاؤ صاع گیہوں دیے تو ضرور ہے کہ اُن میں ہر ایک کو اور پاؤ پاؤ صاع دے اور اگر ان کی عوض میں اور ساٹھ مساکین کو پاؤ پاؤ صاع دیے تو کفارہ ادا نہ ہوا۔ ایک سو بیس مساکین کو ایک وقت کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا بلکہ ضرور ہے کہ ان میں سے ساٹھ کو پھر ایک وقت کھلائے خواہ اُسی دن یا کسی دوسرے دن اور اگر وہ نہ ملیں تو دوسرے ساٹھ مساکین کو دونوں وقت کھلائے۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب ظہار)

روزوں پر عدم قدرت کے اعتبار میں فقہی مذاہب اربعہ

ائمہ اربعہ کے نزدیک روزوں پر قادر نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی یا تو بڑھاپے کی دلیل سے قادر نہ ہو، یا مرض کے سبب سے، یا اس سبب سے کہ وہ مسلسل دو مہینے تک مباشرت سے پرہیز نہ کر سکتا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ اس دوران میں کہیں بے صبری نہ کر بیٹھے۔ ان تینوں عذرات کا صحیح ہونا اس احادیث سے ثابت ہے جو اوُس بن صامت انصاری اور سلمہ بن صخر بیاضی کے معاملہ میں وارد ہوئی ہیں۔ البتہ مرض کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرض کا عذر اس صورت میں صحیح ہوگا جب کہ یا تو اس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو، یا روزوں سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر روزوں سے ایسی شدید مشقت لاحق ہوتی ہو جس سے آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ دو مہینے کے دوران میں کہیں سلسلہ منقطع نہ کرنا پڑے، تو یہ عذر بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی کا گمان غالب یہ ہو کہ وہ مستقبل میں روزہ رکھنے کے قابل ہو سکے گا تو انتظار کر لے، اور اگر گمان غالب اس قابل نہ ہو سکنے کا ہو تو مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ روزے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ بالکل کافی عذر ہے۔ کھانا صرف ان مساکین کو دیا جا سکتا ہے جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ واجب نہ ہوتا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کھانا مسلمان اور ذمی، دونوں قسم کے مساکین کو دیا جا سکتا ہے، البتہ حربی اور مستامن کفار کو نہیں دیا جا سکتا۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ صرف مسلمان مساکین ہی کو دیا جا سکتا ہے۔

یہ امر متفق علیہ ہے کہ کھانا دینے سے مراد دو وقت کا پیٹ بھر کھانا دینا ہے۔ البتہ کھانا دینے کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو وقت کی شکم سیری کے قابل غلہ دے دینا، یا کھانا پکا کر دو وقت کھلا دینا، دونوں یکساں صحیح ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اِطعام کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی خوراک دینے کے بھی ہیں اور کھلانے کے بھی۔ مگر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ پکا کر کھلانے کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ غلہ دے دینا ہی ضروری قرار دیتے ہیں غلہ دینے کی صورت میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ وہ غلہ دینا چاہیے جو اس شہر یا علاقے کے لوگوں کی عام غذا ہو۔ اور سب مسکینوں کو برابر دینا چاہیے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر ایک ہی مسکین کو 60 دن تک کھانا دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے، البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک ہی دن اسے 60 دنوں کی خوراک دے دی جائے۔ لیکن باقی تینوں مذاہب ایک مسکین کو دینا صحیح نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک 60 ہی مساکین کو دینا ضروری ہے۔ اور یہ بات چاروں مذاہب میں جائز نہیں ہے کہ 60 آدمیوں کو ایک وقت کی خوراک اور دوسرے 60 آدمیوں کو دوسرے وقت کی خوراک دی جائے۔

کفارے کی عدم تجزی میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ بات چاروں مذاہب میں سے کسی میں جائز نہیں ہے کہ آدمی 30 دن کے روزے رکھے اور 30 مسکینوں کو کھانا دے۔ دو کفارے جمع نہیں کیے جاسکتے۔ روزے رکھنے ہوں تو پورے دو مہینوں کے مسلسل رکھنے چاہییں۔ کھانا کھلانا ہو تو 60 مسکینوں کو کھلایا جائے۔ اگرچہ قرآن مجید میں کفارہ طعام کے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں کہ یہ کفارہ بھی زوجین کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ادا ہونا چاہیے، لیکن فحوائے کلام اس کا مقتضی ہے کہ اس تیسرے کفارے پر بھی اس قید کا اطلاق ہوگا۔ اسی لیے ائمہ اربعہ نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے کہ کفارہ طعام کے دوران میں آدمی بیوی کے پاس جائے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ جو شخص ایسا کر بیٹھے اس کے متعلق حنابلہ یہ حکم دیتے ہیں کہ اسے ازسر نو کھانا دینا ہوگا۔ اور حنفیہ اس معاملہ میں رعایت کرتے ہیں، کیونکہ اس تیسرے کفارے کے معاملے میں مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا کی صراحت نہیں ہے اور یہ چیز رعایت کی گنجائش دیتی ہے۔

یہ احکام فقہ کی حسب ذیل کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں:: ھدایہ۔ فتح القدیر۔ بدایع الصنائع۔ احکام القرآن للجصاص۔ فقہ شافعی: المنہاج للنوَوِی مع شرح مغنی المحتاج۔ تفسیر کبیر۔ فقہ مالکی: حادیۃ الد سَوقی علی اشرح الکبری۔ ھدایۃ المجتہد۔ احکام القرآن ابن عربی۔ فقہ حنبلی: المغنی لابن قدامہ۔ فقہ ظاہری: المحلّیٰ لا بن حزْم۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝
بیشک جولوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عداوت رکھتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل کئے جائیں گے جس طرح ان
سے پہلے لوگ ذلیل کئے جاچکے ہیں اور بیشک ہم نے واضح آیتیں نازل فرمادی ہیں، اور کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں کیلئے ذلت کا بیان

"إنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ" يُخَالِفُونَ "اللَّه وَرَسُوله كُبِتُوا" أُذِلُّوا "كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ" فِي مُخَالَفَتهمْ رُسُلهمْ "وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَات بَيِّنَات" دَالَّة عَلَى صِدْق الرَّسُول "وَلِلْكَافِرِينَ" بِالْآيَاتِ "عَذَاب مُهِين" ذُو إهَانَة،

بیشک جولوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت رکھتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل کئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کئے جا چکے ہیں جنہوں نے رسولان گرامی کی مخالفت کی تھی۔ اور بیشک ہم نے واضح آیات نازل فرمادی ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل ہیں۔ اور کافروں یعنی آیات کا انکار کرنے والوں کے لئے ذلت انگیز عذاب ہے۔ یعنی اہانت والا عذاب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے کیلئے رسوائی کا بیان

فرمان ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے اور احکام شرع سے سرتابی کرنے والے ذلت ادبار نحوست اور پھٹکار کے لائق ہیں جس طرح ان سے اگلے انہی اعمال کے باعث برباد اور رسوا کردیئے گئے، اسی طرح واضح، اس قدر ظاہر، اتنی صاف اور ایسی کھلی ہوئی آیتیں بیان کردی ہیں اور نشانیاں ظاہر کردی ہیں کہ سوائے اس کے جس کے دل میں سرکشی ہو کوئی ان سے انکار نہیں سکتا اور جو ان کا انکار کرے وہ کافر ہے اور ایسے کفار کیلئے یہاں کی ذلت کے بعد وہاں کے بھی اہانت والے عذاب ہیں، یہاں ان کے تکبر نے اللہ کی طرف جھکنے سے روکا وہاں اس کے بدلے انہیں بے انتہا ذلیل کیا جائے گا، خوب روندا جائے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی برائی جس کسی نے کی تھی اس سے اسے آگاہ کرے گا۔ گو یہ بھول گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اسے یاد رکھا تھا اس کے فرشتوں نے اسے لکھ رکھا تھا۔ نہ تو اللہ پر کوء چیز چھپ سکے نہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مجادلہ، بیروت)

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝
جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا، پھر انہیں بتائے گا جو انھوں نے کیا۔ اللہ نے اسے محفوظ رکھا
اور وہ اسے بھول گئے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

یوم: اذکر فعل محذوف کا مفعول ہے۔ یاد کر جس دن یبعثھم: مضارع واحد مذکر غائب۔ بعث (باب فتح) مصدر۔ ھم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب۔ (جس دن) وہ ان کو اٹھائے گا۔ (یعنی دوبارہ زندہ کر کے ان کو اٹھا کھڑا کرے گا قیامت کے دن (ینبئھم مضارع واحد مذکر غائب تنبیہ (تفعل) مصدر۔ وہ بتادے گا۔ وہ خبر دیدے گا۔ ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب۔

احصہ اللہ۔ احصی ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب احصاء (افعال) مصدر۔ بمعنی شمار کرنا۔ گننا۔ محفوظ کر لینا۔ ہ ضمیر مفعول واحد مذکر غائب جس کا مرجع ما عملوا ہے احصاء (افعال) حصا سے مشتق ہے۔ جس کے معنی کنکری کے ہیں۔ چونکہ عرب شمار کے لئے کنکریوں کا استعمال کرتے تھے اس لئے شمار کرنے اور محفوظ کرنے کے لئے احصاء بولا جانے لگا۔

احصی افعل التفضیل کا صیغہ بھی ہے بمعنی خوب گننے والا۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ہے۔ واحصی لما لبثوا امدہ دونوں

جماعتوں میں سے ان کے غار میں رہنے کی مدت کو بہتر کون جاننے والا ہے۔ ونسوہ جملہ حالیہ ہے جبکہ وہ اسے بھلا چکے تھے۔
واللہ علی کل شیء شھید، جملہ اعتراضیہ ہے اللہ تعالیٰ کا ان کے اعمال کو بخوبی گن کر محفوظ کر لینے کی تائید میں لایا گیا ہے۔ شہید بمعنی شاہد یعنی وہ ہر شے پر مطلع ہے۔ کوئی شے اس سے غائب نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ
رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا
كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی
مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے
ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں، پھر وہ انھیں قیامت کے دن بتائے گا جو کچھ انھوں نے کیا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

سرگوشیوں کا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہونے کا بیان

"اَلَمْ تَرَ" تَعْلَم "اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْض مَا يَكُون مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَة اِلَّا هُوَ رَابِعهمْ" اَیْ بِعِلْمِهٖ،

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے یعنی اس کے علم میں ہے۔ اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں، پھر وہ انھیں قیامت کے دن بتائے گا جو کچھ انھوں نے کیا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

یعنی صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے، اللہ کے علم میں تو آسمان وزمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ کوئی مجلس، کوئی سرگوشی اور کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہو جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا۔ اور پانچ کی کمیٹی خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ خوب سمجھ لو تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ، کہیں ہوں، کسی حالت میں ہوں، اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط سے ان کے ساتھ ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کیا گیا تھا پھر وہ لوگ وہی کام کرنے لگے جس سے روکے گئے تھے اور
وہ گناہ اور سرکشی اور نافرمانی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں
تو آپ کو ان کلمات کے ساتھ سلام کرتے ہیں جن سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں ان پر
عذاب کیوں نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں؟ انہیں دوزخ ہی کافی ہے، وہ اسی میں داخل ہوں گے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

یہود و منافقین کو سرگرشیوں سے منع کرنے کا بیان

"أَلَمْ تَرَ" تَنْظُر "إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنْ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَان وَمَعْصِيَة الرَّسُول" هُمْ الْيَهُود نَهَاهُمْ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ مِنْ تَنَاجِيهِمْ أَيْ تَحَدُّثهمْ سِرًّا نَاظِرِينَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ لِيُوقِعُوا فِي قُلُوبهمْ الرِّيبَة "وَإِذَا جَاءُوك" أَيُّهَا النَّبِيّ "حَيَّوْك بِمَا لَمْ يُحَيِّك بِهِ اللَّه" وَهُوَ قَوْلهمْ : السَّام عَلَيْك أَيْ الْمَوْت "وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسهمْ لَوْلَا" هَلَّا "يُعَذِّبنَا اللَّه بِمَا نَقُول" أَيْ بِمَا نَقُول مِنْ التَّحِيَّة وَأَنَّهُ لَيْسَ بِنَبِيٍّ إِنْ كَانَ نَبِيًّا "حَسْبهمْ جَهَنَّم يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِير" هِيَ،

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کیا گیا تھا پھر وہ لوگ وہی کام کرنے لگے جس سے روکے گئے تھے اور وہ گناہ اور سرکشی اور نافرمانی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں اور وہ یہود تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا کیونکہ وہ خاموشی خاموشی سے اہل ایمان کی طرف دیکھتے ہوئے باتیں کرتے تھے تاکہ ان کو شک میں ڈالیں۔ یا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو آپ کو ان نازیبا کلمات کے ساتھ سلام کرتے ہیں جن سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا یعنی ان کا قول السام علیک کہ آپ پر موت طاری ہو۔ اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اگر یہ رسول سچے ہیں تو اللہ ہمیں ان باتوں پر عذاب کیوں نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں؟ لہٰذا یہ نبی نہیں ہیں۔ انہیں دوزخ کا عذاب ہی کافی ہے، وہ اسی میں داخل ہوں گے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

سورت مجادلہ آیت ۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس آیا اور کہا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (یعنی تم پر موت آئے) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے جواب دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم جانتے ہو کہ اس نے کیا کہا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نے سلام کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انہیں بلکہ اس نے ایسی بات کہی ہے اسے میرے پاس لاؤ۔

جب اسے لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم نے السَّامُ عَلَيْكُمْ کہا۔ اس نے کہا کہ ہاں السَّامُ عَلَيْكُمْ کہا تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اہل کتاب میں سے جو بھی سلام کرے اسے یہ جواب دیا کرو کہ عَلَيْكَ مَا قُلْتَ یعنی جو تم نے کہا تم ہی پر ہو) پھر یہ آیت پڑھی (وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ، اور جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے لفظوں سے سلام کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام نہیں دیا اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ اس پر کیوں عذاب نہیں دیتا جو ہم کر رہے ہیں)۔
یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1248)

حضرت ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود اور منافقین کے متعلق نازل ہوئی اور یہ مسلمانوں کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشیاں کرتے اور مومنین کی طرف دیکھتے اور انہیں اپنی آنکھوں سے اشارے کرتے جب مومن انہیں سرگوشیاں کرتے دیکھتے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ہمارے رشتہ داروں اور ساتھیوں کے متعلق جو جہاد میں نکلے تھے قتل، موت، مصیبت یا شکست کی خبر پہنچی ہے شاید یہ بات ان کے دل میں آتی ہے اور انہیں اس وجہ سے غم ہوتا ہے وہ مسلسل یہی کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ساتھی اور رشتہ دار واپس آ گئے جب زیادہ عرصہ گزر گیا اور ان کی یہ حرکت مزید بڑھ گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ نے انہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشیاں کرنے سے منع فرمایا لیکن وہ اس سے باز نہ آئے اور سرگوشیاں کرنے پر مصر رہے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(نیسابوری 339، ترمذی 3301)

امام ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم لوگ باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کو حاضر ہوتے کہ اگر کوئی کام کاج ہو تو کریں، ایک رات کو باری والے آ گئے اور کچھ اور لوگ بھی بہ نیت ثواب آ گئے چونکہ لوگ زیادہ جمع ہو گئے تو ہم ٹولیاں ٹولیاں بن کر ادھر ادھر بیٹھ گئے اور ہر جماعت آپس میں باتیں کرنے لگی، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا یہ سرگوشیاں کیا ہو رہی ہیں؟ کیا تمہیں اس سے روکا نہیں گیا؟

ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری توبہ ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے کیونکہ اس سے کھٹکا لگا رہتا ہے، آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوف کی چیز بتاؤں وہ پوشیدہ شرک ہے اس طرح کہ ایک شخص اٹھ کھڑا ہو اور دوسروں کے دکھانے کیلئے کوئی دینی کام کرے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مجادلہ، بیروت)

اہل ایمان کے خلاف نقصان دہ سرگوشی کرنے کی ممانعت کا بیان

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ
وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۝
اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور ظلم و سرکشی اور نافرمانی رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کی سرگوشی نہ کیا کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی بات ایک دوسرے کے کان میں کہہ لیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو
جس کی طرف تم سب جمع کئے جاؤ گے۔

پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ تم ان منافقوں اور یہودیوں کے سے کام نہ کرنا تم گناہ کے کاموں اور حد سے گزر جانے اور نبی کے نہ ماننے کے مشورے نہ کرنا بلکہ تمہیں ان کے برخلاف نیکی اور اپنے بچاؤ کے مشورے کرنے چاہئیں۔ تمہیں ہر وقت اس اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے جس کی طرف تمہیں جمع ہونا ہے، جو اس وقت تمہیں ہر نیکی بدی کی جزا سزا دے گا اور تمام اعمال واقوال سے متنبہ کرے گا گو تم بھول گئے لیکن اس کے پاس سب محفوظ اور موجود ہیں۔

حضرت صفوان فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عمر کا ہاتھ تھامے ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور پوچھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مومن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائے گا اور اس قدر قریب کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا یاد ہے؟ فلاں گناہ تم نے کیا تھا فلاں کیا تھا فلاں کیا تھا یہ اقرار کرتا جائے گا اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا۔

اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ دنیا میں بھی میں نے تیری پردہ پوشی کی اور آج بھی میں نے بخشش کی، پھر اسے اس کی نیکیوں کا نامہ اعمال دیا جائے گا لیکن کافر و منافق کے بارے میں تو گواہ پکار کر کہہ دیں گے کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں خبردار ہو جاؤ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (بخاری ومسلم)

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝
یہ سرگوشی تو شیطان ہی کی طرف سے ہے، تاکہ وہ ان لوگوں کو غم میں مبتلا کرے جو ایمان لائے، حالانکہ وہ اللہ کے حکم
کے بغیر انہیں ہرگز کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں اور پس لازم ہے کہ مومن اللہ ہی پر بھروسا کریں۔

سرگوشیوں میں گناہ اور شیطان ہونے کا بیان

"اِنَّمَا النَّجْوٰی" بِـالْاِثْمِ وَنَحْوِہ اَیْ النَّجْوٰی بِالْاِثْمِ وَنَحْوِہ "مِنَ الشَّیْطٰنِ" بِغُرُوْرِہٖ "لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَیْسَ" ھُوَ "بِضَآرِّھِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ" اَیْ اِرَادَتِہٖ،

یہ سرگوشی تو شیطان ہی کی طرف سے ہے، یعنی گناہ وغیرہ سے ہے۔ تاکہ وہ یعنی شیطان ان لوگوں کو غم میں مبتلا کرے جو ایمان لائے، حالانکہ وہ اللہ کے حکم یعنی اس کے ارادے کے بغیر انھیں ہرگز کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں اور پس لازم ہے کہ مومن اللہ ہی پر بھروسا کریں۔

پھر فرمان ہے کہ اس قسم کی سرگوشی جس سے مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اسے بدگمانی ہو شیطان کی طرف سے ہے شیطان ان منافقوں سے یہ کام اس لئے کراتا ہے کہ مومنوں کو غم ورنج ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شیطان یا کوئی اور انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا، جسے کوئی ایسی حرکت معلوم ہو اسے چاہئے کہ اعوذ پڑھے اللہ کی پناہ لے اور اللہ پر بھروسہ رکھے انشاء اللہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ایسی کانا پھوسی جو کسی مسلمان کو ناگوار گزرے، حدیث میں بھی منع آئی ہے،

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تین آدمی ہوں تو وہ آدمی ایک کو چھوڑ کو آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 1197)

یہود کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لفظ سلام کو بگاڑ کر کہنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن یہودی کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی اور جب وہ آپ کے پاس آئے تو کہا کہ بلکہ تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو آنحضرت نے فرمایا عائشہ! اللہ تعالیٰ محبت ونرمی کرنے والا ہے۔

اور ہر کام میں محبت ونرمی کو پسند کرتا ہے میں نے عرض کیا کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے سلام کے بجائے کیا لفظ کہا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا بیشک میں نے سنا ہے اور میں نے اُن کے جواب میں کہا ہے کہ وعلیکم اور ایک روایت میں یہ لفظ علیکم ہے یعنی واؤ کا ذکر نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 572)

اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ایک دن کچھ یہودی نبی کریم کے پاس آئے اور انہوں نے السلام علیکم کہنے کے بجائے یہ کہا کہ السام علیکم آنحضرت نے ان کے جواب میں فرمایا وعلیکم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہودیوں کی یہ بدتمیزی مجھ سے برداشت نہ ہوئی اور میں نے ان کے جواب میں کہا کہ تمہیں موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔ آنحضرت نے جب میری زبان سے ایسے الفاظ سنے تو فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رک جاؤ! تمہیں نرمی اختیار کرنی چاہیے نیز سخت گوئی اور لچر باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا لفظ کہا ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کیا تم نے نہیں سنا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے میں نے اس پر کیا جواب دیا ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے حق میں میری دعا یا دعائے ضرر تو قبول ہوتی ہے لیکن میرے حق میں ان کی دعا یا بددعا قبول نہیں ہوتی اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم لچر باتیں کرنے والی مت بنو کیونکہ اللہ تعالیٰ لچر باتوں کو اور بہ تکلف لچر باتیں بنانے کو پسند نہیں کرتا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ
لَكُمْۚ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ دَرَجٰتٍؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝
اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادہ ہو جایا کرو اللہ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا
اور جب کہا جائے کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو، اللہ ان لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے
ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا، اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے۔

مجالس میں کشادگی پیدا کرنے کے حکم کا بیان

"یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا" تَوَسَّعُوا "فِي الْمَجْلِس" مَجْلِس النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالذِّكْر حَتَّى يَجْلِس مَنْ جَاءَكُمْ وَفِي قِرَاءَة الْمَجَالِس "فَافْسَحُوا يَفْسَح اللَّه لَكُمْ" فِي الْجَنَّة "وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا" قُومُوا إِلَى الصَّلَاة وَغَيْرهَا مِنْ الْخَيْرَات "فَانْشُزُوا" وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّ الشِّين فِيهِمَا "يَرْفَع اللَّه الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ" بِالطَّاعَةِ فِي ذَلِكَ "وَ" يَرْفَع "الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْم دَرَجَات" فِي الْجَنَّة ،

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادہ ہو جایا کرو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں یا مجلس ذکر میں، ایک قرأت کے مطابق مجالس آیا ہے۔ اللہ تمہیں جنت میں کشادگی عطا فرمائے گا اور جب کہا جائے نماز اور خیرات وغیرہ کی طرف کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو، یہاں پر لفظ انشروا ایک قرأت کے مطابق شین کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ اللہ ان لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے ایمان لائے یعنی اس حکم میں طاعت اختیار کی۔ اور جنہیں علم سے نوازا گیا، ان کے درجے جنت میں بلند فرماتا ہے۔ اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے۔

سورت مجادلہ آیت ۱۱ کے شان نزول کا بیان

مقاتل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چبوترے میں تھے جگہ کچھ تنگ تھی اور یہ جمعہ کا دن تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

عادت شریفہ تھی کہ آپ مہاجرین وانصار میں سے اہل بدر کا اکرام فرماتے چنانچہ کچھ بدری صحابہ آئے جبکہ مجلس ان سے پہلے پر ہو چکی تھی یہ نبی کے سامنے اپنے قدموں پر ہی اس انتظار میں رہے کہ ان کے لیے مجلس میں جگہ بنائی جائے لیکن ایسا نہ کیا گیا یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزری آپ نے اپنے گرد اہل بدر کے علاوہ لوگوں سے کہا اے فلاں تم کھڑے ہو جاؤ اور آپ نے مجلس میں بدری صحابہ جو کھڑے تھے کے بقدر افراد کو مجلس سے اٹھا دیا اور اس بات سے ان افراد کو جنہیں مجلس سے اٹھا گیا تھا کافی ناگوار گزری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں پر بھی کراہت کے آثار کا مشاہدہ فرمالیا منافقین نے مسلمانوں سے کہا تم تو کہتے تھے کہ تمہارے نبی لوگوں کے درمیان عدل کرتے ہیں اللہ کی قسم ان کے ساتھ تمہارے نبی عدل نہیں کرتے یہ لوگ مجلس میں پہلے آئے اور بیٹھے ہوئے تھے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے مشتاق تھے انہیں اٹھا دیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ پر بٹھا دیا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری 339 سیوطی 286، درمنثور 6۔184، ابن کثیر 324، قرطبی 17۔296)

دوسرے مسلمان بھائی کیلئے مجلس میں جگہ کشادہ کرنے کا بیان

حضرت واثلہ بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جب کہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جگہ دینے کے لئے اپنی جگہ سے حرکت کی اور ایک طرف کھسک گئے اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مکان میں جگہ بیٹھنے کی کافی کشادہ ہے میں کہیں بھی بیٹھ جاؤں گا آپ نے میرے لئے اپنی جگہ سے حرکت کرنے اور کھسکنے کی زحمت کیوں گوارا فرمائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مسلمان کا حق ہے کہ جب اس کو اس کا مسلمان بھائی مجلس میں یا اپنے پاس آتا دیکھے تو جگہ کی فراخی وتنگی سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے اور ایک طرف کو کھسک جائے یعنی آنے والے کے لئے اپنی جگہ سے حرکت کرنا اور کھسک جانا دراصل اس کا اکرام واعزاز ہے اور ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی پر اس اکرام واعزاز کا بجا طور پر حق رکھتا ہے اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 644)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایسا نہ ہونا چاہیے کہ جو آدمی جس جگہ بیٹھ گیا ہو کوئی شخص اس کو وہاں سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، البتہ بیٹھنے کی جگہ کو کشادہ رکھو اور آنے والے کو جگہ دو تا کہ اٹھانے کی حاجت نہ پڑے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 634)

بعض حضرات نے یہ کہا کہ ولکن کے بعد لیقل کا لفظ مقدر ہے یعنی مفہوم کے اعتبار سے اصل عبارت یوں ہے کہ ولکن لیقل تفسحوا وتوسعوا، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں نہ بیٹھے) بلکہ اس سے یہ کہنا چاہیے کہ کشادگی کے ساتھ بیٹھو اور آنے والے کو جگہ دو۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ ممانعت نہی تحریمی کے طور پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ پہلے پہنچ کر بیٹھ جائے جو کسی کے لئے مخصوص نہیں ہے مثلاً جمعہ وغیرہ کے دن مسجد وغیرہ میں پہلے پہنچ جائے اور آگے کی صف میں بیٹھ جائے یا اس کے علاوہ کسی اور مجلس میں پہلے پہنچ کر کسی عام جگہ پر بیٹھ جائے تو اس جگہ بیٹھنے کا سب

سے بڑا حق دار وہی ہوگا دوسرے کسی شخص کے لئے یہ حرام ہوگا کہ وہ اس شخص کو اس جگہ سے اٹھا کر وہاں خود بیٹھ جائے۔

عارضی پر طور پر جگہ چھوڑنے والے کیلئے حق مجلس کا بیان

حضرت سعید ابن ابوالحسن، جو ایک جلیل القدر اور ثقہ تابعی ہیں اور حضرت حسن بصری کے بھائی ہیں کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس ایک ایسے مقدمہ میں گواہی دینے کے لئے تشریف لائے جس میں وہ گواہ تھے ایک شخص اس کے احترام میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تا کہ وہ اس جگہ بیٹھ جائیں لیکن انہوں نے اس جگہ پر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے یعنی آپ نے اس جگہ پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جہاں کوئی شخص پہلے سے بیٹھا ہوا ہو اور عارضی طور پر اس جگہ سے اٹھ گیا ہو، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی کسی ایسے شخص کے کپڑے سے اپنے ہاتھ پونچھے جس کو اس نے کپڑا نہیں پہنایا۔ (ابوداود، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 639)

حدیث میں مذکور دوسری ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کھانے وغیرہ میں ہاتھ بھر گئے ہوں تو ان ہاتھوں کو کسی اجنبی کے کپڑے سے نہ پونچھے بلکہ ایسے کپڑے سے ہاتھ پونچھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جس کو اس نے کپڑے پہنائے اور دیئے ہوں جیسے اپنی اولاد، یا غلام، یا خادم، وغیرہ اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس اجنبی کے کپڑے سے پونچھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں جو اس بات پر راضی ہو۔

اس پر حدیث کے پہلے جزو کے مسئلہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص اس کے لئے اپنی جگہ سے بخوشی اٹھا ہے تو اس کی جگہ بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ اس آیت (تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ، المجادلہ: 11) سے مفہوم ہوتا ہے اور جیسا کہ اس پر حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ نیز اس طرح اور بہت سے منقولات ہیں جن سے یہ وضاحت مفہوم ہوتی ہے رہی یہ بات کہ جب وہ شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اپنی مرضی سے جگہ چھوڑ کر اٹھا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹھنے سے کیوں انکار کیا؟ تو ان کے انکار کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس شخص کی رضامندی کے بارے میں شک ہوا ہوگا اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ شخص از خود بطیب خاطر اپنی جگہ سے نہیں اٹھا ہے بلکہ کسی اور شخص کے کہنے سے اٹھا ہے یا شرم حضوری میں اٹھا ہے اور یا یہ کہ اس شخص کی رضامندی جاننے کے باوجود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احتیاط و تقویٰ اسی میں دیکھا ہوگا کہ وہ اس کی جگہ پر نہ بیٹھیں یا انہوں نے ممانعت کی حدیث کو اطلاق پر محمول کیا ہوگا اور رضامندی کو بھی عدم ممانعت کا سبب نہیں سمجھتے ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ
ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
اے ایمان والو! جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو

اپنی راز دارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ وخیرات کرلیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے،
پھر اگر کچھ نہ پاؤ تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا بیان

"یٰاَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُول" أَرَدْتُمْ مُنَاجَاته "فَقَدِّمُوا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاکُمْ" قَبْلَهَا "وَأَطْهَر" لِذُنُوبِکُمْ "فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا" مَا تَتَصَدَّقُونَ بِهِ "فَإِنَّ اللَّه غَفُور" لِمُنَاجَاتِکُمْ "رَحِیم" بِکُمْ یَعْنِي فَلَا عَلَیْکُمْ فِي الْمُنَاجَاة مِنْ غَیْر صَدَقَة ثُمَّ نَسَخَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ :

اے ایمان والو! جب تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو اپنی راز دارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ وخیرات کرلیا کرو، تاکہ خطاء سے پاک ہوجاؤ یہ عمل تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پھر اگر خیرات کے لئے کچھ نہ پاؤ تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا ہے جو تم مناجات کرتے ہو۔ بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی تم پر لازم نہیں ہے بغیر صدقہ کے اس کے بعد اس حکم سے اس قول کے مطابق رجوع کرلیا۔

سورت مجادلہ آیت ۱۲ کے شان نزول کا بیان

مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ یہ آیت اغنیاء کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ نبی کے پاس آتے اور آپ کے کان میں بہت مرتبہ باتیں کرتے اور مجالس میں فقراء پر غالب آجاتے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا دیر تک بیٹھے رہنا اور کان میں گفتگو کرنا ناپسند ہوتا اور اس پر اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور کان میں گفتگو سے پہلے صدقہ کا حکم دیا اب تنگ دست کے پاس تو مال نہ ہوا تھا اور خوش حال لوگ بخل کرتے تو یہ نبی کے صحابہ پر شاق گزرا تو اللہ کی طرف سے رخصت نازل ہوئی۔ علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں ایک آیت ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا وہ آیت یہ ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ۔ میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اسے بیچ دیا اور جب بھی میں نے نبی سے کان میں گفتگو کرنا ہوتی تو میں ایک درہم صدقہ کردیتا یہاں تک کہ وہ دینار ختم ہوگئے پھر یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی۔ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقٰتٍ۔ (نیساپوری 340، سیوطی 287، زاد المسیر 8۔194، ابن کثیر 4۔326)

سرگوشی کیلئے صدقہ دینے کا بیان

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَةً، اے ایمان والو جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دے لیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر اور زیادہ پاکیزہ بات ہے)۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے مشورہ لیا کہ صدقہ کی کتنی مقدار مقرر کی جائے، ایک دینار۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ ایک دینار نہیں دے سکیں گے۔ آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نصف دینار۔ میں نے عرض کیا نصف دینار بھی نہیں دے سکیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر کتنی مقدار مقرر کی جائے۔ میں نے عرض کیا ایک جو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم تو بہت کمی کرنے والے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوتی۔ (ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰیكُمْ صَدَقٰتٍ ، کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے۔ پھر جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تمہیں معاف بھی کر دیا تو (بس) نماز ادا کرو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے)۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور ایک جو سے مراد جو کے برابر سونا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1249)

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۠

کیا تنہائی و رازداری کے ساتھ بات کرنے سے قبل صدقات و خیرات دینے سے تم گھبرا گئے؟ پھر جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تم سے باز پرس اٹھا لی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بجالاتے رہو، اور اللہ تمہارے سب کاموں سے خوب آگاہ ہے۔

حکم صدقہ کے لزوم و نسخ کا بیان

"ءَاَشْفَقْتُمْ" بِتَحْقِیقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَإِبْدَال الثَّانِیَة أَلِفًا وَتَسْهِیلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَیْن الْمُسَهَّلَة وَالْأُخْرَى وَتَرْكه أَیْ خِفْتُمْ مِنْ "أَنْ تُقَدِّمُوا بَیْن یَدَیْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَات" لِفَقْرٍ "فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا" الصَّدَقَة "وَتَابَ اللّٰه عَلَیْكُمْ" رَجَعَ بِكُمْ عَنْهَا "فَأَقِیمُوا الصَّلَاة وَآتُوا الزَّكَاة وَأَطِیعُوا اللّٰه وَرَسُوله" أَیْ دَاوِمُوا عَلَى ذٰلِكَ

یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ ابدال ثانیہ بہ الف اور دونوں کی تسہیل جبکہ مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف لایا جائے اور ترک کے ساتھ بھی آیا ہے۔ کیا (بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں) تنہائی و رازداری کے ساتھ بات کرنے سے قبل صدقات و خیرات دینے سے تم گھبرا گئے؟ یعنی فقر کی وجہ سے پھر جب تم نے ایسا نہ کیا یعنی صدقہ نہ دیا اور اللہ نے تم سے باز پرس اٹھا لی یعنی یہ پابندی اٹھا دی تو اب نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت بجا لاتے رہو، یعنی اس پر دوام اختیار کرو۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں سے خوب آگاہ ہے۔

انتہائی قلیل مدت میں منسوخ ہونے والے حکم کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کر دی، ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مسلمان برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رازداری کرنے سے پہلے صدقہ

نکالا کرتے تھے لیکن زکوٰۃ کے حکم نے اسے اٹھادیا، آپ فرماتے ہیں صحابہ نے کثرت سے سوالات کرنے شروع کردیئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر آپ پر تخفیف کردی کیونکہ اب لوگوں نے سوالات چھوڑ دیئے، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشادگی کردی اور اس حکم کو منسوخ کردیا۔

عکرمہ اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے، حضرت قتادہ اور حضرت مقاتل بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت قتادہ کا قول ہے کہ صرف دن کی چند ساعتوں تک یہ حکم رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی عمل کرسکا تھا اور دن کا تھوڑا ہی حصہ اس حکم کو نازل ہوئے تھا کہ منسوخ ہوگیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مجادلہ، بیروت)

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ
وَیَحْلِفُوْنَ عَلَی الْكَذِبِ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝
کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسی جماعت کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ نے غضب فرمایا،
نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

منافقین کی یہود سے دوستیوں کا بیان

"أَلَمْ تَرَ" تَنْظُر "إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا" هُمُ الْمُنَافِقُونَ "قَوْمًا" هُمُ الْيَهُود "غَضِبَ اللّٰه عَلَيْهِمْ مَا هُمْ" أَيْ الْمُنَافِقُونَ "مِنْكُمْ" مِنَ الْمُؤْمِنِينَ "وَلَا مِنْهُمْ" مِنَ الْيَهُود بَلْ هُمْ مُذَبْذَبُونَ "وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِب" أَيْ قَوْلهمْ إِنَّهُمْ مُؤْمِنُونَ "وَهُمْ يَعْلَمُونَ" أَنَّهُمْ كَاذِبُونَ فِيهِ،

کیا آپ نے ان لوگوں یعنی منافقین کو نہیں دیکھا جو ایسی جماعت یعنی یہود کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ نے غضب فرمایا، نہ وہ منافقین تم یعنی اہل ایمان میں سے ہیں اور نہ ان یہود میں سے ہیں بلکہ وہ شکوک شبہات میں رہنے والے ہیں۔ اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو مؤمن کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ وہ اس میں جھوٹ بولنے والے ہیں۔

سورت مجادلہ آیت ۲۲ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت عبداللہ ابن ابی اور عبداللہ بن نبتل منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف رکھتے تھے تو فرمایا کہ اب تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جس کا قلب قلب جبار ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اس کے بعد ہی عبداللہ بن نبتل منافق داخل ہوا جو نیلگوں چشم، گندم گوں، پست قد، خفیف اللحیہ تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اور تمہارے ساتھی مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟

اس نے حلف کھا کے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، پھر اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا انہوں نے بھی یہ جھوٹا حلف کرلیا، حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے جھوٹ کی خبر دے دی۔ (تفسیر قرطبی، درمنثور، سورہ مجادلہ، بیروت)

حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اپنے حجرے کے سائے میں تھے اور آپ کے پاس مسلمانوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی قریب تھا کہ سایہ ان سے سکڑ جائے آپ نے ان سے فرمایا ابھی تمہارے پاس ایک ایسا انسان آنے والا ہے جو شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس سے بات نہ کرنا چنانچہ ایک نیلی آنکھوں والا شخص آیا اور آپ نے اسے بلایا اور اس سے گفتگو کی اور فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے کس بات پر برا بھلا کہہ رہے ہیں آپ نے ان کے ساتھیوں کے نام بھی لیے۔ اور انہیں بلایا اور ان سب نے اللہ کی قسم کھائی اور آپ کے سامنے اپنا عذر پیش کیا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۔ ،جس دن خدا ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) خدا کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے (کہ ایسا کرنے سے) کام لے نکلے ہیں اور دیکھو یہ جھوٹے (اور برسر غلط) ہیں۔

(نیسابوری 341، مستدرک 2-482، مسند احمد 1-340، مجمع الزوائد 7-122)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ
جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝
اللہ نے ان کے لیے بہت سخت عذاب تیار کیا ہے، بے شک یہ لوگ، برا ہے جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں
کو ایک طرح کی ڈھال بنالیا، پس انھوں نے اللہ کی راہ سے روکا، سو ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

منافقین کا جھوٹی قسمیں اٹھا کر اپنی جان و مال کو بچانے کا بیان

"أَعَدَّ اللّٰه لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" مِنَ الْمَعَاصِي "اتَّخَذُوا أَيْمَانهمْ جُنَّة" سَتْرًا عَلَى أَنْفُسهمْ وَأَمْوَالهمْ "فَصَدُّوا" بِهَا الْمُؤْمِنِينَ "عَنْ سَبِيل اللّٰه" أَيْ الْجِهَاد فِيهِمْ بِقَتْلِهِمْ وَأَخْذ أَمْوَالهمْ "فَلَهُمْ عَذَاب مُهِين" ذُو إِهَانَة،

اللہ نے ان کے لیے بہت سخت عذاب تیار کیا ہے، بے شک یہ لوگ برا یعنی معصیت ہے جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ایک طرح کی ڈھال بنالیا، تا کہ وہ اپنی جانوں اور اموال کو بچائیں۔ پس انھوں نے اہل ایمان کو اللہ کی راہ یعنی جہاد سے روکا، کہ کہیں وہ خود اس میں قتل ہو جائیں اور ان کے مال لے لئے جائیں گے۔ سو ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ یعنی توہین کرنے والا عذاب ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اتخذوا۔ ماضی جمع مذکر غائب۔ اتخاذ (افتعال) مصدر۔ انہوں نے ٹھہرالیا۔ انہوں نے اختیار کرلیا۔ ایمانھم مضاف

مضاف الیہ۔ اپنی قسموں کو۔ ایمان جمع ہے اس کا واحد یمین ہے۔ یمین کے معنی اصل میں تو وہ اپنے ہاتھ کے ہیں۔ معاہدہ کرنے والا حلیف جو دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہے۔ یمین حلف کے معنی میں اسی فعل سے مستعار لیا گیا ہے۔ جنۃ: سپر، ڈھال، آڑ، پردہ، جنن جمع ہے۔ جن سے مشتق ہے چونکہ ڈھال سے جسم کو چھپایا جاتا ہے اس لئے اس کو جنۃ کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے (اپنے بچاؤ کے لئے)۔ فصدوا۔ ماضی جمع مذکر غائب۔ صد وصدود (باب نصر) مصدر سے پھر خدا کی راہ سے دوسروں کو روکتے ہیں۔ عذاب مھین: موصوف وصفت۔ مھین اسم فاعل واحد مذکر اھانۃ (افعال) مصدر۔ ذلیل وخوار کرنے والا۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○
ان کے اموال اللہ کے مقابلے میں ہرگز ان کے کسی کام نہ آئیں گے اور نہ ہی ان کی اولاد۔
یہ لوگ آگ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

منافقین کو مال واولاد کا عذاب الٰہی سے بچا نہ سکنے کا بیان

"لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالهمْ وَلَا أَوْلَادهمْ مِنْ اللّٰه" مِنْ عَذَابه "شَيْئًا" مِنْ الْإِغْنَاء

ان کے اموال اللہ کے مقابلے میں ہرگز ان کے کسی کام نہ آئیں گے اور نہ ہی ان کی اولاد۔ یعنی اس کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ یہ لوگ آگ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان ومال کو بچاتے ہیں اور اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے دوستی کے پیرایہ میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پا سکتے۔ سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور جب سزا کا وقت آئے گا، اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد، جن کی حفاظت کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ
اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○
جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں
کھاتے ہیں اور گمان کریں گے کہ بے شک وہ کسی چیز پر ہیں، سن لو! یقیناً وہی اصل جھوٹے ہیں۔

منافقین کی جھوٹی قسموں کا آخرت میں کام نہ آنے کا بیان

"يَوْم يَبْعَثهُمْ اللّٰه جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ" أَنَّهُمْ مُؤْمِنُونَ "كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَى شَيْء" مِنْ نَفْع حَلِفهمْ فِي الْآخِرَة كَالدُّنْيَا،

جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ وہ مؤمن ہیں۔ جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور گمان کریں گے کہ بے شک وہ کسی چیز پر قائم ہیں، یعنی جیسے دنیا میں جھوٹی قسموں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی جھوٹی قسموں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ سن لو! یقیناً وہی اصل جھوٹے ہیں۔

منافق میں چار عادتیں ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی میں چار باتیں ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے گی (تو سمجھ لو) اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوئی تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (اور وہ چار باتیں یہ ہیں) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب قول واقرار کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑے تو گالیاں بکے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 51)

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○
شیطان ان پر غالب آ گیا، سو اس نے انھیں اللہ کی یاد بھلا دی، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ سن لو! یقیناً
شیطان کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

منافقین کے گروہ کا شیطانی گروہ ہونے کا بیان

"اسْتَحْوَذَ" اسْتَوْلَى "عَلَيْهِمُ الشَّيْطَان" بِطَاعَتِهِمْ لَهُ "فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّه أُولَئِكَ حِزْب الشَّيْطَان" أَتْبَاعه،

شیطان ان پر غالب آ گیا، سو اس نے انھیں اللہ کی یاد بھلا دی، کیونکہ انہوں نے شیطان کی اطاعت کی۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ سن لو! یقیناً شیطان کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں یعنی اس کی اتباع کرنے والے ہیں۔ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

شیطان کے غالب آ جانے کا بیان

پھر فرماتا ہے ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور ان کے دل کو اپنی مٹھی میں کرلیا ہے یاد اللہ ذکر اللہ سے انہیں دور ڈال دیا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کسی بستی یا جنگل میں تین شخص بھی ہوں اور ان میں نماز نہ قائم کی جاتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے پس تو جماعت کو لازم پکڑے رہ، بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو۔ حضرت سائب فرماتے ہیں یہاں مراد جماعت سے نماز کی جماعت ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے ذکر کو فراموش کرنے والے اور شیطان کے قبضے میں پھنس جانے والے شیطانی جماعت کے افراد

ہیں، شیطان کا یہ لشکر یقیناً نامراد اور زیاں کار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مجادلہ، بیروت)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَـهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ○
بیشک جولوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عداوت رکھتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کیلئے ذلت کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ" يُخَالِفُوْنَ "اللّٰهَ وَرَسُوْلَه اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ" الْمَغْلُوْبِيْنَ

بیشک جولوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت رکھتے ہیں یعنی مخالفت کرتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔ یعنی وہ مغلوبین ہیں۔

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جولوگ حق سے برگشتہ ہیں ہدایت سے دور ہیں اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں احکام شرع کی اطاعت سے الگ ہیں یہ لوگ انتہا درجے کے ذلیل بیوقار اور خستہ حال ہیں، رحمت رب سے دور اللہ کی مہربانی بھری نظروں سے اوجھل اور دنیا و آخرت میں برباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا ہے بلکہ اپنی پہلی کتاب میں ہی لکھ چکا ہے اور مقدر کر چکا ہے جو تقدیر اور جو تحریر نہ مٹے نہ بدلے نہ اسے ہیر پھیر کرنے کی کسی میں طاقت، کہ وہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور اس کے مومن بندے دنیا اور آخرت میں غالب رہیں گے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○
اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور بالضرور میں غالب رہوں گا اور میرے رسول، یقیناً اللہ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے غالب رہنے کا بیان

"كَتَبَ اللّٰهُ" فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اَوْ قَضٰى "لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ" بِالْحُجَّةِ اَوْ السَّيْفِ

اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے یا فیصلہ کر دیا ہے کہ ضرور بالضرور میں غالب رہوں گا اور میرے رسول، یعنی دلیل اور تلوار کے ساتھ غلبہ ہوگا۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔

یعنی تقدیر اور لوح محفوظ میں جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہ مضمون سورہ مومن میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جب یہ بات لکھنے والا، سب پر غالب اور نہایت زور آور ہے تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے۔؟ مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ

مِّنۡهُ ؕ وَ یُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا
عَنۡهُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝
آپ ان لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اس کے
رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دشمنی رکھتا ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ
دار ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور انہیں اپنی روح سے تقویت بخشی ہے، اور انہیں
جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے
اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں، یہی اللہ کی جماعت ہے، یاد رکھو! بیشک اللہ کی جماعت ہی مراد پانے والی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت ایمانی کا بیان

"لَا تَـجِـدُ قَـوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ" يُصَادِقُونَ "مَـنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَه وَلَوْ كَانُوا" أَيْ الْمُحَادُّونَ "آبَاءَهُمْ" أَيْ الْمُؤْمِنِينَ "أَوْ أَبْـنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ" بَلْ يَقْـصِـدُونَهُـمْ بِـالسُّـوءِ وَيُقَاتِلُونَهُمْ عَلَى الْإِيمَان كَمَا وَقَعَ لِجَمَاعَةٍ مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰه عَنْهُمْ "أُولَئِكَ" الَّذِينَ لَا يُوَادُّونَهُمْ "كَتَبَ" أَثْبَتَ "فِـي قُلُوبِهِمْ الْإِيمَان وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ" بِنُورٍ "مِنْهُ" تَعَالَى "وَيُـدْخِـلُهُـمْ جَـنَّـات تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللّٰه عَنْهُمْ" بِطَاعَتِهِ "وَرَضُوا عَنْهُ" بِثَوَابِهِ "أُولَئِكَ حِزْب اللّٰه" يَتَّبِعُونَ أَمْره وَيَجْتَنِبُونَ نَهْيه "أَلَا إِنَّ حِزْب اللّٰه هُمْ الْمُفْلِحُونَ" الْفَائِزُونَ،

آپ ان لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھتا ہے خواہ وہ دشمنی رکھنے والے ان یعنی اہل ایمان کے باپ اور دادا ہوں یا بیٹے اور پوتے، بھائی یا قبیلے سے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ بلکہ انہوں نے برائی کا ارادہ کیا ہے۔ جبکہ وہ ان سے ایمان کی وجہ سے لڑتے ہیں۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت میں واقعہ پیش آیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور انہیں اپنی روح یعنی نور کے فیض خاص سے تقویت بخشی ہے، اور انہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں، یہی اللہ والوں کی جماعت ہے، یعنی جو اللہ کے حکم کی اتباع کرتے ہیں اور منع کردہ کاموں سے رکتے ہیں۔ یاد رکھو! بیشک اللہ والوں کی جماعت ہی مراد پانے والی ہے۔

سورت مجادلہ آیت ۲۲ کے شان نزول کا بیان

ابن جریج فرماتے ہیں کہ ابوقحافہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے زوردار تھپڑ رسید کیا جس کی وجہ سے وہ گر گیا پھر یہ بات آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا کیا تم نے ایسا کیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا اب ایسا نہ کرنا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میرے قریب تلوار ہوتی تو میں اسے قتل کر دیتا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ یہ آیت ابوعبیدہ بن جراح کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو غزوہ احد میں قتل کیا اور ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے بدر کے دن اپنے بیٹے کو مبارزہ کی دعوت دی انہوں نے کہا یا رسول اللہ مجھے جانے دیجیے تاکہ میں آگے لڑنے والی جماعت میں سے ہو جاؤں تو رسول اللہ نے فرمایا اے ابوبکر ابھی ہمیں اپنی ذات سے نفع اٹھانے دو کیا تم نہیں جانتے کہ تم میرے ہاں میرے کان اور آنکھ کے بمنزلہ ہو اور مصعب بن سعد کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے احد کے دن اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا۔

اور حضرت عمر کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کے دن قتل کیا اور حضرت علی اور حمزہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ربیعہ کے بیٹوں اور عتبہ اور شیبہ کو اور ولید بن عتبہ کو بدر کے دن قتل کیا اور یہی اللہ کے اس فرمان میں ہے۔ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۔ خواہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ (نیسابوری 342، سیوطی 288، قرطبی 17۔307)

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تقاضہ ایمان کا بیان

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 6)

محبت "ایک تو طبعی ہوتی ہے جیسے اولاد کو باپ کی یا باپ کو اولاد کی محبت۔ اس محبت کی بنیاد طبعی وابستگی و پسند اور فطری تقاضہ ہوتا ہے۔ اس میں عقلی یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی و فطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی عقلی ضرورت و مناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی مثال مریض اور دوا ہے یعنی بیمار آدمی دوا کو اس لئے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے بلکہ یہ دراصل عقل کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر بیماری کو ختم کرنا ہے اور صحت عزیز ہے تو دوا استعمال کرنی ہوگی خواہ اس دوا کی تلخی اور کڑواہٹ کا طبیعت پر کتنا ہی بار کیوں نہ ہو، اسی طرح اگر کسی آدمی کے جسم کا کوئی حصہ پھوڑے پھنسی کے فاسد مادہ سے بھر گیا ہو تو وہ آپریشن کے لئے اپنے آپ کو کسی ماہر جراح اور سرجن کے حوالہ اس لئے نہیں کرتا کہ اس کی نظر میں آلات جراحی کی چمک دمک اچھی لگتی ہے یا اس کی طبیعت اپنے جسم کے اس حصہ پر نشتر

زنی کو پسند کرتی ہے، بلکہ یہ عقل و دانائی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر جسم کو فاسد مادہ سے صاف کرنا ہے تو خود کو اس جراح یا سرجن کے حوالے کر دینا ضروری ہے۔ کسی چیز کو عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو "عقلی محبت" سے تعبیر کرتے ہیں، بعض حالات میں اتنی شدید، اتنی گہری اور اتنی اہم بن جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آ جاتی ہے۔ پس یہ حدیث ذات رسالت سے جس محبت اور وابستگی کا مطالبہ کر رہی ہے۔

وہ علماء و محدثین کے نزدیک یہی "عقلی محبت" ہے لیکن کمال ایمان و یقین کی بنا پر یہ "عقلی محبت" اتنی پر اثر، اتنی بھرپور اور اس کی قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ "طبعی محبت" پر غالب آ جائے۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ہدایت اور کسی شرعی حکم کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ کی محبت، اولاد کا پیار یا کوئی بھی اور طبعی تعلق رکاوٹ ڈالے تو اس ہدایت رسول اور شرعی حکم کو پورا کرنے کے لئے اس خون کے رشتے اور طبعی تقاضا و محبت کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیے، ایمانیات اور شریعت کے نقطہ نظر سے بہت بڑا مقام ہے اور یہ مقام اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب ایمان و اسلام اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی کرنے والا اپنے نفس کو احکام شریعت اور ذات رسالت میں فنا کر دے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد حیات نہ ہو۔

مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جاری ہوتا ہے کہ اہل ایمان جہاد کے لئے نکلیں، اس حکم کی تعمیل میں اہل ایمان، دشمنان دین سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں پہنچتے ہیں۔ جب دونوں طرف سے صف آرائی ہوتی ہے اور حریف فوجیں آمنے سامنے آتی ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا لڑکا دشمن کی صف میں نظر آتا ہے اور کسی کو اپنا باپ۔ اب ایک طرف تو وہ طبعی محبت ہے، جو کیسے گوارا کرلے کہ اس کی تلوار اپنے باپ یا اپنی ہی اولاد کے خون سے رنگی جائے، دوسری طرف حکم رسول ہے کہ دشمن کا کوئی بھی فرد تلوار کی زد سے امان نہ پائے چاہے وہ اپنا باپ یا بیٹا کیوں نہ ہو، تاریخ کی ناقابل تردید صداقت گواہی دیتی ہے کہ ایسے نازک موقع پر اہل ایمان پل بھر کے لئے بھی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کو یہ فیصلہ کر لینے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ باپ کی محبت کوئی معنی رکھتی ہے نہ اولاد کی۔ اور پھر میدان جنگ میں باپ کی تلوار بے دریغ اپنی اولاد کا خون بہاتی نظر آتی ہے اور بیٹا اپنے باپ کو موقع نہیں دیتا کہ بچ کر نکل جائے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکمیل ایمان کا مدار حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے جس آدمی میں ذات رسالت سے اس درجہ کی محبت نہ ہو کہ اس کے مقابلہ پر دنیا کے بڑے سے بڑے رشتے، بڑے سے بڑے تعلق اور بڑی سے بڑی چیز کی محبت و چاہت بھی بے معنی ہو، وہ کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، اگرچہ زبان اور قول سے وہ اپنے ایمان و اسلام کا کتنا ہی بڑا دعوی کرے۔

حضرت عمر فاروق کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے جب یہ حدیث سنی تو عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا میں صرف اپنی جان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں" یعنی دنیا کے اور تمام رشتوں اور چیزوں سے زیادہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھتا ہوں مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم

جس کے قبضہ میری جان ہے تم اب بھی کامل مومن نہیں ہوئے اس لئے کہ یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا ہو جاؤں"۔ ان الفاظ نبوت نے جیسے آن واحد میں حضرت عمر فاروق کے دل و دماغ کی دنیا تبدیل کر دی ہو، وہ بے اختیار بولے۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جان قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو خوشخبری سنائی کہ اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا اور تم پکے مومن ہو گئے۔" اور صرف عمر فاروق ہی نہیں، تمام صحابہ اسی کیفیت سے معمور اور حب رسول سے سرشار تھے، ان کی زندگیوں کا مقصد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ ابرو پر اپنی جانوں کو نچھاور کر دینا تھا، بلاشبہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے راہنما اور پیروؤں کے باہمی تعلق اور محبت کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بلاشک صحابہ کے لئے شمع کی سی تھی جس پر وہ پروانہ وار نچھاور ہونا ہی اپنی سعادت و خوش بختی تصور کیا کرتے تھے۔ اسلام کے اس دور کی شاندار تاریخ اپنے دامن میں بے شمار ایسے واقعات چھپائے ہوئے ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام اجمعین کی جذباتی وابستگی اور والہانہ محبت و تعلق کی شاندار غمازی کرتے ہیں۔

غزوہ احد کا واقعہ ہے۔ میدان جنگ میں جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور حق کی مٹھی بھر جماعت پر باطل کے لشکر جرار نے پوری قوت اور طاقت سے حملہ کیا تو دیکھا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں نے جام شہادت پیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر دیوانہ وار فدا ہو گئے، یہ دل دہلا دینے والی خبر اس عورت کو بھی پہنچائی گئی مگر اللہ پر ایمان کی پختگی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اثر کہ بجائے اس کے کہ وہ عورت اپنے لواحقین کی شہادت پر نالہ وشیون اور ماتم وفریاد کرتی اس نے سب سے پہلے سوال کیا: "خدارا مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا اور سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جان قربان) تو بخیر ہیں؟"۔ "لوگوں نے کہا۔ ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں" مگر اس سے اس کی تسکین نہ ہوئی اور بے تابانہ کہنے لگی: "اچھا چلو! میں اپنی آنکھوں سے دیدار کرلوں تو یقین ہوگا" اور جب اس نے اپنی آنکھوں سے چہرہ انور کی زیارت کر لی تو بولی: کل مصیبۃ بعدک جلل۔ جب آپ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے اہل وعیال اور مال سب سے زیادہ محبوب ہیں، مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ یہاں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی نہیں کر لیتا۔ مگر اب تو یہی غم کھائے جاتا ہے کہ وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے، وہاں میری آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیسے کر سکیں گی۔ جب ہی یہ آیت نازل ہوئی: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ، النساء ۶۹) "جو لوگ اللہ ورسول کا کہنا مانتے ہیں وہ (آخرت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام ہیں یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ خوشخبری سنا

دی۔

عبداللہ بن زید بن عبدربہ جو صاحب اذان کے لقب سے مشہور تھے اپنے باغ میں کام کررہے تھے کہ اسی حالت میں ان کے صاحبزادہ نے آ کر پریشانی والی خبر سنائی کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار اور محبت رسول سے سرمست، یہ صحابی اس جان گداز خبر کی تاب ضبط نہ لا سکے، بے تابانہ ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے: خداوندا اب مجھے بینائی کی دولت سے محروم کردے تاکہ یہ آنکھیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف و منور ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں (ترجمہ السنۃ)۔

سورت مجادلہ کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالی کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورت مجادلہ کی تفسیر مصباحین اردو ترجمۃ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَةُ الْحَشْر

یہ قرآن مجید کی سورت حشر ہے

سورت حشر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الْحَشْر (مَدَنِيَّة وَآيَاتها أَرْبَع وَعِشْرُونَ)

سورہ حشر مدنیہ ہے، اس میں تین رکوع، چوبیس آیات، چار سو پینتالیس کلمات، ایک ہزار نو سو تیرہ حروف ہیں۔

سورت حشر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی دوسری آیت میں لفظ حشر آیا ہے۔ اس لفظ کے سبب کیونکہ اس میں قبیلہ بن نضیر کی جلاوطنی کا بیان ہے جو شام کی طرف ہوئی جو حشر کی جگہ ہے۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت حشر کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت حشر کے سبب نزول کا بیان

بخاری و مسلم میں حضرت سعید بن جُبیر کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے سورہ حشر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ غزوہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس طرح سورہ انفال غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت سعید بن جبیر کی دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں کہ قل سورۃ النَّضِیر یعنی یوں کہو کہ یہ سورہ نضیر ہے۔ یہی بات مجاہد، قتادہ، زہری، ابن زید، یزید بن رومان، محمد بن اسحاق وغیرہ حضرات سے بھی مروی ہے۔ ان سب کا متفقہ بیان یہ ہے کہ اس میں جن اہل کتاب کے نکالے جانے کا ذکر ہے ان سے مراد بنی النضیر ہی ہیں۔ یزید بن رومان، مجاہد اور محمد بن اسحاق کا قول یہ ہے کہ از اول تا آخر یہ پوری سورۃ اسی غزوہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ حشر، بیروت)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○
جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے۔

زمین و آسمان کی سب چیزوں کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بیان کرنا

"سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْأَرْض " أَيْ نَزَّهَهُ فَاللَّام مَزِيدَة وَفِي الْإِتْيَان بِمَا تَغْلِيب لِلْأَكْثَرِ "وَهُوَ الْعَزِيز الْحَكِيم" فِي مُلْكه وَصُنْعه

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں یعنی اس کی پاکی بولتے ہیں، یہاں پر لام زائدہ ہے جس کا بہ طور تغلیب اکثر کیلئے آنا ہوا ہے۔ اور وہی اپنے ملک وصنعت میں غالب ہے حکمت والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا تو اس کے گناہ ختم کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کی مانند یعنی کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 826)

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ سو مرتبہ چاہے تو کئی مرتبہ کر کے پڑھا جائے دن کے ابتدائی یا آخری حصہ میں ایک ہی دفعہ میں پڑھ لیا جائے دونوں طرح درست ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ دن کے ابتدائی حصہ میں ایک ہی دفعہ پڑھ لیا جائے افضل ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

وہی ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو پہلی جلاوطنی میں گھروں سے نکال دیا۔ تمہیں یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور انہیں یہ گمان تھا کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے پھر اللہ نے ان کو وہاں سے آلیا جہاں سے وہ گمان نہ کر سکتے تھے اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ودبدبہ ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور اہل ایمان کے ہاتھوں ویران کر رہے تھے۔ پس اے دیکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔

قبیلہ یہود بنونضیر کی جلاوطنی کا بیان

"هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْل الْكِتَاب" هُمْ بَنُو النَّضِير مِنْ الْيَهُود "مِنْ دِيَارهمْ" مَسَاكِنهمْ بِالْمَدِينَةِ "لِأَوَّلِ الْحَشْر" هُوَ حَشْرهمْ إِلَى الشَّام وَآخِره أَنْ أَجْلَاهُمْ عُمَر فِي خِلَافَته إِلَى خَيْبَر "مَا ظَنَنْتُمْ" أَيّهَا الْمُؤْمِنُونَ "أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتهمْ" خَبَر أَنْ "حُصُونهمْ" فَاعِله تَمَّ بِهِ الْخَبَر "مِنْ اللَّه" مِنْ عَذَابه "فَأَتَاهُمْ اللَّه" أَمْره وَعَذَابه "مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا" لَمْ يَخْطِر بِبَالِهِمْ مِنْ جِهَة الْمُؤْمِنِينَ "وَقَذَفَ" أَلْقَى "فِي قُلُوبهمْ الرُّعْب" بِسُكُونِ الْعَيْن وَضَمّهَا الْخَوْف بِقَتْلِ سَيِّدهمْ كَعْب بْن الْأَشْرَف "يُخْرِبُونَ" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف مِنْ أَخْرَبَ "بُيُوتهمْ" لِيَنْقُلُوا مَا اسْتَحْسَنُوهُ مِنْهَا مِنْ خَشَب وَغَيْره

وہی ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو یعنی یہود بنونضیر کو پہلی جلاوطنی میں گھروں سے جمع کر کے مدینہ سے شام کی طرف نکال دیا۔ اور ان کا دوسرا حشر تب ہوا جب انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خیبر سے نکالا گیا۔ اے ایمان والو! تمہیں یہ

گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور انہیں یہ گمان تھا کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ کی گرفت سے بچالیں گے یہاں پر لفظ اُن کی خبر مانعتہم ہے اور اس کا فاعل حصونہم سے ہے جس کے ساتھ خبر مکمل ہوگئی۔ پھر اللہ کے عذاب نے ان کو وہاں سے آلیا جہاں سے وہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔ یعنی ان کو اہل ایمان کی جانب سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ اور اس اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ودبدبہ ڈال دیا، یہاں پر لفظ رعب عین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ کیونکہ اُن کو اپنے سردار کعب بن اشرف کے قتل کا خوف تھا۔ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور اہل ایمان کے ہاتھوں ویران کر رہے تھے۔ یہاں پر لفظ یخرجون یہ تشدید اور تخفیف دونوں طرح آیا ہے تا کہ وہ اپنی پسند کی لکڑی وغیرہ کو بھی لے جائیں۔ پس اے دیکھنے والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔

بنونضیر یہود کی بدعہدیوں اور ان پر سختی کا بیان

جس نے اہل کتاب کے کافروں یعنی قبیلہ بنونضیر کے یہودیوں کو ان کے گھروں سے نکالا، اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں سے صلح کر لی تھی کہ نہ آپ ان سے لڑیں نہ یہ آپ سے لڑیں، لیکن ان لوگوں نے اس عہد کو توڑ دیا جن کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر غالب کیا اور آپ نے انہیں یہاں سے نکال دیا، مسلمانوں کو کبھی اس کا خیال تک نہ تھا، خود یہ یہود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان مضبوط قلعوں کے ہوتے ہوئے کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لیکن جب اللہ کی پکڑ آئی یہ سب چیزیں یونہی رکھی کی رکھی رہ گئیں اور اچانک اس طرح گرفت میں آ گئے کہ حیران رہ گئے اور آپ نے انہیں مدینہ سے نکلوا دیا، بعض تو شام کی زراعتی زمینوں میں چلے گئے جو حشر ونشر کی جگہ ہے اور بعض خیبر کی طرف جا نکلے، ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اپنے اونٹوں پر لاد کر جو لے جا سکو اپنے ساتھ لے جاؤ، اس لئے انہوں نے اپنے گھروں کو توڑ پھوڑ کر جو چیزیں لے جا سکتے تھے اپنے ساتھ اٹھا لیں، جو رہ گئیں وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگیں، اس واقعہ کو بیان کر کے فرماتا ہے کہ اللہ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ کس طرح ان پر عذاب الٰہی اچانک آ پڑا اور دنیا میں بھی تباہ و برباد کئے گئے اور آخرت میں بھی ذلیل ورسوا ہو گئے اور دردناک عذاب میں جا پڑا۔

ابوداؤد میں ہے کہ ابن ابی اور اس کے مشرک ساتھیوں کو جو قبیلہ اوس وخزرج میں سے تھے کفار قریش نے خط لکھا یہ خط انہیں حضور علیہ السلام کے میدان بدر سے واپس لوٹنے سے پہلے مل گیا تھا اس میں تحریر تھا کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں ٹھہرایا ہے پس یا تو تم اس سے لڑائی کرو اور اسے نکال کر باہر کر دیا ہم تمہیں نکال دیں گے اور اپنے تمام لشکروں کو لے کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے تمام لڑنے والوں کو ہم تہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو لونڈیاں بنا لیں گے اللہ کی قسم یہ ہو کر ہی رہے گا اب تم سوچ سمجھ لو، عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں نے اس خط کو پا کر آپس میں مشورہ کیا اور خفیہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرنے کی تجویز بالاتفاق منظور کر لی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپ خود ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریشیوں کا خط کام کر گیا اور تم لوگ اپنی موت کے سامان اپنے ہاتھوں کرنے لگے ہو تم اپنی اولادوں اور اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا چاہتے ہو میں تمہیں پھر ایک مرتبہ موقعہ دیتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو اور اپنے اس بد

ارادے سے باز آؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے ان پر اثر کیا اور وہ لوگ اپنی اپنی جگہ چلے گئے لیکن قریش نے بدر سے فارغ ہو کر انہیں پھر ایک خط لکھا اور اسی طرح دھمکایا انہیں ان کی قوت ان کی تعداد اور ان کے مضبوط قلعے یاد دلائے مگر یہ پھر اکڑ میں آ گئے اور بنونضیر نے صاف طور پر بدعہدی پر کمر باندھ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ تیس آدمی لے کر آیئے ہم میں سے بھی تیس ذی علم آدمی آتے ہیں، ہمارے تمہارے درمیان کی جگہ پر یہ ساٹھ آدمی ملیں اور آپس میں بات چیت ہو اگر یہ لوگ آپ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اس بدعہدی کی وجہ سے دوسرے دن صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لشکر لے جا کر ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے فرمایا کہ اب اگر تم نئے سرے سے امن وامان کا عہد وپیمان کرو تو خیر ورنہ تمہیں امن نہیں انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے، چنانچہ دن بھر لڑائی ہوتی رہی، دوسری صبح کو آپ بنوقریظہ کی طرف لشکر لے کر بڑھے اور بنونضیر کو یونہی چھوڑا ان سے بھی یہی فرمایا کہ تم نئے سرے سے عہد وپیمان کرو انہوں نے منظور کر لیا اور معاہدہ ہو گیا، آپ وہاں سے فارغ ہو کر پھر بنونضیر کے پاس آئے لڑائی شروع ہوئی، آخر یہ ہارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ تم مدینہ خالی کر دو جو اسباب لے جانا چاہو اور اونٹوں پر لاد کر لے جاؤ چنانچہ انہوں نے گھر بار کا اسباب یہاں تک کہ دروازے اور لکڑیاں بھی اونٹوں پر لاد دیں اور جلاوطن ہو گئے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حشر، بیروت)

وَلَوْ لَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝
اور اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی لکھ نہ دی ہوتی تو وہ انہیں دنیا میں عذاب دیتا، اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔

بنونضیر کیلئے عذاب وسختی کا بیان

"وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّه" قَضَى "عَلَيْهِمْ الْجَلَاء" الْخُرُوج مِنْ الْوَطَن "لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا" بِالْقَتْلِ وَالسَّبْي كَمَا فَعَلَ بِقُرَيْظَةَ مِنْ الْيَهُود ،

اور اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی لکھ نہ دی ہوتی تو وہ انہیں دنیا میں اور سخت عذاب دیتا، جو جلاوطنی سے زیادہ سخت ہوتا جو قتل وقید کی سزا دی جاتی۔ جس طرح قریظہ کے یہود ساتھ کیا گیا تھا۔ اور ان کے لئے آخرت میں بھی دوزخ کا عذاب ہے۔

یعنی ان کی قسمت میں جلاوطنی کی سزا لکھی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی۔ مثلاً بنی قریظہ کی طرح مارے جاتے۔ غرض سزا سے بچ نہیں سکتے۔ یہ خدا کی حکمت ہے قتل کے بجائے محض جلاوطنی پر اکتفا کیا گیا۔ لیکن یہ تخفیف صرف دنیاوی سزا میں ہے آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی۔

جب یہ قوم ملک شام سے بھاگ کر یہاں آئی تھی تو ان کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تم کو یہاں سے ویران ہو کر پھر شام میں جانا پڑے گا۔ چنانچہ اس وقت اجڑ کر (بعض شام میں چلے گئے اور بعض) خیبر میں رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ کے زمانہ میں وہاں سے اجڑ کر شام میں گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شدید عداوت کی،

اور جو شخص اللہ مخالفت کرتا ہے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے سبب عذاب کا بیان

"ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا" خَالَفُوا "اللّٰه وَرَسُوله وَمَنْ يُشَاقّ اللّٰه فَإِنَّ اللّٰه شَدِيد الْعِقَاب" لَهُ

یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید عداوت کی، اور جو شخص اللہ مخالفت کرتا ہے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ذلک: یعنی وہ عذاب جوان پر نازل ہوا یا نازل ہوگا۔ بانھم: ب سببیہ ہے یہ بہ سبب اس امر کے کہ انہوں نے۔ شاقوا اللہ ورسولہ۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ شاقوا ماضی جمع مذکر غائب۔ شقاق ومشاقۃ (مفاعلۃ) مصدر بمعنی مخالفت، ضد، مقابلہ۔ اپنے دوست کی شق کو چھوڑ کر دوسری شق میں ہونا۔ شق بمعنی طرف۔ من۔ شرطیہ ہے۔ جو۔ یشاق۔ مضارع مجزوم (بوجہ جواب شرط) واحد مذکر غائب۔ شقاق (مفاعلۃ) مصدر۔ اصل میں یشاقق تھا۔ ق کو ق میں ادغام کیا گیا (اور جو) مخالفت کرتا ہے (اللہ کی) من یشاق اللہ جملہ شرط ہے۔

فان اللہ شدید العقاب: ف جواب شرط کے لئے ہے اللہ منصوب بوجہ عمل اسم ان ہے۔ شدید العقاب مضاف مضاف الیہ مل کر خبر ان۔ ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ○

جو بھی کھجور کا درخت تم نے کاٹا، یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑا تو وہ اللہ کی اجازت سے تھا اور تا کہ وہ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔

یہود کے درختوں کو کاٹ دینے کا بیان

"مَا قَطَعْتُمْ" يَا مُسْلِمُونَ "مِنْ لِينَة" نَخْلَة "أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَة عَلَى أُصُولهَا فَبِإِذْنِ اللّٰه" أَيْ خَيَّرَكُمْ فِي ذٰلِكَ "وَلِيُخْزِيَ" بِالْإِذْنِ فِي الْقَطْع "الْفَاسِقِينَ" الْيَهُود فِي اعْتِرَاضهمْ أَنَّ قَطْع الشَّجَر الْمُثْمِر فَسَاد،

اے مسلمانو! جو بھی کھجور کا درخت تم نے کاٹا، یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑا تو وہ اللہ کی اجازت سے تھا یعنی اس میں تمہارے لئے بہتری تھی۔ اور تا کہ وہ اس درختوں کو کاٹنے والے حکم سے نافرمانوں کو ذلیل کرے۔ اور یہ یہود کے اس اعتراض کے

سورت حشر آیت ۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ بنونضیر کے کھجور کے درختوں کو کاٹ کر جلادیا۔اس مقام کا نام بویرہ تھا۔پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ،مسلمانو تم نے جو کھجور کا پیڑ کاٹ ڈالا یا اس کو اس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا،یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا اور تا کہ وہ نافرمانوں کو ذلیل کرے)۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1250)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ اللہ تعالیٰ کے قول مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ الایة کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لینۃ ،کھجور کا درخت ہے اور وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان (یہودیوں) کو ان کے قلعوں سے اتار دیا پھر جب ان کے درختوں کے کاٹنے کا حکم ہوا تو ان کے دلوں میں خیال آیا کہ ہم نے کچھ درخت کاٹے ہیں اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں۔ان کا کاٹنا باعث ثواب اور جو چھوڑ دیئے ہیں لہٰذا مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا جو درخت ہم نے کاٹے ہیں۔ان کا کاٹنا باعث ثواب اور جو چھوڑ دیئے ہیں۔ ان پر عذاب ہے؟اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ بعض اس حدیث کو حفص بن غیاث سے اور وہ سعید بن جبیر سے مرسلاً نقل کرتے ہیں۔لیکن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا ذکر نہیں کرتے۔ہم سے اس حدیث کو عبداللہ بن عبدالرحمن نے ہارون بن معاویہ کے حوالے سے انہوں نے حفص بن غیاث سے انہوں نے حبیب بن ابوعمرہ سے انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً نقل کیا ہے۔امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے یہ حدیث مجھے ہی سے سنی ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1251)

بنونضیر کے درختوں کو اکھاڑ کر بیخ کنی کرنے کا بیان

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو ان کے قلعوں میں جن میں وہ پناہ گزین تھے اتارا اور ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تو اللہ کے دشمنوں کو اس سے بڑی سخت تکلیف ہوئی اور انہوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کہتے ہیں کہ میں اصلاح چاہتا ہوں کیا پھل دار درختوں اور کھجور کے درختوں کو کاٹ دینا یہ اصلاح کا کام ہے؟اور یہ زمین میں فساد برپا کرنا آپ نے اس وحی میں جس کے نزول کے آپ مدعی ہی پایا ہے؟یہ بات نبی پر انتہائی شاق گزری اور مسلمانوں نے بھی اپنے دلوں میں ان کی بات سے کچھ محسوس کیا اور اس بات سے کہ یہ خدانخواستہ فساد نہ ہو ڈر گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے بعض نے کہا درختوں کو نہ کاٹو یہ اللہ نے ہمیں غنیمت میں دیے ہیں اور بعض نے کہا انہیں کاٹ ڈالو اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ۔اس نے کاٹنے سے منع کرنے والے کی بھی تصدیق کردی اور کاٹنے والے کے لے حلت بھی بیان کردی اور یہ خبر دی کہ ان درختوں کو کاٹنا اور ان کی حالت پر چھوڑ دینا دونوں اللہ کے حکم سے تھے۔(نیسابوری343،سیوطی290،ترمذی(3303)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ نضیر کے کھجور کے درخت کاٹ دیے اور جلا دیے یہ مقام بویرہ میں تھے اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ (مومنو) کھجور کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا کے حکم سے تھا۔اور مقصود یہ تھا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

(بخاری 602،مسلم 1746،قرطبی 18۔6،زادالمسیر 8۔207)

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ
وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
اور جو (اَموالِ فَے) اللہ نے ان سے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر لوٹا دیئے تو تم نے نہ تو ان پر گھوڑے دوڑائے تھے
اور نہ اونٹ، ہاں! اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ وتسلط عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔

مال فئی اور اس کی تقسیم کا بیان

"وَمَا أَفَاءَ" رَدَّ "اللّٰه عَلَى رَسُوله مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ" أَسْرَعْتُمْ يَا مُسْلِمُونَ "عَلَيْهِ مِنْ" زَائِدَة "خَيْل وَلَا رِكَاب" إِبِل أَيْ لَمْ تُقَاسُوا فِيهِ مَشَقَّة "وَلَكِنَّ اللّٰه يُسَلِّط رُسُله عَلَى مَنْ يَشَاء وَاللّٰه عَلَى كُلّ شَيْء قَدِير" فَلَا حَقّ لَكُمْ فِيهِ وَيَخْتَصّ بِهِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهُ فِي الْآيَة الثَّانِيَة مِنْ الْأَصْنَاف الْأَرْبَعَة عَلَى مَا كَانَ يَقْسِمهُ مِنْ أَنَّ لِكُلٍّ مِنْهُمْ خُمُس الْخُمُس وَلَهُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَاقِي يَفْعَل فِيهِ مَا يَشَاء فَأَعْطَى مِنْهُ الْمُهَاجِرِينَ وَثَلَاثَة مِنْ الْأَنْصَار لِفَقْرِهِمْ،

اور جو اَموالِ فَے اللہ نے ان سے نکال کر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لوٹا دیئے۔اے مسلمانو! تو تم نے نہ تو ان کے حصول پر گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، یعنی تم نے اس میں کوئی مشقت نہیں اٹھائی۔ہاں! اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ وتسلط عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔پس تمہیں اس مال میں کوئی حق حاصل نہیں ہے۔کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔اور جو آپ کے ساتھ دوسری آیت میں چار اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔جن میں آپ ہر ایک کیلئے دسواں حصہ تقسیم کر دیتے اور بقیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہوتا تھا۔اور باقی میں آپ جس طرح چاہتے دے دیا کرتے تھے۔پس آپ ان میں مہاجرین کو دیتے اور انصار میں سے ان کے تین فقراء کو دیتے۔

مال فے کی تعریف ومصرف کا بیان

فے اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے، جیسے بنو نضیر کا یہ مال تھا جس کا ذکر اوپر گذر چکا کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ اس پر نہیں دوڑائے تھے یعنی ان کفار سے آمنے سامنے کوئی مقابلہ اور لڑائی نہیں

ہوئی بلکہ انکے دل اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے بھر دیئے اور وہ اپنے قلعہ خالی کر کے قبضہ میں آ گئے، اسے "فے" کہتے ہیں اور یہ مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گیا، آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ پس آپ نے نیکی اور اصلاح کے کاموں میں اسے خرچ کیا جس کا بیان اس کے بعد والی اور دوسری روایت میں ہے۔ پس فرماتا ہے کہ بنونضیر کا جو مال بطور فے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دلوایا۔

جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے نہ تھے بلکہ صرف اللہ نے اپنے فضل سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر غلبہ دے دیا تھا اور اللہ پر یہ کیا مشکل ہے؟ وہ تو ہر اک چیز پر قدرت رکھتا ہے نہ اس پر کسی کا غلبہ نہ اسے کوئی روکنے والا بلکہ سب پر غالب وہی، سب اس کے تابع فرمان۔ پھر فرمایا کہ جو شہر اس طرح فتح کئے جائیں ان کے مال کا یہی حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے قبضہ میں کریں گے پھر انہیں دیں گے جن کا بیان اس آیت میں ہے اور اس کے بعد والی آیت میں ہے، یہ ہے فے کے مال کا مصرف اور اس کے خرچ کا حکم۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنونضیر کے مال بطور فے کے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو گئے تھے آپ اس میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر تک کا خرچ دیتے تھے اور جو بچ رہتا اسے آلات جنگ اور سامان حرب میں خرچ کرتے۔ (سنن ومسند، تفسیر ابن کثیر، سورہ حشر، بیروت)

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ
الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
جو (اَموالِ فَے) اللہ نے بستیوں والوں سے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے ہیں اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہیں، تاکہ
تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے۔ اور جو کچھ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں عطا فرمائیں سو اسے
لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اس سے) رک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنائت وعطاء پر راضی رہنے کا بیان

"مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُولِه مِنْ أَهْلِ الْقُرَى" كَالصَّفْرَاءِ وَوَادِى الْقُرَى وَيَنْبُع "فَلِلّٰهِ" يَأْمُر فِيهِ بِمَا يَشَاء "وَلِذِى" صَاحِب "الْقُرْبَى" قَرَابَة النَّبِيّ مِنْ بَنِى هَاشِم وَبَنِى الْمُطَّلِب "وَالْيَتَامَى" أَطْفَال الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ هَلَكَتْ آبَاؤُهُمْ وَهُمْ فُقَرَاء "وَالْمَسَاكِين" ذَوِى الْحَاجَة مِنْ الْمُسْلِمِينَ "وَابْن السَّبِيل" الْمُنْقَطِع فِى سَفَره مِنْ الْمُسْلِمِينَ أَىْ يَسْتَحِقّهُ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَصْنَاف الْأَرْبَعَة . عَلَى مَا كَانَ يَقْسِمهُ مِنْ أَنَّ لِكُلٍّ مِنْ الْأَرْبَعَة خُمُس

الْخُمُس وَلَهُ الْبَاقِي "كَيْ لَا" كَيْ بِمَعْنَى اللَّامِ وَأَنْ مُقَدَّرَة بَعْدَهَا "يَكُون" الْفَيْء عِلَّة لِقَسْمِهِ كَذَلِكَ "دُولَة" مُتَدَاوَلًا "بَيْنَ الْأَغْنِيَاء مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمْ الرَّسُول" أَعْطَاكُمْ مِنْ الْفَيْء وَغَيْره

جو (اَموالِ فَے) اللہ نے بستیوں والوں یعنی صفراء، وادی القریٰ اور ینبع سے نکال کر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہیں یعنی اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے جیسے آپ چاہیں تصرف فرمائیں۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم اور بنو المطلب کے لئے اور معاشرے کے عام یتیموں یعنی وہ مسلمان بچے جن والدین فوت ہو گئے ہیں۔ اور وہ فقراء ہیں۔ اور محتاجوں یعنی مسلمانوں میں سے جنہیں ضرورت ہے۔ اور مسافروں یعنی جو مسلمانوں سے سفر میں الگ ہو گیا ہے ان کے لئے ہیں، یعنی اس کا حق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اقسام اربعہ کیلئے ہے۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اور باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہوا کرتا تھا۔ یہ نظام تقسیم اس لئے ہے تا کہ سارا مال صرف تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے، یہاں پر لفظ کیلا میں کی بہ معنی لام ہے اور اس کے بعد اَن مقدرہ ہے۔ اور فئی علت تقسیم ہے۔ اور جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں مال فئی میں سے عطا فرمائیں سو اسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو اس سے رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم وعطا پر کبھی زبان طعن نہ کھولو)، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

مال فئے میں حق داروں کی تفصیل کا بیان

مال کے حقداروں میں چھ نام ذکر کئے گئے، اللہ، رسول، ذوی، القربیٰ، یتیم، مسکین، مسافر، یہ ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ تو دنیا و آخرت اور تمام مخلوقات کا مالک حقیقی ہے، اس کا نام مبارک تو حصوں کے بیان میں محض تبرکاً اس فائدہ کے لئے ہے کہ اس سے اس مال کی شرافت وفضیلت اور حلال وطیب ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے، حسن بصری، قتادہ، عطاء، ابراہیم، شعبی اور عام مفسرین کا یہی قول ہے۔

اللہ جل شانہ کا نام ذکر کرنے سے اس مال کی فضیلت وشرافت کی طرف اشارہ کس طرح ہوا اس کا تفصیلی بیان سورہ انفال کی تفسیر میں ہو چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے مال صدقہ جو مسلمانوں سے حاصل ہوتا ہے، وہ بھی حلال نہیں فرمایا، مال غنیمت اور فئی جو کافروں سے حاصل ہوا اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیسے حلال ہوا؟ اس شبہ کا ازالہ اللہ جل شانہ کا نام اس جگہ ذکر کر کے اس طرح کیا گیا کہ درحقیقت ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس نے اپنے فضل سے ایک خالص قانون کے تحت انسانوں کو حق ملکیت دیا ہے، لیکن جو انسان باغی ہو جائیں ان کو صحیح راستہ پر لانے کے لئے اول تو انبیاء علیہم السلام اور آسمانی ہدایات بھیجی گئیں جو ان سے بھی متاثر نہیں ہوئے ان کو یہ حق دیا گیا کہ کم از کم اسلامی قانون کی اطاعت قبول کر لیں اور مقررہ جزیہ وخراج اپنے مال میں سے حکومت کو ادا کیا کریں۔

جن لوگوں نے اس سے بھی بغاوت کی ان کے مقابلہ میں جہاد وقتال کا حکم ہو گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی جان اور مال

قابل احترام نہیں، ان کے اموال بحق حکومت الٰہیہ ضبط ہو گئے اور بذریعہ جہاد و قتال جو مال ان سے حاصل ہوا وہ کسی انسان کی ذاتی ملکیت نہیں رہا بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ملک میں واپس ہو گیا اور لفظ فئی میں اس مفہوم کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اس کے اصلی معنی لوٹنے ہی کے ہیں، اس مال کو فئے اس لئے کہا گیا کہ یہ اصل مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی طرف لوٹ گیا اب اس میں کسی انسانی ملکیت کا کوئی دخل نہیں، اس کے بعد جن مستحقین کو اس میں کوئی حصہ دیا جائے گا یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، اس لئے ایسا ہی حلال طیب ہوگا جیسے پانی اور خود اگنے والی گھاس جو براہ راست حق تعالیٰ کا عطیہ انسان کے لئے ہے اور حلال طیب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام اس جگہ ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سارا مال دراصل اللہ کا ہے، اس کی طرف سے مستحقین کو دیا جاتا ہے، یہ کسی کا صدقہ وخیرات نہیں۔ اب مستحقین اور مصارف کل پانچ رہ گئے، رسول، ذوی القربیٰ، یتیم، مسکین، مسافر یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں، جس کا بیان سورہ انفال میں آیا ہے اور یہی مصارف مال فئی کے ہیں اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ سب اموال درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں وہ چاہیں تو ان سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لئے روک لیں اور بیت المال میں جمع کر دیں، کسی کو کچھ نہ دیں اور چاہیں تقسیم کر دیں، البتہ تقسیم کئے جاویں تو ان پانچ اقسام میں دائر رہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حشر، بیروت)

مال غنیمت وفیئے کے فرق کا بیان

بعض فقہاء نے یہ ہی فرق رکھا ہے "غنیمت" میں اور "فیئے" میں۔ جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز (جس کی تفصیل دسویں پارہ کے شروع میں گزر چکی ہے) اور چار حصے لشکر کو تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اور جو بغیر جنگ کے ہاتھ آیا وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے (ان کی مصالح عامہ میں) اور جو کام ضروری ہو اس پر خرچ ہو۔ "(تنبیہ) اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کی طرف مسارعت کریں اور مسلمان قبول کر لیں۔ اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہوں گے وہ بھی حکم "فیئے" میں داخل ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال "فیئے" خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار وتصرف میں ہوتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ ہو جو صرف آپ کے لیے مخصوص تھا۔ جیسا کہ آیت حاضرہ میں "علی رسولہ" کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے۔ اور احتمال ہے کہ محض حاکمانہ ہو بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان اموال کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی آیت میں ہدایت فرمادی کہ وجوہ بایاند بافلاں فلاں مصارف میں صرف کیے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ اموال امام کے اختیار وتصرف میں چلے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا محض حاکمانہ ہوتا ہے۔ وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کی عام ضروریات ومصالح میں خرچ کرے گا۔ باقی اموال غنیمت کا حکم اس سے جداگانہ ہے۔ وہ خمس نکالے جانے کے بعد خالص لشکر کا حق ہوتا ہے۔ کما یدل علی قولہ تعالیٰ۔ (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ) 8۔ الانفال: 41) لشکری اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو وہ

علیحدہ بات رہی۔

البتہ شیخ ابوبکر رازی حنفی نے "احکام القرآن" میں نقل کیا ہے کہ یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کر دے اور مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لیے رہنے دے۔ جیسا کہ سوادِ عراق میں حضرت عمر نے بعض جلیل القدر صحابہ کے مشورہ سے یہ ہی عمل درآمد رکھا۔ اسی مسلک کے موافق شیخ ابوبکر رازی نے (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ) 8 ۔ الانفال: 41) کو اموال منقولہ پر اور سورہ "حشر" کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا ہے۔ اس طرح کی پہلی آیت (وَمَآ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ) 59 ۔ الحشر: 6) حکم "فئے" پر اور دوسری آیت (مَآ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی) 59۔الحشر: 7) حکم "غنیمت" پر محمول ہے۔ اور لغۃً "غنیمت" کو لفظ "فئے" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کی عطاء پر راضی ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اتار دو، اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو، حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں، پھر یہی آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سنا دی، امام شافعی نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں، پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک محرم نے زنبور (تتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعی نے یہی آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرما دیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حشر، بیروت)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ
وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝
ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے
کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

مال فئی کا فقراء کیلئے ہونے کا بیان

"لِلْفُقَرَاءِ" مُتَعَلِّق بِمَحْذُوفٍ أَيْ اعْجَبُوا "الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالهمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ اللّٰه وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللّٰه وَرَسُوله أُولَئِكَ هُمْ الصَّادِقُونَ" فِي إِيمَانهمْ

یہاں پر لفظ للفقراء کا متعلق محذوف ہے یعنی اعجبوا ، یہ مال ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں۔

مال فے کے حقداروں کا بیان

اوپر بیان ہوا تھا کہ فے کا مال یعنی کافروں کا جو مال مسلمانوں کے قبضے میں میدان جنگ میں لڑے بھڑے بغیر آ گیا ہو اس کے مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر آپ یہ مال کسے دیں گے؟ اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس کے حق دار وہ غریب مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ کو رضامند کرنے کے لئے اپنی قوم کو ناراض کر لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور اپنے ہاتھ کا مشکلوں سے جمع کیا ہوا مال وغیرہ سب چھوڑ چھاڑ کر چل دینا پڑا، اللہ کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں برابر مشغول ہیں، اللہ کے فضل وخوشنودی کے متلاشی ہیں، یہی سچے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا فعل اپنے قول کے مطابق کر دکھایا۔

یہ اوصاف سادات مہاجرین میں تھے رضی اللہ عنہم۔ پھر انصار کی مدح بیان ہو رہی ہے اور ان کی فضیلت شرافت کرم اور بزرگی کا اظہار ہو رہا ہے، ان کی کشادہ دلی، نیک نفسی، ایثار اور سخاوت کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے مہاجرین سے پہلے ہی دار الہجرت مدینہ میں اپنی بود و باش رکھی اور ایمان پر قیام رکھا، مہاجرین کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ ایمان لا چکے تھے بلکہ بہت سے مہاجرین سے بھی پہلے یہ ایمان دار بن گئے تھے۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق ادا کرتا رہے، ان کی خاطر مدارت میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی، ان کے بھلے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگذر اور چشم پوشی کر لے۔ ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کر جو بھی راہ اللہ میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھر دیتے ہیں اور اپنا جان و مال ان پر سے نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں، مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا کا سارا اجر انہی کو نہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک تم ان کی ثناء اور تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں ہم اسے نہ لیں گے آپ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا میرے بعد ایسا وقت بھی آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ انصاریوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے آپ نے فرمایا نہیں، پھر فرمایا سنو کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو

پیداوار میں شریک رکھو، انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بھی بخوشی منظور ہے۔

مسلمان بھائیوں کیلئے دل میں جذبہ خیر خواہی کا بیان

پھر فرماتا ہے یہ اپنے دلوں میں کوئی حسد ان مہاجرین کی قدر و منزلت اور ذکر و مرتبت پر نہیں کرتے، جو انہیں مل جائے انہیں اس پر رشک نہیں ہوتا، اسی مطلب پر اس حدیث کی دلالت بھی ہے جو مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے، تھوڑی دیر میں ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لئے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اسی طرح آئے تیسرے دن بھی یہی ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص آج دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے اور انصاری سے کہنے لگے حضرت مجھ میں اور میرے والد میں کچھ بول چال ہو گئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گذار دوں انہوں نے کہا بہت اچھا چنانچہ حضرت عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گزاریں دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھیں ہاں یہ ضروری بات تھی کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا، جب تین راتیں گذر گئیں۔

تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت دراصل نہ تو میرے اور میرے والد صاحب کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوئی تھیں نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کونسی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی چنانچہ میں نے یہ بہانہ کیا اور تین رات تک آپ کی خدمت میں رہا تا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کر دوں لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا اب جا رہا ہوں لیکن زبانی ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتایئے آخر وہ کونسا عمل ہے جس نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جنتی بنایا؟ آپ نے فرمایا بس تم میرے اعمال تو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں چنانچہ میں ان سے رخصت ہو کر چلا تھوڑی ہی دور نکلا تھا جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی، حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا، حضرت عبداللہ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں۔ امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل

الیوم واللیلہ میں اس حدیث کو لائے ہیں، غرض یہ ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کوئی مال وغیرہ دیا جائے اور انہیں نہ ملے تو یہ برا نہیں مانتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حشر، بیروت)

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ
فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﻁ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
جنہوں نے ان سے پہلے ہی شہر اور ایمان کو گھر بنالیا تھا۔ یہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں۔
اور یہ اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی طلب نہیں پاتے جو ان کو دیا جاتا ہے اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں
اگر چہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو، اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا پس وہی لوگ ہی بامراد و کامیاب ہیں۔

انصار و مہاجرین کی ایمان سے محبت کا بیان

"وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّار " أَيْ الْمَدِينَة "وَالْإِيمَان" أَيْ أَلِفُوهُ وَهُمْ الْأَنْصَار "مِنْ قَبْلهمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورهمْ حَاجَة " حَسَدًا "مِمَّا أُوتُوا " أَيْ آتَى النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُهَاجِرِينَ مِنْ أَمْوَال بَنِي النَّضِير الْمُخْتَصَّة بِهِمْ "وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسهمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَة " حَاجَة إِلَى مَا يُؤْثِرُونَ بِهِ "وَمَنْ يُوقَ شُحّ نَفْسه " حِرْصهَا عَلَى الْمَال،

یہ مال ان انصار کے لئے بھی ہے جنہوں نے ان مہاجرین سے پہلے ہی شہر مدینہ اور ایمان کو گھر بنالیا تھا۔ یعنی ایمان سے محبت کرلی اور وہ انصار ہیں۔ یہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں۔ اور یہ اپنے سینوں میں اس مال کی نسبت کوئی طلب یا تنگی نہیں پاتے جو ان مہاجرین کو دیا جاتا ہے یعنی جو مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے اموال سے ان کیلئے خاص کر دیتے تھے۔ اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو، یعنی اپنی ضرورت کو چھوڑ کر ایثار کرتے تھے۔ اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا یعنی مال کی حرص سے بچ گیا۔ پس وہی لوگ ہی بامراد و کامیاب ہیں۔

سورت حشر آیت ۹ کے سبب نزول کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص کے پاس ایک مہمان آیا تو اس کے پاس صرف اتنا ہی کھانا تھا کہ خود کھا سکے اور بچوں کو کھلا سکے۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلا دو اور چراغ گل کر کے جو کچھ ہے مہمان کے آگے رکھ دو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ، اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنے جان سے اور اگر چہ ہوا پنے اوپر فاقہ) ۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1252)

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا، حضور نے ازواج مطہرات کے حجروں پر معلوم کرایا کیا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ معلوم ہوا کسی بی بی صاحبہ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے، تب حضور نے اصحاب سے فرمایا جو اس شخص کو مہمان بنائے، اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے، حضرت ابو طلحہ انصاری کھڑے ہو گئے اور حضور سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے، گھر جا کر بی بی سے دریافت کیا، کچھ ہے؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں، صرف بچّوں کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے، حضرت ابو طلحہ نے فرمایا بچّوں کو بہلا کر سُلا دو اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ درست کرنے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو تا کہ وہ اچھی طرح کھالے، یہ اسلئے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہل خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں کیونکہ اس کو یہ معلوم ہوگا تو وہ اصرار کرے گا اور کھانا کم ہے بھوکا رہ جائے گا، اس طرح مہمان کو کھلایا اور آپ ان صاحبوں نے بھوکے رات گذاری، جب صبح ہوئی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا، اللہ تعالیٰ ان سے بہت راضی ہے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ حشر، بیروت)

ایثار کے بے مثل واقعات کا بیان

امام قشیری نے حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا، اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھلائی اور اس کے اہل وعیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں، یہ سر ان کے پاس بھیج دیا، اس دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انہوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا، یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس آ گیا، اس واقعہ پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں، یہی واقعہ ثعلبی نے حضرت انس سے بھی روایت کیا ہے۔

مؤطاء امام مالک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مسکین نے اس سے سوال کیا، ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس روز روزہ تھا، آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کو دیدو خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دے دی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی، حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ پھر بھی دیدو، یہ خادمہ کہتی ہیں کہ جب شام ہوئی تو ایک ایسے شخص نے جس کی طرف سے ہدیہ دینے کی کوئی رسم نہ تھی ایک سالم بکری بھنی ہوئی اور اس کے اوپر آٹے میدے کا خول چڑھا ہوا پختہ، جو عرب میں سب سے بہترین کھانا سمجھا جاتا ہے، ان کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا، حضرت صدیقہ نے خادمہ کو بلایا کہ آ ؤ یہ کھاؤ یہ تمہاری اس روٹی سے بہتر ہے۔

اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے اور انگور کو جی چاہا ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کر لایا گیا، اتفاق سے ایک مسکین آ گیا اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دیدو، حاضرین میں سے ایک شخص خفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور خوشہ اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمر کو پیش کر دیا، مگر یہ سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمر نے پھر اس کو دیدیا، پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے اور حضرت ابن عمر کی خدمت میں پیش

کردیا، وہ سائل پھر آنا چاہتا تھا لوگوں نے منع کر دیا اور حضرت ابن عمر کو یہ اطلاع ہوتی کہ یہ وہی خوشہ ہے جو انہوں نے صدقہ میں دے دیا تھا، تو ہرگز نہ کھاتے، مگر ان کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمالیا۔

اور ابن مبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بھر کر تھیلی غلام کے سپرد کی کہ ابو عبیدہ بن جراح کے پاس لے جاؤ کہ ہدیہ ہے قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں اور غلام کو ہدایت کر دی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھہر جانا اور یہ دیکھنا کہ ابو عبیدہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں، غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابو عبیدہ کی خدمت میں پیش کر دی اور ذرا ٹھہر گیا، ابو عبیدہ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو یعنی عمر بن خطاب کو اس کا صلہ دے اور ان پر رحمت فرمائے اور اسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں شخص کو پانچ فلاں کو دے آؤ، یہاں تک کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

غلام نے واپس آ کر واقعہ بیان کر دیا، حضرت عمر بن خطاب نے اسی طرح چار سو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبل کو دے آؤ اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں، یہ غلام لے گیا، انہوں نے تھیلی لے کر حضرت عمر کے حق میں دعا دی رحمہ اللہ و وصلہ یعنی اللہ ان پر رحمت فرمائے اور ان کو صلہ دے اور یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے اور اس کے بہت سے حصے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے، حضرت معاذ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں، آخر میں بولیں کہ ہم بھی تو بخدا مسکین ہی ہیں، ہمیں بھی کچھ ملنا چاہئے، اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے وہ ان کو دے دیے، غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمر سے بیان کیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں سب کا مزاج ایک ہی ہے۔

اور حذیفہ عدوی فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لئے نکلا اور کچھ پانی ساتھ لیا کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلا دوں گا، ان کے پاس پہنچا تو کچھ رمق زندگی کی باقی تھی، میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلا دوں، اشارہ سے کہا ہاں، مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز آہ آہ کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی ان کو دے دو، ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی، اس نے بھی اس تیسرے کو دینے کے لئے کہہ دیا، اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا، جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے، یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حشر، بیروت)

حضرات مہاجرین کے معاملہ میں حضرات انصار نے بڑے ایثار سے کام لیا، اپنے مکانوں، دکانوں، کاروبار، زمین اور زراعت میں ان کو شریک کر لیا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو وسعت عطا فرمائی تو انہوں نے بھی حضرات انصار کے احسانات کی مکافات میں کمی نہیں کی۔

قرطبی نے بحوالہ صحیحین حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور انصار مدینہ زمین و جائیداد والے تھے، انصار نے ان حضرات کو ہر چیز نصفا نصف تقسیم کر دی، اپنے باغات کے

آدھے پھل سالانہ ان کو دینے لگے اور حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے اپنے چند درخت کھجور کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیے تھے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کی والدہ ام ایمن کو عطا فرما دیئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے حضرت انس بن مالک نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کے جہاد سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو کر مدینہ طیبہ واپس آئے (اس غزوہ میں مسلمانوں کو اموال غنیمت کافی مقدار میں ہاتھ آئے) تو سب مہاجرین نے حضرات انصار کے سب عطایا کا حساب کر کے ان کو واپس کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری والدہ کے درخت ام ایمن سے لے کر ان کو واپس کر دیئے اور اس کی جگہ ام ایمن کو اپنے باغ میں سے درخت عطا فرمائے۔ (جامع البیان، حشر، بیروت)

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۠
اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی،
جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔
اے ہمارے رب! بیشک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

فوت شدہ اہل ایمان کیلئے بخشش کی دعا مانگنے کی فضیلت کا بیان

"وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ" "مِنْ بَعْدِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ "يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا يَجِدُونَ فِي قُلُوبِهِمْ غِلًّا" حِقْدًا،

اور وہ لوگ بھی جو ان مہاجرین و انصار کے بعد قیامت کے دن تک آئیں گے اور عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بیشک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

غنائم کو امت مسلمہ کی آنے والی نسلوں کیلئے وقف کرنے کا بیان

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مفہوم میں صحابہ کرام مہاجرین و انصار کے بعد پیدا ہونے والے قیامت تک کے مسلمان شامل ہیں اور اس آیت نے ان سب کو مال فئی میں حقدار قرار دیا ہے۔

یہی سبب تھا کہ حضرت فاروق اعظم نے دنیا کے بڑے بڑے ممالک عراق، شام، مصر وغیرہ فتح کیے، تو ان کی زمینوں کو غانمین میں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ ان کو اگلی آنے والی نسلوں کے لئے وقف عام رکھا کہ ان کی آمدنی اسلامی بیت المال میں آتی رہے اور اس سے قیامت تک آنے والے مسلمان فائدہ اٹھا سکیں، بعض صحابہ کرام نے جو ان سے مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا سوال کیا تو انہوں نے اسی آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ اگر میرے سامنے آئندہ آنے والی نسلوں کا معاملہ نہ ہوتا تو میں جو ملک فتح کرتا اس کی سب زمینوں کو

بھی غانمین میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو تقسیم فرما دیا تھا، اگر یہ ساری زمینیں موجودہ مسلمانوں میں تقسیم ہو گئیں تو آنے والے مسلمانوں کے لئے کیا باقی رہے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حشر، بیروت)

غنائم، فیئ اور زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

حضرت مالک ابن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اس مال فیٔ کے سلسلے میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص خصوصیت عطاء کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو وہ خصوصیت عطاء نہیں کی۔" پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت (وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِه مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَه عَلٰی مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، الحشر:6) پڑھی اور فرمایا کہ چنانچہ یہ مال صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہو گیا تھا۔

جس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے اس کے بعد اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ان جگہوں میں خرچ کرتے جو اللہ کا مال خرچ کئے جانے کی جگہیں ہیں (یعنی اس باقی مال کو مسلمانوں کے مفاد و مصالح جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے، نیز محتاج و مساکین میں سے جس کو چاہتے اس کی مدد کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1148)

مذکورہ آیت کریمہ سورت حشر کی ہے جو پوری اس طرح ہے۔ آیت (وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِه مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَه عَلٰی مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) 59۔ الحشر:6) اور جو کچھ (مال) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا ہے وہ رسول کے لئے مخصوص ہو گیا ہے) تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس کے حصول کے لئے کسی جنگ و جدال کی مشقت برداشت نہیں کی ہے نہ سفر کی پریشانیاں جھیلی ہیں، بلکہ پیدل ہی چلے گئے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلّط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔" اس آیت کریمہ کے ذریعہ گویا مسلمانوں پر یہ واضح کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر کے مال و جائداد کا جو مالک و متصرف بنایا ہے تو وہ مال اس طرح کا ہے جس کو تم نے جنگ و جدال کے ذریعہ ان (بنونضیر) پر غلبہ پا کر اور دور دراز کے سفر کی مشقت برداشت کر کے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بلا کسی جدوجہد کے ہاتھ لگا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن کر دینے کا حکم دیا گیا اور بنونضیر نے اس حکم کی تعمیل کرنے میں چوں وچرا کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو لے کر اس جگہ کے لئے روانہ ہوئے جہاں بنونضیر کے محلات، قلعے اور جائدادیں تھیں۔

وہ جگہ چونکہ مدینہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور سب ہی لوگ پیدل تھے، وہاں پہنچنے پر جنگ و جدال کی نوبت نہیں آئی، کچھ عرصہ کے محاصرہ کے بعد بنونضیر نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ جو کچھ سامان اپنے

ساتھ لے جاسکتے تھے اونٹوں پر لاد کر خیبر کو روانہ ہو گئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر غلبہ وتسلط عطاء فرمایا جیسا کہ حق تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور دین کے علمبرداروں کو دشمنان دین پر غلبہ وتسلط عطاء فرماتا ہے۔ چنانچہ ان کی جائداد وزمین وغیرہ بحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضبط کر لی گئیں اور وہاں کا سارا مال (فئی) کے حکم میں ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف واختیار میں آ گیا۔ اسی لئے جب مسلمانوں نے اس مال کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اس مال کا یہ حکم بتایا گیا کہ اس طرح کا مال "مال غنیمت" کی طرح تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تصرف وخرچ کا سارا اختیار صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح چاہیں خرچ کریں اور جس کو چاہیں اس میں سے دیں۔

چنانچہ احادیث میں اس مال کے مصرف بھی بیان کیئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مال میں سے اپنی بیویوں کو انکا سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے اور پھر جو باقی بچتا اس کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد ومصالح میں خرچ کرتے اور جن فقراء ومساکین وغیرہ کو چاہتے ان کو دیتے۔ مال فئی کے مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔

لیکن طیبی نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک اس طرح بیان کیا کہ مال فئی میں چار خمس اور ایک خمس کے پانچویں حصے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہوتا تھا، یعنی وہ مال پچیس حصوں میں تقسیم ہو کر اکیس حصے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی تصرف واختیار میں آتا اور باقی چار حصے آپ اپنے ذوی القربیٰ یتیموں مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مال فئی کے مصرف کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مال فئی اسلامی مملکت وخلافت کے سربراہ کا حق ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ مجاہدین ومقاتلین کا حق ہے کہ اس کے ان کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ اور دوسرا قول ہے کہ اس مال کے عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد ومصالح میں خرچ کیا جائے۔ "سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے" اس موقع پر ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث میں تو یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل تک کے لئے کوئی بھی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو پھر سال بھر کا خرچ کس طرح جمع کر کے رکھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل تک کے لئے کوئی بھی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو اس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لئے کسی چیز کو بچا کر یا جمع کر کے رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے اور یہاں جس بات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال سے ہے۔

لیکن واضح رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو سال بھر خرچ کبھی کبھی دیتے تھے مستقل طور پر یہ معمول نہیں تھا، تاہم امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سال بھر کی ضروریات زندگی کی چیزیں مہیا کر کے رکھ لینا جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ (تفسیر معالم تنزیل بہ تصرف، سورہ حشر، بیروت)

دنیا سے رخصت ہونے والے کی قبر پر ثابت قدمی کی دعا کا بیان

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر (لوگوں سے) فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو، یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت اس کو ثابت قدم رکھے اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 130)

احادیث کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت وتحقیق کا بیان

(۱) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رویت ہے: ان کی والدہ فوت ہوگئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا؟ میری ماں فوت ہوگئی ہے کیا میں اسکی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی پلانا۔ (احمد، نسائی)

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی طرح ہے، جو اپنے ماں باپ، بھائی یا کسی دوست کی دُعا کا منتظر رہتا ہے۔ جب اسے دُعا پہنچتی ہے تو اسے یہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بیشک اہل دنیا کی دُعا سے اللہ تعالیٰ اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ مردوں کیلئے زندوں کا بہترین تحفہ ان کیلئے استغفار کرنا ہے۔ (بیہقی)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں نیک آدمی کا درجہ بلند فرماتا ہے تو آدمی عرض کرتا ہے، یا اللہ! یہ درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ اللہ رب العالمین فرماتا ہے: تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کیا ہے۔ (احمد)

(۴) حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب حد زنا لگنے سے سنگسار کر دیا تو بعد از دفن جب دو دن یا تین گزر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے جہاں صحابہ کرام بیٹھے تھے پس سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بیٹھ گئے اور صحابہ کرام کو فرمایا کہ ماعز بن مالک کی بخشش کی دعا کرو تو صحابہ کرام نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی مغفرت کی دعا مانگی۔ (مسلم، جلد دوم) بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت وجماعت کا یہی معمول ہے۔

ساتواں:

(۵) حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بے شک مردے سات دن تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام سات روز تک ان کی جانب سے کھانا کھلانا مستحب سمجھتے تھے۔ (شرح الصدور ابو نعیم فی الحلیہ) چنانچہ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے فرمایا وتصدیق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ھفت روز۔ (اشعتہ اللمعات شرح مشکوۃ) اور میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا چاہیئے۔

دسواں:

(۶) فرمایا دس دنوں میں قرآن ختم کرو۔ (بخاری شریف، جلد اول) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ

قرآن کتنے دنوں میں پڑھا جائے فرمایا دس دنوں میں۔(ابوداؤد مترجم جلداول) لہٰذا قرآن پڑھ کر میت کو بخشنے میں کوئی حرج نہیں!

(۷) حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو سکھایا کرتے تھے کہ وہ جب قبرستان جائیں تو وہاں یہ کہیں دعا (**السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء الله للاحقون نسأل الله لنا ولکم العافیة**) سلامتی ہو تم پراے گھر والے مومنین ومسلمین سے! یقیناً ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سے ضرور ملیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے عافیت یعنی مکروہات سے نجات مانگتے ہیں۔(مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو گھر اس لیے فرمایا ہے کہ جس طرح زندہ انسان اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں اسی طرح مردے اپنی اپنی قبروں میں رہتے ہیں۔

اهل الدیار من المومنین والمسلمین من المومنین اهل الدیار کا بیان اور اس کی وضاحت ہے اسی طرح و **المسلمین من المومنین** کی تاکید کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کی طرف روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دعا (**السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر**)۔ اے قبر والو! تمہاری خدمت میں سلام پیش ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم میں سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے ہی والے ہیں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حدیث کے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کی طرف اپنا روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے، میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی شخص اہل قبور پر سلام پیش کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اس وقت اس کا منہ میت کے منہ کے سامنے ہو، اسی طرح جب دعاء مغفرت و فاتحہ خوانی وغیرہ کے لیے قبر پر کھڑا ہو تو اپنا منہ میت کے سامنے رکھے چنانچہ علماء و مجتہدین کا یہی مسلک ہے اور اسی کے مطابق تمام مسلمانوں کا عمل ہے صرف علامہ ابن حجر اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ قبر پر حاضر ہونے والا دعائے مغفرت و فاتحہ خوانی کے وقت اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے۔

مظہر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی میت کی زیارت اس کی زندگی کی ملاقات کی طرح ہے لہٰذا جس طرح کسی شخص کی زندگی میں اس سے ملاقات کے وقت اپنا منہ اس کے منہ کی طرف متوجہ رکھا جاتا ہے اس طرح اس کے مرنے کے بعد اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی اپنا منہ اس کے منہ کے سامنے رکھا جائے پھر یہ کہ کسی بھی میت کے سامنے وہی طریقہ وآداب ملحوظ رہنے چاہئیں جو اس کی زندگی میں نشست و برخاست کے وقت ملحوظ ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی ملاقات کے وقت جو اپنے کمالات و فضائل کی بنا پر عظیم المرتبت و رفیع القدر تھا ادب و احترام کے پیش نظر اس کے بالکل قریب نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اس سے کچھ فاصلہ پر بیٹھتا تھا تو اب اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی وہ فاصلہ سے کھڑا رہے یا بیٹھے اور اگر اس کی

زندگی میں بوقت ملاقات اس کے قریب بیٹھتا تھا کہ جب اس کی میت یا قبر کی زیارت کرے تو اس کے قریب ہی کھڑا ہو یا بیٹھے۔
جب کسی قبر کی زیارت کی جائے تو اس وقت سورۃ فاتحہ اور قل ہواللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخش کر اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

ائمہ اربعہ کے مطابق ایصال ثواب کا ثبوت کا بیان

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصال ثواب حدیث سے ثابت ہے اور یہی ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی رائے ہے اور فقہاء شوافع میں سے بھی بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں؛ البتہ عمل کیلئے اخلاص چاہئے اور جس میں اخلاص ہو، جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ خود لائق ثواب نہیں اور جو عمل خود ہی لائق ثواب نہ ہو اس کا ثواب دوسروں کو کیوں کر ایصال کیا جا سکتا ہے؟ یہی بات مشہور فقیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔

(رد المحتار ،ابن عابدین شامی)

حافظ سیوطی شرح الصدور میں لکھتے ہیں کہ: جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد) کے نزدیک میت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن اس مسئلے میں ہمارے امام شافعی کا اختلاف ہے۔
انہوں نے امام قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: شیخ عزّ الدین بن عبدالسلام فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب نہیں پہنچتا، جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے کسی شاگرد کو خواب میں ان کی زیارت ہوئی، اور ان سے دریافت کیا کہ آپ زندگی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے، اب تو مشاہدہ ہو گیا ہوگا، اب کیا رائے ہے؟ فرمانے لگے کہ: میں دُنیا میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا، لیکن یہاں آکر جو اللہ تعالیٰ کے کرم کا مشاہدہ کیا تو اس فتویٰ سے رُجوع کر لیا، میت کو قرآنِ کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچتا ہے۔ امام محی الدین نووی شافعی شرح المہذب میں لکھتے ہیں کہ: قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآنِ کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد اہلِ قبور کے لئے دُعا کرے، امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں۔ فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی کتابوں میں بھی ایصالِ ثواب کی تصریحات موجود ہیں، اس لئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی تو بلاشبہ دُرست ہے۔ (شرح مہذب، ج۵، ص۳۱۱، بیروت)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝
کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہو گئے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے
تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ ہی نکل چلیں گے اور ہم تمہارے معاملے میں کبھی بھی کسی ایک کی بھی اطاعت نہیں کریں گے
اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور بالضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

منافقین کی اپنے یہود بھائیوں سے دوستی کا بیان

"أَلَمْ تَرَ" تَنْظُر "إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ" وَهُمْ بَنُو النَّضِير وَإِخْوَانهمْ فِي الْكُفْر "لَئِنْ" لَام قَسَم فِي الْأَرْبَعَة "أُخْرِجْتُمْ" مِنْ الْمَدِينَة "لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيع فِيكُمْ" فِي خِذْلَانكُمْ "أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ" حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّام الْمُوَطِّئَة

کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہو گئے ہیں اور وہ بنونضیر ہیں کیونکہ وہ کفر میں ان کے بھائی ہیں۔ کہ اگر تم یہاں سے یعنی مدینہ منورہ سے نکالے گئے، یہاں پر لفظ لئن میں چاروں مقامات پر لام قسمیہ ہے تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ ہی نکل چلیں گے اور ہم تمہارے معاملے میں کبھی بھی کسی ایک کی بھی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی، یہاں پر قوتلتم میں لام مؤطرہ (قسمیہ) کو حذف کیا گیا ہے۔ تو ہم ضرور بالضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

منافقین کے جھوٹ کے ظاہر ہو جانے کا بیان

عبداللہ بن ابی اور اسی جیسے منافقین کی چالبازی اور عیاری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے یہودیان بنونضیر کو سبز باغ دکھا کر جھوٹا دلاسا دلا کر غلط وعدہ کر کے مسلمانوں سے لڑوا دیا، ان سے وعدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں لڑنے میں تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم ہار گئے اور مدینہ سے دیس نکالا ملا تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ دیں گے، لیکن بوقت وعدہ ہی ایفا کرنے کی نیت نہ تھی اور یہ بھی کہ ان میں اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ ایسا کر سکیں نہ لڑائی میں ان کی مدد کر سکیں نہ برے وقت ان کا ساتھ دیں، اگر بدنامی کے خیال سے میدان میں آ بھی جائیں تو یہاں آتے ہی تیز وتلوار کی صورت دیکھتے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور نامردی کے ساتھ بھاگتے ہی بن پڑے، پھر مستقل طور پر پیش گوئی فرماتا ہے کہ ان کی تمہارے مقابلہ میں امداد نہ کی جائے گی، یہ اللہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم سے خوف کھاتے ہیں۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی نضیر کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی اور کسی وقت بھی جنگ چھڑ جانے کا امکان تھا۔ اس وقت وہاں کے منافقوں نے جن کے سرغنہ عبداللہ بن ابی اور ابن عجل تھے۔ کہلا بھیجا کہ مسلمانوں سے ڈرو نہیں ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ تم اکیلے نہیں ہو۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ ضرورت پڑی تو ہم دو ہزار مسلح بہادروں کا لشکر لے کر ہم تمہارے ساتھ آملیں گے تمہیں جلاوطن ہونے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ماننے سے صاف انکار کر دو۔ اور اگر تم کو مدینہ چھوڑنا ہی پڑا تو تم تنہا مدینہ نہیں چھوڑو گے بلکہ ہم تمہارے ساتھ ہی اس شہر کو چھوڑ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ یہ منافق جھوٹ بک رہے ہیں اگر جنگ شروع ہوئی تو یہ لوگ ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے۔ بالفرض والمحال ان بزدلوں نے میدان جنگ میں انے کی جسارت کی تھی تو تمہیں دیکھتے ہی بھاگ جائیں گے۔ اور اگر بنی نضیر کو مدینہ چھوڑنا پڑا تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ چنانچہ بعینہٖ اسی طرح ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا۔ الم تر:

ہمزہ استفہامیہ لم ترنفی جحد بلم۔ صیغہ واحد مذکر حاضر۔ کیا تو نے نہیں دیکھا۔

الذین نافقوا۔ موصول وصلہ۔ نافقوا ماضی جمع مذکر غائب۔ منافقۃ (مفاعلۃ) مصدر۔ انہوں نے دوزخی کی۔ انہوں نے منافقت کی۔ انہوں نے کفر کو دل میں چھپایا۔ اور اسلام کو ظاہر کیا۔ الذین نافقوا منافق لوگ۔ کیا تو نے منافقوں کو نہیں دیکھا۔ ان منافق لوگوں سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے گروہ کے لوگ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ حشر، بیروت)

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ
وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝
اگر وہ نکال دیئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے،
اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی، تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہ ہو سکے گی۔

قتال واخراج میں منافقین کا یہود سے تعاون نہ کر سکنے کا بیان

"لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ" أَيْ جَاءُوا لِنَصْرِهِمْ "لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَار" وَاسْتُغْنِيَ بِجَوَابِ الْقَسَم الْمُقَدَّر عَنْ جَوَاب الشَّرْط فِي الْمَوَاضِع الْخَمْسَة "ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ" أَيْ الْيَهُود،

اگر وہ (کفار یہود مدینہ سے) نکال دیئے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ کبھی نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، یہاں پر پانچوں مقامات پر جواب قسم مقدر ہونے کے سبب جواب شرط کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر ان یہود کی مدد کہیں سے نہ ہو سکے گی۔

پس منافقوں کے ایک ایک قول وقرار کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان کی کہیں سے کوئی مدد نہیں کی ہوگی۔ یعنی منافقوں کی۔ کیونکہ منافقت اور نفاق کا لبادہ اتر جانے کے بعد، ایمان کے یہ زبانی کلامی دعوے ان کو کچھ کام نہ آسکیں گے۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہود ہیں کہ وہ ہار جائیں گے اور منافقوں کی یہ مدد ان کے کچھ کام نہ آسکے گی۔

(محاسن التاویل، جامع البیان، سورہ حشر، بیروت)

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝
بیشک ان کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ تمہارا رعب اور خوف ہے، یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ ہی نہیں رکھتے۔

منافقین کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب کا بیان

"لَأَنْتُمْ أَشَدّ رَهْبَة" خَوْفًا "فِي صُدُورهمْ" أَيْ الْمُنَافِقِينَ "مِنْ اللَّه" لِتَأْخِيرِ عَذَابه

(اے مسلمانو!) بیشک ان کے یعنی منافقین دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ تمہارا رعب اور خوف ہے، کیونکہ اللہ کے عذاب میں

تاخیر ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ ہی نہیں رکھتے۔

یعنی منافقوں کا بنونضیر سے اپنے کئے ہوئے وعدوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اللہ سے ڈر گئے ہیں۔ یا انہیں اپنے دعویٰ اسلام کا کچھ پاس ہونے لگا ہے۔ یا انہیں یہ خطرہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں کافروں کی حمایت کے جرم کی پاداش میں سزا ملے گی۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تمہارے جیسے سچے مسلمانوں کے آپس میں باہمی اتفاق اور اللہ کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے سے وہ کچھ اس طرح مرعوب ہو چکے ہیں کہ انہیں یہ یقین ہو چکا ہے کہ اگر وہ یہودیوں کی حمایت میں لڑنے کو نکلے تو یہودیوں کے ساتھ یہ خود بھی پس جائیں گے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ
تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝
وہ سب مل کر بھی تم سے جنگ نہ کر سکیں گے سوائے قلعہ بند شہروں میں یا دیواروں کی آڑ میں، ان کی لڑائی ان کے آپس
میں سخت ہے، تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل باہم متفرق ہیں، یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

یہود و منافقین کے متفرقہ دلوں کا بیان

"لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ" أَيِ الْيَهُود "جَمِيعًا" مُجْتَمِعِينَ "إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَة أَوْ مِنْ وَرَاء جِدَار" سُور وَفِي قِرَاءَة جُدُر "بَأْسهمْ" حَرْبهمْ "بَيْنهمْ شَدِيد تَحْسَبهُمْ جَمِيعًا" مُجْتَمِعِينَ "وَقُلُوبهمْ شَتَّى" مُتَفَرِّقَة خِلَاف الْحُسْبَان،

وہ مدینہ کے یہود اور منافقین سب مل کر بھی تم سے جنگ نہ کر سکیں گے سوائے قلعہ بند شہروں میں یا دیواروں کی آڑ میں، ایک قرأت کے مطابق جدر آیا ہے۔ ان کی لڑائی ان کے آپس میں ہی سخت ہے، تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل باہم متفرق ہیں، یعنی تمہارے خیال کے خلاف بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

اس آیت کے مخاطب یہود بھی ہیں اور منافقین بھی۔ دونوں ایک جیسے مکار، دغاباز، وعدے کے جھوٹے اور مفاد پرست ہیں۔ ایسے لوگ بزدل ہوتے ہیں کبھی کھلے میدان میں لڑنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ہاں ایسی جگہ بیٹھ کر لڑ سکتے ہیں جہاں ان کی جان کو کچھ خطرہ نہ ہو۔ مورچوں میں یا قلعہ بند ہو کر تو یہ تیر و تفنگ کا کھیل کھیل سکتے ہیں مگر سامنے آ کر دست بدست جنگ کرنا ان کے بس کا روگ نہیں۔ بھلا جسے ہر وقت اپنی جان بچانے کا دھڑکا لگا رہتا ہو تو وہ مقابلہ کیا کر سکتا ہے؟ کیا یہود کیا منافق اور کیا ان کی ذیلی شاخیں؟

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
ان لوگوں کے حال کی طرح جو ان سے پہلے قریب ہی تھے، انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔

بدر میں قتل ہونے والے مشرکین سے مثال سمجھنے کا بیان

مَثَلُهُمْ فِي تَرْكِ الْإِيمَان "كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا" بِزَمَنٍ قَرِيب وَهُمْ أَهْل بَدْر مِنْ الْمُشْرِكِينَ "ذَاقُوا وَبَال أَمْرِهِمْ" عُقُوبَته فِي الدُّنْيَا مِنْ الْقَتْل وَغَيْره "وَلَهُمْ عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم فِي الْآخِرَة،

ان کے ترک ایمان کی مثال ایسے ہے کہ ان لوگوں کے حال کی طرح جوان سے پہلے قریب ہی تھے، یعنی زمانے کی بات ہے اور وہ اہل بدر مشرکین ہیں۔ انھوں نے اپنے کام کا وبال چکھا جب ان کو دنیا میں قتل وغیرہ کی سزا دی گئی۔ اور آخرت میں ان کے لیے دردناک سزا ہے۔

عہد شکن یہود اور غزوہ بنوقینقاع کا بیان

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کے آس پاس جتنے قبائل یہود کے تھے سب کے ساتھ ایک معاہدہ صلح کا ہو گیا تھا جس کی شرائط میں یہ داخل تھا کہ ان سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے کسی مخالف کی امداد نہ کرے گا، ان معاہدہ کرنے والوں میں قبیلہ بنوقینقاع بھی شامل تھا، مگر اس نے چند مہینوں کے بعد ہی غدر و عہد شکنی شروع کر دی اور غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ خفیہ سازش و امداد کے کچھ واقعات سامنے آئے، اس وقت یہ آیت قرآن نازل ہوئی (آیت) (واما تخافن من قوم خیانته فانبذ الیهم علٰی سواء) یعنی اگر (معاہدہ اور صلح کے بعد) کسی قوم کی خیانت کا خطرہ لاحق ہو تو آپ ان کا معاہدہ صلح ختم کر سکتے ہیں بنوقینقاع اس معاہدہ کو اپنی غداری سے خود توڑ چکے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور علم جہاد حضرت حمزہ کو عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ کے شہر پر حضرت ابولبابہ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے، یہ لوگ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر اپنے قلعہ میں بند ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، پندرہ روز تک تو یہ لوگ محصور ہو کر صبر کرتے رہے، بالآخر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور یہ سمجھ گئے کہ مقابلہ سے کام نہ چلے گا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں جو آپ ہمارے بارے میں نافذ کریں۔

آپ کا فیصلہ ان کے مردوں کے قتل کا ہونے والا تھا کہ عبداللہ بن ابی منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد اصرار و الحاح کیا کہ ان کی جاں بخشی کر دی جائے، بالآخر آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ لوگ بستی خالی کر کے جلاوطن ہو جائیں اور ان کے اموال مسلمانوں کا مال غنیمت ہوں گے، اس قرارداد کے مطابق یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ اذرعات میں چلے گئے اور ان کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے قانون کے مطابق اس طرح تقسیم فرمایا کہ ایک خمس بیت المال کا رکھ کر باقی چار خمس غانمین میں تقسیم کر دیئے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حشر، بیروت)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِیْٓءٌ
مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝
شیطان کے حال کی طرح، جب اس نے انسان سے کہا کفر کر، پھر جب وہ کفر کر چکا تو اس نے کہا بلاشبہ میں
تجھ سے لاتعلق ہوں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

منافقین کی مثال شیطان کی مثال کی طرح ہونے کا بیان

مَثَلُهُمْ أَيْضًا فِي سَمَاعِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ وَتَخَلُّفِهِمْ عَنْهُمْ "كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اُكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ" كَذِبًا مِنْهُ وَرِيَاءً

منافقین کی بات سننے اور ان کے ان یہود سے انحراف کرنے کی مثال شیطان کے حال کی طرح ہے۔ جب اس نے انسان سے کہا کفر کر، پھر جب وہ کفر کر چکا تو اس نے کہا بلاشبہ میں تجھ سے لاتعلق ہوں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ کیونکہ اس کا قول جھوٹ اور ریاء کی بنیاد پر تھا۔

تلبیس ابلیس کے مختلف انداز کا بیان

ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو شیطان بھی اسی طرح انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے اور جب یہ کفر کر چکتا ہے تو خود بھی اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنا اللہ والا ہونا ظاہر کرنے لگتا ہے، اسی مثال کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے، بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا ساٹھ سال اسے عبادت الٰہی میں گذر چکے تھے شیطان نے اسے ورغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے جنات ستا رہے ہیں ادھر اس عورت کے بھائیوں کو یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج اسی عابد سے ہوسکتا ہے یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے اس نے علاج معالجہ یعنی دم کرنا شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی، ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا جو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنے شروع کئے یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا۔ چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا، ادھر اس نے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوایا وہ دوڑے آئے، شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا وہ لوگ آرہے ہیں اب عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی۔ اگر مجھے خوش کرلے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور جان دونوں بچ سکتی ہیں۔ شیطان نے کہا مجھے سجدہ کر، عابد نے اسے سجدہ کرلیا، یہ کہنے لگا تف ہے تجھ پر کم بخت میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، جو رب العالمین ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ حشر، بیروت)

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ تلے رات گذارا کرتی تھی اس کے چار بھائی تھے ایک دن شیطان نے راہب کو گدگدایا اور اس سے زنا کر بیٹھا اسے حمل رہ گیا شیطان نے راہب کے دل میں ڈالا

کہ اب بڑی رسوائی ہوگی اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف تو کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو جھوٹ موٹ کہہ دینا، بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلط جانے؟ اس کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی، ایک روز رات کے وقت موقعہ پا کر اس عورت کو جان سے مار ڈالا اور کسی اجاڑ جگہ زمین میں دبا دیا۔ اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اس کے دفن کی جگہ بھی بتا دی، صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا آج کی رات تو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کروں دوسروں نے کہا نہیں کہو تو سہی چنانچہ اس نے اپنا پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے اس سے بدکاری کی پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ اس کی لاش دبا آیا ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ سچا خواب ہے، چنانچہ انہوں نے جا کر اطلاع دی اور بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو اس خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر زمین کھود کر اس کی لاش برآمد کی، کامل ثبوت کے بعد اب اسے شاہی دربار میں لے چلے اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ سب میرے کرتوت ہیں اب بھی اگر تو مجھے راضی کر لے تو جان بچا دوں گا اس نے کہا جو تو کہے کروں گا، کہا مجھے سجدہ کر لے اس نے یہ بھی کر دیا، پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے میں تو تجھ سے بری ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے ڈرتا ہوں، چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پادری صاحب کو قتل کر دیا گیا، مشہور ہے کہ اس پادری کا نام برصیصا تھا۔ حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود، طاؤس، مقاتل بن حیان وغیرہ سے یہ قصہ مختلف الفاظ سے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ حشر، بیروت)

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝
پس ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بے شک وہ دونوں آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے اور یہی ظالموں کا بدلہ ہے۔

گمراہ کرنے اور ہونے والوں کیلئے دوزخ ہونے کا بیان

"فَكَانَ عَاقِبَتهمَا" أَيْ الْغَاوِي وَالْمُغْوِي وَقُرِءَ بِالرَّفْعِ اسْم كَانَ "أَنَّهُمَا فِي النَّار خَالِدَيْنِ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاء الظَّالِمِينَ" أَيْ الْكَافِرِينَ،

پس ان دونوں یعنی گمراہ کرنے والا اور گمراہ ہونے والا ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بے شک وہ دونوں آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے اور یہی ظالموں یعنی کفار کا بدلہ ہے۔ یہاں پر لفظ عقابتھما کا کان کے اسم کے سبب مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔

شیطان آخرت میں یہ بات کہے گا اور "بدر" کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لوگوں کو لڑواتا تھا۔ جب فرشتے نظر آئے تو بھاگا۔ جس کا ذکر سورہ "انفال" میں گزر چکا ہے۔ یہی مثال منافقوں کی ہے۔ وہ "بنی نضیر" کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دلا دلا کر بھرے پر چڑھاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے، آپ الگ ہو بیٹھے۔ لیکن کیا وہ اس طرح اللہ کے عذاب سے بچ

سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ دونوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○
اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے،
اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

تقویٰ اختیار کرنے اور اعمال کا خیال رکھنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّه وَلْتَنْظُرْ نَفْس مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" لِيَوْمِ الْقِيَامَة

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل قیامت کے دن کے لئے آگے کیا بھیجا ہے، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

تقویٰ اور جذبہ خیرات کا بیان

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ (ایک روز) ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی جو ننگے بدن تھی اور عبایا کمبل لپیٹے ہوئے تھی اور گلے میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اکثر بلکہ سب کے سب قبیلہ مضر کے لوگ تھے۔ ان پر فاقہ کا اثر دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (ان کے لئے کھانے کی تلاش میں) گھر تشریف لے گئے اور (جب گھر میں کچھ نہ ملا) تو واپس تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (اذان کہنے کا) حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی اور تکبیر پڑھی اور جمعہ کی یا ظہر کی نماز پڑھی گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی آیت (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ، النساء: 1) ترجمہ! "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا ہے۔" پوری آیت تلاوت کی جس کا آخری حصہ یہ ہے۔ "البتہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے۔" اور پھر یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی جو سورۂ حشر میں ہے آیت (وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ، الحشر: 18) ترجمہ! "(اے ایمان والو!) اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر آدمی دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ "خیرات کرے آدمی اپنے دینار میں سے اپنے درہم میں سے اپنے کپڑے میں سے اپنے گیہوں کے پیمانے میں سے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیرات کرے اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ راوی فرماتے ہیں کہ ایک انصاری آدمی دینار یا درہم سے بھری ہوئی ایک تھیلی لایا جس کے وزن سے اس کا ہاتھ تھکنے کے قریب تھا بلکہ تھک گیا تھا۔ پھر لوگوں نے پے در پے چیزوں کا لانا شروع کر دیا یہاں تک کہ میں نے دو تو لے غلہ اور کپڑے کے (جمع شدہ)

دیکھے پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس (خوشی کی وجہ سے) کندن کی طرح چمک رہا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اسلام میں کسی نیک طریقہ کو رائج کرے تو اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس کا ثواب بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے لیکن عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس آدمی نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو رائج کیا تو اسے اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس آدمی کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ لیکن عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 205)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلی آیت تلاوت فرمائی وہ سورۂ نساء میں ہے، اس آیت میں خیرات کرنے اور قرابت داروں سے حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خیرات کرنے اور آنے والی جماعت کی امداد و اعانت پر ترغیب دلائی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھلا بیٹھے پھر اللہ نے ان کی جانوں کو ہی ان سے بھلا دیا، وہی لوگ نافرمان ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو بھلا دینے والوں کی طرح نہ ہونے کا بیان

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ" تَرَكُوا طَاعَته "فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسهمْ" أَنْ يُقَدِّمُوا لَهَا خَيْرًا،

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اطاعت کو چھوڑ کر اللہ کو بھلا بیٹھے پھر اللہ نے ان کی جانوں کو ہی ان سے بھلا دیا کہ وہ اپنی جانوں کے لئے ہی کچھ بھلائی آگے بھیج دیتے، وہی لوگ نافرمان ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس باب میں حضرت ابوموسی، ابوہریرہ اور عائشہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث عبادہ بن صامت حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1064)

اہل جنت اور اہل دوزخ کے برابر نہ ہونے کا بیان

لَا يَسْتَوِىْٓ أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝
اہل دوزخ اور اہل جنت برابر نہیں ہو سکتے، اہل جنت ہی کامیاب و کامران ہیں۔

جنہوں نے اللہ کو بھول کر یہ بات بھی بھلائے رکھی کہ اس طرح وہ خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا کہ اس کے نتیجے میں ان کے یہ جسم جن کے لیے دنیا میں وہ بڑے بڑے پاپڑ بیلتے تھے جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے اور ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ کو یاد رکھا اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ

انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور اپنی جنت میں انہیں داخل فرمائے گا جہاں ان کے آرام وراحت کے لیے ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں ہوں گی یہ دونوں فریق یعنی جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوں گے بھلا یہ برابر ہو بھی کس طرح سکتے ہیں ایک نے اپنے انجام کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرتا رہا دوسرا اپنے انجام سے غافل رہا اس لیے اس کے لیے تیاری میں بھی مجرمانہ غفلت برتی۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ
وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○
اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو یقیناً تو اسے اللہ کے ڈر سے پست ہونے والا ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتا۔
اور یہ مثالیں ہیں، ہم انہیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

نزول قرآن کے سبب پہاڑوں کا بھی ریزہ ریزہ ہو جانے کا بیان

"لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآن عَلَى جَبَل" وَجُعِلَ فِيهِ تَمْيِيز كَالْإِنْسَانِ "لَرَأَيْته خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا" مُتَشَقِّقًا "مِنْ خَشْيَة اللَّه وَتِلْكَ الْأَمْثَال" الْمَذْكُورَة "نَضْرِبهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ" فَيُؤْمِنُونَ،

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو اس کے اندر انسان کی طرح شعور پیدا کر دیا جاتا۔ تو یقیناً تو اسے اللہ کے ڈر سے پست ہونے والا ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتا۔ اور یہ مذکورہ مثالیں ہیں، ہم انہیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ غور وفکر کریں۔ تاکہ وہ ایمان لائیں۔

قرآن کریم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فی الواقع یہ پاک کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ دل اس کے سامنے جھک جائیں، رونگٹے کھڑے ہو جائیں، کلیجے کپکپائیں، اس کے سچے وعدے اور اس کی حقانی ڈانٹ ڈپٹ ہر سننے والے کو بید کی طرح تھرا دے، اور دربار اللہ میں سر بہ سجود کرا دے، اگر یہ قرآن جناب باری کسی سخت بلند اور اونچے پہاڑ پر بھی نازل فرماتا اور اسے غور وفکر اور فہم و فراست کی حس بھی دیتا تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، پھر انسانوں کے دلوں پر جو نسبتاً بہت نرم اور چھوٹے ہیں۔ جنہیں پوری سمجھ بوجھ ہے، اس کا بہت بڑا اثر پڑنا چاہئے، ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے ان کے غور وفکر کے لئے اللہ تالٰی نے بیان فرما دیا، مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہئے، متواتر حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بن گیا، بچھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنا دور ہو گیا، تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہو اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ وہ ذکر وحی کے سننے سے کچھ دور ہو گیا تھا۔ امام بصری اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ "لوگو ایک کھجور کا تنا اس قدر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شائق ہو تو تمہیں چاہئے کہ اس سے بہت زیادہ شوق

اور چاہت تم رکھو۔ "اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ "جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہو تو تمہیں چاہئے کہ تم تو اس حالت میں اس سے آگے رہو" اور جگہ فرمان اللہ ہے (ترجمہ) یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مردے بول پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا) (مگر پھر بھی ان کفار کو ایمان نصیب نہ ہوتا) اور جگہ فرمان عالی شان ہے (ترجمہ) الخ، یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے نہریں بہ نکلتی ہیں بعض وہ ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلتا ہے بعض اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حشر، بیروت)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝
وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، وہی بیحد رحمت فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات علم، شہادت، رحمٰن، رحیم کا بیان

"هُوَ اللّٰهُ الَّذِی لَا إِلَه إِلَّا هُوَ عَالِم الْغَیْب وَالشَّهَادَة" السِّرّ وَالْعَلَانِیَة

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، وہی رحمت فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔

سورت حشر کی آخری تین آیات کی فضیلت کا بیان

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کہے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم (میں اللہ تعالیٰ کی جو سننے والا جاننے والا ہے پناہ پکڑتا ہوں مردود شیطان سے) اور پھر سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے متعین کرتا ہے جو اس کے لئے شام تک خیر و بھلائی کی توفیق کی دعا مانگتے ہیں اور اس کے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور اگر وہ شخص اس دن میں مر جاتا ہے تو شہادت کی موت پاتا ہے اور جو شخص اس کو یعنی اعوذ باللہ الخ اور ان آیتوں کو شام کے وقت پڑھے تو اس صبح تک یہ (مذکورہ بالا سعادت حاصل ہوتی ہے۔ (ترمذی، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 667)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ
الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝
وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب،
اپنی مرضی چلانے والا، بے حد بڑائی والا ہے، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات مالک، قدوس، سلام وغیرہ کا بیان

"هُوَ اللّٰهُ الَّذِی لَا إِلَه إِلَّا هُوَ الْمَلِك الْقُدُّوس" الطَّاهِر عَمَّا لَا یَلِیق بِهِ "السَّلَام" ذُو السَّلَامَة

مِنَ النَّقَائِص "الْمُؤْمِن" الْمُصَدِّق رُسُله بِخَلْقِ الْمُعْجِزَة لَهُمْ "الْمُهَيْمِن" مِنْ هَيْمَنَ يُهَيْمِن إِذَا كَانَ رَقِيبًا عَلَى الشَّيْء أَيْ الشَّهِيد عَلَى عِبَاده بِأَعْمَالِهِمْ "الْعَزِيز" الْقَوِيّ "الْجَبَّار" جَبَرَ خَلْقه عَلَى مَا أَرَادَ "الْمُتَكَبِّر" عَمَّا لَا يَلِيق بِهِ "سُبْحَان اللّٰه" نَزَّهَ نَفْسه "عَمَّا يُشْرِكُونَ" بِهِ،

وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے،۔نہایت پاک یعنی ان باتوں سے پاک ہے جو اس کے شایان شان نہیں ہیں، سلامتی والا، ہر قسم کے نقائص سے پاک ہے۔امن دینے والا، یعنی اپنے رسولان گرامی کو معجزات دیکر ان کی تصدیق کرا کے مدد کرنے والا ہے۔نگہبان، یہ لفظ یھیمن سے مشتق ہے یعنی جب کوئی کسی چیز پر رقیب ہو یعنی وہ اپنے بندوں کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔سب پر غالب، اپنی مرضی چلانے والا، یعنی مخلوق کو ایسا بنایا جیسا اس نے چاہا۔بے حد بڑائی والا ہے، یعنی اس سے اعلیٰ ہے جو اس کے لائق نہیں۔پاک و منزہ ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

الملک کے معانی وخواص کا بیان

حقیقی بادشاہ۔یعنی وہ زمین وآسمان اور تمام عالم کا حقیقی بادشاہ ہے دونوں جہاں اسی کے تصرف اور قبضہ میں ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج لہٰذا جب بندہ نے اس کی یہ حیثیت وصفت جان لی تو اس پر لازم ہے کہ اس کی بارگاہ کا بندہ وغلام اور اسی کے در کا گدا بنے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ اسی کے آستانہ عزت وجاہ کی طلب کرے۔نیز بندہ پر لازم ہے کہ اس کی بارگاہ قدرت وتصرف سے تعلق پیدا کرے اس کے علاوہ ہر ایک سے کلیۃ بے نیازی اختیار کرے۔نہ کسی سے اپنی ضرورت وحاجت بیان کرے اور نہ کسی سے ڈرے نہ امید رکھے اپنے دل اپنے نفس اور اپنے قالب کی دنیا کا حاکم بنے اور اپنے اعضاء اور اپنے قوی کو قابو میں رکھ کر اس کی اطاعت وعبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں لگا دے تاکہ صحیح معنی میں اپنے وجود کی دنیا کا حاکم کہلائے۔خاصیت جو شخص اس اسم کو القدوس کے ساتھ (یعنی ملک القدوس) پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے تو اگر وہ صاحب ملک اور سلطنت ہوگا تو اس کے ملک اور سلطنت کو اللہ تعالیٰ قائم ودائم رکھے گا اور جو صاحب سلطنت نہ ہوگا تو اس کی برکت سے اس کا اپنا نفس مطیع وفرمانبردار رہے گا اور جو شخص اسے عزت وجاہ کے لئے پڑھے تو اس کا مقصود حاصل ہوگا اور اس بارہ میں یہ عمل مجرب ہے۔حضرت شاہ عبدالرحمٰن نے اس کی خاصیت یہ لکھی ہے کہ جو شخص اس اسم "الملک" کو روزانہ نوے بار پڑھے تو نہ صرف یہ کہ روشن اور تونگر ہوگا بلکہ حکام وسلاطین اس کے لئے مسخر ہو جائیں گے اور عزت واحترام اور جاہ کی زیادتی کے حصول کے لئے مجرب ہے۔

القدوس کے معانی وخواص کا بیان

نہایت پاک۔قشیری رحمہ اللہ نے کہا کہ جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نہایت پاک ہے تو اب اس کو چاہئے کہ اس بات کی آرزو کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر حالت میں عیوب اور آفات سے دور اور گناہوں کی نجاست سے پاک رکھے۔خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو ہر روز زوال آفتاب کے وقت پڑھے اس کا دل صاف ہو اور جو شخص نماز جمعہ کے بعد اس اسم واسم السبوح کے ساتھ

(یعنی القدس السبوح) روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر کھائے تو فرشتہ صفت ہو اور بھگدڑ کے وقت دشمنوں سے حفاظت کے وقت اس اسم کو جتنا پڑھا جا سکے پڑھا جائے اور مسافر اس کو برابر پڑھتا رہے اور کبھی ماندہ اور عاجز نہ ہو اور اگر اس کو تین سو انیس بار شیرنی پر پڑھ کر دشمن کو کھلا دے تو وہ مہربان ہو۔

السلام کے معانی وخواص کا بیان

بے عیب و سلامت۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ بتایا ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ و سلامت رہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادہ شفقت کا معاملہ کرے جب وہ کسی ایسے مسلمان کو دیکھے جو اس سے عمر میں بڑا ہو تو یہ کہے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اس نے میری نسبت زیادہ عبادت واطاعت کی ہے اور ایمان و معرفت میں مجھ پر سبقت رکھتا ہے اور اگر کسی ایسے مسلمان کو دیکھے جو عمر میں اس سے چھوٹا ہو تو بھی یہی کہے یہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اس نے میری بہ نسبت گناہ کم کئے ہیں۔ نیز اگر کسی مسلمان بھائی سے کوئی قصور ہو جائے اور وہ معذرت کرے تو اس کی معذرت قبول کر کے اس کا قصور معاف کر دیا جائے۔ خاصیت اگر کوئی شخص اس اسم مبارک کو کسی بیمار پر ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے تو انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے صحت وشفا عطا فرمائے گا اور اگر کوئی شخص اس کو برابر پڑھتا رہے تو خوف سے نڈر ہو گا۔

المؤمن کے معانی وخواص کا بیان

امن دینے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ مخلوق اللہ کو نہ صرف اپنے شر اور اپنی برائی سے بلکہ دوسروں کی برائی اور شر سے بھی امن میں رکھے۔ خاصیت جو شخص اس اسم کو بہت پڑھتا رہے یا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حق تعالیٰ اس کو شیطان کے شر سے نڈر رکھے گا اور کوئی شخص اس پر حاوی نہیں ہو گا نیز اس کا ظاہر اور اس کا باطن حق تعالیٰ کی امان میں رہے گا اور جو شخص اس کو بہت زیادہ پڑھتا رہے گا مخلوق اللہ اس کی مطیع اور فرمانبردار ہو گی۔

المھیمن کے معانی وخواص کا بیان

ہر چیز کا اچھی طرح محافظ نگہبان۔ اس اسم سے عارف کا نصیب یہ ہے کہ بری عادتوں، برے عقیدوں اور بری چیزوں مثلاً حسد اور کینہ وغیر ہما سے اپنے دل کی نگہبانی کرے اپنے احوال درست کرے اور اپنے قوی اور اپنے اعضا کو ان چیزوں میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھے جو دل کو اللہ کی طرف سے غفلت میں ڈالنے والی ہوں۔ خاصیت جو شخص غسل کے بعد اس اسم کو ایک سو پندرہ مرتبہ پڑھے وہ غیب اور باطن کی باتوں پر مطلع ہو اور جو شخص اس کو برابر پڑھتا رہے وہ تمام آفات سے پناہ پائے اور جنتیوں کی جماعت میں شامل ہو۔

العزیز کے معانی وخواص کا بیان

غالب و بے مثل کہ کوئی اس پر غالب نہیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے نفس، اپنی خواہشات اور شیطان پر

غالب رہے علم و عمل اور عرفات میں بے مثل بنے اور مخلوق اللہ کے آگے ہاتھ نہ پھیلا کر اپنی ذات کو عزت بخشے اور غیر اللہ کے آگے دست سوال دراز کر کے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ ابوالعباس مریسی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! عزت تو میں نے مخلوق اللہ سے بلند ہمتی اختیار کرنے (یعنی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے ہی میں دیکھی ہے)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کو عزیز و غالب و بے مثل تو اسی نے جانا جس نے اس کے احکام اور اس کی شریعت کو عزیز یعنی (اپنے اوپر غالب) کیا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں بے مثل بنا اور جس نے ان چیزوں میں سہل پسندی اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا اس نے اللہ کی عزت نہیں پہچانی یعنی اسے عزیز نہیں مانا۔ اور ارشاد ربانی ہے۔ آیت (و للہ العزۃ و لرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون)۔ اور اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے عزت ہے اور لیکن منافق اسے نہیں جانتے۔ خاصیت جو شخص اس اسم کو فجر کی نماز کے بعد اکتالیس بار پڑھے وہ دنیا اور آخرت میں کسی کا محتاج نہ ہو اور بعد خواری کے عزیز ہو اس کے علاوہ بھی اس اسم مبارک کی بڑی عجیب وغریب خاصیتیں مذکور ہیں۔

الجبار کے معانی وخواص کا بیان

بگڑے کاموں کو درست کرنے والا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں، بندوں کو اس چیز کی طرف لانے والا جس کا ارادہ کرتا ہے۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ فضائل و کمال حاصل کر کے اپنے نفس کی خرابیوں کو درست کرے اور تقویٰ و پرہیزگاری اور طاعت پر مداومت اختیار کر کے اپنے نفس پر غالب ہو اور اس طرح درجہ کامل کو پہنچے۔ قشیری کہتے ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے! کسی چیز کا تو بھی ارادہ کرتا ہے اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں (یعنی اس چیز کے بارے میں تیری خواہش کچھ ہوتی ہے اور میری مشیت کچھ اور) ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں لہٰذا تو اگر اس پر راضی ہو جائے جس کا میں ارادہ کرتا ہوں (یعنی اس چیز کے بارہ میں میری طرف جو فیصلہ صادر ہو جائے تو اپنی خواہش کے علی الرغم اس کو بلا چوں و چرا مان لے اور اس پر راضی ہو جائے) تو تو جو ارادہ کرتا ہے میں اس پر تجھ سے کفایت کروں گا۔ (یعنی اس کا نعم البدل عطا کروں گا) اور تو اگر اس پر راضی نہ ہو ہوا۔ جس کا میں ارادہ کرتا ہوں تو پھر میں اس میں تجھ سے کفایت نہیں کروں گا جس کا تو ارادہ کرتا ہے (یعنی تجھے نعم البدل عطا نہیں کروں گا۔ اور پھر ہوگا وہی جو میں ارادہ کرتا ہوں اور تو محروم کا محروم رہ جائے گا)۔ خاصیت جو شخص مسبحات عشر کے بعد اس اسم کو اکیس بار پڑھے وہ ظالموں کے شر سے امن میں رہے گا جو شخص اس اسم کو پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرے گا وہ غیب اور مخلوق کی بدگوئی سے نڈر اور امان میں رہے گا اور اہل دولت و سلطنت میں سے ہوگا اور اگر کوئی شخص اس اسم کو انگوٹھی پر نقش کرا کے پہنے تو لوگوں کے دل میں اس کی ہیبت اور شوکت بیٹھ جائے گی۔

المتکبر کے معانی وخواص کا بیان

نہایت بزرگ۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اسے حق تعالیٰ کی یہ بزرگی معلوم ہوئی تو اب اسے چاہئے کہ وہ خواہشات نفسانی کی طرف میلان ورلذات شہوانی کی طرف رغبت سے تکبر یعنی پرہیز کرے کیونکہ ان چیزوں کی طرف رغبت کرے

گا تو جانور کا شریک ہوگا۔ بلکہ ہر اس چیز سے تکبر کرنا چاہئے جو باطن کو حق سے باز رکھے اور حق تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے علاوہ ہر چیز کو حقیر جاننا اور تواضع وتذلل کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور اپنی ذات سے تکبر کے تمام دعوؤں کو زائل کرنا چاہئے تا کہ نفس صاف ہو اور اس میں اللہ کی محبت جاگزیں ہو اور اس طرح نہ نفس کا اختیار باقی رہے اور نہ غیر اللہ کے ساتھ قرار۔ خاصیت جو شخص اپنی بیوی سے مباشرت کے وقت دخول سے پہلے اس مبارک اسم کو دس مرتبہ پڑھے تو انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے پرہیزگار فرزند خلف عطا فرمائے گا اور جو شخص اپنے ہر کام کی ابتداء میں یہ اسم مبارک بہت پڑھے تو اللہ نے چاہا وہ اپنی مراد کو پہنچے گا۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
وہی اللہ ہے جو پیدا فرمانے والا ہے، عدم سے وجود میں لانے والا ہے، صورت عطا فرمانے والا ہے۔ سب اچھے نام اسی کے ہیں،
اس کے لئے وہ چیزیں تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑی عزت والا ہے بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات خالق، باری، مصور وغیرہ کا بیان

"هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِء" الْمُنْشِء مِنَ الْعَدِمِ "الْمُصَوِّر لَهُ الْأَسْمَاء الْحُسْنَى" التِّسْعَة وَالتِّسْعُونَ الْوَارِد بِهَا الْحَدِيث وَالْحُسْنَى مُؤَنَّث الْأَحْسَن "يُسَبِّح لَهُ مَا فِي السَّمَوَات وَالْأَرْض وَهُوَ الْعَزِيز الْحَكِيم" تَقَدَّمَ أَوَّلهَا،

وہی اللہ ہے جو پیدا فرمانے والا ہے، عدم سے وجود میں لانے والا یعنی ایجاد فرمانے والا ہے، صورت عطا فرمانے والا ہے۔ الغرض سب اچھے نام اسی کے ہیں، جو ۹۹ ہیں جس طرح حدیث میں آئے ہیں۔ اور لفظ حسنیٰ یہ احسن کی مؤنث ہے۔ اس کے لئے وہ سب چیزیں تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑی عزت والا ہے بڑی حکمت والا ہے۔ جس طرح اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

الخالق کے معانی وخواص کا بیان

مشیت وحکمت کے موافق پیدا ہونے والی چیز کا اندازہ کرنے والا۔ خاصیت جو شخص اس اسم مبارک کو برابر پڑھتا رہتا ہے حق تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے تا کہ وہ اس کی طرف سے قیامت کے دن تک عبادت کرتا رہے نیز حق تعالیٰ اس اسم مبارک کی برکت سے اس شخص کا دل اور منہ، روشن ونورانی کر دیتا ہے! حضرت شاہ عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ جو شخص رات میں یہ اسم بہت زیادہ پڑھے گا اس کا دل اور منہ روشن ومنور ہوگا اور وہ تمام کاموں پر حاوی رہے گا۔

الباری کے معانی وخواص کا بیان

پیدا کرنے ولا۔ خاصیت جو شخص اس اسم کو ہفتہ میں سو بار پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اس کو قبر میں نہیں چھوڑے گا بلکہ ریاض قدس

میں ہے جائے گا اور جو حکیم و معالج اس اسم کو مستقل طور پر پڑھتا رہے وہ جو بھی علاج کرے گا کامیاب رہے گا۔"

المصور کے معانی و خواص کا بیان

صورت بنانے والا۔ مذکورہ بالا ان تینوں ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ جب کوئی چیز دیکھے اور جب بھی کسی چیز کا تصور کرے تو اللہ کی قدرتوں اور عجائبات میں غور و فکر کرے جو اس چیز میں موجود ہیں۔ خاصیت اگر کوئی عورت بانجھ ہو اور اولاد کی دولت سے محروم ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سات دن روزے رکھے اور ہر روز افطار کے وقت اکیس بار المصور پڑھ کر پانی پر دم کرے اور اسے پی لے انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے فرزند نیک عطا فرمائے گا جو شخص کسی دشوار اور مشکل کام کے وقت اس اسم کو بہت پڑھے وہ کام آسان ہو جائے گا۔

اسمائے حسنیٰ کو یاد کرنے والے کیلئے خوشخبری کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو جس شخص نے ان ناموں کو یاد کیا وہ ابتداء ہی میں بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوگا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 808)

سورت حشر کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورت حشر کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَةُ الْمُمْتَحَنَة

یہ قرآن مجید کی سورت ممتحنہ ھے

سورت ممتحنہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الْمُمْتَحَنَة (مَدَنِيَّة وَآيَاتها ثَلاث عَشْرَة)

سورہ ممتحنہ مدنیہ ہے، اس میں دو رکوع، تیرہ آیات، تین سو اڑتالیس کلمات، ایک ہزار پانچ سو دس حروف ہیں۔

سورت ممتحنہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورہ کی آیت نمبر 10 میں حکم دیا گیا ہے کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں ان کا امتحان لیا جائے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الممتحنہ رکھا گیا ہے۔ اس کا تلفظ مُمتَحَنہ بھی کیا جاتا ہے اور مُمتَحِنہ بھی۔ پہلے تلفظ کے لحاظ سے معنی ہیں "وہ عورت جس کا امتحان لیا جائے"۔ اور دوسرے تلفظ کے لحاظ سے معنی ہیں "امتحان لینے والی سورۃ۔

سورت ممتحنہ کے شان نزول کا بیان

بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی سارہ مدینہ طیبہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی جب کہ حضور فتح مکہ کا سامان فرما رہے تھے حضور نے اس سے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کیا ہجرت کر کے آئی ؟ عرض کیا نہیں فرمایا پھر کیوں آئی ؟ اس نے کہا محتاجی سے تنگ ہو کر، بنی عبدالمطلب نے اس کی امداد کی، کپڑے بنائے، سامان دیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے انہوں نے اس کو دس دینار دیئے ایک چادر دی اور ایک خط اہل مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں تم سے اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے کرو، سارہ یہ خط لے کر روانہ ہو گئی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس کی خبر دی حضور نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا مقامِ روضہ خاخ پر تمہیں ایک مسافر عورت ملے گی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو اگر انکار کرے تو اس کی گردن مار دو یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اس سے خط مانگا وہ انکار کر گئی اور قسم کھا گئی صحابہ نے واپسی کا قصد کیا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقسم فرمایا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر خلاف ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر

عورت سے فرمایا یا خط نکال یا گردن رکھ جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل آمادہ قتل ہیں تو اپنے جوڑے میں سے خط نکالا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اے حاطب اس کا کیا باعث؟ انہوں نے عرض کیا یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جب سے اسلام لایا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے حضور کی نیاز مندی میسر آئی کبھی حضور کی خیانت نہ کی اور جب سے اہل مکہ کو چھوڑا کبھی ان کی محبت نہ آئی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور انکی قوم سے نہ تھا میرے سوائے اور جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اسلئے میں نے یہ چاہا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تاکہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں اور یہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے میرا خط انہیں بچا نہ سکے گا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور ان کی تصدیق کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیجئے اس منافق کی گردن ماردوں حضور نے فرمایا اے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ خبردار ہے جب ہی اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو جاری ہو گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی، خزائن، خازن، سورہ ممتحنہ، بیروت)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا
بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ
بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو،
حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمھیں اس لیے نکالتے ہیں کہ
تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمھارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے
نکلے ہو۔ تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور
جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

کفار سے دوستی کرنے کی ممانعت کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ" أَيْ كُفَّار مَكَّة "أَوْلِيَاء تُلْقُونَ" تُوصِلُونَ "إِلَيْهِمْ" قَصْد النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوهمْ الَّذِي أَسَرَّهُ إِلَيْكُمْ وَوَرَّى بِحُنَيْنٍ

"بِالْمَوَدَّةِ" بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ كَتَبَ حَاطِبُ بْنُ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَيْهِمْ كِتَابًا بِذَلِكَ لِمَا لَهُ عِنْدَهُمْ مِنَ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِ الْمُشْرِكِينَ فَاسْتَرَدَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أَرْسَلَهُ مَعَهُ بِإِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالَى لَهُ بِذَلِكَ وَقَبِلَ عُذْرَ حَاطِبٍ فِيهِ "وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ" أَيْ دِينِ الْإِسْلَامِ وَالْقُرْآنِ "يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ" مِنْ مَكَّةَ بِتَضْيِيقِهِمْ عَلَيْكُمْ "أَنْ تُؤْمِنُوا" أَيْ لِأَجْلِ أَنْ آمَنْتُمْ "بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا" لِلْجِهَادِ "فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي" وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيْ فَلَا تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ "تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ" أَيْ إِسْرَارَ خَبَرِ النَّبِيِّ إِلَيْهِمْ "فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ" أَخْطَأَ طَرِيقَ الْهُدَى وَالسَّوَاءُ فِي الْأَصْلِ الْوَسَطُ،

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں یعنی کفار مکہ کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے غزوے کو پوشیدہ ارادہ کیا یعنی حنین کا ارادہ کیا۔ تو اس پر حاطب بن ابی بتعہ کے ان کی مشرکین کی جانب خط لکھا کیونکہ ان کے پاس ان کی مشرک اولاد و اہل خانہ تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کی خط کی اطلاع ہوئی تو آپ نے وہ خط واپس ہٹوالیا۔ اور اس میں حاطب بن ابی بلتعہ کے عذر کو قبول کیا۔ حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق یعنی دین اسلام اور قرآن سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمھیں مکہ سے تنگ کر کے اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمھارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔ یہ جواب شرط ہے جس پر اس کے ماقبل کی دلالت ہے۔ پس تم ان کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات خفیہ طریقے سے ان تک پہنچائے۔ تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ یعنی وہ ہدایت کے راستے سے ہٹ گیا۔ اور سوا اصل میں درمیان کو کہتے ہیں۔

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سچے عذر کے قبول ہونے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد کو بھیجا اور فرمایا کہ خاخ باغ کی طرف جاؤ وہاں ایک اونٹ سوار عورت ملے گی جس کے پاس خط ہوگا پس تم وہ خط اس سے لے لینا۔ پس گھوڑے دوڑاتے ہوئے چل پڑے پس جب تم عورت کے پاس پہنچے تو اس سے کہا خط نکالو اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے ہم نے کہا خط نکال دے ورنہ اپنے کپڑے اتار۔ پس اس نے وہ خط اپنے سر کی میں مینڈھیوں سے نکال کر دے دیا ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو اس میں یہ لکھا تھا حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کے مشرکین لوگوں کی طرف اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معاملات کی خبر دی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں نے

عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے متعلق جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کریں میں قریش سے ملا ہوا یعنی ان کا حلیف آدمی تھا سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ مشرکین کا حلیف تھا لیکن ان کے خاندان سے نہ تھا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین میں سے صحابہ ہیں ان کی وہاں رشتہ داریاں ہیں اور انہی رشتہ داریوں کی وجہ سے وہ ان کے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے پس میں نے پسند کیا کہ ان کے ساتھ میرا نسبی تعلق تو ہے نہیں کہ میں ان پر ایک احسان ہی کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی بھی حفاظت کریں گے اور میں نے ایسا نہ تو کفر کی وجہ سے کیا ہے اور نہ ہی اپنے دین سے مرتد ہونے کی وجہ سے کیا ہے اور نہ ہی اسلام قبول کرنے کے بعد کفر پر راضی رہنے کی وجہ سے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں تا کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ غزوہ بدر میں شریک ہو گیا ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے (آئندہ) حالات سے واقفیت کے باوجود فرمایا ہے تم جو چاہو عمل کرو تحقیق میں نے تمہیں معاف کر دیا تو اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ ۔ 66 ۔ الممتحنہ : 1) اے ایمان والوں میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 1900)

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ۝
اگر وہ تمہیں پائیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں تمہاری طرف برائی کے ساتھ
بڑھائیں گے اور چاہیں گے کاش! تم کفر کرو۔

کفار کا کبھی بھی مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہونے کا بیان

"اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ" یَظْفَرُوْا بِكُمْ "یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاءً وَیَبْسُطُوْا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ" بِالْقَتْلِ وَالضَّرْبِ "وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْءِ" بِالسَّبِّ وَالشَّتْمِ "وَوَدُّوْا" تَمَنَّوْا،

اگر وہ تمہیں پائیں یعنی تم پر کامیابی پائیں۔ تو تمہارے دشمن ہوں گے اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں تمہاری طرف برائی یعنی قتل اور مارنے کے ساتھ بڑھائیں گے اور گالی گلوچ چاہیں گے یعنی تمنا کریں گے کہ کاش! تم کفر کرو۔

یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے۔ وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں۔ زبان سے، ہاتھ سے ہر طرح ایذا پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں، کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں۔ کیا ایسے شریر و بد باطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

قیامت کے دن ہرگز نہ تمھاری رشتہ داریاں تمھیں فائدہ دیں گی اور نہ تمھاری اولاد، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔

قیامت کے دن مشرک اولاد وقرابت کے کام نہ آنے کا بیان

"لَنْ تَنفَعكُمْ أَرْحَامكُمْ" قَرَابَاتكُمْ "وَلَا أَوْلَادكُمْ" الْمُشْرِكُونَ الَّذِينَ لِأَجْلِهِمْ أَسْرَرْتُمْ الْخَبَر مِنْ الْعَذَاب فِي الْآخِرَة "يَوْم الْقِيَامَة يَفْصِل" بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ وَالْفَاعِل "بَيْنكُمْ" بَيْنكُمْ وَبَيْنهمْ فَتَكُونُونَ فِي الْجَنَّة وَهُمْ فِي جُمْلَة الْكُفَّار فِي النَّار،

قیامت کے دن ہرگز نہ تمھاری رشتہ داریاں تمھیں فائدہ دیں گی اور نہ تمھاری مشرک اولادیں جن سے تم نے خفیہ پیغام پہنچایا ہے۔وہ آخرت کے عذاب سے بچانے کیلئے تمہارے کام نہ آئیں گے۔ وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا یہاں پر لفظ فصل یہ معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔لہٰذا تم سب جنت میں داخل ہو گے جبکہ سب کفار دوزخ میں جائیں گے۔اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔

یعنی قیامت کے روز تمہارے رشتے ناتے اور تمہاری اولاد تمہارے کام نہ آئیں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز یہ سب تعلقات ختم کردیں گے اولاد ماں باپ سے اور ماں باپ اولاد سے بھاگتے پھریں گے، اس میں حضرت حاطب کے عذر کی تردید ہے کہ جس اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر یہ کام کیا تھا سمجھ لو کہ قیامت کے دن وہ اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اور اللہ تعالیٰ سے کوئی راز اور خفیہ چیز چھپنے والی نہیں۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○

بیشک تمہارے لئے ابراہیم (علیہ السلام) میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو کلیتہً بیزار ہیں، ہم نے تم سب کا کھلا انکار کیا ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت وعناد ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو چکا، یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ، مگر ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے (پرورش کرنے والے) باپ سے یہ کہنا کہ میں تمہارے لئے ضرور بخشش طلب کروں گا، اور یہ کہ میں تمہارے لئے اللہ کے حضور کسی چیز کا

مالک نہیں ہوں۔اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا اور ہم نے تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھ اہل ایمان میں نمونہ ہونے کا بیان

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ إِسْوَة" بِكَسْرِ الْهَمْزَة وَضَمّهَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ قُدْوَة "حَسَنَة فِي إِبْرَاهِيم" أَيْ بِهِ قَوْلًا وَفِعْلًا "وَالَّذِينَ مَعَهُ" مِنْ الْمُؤْمِنِينَ "إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآء" جَمْع بَرِيء كَظَرِيفٍ "مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُون اللَّه كَفَرْنَا بِكُمْ" أَنْكَرْنَاكُمْ "وَبَدَا بَيْننَا وَبَيْنكُمْ الْعَدَاوَة وَالْبَغْضَاء أَبَدًا" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة وَاوًا "حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاَللَّهِ وَحْده إِلَّا قَوْل إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَن لَك" مُسْتَثْنَى مِنْ أُسْوَة فَلَيْسَ لَكُمْ التَّأَسِّي بِهِ فِي ذَلِكَ بِأَنْ تَسْتَغْفِرُوا لِلْكُفَّارِ وَقَوْله "وَمَا أَمْلِك لَك مِنْ اللَّه" أَيْ مِنْ عَذَابه وَثَوَابه "مِنْ شَيْء" كَنَّى بِهِ عَنْ أَنَّهُ لَا يَمْلِك لَهُ غَيْر الِاسْتِغْفَار فَهُوَ مَبْنِيّ عَلَيْهِ مُسْتَثْنًى مِنْ حَيْثُ الْمُرَاد مِنْهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ ظَاهِره مِمَّا يُتَأَسَّى فِيهِ "قُلْ فَمَنْ يَمْلِك لَكُمْ مِنْ اللَّه شَيْئًا" وَاسْتِغْفَاره لَهُ قَبْل أَنْ يَتَبَيَّن لَهُ أَنَّهُ عَدُوّ لِلَّهِ كَمَا ذَكَرَهُ فِي "بَرَاءَة" "رَبّنَا عَلَيْك تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْك أَنَبْنَا وَإِلَيْك الْمَصِير" مِنْ مَقُول الْخَلِيل وَمَنْ مَعَهُ أَيْ قَالُوا ،

بیشک تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام میں اوران کے ساتھیوں یعنی اہل ایمان میں بہترین نمونہ اقتداء ہے، یہاں پر لفظ اسوہ یہ ہمزہ کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ بھی دونوں مقامات پر آیا ہے۔جس کا معنی قدوۃ ہے۔یعنی بہ طور قول وفعل نمونہ ہے۔جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم تم سے اوران بتوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو کلیتہً بیزار اور لاتعلق ہیں، یہاں پر لفظ براء یہ بریء کی جمع ہے جس طرح ظریف کی جمع ظرفاء ہے۔ہم نے تم سب کا کھلا انکار کیا ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت وعناد ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو چکا، یہاں پر لفظ اَبدا میں دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ ابدال ثانیہ کا واؤ کے ساتھ آتا ہے۔یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ، مگر ابراہیم علیہ السلام کا اپنے پرورش کرنے والے باپ سے یہ کہنا کہ میں تمہارے لئے ضرور بخشش طلب کروں گا، یہ اسوہ سے مستثنیٰ ہے۔کیونکہ تمہارے لئے یہ درست نہیں ہے کہ تم کفار کیلئے استغفار کرنے لگو۔پس آپ کا استغفار یہ استثناء کی بنیاد پر تھا۔اور یہ کہ میں تمہارے لئے اللہ کے حضور کسی چیز یعنی عذاب وثواب کا مالک نہیں ہوں۔اور یہ استغفار ان کی اللہ سے عداوت کے اظہار سے پہلے کا تھا۔جس طرح سورہ برات میں بیان ہوا ہے۔اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا اور ہم نے تیری طرف ہی رجوع کیا اور سب کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کا قول ہے یعنی انہوں نے کہا۔

دین ابراہیم کا باعث اسوہ ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار سے موالات اور دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرما کر ان کے سامنے اپنے خلیل اوران کے

اصحاب کا نمونہ پیش کر رہا ہے کہ انہوں نے صاف طور پر اپنے رشتہ کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا فرما دیا کہ ہم تم سے اور جنہیں تم پوجتے ہو ان سے بیزار بری الذمہ اور الگ تھلگ ہیں، ہم تمہارے دین اور طریقے سے متنفر ہیں، جب تک تم اسی طریقے اور اسی مذہب پر ہو تم ہمیں اپنا دشمن سمجھو ناممکن ہے کہ برادری کی وجہ سے ہم تمہارے اس کفر کے باوجود تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھیں، ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تمہیں ہدایت دے اور تم اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لے آؤ اس کی توحید کو مان لو اور اسی ایک کی ابدت شروع کر دو اور جن جن کو تم نے اللہ کا شریک اور ساجھی ٹھہرا رکھا ہے اور جن جن کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو ان سب کو ترک کر دو اپنی اس روش کفر اور طریق شرک سے ہٹ جاؤ تم پھر بیشک ہمارے بھائی ہو ہمارے عزیز ہو ورنہ ہم میں تم میں کوئی اتحاد و اتفاق نہیں ہم تم سے اور تم ہم سے علیحدہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ممتحنہ، بیروت)

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○
اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا جنھوں نے کفر کیا اور ہمیں بخش دے
اے ہمارے رب! یقیناً تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

فتنوں سے بچنے کیلئے دعا مانگنے کا بیان

"رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا" أَيْ لَا تُظْهِرهُمْ عَلَيْنَا فَيَظُنُّوا أَنَّهُمْ عَلَى الْحَقّ فَيُفْتَنُوا أَيْ تَذْهَب عُقُولهمْ بِنَا "وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّك أَنْتَ الْعَزِيز الْحَكِيم" فِي مُلْكك وَصُنْعك،

اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا جنھوں نے کفر کیا یعنی ان کو ہم پر غالب نہ کرنا کہیں وہ یہ گمان نہ کر بیٹھیں کہ وہی حق پر ہیں لہٰذا وہ فتنے میں مبتلاء ہو جائیں اور ان کے دماغ خراب ہو جائیں۔ اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب! یقیناً تو ہی اپنے ملک وصنعت میں سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

فتنہ کے مفہوم کا بیان

"فتن" اصل میں فتنہ کی جمع ہے جیسا کہ محن محنہ کی جمع آتی ہے فتنہ کے مختلف معنی ہیں مثلاً آزمائش وامتحان، ابتلا، گناہ، فضیحت، عذاب، مال ودولت، اولاد، بیماری، جنون، محنت، عبرت، گمراہ کرنا و گمراہ ہونا اور کسی چیز کو پسند کرنا اور اس پر فریفتہ ہونا نیز لوگوں کی رائے میں اختلاف پر بھی فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

لوگوں کے دلوں پر کثیر فتنے ڈالے جانے کا بیان

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "لوگوں کے دلوں پر فتنے اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح چٹائی کے تنکے ہوتے ہیں یعنی جس طرح چٹائی میں تنکے ایک کے پیچھے ایک لگائے جاتے ہیں اسی طرح سے دلوں پر ایک کے بعد ایک فتنے ڈالے جائیں گے پس جو دل ان فتنوں کو قبول کرے گا اس میں سیاہ

نکتہ ڈال دیا جائے گا اور جو دل ان فتنوں کو قبول کرنے سے انکار کرے گا اس میں سفید نکتہ پیدا کر دیا جائے گا پس انسان ان فتنوں کے پیش آنے اور ان کے دلوں پر ان فتنوں کی تاثیر و عدم تاثیر کے اعتبار سے دو قسموں میں بٹ جائیں گے (یا یہ کہ انسان کے دل مذکورہ اعتبار کے مطابق دو قسم کے ہو جائیں گے) ایک تو سفید مثل سنگ مرمر کے کہ جس پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی واضح رہے کہ اس تشبیہ میں محض سفیدی مراد نہیں ہے بلکہ سختی اور قوت کا اعتبار بھی ملحوظ رکھا گیا ہے چنانچہ اس طرح کے دل پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز اور مسرت رساں نہیں ہوگا جب تک کہ زمین و آسمان قائم و باقی ہیں (یعنی اس دل کی یہ کیفیت ہمیشہ باقی رہے گی) اور دوسرا راکھ کے رنگ جیسا سیال دل، اوندھے برتن کی مانند (کہ اس میں جو کچھ بھی ہو گر پڑے، مطلب یہ کہ اس طرح کا دل راکھ کی مانند سیاہ اور اوندھے برتن کی طرح ایمان و معرفت کے نور سے خالی ہوگا چنانچہ اس طرح کا دل نہ تو نیک و اچھے اور مشروع کاموں کو پہچانے گا اور نہ برے کاموں کو برا جانے گا، وہ تو بس اس چیز سے مطلب رکھے گا جو از قسم خواہشات اس میں رچ بس گئی ہے اور جس کی محبت کا وہ اسیر بن چکا ہے۔ (یعنی وہ طبعی طور پر نفسانی خواہشات کا غلام ہوگا اور اچھی و بری کا امتیاز کئے بغیر ہر اس چیز کے پیچھے بھاگے گا جو اس کے نفس کو مرغوب ہوگی۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1312)

فتنوں کے سبب لوگوں کا کفر کی طرف چلے جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اعمال صالحہ میں جلدی کرو قبل اس کے کہ وہ فتنے ظاہر ہو جائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے اور ان فتنوں کا اثر ہوگا کہ آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر بن جائے گا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کفر کی حالت میں اٹھے گا، نیز اپنے دین و مذہب کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کے عوض بیچ ڈالے گا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1315)

اعمال صالحہ میں جلدی کرو" کی ہدایت کا حاصل یہ ہے کہ اس تغیر پذیر دنیا کو کسی ایک رخ پر قرار نہیں اور وقت حالت کا بہاؤ ایک ہی سمت نہیں رہتا، اگر اب ایسے حالات ہیں جو عقیدہ و عمل کا رخ صحیح سمت رکھنے میں معاون بنتے ہیں تو بعد میں ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں جو فکر و نظریات اور عقیدہ و عمل کا سفر ٹھیک رخ پر جاری رکھنے میں زبردست رکاوٹ پیدا کر دیں اور ایسے میں کم ہی انسان ایسے ہوتے ہیں جن کے ذہن و فکر اور دل و دماغ ان حالات کی تاثیر سے محفوظ رہ پائیں اور جن کے اعمال صالحہ میں رکاوٹ نہ پیدا ہوتی ہو، پس جس شخص کو جو بھی موقع ملے اس میں اچھے کام اور نیک عمل کرنے میں جلدی کرنی چاہئے اور جس قدر بھی اعمال کئے جا سکتے ہوں کر لئے جائیں کیونکہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ آنے والا وقت کیا فتنے لے کر آئے اور پھر اعمال صالحہ اختیار کرنے کا موقع بھی مل سکے یا نہیں۔ "فتنوں" کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آنے والے فتنوں کے بارے میں کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ کب اور کیوں نمودار ہوں گے اور ان سے چھٹکارے کی راہ کیا ہوگی، لہٰذا ان آنے والے فتنوں سے پہلے ہی اعمال صالحہ کے ذریعے اپنی دینی زندگی کو مضبوط و مستحکم بنالو، آنے والے وقت کا انتظار نہ کرو کیونکہ اس وقت دین و شریعت کے تعلق سے سخت ترین آفات و مصائب میں اس طرح گم ہو کر رہ جاؤ گے کہ نیک کام کرنے کا موقع ہی نہ پا سکو گے۔ وہ

وقت لوگوں کے ذہن وفکر اور اعمال وکردار پر کتنا برا اثر ڈالے گا اور وہ فتنے کس قدر سریع الاثر ہوں گے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ مثلاً آدمی جب صبح کو اٹھے گا تو ایمان یعنی اصل ایمان یا کمال ایمان کے ساتھ متصف ہوگا لیکن شام ہوتے ہوتے کفر کے اندھیروں میں پہنچ جائے گا۔ رہی یہ بات کہ کفر سے کیا مراد ہے؟ تو ہوسکتا ہے کہ اصل کفر مراد ہو، یعنی وہ شخص واقعۃ کفر کے دائرہ میں داخل ہو جائے گا یا یہ مراد ہے کہ وہ کفران نعمت کرنے والا ہو جائے گا، یا وہ کافروں کی مشابہت اختیار کرلے گا اور یا یہ کہ وہ ایسے کام کرنے لگے گا جو صرف کافر ہی کرتے ہیں۔

اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ جملہ کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً ایک شخص جب صبح کو اٹھے گا تو اس چیز کو حلال جانتا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور اس چیز کو حرام جانتا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، لیکن شام ہوتے ہوتے اس کے ذہن وفکر اور اس کے عقیدے میں اس طرح انقلاب آجائے گا کہ وہ اس چیز کو حرام سمجھنے لگے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور اس چیز کو حلال سمجھنے لگے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

اس پر جملہ کے دوسرے جزء یعنی شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کفر کی حالت میں اٹھے گا۔ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ عام لوگ ان فتنوں کی وجہ سے دین وشریعت کے معاملات میں تذبذب وتردد کا شکار ہو جائیں اور نام نہاد دانشور وعالم اور دنیادار مقتداؤں کے پیچھے چلنے لگیں گے۔

مظہر نے کہا ہے کہ مذکورہ صورت حال کے کئی وجوہ واسباب اور مختلف مظاہر ہوں گے ایک تو یہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا اور وہ مخالف گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ پس ان کے درمیان محض عصبیت اور بغض وعناد کی وجہ سے خونریزی ہوگی اور دونوں گروہوں کے لوگ اپنے مخالفین کے جان ومال کو نقصان پہنچانے اور ایک دوسرے کی آبروریزی کرنے کو حلال وجائز جانیں گے، دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے حاکم وامراء ظلم وجور کا شیوہ اپنالیں گے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کا ناحق خون بہائیں گے، زور زبردستی ان کا مال لیں گے زنا کاری کریں گے، شراب پئیں گے اور دوسرے حرام امور کا ارتکاب کریں گے، لیکن ان کی صریح زیادتیوں اور بدکاریوں کے باوجود بعض لوگ یہ عقیدہ رکھیں گے اور دوسرے حرام امور کا ارتکاب کریں گے۔

لیکن ان کی بدعقیدگی کے اس فتنہ میں مبتلا کرنے والے وہ نام نہاد علماء ہوں گے جن کو علماء سو کہا جاتا ہے۔ ان کی طرف سے بے محابا ان امراء وحکام کے ان کاموں کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا جو وہ مسلمانوں کی خونریزی اور حرام امور کے ارتکاب کی صورت میں کریں گے اور تیسرے یہ کہ عام مسلمانوں میں جہالت اور دین کی ناواقفیت کی وجہ سے جو برائیاں پھیل جائیں گی اور ان سے جن غیر شرعی امور کا صدور ہوگا جیسے خرید وفروخت کے معاملات اور دوسرے سماجی امور وتعلقات میں دین وشریعت کے احکام کی خلاف ورزی، ان کو حلال وجائز مانیں گے۔

اور حضرت شیخ عبدالحق نے یہ لکھا ہے کہ مذکورہ صورت حال اس وجہ سے پیدا ہوگی کہ لوگ اپنے اغراض ومنافع کی خاطر، دنیادار امراء وحکام اور اہل دولت وثروت سے میل جول رکھیں گے ان سے حاجت روائی کی امید میں ان کے ہاں گھستے پھریں گے

ان کی حاشیہ نشینی اور مصاحبت کو بڑا اعزاز سمجھیں گے، پس اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ان کے تابع محض اور جی حضوری بن جائیں گے اور ان کے خلاف شریعت امور ومعاملات میں ان کی موافقت تائید کرنے پر مجبور ہوں گے۔

آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا الخ" کے ایک معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ آدمی صبح کو اٹھے گا تو اپنے مسلمان بھائی کے خون اور مال وعزت کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھنے کے سبب ایمان کی حالت میں ہوگا مگر شام ہوتے ہوتے ہوئے اس کے عقیدے میں تبدیلی آ جائے گی اور وہ اپنے مسلمان بھائی کے خون اور مال کو حلال سمجھنے لگے گا اور اس کے سبب وہ کافر قرار دیا جائے گا یہ معنی اختیار کرنے کی صورت میں فتنوں سے مراد جنگ وقتال ہوگا۔ لیکن اس جملہ کے جو معنی پہلے بیان کئے گئے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کے زیادہ مناسب ہیں۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ
وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝
بیشک تمہارے لئے ان میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے،
اور جو شخص رُوگردانی کرتا ہے تو بیشک اللہ بےنیاز اور لائق ہر حمد وثناء ہے۔

اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر امید رکھنے والے کا بیان

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ" يَا أُمَّةَ مُحَمَّد جَوَاب قَسَم مُقَدَّر "فِيهِمْ أُسْوَة حَسَنَة لِمَنْ كَانَ" بَدَل اشْتِمَال مِنْ كُمْ بِإِعَادَةِ الْجَار "يَرْجُوا اللّٰه وَالْيَوْم الْآخِر" أَيْ يَخَافهُمَا أَوْ يَظُنّ الثَّوَاب وَالْعِقَاب "وَمَنْ يَتَوَلَّ" بِأَنْ يُوَالِي الْكُفَّار "فَإِنَّ اللّٰه هُوَ الْغَنِيّ" عَنْ خَلْقه "الْحَمِيد" لِأَهْلِ طَاعَته،

اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک تمہارے لئے ان میں بہترین نمونہ اِقتداء ہے یہاں قسم مقدر کا جواب ہے۔ جو من کم اعادہ جار سے بدل اشتمال ہے۔ خاص طور پر ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی بارگاہ میں حاضری کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے، یعنی وہ کفار کی دوستی سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ ثواب وعذاب پر یقین رکھتا ہے۔ اور جو شخص کفار سے دوستی رکھ کر رُوگردانی کرتا ہے تو بیشک اللہ اپنی مخلوق سے بے نیاز اور اہل طاعت کیلئے لائق ہر حمد وثناء ہے۔

ملت ابراہیمی میں اسوہ حسنہ ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ مومنین سے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھ والے لوگوں انبیاء واولیاء میں مشرک قرابت داروں کے ساتھ عداوت رکھنے میں تمہارے لیے ایک نمونہ ہے جس کی پیروی ضروری ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے محض اللہ کے لیے مومنو کو اپنے مشرک قرابت داروں کا دشمن بنا دیا انہوں نے اپنے مشرک قرابت داروں سے عداوت اور براءت کا اظہار کیا اللہ کو اس صورت حال پر مومنوں کے احساسات کی سنگینی کا علم ہو گیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی عسی اللہ ان یجعل بینم۔ پھر اللہ نے

یہ یوں کر دیکھایا کہ مشرکوں میں سے کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا اس طرح یہ لوگ مومنوں کے دوست اور بھائی بن گئے اللہ نے انہیں آپس میں گھلا ملا دیا اور ان کے درمیان مناکحت قائم رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیا بن حرب کی بیٹی ام حبیبہ سے شادی کر لی اسی طرح ابوسفیان ان کے لیے نرم ہو گیا جب اسے یہ اطلاع ملی تو وہ ابھی شرک ہی کی حالت میں تھی۔ اس نے کہا کہ ذاك الفحل لایقرع انفه۔ یعنی آپ ایسے نر ہیں جن کی ناک نہیں کاٹ سکتی بالفاظ اگر آپ کی عزت پر کسی قسم کا داغ نہیں لگ سکتا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ممتحنہ، بیروت)

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ
وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
قریب ہے کہ اللہ تمھارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم ان میں سے دشمنی رکھتے ہو، دوستی پیدا کر دے
اور اللہ بہت قدرت رکھنے والا ہے اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خاطر دوستی ودشمنی رکھنے کا بیان

"عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ" مِنْ كُفَّارِ مَكَّةَ طَاعَةً لِلّٰهِ تَعَالَى "مَوَدَّةً" بِأَنْ يَهْدِيَهُمْ لِلْإِيمَانِ فَيَصِيرُوا لَكُمْ أَوْلِيَاءَ "وَاللّٰهُ قَدِيرٌ" عَلَى ذٰلِكَ وَقَدْ فَعَلَهُ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ "وَاللّٰهُ غَفُورٌ" لَهُمْ مَا سَلَفَ "رَحِيمٌ" بِهِمْ،

قریب ہے کہ اللہ تمھارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم ان میں یعنی کفار مکہ سے اللہ کی طاعت کیلئے دشمنی رکھتے ہو، دوستی پیدا کر دے یعنی وہ ان کو ایمان کی توفیق عطا کر دے۔ لہٰذا وہ بھی تمہارے دوست بن جائیں گے۔ اور اللہ بہت قدرت رکھنے والا ہے یعنی ایسا کرنے پر اور یقیناً فتح مکہ کے بعد ایسا ہی ہوا۔ اور جو گزر گیا ان کیلئے اس کو اللہ بے حد بخشنے والا، ان کے ساتھ نہایت رحم والا ہے۔

سورت ممتحنہ آیت ۷ کے سبب نزول کا بیان

حضرت مقاتل بن حیان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت ابوسفیان صخر بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کی صاحبزادی صاحبہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا تھا اور یہی مناکحت محبت کا سبب بن گئی، لیکن یہ قول کچھ جی کو نہیں لگتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح فتح مکہ سے بہت پہلے ہوا تھا اور حضرت ابوسفیان کا اسلام بالاتفاق فتح مکہ کی رات کا ہے، بلکہ اس سے بہت اچھی توجیہ تو وہ ہے۔ جو ابن ابی حاتم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کو کسی باغ کے پھلوں کا عامل بنا رکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد یہ آ رہے تھے کہ راستے میں ذوالحمار مرتد ل گیا آپ نے اس سے جنگ کی اور باقاعدہ لڑے پس مرتدین سے پہلے پہل لڑائی لڑنے والے مجاہد فی الدین آپ ہیں، حضرت ابن

شہاب کا قول ہے کہ انہی کے بارے میں یہ آیت عسی اللہ الخ، اتری ہے، صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری تین درخواستیں ہیں اگر اجازت ہو تو عرض کروں آپ نے فرمایا کہو اس نے کہا اول تو یہ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ جس طرح میں کفر کے زمانے میں مسلمانوں سے مسلسل جنگ کرتا رہا اب اسلام کے زمانہ میں کافروں سے برابر لڑائی جاری رکھوں آپ نے اسے منظور فرمایا، پھر کہا میرے لڑکے معاویہ کو اپنا منشی بنا لیجئے آپ نے اسے بھی منظور فرمایا (اس پر جو کلام ہے وہ پہلے گذر چکا ہے) اور میری بہترین عرب بچی ام حبیبہ کو آپ اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں، آپ نے یہ بھی منظور فرمالیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ممتحنہ، بیروت)

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ
اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝
اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ
تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

عدل وانصاف کرنے کا بیان

"لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ" مِنَ الْكُفَّار "فِي الدِّين وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ" بَدَل اشْتِمَال مِنَ الَّذِينَ "وَتُقْسِطُوا" تَقْضُوا "إِلَيْهِمْ" بِالْقِسْطِ أَيْ بِالْعَدْلِ وَهٰذَا قَبْلَ الْأَمْر بِجِهَادِهِمْ "إِنَّ اللّٰهَ يُحِبّ الْمُقْسِطِينَ" الْعَادِلِينَ،

اللہ تمھیں ان لوگوں یعنی ان کفار سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا، کہ تم ان سے نیک سلوک کرو، جو الذین سے بدل اشتمال ہے۔ اور ان کے حق میں انصاف کرو، یہ حکم بھی جہاد والے حکم سے پہلے کا ہے۔ یقیناً اللہ عدل وانصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

سورت ممتحنہ آیت ۸ کے شان نزول کا بیان

اسماء بنت ابوبکر کہتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس رغبت سے آئیں تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں؟ آپ نے اجازت دے دی اس بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ قتیلہ اپنی بیٹی اسماء بنت ابوبکر کے پاس آئی ابوبکر نے اسے زمانہ جاہلیت میں طلاق دے دی تھی۔ یہ اپنی بیٹی کے پاس تحائف لائی تو اسماء نے اس سے وہ تحائف قبول کرنے سے یا اسے گھر میں داخل کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ نے تحائف قبول کرنے اور اسے گھر میں داخل کرنے کی اجازت دے دی اس موقع پر اللہ نے یہ

آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت خزاعہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ نہ آپ سے قتال کریں گے نہ آپ کے مخالف کو مدد دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اجازت دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے فرمایا کہ یہ آیت ان کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ان کی والدہ مدینہ طیبہ میں ان کے لئے تحفے لے کر آئی تھیں اور تھیں مشرکہ، تو حضرت اسماء نے ان کے ہدایا قبول نہ کئے اور انہیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہ دی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی کہ انہیں گھر میں بلائیں ان کے ہدایا قبول کریں ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ (سیوطی 294، زادالمیسر 8۔236، قرطبی 18۔59،)

مشرک والدین سے صلہ رحمی کرنے کا بیان

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میری والدہ شرک کی حالت میں مکہ سے مدینہ آئیں جبکہ قریش کے ساتھ صلح کا زمانہ تھا یعنی مدینہ میں میری والدہ کے آنے کا یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جبکہ صلح حدیبیہ کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا تھا اور میری والدہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئی تھیں چنانچہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ میرے پاس آئیں ہیں اور وہ اسلام سے بےزار ہیں کیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 844)

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا
عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ ۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
اللہ تو تمہیں انہی لوگوں سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمہیں تمھارے گھروں سے نکالا
اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو۔ اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

سرکش کفار سے دوستی کرنے کی ممانعت کا بیان

"اِنَّمَا یَنْھَاکُمْ اللّٰہ عَنْ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْن وَأَخْرَجُوْکُمْ مِنْ دِیَارکُمْ وَظَاھَرُوْا" عَاوَنُوْا "عَلٰی إِخْرَاجکُمْ أَنْ تَوَلَّوْھُمْ" بَدَل اشْتِمَال مِنْ الَّذِیْنَ أَیْ تَتَّخِذُوْھُمْ أَوْلِیَاء

اللہ تو تمہیں انہی لوگوں سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمہیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو۔ یہ بھی الذین سے بدل اشتمال ہے۔ یعنی جن سے تم دوستی کرتے ہو اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

حربی کفار سے ترک موالات وغیرہ کا بیان

اس آیت میں ان کفار کا بیان ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ وقتال کررہے ہوں اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں کوئی حصہ لے رہے ہوں، ان کے بارے میں ارشاد یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موالات اور دوستی سے منع فرماتا ہے، اس میں برواحسان کا معاملہ کرنے کی ممانعت نہیں، بلکہ صرف قلبی دوستی اور دوستانہ تعلقات کی ممانعت ہے اور یہ ممانعت کچھ ان میں برسرپیکار دشمنوں کے ساتھ نہیں بلکہ اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی قلبی موالات اور دوستی جائز نہیں۔

اس سے تفسیر مظہری میں یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حربی یعنی برسرجنگ کفار کے ساتھ عدل وانصاف تو اسلام میں ضروری ہے ہی اور ممانعت صرف موالات یعنی دوستی کی کی گئی، برواحسان کی ممانعت نہیں کی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محسنانہ سلوک برسرپیکار دشمنوں کے ساتھ بھی جائز ہے، البتہ دوسری نصوص کی بنا پر یہ شرط ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے سے مسلمانوں کو کسی نقصان وضرر کا خطرہ نہ ہو، جہاں یہ خطرہ ہو وہاں برواحسان ان پر جائز نہیں، ہاں عدل وانصاف ہر حال میں ہر شخص کیلئے ضروری اور واجب ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ ممتحنہ، لاہور)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ
يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ
ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○
اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انہیں اچھی طرح جانچ لیا کرو، اللہ ان کے ایمان سے خوب
آگاہ ہے، پھر اگر تمہیں ان کے مومن ہونے کا یقین ہو جائے تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ بھیجو، نہ یہ ان کے لئے حلال ہیں اور
نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں، اور ان نے جو خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو، اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جبکہ تم ان کا
مہر انہیں ادا کر دو، اور تم بھی کافر عورتوں کو عقد نکاح میں نہ روکے رکھو اور تم وہ طلب کر لو جو تم نے خرچ کیا تھا اور وہ وہ مانگ لیں جو
انہوں نے خرچ کیا تھا، یہی اللہ کا حکم ہے، اور وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما رہا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین کے ہاں سے آنے والی مہاجرات کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَات" بِأَلْسِنَتِهِنَّ "مُهَاجِرَات" مِنَ الْكُفَّار بَعْد الصُّلْح مَعَهُمْ فِي الْحُدَيْبِيَة عَلَى أَنَّ مَنْ جَاءَ مِنْهُمْ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ يُرَدّ "فَامْتَحِنُوهُنَّ" بِالْحَلِفِ عَلَى

أَنَّهُنَّ مَا خَرَجْنَ إِلَّا رَغْبَةً فِي الْإِسْلَام لَا بُغْضًا لِأَزْوَاجِهِنَّ الْكُفَّار وَلَا عِشْقًا لِرِجَالٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ كَذَا كَانَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَلِّفهُنَّ "اللّٰه أَعْلَم بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ" ظَنَنْتُمُوهُنَّ بِالْحَلِفِ "مُؤْمِنَات فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ" تَرُدُّوهُنَّ "إِلَى الْكُفَّار لَا هُنَّ حِلّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُمْ" أَيْ أَعْطُوا الْكُفَّار أَزْوَاجهنَّ "مَا أَنْفَقُوا" عَلَيْهِنَّ مِنْ الْمُهُور "وَلَا جُنَاح عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ" بِشَرْطِهِ "إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورهنَّ" مُهُورهنَّ "وَلَا تُمَسِّكُوا" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف "بِعِصَمِ الْكَوَافِر" زَوْجَاتكُمْ لِقَطْعِ إِسْلَامكُمْ لَهَا بِشَرْطِهِ أَوْ الْحِقَات بِالْمُشْرِكِينَ مُرْتَدَّات لِقَطْعِ ارْتِدَادهنَّ نِكَاحكُمْ بِشَرْطِهِ "وَاسْأَلُوا" اُطْلُبُوا "مَا أَنْفَقْتُمْ" عَلَيْهِنَّ مِنْ الْمُهُور فِي صُورَة الِارْتِدَاد مِمَّنْ تَزَوَّجَهُنَّ مِنْ الْكُفَّار "وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا" عَلَى الْمُهَاجِرَات كَمَا تَقَدَّمَ أَنَّهُمْ يُؤْتُونَهُ "ذَلِكُمْ حُكْم اللّٰه يَحْكُم بَيْنكُمْ" بِهِ

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں یعنی جب کفار سے حدیبیہ میں اس معاہدہ پر صلح ہوگئی کہ جو بھی ان میں سے اہل ایمان کی طرف آئے گا اس کو لوٹا دیا جائے گا۔ تو انہیں حلف سے اچھی طرح جانچ لیا کرو، کہ وہ عورتیں اسلام سے رغبت رکھنے کی وجہ سے آئی ہیں۔ یا اپنے کفار شوہروں کے خلاف بغض کی وجہ سے آئی ہیں۔ اور نہ ہی وہ مسلمانوں میں سے کسی کو پسند کرنے کیلئے آئی ہوں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ایسے قسم لیا کرتے تھے۔ اللہ ان کے ایمان کی حقیقت سے خوب آگاہ ہے، پھر اگر تمہیں حلف کے ذریعے ان کے مومن ہونے کا یقین ہو جائے تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ بھیجو، نہ یہ مومنات ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومن عورتوں کے لئے حلال ہیں، اور ان کافروں نے جو مال بصورتِ مَہر ان پر خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو، اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جبکہ تم ان عورتوں کا مَہر انہیں ادا کر دو، اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے عقدِ نکاح میں نہ روکے رکھو، یہاں پر لفظ تمسکوا تشدید و تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ کیونکہ تمہاری ازواج تمہارے اسلام لانے کی وجہ سے منقطع ہوگئی ہیں یا وہ مشرکین سے مل کر مرتد ہونے کی وجہ سے منقطع ہوگئی ہیں۔ کیونکہ جب انہوں نے ارتداد کرتے ہوئے مشرکین سے نکاح کیا ہے۔

اور تم کفار سے وہ مال طلب کر لو جو تم نے اُن عورتوں پر بصورتِ مَہر خرچ کیا تھا اور وہ کفار تم سے وہ مال مانگ لیں جو انہوں نے اِن عورتوں پر بصورتِ مَہر خرچ کیا تھا، یعنی جس طرح پہلے ان کو دیا کرتے تھے۔ یہی اللہ کا حکم ہے، اور وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما رہا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

سورت ممتحنہ آیت ۱۰ کے شان نزول کا بیان

شیخین نے مسور اور مروان بن حکم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ کے دن کفار قریش سے معاہدہ کیا تو آپ کے پاس مومن عورتیں آ گئیں اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ۔

حضرت عبداللہ بن ابی احمد سے سند ضعیف کے ساتھ روایت ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط نے صلح کے دوران ہجرت کی تو ان کے دو بھائی عمارہ بن عتبہ اور ولید بن عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ام کلثوم کے بارے میں آپ سے بات کی کہ اسے واپس لوٹا دیں تو اللہ نے عورتوں کے معاملے میں مشرکین سے معاہدہ کو توڑ دیا مشرکین کی طرف سے عورتوں کو لوٹانے سے منع فرما دیا اور یہ آیت امتحان نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے یزید بن ابی حبیب سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوحسان دحداحہ کی بیوی امیمہ بنت بشر کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور مقاتل نے نقل کیا ہے کہ ایک سعیدہ نامی عورت صیفی بن راہب کے ہاں جو کہ مکہ میں مشرک تھا ہی صلح کے دور میں مدینہ آ گئی تو مشرکین نے کہا اسے واپس لوٹاؤ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے زہری سے نقل کیا ہے کہ یہ آپ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ حدیبیہ کی نچلی جانب میں تھے اور آپ نے مشرکین سے اس بات پر صلح کر لی تھی جو بھی آپ کے پاس آئے گا آپ اسے مشرکین کو لوٹا دیں گے جب آپ کے پاس عورتیں آئیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب اسلام لے آئے اور ان کی بیوی مشرکین میں پیچھے رہ گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ" اور کافر عورتوں کو ناموس کو قبضے میں نہ رکھو۔ (سیوطی 295، نیسابوری 349، زاد المسیر 8۔238، قرطبی 18۔61)

صلح حدیبیہ اور مہاجرین و مہاجرات کے احوال کا بیان

سورہ فتح کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے، اس صلح کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے آپ اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں، لیکن قرآن کریم نے ان میں سے ان عورتوں کو مخصوص کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو بھی وہ سچی ایمان دار تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ دیں، حدیث شریف کی تخصیص قرآن کریم سے ہونے کی یہ ایک بہترین مثال ہے اور بعض سلف کے نزدیک، یہ آیت اس حدیث کی ناسخ ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی آئیں، ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید ان کے واپس لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنا پس یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کر دی گئی، حضرت ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ فرمایا اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے نہیں چلی آئی صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لئے بطور سیر و سیاحت نہیں آئی کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں آئی بلکہ صرف اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اسلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں، قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزمالینا یہ کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا۔

اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور لاشریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں، اگر آزمائش میں کسی غرض دنیوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹا دینے کا حکم تھا۔ مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی کی ان بن کی وجہ سے یا کسی اور شخص کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ، اس آیت کے اس جملہ سے کہ اگر تمہیں معلم ہو جائے کہ یہ با ایمان عورت ہے تو پھر اسے کافروں کی طرف مت لوٹاؤ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور پر مطلع ہو جانا ممکن امر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں، اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا ورنہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا، جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمہ تھیں، بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے تھے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔

حضرت زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار ان کے فدیئے میں بھیجا تھا کہ یہ آزاد ہو کر آئیں جسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پسند کرتے ہو تو اسے رہا کر دو مسلمانوں نے بہ خوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور فرما دیا کہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس مدینہ میں بھیج دیں انہوں نے اسے منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیج بھی دیا، یہ واقعہ سنہ 2 ہجری کا ہے، حضرت زینب نے مدینہ میں ہی اقامت فرمائی اور یونہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ سنہ 8 ہجری میں ان کے خاوند حضرت ابوالعاص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضور نے پھر اسی اگلے نکاح بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا اور روایت میں ہے کہ دو سال کے بعد حضرت ابوالعاص مسلمان ہو گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پہلے نکاح پر حضرت زینب کو لوٹا دیا تھا یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح ہوا اور نیا مہر بندھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یزید نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور وہ روایت از روئے اسناد کے بہت اعلیٰ اور دوسری روایت کے راوی حضرت عمرو بن شعیب ہیں اور عمل اسی پر ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیب والی روایت کے ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ضعیف بتاتے ہیں، حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے ممکن ہے ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو، اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے، ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے گا اگر چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اسی پر ابن عباس والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر

خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔ پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جانا ولی کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ممتحنہ، بیروت)

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ
مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝
اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر تم جنگ میں غالب آ جاؤ اور مال غنیمت پاؤ تو ان
لوگوں کو جن کی عورتیں چلی گئی تھیں اس قدر ادا کر دو جتنا وہ خرچ کر چکے تھے، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

دار الحرب سے ہجرت کر کے آنے والی خواتین سے متعلق احکام کا بیان

"وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ" أَيْ وَاحِدَة فَأَكْثَر مِنْهُنَّ أَوْ شَيْء مِنْ مُهُورهنَّ بِالذَّهَابِ "إِلَى الْكُفَّار" مُرْتَدَّات "فَعَاقَبْتُمْ" فَغَزَوْتُمْ وَغَنِمْتُمْ "فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجهمْ" مِنْ الْغَنِيمَة "مِثْل مَا أَنْفَقُوا" لِفَوَاتِهِ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَة الْكُفَّار "وَاتَّقُوا اللَّه الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ" وَقَدْ فَعَلَ الْمُؤْمِنُونَ مَا أُمِرُوا بِهِ مِنْ الْإِيتَاء لِلْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِينَ ثُمَّ ارْتَفَعَ هَذَا الْحُكْم،

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے اور وہ ایک بیوی ہو یا زیادہ ہوں یا ان کے مہر میں سے کچھ رہ گیا ہو اور وہ مرتد ہو کر کفار کی طرف چلی گئیں ہیں۔ پھر جب تم جنگ میں غالب آ جاؤ اور مال غنیمت پاؤ تو اس میں سے ان لوگوں کو جن کی عورتیں چلی گئی تھیں اس قدر مال ادا کر دو جتنا وہ اُن کے مہر میں خرچ کر چکے تھے، کیونکہ کفار سے ان کا نفقہ کفار کی جانب سے ختم ہو چکا ہے۔ اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور اہل ایمان نے اس پر عمل کیا جس کا انہیں حکم دیا گیا اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

سورت ممتحنہ آیت ۱۱ کے شان نزول کا بیان

حضرت حسن سے اس آیت کے بارے میں روایت ہے کہ یہ آیت ام حکم بنت ابی سفیان کے بارے میں نازل ہوئی یہ مرتد ہو گئی اور اس سے قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے نکاح کر لیا قریش میں سے اس کے علاوہ اور کوئی عورت مرتد نہیں ہوئی۔

(سیوطی 295، زاد المسیر 8۔243)

اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مسلمان کی کچھ عورتیں اگر کفار کے قبضہ میں آ جائیں تو شرط صلح کے ماتحت اوروں پر لازم تھا کہ ان کے مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس کریں جیسا کہ مسلمانوں کی طرف سے مہاجرات کے کافر شوہروں کو ان کا مہر واپس کیا گیا، لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمانوں عورتوں کے مہر ان کو ادا نہ کئے تو ان کیلئے عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ

لے لو اس طرح کہ کفار مکہ کو جو رقم مہاجرات کے مہر کی ادا کرنا تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو تو اس کا حکم یہ ہے کہ "فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَھَبَتْ اَزْوَاجُھُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا" یعنی تم اس رقم میں سے جو مہاجرات کے مہر کی روک لی گئی، ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے مہر وغیرہ ادا کر دو جن کی عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں آ گئی ہیں۔

دوسرے معنی عاقبتم، عقبتم، اعقبتم کے جنگ میں مال غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہیں اور اس آیت میں لفظ عاقبتم کی یہ تینوں قراتیں بھی مختلف قراء سے منقول ہیں اور حضرت قتادہؓ و مجاہدؒ سے ان تینوں لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار کے قبضہ میں چلی گئیں اور شرط صلح کے مطابق کفار نے ان کے مہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کیا پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت سے ان کو ادا کر دیا جائے۔

اس آیت میں جس معاملے کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا کہ حضرت عیاض بن غنم قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلی گئی تھی اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔

اور حضرت ابن عباس نے کل چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر فرمایا ہے، جن میں سے ایک تو یہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھیں اور باقی پانچ عورتیں وہ تھیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں رک گئیں اور پہلے ہی سے کافر تھیں، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافرہ کے نکاح کو توڑ دیا، اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں، اس کے نتیجہ میں یہ بھی ان عورتوں میں شمار کی گئیں، جن کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا، جب انہوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت سے ان کا یہ حق ادا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے مکہ چلے جانے اور مرتد ہونے کا تو صرف ایک ہی کا واقعہ تھا، باقی پانچ عورتیں پہلے ہی سے کفر پر تھیں اور کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نکاح سے اس آیت کی بناء پر نکل گئیں، اس لئے ان کو بھی اس ضمن میں شمار کیا گیا ہے اور ایک عورت جس کو مرتد ہو کر مکہ چلے جانا مذکور ہوا ہے یہ بھی بعد میں پھر مسلمان ہو گئیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ممتحنہ، بیروت)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ
وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ
وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
اے نبی! جب آپ کی خدمت میں مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک
نہیں ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں
کے درمیان سے کوئی جھوٹا بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی اور امرِ شریعت میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی، تو آپ ان سے
بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب فرمائیں، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں سے بیعت لینے کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ" كَمَا كَانَ يَفْعَلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ وَأْدِ الْبَنَاتِ أَيْ دَفْنِهِنَّ أَحْيَاءً خَوْفَ الْعَارِ وَالْفَقْرِ "وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ" أَيْ بِوَلَدٍ مَلْقُوطٍ يَنْسُبْنَهُ إِلَى الزَّوْجِ وَوُصِفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيقِيِّ فَإِنَّ الْأُمَّ إِذَا وَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا "وَلَا يَعْصِينَكَ فِي" "فِعْلِ" "مَعْرُوفٍ" هُوَ مَا وَافَقَ طَاعَةَ اللَّهِ كَتَرْكِ النِّيَاحَةِ وَتَمْزِيقِ الثِّيَابِ وَجَزِّ الشُّعُورِ وَشَقِّ الْجَيْبِ وَخَمْشِ الْوَجْهِ "فَبَايِعْهُنَّ" فَعَلَ ذَلِكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقَوْلِ وَلَمْ يُصَافِحْ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ،

اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کی خدمت میں مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی جس طرح وہ دور جاہلیت میں کیا کرتی تھیں۔ یعنی عار اور فقر کے اندیشہ کے سبب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتی تھیں۔ اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے کوئی جھوٹا بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی، یعنی اپنے شوہر کو دھوکہ دیتے ہوئے کسی اٹھائے ہوئے بچے کو اپنے پیٹ سے جنا ہوا نہیں بتائیں گی۔ کیونکہ ماں جب بچے کو جنم دیتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گرتا ہے۔ اور کسی بھی امر شریعت میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی، یعنی جو اللہ کی اطاعت کے مطابق ہو جس طرح نوحہ کو چھوڑ دینا، کپڑے پھاڑنے، بال نوچنے اور گریبان پھاڑنے اور چہرے پیٹنے کو چھوڑ دینا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بیعت لے لیا کریں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قول کے ذریعے بیعت لی۔ اور ان میں سے کسی ایک بھی مصافحہ نہیں کیا۔ اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب فرمائیں، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

سورت ممتحنہ آیت ۱۲ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کی وجہ سے امتحان لیا کرتے تھے اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ الآية ، اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کو، اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں تو ان کی بیعت کر لے۔

اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ معمر کہتی ہیں کہ ابن طاؤس نے مجھے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے ان عورتوں کے علاوہ جو آپ کی ملکیت میں تھیں کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1254)

حضرت ام سلمہ انصاریہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ معروف کیا چیز ہے جس میں ہمارے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرنا جائز نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ یہی ہے کہ تم نوحہ مت کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں قبیلے کا عورتیں میرے چچا کی وفات پر میرے ساتھ نوحہ میں شریک تھیں لہٰذا ان کا بدلہ دنیا ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دینے سے انکار کردیا۔ پھر میں نے کئی مرتبہ عرض کیا تو اجازت دے دی کہ ان کے احسان کا بدلہ دے دوں۔ اس کے بعد میں نے کبھی کسی پر نوحہ نہیں کیا اور عورتوں میں سے میرے علاوہ ایسی کوئی عورت باقی نہ رہی جس نے بیعت کی ہو اور پھر نوحہ بھی کیا ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس باب میں اُم عطیہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بھی روایت ہے۔ عبداللہ بن حمید کہتے ہیں کہ ام سلمہ انصاریہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نام اسماء بنت یزید بن سکن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1255)

خواتین کے طریقہ بیعت اور عہد و پیان کا بیان

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت سے ہوتا تھا جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبانی فرمادیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی یہ نہیں کہ آپ ان کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں اللہ کی قسم آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا صرف زبانی فرمادیتے کہ ان باتوں پر میں نے تیری بیعت لی، ترمذی نسائی ابن ماجہ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیہ بنت رفیقہ فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق آپ نے ہم سے عہد و پیان لیا اور ہم بھلی ابتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گی کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہو کہ جاں تک تمہاری طاقت ہے، ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ چڑھ کر ہے پھر ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لئے کافی ہے بس بیعت ہو چکی، امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں، مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ نہیں کیا، یہ حضرت امیہ حضرت خدیجہ کی بہن اور حضرت فاطمہ کی خالہ ہوتی ہیں، مسند احمد میں حضرت سلمٰی بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تھی جو بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں فرماتی ہیں انصار کی عورتوں کے اسھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لئے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا آپ نے فرمایا اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور ان کے ساتھ دھوکہ نہ کرو گی ہم نے اس کا بھی اقرار کیا بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کرلیں کہ خیانت و دھوکہ نہ کرنے

سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دو۔ مسند کی حدیث میں ہے حضرت ائشہ بنت قدامہ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رابطہ بنت سفیان نزاعیہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والیوں میں تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں ان کا اقرار کرتی تھیں میری والدہ کے فرمان سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی، صحیح بخاری شریف میں حضرت ام عطیہ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مرے پر نوحہ نہ کریں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اسی اثناء میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لئے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مرے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ نہ فرمایا وہ چلی گئیں لیکن پھر تھوڑی ہی دیر میں واپس آئیں اور بیعت کر لی۔

مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحان نے ہی پورا کیا، بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا، ام سلیم ام علام، ابوسبرہ کی بیٹی جو حضرت معاذ کیب بیوی تھیں اور دو اور عورتیں یا ابوسبرہ کی بیٹی اور حضرت معاذ کی بیوی اور ایک عورت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا معاہدہ لیا کرتے تھے۔

بخاری میں ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رمضان کی عید کی نماز میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابوبکر عمر عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ پڑھی ہے سب کے سب خطبے سے پہلے نماز پڑھتے تھے، پھر نماز کے بعد خطبہ کہتے تھے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے سے اترے گویا وہ نقشہ میری نگاہ کے سامنے ہے کہ لوگوں کو بٹھایا جاتا تھا اور آپ ان کے درمیان سے تشریف لا رہے تھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے یہاں پہنچ کر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی پھر آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے اس اقرار پر ثابت قدم ہو ایک عورت نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں کسی اور نے جواب نہیں دیا، راوی حدیث حضرت حسن کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جواب دینے والی کونسی عورت تھیں، پھر آپ نے فرمایا اچھا خیرات کرو اور حضرت بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا چنانچہ عورتوں نے اس پر بےنگینہ کی اور نگینہ دار انگوٹھیاں راہ اللہ ڈال دیں، مسند احمد کی روایت میں حضرت امیمہ کی بیعت کے ذکر میں آیت کے علاوہ اتنا اور بھی ہے کہ نوحہ کرنا اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنا بناؤ سنگھار غیر مردوں کو نہ دکھانا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ممتحنہ، بیروت)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ
كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝
اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی مت رکھو جن پر اللہ غضبناک ہوا ہے بیشک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں
جیسے کفار اہل قبور سے مایوس ہیں۔

کفار کا آخرت سے مایوس ہونے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" هُمُ الْيَهُود "قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَة" مِنْ ثَوَابهَا مَعَ إِيقَانهمْ بِهَا لِعِنَادِهِمْ النَّبِيّ مَعَ عِلْمهمْ بِصِدْقِهِ "كَمَا يَئِسَ الْكُفَّار" الْكَائِنُونَ "مِنْ أَصْحَاب الْقُبُور" أَيْ الْمَقْبُورِينَ مِنْ خَبَر الْآخِرَة إِذْ تُعْرَض عَلَيْهِمْ مَقَاعِدهمْ مِنْ الْجَنَّة لَوْ كَانُوا آمَنُوا وَمَا يَصِيرُونَ إِلَيْهِ مِنَ النَّار،

اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی مت رکھو جن پر اللہ غضبناک ہوا ہے اور وہ یہود ہیں۔ بیشک وہ آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں یعنی انہیں آخرت کے ثواب پر یقین ہیں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے کی وجہ سے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے برحق ہونے کا بھی انہیں یقین ہے۔ جیسے کفار اہل قبور سے مایوس ہیں۔ کیونکہ قبروں سے آخرت کی خبر ملنے والی ہے جب ان پر جنت کا ٹھکانہ ان کو دیکھایا جاتا ہے کہ اگر وہ ایمان لاتے تو ان کا ٹھکانہ یہ ہوتا اور انہیں دوزخ میں بھی ان کا ٹھکانہ دیکھایا جاتا ہے جس کی طرف انہوں نے جانا ہے۔

سورت ممتحنہ آیت ۱۳ کے شان نزول کا بیان

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت کچھ مسلمان فقراء کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی خبریں یہود تک پہنچاتے تھے اور ان سے اس طرح سے تعلق قائم کر کے ان سے منافع حاصل کرنے کی کوشش کرتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع فرما دیا ہے۔ (نیسابوری 350، سیوطی 296، زادالمسیر 8۔247، درمنثور 6۔211)

آخرت سے مایوس ہونے کا مطلب، قیامت کے برپا ہونے سے انکار ہے۔ ایک دوسرے معنی اس کے یہ کئے گئے ہیں کہ قبروں میں مدفون کافر، ہر قسم کی خیر سے مایوس ہو گئے۔ کیونکہ مر کر انہوں نے اپنے کفر کا انجام دیکھ لیا، اب وہ خیر کی کیا توقع کر سکتے ہیں (ابن جریر طبری، سورہ ممتحنہ، بیروت)

میت کو صبح وشام ٹھکانہ دیکھایا جانے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزا و احباب واپس آتے ہیں تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں اور ان کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مومن کہتا ہے، میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو جس کو اللہ نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔

چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت و دوزخ) کو دیکھتا ہے۔ اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا

ہے کہ اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مومن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کے چیخنے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم الفاظ صحیح البخاری کے ہیں، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 123)

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر کے اندر) صبح اور شام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے لایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ اس کا انتظار کر، یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اٹھا کر وہاں بھیجے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 124)

سورت ممتحنہ کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورت ممتحنہ کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَۃ الصَّفّ

یہ قرآن مجید کی سورت صف ہے

سورت صف کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ الصَّفّ (مَكِّيَّة أَوْ مَدَنِيَّة وَآيَاتها 14)

سورہ صف مکّیہ ہے اور بقولِ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و جمہور مفسرین مدنیہ ہے، اس میں دو رکوع، چودہ آیات، دوسو اکیس کلمات اور نوسو حروف ہیں۔

سورت صف کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی چوتھی آیت مبارکہ میں لفظ صف استعمال ہوا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے صف بستہ ہیں۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت صف کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت صف کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ ایک دن بیٹھے بیٹھے آپس میں یہ تذکرے کر رہے تھے کہ کوئی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرے کہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ مگر ابھی کوئی کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد پہنچا اور ہم میں سے ایک ایک کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا جب ہم سب جمع ہو گئے تو آپ نے اس پوری سورت کی تلاوت کی۔ (مسند احمد بن حنبل)

ابن ابی حاتم کی اس حدیث میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے ڈرے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورت پڑھ کر سنائی تھی اسی طرح اس روایت بیان کرنے والے صحابی نے تابعی کو پڑھ کر سنائی اور تابعی نے اپنے شاگرد کو اور اس نے اپنے شاگرد کو اسی طرح آخر تک اور روایت میں ہے کہ ہم نے کہا تھا اگر ہمیں ایسے عمل کی خبر ہو جائے تو ہم ضرور اس پر عامل ہو جائیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ صف، بیروت)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ بڑی عزت وغلبہ والا بڑی حکمت والا ہے۔

زمین وآسمان کی ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بیان کرنا

"سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ " أَيْ نَزَّهَهُ فَاللَّام مَزِيدَة وَجِيء بِمَا دُون مِنْ تَغْلِيبًا لِلْأَكْثَرِ "وَهُوَ الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه.

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، یعنی اس کی پاکی بولتے ہیں اور یہاں پر لام زائدہ ہے اور من کی بہ جائے ما کو غلبہ اکثریت کے طور پر لایا گیا ہے۔ اور وہ اپنے ملک میں بڑی عزت وغلبہ والا، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔

سورت صف آیت ۲، ا کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اللہ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے تو ہم وہی کرتے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں (سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ،يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ، اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں اور وہی ہے زبردست حکم والا، اے ایمان والو کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے)۔ عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ سورت پڑھائی اور ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سورت پڑھی۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ابوسلمہ نے ہمارے سامنے تلاوت کی، ابن کثیر کے سامنے اوزاعی نے اور عبداللہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے ابن کثیر نے پڑھ کر سنائی۔ محمد بن کثیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ابن مبارک، اوزاعی سے وہ یحییٰ بن کثیر سے وہ ہلال بن ابی میمونہ سے وہ عطاء سے اور وہ عبداللہ بن سلام سے یا ابوسلمہ کے واسطے سے عبداللہ بن سلام سے روایت کرتے ہیں۔ ولید بن مسلم بھی یہ حدیث اوزاعی سے محمد بن کثیر کی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1257)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ○
اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک بہت سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ
تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر
لڑتے ہیں، جیسے وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔

قول وعمل میں تضاد کی ممانعت کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ " فِي طَلَب الْجِهَاد "مَا لَا تَفْعَلُونَ " إذْ انْهَزَمْتُمْ بِأُحُدٍ "كَبُرَ"

عَظُمَ "مَقْتًا" تَمْيِيز "عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا" فَاعِل كَبُرَ

"إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ" يَنْصُر وَيُكْرِم "الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا" حَال أَيْ صَافِّينَ "كَأَنَّهُمْ بُنْيَان مَرْصُوص" مُلْزَق بَعْضه إِلَى بَعْض ثَابِت

اے ایمان والو! تم طلب جہاد میں وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ جب تم احد میں گھبرا گئے۔ اللہ کے نزدیک بہت سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔ یہاں پر لفظ مقتا یہ تمیز ہے اور تقولوا کبر کا فاعل ہے۔

بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان کی مدد اور عزت کرتا ہے۔ جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں، جیسے وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔ یعنی وہ دیوار آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔

زبان سے کیے گئے اقرار کو پورا کرنے کا بیان

مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا کھیل کود کے لئے جانے لگا تو میری والدہ نے مجھے آواز دے کر کہا ادھر آ کچھ دوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ دینا بھی چاہتی ہو؟ میری والدہ نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں دوں گی آپ نے فرمایا پھر تو خیر ورنہ یاد رکھو کچھ نہ دینے کا ارادہ ہوتا اور یوں کہتیں تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وعدے کے ساتھ وعدہ پورا کرنے کی تاکید کا تعلق ہو تو اس وعدے کو فوا کرنا واجب ہو جاتا ہے، مثلاً کسی شخص نے کسی سے کہہ دیا کہ تو نکاح کر لے اور اتنا اتنا ہر روز میں تجھے دیتا رہوں گا اس نے نکاح کر لیا تو جب نکاح باقی ہے اس شخص پر واجب ہے کہ اسے اپنے وعدے کے مطابق دیتا رہے اس لئے کہ اس میں آدمی کے حق کا تعلق ثابت ہو گیا جس پر اس سے باز پرس سختی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صف، بیروت)

سورت صف آیت ۲ کے سبب نزول سے متعلق روایات کا بیان

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایفاء عہد مطلق واجب ہی نہیں، اس آیت کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ جب لوگوں نے جہاد کی فرضیت کی خواہش کی اور فرض ہو گیا تو اب بعض لوگ دیکھنے لگے جس پر یہ آیت اتری، جیسے اور جگہ ہے۔ الخ یعنی کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا تم اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز و زکوٰۃ کا خیال رکھو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں ایسے لوگ بھی نکل آئے جو لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کہنے لگے پروردگار تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں ایک وقت مقرر تک اس حکم کو موخر نہ کیا جو قریب ہی تو ہے۔ تو کہہ دے کہ اسباب دنیا تو بہت ہی کم ہیں ہاں پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہترین چیز ہے۔ تم پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا تم کہیں بھی ہو تمہیں موت ڈھونڈ نکالے گی گو تم مضبوط محلوں میں ہو، اور جگہ ہے الخ، یعنی مسلمان کہتے ہیں کیوں کوئی سورت نہیں اتاری جاتی؟ پھر جب کوئی محکمہ سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں لڑائی کا ذکر ہوتا ہے تو دیکھے گا کہ بیمار دل والے تیری طرف اس طرح دیکھیں گے جیسے وہ دیکھتا ہے جس پر موت کی بیہوشی

ہو، اسی طرح کی یہ آیت بھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض مومنوں نے جہاد کی فرضیت سے پہلے کا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں وہ عمل بتاتا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہوتا تاکہ ہم اس پر عامل ہوتے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل میرے نزدیک ایمان ہے جو شک شبہ سے پاک ہو اور بے ایمانوں سے جہاد کرنا ہے تو بعض مسلمانوں پر یہ گراں گزرا جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ وہ باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جنہیں کرتے نہیں۔

امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں، حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے تو ہم ضرور وہ عمل بجالاتے اس پر اللہ عزوجل نے وہ عمل بتایا کہ میری راہ میں صف باندھ کر مضبوطی کے ساتھ جم کر جہاد کرنے والوں کو میں بہت پسند فرماتا ہوں پھر احد والے دن ان کی آزمائش ہوگئی اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے جس پر یہ فرمان الیشان اترا کہ کیوں وہ کہتے ہو جو کہ نہیں دکھاتے؟

بعض حضرات فرماتے ہیں یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہیں ہم نے جہاد کیا اور حالانکہ جہاد نہ کیا ہو منہ سے کہیں کہ ہم زخمی ہوئے اور زخمی نہ ہوئے ہوں کہیں کہ ہم پر مار پڑی اور مار نہ پڑی ہو منہ سے کہیں کہ ہم قید کئے گئے اور قید نہ کئے گئے ہوں، ابن زید فرماتے ہیں اس سے مراد منافق ہیں کہ مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کرتے لیکن وقت پر پورا نہ کرتے، زید بن اسلم جہاد مراد لیتے ہیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں ان کہنے والوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جب آیت اتری اور معلوم ہوا کہ جہاد سب سے زیادہ عمدہ عمل ہے تو آپ نے عہد کر لیا کہ میں تو اب سے لے کر مرتے دم تک اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو وقف کر چکا چنانچہ اسی پر قائم بھی رہے یہاں تک کہ فی سبیل اللہ شہید ہو گئے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ کے قاریوں کو ایک مرتبہ بلوایا تو تین سو قاری ان کے پاس آئے جن میں سے ہر ایک قاری قرآن تھا۔ پھر فرمایا تم اہل بصرہ کے قاری اور ان میں سے بہترین لوگ ہو سنو ہم ایک سورت پڑھتے تھے جو مسبحات کی سورتوں کے مشابہ تھی پھر ہم اسے بھلا دیئے گئے ہاں مجھے اس میں سے اتنا یاد رہ گیا۔(آیت) یعنی اے ایمان والو وہ کیوں کہو جو نہ کرو پھر وہ لکھا جائے اور تمہاری گردنوں میں بطور گواہ کے لٹکا دیا جائے پھر قیامت کے دن اس کی بابت باز پرس ہو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے محبوب وہ لوگ ہیں جو صفیں باندھ کر دشمنان اللہ کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں تاکہ اللہ کا بول بالا ہو اسلام کی حفاظت ہو اور دین کا غلبہ ہو۔ مسند میں ہے تین قسم کے لوگوں کی تین حالتیں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ہنس دیتا ہے رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے والے نماز کے لئے صفیں باندھنے والے، میدان جنگ میں صف بندی کرنے والے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صف، بیروت)

جہاد میں صف باندھ کر لڑنے کی فضیلت کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مطرف فرماتے ہیں مجھے یہ روایت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث پہنچی تھی میرے جی میں تھا کہ خود حضرت ابوذر سے مل کر یہ حدیث آپ کے سامنے سن لوں چنانچہ ایک مرتبہ جا کر آپ سے ملاقات کی اور واقعہ بیان کیا

آپ نے خوشنودی کا اظہار فرما کر کہا وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں کو دشمن جانتا ہے اور تین کو دوست رکھتا ہے فرمایا ہاں میں نے اپنے خلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بول سکتا فی الواقع آپ نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے، میں نے پوچھا وہ تین کون ہیں؟ جنہیں اللہ تعالیٰ محبوب جانتا ہے فرمایا ایک تو وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے خالص خوشنودی اللہ کی نیت سے نکلے دشمن سے جب مقابلہ ہو تو دلیرانہ جہاد کرے تم اس کی تصدیق خود کتاب اللہ میں بھی دیکھ سکتے ہو پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور پھر پوری حدیث بیان کی۔

حضرت کعب احبار سے ابن ابی حاتم میں منقول ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے آپ میرے بندے متوکل اور پسندیدہ ہیں بدخلق بدزبان بازاروں میں شور وغل کرنے والے نہیں برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے بلکہ درگذر کرکے معاف کر دیتے ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش مکہ ہے، جائے ہجرت طابہ ہے، ملک آپ کا شام ہے، امت آپ کی بکثرت حمد اللہ کرنے والی ہے، ہر حال میں اور ہر منزل میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے رہتے ہیں۔ صبح کے وقت ذکر اللہ میں ان کی پست آوازیں برابر سنائی دیتی ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھن بھناہٹ اپنے ناخن اور مچھیں کترتے ہیں اور اپنے تہمد اپنی آدھی پنڈلیوں تک باندھتے ہیں ان کی صفیں میدان جہاد میں ایسی ہوتی ہیں جیسی نماز میں، پھر حضرت کعب نے اسی آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا سورج کی نگہبانی کرنے والے جہاں وقت نماز آجائے نماز ادا کر لینے والے گو سواری پر ہوں۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بنوا لیتے دشمن سے لڑائی شروع نہیں کرتے تھے، پس صف بندی کی تعلیم مسلمانوں کو اللہ کی دی ہوئی ہے ایک دوسرے سے ملے کھڑے رہیں، ثابت قدم رہیں اور ٹلیں نہیں تم نہیں دیکھتے کہ عمارت کا بنانے والا نہیں چاہتا کہ اس کی عمارت میں کہیں اونچ نیچ ہو ٹیڑھی ترچھی ہو یا سوراخ رہ جائیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے امر میں اختلاف ہو میدان جنگ میں اور بوقت نماز مسلمانوں کی صف بندی خود اس نے کی ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو جو احکام بجالائے گا یہ اس کے لئے عصمت اور بچاؤ ثابت ہے۔

ابو بحریہ فرماتے ہیں مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑنا پسند نہیں کرتے تھے انہیں تو یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر پیدل صفیں بنا کر آمنے سامنے کا مقابلہ کریں، آپ فرماتے ہیں جب تم مجھے دیکھو کہ میں نے صف میں سے ادھر ادھر توجہ کی تو تم جو چاہو ملامت کرنا اور برا بھلا کہنا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ صف، بیروت)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ
فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں تکلیف دیتے ہو، حالانکہ یقیناً تم جانتے ہو کہ بے شک میں تمہاری
طرف اللہ کا رسول ہوں۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو تکذیب سے منع کرنے کا بیان

"وَ" اذْكُرُ "إِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي" قَالُوا : إِنَّهُ آدَر أَيْ مُنْتَفِخ الْخُصْيَة وَلَيْسَ كَذَلِكَ وَكَذَّبُوهُ "وَقَدْ" لِلتَّحْقِيقِ "تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُول اللّه إِلَيْكُمْ" الْجُمْلَة حَال وَالرَّسُول يُحْتَرَم "فَلَمَّا زَاغُوا" عَدَلُوا عَنْ الْحَقّ بِإِيذَائِهِ "أَزَاغَ اللّه قُلُوبهمْ" أَمَالَهَا عَنْ الْهُدَى عَلَى وَفْق مَا قَدَّرَهُ فِي الْأَزَل "وَاَللّه لَا يَهْدِي الْقَوْم الْفَاسِقِينَ" الْكَافِرِينَ فِي عِلْمه،

اور یاد کریں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں تکلیف دیتے ہو، تو انہوں نے آپ کو آدر (انتفاخ خصیتین والا کہا) کہا حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ اور انہوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اور قد تحقیق کیلئے آیا ہے۔ حالانکہ یقیناً تم جانتے ہو کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اور یہ جمہ حالیہ ہے۔ اور رسول مکرم جس کا احترام کیا جائے۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے یعنی جب وہ آپ کو تکالیف پہنچا کر حق سے ہٹ گئے۔ تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔ یعنی ان کو ہدایت سے دور کر کے ویسا کر دیا جو ازل میں لکھ دیا گیا تھا۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی کفار اس کے علم میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم میری رسالت کی سچائی جانتے ہو پھر کیوں میرے درپے آزار ہو رہے ہو؟ اس میں گویا ایک طرح سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے، چنانچہ آپ بھی جب ستائے جاتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے لیکن پھر بھی صابر رہے اور ساتھ ہی اس میں مومنوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء نہ پہنچائیں ایسا نہ کریں جس سے آپ کا دل دکھتا ہو، جیسے اور جگہ ہے الخ ایمان والو تم ایسے نہ ہونا جیسے موسیٰ کو ایذاء دینے والے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ذی عزت بندے کو اس کے بہتانوں سے پاک کیا، پس جبکہ یہ لوگ علم کے باوجود اتباع حق سے ہٹ گئے اور ٹیڑھے چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ہدایت سے ہٹا دیئے شک و حیرت ان میں سما گئی، جیسے اور جگہ ہے الخ، یعنی ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے جس میں وہ سرگرداں رہیں گے اور جگہ ہے الخ، جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی دوسرے کی تابعداری کرے ہم اسے ایسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالآخر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے، یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صف، بیروت)

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

اور جب عیسٰی بن مریم (علیہما السلام) نے کہا: اے بنی اسرائیل! بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس رسولِ (معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد) کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لا رہے ہیں جن کا نام (آسمانوں میں اس وقت) احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، پھر جب وہ (رسولِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس تشریف لے آئے تو وہ کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینے کا بیان

"وَ" اذْكُرْ "إِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ" لَمْ يَقُلْ : يَا قَوْمِ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ "إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ" قَبْلِي "مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" قَالَ تَعَالَى "فَلَمَّا جَاءَهُمْ" جَاءَ أَحْمَدُ الْكُفَّارَ "بِالْبَيِّنَاتِ" الْآيَاتِ وَالْعَلَامَاتِ "قَالُوا هَذَا" أَيْ الْمَجِيءُ بِهِ "سِحْرٌ" وَفِي قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ أَيْ الْجَائِي بِهِ "مُبِينٌ" بَيِّنٌ

اور وہ وقت بھی یاد کیجئے جب عیسٰی بن مریم علیہما السلام نے کہا اے بنی اسرائیل! یہاں پر قوم کی بہ جائے بنی اسرائیل کہا گیا ہے کیونکہ آپ کی بن اسرائیل میں قرابت نہ تھی۔ بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لا رہے ہیں جن کا نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جب وہ رسولِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس تشریف لے آئے تو کفار ان لائی ہوئی نشانیوں کے بارے میں کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ یہاں پر لفظ سحر ایک قرأت میں ساحر ہے۔ یعنی وہ جادو کے ساتھ آنے والے ہیں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت کا بیان

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اصحاب کرام نجاشی بادشاہ کے پاس گئے تو نجاشی بادشاہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہی رسول ہیں جن کی حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بشارت دی اگر امورِ سلطنت کی پابندیاں نہ ہوتیں تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کفش برداری کی خدمت بجالاتا۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ توریت میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت مذکور ہے اور یہ بھی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آپ کے پاس مدفون ہوں گے۔ ابوداؤد مدنی نے کہا کہ روضہ اقدس میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (ترمذی)

حضرت کعب احبار سے مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے عرض کیا یا روح اللہ کیا ہمارے بعد اور کوئی امت بھی ہے فرمایا ہاں احمدِ مجتبٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت، وہ لوگ حکماء، علماء، ابرار و اتقیاء ہیں اور فقہ میں نائب انبیاء ہیں اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق پر راضی اور اللہ تعالیٰ ان سے تھوڑے عمل پر راضی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ صف، لاہور)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے، جب کہ اسے اسلام کی طرف بلایا جارہا ہو

اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف شرک کی نسبت کرنے والے کے ظلم کا بیان

"وَمَنْ" أَیْ لَا أَحَد "أَظْلَم" أَشَدّ ظُلْمًا "مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّه الْكَذِب" بِنِسْبَةِ الشَّرِيك وَالْوَلَد إلَيْهِ وَوَصْف آيَاته بِالسِّحْرِ "وَهُوَ يُدْعَى إلَى الْإِسْلَام وَاَللَّه لَا يَهْدِی الْقَوْم الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے یعنی کوئی ایک بھی اس سے بڑھ کر ظالم نہیں ہے۔ جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یعنی اس کی جانب بیٹے کو شریک جانے اور اس کی آیات کو جادو کی طرف منسوب کرے۔ جب کہ اسے اسلام کی طرف بلایا جارہا ہو اور اللہ ظالم لوگوں یعنی کفار کو ہدایت نہیں دیتا۔

یعنی جب مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق کو چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو ایک طرف رہا، کتب سماویہ میں تحریف کر کے جو چیزیں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں تھیں ان کو درج کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا۔

یعنی ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے اور ممکن ہے "لایہدی" میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور تحریف و تاویل کریں، خدا ان کو کامیابی کی راہ نہ دے گا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جن خبروں کو وہ چھپانا یا مٹانا چاہتے ہیں، چھپ یا مٹ نہ سکیں گی۔ چنانچہ باوجود ہزاروں طرح کی قطع و برید کے آج بھی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بشارات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

یہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں، جبکہ اللہ اپنے نور کو پورا فرمانے والا ہے اگرچہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں۔

اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے کی بیکار کوشش کرنے والے کفار کا بیان

"يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا" مَنْصُوب بِأَنْ مُقَدَّرَة وَاللَّام مَزِيدَة "نُور اللَّه" شَرْعه وَبَرَاهِينه "بِأَفْوَاهِهِمْ" بِأَقْوَالِهِمْ إنَّهُ سِحْر وَشِعْر وَكِهَانَة "وَاَللَّه مُتِمّ" مُظْهِر "نُوره" وَفِي قِرَاءَة بِالْإِضَافَةِ "وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" ذَلِكَ،

یہاں پر لفظ لیطفئوا اَن مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور لام زائدہ ہے یہ منکرین حق چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور یعنی اس کی

شریعت اور اس کے دلائل کو اپنے منہ سے بجھا دیں، یعنی اپنے اقوال کے ذریعے جو انہوں نے سحر، شعر اور کہانت کہا ہے۔ جبکہ اللہ اپنے نور کو پورا فرمانے والا ہے اگرچہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں۔ یہاں پر لفظ متم نورہ ایک قرأت کے مطابق اضافت کے ساتھ بھی آیا ہے۔

ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا باندھے اور اس کے شریک وسہیم مقرر کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اگر یہ شخص بیخبر ہوتا جب بھی ایک بات تھی یہاں تو یہ حالت ہے کہ وہ توحید اور اخلاص کی طرف برابر بلایا جا رہا ہے، بھلا ایسے ظالموں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ ان کفار کی چاہت تو یہ ہے کہ حق کو باطل سے رد کر دیں، ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی سورج کی شعاع کو اپنے منہ کی پھونک سے بینور کرنا ہے، جس طرح اس کے منہ کی پھونک سے سورج کی روشنی کا جاتا رہنا محال ہے۔ اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اللہ کا دین ان کفار سے رد ہو جائے، اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا، کافر برا مانیں تو مانتے رہیں۔ اس کے بعد اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دین کی حقانیت کو واضح فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صف، بیروت)

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝
وہی ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے سب ادیان پر
غالب وسربلند کر دے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا دین حق کے ساتھ ہونے کا بیان

"هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُوله بِالْهُدَی وَدِین الْحَق لِیُظْهِرهُ" یُعْلِیه "عَلَی الدِّین کُلّه" جَمِیع الْأَدْیَان الْمُخَالِفَة لَهُ "وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُونَ" ذَلِکَ

وہی ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے سب ادیان پر غالب وسربلند کر دے یعنی ان تمام ادیان پر جو اس کے مخالف ہیں۔ خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا رسول خوشی سے مان لیا تو (سمجھو کہ) اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔"

(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 8)

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی ذات وصفات پر ایمان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت پر یقین واعتقاد، دین و شریعت کی حقانیت وصداقت پر کامل اعتماد اور اسلامی تعلیمات واحکام کی پیروی، اس کیفیت کے ساتھ ہونے چاہیے کہ دل ودماغ کے کسی گوشہ میں کوئی دباؤ، کوئی گھٹن، کوئی تکدر اور کوئی ناگواری ذرہ برابر محسوس نہ ہوتی ہو۔ رضا ورغبت، اطمینان خاطر اور دماغی و ذہنی سکون کی وہ لہر پورے داخلی وخارجی وجود میں سرایت کئے ہوئے ہو، جو کسی انمول چیز کے حاصل ہو جانے پر دل ودماغ اور جسم کے پورے وجود کو مسرت وشادمانی اور احساس سرفرازی سے سرشار کر دیتی ہے یہ بہت اہم بات ہے اس کو ہر حالت میں مدنظر رکھنا

چاہیے۔ اس ایمان ویقین اور عمل آوری میں اگر کسی طرح کا کوئی انقباض اور تکدر پیدا ہوا تو سمجھو کہ ایمان کی روح رخصت ہوئی۔ ایسے آدمی پر اگر چہ ظاہری طور سے ایمان واسلام کے احکام نافذ ہوں گے مگر "اخلاص" سے خالی ہونے کے سبب نہ اس کا ایمان کامل سمجھا جائے گا اور نہ اس کو "حسن اسلام" نصیب ہوگا اور نہ ایمان ویقین کی حقیقی لذت سے وہ لطف اندوز ہو سکے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۝
اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتادوں جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے؟۔

عذاب سے نجات دلوانے والی تجارت کا بیان

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَة تُنْجِیكُمْ" بِالتَّخْفِیفِ وَالتَّشْدِید "مِنْ عَذَاب أَلِیم" مُؤْلِم فَكَأَنَّهُمْ قَالُوا نَعَمْ،

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتادوں۔ جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے؟۔ یہاں پر لفظ تنجی یہ تشدید اور تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ پس انہوں نے اس پر جی ہاں کہا۔

سورت صف آیت ۱۰ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھنا چاہا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو کونسا ہے؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی۔

مومنین نے کہا تھا کہ اگر ہم جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل بہت پسند ہے تو ہم وہی کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس آیت میں اس عمل کو تجارت سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ جس طرح تجارت سے نفع کی امید ہوتی ہے اسی طرح ان اعمال سے بہترین نفع رضائے الٰہی اور جنت ونجات حاصل ہوتی ہے۔

اس عمل کو تجارت سے تعبیر کیا، اس لئے کہ اس میں بھی انہیں تجارت کی طرح ہی نفع ہوگا وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات۔ اس سے بڑا نفع اور کیا ہوگا۔ اور وہ نفع کیا ہے اس بات کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ،التوبہ:111) اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے بدلے میں کرلیا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان بہ تصرف، سورہ صف، لاہور)

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ
ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝
تم اللہ پر اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرو،
یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

ایمان کامل اور جہاد کے سبب نجات کا بیان

"تُؤْمِنُونَ" تَدُومُونَ عَلَى الْإِيمَانِ "بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" أَنَّهُ خَيْرٌ لَكُمْ فَافْعَلُوْهُ

وہ یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کامل ایمان رکھو یعنی اس پر دوام اختیار کرو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ یقیناً تمہارے لئے بہتر ہے پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔

جس میں فرما رہا ہے کہ آؤ میں تمہیں ایک سراسر نفع والی تجارت بتاؤں جس میں گھاٹے کی کوئی صورت ہی نہیں جس سے مقصود حاصل اور ڈر زائل ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاؤ اپنا جان مال اس کی راہ میں قربان کرنے پر تل جاؤ، جان لو کہ یہ دنیا کی تجارت اور اس کے لئے کدو کاوش کرنے سے بہت ہی بہتر ہے، اگر میری اس بتائی ہوئی تجارت کے تاجر تم بن گئے تو تمہاری ہر لغزش سے ہر گناہ سے میں درگزر کرلوں گا اور جنتوں کے پاکیزہ محلات میں اور بلند و بالا درجوں میں تمہیں پہنچاؤں گا، تمہارے بالا خانوں اور ان ہیشگی والے باغات کے درختوں تلے سے صاف شفاف نہریں پوری روانی سے جاری ہوں گی، یقین مانو کہ زبردست کامیابی اور اعلیٰ مقصد وری یہی ہے، اچھا اس سے بھی زیادہ سنو تم جو ہمیشہ دشمنوں کے مقابلہ پر میری مدد طلب کرتے رہتے ہو اور اپنی فتح چاہتے ہو میرا وعدہ ہے کہ یہ بھی تمہیں دوں گا ادھر مقابلہ ہوا ادھر فتح ہوئی ادھر سامنے آئے ادھر فتح و نصرت نے رکاب بوسی کی۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝
وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی
اور نہایت عمدہ رہائش گاہوں میں جو جناتِ عدن میں ہیں، یہی زبردست کامیابی ہے۔

ایمان و نیک اعمال کی جزا میں جنت عدن نصیب ہونے کا بیان

"يَغْفِرْ" جَوَاب شَرْط مُقَدَّر أَيْ إِنْ تَفْعَلُوْهُ يَغْفِر "لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلكُمْ جَنَّات تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار وَمَسَاكِن طَيِّبَة فِي جَنَّات عَدْن" إِقَامَة

وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا یہاں پر لفظ یغفر یہ شرط مقدر کا جواب ہے۔ یعنی اگر تم ایسا عمل کرو گے تو وہ تمہیں بخش دے گا اور تمہیں جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور نہایت عمدہ رہائش گاہوں میں ٹھہرائے گا جو جنات عدن یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں ہیں، یہی زبردست کامیابی ہے۔

جنت عدن کی خوبصورتی کا بیان

حضرت ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو جنت میں جو خیمہ ملے گا وہ پورا ایک کھوکھلا موتی ہوگا جس کا عرض ایک اور روایت میں ہے کہ "جس کا طول ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر ہوگا، اس خیمہ کے ہر گوشہ میں اس (مومن) کے اہل خانہ ہونگے اور ایک گوشہ کے آدمی دوسرے گوشہ کے آدمیوں کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ ان سب اہل خانہ کے پاس مومن آتا جاتا رہے گا۔ (مومن کے لئے) دو جنتیں چاندی کی ہوں گی کہ ان جنتیوں کے برتن، باسن (مکانات ومحلات اور خانہ داری کے دوسرے ضروری وآرائشی سامان تخت کرسی میز پلنگ، جھاڑ، فانوس، یہاں تک درخت وغیرہ) سب چاندی کے ہوں گے اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی کہ ان جنتوں کے برتن باسن اور ان میں ہر چیز سونے کی ہوگی اور جنت العدن میں جنتیوں اور پروردگار کی طرف سے ان کے دیکھنے کے درمیان ذات باری تعالیٰ کی عظمت وبزرگی کے پردہ کے علاوہ اور کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 183)

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝
اور ایک اور چیز جسے تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور قریب فتح ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دے۔

اللہ کی مدد و کامیابی کا اہل ایمان کے قریب ہونے کا بیان

"وَ" وَيُؤْتِكُمْ نِعْمَة "أُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْر مِنْ اللَّه وَفَتْح قَرِيب وَبَشِّرْ الْمُؤْمِنِينَ" بِالنَّصْرِ وَالْفَتْح

اور ایک اور چیز جسے تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور قریب فتح ہے اور ایمان والوں کو مدد اور کامیابی کی خوشخبری سنا دے۔

اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عنایت فرمائے گا، اور فرمان ہے یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور غیر فانی عزت والا ہے، یہ مدد اور یہ فتح دنیا میں اور وہ جنت اور نعمت آخرت میں ان لوگوں کے حصہ میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگے رہیں اور دین اللہ کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کریں اسی لئے فرمادیا کہ اے نبی ان ایمان والوں کو میری طرف سے یہ خوش خبری پہنچا دو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ
مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ
اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ۝

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے مددگار بن جاؤ، جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا اللہ کی طرف میرے
مددگار کون ہیں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ
نے کفر کیا، پھر ہم نے ان لوگوں کی جو ایمان لائے تھے، ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تو وہ غالب ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَار اللَّه " لِدِينِهِ وَفِي قِرَاءَة بِالْإِضَافَةِ "كَمَا قَالَ" إلَخْ الْمَعْنَى : كَمَا كَانَ الْحَوَارِيُّونَ كَذَلِكَ الدَّالّ عَلَيْهِ قَالَ "عِيسَى ابْن مَرْيَم لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إلَى اللَّه " أَيْ مَنْ الْأَنْصَار الَّذِينَ يَكُونُونَ مَعِي مُتَوَجِّهًا إلَى نُصْرَة اللَّه "قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَار اللَّه " وَالْحَوَارِيُّونَ أَصْفِيَاء عِيسَى وَهُمْ أَوَّل مَنْ آمَنَ بِهِ وَكَانُوا اثْنَيْ عَشَر رَجُلًا مِنْ الْحُور وَهُوَ الْبَيَاض الْخَالِص وَقِيلَ كَانُوا قَصَّارِينَ يُحَوِّرُونَ الثِّيَاب أَيْ يُبَيِّضُونَهَا "فَآمَنَتْ طَائِفَة مِنْ بَنِي إسْرَائِيل" بِعِيسَى وَقَالُوا إنَّهُ عَبْد اللَّه رُفِعَ إلَى السَّمَاء "وَكَفَرَتْ طَائِفَة" لِقَوْلِهِمْ إنَّهُ ابْن اللَّه رَفَعَهُ إلَيْهِ فَاقْتَتَلَتْ الطَّائِفَتَانِ "فَأَيَّدْنَا" قَوَّيْنَا "الَّذِينَ آمَنُوا" مِنْ الطَّائِفَتَيْنِ "عَلَى عَدُوّهمْ" الطَّائِفَة الْكَافِرَة "فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ" غَالِبِينَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے مددگار بن جاؤ، یعنی اس کے دین کیلئے مدد کرنے والے بن جاؤ۔ اور ایک قرأت میں انصار اللہ اضافت کے ساتھ ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوئے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان دلالت کر رہا ہے۔ جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ یعنی کون ہیں وہ انصار جو اللہ تعالیٰ کی مدد کی طرف میرے ساتھ متوجہ ہوں تو حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ اور حواریوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ اصفیاء ہیں جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔ اور وہ بارہ آدمی تھے۔ اور یہ لفظ حور سے بنا ہے جو خالص سفید رنگ والے کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو سفید کرتے تھے۔ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا ہے۔ اور ایک گروہ نے کفر کیا، جنہوں نے کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور اللہ نے ان کو اپنی جانب اٹھا لیا ہے پس وہ دونوں گروہ لڑنے لگے۔ پھر ہم نے ان لوگوں یعنی ان دونوں گروہوں میں سے جو ایمان لائے تھے، ان کے دشمنوں یعنی کافر گروہ کے خلاف مدد کی تو وہ غالب ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کرنے والوں کا بیان

اس آیت میں زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام جب دشمنوں سے تنگ آئے تو لوگوں سے کہا من انصاری الی اللہ، یعنی اللہ کے

دین کی اشاعت میں کون میرا مددگار ہوتا ہے جس پر بارہ آدمیوں نے وفاداری کا عہد کیا اور پھر دین عیسوی کی اشاعت میں خدمات انجام دیں، تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اللہ کے دین کے انصار و مددگار بنیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ایسی کی کہ پچھلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور دین کی خاطر سب عرب وعجم سے دشمنی خریدی، ان کی ایذائیں سہیں، اپنی جان و مال اور اولاد کو اس پر قربان کیا اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنی فتح ونصرت سے نوازا اور سب دشمنوں پر ان کو غالب فرمایا ان کے ممالک ان کے ہاتھ آئے اور دنیا کی فرمانروائی بھی ان کو نصیب ہوئی۔

نصاریٰ کے تین معروف فرقوں کا بیان

امام بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان میں اٹھالیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہوگئے، ایک فرقہ نے کہا کہ وہ خود خدا ہی تھے آسمان میں چلے گئے، دوسرے فرقہ نے کہا کہ وہ خدا تو نہیں بلکہ خدا کے بیٹے تھے اللہ نے ان کو اٹھالیا اور دشمنوں پر فوقیت دیدی۔

تیسرے فرقہ نے وہ بات کہی جو صحیح اور حق ہے کہ وہ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے حفاظت اور رفعت درجہ کے لئے اٹھالیا، یہ لوگ صحیح مومن تھے، تینوں فرقوں کے ساتھ کچھ عوام لگ گئے اور باہمی نزاع بڑھتے بڑھتے باہم قتال کی نوبت آگئی، اتفاق سے دونوں کافر فرقے مومنین پر غالب آگئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اس مومن فرقہ کی تائید کی اس طرح انجام کار وہ مومن فرقہ بحیثیت حجت و دلیل کے غالب آگیا۔ (تفسیر مظہری، سورہ صف، لاہور)

اس تفسیر کے مطابق الذین آمنوا سے مومنین امت عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہوں گے جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وحمایت سے مظفر ومنصور ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں میں دو فرقے ہوگئے، ایک عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے کر مشرک ہوگیا، دوسرا صحیح دین پر قائم رہا جو ان کو اللہ کا بندہ اور رسول کہنے کا قائل تھا، پھر ان مشرکین و مومنین میں باہم جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مومنین امت عیسیٰ علیہ السلام کو اس امت کے کافروں پر غالب کردیا، مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب میں جہاد و قتال کا حکم نہیں تھا، اس لئے مومنین کا قتال کرنا بعید معلوم ہوتا ہے۔

(تفسیر روح المعانی، سورہ صف، بیروت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بلند کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب اللہ کا ارادہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان پر چڑھالے آپ نہا دھو کر اپنے اصحاب کے پاس آئے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ بارہ صحابہ تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے آتے ہی فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں لیکن پھر میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ، پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر

آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے، ایک نوجوان جوان سب میں کم عمر تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کیا، آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ، پھر وہی بات کہی اب کی مرتبہ بھی کم عمر نوجوان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے۔ حضرت عیسیٰ نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھادیا، پھر تیسری مرتبہ یہی سوال کیا ،اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا بہت بہتر، اسی وقت ان کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھالئے گئے۔

اب یہودیوں کی فوج آئی اور انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کرلیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئی کے مطابق ان باقی کے گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا، حالانکہ وہ اس سے پہلے ایماندار تھے، پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہوگئے، ایک فرقے نے تو کہا کہ خود اللہ ہمارے درمیان بصورت مسیح تھا، جب تک چاہا رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا، انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے، ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا تھا جب تک اللہ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھالیا، انہیں سطوریہ کہا جاتا ہے۔

تیسری جماعت حق پر قائم رہی ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ ہم میں تھے، جب تک اللہ کا ارادہ رہا آپ ہم میں موجود رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا، یہ جماعت مسلمانوں کی ہے۔ پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل وغارت کرنا شروع کیا اور یہ دبے بھی ہوئے اور مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپ پر بھی ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپ سے بھی کفر کیا، ان ایمان والون کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب آجانا اور دین اسلام کا تمام ادیان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر فتح پانا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ صف، بیروت)

سُورَۃُ الْجُمُعَۃِ

یہ قرآن مجید کی سورت جمعہ ہے

سورت جمعہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الْجُمُعَۃِ (مَدَنِیَّۃٌ وَ آیَاتُھَا إِحْدَی عَشْرَۃَ)

سورہ جمعہ مدنیہ ہے، اس میں دو رکوع، گیارہ آیات، ایک سو اسی کلمات، سات سو بیس حروف ہیں۔

سورت جمعہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں نماز جمعہ کیلئے جب اذان دی جائے تو جمعہ کی طرف سعی واجب ہو جاتی ہے۔ اس کا بیان کیا گیا ہے پس اسی کے سبب سے یہ سورت جمعہ کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ○
جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے بادشاہ ہے، پاک ہے، عزت وغلبہ والا ہے بڑی حکمت والا ہے۔

زمین وآسمان کی ہر چیز کا اللہ تعالیٰ تسبیح بیان کرنے کا بیان

"یُسَبِّح اللّٰه" یُنَزِّههُ فَاللَّام زَائِدَة "مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الْأَرْض" فِی ذِكْر مَا تَغْلِیب لِلْأَكْثَرِ "الْمَلِك الْقُدُّوس" الْمُنَزَّه عَمَّا لَا یَلِیق بِهِ "الْعَزِیز الْحَكِیم" فِی مُلْكه وَصُنْعه

یہاں پر لفظ یسبح یہ ینزھہ کے معنی میں ہے یعنی وہ پاک ہے اور لام زائدہ ہے۔ اور لفظ ماء کی اکثریت کے غلبہ کے سبب ذکر کیا گیا ہے۔ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو حقیقی بادشاہ ہے، ہر نقص وعیب سے پاک ہے، جو اپنے ملک اور صنعت میں عزت وغلبہ والا ہے بڑی حکمت والا ہے۔

تسبیح تین طرح کی ہے ایک تسبیح خلقت کہ ہر شے کی ذات اور اس کی پیدائش حضرت خالق قدیر جلّ جلالہ کی قدرت و حکمت اور اس کی وحدانیّت اور تنزیہ پر دلالت کرتی ہے دوسری تسبیح معرفت کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے مخلوق میں اپنی معرفت پیدا کرے تیسری تسبیح ضروری وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک جوہر پر اپنی تسبیح جاری فرماتا ہے یہ تسبیح معرفت پر مرتب نہیں۔

تسبیح کے سبب گناہوں کی بخشش ہونے کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ہر روز ایک ہزار نیکیاں حاصل کرے؟ مجلس میں موجود صحابہ میں سے ایک صحابی نے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی شخص (روزانہ بسہولت) ایک ہزار نیکیاں کس طرح حاصل کرسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

وہ ایک سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لے اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی بایں حساب کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں یا اس کے ایک ہزار صغیرہ اگر اللہ چاہے گا تو کبیر گناہ دور کئے جائیں گے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 829)

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ
وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھ کرسناتے
ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، بیشک وہ لوگ ان سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کا بیان

"هُوَ الَّذِى بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ" الْعَرَب وَالْأُمِّيّ : مَنْ لَا يَكْتُب وَلَا يَقْرَأ كِتَابًا "رَسُولًا مِنْهُمْ" هُوَ مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاته" الْقُرْآن "وَيُزَكِّيهِمْ" يُطَهِّرهُمْ مِنْ الشِّرْك "وَيُعَلِّمهُمْ الْكِتَاب" الْقُرْآن "وَالْحِكْمَة" مَا فِيهِ مِنْ الْأَحْكَام "وَإِنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة وَاسْمهَا مَحْذُوف أَيْ وَإِنَّهُمْ "كَانُوا مِنْ قَبْل" قَبْل مَجِيئِهِ "لَفِي ضَلَال مُبِين" بَيِّن

وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی یعنی اہل عرب میں سے ایک رسول اُمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا اور اُمی وہ ہے جس نے کہیں سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ ان پر اس کی آیات یعنی قرآن کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو شرک سے پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب یعنی قرآن اور حکمت یعنی جو کچھ اس میں احکام ہیں ان کی تعلیم دیتے ہیں، اور یہاں پر لفظ اِن یہ ثقل سے مخفف ہے۔ اور اس کا اسم محذوف ہے۔ یعنی وہ انہم ہے۔ بیشک وہ لوگ ان کے تشریف لانے سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

جس کے نسب وشرافت کو وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں ان کا نام پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت نبی اُمّی ہے اس کے بہت وجوہ ہیں ایک ان میں سے یہ ہے کہ آپ امت اُمیّہ کی طرف معبوث ہوئے کتاب شعیاء میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اُمیوں میں ایک اُمّی بھیجوں گا اور اس پر نبوت ختم کردوں گا اور ایک وجہ یہ ہے کہ

آپ کی بعثت اُمّ القریٰ یعنی مکہ مکرمہ میں ہوئی اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور انور علیہ الصلوۃ والسلام لکھتے اور کتاب سے کچھ پڑھتے نہ تھے اور یہ آپ کی فضیلت تھی کہ غایتِ حضورِ علم سے اس کی حاجت نہ تھی خط ایک صنعتِ ذہنیہ ہے جو آلہ جسمانیہ سے صادر ہوتی ہے تو جو ذات ایسی ہو کہ قلمِ اعلیٰ اس کے زیر فرمان ہو اس کو اس کتابت کی کیا حاجت پھر حضور کا کتابت نہ فرمانا اور کتابت کا ماہر ہونا ایک معجزۂ عظیمہ ہے کاتبوں کو علم خط اور رسمِ کتابت کی تعلیم فرماتے اور اہل حرفت کو حرفتوں کی تعلیم دیتے اور ہر کمالِ دنیوی واخروی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام خَلق سے اعلم کیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ جمعہ، لاہور)

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝
اور ان میں سے دوسرے لوگوں میں بھی جو ابھی ان لوگوں سے نہیں ملے، اور وہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد میں آنے والوں کی بعض فضیلت کا بیان

"وَآخَرِينَ" عَطف عَلَى الْأُمِّيِّينَ أَيُ الْمَوْجُودِينَ "مِنْهُمْ" وَالْآتِينَ مِنْهُمْ بَعْدهمْ "لَمَّا" لَمْ "يَلْحَقُوا بِهِمْ" فِي السَّابِقَة وَالْفَضْل "وَهُوَ الْعَزِيز الْحَكِيم" فِي مُلْكه وَصُنْعه وَهُمْ التَّابِعُونَ وَالِاقْتِصَار عَلَيْهِمْ كَاف فِي بَيَان فَضْل الصَّحَابَة الْمَبْعُوث فِيهِمْ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَنْ عَدَاهُمْ مِمَّنْ بَعَثَ إِلَيْهِمْ وَآمَنُوا بِهِ مِنْ جَمِيع الْإِنْس وَالْجِنّ إِلَى يَوْم الْقِيَامَة لِأَنَّ كُلّ قَرْن خَيْر مِمَّنْ يَلِيه

یہاں پر لفظ آخرین کا عطف امیین یعنی موجودین پر ہے۔ اور جو ان کے بعد آئیں گے۔ جبکہ وہ سبقت وفضیلت میں ان کے برابر نہیں ہیں۔ اور ان میں سے دوسرے لوگوں میں بھی (اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تزکیہ وتعلیم کے لئے بھیجا ہے) جو ابھی ان لوگوں سے نہیں ملے۔ (جو اس وقت موجود ہیں یعنی ان کے بعد کے زمانہ میں آئیں گے)، اور وہ اپنے ملک وصنعت میں بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔ اور یہاں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کو تابعین پر اقتصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کی فضیلت تابعین پر جو ہے اسی سے سمجھنا کافی ہوگا۔ کیونکہ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے۔ اور یہ حکم صحابہ کرام کے بعد تابعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے ہر جن وانس صاحب ایمان کیلئے ہے۔ کیونکہ ہر زمانہ جو مقترن ہوگا وہی بہتر ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بعد والوں کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورت الجمعہ نازل ہوئی تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی (وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ، الجمعہ: 3) یعنی پاک ہے وہ ذات کہ جس نے عرب اور دوسری قوموں کی طرف اپنے رسولوں کو بھیجا ان لوگوں میں سے ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یہ عرب کے علاوہ دوسرے لوگوں سے کون مراد ہیں؟)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ اس آدمی نے آپ سے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ پوچھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو بھی ان کی قوم میں سے کچھ لوگ وہاں تک پہنچ جاتے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 1997)

حضرت مجاہد وغیرہ بھی فرماتے ہیں اس سے مراد عجمی لوگ ہیں یعنی رب کے سوا کے جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ کی وحی کی تصدیق کریں۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ اب سے تین تین پشتوں کے بعد آنے والے میرے امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ وہ اللہ عزت وحکمت والا ہے، اپنی شریعت اور اپنی تقدیر میں غالب باحکمت ہے، پھر فرمان ہے یہ اللہ کا فضل ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی زبردست عظیم الشان نبوت کے ساتھ سرفراز فرمانا اور اس امت کو اس فضل عظیم سے بہرہ ور کرنا، یہ خاص اللہ کا فضل ہے، اللہ اپنا فضل جسے چاہے دے، وہ بہت بڑے فضل وکرم والا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ جمعہ، بیروت)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اس سے قطعی طور پر امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و برتری ثابت ہوتی ہے کیونکہ اہل فارس میں ان کے علم وتقویٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝
یہ اللہ کا فضل ہے، وہ اسے اس کو دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتے ہیں

"ذَلِكَ فَضْلُ اللَّه يُؤْتِيه مَنْ يَشَاء " النَّبِيّ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهُ

یہ اللہ کا فضل ہے، وہ اسے اس کو دیتا ہے جسے چاہتا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

یعنی رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بڑائی دی اور اس امت کو اتنے بڑے مرتبہ والا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیا۔ چاہیے کہ مسلمان اس انعام واکرام کی قدر پہچانیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تعلیم وتزکیہ سے مستفید ومنتفع ہونے میں کوتاہی نہ کریں۔ آگے عبرت کے لیے یہود کی مثال بیان فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اور پیغمبر سے استفادہ کرنے میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ
مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا، پھر انھوں نے اسے نہیں اٹھایا، گدھے کی مثال کی سی ہے جو کئی کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، ان لوگوں کی مثال بری ہے جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تورات پر عمل نہ کرنے والوں کی مثال کا بیان

"مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ" كُلِّفُوا الْعَمَلَ بِهَا "ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا" لَمْ يَعْمَلُوا بِمَا فِيهَا مِنْ نَعْتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ "كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا" أَيْ كُتُبًا فِي عَدَمِ انْتِفَاعِهِ بِهَا "بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ" الْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَخْصُوصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوفٌ تَقْدِيرُهُ هٰذَا الْمَثَلُ "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ

ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا، یعنی اس پر عمل کرنے کا مکلّف کیا گیا۔ پھر انھوں نے اسے نہیں اٹھایا، یعنی اس پر عمل نہ کیا کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے۔ گدھے کی مثال کی سی ہے جو کئی کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، یعنی کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جن سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کی مثال بری ہے جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل تھیں۔ اور یہاں پر مخصوص بہ ذم محذوف ہے جس کی تقدیر ہٰذا المثل ہے اور اللہ ظالم لوگوں یعنی کفار کو ہدایت نہیں دیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے والے یہود کی مثال کا بیان

سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت امیین میں ہونا اور آپ کی بعثت کے تین مقاصد کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے، پچھلی آسمانی کتاب تورات میں بھی آپ کا ذکر تقریباً انہی الفاظ وصفات کے ساتھ آیا ہے، جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ پر ایمان لے آتے، مگر ان کو دنیا کے جاہ و مال نے تورات کے احکام سے اندھا کر دیا اور باوجود تورات کا علم ہونے کے عمل کے اعتبار سے ایسے ہو گئے جیسے بالکل جاہل ناواقف ہوں ان لوگوں کی مذمت مذکورہ آیت میں اس طرح کی گئی کہ یہ لوگ جن پر تورات لا ددی گئی تھی، یعنی ان کو بے مانگے اللہ کی یہ نعمت دے دی گئی تھی، مگر انہوں نے اس کے اٹھانے کا حق ادا نہ کیا یعنی تورات کے احکام کی پروانہ کی، ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے کی پشت پر علوم وفنون کی بڑی بڑی کتابیں لا ددی جاتی ہیں، یہ گدھا ان کا بوجھ تو اٹھاتا ہے مگر ان کے مضامین کی نہ اس کو کچھ خبر ہے نہ ان سے کوئی فائدہ اس کو پہنچتا ہے، یہود کا بھی یہی حال ہے کہ دنیا سازی کے لئے تورات تو لئے پھرتے ہیں اور لوگوں میں اس کے ذریعہ جاہ اور اپنا مقام بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر اس کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ جمعہ، بیروت)

مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں بات کرے، وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ جاتا رہا۔ (مسند احمد بن حنبل)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝
آپ فرمادیجئے، اے یہودیو! اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ سب لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔

یہود کی دلیل اللہ کے دوست ہونے کی تردید کا بیان

"قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاء لِلَّهِ مِنْ دُون النَّاس فَتَمَنَّوْا الْمَوْت إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" تَعَلَّقَ بِتَمَنَّوْا الشَّرْطَانِ عَلَى أَنَّ الْأَوَّل قَيْد فِي الثَّانِي أَيْ إِنْ صَدَقْتُمْ فِي زَعْمكُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاء اللَّه وَالْوَلِيّ يُؤْثِر الْآخِرَة وَمَبْدَؤُهَا الْمَوْت فَتَمَنَّوْهُ

آپ فرمادیجئے: اے یہودیو! اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ سب لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست (یعنی اولیاء) ہو تو موت کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ یہاں پر تمنوا دو شرائط کے ساتھ متعلق ہے۔ اور وہ اس طرح یہ پہلی شرط دوسری میں مقید ہے۔ یعنی اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ تم اللہ کے دوست ہو حالانکہ دوستی آخرت میں مؤثر ہے۔ جس کی ابتداء موت ہے پس تم اس موت کی تمنا کرو تا کہ آخرت میں جا کر عیش و آرام کی زندگی بسر کرو۔

پھر فرماتا ہے اے یہود! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حق پر ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ناحق پر ہیں تو آؤ اور دعا مانگو کہ ہم دونوں میں سے جو حق پر نہ ہو اللہ اسے موت دے، پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں وہ ان کے سامنے ہیں مثلاً کفر فجور ظلم نافرمانی وغیرہ اس وجہ سے ہماری پیشین گوئی ہے کہ وہ اس پر آمادگی نہیں کریں گے، ان ظالموں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ۝
اور وہ کبھی اس کی تمنا نہیں کریں گے، اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

یہود کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے

"وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ" مِنْ كُفْرهمْ بِالنَّبِيِّ الْمُسْتَلْزِم لِكَذِبِهِمْ "وَاَللَّه عَلِيم بِالظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ،

اور وہ کبھی اس کی تمنا نہیں کریں گے، اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا ہے۔ جو ان کے جھوٹ کو مستلزم ہے۔ اور اللہ ظالموں یعنی کفار کو خوب جاننے والا ہے۔

یہودی موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے؟ مگر حقیقت حال اس کے بالکل برعکس تھی۔ اس آیت کے نزول کے بعد محض اپنے دعوے کو سچا قرار دینے کی خاطر انہوں نے جھوٹ موٹ یا زبانی طور پر موت کی آرزو نہیں کی۔ اس لیے کہ انہیں اپنی بداطواریوں کا

پوری طرح علم ہے اور انہیں دل سے یہ یقین ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی جنت کی بجائے سیدھے جہنم رسید ہوں گے۔ لہٰذا نہ صرف یہ کہ مرنے کی آرزو نہیں کرتے بلکہ زیادہ سے زیادہ مدت زندہ رہنے پر انتہائی حریص واقع ہوئے ہیں۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۠
فرمادیجئے: جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں ملنے والی ہے پھر تم ہر پوشیدہ وظاہر چیز کو جاننے والے کی طرف
لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں آگاہ کردے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

موت سے کسی طرح بھی فرار ممکن نہ ہوسکنے کا بیان

"قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ" اَلْفَاء زَائِدَة "مُلَاقِیكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ" السِّرّ وَالْعَلَانِیَة "فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" فَیُجَازِیكُمْ بِهِ،

فرمادیجئے جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں ملنے والی ہے۔ یہاں پر لفظ فانہ میں فاء زائدہ ہے۔ پھر تم ہر پوشیدہ وظاہر چیز کو جاننے والے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں آگاہ کردے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ پس وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا۔

مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو اس کی گردن ناپوں گا جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرتا تو سب کے دیکھتے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اگر یہود میرے مقابلہ پر آ کر موت طلب کرتے تو یقیناً وہ مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے اور اگر مباہلہ کے لئے لوگ نکلتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و مال کو ہرگز نہ پاتے۔ یہ حدیث بخاری ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے، پھر فرماتا ہے موت سے تو کوئی بچ نہیں سکتا، جیسے سورہ نساء میں ہے (ترجمہ) یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں تمہیں موت پا ہی لے گی گو مضبوط محلوں میں ہو۔

معجم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہ کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے، بھاگے، بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر دو پھر وہاں سے دم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہوگئی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جمعہ، بیروت)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۠

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے چل پڑو
اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

نماز جمعہ کی طرف حکم سعی کا بیان

"یَـا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا نُودِیَ لِلصَّلَاةِ مِنْ " بِمَعْنَی فِی "یَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا " فَامْضُوا "إِلَی ذِکْرِ اللَّه" لِلصَّلَاةِ "وَذَرُوا الْبَیْعَ" اُتْرُکُوا عَقْدَه "ذَلِکُمْ خَیْرٌ لَکُمْ إِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُونَ " أَنَّهُ خَیْر فَافْعَلُوا

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے اذان دی جائے۔ یہاں پر لفظ من بہ معنی فی ہے۔ تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ ونماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یعنی اس کا عقد کرنا چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ یعنی اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تو اس پر عمل کرو۔

لفظ جمعہ کی وجہ تسمیہ اور معنی ومفہوم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لفظ جمعہ میم کے ساکن کے ساتھ اور جمعہ میم کے فتح کے ساتھ ہر دو طرح سے بولا گیا ہے۔ **قال فی الفتح قد اختلف فی تسمیة الیوم بالجمعة مع الاتفاق علی انه کان لیسمی فی الجاهلیة والعروبة بفتح العین وضم الراء وبالوحدة** الخ یعنی جمعہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عہد جاہلیت میں اس کو یوم عروبہ کہا کرتے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس دن مخلوق کی خلقت تکمیل کو پہنچی اس لیے اسے جمعہ کہا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تخلیق آدم کی تکمیل اسی دن ہوئی اس وجہ سے اسے جمعہ کہا گیا۔ ابن حمید میں سند صحیح سے مروی ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ کے ساتھ انصار نے جمع ہو کر نماز ادا کی اور حضرت اسعد بن زرارہ نے ان کو وعظ فرمایا پس اس کا نام انہوں نے جمعہ رکھ دیا کیوں کہ وہ سب اس میں جمع ہوئے یہ بھی ہے کہ کعب بن لوی اس دن اپنی قوم کو حرم شریف میں جمع کر کے ان کو وعظ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس حرم سے ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یوم عروبہ کا نام سب سے پہلے یوم جمعہ کعب بن لوی ہی نے رکھا۔ یہ دن بڑی فضیلت رکھتا ہے اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں جو نیک دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی روش کے مطابق نماز جمعہ کی فرضیت کے لیے آیت قرآنی سے استدلال فرمایا جیسا کہ باب ذیل سے ظاہر ہے۔ جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کو آنے کی اجازت ہوتا کہ نام کے معنی کا ثبوت ہو۔ (بدائع الصنائع فصل شرائط الجمعہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

جامع شہر کی تعریف کا بیان

امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ اپنی مصنف میں لکھتے ہیں کہ ہمیں ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ جب تم کسی جامع قریہ میں ہوں تو وہاں جمعہ کے لئے اذان ہو تو تم پر جمعہ کے لئے جانا فرض ہے خواہ اذان سنی ہو یا نہ، کہتے ہیں میں نے عطاء سے پوچھا کہ جامع قریہ کون سا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا جس میں جماعت، امیر، قاضی اور متعدد کوچے اس میں ملے جلے ہوں جس طرح جدّہ ہے۔ (المصنف لعبدالرزاق، باب القری الصغار مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

علامہ ابراہیم حلبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ شہر کی وہ صحیح تعریف جسے صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے یہ ہے کہ وہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کر سکیں، اور صاحب وقایہ کے پہلی تعریف کو اختیار کرنے پر ان کی طرف سے صدر الشریعۃ کا یہ عذر کرنا کہ احکام شرع خصوصاً حدود کے نفاذ میں سستی کا ظہور ہو رہا ہے کمزور ہے کیونکہ مراد اقامت حدود پر قادر ہونا ہے جیسے کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تصریح ہے کہ وہ شہر کبیر ہو اس میں شاہراہیں، بازار اور وہاں سرائے ہوں اور اس میں کوئی نہ کوئی ایسا والی ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو خواہ اپنے دبدبہ اور علم کی بنا پر یا غیر کے علم کی وجہ سے تاکہ حوادثات میں اس کی طرف رجوع کر سکیں اور یہی اصح ہے۔ (شرح منیہ ج، ص ۵۵۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

جہاں جواز جمعہ میں شک تو کیا کرنا چاہیے

علامہ ابراہیم حلبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس اختلاف اور تعریف شہر میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس جگہ جواز جمعہ میں شک ہو وہاں ظہر کی نیت سے چار رکعات ادا کرنی چاہئیں، تو احتیاط ہی بہتر ہے کیونکہ یہاں بڑا سخت اختلاف ہے اور جمعہ کا ضرورت کے پیش نظر متعدد جگہ پر جواز کے فتویٰ کا صحیح ہونا شرعاً تقویٰ کے طور پر احتیاط کے منافی نہیں۔

(شرح منیہ ج، ص ۵۵۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

فنائے شہر کی تعریف کا بیان

جو جگہ خود شہر نہ ہو اُس میں صحت جمعہ کیلئے فنائے مصر ہونا ضرور ہے فنائے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی چھاؤنی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگرچہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ صحت جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان ہو۔ (درمختار، باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

جمعہ سے متعلق احادیث وتفسیری روایات کا بیان

صحیح احادیث میں آیا ہے، ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان سے پوچھا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا اسی دن تیرے ماں باپ (یعنی آدم وحوا) کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا۔ یا یوں فرمایا کہ تمہارے باپ کو جمع کیا۔ اسی طرح ایک موقوف حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فاللہ اعلم، پہلے اسے یوم العروبہ کہا جاتا تھا، پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن دیا گیا تھا، لیکن جمعہ کی ہدایت انہیں نہ ہوئی، یہودیوں نے ہفتہ پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہ ہوئی تھی، نصاریٰ نے اتوار اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی ہے اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو سند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب کے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی، پھر ان کے اس دن میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ راست دکھائی پس لوگ اس میں بھی ہمارے پیچھے ہیں یہودی کل اور نصرانی پرسوں، مسلم میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں کیا جائے گا، یہاں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے، سعی سے مراد یہاں دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ یعنی نماز کے لئے قصد کرو چل پڑو کوشش کرو کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ، جیسے اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے ومن اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس کے لئے کوشش بھی کرے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرائت میں بجائے فاسعوا کے فامضوا ہے، یہ یاد رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا منع ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کیلئے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو، دوڑو نہیں، جو پاؤ پڑھ لو، جو فوت ہو ادا کر لو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نماز میں تھے کہ لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور زور سے سنی، فارغ ہو کر فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ جو پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کر لو، حضرت حسن فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہاں یہ حکم نہیں کہ دوڑ کر نماز کے لئے آؤ یہ تو منع ہے بلکہ مراد دل اور نیت اور خشوع خضوع ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں اپنے دل اور اپنے عمل سے کوشش کرو، جیسے اور جگہ ہے فلما بلغ معہ السعی حضرت ذبیح اللہ جب خلیل اللہ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے، جمعہ کے لئے آنے والے کو غسل بھی کرنا چاہئے، بخاری مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا ارادہ کرے وہ غسل کر لیا کرے، اور حدیث میں ہے جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے اور روایت میں ہے کہ ہر بالغ پر ساتویں دن سر اور جسم کا دھونا ہے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ وہ دن جمعہ کا دن ہے۔

سنن اربعہ میں ہے جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان لگا کر سنے لغو کام نہ کرے تو اسے ہر ایک قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے، بخاری مسلم میں ہے جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے، اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا دوسری ساعت میں جانے والا مثل گائے کی قربانی کرنے والے کے ہے، تیسری ساعت میں جانے والا مرغ راہ اللہ میں تصدق کرنے والے کی طرح ہے، پانچویں ساعت میں جانے والا انڈا راہ اللہ دینے والے جیسا ہے، پھر جب امام آئے فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں، مستحب ہے کہ جمعہ کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنے خوشبو لگائے مسواک کرے اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے آئے، ایک حدیث میں غسل کے بیان کے ساتھ ہی مسواک کرنا اور خوشبو ملنا بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کو خوشبو ملے اگر ہو اور اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے اور کسی کے ایذاء نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آجائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روزمرہ کے محنتی لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کرلو۔ جس اذان کا یہاں اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی اذان تھی جب آپ گھر سے تشریف لاتے منبر پر جاتے اور آپ کے بیٹھ جانے کے بعد آپ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی، اس سے پہلے کی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھی اسے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر زیادہ کیا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے زمانے میں جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر خطبہ کہنے کے لئے بیٹھ جاتا، حضرت عثمان کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ مکان پر کہلوائی زیادہ کی اس مکان کا نام زوراء تھا مسجد سے قریب سب سے بلند یہی مکان تھا۔

حضرت مکحول سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ اذان صرف ایک ہی تھی جب امام آتا تھا اس کے بعد صرف تکبیر ہوتی تھی، جب نماز کھڑی ہونے لگے، اسی اذان کے وقت خرید و فروخت حرام ہوتی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پہلے کی اذان کا حکم صرف اس لئے دیا تھا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے عورتوں، غلاموں اور بچوں کو نہیں،

مسافر مریض اور تیمار دار اور ایسے ہی اور عذر والے بھی معذور گنے گئے ہیں جیسے کہ کتب فروع میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے لئے چل پڑو تجارت کو ترک کر دو، جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے علماء کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے، اس میں اختلاف ہے کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ ٹھہرے گا۔

پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ اور نماز کی طرف تمہارا آنا ہی تمہارے حق میں دین دنیا کی بہتری کا باعث ہے اگر تم میں علم ہو۔ ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے چلے جانا اور اللہ کے فضل کی تلاش میں لگ جانا تمہارے لئے حلال ہے۔ عراک بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے (ترجمہ) یعنی اے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما تو سب سے بہتر روزی رساں ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ جمعہ، بیروت)

اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ خرید فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ آخروی نفع بھول بیٹھو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی بازار جائے اور وہاں (ترجمہ) پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں بندہ کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جبکہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا رہے۔

نماز جمعہ کو ترک کرنے پر سخت وعید کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو آدمی بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑ دیتا ہے وہ ایسی کتاب میں منافق لکھا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جاتی ہے اور نہ تبدیل کی جاتی ہے" اور بعض روایات میں یہ ہے کہ جو آدمی تین جمعے چھوڑ دے (یہ وعید اس کے لئے ہے)۔ (شافعی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1350)

من غیر ضرورۃ کا مطلب یہ ہے کہ ترک جماعت کے جو عذر ہیں مثلاً کسی ظالم اور دشمن کا خوف، پانی برسن، برف پڑنا یا راستے میں کیچڑ وغیرہ کا ہونا وغیرہ وغیرہ اگر ان میں سے کسی عذر کی بنا پر جمعہ کی نماز کیلئے نہ جائے تو وہ منافق نہیں لکھا جائے گا ہاں بغیر کسی عذر اور مجبوری کے جمعہ چھوڑنے والا منافق لکھا جائے گا۔ فی کتبا لا یمحی و لا یبدل میں کتاب سے مراد "نامہ اعمال" ہے حاصل یہ ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے والا اپنے نامہ اعمال میں کہ جس میں نہ تنسیخ ممکن ہے اور نہ تغیر و تبدل، منافق لکھ دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ نفاق جیسی ملعون صفت ہمیشہ کے لئے چپک کر رہ جاتی ہے تاکہ آخرت میں یا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کر دے یا اپنے فضل و کرم سے درگزر فرماتے ہوئے اسے بخش دے غور و فکر کا مقام ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے کی کتنی شدید وعید ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رزق تلاش کیلئے نکلنے کا بیان

"فَإِذَا قُضِيَتُ الصَّلَاة فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْض " أَمْر إبَاحَة "وَابْتَغُوا" اُطْلُبُوا الرِّزْق "مِنْ فَضْل اللَّه وَاذْكُرُوا اللَّه " ذِكْرًا "كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" تَفُوزُونَ كَانَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُب يَوْم الْجُمُعَة فَقَدِمَتْ عِير وَضُرِبَ لِقُدُومِهَا الطَّبْل عَلَى الْعَادَة فَخَرَجَ لَهَا النَّاس مِنْ الْمَسْجِد غَيْر اثْنَيْ عَشَر رَجُلًا فَنَزَلَتْ،

پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ، یہاں پر امر اباحت کیلئے آیا ہے۔ اور پھر اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ مبارک کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ کہ اسی دوران تجارتی قافلہ آیا تو حسب دستور اس کا طبل بج گیا تو بارہ آدمیوں کے سوا لوگ مسجد سے اس کی جانب چلے گئے۔ جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فاذا قضیت الصلوٰۃ: ف عاطفہ، اذا۔ جب۔ ظرف زمان۔ شرطیہ۔ قضیت: ماضی مجہول واحد مونث غائب قضاء (باب ضرب) مصدر۔ نماز ادا کرنا ق۔ ض۔ ی مادہ۔ پھر جب نماز ادا ہو چکے۔ جملہ شرط ہے۔

فانشروا: ف جواب شرط کے لئے ہے انشروا: فعل امر، جمع مذکر حاضر۔ انتشار (افعال) مصدر۔ تم منتشر ہو جاو۔ تم الگ الگ ہو جاو۔ تم بکھر جاو۔ عربی میں لوگوں کے انتشار کا مطلب ان کا پھیل کر اپنے اپنے کام میں لگ جانا ہے۔ جملہ جواب شرط ہے۔

وابتغوا من فضل اللہ . واو عاطفہ ابتغوا فعل امر جمع مذکر حاضر۔ ابتغاء (افتعال) مصدر۔ تم تلاش کرو۔ من تبعیضیہ ہے۔ فضل اللہ مضاف مضاف الیہ۔ اللہ کا فضل۔ فضل سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

(1) بعض اہل علم نے کہا کہ زمین پر پھیل جانے سے مراد دنیا کمانے کے لئے پھیلنا نہیں ہے۔ بلکہ بیمار کی عیادت، کسی جنازہ کی شرکت اور اللہ کی رضا کی خاطر دوست کی ملاقات کے لئے جانا ہے۔

(2) بعض نے خداداد روزی اس کا مطلب لیا ہے۔ (3) بعض نے اس سے علم حاصل کرنا مراد لیا ہے۔

فضل اللہ کی تلاش کے لئے پھیل جانا وجوبی نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے ہے اس جملہ کا عطف بھی جملہ سابقہ پر ہے۔ اور یہ بھی جواب شرط میں ہے۔

واذکروا اللہ کثیرا ۔ یہ بھی جملہ معطوفہ ہے اور جواب شرط میں ہے۔یعنی نہ صرف زمین میں پھیل جاو اور اللہ کا رزق تلاش کرو بلکہ ہر حال میں اللہ کو ہرگز نہ بھولو اور اسے ہر وقت اور کثرت سے یاد کیا کرو۔ ذکر اللہ کو محض نماز تک مخصوص اور محدود نہ رکھو۔ بلکہ ہر وقت دوسرے دنیاوی کام کرتے وقت بھی اللہ کو یاد کیا کرو۔

اذکروا ۔ امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ ذکر (باب نصر) مصدر سے۔کثیرا صفت ہے موصوف محذوف ہے۔ای ذکرا کثیرا مفعول مطلق ہے۔لعلکم: تاکہ تم۔ بمعنی کی۔تاکہ۔ تفلحون۔مضارع جمع مذکر حاضر۔افلاح (افعال) مصدر۔تم فلاح پاو۔تم فلاح پاو گے۔

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَ ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ
خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۠
اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھا تو اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ کو کھڑے چھوڑ گئے، فرما دیجئے:
جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل سے اور تجارت سے بہتر ہے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

اللہ تعالی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے

"وَإِذَا رَأَوْا تِـجَارَة أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا" أَيْ التِّـجَارَة لِأَنَّهَا مَطْلُوبهمْ دُون اللَّهْو "وَتَرَكُوك" فِي الْخُطْبَة "قَـائِمًا قُلْ مَا عِنْد اللَّه" مِنْ الثَّوَاب "خَيْر" لِلَّذِينَ آمَنُوا "مِنْ اللَّهْو وَمِنْ التِّجَارَة وَاَللَّه خَيْر الرَّازِقِينَ" يُقَال : كُلّ إِنْسَان يَرْزُق عَائِلَته أَيْ مِنْ رِزْق اللَّه تَعَالَى،

اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھا یعنی ان کا مقصد تجارت تھا نہ کہ لہو تھا۔ تو (اپنی حاجت مندی اور معاشی تنگی کے باعث) اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ کو خطبہ میں کھڑے چھوڑ گئے، فرما دیجئے: جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کیلئے کھیل سے اور تجارت سے بہتر ہے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے اہل وعیال کو رزق دیتا ہے یعنی وہ اللہ کے رزق میں سے دیتا ہے۔

سورت جمعہ آیت ۱۱ کے شان نزول کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک مدینہ کا قافلہ آیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اس کی طرف دوڑ پڑے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ وعمر رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے اور یہ آیت نازل ہوئی (وَاِذَا رَاَوْا تِـجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا، اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشہ، متفرق ہو جائیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا۔ تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سوداگری سے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1259)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم ایک جمعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ (تجارتی) اونٹ آئے جن پر اناج لدا ہوا تھا تو بارہ افراد کے علاوہ سب لوگ (آپ کے پاس سے) اٹھ کر چلے گئے اس موقع پر آیت نازل ہوئی۔ (بخاری 894، مسلم 863، قرطبی 18۔109)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کے حاجت مندوں کو فاقہ اور بھاؤ چڑھنے کے وبال کے سامنا ہوا تو دحیہ بن خلیف کلبی شام کی تجارت میں آیا اس کے آنے پر ڈھول بجایا گیا تا کہ لوگوں کو اس کے آنے خبر ہو جائے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو تمام لوگ اس کی طرف چلے گئے اور مسجد میں بارہ افراد کے علاوہ اور کوئی بھی نہ بچا جن میں حضرت ابو بکر اور عمر بھی تھے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اس طرح جاتے رہتے حتی کہ تم میں ایک بھی (میرے پاس) نہ رہتا تو تم پر یہ وادی آگ اگل دیتی۔ (زاد المسیر 8۔269)

سُورَۃُ الْمُنٰفِقُوْن

یہ قرآن مجید کی سورت منافقون ہے

سورت منافقون کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الْمُنَافِقُونَ (مَكِّيَّة وَ آيَاتهَا إِحْدَى عَشْرَة آيَة)

سورہ منافقون مدنیہ ہے، اس میں دو رکوع، گیارہ آیات، ایک سو اسی کلمات اور نو سو چھہتر حروف ہیں۔

سورت منافقوں کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کا نام منافقون کے لفظ سے معروف ہوا ہے کیونکہ اس سورت میں منافقین کے جھوٹ کو اوران کے باطنی ارادوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ پس اسی کے سبب سے یہ سورت منافقون کے لفظ سے معروف ہوئی ہے۔

سورت منافقون کے شان نزول کا بیان

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لئے گئے ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی بھی تھے۔ ہم لوگ تیزی سے پانی کی طرف دوڑے۔ دیہاتی ہم سے پہلے وہاں پہنچ گئے اور ایک دیہاتی نے پہنچ کر حوض بھرا اور اس کے گرد پتھر لگا کر اس پر چمڑا ڈال دیا۔ (تاکہ کوئی اور پانی نہ لے سکے) صرف اس کے ساتھی ہی وہاں آئیں۔ ایک انصاری اس کے پاس گیا اور اپنی اونٹنی کی مہار ڈھیلی کر دی تاکہ وہ پانی پی لے۔ لیکن دیہاتی نے انکار کر دیا۔ اس پر انصاری نے پانی کی روک ہٹا دی (تاکہ پانی بہہ جائے) اس دیہاتی نے ایک لکڑی اٹھائی اور انصاری کے سر پر ماردی جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور وہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کے پاس آیا۔ یہ قصہ سن کر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کے پاس سے چلے جائیں۔ یعنی دیہاتی لوگ۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھانے کے وقت حاضر ہوا کرتے تھے۔ عبداللہ بن ابی کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ کھانا اس وقت لے کر جایا کرو جب یہ لوگ جا چکیں جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو وہاں کے عزت دار لوگوں کو چاہیے کہ ذلیل لوگوں (یعنی اعراب) کو وہاں سے نکال دیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ میں نے عبداللہ کی بات سنی اور پھر اپنے چچا کو بتا دی۔ چچا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلوایا تو اس نے آ کر قسم کھائی اور اس بات کا انکار کر دیا کہ اس نے یہ نہیں کہا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سچا سمجھ کر مجھے جھٹلا دیا۔ پھر میرے چچا میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم یہی چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے ناراض ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان تمہیں جھٹلا دیں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مجھے اس کا اتنا دکھ ہوا کہ کسی اور کو نہ ہوا ہوگا۔ پھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سر جھکائے چل رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرا کان کھینچ کہ میرے سامنے ہنسنے لگے۔ مجھے اگر دنیا میں ہمیشہ رہنے کی خوشخبری بھی ملتی تو بھی میں اتنا خوش نہ ہوتا جتنا اس وقت ہوا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ملے اور پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے کیا کہا؟ میں نے کہا کچھ فرمایا تو نہیں بس میرا کان ملا اور ہنسنے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تمہیں بشارت ہو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے ملے۔ انہوں نے بھی اسی طرح پوچھا اور میں نے بھی وہی جواب دیا۔ چنانچہ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورت منافقون پڑھی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1262)

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝
جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے
کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً منافق لوگ جھوٹے ہیں۔

منافقین کی جھوٹی شہادت دینے کا بیان

"إذَا جَاءَك الْمُنَافِقُونَ قَالُوا " بِأَلْسِنَتِهِمْ عَلَى خِلَاف مَا فِي قُلُوبهمْ "نَشْهَد إنَّك لَرَسُول اللَّه وَاَللَّه يَعْلَم إنَّك لَرَسُوله وَاَللَّه يَشْهَد " يَعْلَم "إنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ " فِيمَا أَضْمَرُوهُ مُخَالِفًا لِمَا قَالُوهُ

جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں، یعنی وہ اپنی زبانوں سے جو کہتے ہیں دلوں میں اس کے خلاف ہوتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ یقیناً منافق لوگ جھوٹے ہیں۔ کیونکہ ان کے دلوں میں ان کے کہے ہوئے کے خلاف ہے۔

منافقین کے جھوٹے قول وقرار کا بیان

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں ان پر خرچ مت کرو۔ یہاں تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ہٹ جائیں۔ اور اگر ہم مدینہ واپس آئے تو عزت دار لوگ ذلیل لوگوں (یعنی صحابہ مہاجرین) کو نکال دیں گے۔ میں نے اس

بات کا ذکر اپنے چچا سے کیا اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بات پہنچا دی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلوا کر پوچھا۔ میں نے پوری بات بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلوایا۔ انہوں نے آ کر قسم کھائی کہ ہم نے یہ بات نہیں کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جھٹلایا اور ان کو سچا تسلیم کر لیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں مجھے اس کا اتنا دکھ ہوا کہ کبھی زندگی میں اتنا دکھ نہیں ہوا۔ میں اگھر میں بیٹھ گیا تو چچا کہنے لگے کہ تم یہی چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں جھٹلا دیں اور تجھ سے خفا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی (اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ، جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلوایا اور یہ سورت پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1261)

منافقین کی بعض علامات کا بیان

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں ان کا سلام لعنت ہے ان کی خوراک لوٹ مار ہے ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے وہ مسجدوں کی نزدیکی ناپسند کرتے ہیں وہ نمازوں کے لئے آخری وقت آتے ہیں تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں نرمی اور سلوک تواضع اور انکساری سے محروم ہوتے ہیں نہ خود ان کاموں کو کریں نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں رات کی لکڑیاں اور دن کے شور و غل کرنے والے اور روایت میں ہے دن کو خوب کھانے پینے والے اور رات کو خشک لکڑیوں کی طرح پڑ رہنے والے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ منافقون، بیروت)

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○
انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا، پس انھوں نے اللہ کی راہ سے روکا۔ یقیناً یہ لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں برا ہے۔

منافقین کا قسموں کے ذریعے اموال و جانوں کو محفوظ بنانے کا بیان

"اتَّخَذُوا أَيْمَانهمْ جُنَّة" سُتْرَة عَلَى أَمْوَالهمْ وَدِمَائِهِمْ "فَصَدُّوا" بِهَا "عَنْ سَبِيل اللّٰه" أَيْ عَنْ الْجِهَاد فِيهِمْ

انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا، تاکہ اپنے اموال اور خون محفوظ کرلیں۔ پس انھوں نے اللہ کی راہ یعنی جہاد سے روکا۔ یقیناً یہ لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں برا ہے۔

یعنی جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لیے ان ہی قسموں کی آڑ پکڑتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا خوف ہوا، فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہو گئے۔

یعنی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت طعن وتشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور لوگ ان کو بظاہر مسلمان دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں، تو ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر فساد ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر برا کام اور کیا ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ۝
یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، سو وہ نہیں سمجھتے۔

منافقین کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دینے کا بیان

"ذَلِكَ" أَيْ سُوءُ عَمَلِهِمْ "بِأَنَّهُمْ آمَنُوا" بِاللِّسَانِ "ثُمَّ كَفَرُوا" بِالْقَلْبِ أَيْ اسْتَمَرُّوا عَلَى كُفْرِهِمْ بِهِ "فَطُبِعَ" خُتِمَ "عَلَى قُلُوبِهِمْ" بِالْكُفْرِ "فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ" الْإِيمَانَ،

یہ یعنی ان کا برا عمل اس لیے ہے کہ بے شک وہ زبانی ایمان لائے، پھر انھوں نے دل میں کفر کیا یعنی اس پر کفر پر باقی رہے تو ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دی گئی، سو وہ ایمان کو نہیں سمجھتے۔

یعنی زبان سے ایمان لائے، دل سے منکر رہے اور مدعی ایمان ہو کر کافروں جیسے کام کیے اس بے ایمانی اور انتہائی فریب ودغا کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ جن میں ایمان وخیر اور حق وصداقت کے سرایت کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ اب اس حالت پر پہنچ کر ان سے سمجھنے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں سے بالکل مسخ ہو جائے پھر نیک وبد کے سمجھنے کی صلاحیت کہاں باقی رہے گی۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ
يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۝
اور جب تو انھیں دیکھے تجھے ان کے جسم اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تو ان کی بات پر کان لگائے گا،
گویا وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، ہر بلند آواز کو اپنے خلاف گمان کرتے ہیں۔ یہی اصل دشمن ہیں،
پس ان سے ہوشیار رہ۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، کہاں بہکائے جا رہے ہیں۔

منافقین کے ظاہری جمال وخطاب پر تعجب کرنے کا بیان

"وَإِذَا رَأَيْتهمْ تُعْجِبك أَجْسَامهمْ" لِجَمَالِهَا "وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَع لِقَوْلِهِمْ" لِفَصَاحَتِهِ "كَأَنَّهُمْ" مِنْ عِظَم أَجْسَامهمْ فِي تَرْك التَّفَهُّم "خُشُب" بِسُكُونِ الشِّين وَضَمّهَا "مُسَنَّدَة" مُمَالَة إِلَى الْجِدَار "يَحْسَبُونَ كُلّ صَيْحَة" تُصَاح كَنِدَاءٍ فِي الْعَسْكَر وَإِنْشَاد ضَالَّة "عَلَيْهِمْ" لِمَا فِي

قُلُوبِهِمْ مِنَ الرُّعْبِ أَنْ يَنْزِلَ فِيهِمْ مَا يُبِيحُ دِمَاءَهُمْ "هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ" فَإِنَّهُمْ يُفْشُونَ سِرَّكَ لِلْكُفَّارِ "قَاتَلَهُمُ اللَّهُ" أَهْلَكَهُمْ "أَنَّى يُؤْفَكُونَ" كَيْفَ يُصْرَفُونَ عَنِ الْإِيمَانِ بَعْدَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ،

اور جب آپ انہیں دیکھیں تو وہ آپ کو جسم کے جمال کی وجہ سے اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو آپ ان کی بات پر فصاحت کی وجہ سے کان لگائیں گے، گویا وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، یہاں پر لفظ خشب یہ شین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جیسے کوئی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوتا ہے۔ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف گمان کرتے ہیں۔ جس طرح لشکر میں آواز لگاتا ہے یا کسی گم شدہ کی آواز لگاتا ہے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں یہ رعب بیٹھ گیا ہے کہ کہیں ان کے خون حلال ہونے کا کوئی حکم نازل نہ ہو جائے۔ یہی اصل دشمن ہیں، پس ان سے ہوشیار رہیں۔ کیونکہ وہ آپ کے راز کفار میں پھیلاتے ہیں۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، کہاں بہکائے جارہے ہیں۔ یعنی وہ دلیل قائم ہو جانے کے بعد کیوں ایمان سے پھرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بڑے ڈیل ڈول کا، تندرست، خوش شکل اور چرب زبان آدمی تھا۔ اور یہی شان اس کے بہت سے ساتھیوں کی تھی۔ یہ سب مدینہ کے رئیس لوگ تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو دیواروں سے تکیے لگا کر بیٹھتے اور بڑی لچھے دار باتیں کرتے۔ ان کے جثے بشرے کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر کوئی یہ گمان تک نہ کر سکتا تھا کہ بستی کے یہ معززین اپنے کردار کے لحاظ سے اتنے ذلیل ہوں گے۔

کوئی کسی کو پکارتا ہو، یا اپنی گمی چیز ڈھونڈھتا ہو، یا لشکر میں کسی مقصد کے لئے کوئی بات بلند آواز سے کہیں تو یہ اپنے خبث نفس اور سوءِ ظن سے یہی سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ کہا گیا اور انہیں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ان کے حق میں کوئی ایسا مضمون نازل ہوا جس سے ان کے راز فاش ہو جائیں۔ (تفسیر خزائن العرفان بہ تصرف، سورہ منافقون، لاہور)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ○
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے لئے مغفرت طلب فرمائیں تو یہ اپنے
سر جھٹک کر پھیر لیتے ہیں اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے گریز کرتے ہیں۔

منافقین کا تکبر کرتے ہوئے معذرت نہ کرنے کا بیان

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا" مُعْتَذِرِينَ "يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ عَطَفُوا "رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ" يُعْرِضُونَ عَنْ ذَلِكَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم معذرت کرتے ہوئے آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لئے مغفرت طلب فرمائیں تو یہ (منافق گستاخی سے) اپنے سر جھٹک کر پھیر لیتے ہیں یہاں پر لفظ لولوا یہ تشدید و تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ اور آپ

انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں آنے سے گریز کرتے ہیں۔

سورت منافقون آیت ۵ کے شان نزول کا بیان

غزوہ مریسیع سے فارغ ہو کر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرِ چاہ نزول فرمایا تو وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجیر جہجاہ غِفاری اور ابن اُبی کے حلیف سنان بن دبر جُہنی کے درمیان جنگ ہوگئی، جہجاہ نے مہاجرین کو اور سنان نے انصار کو پکارا، اس وقت ابن اُبی منافق نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بہت گستاخانہ اور بیہودہ باتیں بکیں اور یہ کہا کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر ہم میں سے عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اگر تم انہیں اپنا جھوٹا کھانا نہ دو تو یہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں، اب ان پر کچھ خرچ نہ کرو تا کہ یہ مدینہ سے بھاگ جائیں، اس کی یہ ناشائستہ گفتگو سن کر زید بن ارقم کو تاب نہ رہی انہوں نے اس سے فرمایا کہ خدا کی قسم تو ہی ذلیل ہے اپنی قوم میں بغض ڈالنے والا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ مبارک پر معراج کا تاج ہے۔

حضرت رحمٰن نے انہیں عزت وقوت دی ہے، ابن اُبی کہنے لگا چپ میں تو ہنسی سے کہہ رہا تھا، زید بن ارقم نے یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن اُبی کے قتل کی اجازت چاہی، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن اُبی سے دریافت فرمایا کہ تو نے یہ باتیں کہیں تھیں؟ وہ مُکر گیا اور قسم کھا گیا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا، اس کے ساتھی جو مجلس شریف میں حاضر تھے، وہ عرض کرنے لگے کہ ابن اُبی بوڑھا بڑا شخص ہے، یہ جو کہتا ہے ٹھیک ہی کہتا ہے، زید بن ارقم کو شاید دھوکا ہوا اور بات یاد نہ رہی ہو، پھر جب اوپر کی آیتیں نازل ہوئیں اور ابن اُبی کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو اس سے کہا گیا کہ جا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کر، حضور تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں، تو گردن پھیری اور کہنے لگا کہ تم نے کہا، ایمان لا تو میں ایمان لے آیا، تم نے کہا، زکوٰۃ دے تو میں نے زکوٰۃ دی، اب یہی باقی رہ گیا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کروں، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ منافقون، لاہور)

منافقین کی حیلہ سازیوں کے مختلف احوال کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیان راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا تھا اور غضب وتکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گھور کر دکھایا تھا اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبداللہ بن ابی بن سلول کا ہے جیسے کہ عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی قوم کا بڑا اور شریف شخص تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا لوگو یہ ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو اور آپ کی عزت وتکریم کرو آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجالاؤ یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا، احد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں

سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی نافرمانی کر کے تہائی لشکر کو لے کر مدینہ کو واپس لوٹ آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے فارغ ہوئے اور مدینہ میں مع الخیر تشریف لائے جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے تو حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا چاہتا ہی تھا کہ بعض صحابہ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے دشمن اللہ بیٹھ جا تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بک دے، یہ ناراض ہو کر لوگں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بدیات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بڑی بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں گے آپ تمہارے لئے اللہ سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت قتادہ اور حضرت سدی فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے واقعہ یہ تھا کہ اسی کی قوم کے ایک نوجوان مسلمان نے اس کی ایسی ہی چند بری باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلوایا تو یہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھا گیا، انصاریوں نے صحابی کو ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور اسے جھوٹا سمجھا اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس منافق کی جھوٹی قسموں اور اس نوجوان صحابی کی سچائی کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اب اس سے کہا گیا کہ تو چل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کرا تو اس نے انکار کے لہجے میں سر ہلا دیا اور نہ گیا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جس منزل میں اترتے وہاں سے کوچ نہ کرتے جب تک نماز نہ پڑھ لیں، غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن ابی کہہ رہا ہے کہ ہم عزت والے ان ذلت والوں کو مدینہ پہنچ کر نکال دیں گے پس آپ نے آخری دن میں اترنے سے پہلے ہی کوچ کر دیا اسے کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنی خطا کی معافی اللہ سے طلب کر اس کا بیان اس آیت میں ہے، اس کی اسناد سعید بن جبیر تک صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے اس میں نظر ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول تو اس غزوہ میں تھا ہی نہیں بلکہ لشکر کی ایک جماعت کو لے کر یہ تو لوٹ گیا تھا۔

کتب سیر و مغازی کے مصنفین میں تو یہ مشہور ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنو المصطلق کا ہے چنانچہ اس قصہ میں حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان اور حضرت عبداللہ بن ابو بکر اور حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ اس لڑائی کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جگہ قیام تھا، وہاں حضرت جہجاہ بن سعید غفاری اور حضرت سنان بن یزید کا پانی کے ازدہام پر کچھ جھگڑا ہو گیا جہجاہ حضرت عمر کے کارندے تھے، جھگڑے نے طول پکڑا سنان نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور جہجاہ نے مہاجرین کو اس وقت حضرت زید بن ارقم وغیرہ انصاری کی ایک جماعت عبداللہ بن ابی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس نے جب یہ فریاد سنی تو کہنے لگا لو ہمارے ہی شہروں میں ان لوگوں نے ہم پر حملے شروع کر دیئے اللہ کی قسم ہماری اور ان قریشیوں کی مثال وہی ہے جو کسی نے کہا

ہے کہ اپنے کتے کو موٹا تازہ کرتا کہ تجھے ہی کاٹے اللہ کی قسم اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ہم ذی مقدور لوگ ان بیمقدروں کو وہاں سے نکال دیں گے پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے ان سے کہنے لگا یہ سب آفت تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لی ہے تم نے انہیں اپنے شہر میں بسایا تم نے انہیں اپنے مال آدھوں آدھ حصہ دیا اب بھی اگر تم ان کی مالی امداد نہ کرو تو یہ خود تنگ آکر مدینہ سے نکل بھاگیں گے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تمام باتیں سنیں آپ اس وقت بہت کم عمر تھے سیدھے سرکار نبوت میں حاضر ہوئے اور کل واقعہ بیان فرمایا اس وقت آپ کے پاس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے غضبناک ہوکر فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباد بن بشیر کو حکم فرمائیے کہ اس کی گردن الگ کردے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو لوگوں میں یہ مشہور ہوجائے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی گردنیں مارتے ہیں یہ ٹھیک نہیں جاؤ لوگوں میں کوچ کی منادی کردو، عبداللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی گفتگو کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگیا تو بہت سٹ پٹایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عذر معذرت اور حیلے حوالے تاویل اور تحریف کرنے لگا اور قسمیں کھا گیا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا، چونکہ یہ شخص اپنی قوم میں ذی عزت اور باوقعت تھا اور لوگ بھی کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاید اس بچے نے ہی غلطی کی یہ واسے وہم ہوگیا ہو واقعہ ثابت تو ہوتا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے جلدی ہی کوچ کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے چلے راستے میں حضرت اسید بن نضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور آپ کی شان نبوت کے قابل باادب سلام کیا پھر عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج کیا بات ہے کہ وقت سے پہلے ہی جناب نے کوچ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں ملوم نہیں کہ تمہارے ساتھی ابن ابی نے کیا کہا وہ کہتا ہے کہ مدینہ جاکر ہم عزیز ان ذلیلوں کو نکال دیں گے حضرت اسید نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے آپ ہیں اور ذلیل وہ ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کی ان باتوں کا خیال بھی نہ فرمائیے دراصل یہ بہت جلا ہوا ہے سنئے اہل مدینہ نے اسے سردار بنانے پر اتفاق کرلیا تھا تاج تیار ہو رہا تھا کہ اللہ رب العزت آپ کو لایا اس کے ہاتھ سے ملک نکل گیا پس یہ چراغ پا ہو رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے، دوپہر کو ہی چل دیئے تھے شام ہوئی رات ہوئی صبح ہوئی یہاں تک کہ دھوپ میں تیزی آگئی تب آپ نے پڑاؤ کیا تاکہ لوگ اس بات میں پھر نہ الجھ جائیں، چونکہ تمام لوگ تھکے ہارے اور رات کے جاگے ہوئے تھے اترتے ہی سب سو گئے ادھر یہ سورت نازل ہوئی۔ (سیرۃ ابن اسحاق)

بیہقی میں ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک مہاجر نے ایک انصار کو پتھر مار دیا اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں نے اپنی اپنی جماعت سے فریاد کی اور انہیں پکارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا جاہلیت کی ہانک لگانے لگے اس فضول خراب عادت کو چھوڑو، عبداللہ بن ابی بن سلول کہنے لگا اب مہاجر یہ کرنے لگ گئے اللہ کی قسم مدینہ پہنچتے ہی ہم ذی عزت ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے، اس وقت مدینہ شریف میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی گو بعد میں مہاجرین بہت زیادہ ہوگئے تھے، حضرت عمر کو جب ابن ابی کے اس قول کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس کے قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے روک دیا۔

مسند احمد میں حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں میں نے جب اس منافق کا یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا اور اس نے آ کر انکار کیا اور قسمیں کھا گیا اس وقت میری قوم نے مجھے بہت کچھ برا کہا اور ہر طرح ملامت کی کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نہایت غمگین دل ہو کر وہاں سے چل دیا اور سخت رنج وغم میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا عذر نازل فرمایا ہے اور تیری سچائی ظاہر کی ہے اور یہ آیت اتری ھم الذین الخ یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت زید بن ارقم کا یہ بیان اس طرح ہے کہ میں اسے چچا کے ساتھ ایک غزوے میں تھا اور میں نے عبداللہ بن ابی کی یہ دونوں باتیں سنیں میں نے اپنے چچا سے بیان کیں اور میرے چچا نے حضور سے عرض کیں جب آپ نے اسے بلایا اس نے انکار کیا اور قسمیں کھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سچا اور مجھے جھوٹا جانا میرے چچا نے بھی مجھے برا بھلا کہا مجھے اس قدر غم اور ندامت ہوئی کہ میں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ یہ سورت اتری اور آپ نے میری تصدیق کی اور مجھے یہ پڑھ سنائی۔ مسند کی اور روایت میں ہے کہ ایک سفر کے موقعہ پر جب صحابہ کو تنگی پہنچی تو اس نے انہیں کچھ دینے کی ممانعت کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں اس لئے بلوایا کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں تو انہوں نے اس سے بھی منہ پھیر لیا، قرآن کریم نے انہیں ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں اس لئے کہا ہے کہ یہ لوگ اچھے جمیل جسم والے تھے۔

ترمذی وغیرہ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ہمارے ساتھ کچھ اعراب لوگ بھی تھے پانی کی جگہ وہ پہلے پہنچنا چاہتے تھے اسی رطح ہم بھی اسی کی کوشش میں رہتے تھے ایک مرتبہ ایک اعرابی نے جا کر پانی پر بضہ کر کے حوض پر کر لیا اور اس کے اردگرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے چمڑا پھیلا دیا ایک انصاری نے آ کر اس حوض میں سے اپنے اونٹ کو پانی پلانا چاہا اس نے روکا انصاری نے پلانے پر زور دیا اس نے ایک لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ یہ چونکہ عبداللہ بن ابی کا ساتھی تھا سیدھا اس کے پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا عبداللہ بہت بگڑا اور کہنے لگا ان اعرابیوں کو کچھ نہ دو یہ خود بھوکے مرتے بھاگ جائیں گے، یہ اعرابی کھانے کے قوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ جاتے تھے اور کھا لیا کرتے تھے تو عبداللہ بن ابی نے کہا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا لے کر ایسے وقت جاؤ جب یہ لوگ نہ ہوں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھا لیں گے یہ رہ جائیں گے یونہی بھوکوں مرتے بھاگ جائیں گے اور اب ہم مدینہ جا کر ان کمینوں کو نکال باہر کریں گے، میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا اور میں نے یہ سب سنا اپنے چچا سے ذکر کیا چچا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے اسے بلوایا یہ انکار کر گیا اور حلف اٹھا لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا قرار دیا میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا تم نے یہ کیا حرکت کی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر ناراض ہو گئے اور تجھے جھوٹا جانا اور دیگر مسلمانوں نے بھی تجھے جھوٹا سمجھا مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا سخت غم واندوہ کی حالت میں سر جھکائے میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ جا رہا تھا تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی کہ آپ میرے پاس آئے۔

میرا کان پکڑا، جب میں نے سر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرائے اور چل دیئے، اللہ کی قسم مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اگر دنیا کی ابدی زندگی مجھے مل جاتی جب بھی میں اتنا خوش نہ ہو سکتا تھا پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا کہا؟ میں نے کہا؟ فرمایا تو کچھ بھی نہیں مسکراتے ہوئے تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا بس پھر خوش ہو، آپ کے بعد ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہی سوال مجھ سے کیا اور میں نے یہی جواب دیا صبح کو سورہ منافقون نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ منافقون، بیروت)

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا آپ ان کے لئے استغفار نہ کریں، اللہ ان کو ہرگز نہیں
بخشے گا۔ بیشک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

منافقین کیلئے استغفار کے سبب بخشش نہ ہونے کا بیان

"سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ" اُسْتُغْنِيَ بِهَمْزَةِ الِاسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ

ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا آپ ان کے لئے استغفار نہ کریں، یہاں پر ہمزہ استفہام ہونے کے وجہ سے ہمزہ وصلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ ان کو (تو) ہرگز نہیں بخشے گا (کیونکہ یہ آپ پر طعنہ زنی کرنے والے اور آپ سے بیرخی اور تکبر کرنے والے لوگ ہیں)۔ بیشک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

سورت منافقون آیت ۶ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب سورہ برات کی آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سن رہا ہوں کہ اللہ نے مجھے ان کے بارے میں رخصت دی ہے اللہ کی قسم میں ان کے لیے ستر سے زائد مرتبہ استغفار کروں گا شاید اللہ انہیں معاف کر دے اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیوطی 300، طبری 28-72)

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ
وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝
یہی وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں رہتے ہیں ان پر خرچ مت کرو
یہاں تک کہ وہ بھاگ جائیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتے۔

منافقین کا مہاجرین پر خرچ کرنے سے روکنے کا بیان

"هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ " لِأَصْحَابِهِمْ مِنَ الْأَنْصَار "لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰه" مِنَ الْمُهَاجِرِينَ "حَتّٰى يَنْفَضُّوا "يَتَفَرَّقُوا عَنْهُ "وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْض "بِالرِّزْقِ فَهُوَ الرَّازِق لِلْمُهَاجِرِينَ وَغَيْرِهِمْ

یہی وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جو درویش اور فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہیں ان پر خرچ مت کرو (یعنی ان کی مالی اعانت نہ کرو) یہاں تک کہ وہ سب انہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں، منتشر ہو جائیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتے۔ اور انہی خزانوں میں سے رزق بھی ہے جو مہاجرین وغیرہ کیلئے ہے۔

سورت منافقون آیت ۷ کے شان نزول کا بیان

محمد بن کعب قرظی، حکم بن عتیبہ سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن کعب قرظی سے چالیس سال پہلے زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث سنی کہ عبداللہ بن ابی نے غزوہ تبوک کے موقع پر کہا کہ جب ہم مدینہ جائیں گے تو وہاں کے عزت دار لوگ ذلیل لوگوں کو باہر کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور یہ بات بتائی تو عبداللہ بن ابی نے قسم کھائی کہ میں نے یہ بات نہیں کی۔ اس پر میری قوم کے لوگ مجھے ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اس جھوٹ بولنے سے تمہارا کیا مقصد تھا؟ میں گھر آیا اور غمگین وحزین ہو کر سو گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے یا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے تمہاری بات کی تصدیق کی ہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی (هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ، وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو ان پر، جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1263)

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ
وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو عزت والے لوگ وہاں سے ذلیل لوگوں کو باہر نکال دیں گے، حالانکہ عزت تو صرف
اللہ کے لئے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے مگر منافقین جانتے نہیں ہیں۔

عزت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کیلئے ہونے کا بیان

"يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا" أَيْ مِنْ غَزْوَة بَنِي الْمُصْطَلِق "إِلَى الْمَدِينَة لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزّ " عَنَوْا بِهِ أَنْفُسهمْ "مِنْهَا الْأَذَلّ " عَنَوْا بِهِ الْمُؤْمِنِينَ "وَلِلّٰهِ الْعِزَّة " الْغَلَبَة "وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ

الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ" ذَلِكَ

وہ کہتے ہیں اگر اب ہم مدینہ واپس ہوئے یعنی غزوہ بن مصطلق سے لوٹ کر مدینے میں گئے تو ہم عزت والے لوگ وہاں سے ذلیل لوگوں یعنی مسلمانوں کو باہر نکال دیں گے، یعنی وہ اپنے آپ کو عزت والا سمجھتے تھے۔ اور اذلہ سے مراد مسلمان لیتے تھے حالانکہ عزت یعنی غلبہ تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے مگر منافقین اس حقیقت کو جانتے نہیں ہیں۔

غزوہ بنی مصطلق اور منافقین کے کردار کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے۔ سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ غزوہ بنی مصطلق کا واقعہ ہے۔ اس میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھتکار دیا۔ اس پر مہاجر کہنے لگے اے مہاجرو اور انصاری انصار کو پکارنے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا کیا بات ہے یہ جاہلیت کی پکار کی کیا وجہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھتکار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کی (اس عادت) کو چھوڑ دو یہ بری چیز ہے۔ یہ بات عبداللہ بن ابی نے سنی تو کہنے لگا کہ ان لوگوں نے اس طرح کیا ہے؟ جب ہم مدینہ جائیں گے تو وہاں کے معززین، ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اتار دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جانے دو، ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ دوسرے راوی کہتے ہیں کہ اس پر عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے اپنے باپ سے کہا کہ اللہ کی قسم ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک تم اس بات کا اقبال نہ کرو کہ تم ذلیل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معزز ہیں۔ پھر اس نے اقرار کیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1264)

سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پکے سچے مسلمان تھے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو بکواس کی ہے اس کے بدلے آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں اگر یونہی ہے تو اس کے قتل کا حکم آپ کسی اور کو نہ کیجئے میں خود جاتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپ کے قدموں تلے ڈالتا ہوں، قسم اللہ کی قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان وسلوک اور محبت وعزت کرنے والا نہیں (لیکن میں نے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے پیارے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں) اگر آپ نے کسی اور کو یہ حکم دیا اور اس نے اسے مارا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں جوش انتقام میں میں اسے نہ مار بیٹھوں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ حرکت مجھ سے ہوگئی تو میں ایک کافر کے بدلے ایک مسلمان کو مار کر جہنمی بن جاؤں گا آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دیجئے آپ نے فرمایا نہیں نہیں میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے

ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے، حضرت عکرمہ اور حضرت ابنِ زید کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکروں سمیت مدینے پہنچے تو اس منافق عبداللہ بن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دینہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تلوار کھینچ لی لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا باپ آیا تو یہ فرمانے لگے پرے رہو، مدینہ میں نہ جاؤ اس نے کہا کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روک رہا ہے؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا تو مدینہ میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے اجازت نہ دیں، عزت والے آپ ہی ہیں اور تو ذلیل ہے، یہ رک کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کی عادت مبارک تھی کہ لشکر کے آخری حصہ میں ہوتے تھے آپ کو دیکھ کر اس منافق نے اپنے بیٹے کی شکایت کی آپ نے ان سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے اللہ کی جب تک آپ کی اجازت نہ ہو یہ اندر نہیں جا سکتا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اب حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے دیا۔

مسند حمیدی میں ہے کہ آپ نے اپنے والد سے کہا جب تک تو اپنی زبان سے یہ نہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے اور میں ذلیل تو مدینہ میں نہیں جا سکتا اور اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باپ کی ہیبت کی وجہ سے میں نے آج تک نگاہ اونچی کر کے ان کے چہرے کو بھی نہیں دیکھا لیکن آپ اگر اس پر ناراض ہیں تو مجھے حکم دیجئے ابھی اس کی گردن حاضر کرتا ہوں کسی اور کو اس کے قتل کا حکم نہ دیجئے ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قتل کو اپنی آنکھوں سے چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ منافقون، بیروت)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں
اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

اموال و اولاد کے سبب نمازوں سے غفلت ہو جانے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ " تَشْغَلكُمْ "أَمْوَالكُمْ وَلَا أَوْلَادكُمْ عَنْ ذِكْر اللَّه " الصَّلَوَات الْخَمْس

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کی یاد یعنی پانچوں سے نمازوں سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

سورت منافقون آیت ۹ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ حج بیت اللہ کے لئے جا سکے یا اس

مال پر زکوۃ واجب ہوتی ہو لیکن وہ نہ حج کرے اور نہ زکوۃ دے تو موت کے وقت اس کی تمنا ہوگی کہ کاش میں واپس دنیا میں چلا جاؤں۔ ایک شخص نے عرض کیا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اللہ سے ڈرو (دنیا میں) لوٹنے کی تمنا تو کفار کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمایا میں اس کے متعلق تمہارے سامنے قرآن مجید پڑھتا ہوں پھر آیت پڑھی (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ، اے ایمان والو غافل نہ کر دیں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ ہیں خسارے میں اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ہوا، اس سے پہلے کہ آپہنچے تم میں کسی کو موت۔ تب کہے اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سی مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں اور ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی جی کو۔ جب آپہنچا اس کا وعدہ اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو) اس شخص نے پوچھا کہ زکوۃ کتنے مال پر واجب ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر دو سو درہم یا اس سے زیادہ ہو۔ پھر اس نے پوچھا کہ حج کب فرض ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زادراہ اور سواری ہونے پر۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1265)

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ
لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۝
اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے، پھر وہ کہے اے میرے رب!
تو نے مجھے قریب مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا۔

موت کے صدقہ کرنے کی تمنا کرنے کا بیان

"وَأَنْفِقُوا " فِي الزَّكَاة "مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْل أَنْ يَأْتِي أَحَدكُمْ الْمَوْت فَيَقُول رَبّ لَوْلَا " بِمَعْنَى هَلَّا أَوْ لَا زَائِدَة وَلَوْ لِلتَّمَنِّي "أَخَّرْتنِي إِلَى أَجَل قَرِيب فَأَصَّدَّق " بِإِدْغَامِ التَّاء فِي الْأَصْل فِي الصَّاد أَتَصَدَّق بِالزَّكَاةِ "وَأَكُنْ مِنْ الصَّالِحِينَ " بِأَنْ أَحُجّ قَالَ ابْن عَبَّاس رَضِيَ اللَّه عَنْهُمَا : مَا قَصَّرَ أَحَد فِي الزَّكَاة وَالْحَجّ إِلَّا سَأَلَ الرَّجْعَة عِنْد الْمَوْت

اور اس میں یعنی زکوۃ میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے، پھر وہ کہے اے میرے رب! تو نے مجھے قریب مدت تک مہلت کیوں نہ دی یہاں پر لفظ لولا یہ ھلا کے معنی میں ہے اور لا زائدہ ہے۔ اور لفظ لو یہ تمنی کیلئے آیا ہے۔ کہ میں صدقہ کرتا، یہاں پر اصدق کے میں اصل میں تاء کا صاد میں ادغام ہے۔ یعنی میں زکوۃ کے ذریعے صدقہ کرتا۔ اور یہ کہ میں حج کر کے نیک لوگوں میں سے ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے زکوۃ اور حج میں کوئی کوتاہی نہ کی مگر یہ کہ اس نے موت کے وقت واپسی کا سوال نہ کیا ہو۔

تندرستی کی حالت میں صدقہ کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اورعرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا صدقہ اجر کے اعتبار سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تو صدقہ کرے اس حال میں کہ تندرست ہے، بخیل ہے اور فقر سے ڈرتا ہے۔

اور مال داری کی امید کرتا ہے اور نہ توقف کرا تنا کہ جان حلق تک آ جائے اور تو کہے کہ اتنا مال فلاں شخص کے لئے ہے اور اتنا مال فلاں شخص کو دے دیا جائے حالانکہ اب تو وہ مال فلاں کا ہو ہی چکا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1360)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کونسا صدقہ افضل ہے، فرمایا کہ تمہاری تندرستی کے زمانہ میں جب کہ تمہیں دولت کی حرص ہو، سرمایہ داری کی خواہش ہو، تنگدستی کا خوف ہو، اس وقت صدقہ دو اور صدقہ میں اتنی تاخیر نہ کرو کہ جب جاں حلق میں پہنچ جائے، تو تم کہو فلاں شخص کو اس قدر دینا اور فلاں شخص کو اس قدر دینا، کیونکہ اب تو وہ فلاں شخص کا ہی ہے یعنی وارث کا ترکہ ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 21)

ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ اس تمنا کو قیامت کے دن پر حمل کرتے ہیں۔ یعنی محشر میں یہ آرزو کرے گا کہ کاش مجھے پھر دنیا کی طرف تھوڑی مدت کے لیے لوٹا دیا جائے تو خوب صدقہ کر کے اور نیک بن کر آؤں۔ اس کو یہ بھی خبر ہے کہ اگر بالفرض تمہاری موت ملتوی کر دی جائے یا محشر سے پھر دنیا کی طرف واپس کریں تب تم کیسے عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے اور سب کے ظاہری و باطنی اعمال سے پوری طرح خبردار ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
اور اللہ ہرگز کسی شخص کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے، اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو۔

موت آ جانے کے بعد کوئی مہلت نہ ہونے کا بیان

"وَلَنْ يُؤَخِّر اللَّه نَفْسًا إِذَا جَاء أَجَلهَا وَاَللَّه خَبِير بِمَا تَعْمَلُونَ " بِالتَّاءِ وَالْيَاء

اور اللہ ہرگز کسی شخص کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے، اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو۔ یہاں پر لفظ تعملون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اذا جاء اجلها جب اس کی موت آ جاتی ہے۔ جب اس کا وقت آ جاتا ہے۔ جب اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے۔ ھا ضمیر واحد مونث نفسا کے لئے ہے۔ واللہ خبیر بما تعملون اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔ یہ عدم تاخر کی تاکید میں ارشاد فرمایا۔ اولا یہ کہ جب کسی کا وقت آ جاتا ہے تو اس میں وہ تاخیر و تعجیل نہیں کرتا کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ محض تمہارے کہنے کی

باتیں ہیں کہ اگر مہلت مل جائے تو نیک اعمال کر کے صالحین میں داخل ہو جائیں گے۔

اگر بالفرض مہلت مل بھی جائے تو پھر وہی کچھ کرو گے جو کرتے چلے آئے ہو۔اسی مضمون میں اور جگہ ارشاد ہے۔

(1)وانذر الناس یوم یاتیھم العذاب فیقول الذین ظلموا ربنا اخرنا الی اجل قریب نجب دعوتك ونتبع الرسل ، اولم تکونوا اقسم مالکم من زوال،

اور لوگوں کو اس دن سے آگاہ کرو جب ان پر عذاب آجائے گا۔تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں تھوڑی سی مدت مہلت عطا کرتا کہ ہم تیری دعوت (توحید) کو قبول کریں اور تیرے پیغمبروں کی اتباع کر لیں (تو جواب ملے گا) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تم (اس حال سے کہ جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حساب اعمال) نہیں ہوگا۔

حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون ٥ لعلی اعمل صلحا فیما ترکت کلا ۔ انھا کلمۃ ھو قائلھا ، یہ لوگ اسی طرح غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائیگی تو وہ کہے گا اے میرے پروردگار مجھے پھر دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک (ایسی) بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہے (اور اس پر یہ عمل نہیں کرے گا)۔

موت کا مقرر مقام پر آنے کا بیان

حضرت مطر بن عکاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے بندے کی کسی جگہ موت لکھی ہوتی ہے تو وہاں کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے اس باب میں ابوعزہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 18)

سُورَۃ التَغَابُن

یہ قرآن مجید کی سورت تغابن ہے

سورت تغابن کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ التَّغَابُن (مَكِّيَّة أَوْ مَدَنِيَّة وَ آيَاتها ثَمَانِي عَشْرَة آيَة)

سورہ تغابن اکثر کے نزدیک مدنیہ ہے اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ مکّیہ ہے سوائے تین آیتوں کے جو "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ" سے شروع ہوتی ہیں، اس سورت میں دو رکوع، اٹھارہ آیات، دو سو اکتالیس کلمات، ایک ہزار ستر حروف ہیں۔

سورت تغابن کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی آیت ۹ میں لفظ تغابن آیا ہے۔ تغابن بعض لوگوں کا بعض لوگوں کے ساتھ غبن والا معاملہ کرنا۔ ایک شخص کا دوسرے شخص کو نقصان پہنچانا۔ اور دوسرے کا اس کے ہاتھوں نقصان اٹھانا۔ یا ایک کا حصہ دوسرے کو مل جانا اور اس کا اپنے حصہ سے محروم رہ جانا۔ یا تجارت میں ایک فریق کا خسارہ اٹھانا اور دوسرے فریق کا نفع اٹھالیجانا۔ یا کچھ لوگوں کا کچھ لوگوں کے مقابلہ میں ضعیف الرائے ہونا۔ لہٰذا کفار قیامت کے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ پس اسی مناسبت کے سبب اس سورت کا نام تغابن رکھا گیا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ اسی کی ساری بادشاہت ہے
اور اسی کے لئے ساری تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

زمین وآسمان کی ہر چیز کا اللہ تعالی کی تسبیح کو بیان کرنے کا بیان

"يُسَبِّح لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْأَرْض "يُنَزِّههُ فَاللَّام زَائِدَة وَأَتَى بِمَا دُون مِنْ تَغْلِيبًا لِلْأَكْثَرِ،

ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔ یہاں پر لفظ اللہ میں لام زائدہ ہے اور اکثریت کو غالب کرنے کیلئے لفظ ماء کو لایا گیا ہے۔ اسی کی ساری بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ساری تعریف ہے اور

وہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا کلام بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ کلام جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے چن لیا ہے (اور وہ یہ ہے)۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔
(مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 830)

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○
وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور تم میں سے کوئی ایمان دار ہے
اور اللہ اسے جو تم کر رہے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔

انسان کی پیدائش کا فطرت پر ہونے کا بیان

"هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِن" فِي أَصْلِ الْخِلْقَة ثُمَّ يُمِيتكُمْ وَيُعِيدكُمْ عَلَى ذَلِكَ،

وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور تم میں سے کوئی ایمان دار ہے یعنی اصل خلقت کے اعتبار سے پس وہ تمہیں مارتا ہے اور وہ اسی طرح تمہیں دوبارہ لوٹائے گا۔ اور اللہ اسے جو تم کر رہے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے (یعنی امر حق کو قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ایک چار پایہ جانور پورا چار پایہ بچہ دیتا ہے، کیا تم اس میں کوئی کمی پاتے ہو" پھر آپ نے یہ آیت تلاوتی فرمائی (ترجمہ) یہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی کے موافق ہے جس پر اللہ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا یہ دین مستحکم ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 87)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فطرت پر کی ہے اور فطرت صرف امر حق یعنی ایمان واسلام کو قبول کر سکتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ اس فطرت پر ہوتا ہے لیکن خارجی اثر سے وہ فطرت کے تقاضوں سے دور ہو جاتا ہے اور خلاف اصول وفطرت طریقوں پر چلنے لگتا ہے یعنی اگر اس کے ماں باپ مجوسی ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کے مذہب میں رنگ جاتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر فرمایا کہ جس طرح کسی جانور کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی اصلی حالت میں پیدا ہوتا ہے اس کے اندر کسی قسم کی کوئی کمی یا کوئی نقصان نہیں ہوتا، ہاں اگر خارجی طور پر کوئی اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے یا اس کے جسم میں کوئی عیب پیدا کر دے تو وہ اپنی اصلی اور تخلیقی حالت کھو دیتا ہے، اسی طرح انسان پیدا کے وقت اپنی اصلی فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا ماحول، اس کی سوسائٹی یعنی ماں باپ وغیرہ اس کے احساسات وشعور اور اس کے عقائد پر اپنے مذہب کا رنگ چڑھا کر اس کے ذہن وفکر اور قلب ودماغ کو غلط راستہ پر موڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلی اور تخلیقی فطرت پر قائم نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے، ہاں اگر ایسا نہیں ہوتا اور

اس کے ماں باپ مسلمان ہوتے ہیں تو وہ بھی مسلمان رہتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝
اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور اس نے تمھاری صورتیں بنائیں تو تمھاری صورتیں
اچھی بنائیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

انسان کی تخلیق کو اعلیٰ صورت میں بنانے کا بیان

"خَلَقَ السَّمَوَات وَالْأَرْض بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ" إِذْ جَعَلَ شَكْل الْآدَمِيّ أَحْسَن الْأَشْكَال

اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور اس نے تمھاری صورتیں بنائیں تو تمھاری صورتیں اچھی بنائیں یعنی انسان کی شکل کو خوبصورت بنایا ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

صورت گری درحقیقت خالق کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مصور آیا ہے اور غور کرو کہ کائنات میں کتنی اجناس مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ، ہر نوع میں اصناف مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افراد مختلفہ پائے جاتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوع انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے نسلوں اور قوموں کے اختلاف سے شکل وصورت میں کھبے ہوئے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل وصورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت وصورت گری ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسانی چہرہ جو کچھ سات مربع انچ سے زیادہ نہیں، اربوں، پدموں انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہو جائے، آیت مذکورہ میں ایک نعمت صورت گری ہے اس کا ذکر فرمایا اس کے بعد فرمایا فاحسن صورکم، یعنی شکل انسانی کو ہم نے تمام کائنات ومخلوقات کی صورتوں سے زیادہ حسین اور بہتر بنایا ہے، کوئی انسان اپنی جماعت میں کتنا ہی بدشکل بدصورت سمجھا جاتا ہو مگر باقی تمام حیوانات وغیرہ کے اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢبِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو
اور اللہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔

سینوں میں پوشیدہ راز وعقائد کو جاننے کا بیان

"يَعْلَم مَا فِي السَّمَوَات وَالْأَرْض وَيَعْلَم مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ وَاَللّٰه عَلِيم بِذَاتِ الصُّدُور" بِمَا فِيهَا مِنْ الْأَسْرَار وَالْمُعْتَقَدَات

وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی وہ تمہارے راز اور عقائد ہیں وہ ان کو جاننے والا ہے۔

یعنی جو باتیں تم دل میں چھپاتے یا چھپائے رکھتے ہو انہیں بھی جانتا ہے اور جو کچھ زبان سے کہہ دیتے ہو اسے بھی۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو اعمال تم لوگوں سے چھپ چھپا کر کرتے ہو۔ اللہ انہیں جانتا ہے اور جو لوگوں کے سامنے کرتے ہو انہیں بھی۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو کام تم نے کیا ہے وہ کس نیت اور کس ارادہ سے کیا ہے پھر اسی کے مطابق تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ فَذَاقُوۡا وَ بَالَ اَمۡرِھِمۡ وَلَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝
کیا تمھارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا، پھر اپنے کام کا وبال چکھا
اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کفار کیلئے دنیا وآخرت میں عذاب ہونے کا بیان

"أَلَمْ يَأْتِكُمْ" يَا كُفَّار مَكَّة "نَبَأ" خَبَر "الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْل فَذَاقُوا وَبَال أَمْرهمْ" عُقُوبَة الْكُفْر فِي الدُّنْيَا "وَلَهُمْ" فِي الْآخِرَة "عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم

اے کفار مکہ! کیا تمھارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا، پھر اپنے کام کا وبال چکھا یعنی دنیا میں اپنے کفر کی سزا بھگتی۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جو تکلیف پہنچانے والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الم یاتکم: ا ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے۔ لم یاتی مضارع نفی جحد بلم واحد مذکر غائب اتیان (باب ضرب) مصدر۔ بمعنی آنا۔ آ جانا۔ کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ خطاب کفار مکہ یا تمام اہل مکہ سے ہے۔ کیا تمہارے پاس نہیں آئی۔ (اے اہل مکہ یا اے کفار مکہ)۔ نبوا اسم مرفوع۔ خبر۔ اطلاع۔ مضاف۔ الذین کفروا اسم موصول وصلہ جنہوں نے کفر کیا۔

من قبل: ای من قبلکم تم سے پہلے۔ متعلق صلہ۔ اسم موصول وصلہ مل کر مضاف الیہ نبوکا۔ کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان لوگوں کی جنہوں نے تم سے قبل کفر اختیار کیا (مثل قوم نوح وقوم ہود علیہ السلام، قوم صالح علیہ السلام وغیرہ)

فذاقوا، ف ترتیب کا ہے یعنی وہ خبر یہ ہے کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور اس کے نتیجے میں مرتب ہونے والا انجام بھی انہوں نے چکھ لیا۔ ذاقوا ماضی جمع مذکر غائب ذوق (باب نصر) مصدر۔ انہوں نے چکھا۔ انہوں نے چکھ لیا۔

وبال امرھم: امرھم مضاف، مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ وبال مضاف کا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فعل ذاقوا کا۔ وبال کسی کام کا انجام بد۔ وہ بوجھ اور سختی جو کسی کام کے انجام کے طور پر مرتب ہو۔ الوبیل۔ وہ طعام جو معدہ پر گراں گزرے۔ الوابل وہ بارش جو موٹی موٹی بوندوں والی ہو۔ پس چکھ لیا انہوں نے اپنے فعل کے انجام کا ضرر (اس دنیا میں) **ولھم عذاب الیھم:** اور

(آخرت میں) ان کے لئے ہے دردناک عذاب الیم موصوف وصفت۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا
وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○
یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آتے تھے تو وہ کہتے تھے: کیا (ہماری ہی مثل اور ہم جنس) بشر ہمیں
ہدایت کریں گے؟ سو وہ کافر ہو گئے اور انہوں نے رُوگردانی کی اور اللہ نے بھی کچھ پرواہ نہ کی، اور اللہ بے نیاز ہے لائقِ حمد وثنا ہے۔

کفار کا انبیائے کرام کو بشر کہہ کر تکذیب کرنے کا بیان

"ذٰلِكَ" أَيْ عَذَاب الدُّنْيَا "بِأَنَّهُ" ضَمِير الشَّأْن "كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلهمْ بِالْبَيِّنَاتِ" الْحُجَج الظَّاهِرَات عَلَى الْإِيمَان "فَقَالُوا أَبَشَر" أُرِيدَ بِهِ الْجِنْس "يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا" عَنْ الْإِيمَان "وَاسْتَغْنَى اللّٰه" عَنْ إِيمَانهمْ "وَاَللّٰه غَنِيّ" عَنْ خَلْقه "حَمِيد" مَحْمُود فِي أَفْعَاله،

یہ یعنی دنیا کا عذاب اس لئے ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں یعنی ایسے ظاہری دلائل جن کی دلالت ایمان پر ہوتی وہ لے کر آتے تھے۔ یہاں لفظ انہ میں ضمیر شان ہے۔ تو وہ کہتے تھے کیا۔ ہماری ہی مثل اور ہم جنس بشر ہمیں ہدایت کریں گے؟ سو وہ کافر ہو گئے اور ایمان سے پھر گئے۔ اور انہوں نے ایمان سے رُوگردانی کی اور اللہ نے بھی اُن کی کچھ پرواہ نہ کی، اور اللہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اپنے افعال میں لائقِ حمد وثنا ہے۔

یعنی کیا ہم ہی جیسے آدمی ہادی بنا کر بھیجے گئے۔ بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتے گویا ان کے نزدیک بشریت اور رسالت میں منافات تھی۔ اسی لیے انہوں نے کفر اختیار کیا اور رسولوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

(تنبیہ) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل والحاد ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم کے بشر ہونے کا انکار کریں، تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی، سورہ تغابن، لاہور)

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ
بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○
کافر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے۔ فرما دیجئے، کیوں نہیں، میرے رب کی قسم!
تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں بتا دیا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا، اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

کفار کے گمان عدم بعث کا بیان

"زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ" مُخَفَّفَة وَاسمها مَحْذُوف أَيْ أَنَّهُمْ

کافر لوگ یہ خیال کرتے ہیں یہاں پر لفظ اَن مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی انہم ہے۔ کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے۔ فرما دیجئے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں بتا دیا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا، اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

منکرین قیامت مشرکین وملحدین

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار مشرکین ملحدین کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھیں گے، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم ان سے کہہ دو کہ ہاں اٹھو گے پھر تمہارے تمام چھوٹے بڑے چھپے کھلے اعمال کا اظہار تم پر کیا جائے گا، سنو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا تمہیں بدلے دینا وغیرہ تمام کام اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہیں، یہ تیسری آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم کھا کر قیامت کی حقانیت کے بیان کرنے کو فرمایا ہے، پہلی آیت تو سورہ یونس میں ہے (ترجمہ) یعنی یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے؟ تو کہہ میرے رب کی قسم وہ حق ہے اور تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے، دوسری آیت سورہ سبا میں ہے۔ (ترجمہ) کافر کہتے ہیں ہم پر قیامت نہ آئے گی تو فرما دیں دیں کہ ہاں میرے رب کی قسم یقیناً اور بالضرور آئے گی۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○
پس تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل فرمایا ہے،
اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لانے کا بیان

"فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَالنُّور" الْقُرْآن

پس تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اس نور یعنی قرآن پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو۔

نور سے مراد اس جگہ قرآن ہے، کیونکہ نور کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بھی ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو بھی ظاہر و روشن کر دے، قرآن کا اپنے اعجاز کی وجہ سے خود روشن اور ظاہر ہونا کھلی بات ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے اور ناراض ہونے کے اسباب اور احکام و شرائع اور تمام حقائق عالم آخرت جن کے جاننے کے انسان کو ضرورت ہے وہ روشن ہو جاتے ہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ
سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○
جس دن وہ تمہیں جمع ہونے کے دن اکٹھا کرے گا یہ ہار اور نقصان ظاہر ہونے کا دن ہے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے
اور نیک عمل کرتا ہے تو اس سے اس کی خطائیں مٹا دے گا اور اسے جنتوں میں داخل فرمادے گا جن کے نیچے سے نہریں
بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

یوم تغابن میں کفار کیلئے نقصان ظاہر ہو جانے کا بیان

"يَوْمَ يَجْمَعكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْع" يَوْم الْقِيَامَة "ذٰلِكَ يَوْم التَّغَابُن" يَغْبِن الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ بِأَخْذِ مَنَازِلهمْ وَأَهْلِيهِمْ فِي الْجَنَّة لَوْ آمَنُوا "وَمَنْ يُؤْمِن بِاَللّٰهِ وَيَعْمَل صَالِحًا يُكَفِّر عَنْهُ سَيِّئَاته وَيُدْخِلهُ" وَفِي قِرَاءَة بِالنُّونِ فِي الْفِعْلَيْنِ

جس دن یعنی قیامت کے دن وہ تمہیں جمع ہونے کے دن میدان حشر میں اکٹھا کرے گا یہ ہار اور نقصان ظاہر ہونے کا دن ہے۔ یعنی اہل ایمان کفار کو ہرا دیں گے کیونکہ وہ اپنے اہل کو لیکر جنت میں جائیں گے۔ اگر وہ ایمان لاتے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو اللہ اس کے نامہ اعمال سے اس کی خطائیں مٹا دے گا اور اسے جنتوں میں داخل فرمادے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ یہاں پر یکفر اور یدخل ایک قرأت میں دونوں نون کے ساتھ بھی آئے ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ پر، رسول اللہ پر، نور منزل یعنی قرآن کریم پر ایمان لاؤ تمہارا کوئی خفیہ عمل بھی اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تم سب کو جمع کرے گا اور اسی لئے اس کا نام یوم الجمع ہے، جیسے اور جگہ ہے (ترجمہ) یہ لوگوں کے جمع کئے جانے اور ان کے حاضر باش ہونے کا دن ہے اور جگہ ہے (ترجمہ) یہ لوگوں کے جمع کئے جانے اور ان کے حاضر باش ہونے کا دن ہے اور جگہ ہے (ترجمہ) یعنی قیامت والے دن تمام اولین اور آخرین جمع کئے جائیں گے، ابن عباس فرماتے ہیں یوم التغابن قیامت کا ایک نام ہے، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت اہل دوزخ کو نقصان میں ڈالیں گے حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس سے زیادہ تغابن کیا ہوگا کہ ان کے سامنے انہیں جنت میں اور ان کے سامنے انہیں جہنم میں لے جائیں گے۔ گویا اسی کی تفسیر اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ ایماندار، نیک اعمال والوں کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بہتی نہروں والی ہمیشہ رہنے والی جنت میں انہیں داخل کیا جائے گا اور پوری کامیابی کو پہنچ جائے گا اور کفر و تکذیب کرنے والے جہنم کی آگ میں جائیں گے جہاں ہمیشہ جلنے کا عذاب پاتے رہیں گے بھلا اس سے برا ٹھکانا اور کیا ہوسکتا ہے؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ تغابن، بیروت)

قیامت کے دن احساس وحسرت ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس اور دوسرے ائمہ تفسیر نے قیامت کو یوم التغابن کہنے کی یہی وجہ بیان کی ہے اور بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار فجار اور اشقیاء ہی کو نہیں بلکہ صالحین مومنین کو بھی اس طرح ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تا کہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے، اس روز ہر شخص کو اپنی عمر کے اوقات پر حسرت ہوگی، جو فضول ضائع کیے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لئے حسرت بنے گی۔ قرطبی میں ہے کہ ہر مومن اس روز احسان عمل میں اپنی کوتاہی پر اپنے غبن وخسارہ کا احساس کرے گا قیامت کا نام یوم تغابن رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ مریم میں اس کا نام یوم الحسر ۃ آیا ہے۔

روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ اس روز ظالم اور بدعمل لوگ اپنی تقصیرات پر حسرت کریں گے اور مومنین صالحین نے بھی جو احسان عمل میں کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہوگی اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر غبن وخسارہ کا احساس کریں گے، اس لئے اس کو یوم التغابن کہا گیا۔

(تفسیر قرطبی، روح المعانی، سورہ تغابن، بیروت)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ آگ والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے
اور وہ لوٹ کر جانے کی بری جگہ ہے۔

قرآن کی تکذیب اور کفر کرنے والوں کیلئے جہنم ہونے کا بیان

"وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا" الْقُرْآن "أُولَئِكَ أَصْحَاب النَّار خَالِدِينَ فِيهَا وَبِئْسَ الْمَصِير" هِيَ

اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیات یعنی قرآن کو جھٹلایا، وہ آگ والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے اور وہ لوٹ کر جانے کی بری جگہ ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

والذین کفروا او کذبو بایتنا۔ موصول اور صلہ مل کر مبتداء۔ اولئک، الخ سارا جملہ اس کی خبر ہے۔ اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ اس آگ میں ہمیشہ رہا کریں گے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے۔ جزا وسزاء کی دونوں آیات تغابن کی تفصیل ہیں۔ یا۔ یوم الجمع میں جو سب کو جمع کیا جائے گا اس کی اصل غرض ومقصد کا اظہار اور دونوں فریقوں کے الگ الگ نتیجہ کا بیان ہے۔ یہ الفاظ خود کفر کے مفہوم کو واضح کر دیتے ہیں۔ کتاب اللہ کی آیات کو اللہ کی آیات نہ ماننا، اور ان حقائق کو تسلیم نہ کرنا جو ان

آیات میں بیان کیے گئے ہیں، اوران احکام کی پیروی سے انکار کر دینا جوان میں ارشاد ہوئے ہیں، یہی کفر ہے اور اس کے نتائج وہ ہیں جو آگے بیان ہو رہے ہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○
کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے اذن سے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے
اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

مصیبت پر صبر کی ہدایت ہونے کا بیان

"مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَة إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰه" بِقَضَائِهِ "وَمَنْ يُؤْمِن بِاَللّٰهِ" فِي قَوْله إِنَّ الْمُصِيبَة بِقَضَائِهِ "يَهْدِ قَلْبه" لِلصَّبْرِ عَلَيْهَا،

کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے اذن سے یعنی اس کے فیصلے سے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے یعنی اس کے قول میں مصیبت اس کے فیصلہ کے مطابق آئی لہٰذا وہ اس کے دل کو صبر ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

مصائب سے بچنے والے اعمال کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ دنیا وآخرت کی آفات ومصیبتوں سے محفوظ رکھے گا۔ ایک تو وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے چنانچہ وہ اللہ کی ذمہ داریوں میں ہے کہ یا تو اسے موت یعنی شہادت کا درجہ دے کر جنت میں پہنچادے یا اس کو ثواب و مال غنیمت دے کر گھر واپس پہنچادے پہلی اور دوسری صورت یعنی شہادت وثواب میں تو اسے دین کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور تیسری یعنی مال غنیمت میں دنیا کی سعادت و بھلائی ملتی ہے اور وہ دوسرا شخص ہے جو مسجد جائے تو اللہ اس کا بھی ضامن ہے کہ عبادت کے لئے اس کی کوشش اور اس کا ثواب ضائع نہ کرے گا۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں سلام کرتا ہوا داخل ہو تو وہ بھی اللہ کی ذمہ داری میں ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 689)

اللہ تعالیٰ پر پہلے شخص کے لئے جو ذمہ ہے اسے تو بیان کر دیا گیا کہ اسے دین ودنیا دونوں جگہ کیا کیا انعامات ملیں گے لیکن دوسرے اور تیسرے شخص کے لئے جو ذمہ ہے اللہ تعالیٰ پر ہے چونکہ وہ ظاہر تھا اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی گھر میں سلام کرتا ہوا داخل ہو اس کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ گھر میں داخل ہو سلام کرتا ہوا چنانچہ اس صورت میں اس کے لئے اللہ پر ذمہ ہے کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو خیر و برکت سے نوازے گا اور ان پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے دروازے کھول دے گا دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب گھر میں داخل ہو جائے تو لوگوں کی صحبت سے امن وسلامتی حاصل کرنے کے لئے گھر ہی میں رہنا اپنے اوپر لازم کرلے اور گھر سے باہر نہ نکلے چنانچہ اس صورت میں اس کے لئے اللہ پر یہ ذمہ ہے کہ وہ اسے مصائب وآفات سے محفوظ و

سلامت رکھے گا۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝
اورتم اللہ کی اطاعت کرواور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو، پھر اگر تم نے رُوگردانی کی تو
ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذمّہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بیان

"وَأَطِيعُوا اللَّه وَأَطِيعُوا الرَّسُول فَإِنْ تَوَلَّيْتُم فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولنَا الْبَلَاغ الْمُبِين" الْبَيِّن

اورتم اللہ کی اطاعت کرواور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو، پھر اگر تم نے رُوگردانی کی تو یاد رکھو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمّہ صرف واضح طور پر احکام کو پہنچا دینا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی اہمیت کا بیان

حضرت انس راوی راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اے میرے بیٹے! اگر تم اس پر قدرت رکھتے ہو کہ صبح سے لے کر شام تک اس حال میں بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی سے کینہ نہ ہو تو ایسا ہی کرو! پھر فرمایا: اے میرے بیٹے! یہی میری سنت ہے لہٰذا جس آدمی نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 170)

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو پسند کرنا اور اسے محبوب رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا سبب اور جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت جیسی نعمت عظیم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پسند کرنے پر یہ خوشخبری ہے تو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا کتنی بڑی سعادت وخوش بختی کی بات ہوگی۔ ذرا غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پسند کرنے والوں کا کتنا بڑا مرتبہ ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ومعیت کا شرف حاصل ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں جہان کی تمام نعمتیں اگر ایک طرف ہوں اور دوسری طرف یہ نعمت ہو تو یقیناً سعادت وخوشی کے اعتبار سے یہ نعمت بڑھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدّس سنت کو محبوب رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہم سب اس نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ (آمین)۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝
اللہ (ہی معبود) ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

توکل کے لغوی واصطلاحی مفہوم کا بیان

لغت میں وکل اوکول کا لفظ آتا ہے جس کے معنی ہیں سونپ دینا، سپرد کر دینا، کسی پر بھروسہ کر کے کام چھوڑ دینا اس کا اسم وکالت اور رکالت ہے اسی لفظ سے توکل نکلا ہے جس کے معنی اپنے عجز و بیچارگی کو ظاہر کرنے اور دوسرے پر اعتماد و بھروسہ کرنے ہیں، اس کا اسم تکلان ہے، اصطلاح شریعت میں توکل اس کو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے معاملہ و کام کو اللہ کے سپرد کر دے اپنی تدبیر و سعی کو ترک کر دے اور اپنی ذاتی طاقت وقدرت سے بے پرواہ ہو کر تقدیر اور رضائے الٰہی پر کامل اعتماد کرے، یعنی اس بات پر یقین رکھے کہ اپنی تدبیر و سعی اور ذاتی طاقت وقدرت، اللہ کی مشیت اور اس کے فیصلہ کو بدل نہیں سکتا، جو لکھا ہی نہیں گیا وہ رونما نہیں ہو سکتا۔ یوں تو توکل کا تعلق تمام امور اور معاملات پر ہوتا ہے لیکن اکثر اس کا استعمال رزق کے بارے میں ہوتا ہے۔ اور بات بھی یہی ہے کہ توکل کا جو اصل مفہوم ہے وہ اس بات پر اعتماد و بھروسہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق کا ضامن ہے۔ حصول معاش کے لئے جائز وحلال ظاہری وسائل وذرائع کو ترک کرنا گو توکل کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اصل اعتماد و بھروسہ ان وسائل وذرائع پر نہ ہو۔ چنانچہ توکل کا تعلق اصل میں دل سے ہے اگر دل میں حق تعالیٰ کے ضامن ہونے کا یقین جاگزین ہو گیا تو توکل کا مفہوم پورا ہو جائے گا۔ (مفردات وغیرہ)

توکل اختیار کرنے والوں کی فضیلت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ (حالت کشف یا خواب میں) میرے سامنے امتوں کو (ان کے انبیاء کے ساتھ) پیش کیا گیا (یعنی ہر نبی کو اس کی امت کے ساتھ مجھے دکھایا گیا) پس (جب ان انبیاء نے اپنی امتوں کے ساتھ گزرنا) شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک شخص تھا (یعنی دنیا میں اس کی پیروی کرنے والا اس ایک شخص کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوا) اور ایک نبی ایسا تھا کہ اس کے ساتھ دو شخص تھے، ایک اور نبی گزرا تو اس کی معیت میں پوری ایک جماعت تھی اور پھر ایک نبی ایسا بھی گزرا کہ اس کے ساتھ ایک بھی شخص نہیں تھا (یعنی دنیا میں اس کی پیروی کسی ایک شخص نے بھی نہیں کی) اس کے بعد میں نے اپنے سامنے ایک بہت بڑا انبوہ دیکھا جو آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا اتنی بڑی امت دیکھ کر میں نے امید باندھی کہ یہ میری امت ہوگی لیکن مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ اور ان کی امت کے لوگ ہیں کہ جو ان پر ایمان لائے تھے پھر مجھ سے کہا گیا کہ ذرا آپ نظر اٹھا کر دیکھئے میں نے جو نظر اٹھائی تو اپنے سامنے دیکھا کہ ایک بڑا ہجوم بے پناہ ہے جو آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا ہے (میں اتنا بڑا انبوہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا اور اللہ کا شکر ادا کیا) پھر مجھ سے کہا گیا کہ آپ اس انبوہ کو بس نہ سمجھئے آپ اس سے کہیں زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے ذرا ادھر ادھر یعنی دائیں بائیں بھی نظر گھما کر تو دیکھئے چنانچہ میں نے دائیں بائیں نظر گھما کر دیکھا تو دونوں طرف بے پناہ ہجوم تھا جو آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور دائیں بائیں آسمان کے کناروں تک جو انسانوں کا ایک بحر بیکراں نظر آتا ہے یہ سب آپ کی امت کے لوگ ہیں اور ان کے علاوہ ان کے آگے ستر ہزار لوگ ایسے ہیں جو جنت میں بغیر

حساب کے جائیں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ تو بدفالی لیتے ہیں، نہ منتر پڑھواتے ہیں اور نہ اپنے جسم کو دغواتے ہیں اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ یہ سن کر، ایک صحابی عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادے جو اللہ پر توکل کرتے ہیں اور بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ الٰہی عکاشہ کو ان لوگوں میں شامل فرمادے، پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اس نے بھی عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس دعا کے سلسلہ میں عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1224)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْۚ
وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۴﴾
اے ایمان والو! بیشک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو۔
اور اگر تم صرف نظر کر لو اور درگزر کرو اور معاف کر دو تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

بیویوں اور اولاد میں سے بعض کے دشمن ہونے کا بیان

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجكُمْ وَأَوْلَادكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ" أَنْ تُطِیعُوهُمْ فِی التَّخَلُّف عَنْ الْخَیْر كَالْجِهَادِ وَالْهِجْرَة فَإِنَّ سَبَب نُزُول الْآیَة الْإِطَاعَة فِی ذَلِكَ "وَإِنْ تَعْفُوا" عَنْهُمْ فِی تَثْبِیطهمْ إِیَّاكُمْ عَنْ ذَلِكَ الْخَیْر مُعْتَلِّینَ بِمَشَقَّةِ فِرَاقكُمْ عَلَیْهِمْ،

اے ایمان والو! بیشک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو۔ یعنی اگر تم ان کی اطاعت کر کے بھلائی سے پیچھے رہ گئے جس طرح جہاد اور ہجرت سے پیچھے رہ جانا ہے۔ پس اس آیت کا سبب نزول اس میں ان کی اطاعت ہے۔ اور اگر تم صرف نظر کر لو اور درگزر کرو یعنی تم اس بھلائی کرنے پر ثابت قدم رہ سکو۔ جو تمہیں ان کی جدائی کے سبب مشقت پہنچی ہے۔ اور معاف کر دو تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

سورت تغابن آیت ۱۴ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی نے اس آیت (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ، اے ایمان والو بے شک تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے)۔ کی تفسیر پوچھی۔

تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مکہ میں اسلام لائے تھے اور چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوں لیکن انہیں ان کی بیویوں اور اولاد نے روک دیا۔ چنانچہ وہ لوگ مدینہ آئے تو دیکھا کہ لوگ دین کو کافی سمجھنے لگے ہیں تو

انہوں نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سزا دیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حکم دیا کہ ان سے ہوشیار رہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1267)

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ○
تمہارے مال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہی ہیں، اور اللہ کی بارگاہ میں بہت بڑا اجر ہے۔

اموال واولاد کا بہ طور آزمائش ہونے کا بیان

"إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَة" لَكُمْ شَاغِلَة عَنْ أُمُور الْآخِرَة "وَاَللَّه عِنْده أَجْر عَظِيم" فَلَا تَفُوتُوهُ بِاشْتِغَالِكُمْ بِالْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَاد

تمہارے مال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہی ہیں، کیونکہ یہ تمہیں امور آخرت سے مشغول کرتے ہیں۔ اور اللہ کی بارگاہ میں بہت بڑا اجر ہے۔ لہٰذا تم اپنے اموال واولاد کی طرف مشغول ہو کر اس سے محروم نہ بنو۔

اموال واولاد کا بہ طور فتنہ ہونے کا بیان

ارشاد ہوتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولاد اپنے ماں باپ کو یاد اللہ اور نیک عمل سے روک دیتی ہے جو درحقیقت دشمنی ہے، جس سے پہلے تنبیہ ہو چکی ہے کہ ایسا نہ ہو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد اللہ سے غافل کر دیں اگر ایسا ہو گیا تو تمہیں بڑا گھاٹا رہے گا یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان سے ہوشیار رہو، اپنے دین کی نگہبانی ان کی ضروریات اور فرمائشات کے پورا کرنے پر مقدم رکھو، بیوی بچوں اور مال کی خاطر انسان قطع رحمی کر گزرتا ہے اللہ کی نافرمانی پر تل جاتا ہے ان کی محبت میں پھنس کر احکام اسلامی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں بعض اہل مکہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر زن وفرزند کی محبت نے انہیں ہجرت سے روک دیا پھر جب اسلام کا خوب افشا ہو گیا تب یہ لوگ حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے دیکھا کہ ان سے پہلے کے مہاجرین نے بہت کچھ علم دین حاصل کر لیا ہے اب جی میں آیا کہ اپنے ہاں بچوں کو سزا دیں جس پر یہ فرمان ہوا کہ ان تعفوا الخ، یعنی اب درگزر کرو آئندہ کے لئے ہوشیار رہو، اللہ تعالیٰ مال واولاد دے کر انسان کو پرکھ لیتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں اور اطاعت گذار کون ہیں؟ اللہ کے پاس جو اجر عظیم ہے تمہیں چاہئے اس پر نگاہیں رکھو جیسے اور جگہ فرمان ہے (ترجمہ) الخ، یعنی بطور آزمائش کے لوگوں کے لئے دنیوی خواہشات یعنی بیویاں اور اولاد، سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ہوئے ڈھیر، شائستہ گھوڑے، مویشی، کھیتی کی محبت کو زینت دی گئی ہے مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان ہے اور ہمیشہ رہنے والا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین لمبے لمبے کرتے پہنے آ گئے دونوں بچے کرتوں میں الجھ الجھ کر گرتے پڑتے آ رہے تھے یہ کرتے سرخ رنگ کے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں

جب ان پر پڑیں تو منبر سے اتر کر انہیں اٹھا کر لائے اور اپنے سامنے بٹھا لیا پھر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اولاد آزمائش ہیں۔

میں ان دونوں کو گرتے پڑتے آتے دیکھ کر صبر نہ کر سکا آخر خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھانا پڑا۔ مسند میں ہے حضرت اشعث بن قیس فرماتے ہیں کندہ قبیلے کے وفد میں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا تمہاری کچھ اولاد بھی ہے میں نے کہا ہاں اب آتے ہوئے ایک لڑکا ہوا ہے کاش کہ اس کے بجائے کوئی درندہ ہی ہوتا آپ نے فرمایا خبردار ایسا نہ کہو ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور انتقال کر جائیں تو اجر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ تغابن، بیروت)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو اور سنو اور حکم مانو اور خرچ کرو، تمہارے اپنے لیے بہتر ہوگا اور
جو اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے جائیں سو وہی کامیاب ہیں۔

حسب طاقت تقویٰ اختیار کرنے کا بیان

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" نَاسِخَة لِقَوْلِهِ "اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاته" "وَاسْمَعُوا" مَا أُمِرْتُمْ بِهِ سَمَاع قَبُول "وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا" فِي الطَّاعَة "خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ" خَبَر يَكُنْ مُقَدَّرَة جَوَاب الْأَمْر "وَمَنْ يُوقَ شُحّ نَفْسه فَأُولَئِكَ هُمْ الْمُفْلِحُونَ" الْفَائِزُونَ،

پس اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو یہ حکم اس قول "اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاته" کا ناسخ ہے۔ اور سنو یعنی جو تمہیں حکم دیا جائے اس کو سنو اور قبول کرو اور حکم مانو اور خرچ کرو، تمہارے اپنے لیے بہتر ہوگا یہاں پر لفظ خیر یہ یکن مقدرہ کی خبر ہے جو انفقوا کا امر کا جواب ہے۔ اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے جائیں سو وہی کامیاب ہیں۔

یعنی تقویٰ اختیار کرو مقدور بھر جب آیت اتقوا اللہ حق تقاتہ نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے ایسا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اللہ کا حق ہے تو صحابہ کرام پر بہت بھاری اور شاق ہوا کہ اللہ کے حق کے مطابق تقویٰ کس کے بس میں ہے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی طاقت اور مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دی، تقویٰ بھی اپنی طاقت کے مطابق واجب ہے، مقصد یہ ہے کہ حصول تقویٰ میں اپنی پوری توانائی اور کوشش کر لے تو اس سے اللہ کا حق ادا ہو جائے گا۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ تغابن، بیروت)

تقویٰ اختیار کرنے کی تدابیر اپنانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ

اس کا دشمن رات کے آخری حصے میں دھاوا بولنے والا ہے تو وہ رات کے پہلے ہی حصے میں اپنے بچاؤ کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تا کہ دشمن کی غارت گری سے محفوظ رہ سکے اور جو شخص رات کے پہلے حصے میں بھاگنا شروع کر دیتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے جان لو اللہ کا مال بہت قیمتی ہے جو نہایت اونچی قیمت چکائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور وہ اونچی قیمت اس کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے اور یادرکھو اللہ کا مال جنت ہے۔(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1278)

منزل" سے مراد مطلوب و مقصود کو حاصل کر لینا ہے طیبی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ کے ذریعے گویا رہروآخرت کی مثال بیان فرمائی ہے کہ شیطان اس کی تاک میں ہے نفس اوراس کی باطل آرزوئیں اس شیطان کی مددگار ہیں اوراس طرح وہ اس شخص کی مانند ہے جس کا طاقتور اور عیار دشمن اس پر دھاوا بولنے کے لئے تیار کھڑا ہوا اور انتظار کر رہا ہو کہ رات کا پچھلا پہرآئے تو تاریکی اور سناٹے میں اس پر حملہ کر کے اس کو غارت و تباہ کر دے، پس اگر وہ رہروآخرت ہوشیار ہو جائے، راہ ہدایت پر ابتداء ہی سے چلنا شروع کر دے اور اپنے اعمال میں نیت کا اخلاص پیدا کر لے تو وہ یقیناً شیطان سے اوراس کے مکر سے محفوظ رہے گا۔ ورنہ وہ اتنا عیار دشمن ہے کہ جہاں ذراسی غفلت دیکھتا ہے اپنے مددگاروں کو لے کر فوراً دھاوا بول دیتا ہے اور ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کی راہنمائی فرمائی کہ راہ آخرت پر چلنا نہایت دشوار اور وہاں کی نعمتیں وسعادتیں حاصل کرنا سخت مشکل ہے، اس راستے میں ذراسی غفلت وسستی بھی منزل کو دور سے دور کر دیتی ہے جب تک زیادہ سے زیادہ محنت وعمل اور سعی وکوشش نہیں کی جاتی وہ نعمتیں اور سعادتیں پوری طرح حاصل نہیں ہوسکتیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے " جان لو اللہ کا مال بہت قیمتی ہے " کے ذریعے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مال یعنی جنت کی اگر کوئی قیمت ہوسکتی ہے اور اگر اس کو کسی چیز کے بدلے میں حاصل کیا جاسکتا ہے تو وہ اللہ پرستی وخداترسی اور نیک اعمال کا سرمایہ ہے اگر اللہ کی جنت حاصل کرنا چاہتے ہو تو نیکی کے راستے کو اختیار کرو، برائی کے نزدیک بھی نہ بھٹکو اور زیادہ سے زیادہ اچھے کام کرو۔ اسی مفہوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ کے ذریعے اشارہ فرمایا ہے۔ آیت (والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثوابا وخیر املا)۔اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجے بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجے بہتر ہے۔ اور فرمایا۔ آیت (ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ) ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝
اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے تو وہ اسے تمہارے لئے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدر شناس ہے بردبار ہے۔

صدقہ کا ثواب سات سو گنا سے بھی بڑھا کر دیئے جانے کا بیان

"اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" بِأَنْ تَتَصَدَّقُوا عَنْ طِيب قَلْب "يُضَاعِفهُ لَكُمْ" وَفِي قِرَاءَة

يُضَعِّفهُ بِالتَّشْدِيدِ بِالْوَاحِدَةِ عَشْرًا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ وَأَكْثَر "وَيَغْفِر لَكُمْ" مَا يَشَاء "وَاللّٰه شَكُور" مُجَازٍ عَلَى الطَّاعَة "حَلِيم" فِي الْعِقَاب عَلَى الْمَعْصِيَة،

اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے یعنی پاکیزہ دل کے ساتھ تم صدقہ کرو تو وہ اسے تمہارے لئے کئی گنا بڑھا دے گا یہاں پر لفظ یضاعف ایک قرأت کے مطابق یضعف تشدید کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جو دس گنا سے لیکر سات سو یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ اور تمہیں بخش دے گا، جس کو وہ چاہے گا۔ اور اللہ بڑا قدر شناس ہے یعنی وہ اطاعت پر اجر دینے والا ہے۔ نافرمانی کی سزا دینے میں بردبار ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (صدق دل اور اخلاص نیت کی بنا پر) اپنے ایمان کو اچھا بنالیتا ہے تو وہ بھی جو نیک عمل کرتا ہے اس پر اس کے اعمالنامہ میں اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیوں کا زائد اجر لکھا جاتا ہے اور وہ جو برا عمل کرتا ہے اس پر اس کے نامہ اعمال میں اس ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 40)

اس امت کو اللہ نے اس فضل وکرم اور خصوصی احسان کے تحت جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک بہت بڑا انعام یہ بھی دیا ہے کہ جب کوئی آدمی مخلص اور صادق مومن نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حساب اس کا اجر صرف اسی ایک عمل کے برابر دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اس جیسے دس عمل کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں ہوتا بلکہ جوں جوں ایمان میں صدق واستقامت اور عمل میں خلوص ونیک نیتی بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اجر وانعامات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی نیک عمل پر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر عنایت فرمائے جاتے ہیں، بلکہ بعض حالات میں تو یہ اضافہ سینکڑوں اور ہزاروں کی حد سے بھی تجاوز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر حرم پاک میں کوئی نیک عمل کیا جائے تو اس مقدس جگہ کی عظمت و فضیلت کے طفیل میں اس پر ایک لاکھ اجر لکھے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر مومن سے بتقضائے بشریت کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو اس کا گناہ اضافہ کے ساتھ نہیں لکھا جاتا بلکہ جیسی برائی سرزد ہوتی ہے ویسا ہی یا اتنا ہی گناہ لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس احسان کرم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○
ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا، سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا بیان

"عَالِم الْغَيْب" السِّرّ "وَالشَّهَادَة" الْعَلَانِيَة "الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه،

ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا، اپنے ملک میں غالب، اپنی صنعت میں کمال حکمت والا ہے۔

العزیز کے معانی وخواص کا بیان

"العزیز"۔ غالب و بے مثل کہ کوئی اس پر غالب نہیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے نفس، اپنی خواہشات اور شیطان پر غالب رہے علم وعمل اور عرفات میں بے مثل بنے اور مخلوق اللہ کے آگے ہاتھ نہ پھیلا کر اپنی ذات کو عزت بخشے اور غیر اللہ کے آگے دست سوال دراز کر کے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔

ابوالعباس مرسی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! عزت تو میں نے مخلوق اللہ سے بلند ہمتی اختیار کرنے (یعنی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے ہی میں دیکھی ہے)۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کو عزیز وغالب و بے مثل تو اسی نے جانا جس نے اس کے احکام اور اس کی شریعت کو عزیز یعنی (اپنے اوپر غالب) کیا اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں بے مثل بنا اور جس نے ان چیزوں میں سہل پسندی اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا اس نے اللہ کی عزت نہیں پہچانی یعنی اسے عزیز نہیں مانا۔ اور ارشاد ربانی ہے۔ آیت (و اللہ العزة ولرسوله وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون)۔ اور اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے عزت ہے اور لیکن منافق اسے نہیں جانتے۔ خاصیت جو شخص اس اسم کو فجر کی نماز کے بعد اکتالیس بار پڑھے وہ دنیا اور آخرت میں کسی کا محتاج نہ ہو اور بعد خواری کے عزیز ہو اس کے علاوہ بھی اس اسم مبارک کی بڑی عجیب وغریب خاصیتیں مذکور ہیں۔

سُورَةُ الطَّلَاق

یہ قرآن مجید کی سورت طلاق ہے

سورت طلاق کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الطَّلَاق (مَدَنِيَّة وَآيَاتهَا اثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً)

سورہ طلاق مدنیہ ہے، اس میں دو رکوع، بارہ آیات اور دو سو انچاس کلمات اور ایک ہزار ساٹھ حروف ہیں۔

سورت طلاق کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت میں طلاق سے متعلق بعض احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ سورت طلاق کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ
لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ
وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝

اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کے طہر کے زمانہ میں انہیں طلاق دو اور عدت کو شمار کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، اور انہیں ان کے گھروں سے باہر مت نکالو اور نہ وہ خود باہر نکلیں سوائے اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کر بیٹھیں، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے تو بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، (اے شخص!) تو نہیں جانتا شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی صورت پیدا فرما دے۔

عورتوں کو طلاق دینے کے طریقہ کار کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّبِيّ" الْمُرَاد أُمَّته بِقَرِينَةِ مَا بَعْده أَوْ قُلْ لَهُمْ "إِذَا طَلَّقْتُمْ النِّسَاء" أَيْ أَرَدْتُمْ الطَّلَاق "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" لِأَوَّلِهَا بِأَنْ يَكُون الطَّلَاق فِي طُهْر لَمْ تُمَسّ فِيهِ لِتَفْسِيرِهِ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ "وَأَحْصُوا الْعِدَّة" احْفَظُوهَا لِتُرَاجِعُوا قَبْل فَرَاغهَا "وَاتَّقُوا اللَّه رَبّكُمْ" أَطِيعُوهُ فِي أَمْره وَنَهْيه "لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتهنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ" مِنْهَا حَتَّى

تَنْقَضِی عِدَّتُهُنَّ "اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ" زِنًا "مُّبَيِّنَةٍ" بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا بُيِّنَتْ اَوْ بَيِّنَة فَيَخْرُجْنَ لِإِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِنَّ "وَتِلْكَ" الْمَذْكُوْرَات "حُدُوْد اللّٰه وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْد اللّٰه فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسه لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰه يُحْدِث بَعْد ذٰلِكَ" الطَّلَاق "اَمْرًا" مُرَاجَعَة فِيْمَا اِذَا كَانَ وَاحِدَة اَوْ اثْنَتَيْنِ

اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرمادیں۔ جس سے مراد آپ کی امت ہے کیونکہ اس کے بعد آنے والا قرینہ موجود ہے اور وہ قل لھم ہے۔ جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو یعنی جب طلاق دینے کا ارادہ کرو تو ان کے طہر کے زمانہ میں انہیں طلاق دو۔ کیونکہ طلاق ایسے طہر میں ہو جس میں تم نے جماع نہ کیا ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تفسیر نقل کی گئی ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور عِدّت کو شمار کرو، یعنی اس کو تم یاد رکھو تا کہ تم اس سے فراغت سے پہلے رجوع کرسکو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، یعنی امر و نہی میں اس کی اطاعت کرو۔ اور انہیں ان کے گھروں سے باہر مت نکالو اور نہ وہ خود باہر نکلیں حتیٰ کہ ان کی عدت مکمل ہو جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی یعنی زنا کر بیٹھیں، یہاں پر لفظ مبینہ یہ یاء کی فتح اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے جو بینت یا بینۃ سے آیا ہے۔ لہٰذا ان پر حد قائم کرنے کیلئے انہیں نکالا جائے۔ اور یہ ذکر کردہ اللہ کی مقررّہ حدیں ہیں، اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے تو بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، (اے شخص!) تو نہیں جانتا شاید اللہ اس کے طلاق دینے کے بعد رجوع کی کوئی نئی صورت پیدا فرمادے۔ جبکہ طلاق رجعی ایک ہو یا دو ہوں۔

سورت طلاق آیت ۱ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی، انہوں نے اپنی بی بی کو عورتوں کے ایام مخصوصہ میں طلاق دی تھی، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ رجعت کریں، پھر اگر طلاق دینا چاہیں تو طہر یعنی پاکی کے زمانہ میں طلاق دیں، اس آیت میں عورتوں سے مراد مدخول بہا عورتیں ہیں۔

(جو اپنے شوہروں کے پاس گئی ہوں) صغیرہ، حاملہ اور آئسہ نہ ہوں۔ آئسہ وہ عورت ہے جس کے ایام بڑھاپے کی وجہ سے بند ہو گئے ہوں، ان کا وقت نہ رہا ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ طلاق، لاہور)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دے دی تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ سے کہا گیا کہ آپ رجوع کر لیجیے کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور بہت قیام کرنے والی ہیں اور یہ جنت میں آپ کی ازواج میں سے ایک ہیں۔ (قرطبی 18۔148)

سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن عمر کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو رسول اللہ نے انہیں مراجعت کا اور اس وقت تک اسے روکے رکھنے کا حکم دیا جب تک وہ پاک نہ ہو جائے پھر اسے حیض آئے اور پھر وہ پاک ہو تو اب چاہے تو جماع سے پہلے پہلے طلاق دے دو کیونکہ یہی عدت ہے جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔ (زاد المسیر 8۔287)

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَّأَشْهِدُوا
ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝
پھر جب وہ اپنی مقررہ میعاد کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا انہیں بھلائی کے ساتھ جدا کردو۔
اور اپنوں میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بنالو اور گواہی اللہ کے لئے قائم کیا کرو، ان سے اسی شخص کو نصیحت کی جاتی ہے
جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے نکلنے کی راہ پیدا فرمادیتا ہے۔

عورتوں کے ساتھ معروف سلوک کرنے کا بیان

"فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ" قَارَبْنَ انْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ "فَأَمْسِكُوهُنَّ" بِأَنْ تُرَاجِعُوهُنَّ "بِمَعْرُوفٍ" مِنْ غَيْر ضِرَار "أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ" اُتْرُكُوهُنَّ حَتَّى تَنْقَضِي عِدَّتِهِنَّ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ بِالْمُرَاجَعَةِ "وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ" عَلَى الْمُرَاجَعَةِ أَوْ الْفِرَاقِ "وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ" لَا لِلْمَشْهُودِ عَلَيْهِ أَوْ لَهُ "ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَهُ مَخْرَجًا" مِنْ كَرْبِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَة،

پھر جب وہ اپنی مقررہ میعاد کے ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں بھلائی کے ساتھ یعنی بغیر نقصان پہنچائے رجوع کر کے اپنی زوجیت میں روک لو یا انہیں بھلائی کے ساتھ جدا کردو۔ یعنی ان کو چھوڑ دو حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے اور تم رجوع کے ذریعے انہیں نقصان نہ پہنچاؤ اور اپنوں میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بنالو جو رجوع یا جدائی پر گواہ ہوں۔ اور گواہی اللہ کے لئے قائم کیا کرو، نہ کہ مشہود علیہ کیلئے۔ ان باتوں سے اسی شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے دنیا وآخرت کے رنج وغم سے نکلنے کی راہ پیدا فرمادیتا ہے۔

سورت طلاق آیت ۲ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی وہ اس طرح کہ مشرکین نے ان کا بیٹا قید کرلیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بدحالی کی شکایت لائے اور عرض کیا کیا دشمن نے میرے بیٹے کو قید کرلیا ہے اور ماں بہت غمزدہ ہے آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور صبر کرو میں تجھے بھی اور اسے (تیری بیوی کو) بھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اس نے کہا آپ نے ہمیں بڑی اچھی چیز کا حکم فرمایا انہوں نے یہ پڑھنا شروع کردیا تو ان کے بیٹے سے دشمن غافل ہوگئے اور اور وہ ان کی بکریاں ہانک کر اپنے والد کے پاس لے آیا ان بکریوں کی تعداد چار ہزار تھی اس

موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (نیسا بوری 355، سیوطی 304، ابن کثیر 4۔380، قرطبی 18۔160)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت اشجع قبیلے کے ایک فقیر شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو تنگ دست اور کثیر العیال تھا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے کچھ مانگا تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا رسول اللہ نے تجھے کیا عطا کیا اس نے کہا آپ نے مجھے کچھ نہیں دیا بس فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ وہ کچھ دیر ہی رکا کہ اس کا بیٹا اس کے پاس بکریاں لے آیا دشمن نے اسے پکڑ لیا تھا یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے ان بکریوں کے بارے میں سوال کیا اور اس نے آپ کو ان کی خبر دی تو آپ نے فرمایا انہیں سنبھالے رکھو۔ (نیسا بوری 356، سیوطی 305، قرطبی 18۔160)

وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝
اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے،
بے شک اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے، یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنے والے کیلئے رزق کا بیان

"وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِب" يَخْطِر بِبَالِهِ "وَمَنْ يَتَوَكَّل عَلَى اللّٰه" فِي أُمُوره "فَهُوَ حَسْبه" كَافِيه "إِنَّ اللّٰه بَالِغ أَمْره" مُرَاده "قَدْ جَعَلَ اللّٰه لِكُلِّ شَيْء" كَرِخَاءٍ وَشِدَّة "قَدْرًا" مِيقَاتًا

اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا یعنی جو اس کے دل میں بھی نہیں کھٹکا اور جو کوئی اپنے معاملات میں اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے، بے شک اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے، یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے جس طرح رزق میں تنگی اور وسعت ہے۔

رزق کے معاملہ میں توکل اختیار کرنے کی تعلیم کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو یقیناً وہ تمہیں اسی طرح روزی دے گا جس طرح کہ پرندوں کو روزی دیتا ہے۔ (وہ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے اپنے گھونسلوں میں واپس آتے ہیں۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1227)

توکل کا حق یہ ہے کہ اول تو اس بات پر پورا یقین واعتقاد ہو کہ کسی بھی چیز کو وجود میں لانے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور ہر موجودہ کو خواہ وہ جاندار یا غیر جاندار مخلوق ہو یا رزق، کسی چیز کا ملنا ہو یا نہ ملنا ہو، ضرر ہو یا نفع ہو، غربت وافلاس ہو یا

ثروت و مال داری ہو، مرض ہو یا صحت ہو اور موت ہو یا حیات ہو، غرضیکہ کوئی بھی چیز ہو، سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور سب چیزیں اسی کی طرف سے ہیں، پھر اس امر کا پختہ اعتقاد ہو کہ رزق کا ضامن بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور پھر اس یقین واعتقاد کے ساتھ حصول معاش کی سعی و جہد میں اچھے طور طریقوں سے اور مناسب ومعقول صورت میں مشغول ہو، یعنی کسب و کمائی میں زیادہ تعب ومشقت برداشت نہ کرے، حرص ولالچ میں مبتلا نہ ہو، ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے کی جدوجہد نہ کرے اور کمانے کی دھن میں غرق نہ ہو جائے کہ حلال وحرام کی تمیز بھی نہ کر سکے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا گمان یہ ہو کہ "توکل" نام سے کسب وعمل کے ترک کر دینے کا" اور ہاتھ پاؤں کو معطل کر دینے اور اپاہج بن کر" پڑے رہنے کا کہ جس طرح کسی کپڑے کو زمین پر ڈال دیا جائے تو، وہ شخص نرا جاہل ہے۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ "توکل کا اصل مقام قلب ہے اور حصول معاش کے لئے حرکت وعمل ایک ظاہری فعل ہے جو توکل کے منافی نہیں ہے بشرطیکہ اصل اعتماد اپنے کسب وعمل کی بجائے محض اللہ تعالیٰ پر ہو، اسی لئے حدیث میں پرندہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وہ اگر چہ اپنی روزی کی تلاش میں نکلتا ہے اور سارے جہاں میں مارا مارا پھرتا ہے لیکن اس کا اصل اعتماد اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے، نہ کہ اپنی طلب اور جدوجہد اور اپنی تدبیر وقوت پر لہٰذا اس سے واضح ہوا کہ انسان کا حصول معاش کے لئے معقول اور مناسب طریقہ پر جدوجہد اور سعی کرنا اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرنے کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا آیت (وکاین من دابۃ لا تحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم) ۔یعنی اور کوئی جانور اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو بھی اور تمہیں بھی رزق عطا کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ حدیث کا مفہوم اس امر سے آگاہ کرنا ہے کہ سعی جدوجہد اور کسب وعمل حقیقت میں رزق پہنچانے والا نہیں ہے بلکہ رزق پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح حدیث کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ انسان کو اپنی روزی کمانے کے لئے حرکت وعمل سے باز رکھا جائے کیونکہ اللہ پر توکل واعتماد کا تعلق دل سے ہے جو اعضائے ظاہری کی حرکت وعمل کے مطلقاً منافی نہیں ہے، گو بسا اوقات اعضاء وجوارح کی حرکت اور کسی کسب وعمل کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ رزق پہنچاتا ہے بلکہ توکل کی برکت تو یہاں تک ہوتی ہے کہ متوکل کو اپنا رزق لینے کے لئے حرکت بھی کرنا نہیں پڑتی بلکہ دوسرے حرکت کر کے اس تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق پہنچاتے ہیں جیسا کہ اس ارشاد ربانی کے عمومی مفہوم سے واضح ہوتا ہے۔ آیت (ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا ۔ کہ جب کوے کے بچے انڈے سے باہر آتے ہیں تو بالکل سفید ہوتے ہیں اور کوا ان بچوں کو دیکھتا ہے تو وہ اسے بہت برے لگتے ہیں چنانچہ ان بچوں کو چھوڑ کر کوا چلا جاتا ہے۔ اور وہ تنہا پڑے رہ جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ ان کے پاس مکھی اور چیونٹیاں بھیجتا ہے جن کو وہ بچے چن چن کر کھاتے ہیں اور پرورش پاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اپنا رنگ بدل دیتے ہیں اور بالکل سیاہ ہو جاتے ہیں، پھر جب کچھ عرصہ کے بعد کوا ان بچوں کے پاس آتا ہے اور ان کو سیاہ رنگ کو دیکھتا ہے تو ان کو لے کر بیٹھ جاتا ہے اور ان کی پرورش کرنے لگتا ہے اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ بغیر حرکت وسعی کے بھی کسی طرح رزق پہنچاتا ہے۔

توکل اور شداد کے واقعہ کا بیان

اس سلسلے میں کافی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں لیکن یہ حکایت تو بہت ہی عجیب وغریب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح قبض کرنے والے فرشتے عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا کسی کی روح نکالتے وقت تجھے رحم بھی کبھی آیا ہے؟ عزرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ہاں اے میرے پروردگار، ایک موقع پر تو مجھے بہت ہی رحم آیا تھا اور وہ اس وقت کا قصہ ہے جب کہ ایک کشتی ٹوٹ گئی تھی اور اس کے لوگ پانی میں غرق ہو گئے تھے لیکن کچھ لوگ ڈوبنے سے بچ گئے تھے اور کشتی کے باقی ماندہ تختوں پر تیر رہے تھے، انہی میں ایک عورت تھی جو ایک تیرتے ہوئے تختے پر بیٹھی ہوئی اپنے شیر خوار بچے کو دودھ پلا رہی تھی، جبھی تیرا حکم ہوا کہ اس عورت کی روح قبض کر لی جائے چنانچہ میں نے اس عورت کی روح قبض کر لی، لیکن اس کے بچے پر بہت رحم آیا جو اس دریا میں ایک ٹوٹے ہوئے تختے پر تنہا رہ گیا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے اس بچے کا انجام کیا ہو؟ میں نے اس تیرتے ہوئے تختے کو ایک جزیرہ کے کنارے لگ جانے کا حکم دیا جہاں اس نے بچہ کو ساحل پر ڈال دیا، پھر میں نے ایک شیرنی اس بچے کے پاس بھیجی جس نے اس کو اپنا دودھ پلا پلا کر پرورش کیا، جب وہ کچھ بڑا ہو گیا تو میں نے کچھ جنات متعین کر دیئے تاکہ وہ اس بچے کو آدمیوں کی بول چال اور رہن سہن کی تعلیم دیں، یہاں تک کہ وہ ایک مضبوط جوان ہو گیا اور پھر علم وفضل میں کمال حاصل کرتا ہوا علماء کی صف میں داخل ہو گیا، دولت وامارت سے بہرہ مند ہوا اور آخر کار سلطنت کے مرتبہ کو پہنچ کر تمام روئے زمین کا بادشاہ وحکمران بن گیا، تب وہ اپنی اصل حقیقت کو بھول گیا، روئے زمین پر چلنے والی اس کی مطلق العنانی اس کی انسانیت وعبودیت کی سب سے بڑی دشمن بن گئی، اس نے عبودیت کے مرتبہ اور ربوبیت کے حقوق کو فراموش کر دیا اس کو یہ یاد نہ رہا کہ اللہ تو وہ ذات ہے جس نے اس کو دریا کی لہروں سے زندہ بچا کر اپنی قدرت کے ذریعہ پرورش وتربیت کے مراحل سے گزارا اور پھر اس مرتبہ تک پہنچایا کہ آج وہ تمام روئے زمین کا بادشاہ اور مطلق العنان حکمران بنا بیٹھا ہے، جانتے ہو وہ کون شخص تھا؟ وہ اس دنیا میں شداد کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ بہر حال اہل ایمان کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم وکریم ہے وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے، جب وہ اپنے دشمنوں کو رزق دیتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کو بھول جائے جو اس کے دوست اور محبوب ہیں۔

وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ
وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ○
اور وہ عورتیں جو تمہاری عورتوں میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہیں، اگر تم شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور
ان کی بھی جنھیں حیض نہیں آیا اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں اور جو کوئی
اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔

عورتوں کے عدت کا بیان

"وَاللَّائِي" بِهَمْزَةٍ وَيَاء وَبِلَا يَاء فِي الْمَوْضِعَيْنِ "يَئِسْنَ مِنْ الْمَحِيض" بِمَعْنَى الْحَيْض "مِنْ نِسَائِكُمْ إنْ ارْتَبْتُمْ" شَكَكْتُمْ فِي عِدَّتهنَّ "فَعِدَّتهنَّ ثَلَاثَة أَشْهُر وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ" لِصِغَرِهِنَّ فَعِدَّتهنَّ ثَلَاثَة أَشْهُر وَالْمَسْأَلَتَانِ فِي غَيْر الْمُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَزْوَاجهنَّ أَمَّا هُنَّ فَعِدَّتهنَّ مَا فِي آيَة "يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَة أَشْهُر وَعَشْرًا" "وَأُولَات الْأَحْمَال أَجَلهنَّ" انْقِضَاء عِدَّتهنَّ مُطَلَّقَات أَوْ مُتَوَفًّى عَنْهُنَّ أَزْوَاجهنَّ "أَنْ يَضَعْنَ حَمْلهنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّه يَجْعَل لَهُ مِنْ أَمْره يُسْرًا" فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة،

یہاں پرلفظ اللائی دونوں مقامات پر ہمزہ اور یاء کے ساتھ اور بغیر یاء کے بھی آیا ہے۔اور وہ عورتیں جو تمھاری عورتوں میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہیں، یہاں پرلفظ محیض بہ معنی حیض ہے۔اگر تم ان کی عدت میں شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں بچپن کے سبب حیض نہیں آیا اور یہ دونوں مسائل ان عورتوں کیلئے ہیں جن کے شوہر فوت نہیں ہوئے۔جبکہ شوہر فوت ہونے والی عورتوں کی عدت آیت میں چار ماہ دس دن بیان ہوئی ہے۔اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں اگر چہ ان کی طلاق والی عدت یا عدت وفات پوری ہو جائے۔اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام میں دنیا اور آخرت میں آسانی پیدا کر دے گا۔

سورت طلاق آیت ۴ کے شان نزول کا بیان

مقاتل کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔(والمطلقت یتربصن بانفسھن)(سورہ بقرہ 228) اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تیئں روکے رہیں۔تو خلاد بن نعمان بن قیس انصاری نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو یا ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو اور ان کی حاملہ عورتوں کی عدت کیا ہے؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(نیسابوری 356، ابن کثیر 4۔381، قرطبی 18۔162)

ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ جب سورہ بقرہ میں ایک طرح کی عورتوں کی عدت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا ابھی ان عورتوں کی جو بہت چھوٹی ہوں (اور حیض شروع ہی نہ ہوا ہو) یا بہت بڑی ہوں (کہ حیض نہ آتا ہو) یا حاملہ ہوں کی عدت ذکر نہیں کی گئی تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ خلاد بن عمرو بن جموح نے ان عورتوں کی عدت کے بارے میں پوچھا جنہیں حیض نہ آتا ہو تو یہ آیت نازل ہوئی۔(سیوطی 306، طبری 17۔91، قرطبی 18۔162، ابن کثیر 4۔381)

اگر عدت دو طرح کی جمع ہو جائے تو زیادہ مدت والی عدت کا اعتبار کیا جائے گا۔قاعدہ فقہیہ

اگر عدت دو طرح کی جمع ہو جائے تو زیادہ مدت والی عدت کا اعتبار کیا جائے گا۔(الفروق)

عدت کی تعریف

عدت یہ ہے کہ زوال نکاح کے سبب عورت کو روکا جاتا ہے۔(جوہرہ نیرہ ج ۲۴۲، رحمانیہ لاہور)

جبکہ اصطلاح شریعت میں کسی عورت کے وہ ایام جن میں اسے زوال نکاح کی وجہ سے روکا جاتا ہے اوران دنوں میں اس کا نان ونفقہ اس کے شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے اوراسی مدت کے دوران اگر اسکا شوہر فوت ہوجائے تو وہ وراثت سے حصہ بھی حاصل کرے گی۔اس قاعدہ کا ثبوت یہ ہے۔ترجمہ:اور وہ لوگ جوتم میں سے وفات پاجائیں اوراپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (بیویاں) چار ماہ دس دن تک اپنے آپ کوروک رکھیں۔(البقرہ)

اس آیت میں عدت وفات کو بیان کیا گیا ہے کہ شوہر کے فوت ہوجانے کے بعد اسکی بیوی کو چار ماہ دس دن کی عدت گذارنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہ عدت گذارنے کے بعد جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

اسی طرح یہ حکم ہے۔ترجمہ:حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے جبکہ وہ حمل سے فارغ ہوجائیں۔(الطلاق پارہ ۲۸)

اس آیت میں حاملہ عورتوں کی عدت کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کی عدت وضع حمل ہے اگر حاملہ عورت کا شوہر فوت ہوگیا تو اس عورت میں دو عدتیں جمع ہوگئیں ،یعنی عدت وفات اور عدت حمل ،تو اس قاعدہ کے مطابق ہر وہ عدت جس کی مدت زیادہ ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا ،کیونکہ تھوڑی مدت تو زیادہ مدت کے اندر موجود ہوتی ہے جبکہ زیادہ مدت کو کم مدت کے اندر منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔اگر کسی عورت کو طلاق رجعی دی گئی اور وہ عدت میں تھی کہ اس کے شوہر کا وصال ہوگیا تو بالاجماع وہ عدت وفات کو پورا کرے گی۔

انتباہ

فقہاء فرماتے ہیں کہ عدت میں علت یہ ہوتی ہے کہ استبراء رحم ہوجائے اوراگر کسی حاملہ عورت کا شوہر فوت ہوجائے اوراس کا حمل ایک ماہ بعداز وفات یا اسکی وفات کے چند دن بعد اگر وضع ہوجائے ،یعنی اس نے اگر بچہ جن لیا تو اسکی عدت ختم ہوجائے گی ،کیونکہ عدت حمل کا اعتبار تھا اور وہ مکمل ہوگئی اور عدت استبرائے رحم تھی وہ تو ہوچکی لہٰذا حاملہ عورت کی عدت ہر حال میں وضع حمل ہے اوراس کے ختم ہوتے ہی اسکی عدت مکمل ہوجائے گی۔

عدت کی اقسام:

ا۔عدت مطلقہ کا بیان

ہر وہ شادی شدہ عورت جو حاملہ نہ ہواور آزاد ہواوراسے طلاق دے دی گئی تو اس کی عدت تین حیض ہے جس طرح قرآن پاک میں آیا ہے کہ حیض والی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء یعنی حیض روک رکھیں۔

۲۔عدت وفات کا بیان

جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔اور اگر وہ باندی ہے تو اسکی عدت دو ماہ پانچ دن ہے کیونکہ آزاد کی عدت کا نصف یہی ہے۔

۳۔عدت حمل کا بیان

ہر وہ عورت جو حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے چاہے اسے طلاق دی گئی یا فسخ نکاح ہوا یا اس کا شوہر فوت ہو گیا۔

۴۔عدت آئسہ کا بیان

وہ عورت جس کو حیض نہ آتا ہو اور اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی تو اسکی عدت تین ماہ ہے جس طرح قرآن میں آیا ہے،''اور تمہاری عورتوں میں سے جن کو حیض نہ آئے تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

۵۔باندی کی عدت کا بیان

باندی کی عدت دو حیض ہے کیونکہ حدیث مبارکہ ہے کہ باندی کیلئے دو طلاقیں ہیں اور عدت بھی دو حیض ہے۔

٦۔انتقال عدت کا بیان

اگر کسی شخص نے باندی کو طلاق رجعی کی عدت میں اسے آزاد کر دیا تو اسکی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف لوٹ جائے گی اور اب وہ آزاد عورتوں کے نصاب عدت کے مطابق ایام پورے کریگی۔

(ہدایہ اولین ج ۲ص ۴۰۳، مجتبائے دہلی)

۷۔منکوحہ فاسدہ اور موطوءۂ مشتبابہ کی عدت کا بیان

اگر کسی عورت کا نکاح بھی نکاح فاسد تھا یا کسی شخص نے کسی عورت سے اشتباہ کی وجہ سے جماع کر لیا تو اسکی عدت تین حیض ہو گی کیونکہ استبرائے رحم کیلئے وہی عدت معروف ہے۔

۸۔مفقود الشوہر عورت کی عدت کا بیان

وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو جائے اور اسکی زندگی یا موت کا بالکل پتہ نہ چلے تو اس عورت کی عدت فقہاء مالکیہ کے نزدیک چار سال ہے۔کہ وہ چار سال تک اپنے شوہر کا انتظار کرے اور اس کے بعد وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کر سکتی ہے۔

۹۔ذمیہ عورت کی عدت کا بیان

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ عورت جو ذمیہ ہو اور اس کے ذمی شوہر نے اگر اسے طلاق دے دی تو اس ذمیہ پر کوئی عدت نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کی عدت ہے۔(ہدایہ اولین ج ۲ص ۴۰٦، مجتبائے دہلی)

ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ اَنۡزَلَهٗۤ اِلَيۡكُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ۝
یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تمھاری طرف نازل کیا ہے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے
اس کی برائیاں دور کردے گا اور اسے بڑا اجر دے گا۔

اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے حکم کا بیان

"ذٰلِكَ" الْمَذْكُور فِي الْعِدَّة "أَمْر اللّٰه" حُكْمه

یہ اللہ کا حکم ہے جو عدت کے بارے میں نازل کیا گیا ہے۔ جسے اس نے تمھاری طرف نازل کیا ہے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے اس کی برائیاں دور کردے گا اور اسے بڑا اجر دے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہر وہ بندہ مومن جس کی آنکھوں سے اللہ کے خوف میں آنسو نکلیں اگرچہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر (یعنی بہت معمولی مقدار میں) کیوں نہ ہوں۔ اور پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے وجیہ (خوبصورت) پر پہنچیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کردے گا۔

(ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1289)

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ‌ؕ وَاِنۡ كُنَّ
اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ‌ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ
اُجُوۡرَهُنَّ‌ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ‌ۚ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ۝
انھیں وہاں سے رہائش دو جہاں تم رہتے ہو، اپنی طاقت کے مطابق اور انھیں اس لیے تکلیف نہ دو کہ ان پر تنگی کرو اور اگر وہ حمل والی
ہوں تو ان پر خرچ کرو، یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کرلیں، پھر اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرتیں دو اور
آپس میں اچھے طریقے سے مشورہ کرو اور اگر تم آپس میں تنگی کرو تو عنقریب اسے کوئی اور عورت دودھ پلا دے گی۔

عورتوں کو عدت میں مسکن ونفقہ دینے کا بیان

"أَسْكِنُوهُنَّ" أَيْ الْمُطَلَّقَات "مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ" أَيْ بَعْض مَسَاكِنكُمْ "مِنْ وُجْدكُمْ" أَيْ سَعَتكُمْ عَطْف بَيَان أَوْ بَدَل مِمَّا قَبْله بِإِعَادَةِ الْجَار وَتَقْدِير مُضَاف أَيْ أَمْكِنَة سَعَتكُمْ لَا مَا دُونهَا "وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ" الْمَسَاكِن فَيَحْتَجْنَ إلَى الْخُرُوج أَوْ النَّفَقَة فَيَفْتَدِينَ مِنْكُمْ "وَإِنْ كُنَّ أُولَات حَمْل فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلهنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ" أَوْلَادكُمْ مِنْهُنَّ "فَآتُوهُنَّ أُجُورهنَّ" عَلَى الْإِرْضَاع "وَأْتَمِرُوا بَيْنكُمْ" وَبَيْنهنَّ "بِمَعْرُوفٍ"

بِجَمِيلٍ فِي حَقّ الْأَوْلَاد بِالتَّوَافُقِ عَلَى أَجْر مَعْلُوم عَلَى الْإِرْضَاع "وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ" تَضَايَقْتُمْ فِي الْإِرْضَاع فَامْتَنَعَ الْأَب مِنْ الْأُجْرَة وَالْأُمّ مِنْ فِعْله "فَسَتُرْضِعُ لَهُ" لِلْأَبِ "أُخْرَى" وَلَا تُكْرَه الْأُمّ عَلَى إرْضَاعه

انھیں یعنی مطلقات کو وہاں سے رہائش دو جہاں تم رہتے ہو، یعنی اپنے بعض گھروں میں رہائش دو جو تمہارے پاس ہو، اپنی طاقت کے مطابق، یہاں پر لفظ سعتکم یہ عطف بیان ہے یا ماقبل اعادہ جار سے بدل ہے اور مضاف مقدر ہے یعنی انہیں اپنی حیثیت کے مطابق ٹھہراؤ۔ جبکہ اس سے کم نہیں۔ اور انھیں اس لیے تکلیف نہ دو کہ ان پر تنگی کرو کہ وہ وہاں سے خروج پر مجبور ہو جائیں۔ یا نہیں نفقہ پر مجبور کرو کہ وہ نکل جائیں۔ اور اگر وہ حمل والی ہوں تو ان پر خرچ کرو، یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں، پھر اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی رضاعت کی اجرتیں دو اور آپس میں اچھے طریقے سے مشورہ کرو یعنی جو تمہاری اولاد کے حق میں اچھا ہو جس میں دودھ پلانے کی اجرت معلوم ہو۔ اور اگر تم آپس میں تنگی کرو تو عنقریب اسے کوئی اور عورت دودھ پلا دے گی۔ لہٰذا ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

طلاق کے بعد بھی سلوک کی ہدایت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت کے گذر جانے تک اس کے رہنے سہنے کو اپنا مکان دے، یہ جگہ اپنی طاقت کے مطابق ہے یہاں تک کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اگر زیادہ وسعت نہ ہو تو اپنے ہی مکان کا ایک کونہ اسے دے دے، اسے تکلیفیں پہنچا کر اس قدر تنگ نہ کرو کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا تم سے چھوٹنے کے لئے اپنا حق مہر چھوڑ دے یا اس طرح کہ طلاق دی دیکھا کہ دو ایک روز عدت کے رہ گئے ہیں رجوع کا اعلان کر دیا پھر طلاق دے دی اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجعت کر لی تا کہ نہ وہ بیچاری سہاگن رہے نہ رانڈ، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت حمل سے ہو تو بچہ ہونے تک اس کا نان نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ ہے۔

اکثر علماء کا فرمان ہے کہ یہ خاص ان عورتوں کے لئے بیان ہو رہا ہے جنہیں آخری طلاق دے دی گئی ہو جس سے رجوع کرنے کا حق ان کے خاوندوں کو نہ رہا ہو اس لئے کہ جن سے رجوع ہو سکتا ہے ان کی عدت تک کا خرچ تو خاوند کے ذمہ ہے ہی وہ حمل سے ہوں تب اور بے حمل ہوں تو بھی اور حضرات علماء فرماتے ہیں یہ حکم بھی انہیں عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن سے رجعت کا حق حاصل ہے کیونکہ اوپر بھی انہی کا بیان تھا اسے الگ اس لئے بیان کر دیا کہ عموماً حمل کی مدت لمبی ہوتی ہے اس لیے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ عدت کے زمانے جتنا نفقہ تو ہمارے ذمہ ہے پھر نہیں اس لئے صاف طور پر فرما دیا کہ رجعت والی طلاق کے وقت اگر عورت حمل سے ہو تو جب تک بچہ نہ ہو اس کا کھلانا پلانا خاوند کے ذمہ ہے۔ پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ خرچ اس کے لئے حمل کے واسطے سے ہے یا حمل کے لئے ہے۔

امام شافعی وغیرہ سے دونوں قول مروی ہیں اور اس بناء پر بہت سے فروعی مسائل میں بھی اختلاف رونما ہوا ہے۔ پھر فرماتا ہے

کہ جب یہ مطلقہ عورتیں حمل سے فارغ ہو جائیں تو اگر تمہاری اولاد کو وہ دودھ پلائیں تو تمہیں ان کی دودھ پلائی دینی چاہئے۔ ہاں عورت کو اختیار ہے خواہ دودھ پلائے یا نہ پلائے لیکن اول دفعہ کا دودھ اسے ضرور پلانا چاہئے گو پھر دودھ نہ پلائے کیونکہ عموماً بچہ کی زندگی اس دودھ کے ساتھ وابستہ ہے اگر وہ بعد میں بھی دودھ پلاتی رہے تو ماں باپ کے درمیان جو اجرت طے ہو جائے وہ ادا کرنی چاہئے، تم میں آپس میں جو کام ہوں وہ بھلائی کے ساتھ باقاعدہ دستور کے مطابق ہونے چاہئیں نہ اس کے نقصان کے درپے رہے نہ وہ اسے ایذاء پہنچانے کی کوشش کرے، جیسے سورہ بقرہ میں فرمایا (ترجمہ) یعنی بچہ کے بارے میں نہ اس کی ماں کو ضرور پہنچایا جائے نہ اس کے باپ کو۔

پھر فرماتا ہے اگر آپس میں اختلاف بڑھ جائے مثلاً لڑکے کا باپ کم دینا چاہتا ہے اور اس کی ماں کو منظور نہیں یا ماں زائد مانگتی ہے جو باپ پر گراں ہے اور موافقت نہیں ہو سکتی دونوں کسی بات پر رضامند نہیں ہوتے تو اختیار ہے کہ کسی اور دایہ کو دیں ہاں جو اور دایہ کو دیا جانا منظور کیا جاتا ہے اگر اسی پر اس بچہ کی ماں رضامند ہو جائے تو زیادہ مستحق یہی ہے، پھر فرماتا ہے کہ بچے کا باپ یا ولی جو اسے چاہئے کہ بچے پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے، تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق دے، طاقت سے بڑھ کر تکلیف کسی کو اللہ نہیں دیتا۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کی بابت حضرت عمر نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور ہلکی غذا کھاتے ہیں آپ نے حکم دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار بھجوا دو اور جس کے ہاتھ بھجوائے ان سے کہہ دیا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کو پا کر کیا کرتے ہیں؟ جب یہ اشرفیاں انہیں مل گئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہننے اور نہایت نفیس غذائیں کھانی شروع کر دیں، قاصد نے واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے اس نے اس آیت پر عمل کیا کہ کشادگی والا اپنی کشادگی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی و ترشی والا اپنی حالت کے موافق، طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شخص کے پاس دس دینار تھے اس نے ان میں سے ایک راہ اللہ صدقہ کیا دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے اس میں سے ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم خرچ کئے تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے جس میں سے اس نے اللہ کے نام پر دس اوقیہ خرچ کئے تو یہ سب اجر میں اللہ کے نزدیک برابر ہیں اس لئے کہ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سچا وعدہ دیتا ہے کہ وہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا جیسے اور جگہ فرمایا (ترجمہ) تحقیق کے ساتھ آسانی ہے۔

مسند احمد کی حدیث اس جگہ وارد کرنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگلے زمانہ میں ایک میاں بیوی تھے جو فقر و فاقہ سے اپنی زندگی گذار رہے تھے پاس کچھ بھی نہ تھا ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے آیا اور سخت بھوکا تھا بھوک کے مارے بیتاب تھا آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا آپ خوش ہو جایئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی ہمارے ہاں آ پہنچی ہے اس نے کہا پھر لاؤ جو کچھ ہو دے دو میں بہت بھوکا ہوں۔ بیوی نے کہا اور ذرا سی دیر صبر کر لو اللہ کی رحمت سے

ہمیں بہت کچھ امید ہے پھر جب کچھ دیر اور ہو گئی اس نے بیتاب ہو کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے دیتی کیوں نہیں؟ مجھے تو بھوک سے سخت تکلیف ہو رہی ہے بیوی نے کہا اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ اب تنور کھولتی ہوں، تھوڑی دیر گذرنے کے بعد جب بیوی نے دیکھا کہ یہ اب پھر تقاضہ کرنا چاہتے ہیں تو خود بخود کہنے لگیں اب اٹھ کر تنور کو دیکھتی ہوں اٹھ کر جو دیکھتی ہیں تو قدرت اللہ سے ان کے توکل کے بدلے وہ بکری کے پہلو کے گوشت سے بھرا ہوا ہے دیکھتی ہیں کہ گھر کی دونوں چکیاں از خود چل رہی ہیں اور برابر آٹا نکل رہا ہے انہوں نے تنور میں سے سب گوشت نکال لیا اور چکیوں میں سارا آٹا اٹھا لیا اور جھاڑ دیں۔

حضرت ابو ہریرہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر وہ صرف آٹا لے لیتیں اور چکی نہ جھاڑتیں تو وہ قیامت تک چلتی رہتیں اور روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ بھوک کے مارے گھر والوں کا برا حال ہے آپ جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے یہاں ان کی نیک بخت بیوی صاحبہ نے جب دیکھا کہ میاں بھی پریشان حال ہیں اور یہ منظر دیکھ نہیں سکے اور چل دیئے تو چکی کو ٹھیک ٹھاک کیا تنور سلگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں اے اللہ ہمیں روزی دے دعا کر کے اٹھیں تو دیکھا کہ ہنڈیا گوشت سے پر ہے تنور میں روٹیاں لگ رہی ہیں اور چکی سے برابر آٹا ابلا چلا آتا ہے اتنے میں میاں بھی تشریف لائے پوچھا کہ میرے بعد تمہیں کچھ ملا؟ بیوی صاحبہ نے کہا ہاں ہمارے رب نے ہمیں بہت کچھ عطا فرما دیا اس نے جا کر چکی کے دوسرے پاٹ کو اٹھا لیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چکی چلتی ہی رہتی۔ (تفسیر جامع البیان، ابن کثیر، سورہ طلاق، بیروت)

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰـهُ اللّٰهُ ؕ
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰـهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝
لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ
نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔

عسر و یسر کے مطابق مطلقات پر خرچ کرنے کا بیان

"لِيُنْفِقْ" عَلَى الْمُطَلَّقَات وَالْمُرْضِعَات "ذُو سَعَة مِنْ سَعَته وَمَنْ قُدِرَ" ضُيِّقَ "عَلَيْهِ رِزْقه فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ" أَعْطَاهُ "اللَّه" عَلَى قَدْره "لَا يُكَلِّف اللَّه نَفْسًا إلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّه بَعْد عُسْر يُسْرًا" وَقَدْ جَعَلَهُ بِالْفُتُوحِ،

لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے مطلقات اور مرضعات پر خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ یعنی وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔ یقیناً اس نے فتوحات کے ساتھ ایسا کیا ہے۔

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو۔ (بخاری ومسلم)

امام نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع واتفاق ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت وحاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دے دی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔ (شرح مسلم، نووی)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ میں مذاہب اربعہ

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس نے فرمایا میرے شوہر نے رسول اللہ کے زمانے میں مجھے تین طلاقیں دیں تو آپ نے فرمایا تیرے لیے نہ تو گھر ہے اور نہ نفقہ۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابراہیم سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے متعلق ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے یاد بھی ہے یا بھول گئی ہے حضرت عمر تین طلاق والی کو گھر اور کپڑا دیتے تھے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1189)

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا تھا؟ کہا کہ میرے خاوند نے مجھے لفظ 'بتہ' کے ساتھ طلاق دی تھی تو میں نے ان سے نان نفقہ اور

گھر کے لیے جھگڑا کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر اور نان نفقہ نہ دیا۔ داؤد کی حدیث میں یہ بھی ہے پھر مجھے حکم دیا کہ ام مکتوم کے گھر عدت کے دن گزار دوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بصری، عطاء بن ابی رباح، احمد اور اسحاق وغیرہ کا بھی قول ہے کہ جب شوہر کے پاس رجوع کا اختیار باقی نہ رہے تو رہائش اور نان نفقہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا لیکن بعض علماء صحابہ جن میں عمر بن خطاب، اور عبداللہ بن مسعود بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ تین طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک گھر اور نان نفقہ مہیا کرنا شوہر کے ذمہ ہے، سفیان اور اہل کوفہ کا یہ قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شوہر کے ذمے صرف رہائش کا بندوبست رہ جاتا ہے نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں۔ مالک لیث بن سعد اور شافعی کا بھی یہی قول ہے امام شافعی اپنے قول کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ) امام شافعی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس لئے گھر نہیں دلوایا کہ وہ اپنے شوہر سے سخت کلامی کرتی تھیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کے واقعہ پر مشتمل حدیث کی رو سے ایسی عورت کے لیے نفقہ بھی نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1190)

نفقہ میں اصل عسر و یسر ہونے کا قاعدہ فقہیہ

واجب نفقہ میں اصل عسر و یسر ہے۔ (الہدایہ، ۴۱۷)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کا جو نفقہ واجب ہے اس کی مقدار شوہر کے حال کے مطابق ہوگی اگر شوہر امیر و دولت مند ہے تو نفقہ امراء لوگوں کی طرح ادا کرے اور اگر شوہر غریب مفلس ہے تو نفقہ غرباء و مفلس لوگوں کی طرح ادا کرے، لہٰذا کسی غریب شخص کی بیوی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دولت مند لوگوں کی بیویوں کی طرح نفقہ کا مطالبہ کرے۔ اور کسی امیر و دولت مند شخص کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو غریب عورت کی طرح نفقہ دے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعها (البقرہ، ۲۳۳)

اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے اور کسی شخص کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا۔

نفقہ کی تعریف کا بیان

عقد نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کیلئے کھانا، لباس اور مکان کا لازم ہونا نفقہ کہلاتا ہے جبکہ عرف و معاشرے میں محض کھانے کو نفقہ کہا جاتا ہے۔

تعین نفقہ کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نفقہ کی مقدار معین کی جائے تو اس میں جو طریقہ آسان ہو وہ برتا جائے مثلاً مزدوری کرنے والے کے لیے یہ حکم دیا جائیگا کہ وہ عورت کو روزانہ شام کو اتنا دے دیا کرے کہ دوسرے دن کے لیے کافی ہو کہ مزدور ایک

مہینے کے تمام مصارف ایک ساتھ نہیں دے سکتا اور تاجر اور نوکری پیشہ جو ماہوار تنخواہ پاتے ہیں مہینے کا نفقہ ایک ساتھ دے دیا کریں اور ہفتہ میں تنخواہ ملتی ہے تو ہفتہ وار اور کھیتی کرنے والے ہر سال یا ربیع و خریف دو فصلوں میں دیا کریں۔

اگر باہم رضامندی سے کوئی مقدار معین ہوئی یا قاضی نے معین کر دی اور چند ماہ تک وہ رقم نہ دی تو عورت وصول کر سکتی ہے اور معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے بلکہ جو مہینہ آ گیا ہے اُس کا بھی نفقہ معاف کر سکتی ہے جبکہ ماہ بماہ نفقہ دینا ٹھہرا ہو اور سالانہ مقرر ہوا تو اس سال اور سال گزشتہ کا معاف کر سکتی ہے۔ پہلی صورت میں بعد والے مہینے کا دوسری میں اُس سال کا جو ابھی نہیں آیا معاف نہیں کر سکتی اور اگر نہ باہم کوئی مقدار معین ہوئی نہ قاضی نے معین کی تو زمانہ گزشتہ کا نفقہ نہ طلب کر سکتی ہے، نہ معاف کر سکتی ہے کہ وہ شوہر کے ذمہ واجب ہی نہیں، ہاں اگر اس شرط پر خلع ہوا کہ عورت عدت کا نفقہ معاف کر دے تو یہ معاف ہو جائیگا۔ عورت کو مثلاً مہینے بھر کا نفقہ دیدیا اُس نے فضول خرچی سے مہینہ پورا ہونے سے پہلے خرچ کر ڈالا یا چوری جاتا رہا یا کسی اور وجہ سے ہلاک ہو گیا تو اس مہینے کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (درمختار، باب نفقہ، ج ۵، ص ۳۰۰، بیروت)

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝
اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا محاسبہ کیا،
بہت سخت محاسبہ اور انھیں سزا دی، ایسی سزا جو دیکھنے سننے میں نہ آئی تھی۔

سرکشی کے سبب کتنی ہی بستیوں کیلئے عذاب ہونے کا بیان

"وَكَاَيِّنْ" هِيَ كَافُ الْجَرّ دَخَلَتْ عَلَى أَيْ بِمَعْنَى كَمْ "مِنْ قَرْيَة" أَيْ وَكَثِير مِنْ الْقُرَى "عَتَتْ" عَصَتْ يَعْنِي أَهْلهَا "عَنْ أَمْر رَبّهَا وَرُسُله فَحَاسَبْنَاهَا" فِي الْآخِرَة وَإِنْ لَمْ تَجِء لِتَحَقُّقِ وُقُوعهَا "حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا" بِسُكُونِ الْكَاف وَضَمّهَا فَظِيعًا وَهُوَ عَذَاب النَّار،

یہاں پر لفظ کاین میں کاف جر ہے جو ای پر داخل ہوا ہے جو بہ معنی کم ہے۔ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں یعنی اس کے رہنے والوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے آخرت میں ان کا محاسبہ کیا، اگر چہ اس کا وقوع واقع نہیں لیکن وقوع کے یقینی ہونے کے سبب اس کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہت سخت محاسبہ اور انھیں سزا دی، یہاں پر لفظ نکرا یہ کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ بھی آیا ہے اور وہ آگ کا عذاب ہے۔ ایسی سزا جو دیکھنے سننے میں نہ آئی تھی۔

اس آیت میں ان قوموں کے حساب و عذاب کا جو ذکر ہے وہ آخرت میں ہونیوالا ہے مگر یہاں اس کو بلفظ ماضی حاسبنا اور عذبنا سے تعبیر کر دینا یا تو اس کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ گویا یہ کام ہو چکا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حساب سے مراد اس جگہ سوالات اور پرسش نہ ہو بلکہ اس کی سا کی تعیین ہو جیسا کہ خلاصہ تفسیر مذکور میں لیا گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حساب شدید اگر چہ آخرت میں ہوگا مگر صحائف اعمال میں اس کی کتابت تو ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے اس کو حساب کر دینے سے تعبیر کیا گیا

اور عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہو جو بہت سی پہلی قوموں پر نازل ہوا ہے اس صورت میں بعد میں آنے والا جملہ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا صرف یہ آخرت کے عذاب سے متعلق رہے گا۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ طلاق، بیروت)

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝
تو انھوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام خسارہ تھا۔

برے کاموں کی سزا کا بیان

"فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا" عُقُوبَته "وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا" خَسَارًا وَهَلَاكًا

تو انھوں نے اپنے کام کا وبال چکھا یعنی سزا چکھی اور ان کے کام کا انجام خسارہ تھا۔ یعنی ہلاکت ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فذاقت، ف عاطفہ یا ترتیب کا ہے۔ پس چکھ لیا (ان بستیوں نے یعنی ان بستیوں کے رہنے والوں نے)۔ **وبال امرھا**: اپنے فعل کے انجام کا ضرر، **وکان عاقبۃ امرھا خسرا**: کان افعال ناقصہ سے ہے۔ عاقبۃ مضاف امرھا مضاف مضاف الیہ۔ مل کر عاقبۃ کا مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر کان کا اسم۔ خسرا اس کی خبر۔ اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ ہی رہا۔ بعض کے نزدیک فذاقت وبال امرھا کا تعلق عذاب دینا سے ہے اور **وکان عاقبۃ امرھا خسرا**۔ کا عذاب آخرت سے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے:۔ کہ آیت کے الفاظ میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے کہ:۔ ہم نے دنیا میں ان کو بھوک، قحط، طرح طرح کے مصائب میں گرفتار کیا اور آخرت میں ان کی حساب فہمی سختی کے ساتھ کریں گے اور انجام کار ان کو خسارہ ہی ہوگا۔ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک سب جگہ آخرت کا حساب اور عذاب ہی مراد ہے۔ ماضی کے صیغے اس لئے استعمال کئے کہ یہ حساب و عذاب یقیناً ہوگا اس کا ہونا قطعی اور اتنا یقینی ہے کہ گویا ہو گیا۔ (تفسیر مظہری، سورہ طلاق، لاہور)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝
اللہ نے ان کے لیے بہت سخت عذاب تیار کیا ہے، سو اللہ سے ڈرو اے عقلوں والو جو ایمان لائے ہو!
یقیناً اللہ نے تمھاری طرف ایک نصیحت نازل کی ہے۔

قرآن کو بہ طور نصیحت کے نازل کرنے کا بیان

"أَعَدَّ اللّٰه لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا" تَكْرِير الْوَعِيد تَوْكِيد "فَاتَّقُوا اللّٰه يَا أُولِي الْأَلْبَاب" أَصْحَاب الْعُقُول "الَّذِينَ آمَنُوا" نَعْت لِلْمُنَادَى أَوْ بَيَان لَهُ "قَدْ أَنْزَلَ اللّٰه إِلَيْكُمْ ذِكْرًا" هُوَ الْقُرْآن،

اللہ نے ان کے لیے بہت سخت عذاب تیار کیا ہے، یہ تکرار وعید کی تاکید کیلئے ہے۔ سو اللہ سے ڈرو اے عقلوں والو جو ایمان لائے ہو! یہاں پر الذین آمنوا یہ منادی کی نعت ہے یا اس کا بیان ہے۔ یقیناً اللہ نے تمھاری طرف ایک نصیحت نازل کی ہے۔ جو

قرآن ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اعد۔ ماضی واحد مذکر غائب اعداد (افعال) مصدر۔ بمعنی کسی چیز کو اس طرح تیار کرنا کہ وہ شمار کی جاسکے۔ اس نے تیار کیا۔ لہم میں ضمیر ہم جمع مذکر غائب بستیوں میں رہنے والوں کے لئے ہے۔ عذابا شدیدا: عذابا مفعول بہ موصوف، شدیدا صفت، سخت عذاب۔

فائدہ: اعد اللہ لھم عذابا شدیدا۔ (آخرت میں بھی اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مخاطبین کو یاد دلایا جارہا ہے کہ تم نے بستیوں کے مکینوں کا حال سنا کہ کس طرح ان کی رب سے سرکشی اور اس کے رسول کی نافرمانی ان کے سخت محاسبہ اور شدید عذاب پر منتج ہوئی اور ان کا انجام خسران یعنی گھاٹا ہی رہا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ یہ تو نتیجہ انہوں نے اپنی کرتوتوں کا اس دنیا میں دیکھ لیا آخرت میں عذاب شدید ان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

فاتقوا اللہ میں ف سببیہ ہے۔ پس بایں وجہ اتقوا اللہ اللہ سے ڈرو۔ امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر اتقاء (افتعال) مصدر سے پس ڈرو اللہ سے۔ یاولی الالباب: یا حرف ندی۔ اولی والے۔ جمع ہے۔ اس کا واحد نہیں آتا۔ بعض ذو کو اس کا واحد بتاتے ہیں اولوا بحالت رفع اور اولی بحالت نصب یا جر ہوگا۔ یہاں اولی منادی ہے۔ اور مفعول بہ آتا ہے۔ لہٰذا منصوب ہے۔ یہ مضاف ہے اور الباب جمع ہے۔ لب کی بمعنی عقلیں۔ مجاف الیہ ہے۔ یاولی الالباب: اے عقلمندو۔ اے دانشمندو۔

فائدہ: الالباب پر معانقہ ہے اور امنوا پر بھی۔ معانقہ کی صورت میں الالباب پر بھی وقف کر سکتے ہیں اور امنوا پر بھی۔ لیکن الالباب پر معانقہ کے اشارہ کے ساتھ صلے کا اشارہ ہے جو الوصل اولی کا اختصار ہے یعنی یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے آگے امنوا پر اشارہ وقف ہے جس کے معنی ہیں ٹھہر جاو۔ لہٰذا یہاں امنوا پر وقف کرنا بہتر ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں آئے گی:۔

فاتقوا اللہ یاولی الالباب الذین امنوا ۔ تو اس صورت میں الذین امنوا بدل ہوگا۔ فاتقوا اللہ کا۔ یعنی اے ارباب دانش جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو۔ اولی الالباب سے مقصود الذین امنوا ہے۔ مراد وہ مومن جو نزول قرآن کے بعد ایمان لائے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرا: قد ماضی کے ساتھ تحقیق کا فائدہ دیتا ہے۔ اور فعل کو زمانہ حال کے قریب کر دیتا ہے۔ ذکرا: ای القران ۔ رسولا: اس سے قبل فعل محذوف ہے: ای وارسل رسولا: رسولا مفعول بہ ہے۔ (انوار البیان، سورہ طلاق)

رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝
رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو تم پر اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں،

اور نیک اعمال کرتے ہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے ، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور
نیک عمل کرتا ہے وہ اسے ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ
رہنے والے ہیں ، بیشک اللہ نے اس کے لئے نہایت عمدہ رزق رکھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن کے ذریعے نور ایمان ملنے کا بیان

"رَسُولًا" أَىْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْصُوب بِفِعْلٍ مُقَدَّر أَىْ وَأَرْسَلَ "يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَات اللّٰه مُبَيِّنَات" بِفَتْحِ الْيَاء وَكَسْرهَا كَمَا تَقَدَّمَ "لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات" بَعْد مَجِيء الذِّكْر وَالرَّسُول "مِنْ الظُّلُمَات" الْكُفْر الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِ "إِلَى النُّور" الْإِيمَان الَّذِي قَامَ بِهِمْ بَعْد الْكُفْر "وَمَنْ يُؤْمِن بِاَللّٰهِ وَيَعْمَل صَالِحًا يُدْخِلهُ" وَفِي قِرَاءَة بِالنُّونِ "جَنَّات تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللّٰه لَهُ رِزْقًا" هُوَ رِزْق الْجَنَّة الَّتِي لَا يَنْقَطِع نَعِيمهَا،

رسول یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بھیجا ہے۔ یہاں پر لفظ رسول یہ فعل مقدر کے سبب منصوب ہے جو رسل ہے جو تم پر اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہاں پر لفظ مبینات یاء کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے ، یعنی اس نزول قرآن اور بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا ہوا۔ یہاں پر ظلمات سے مراد کفر ہے جس میں تھے اور نور سے مراد ایمان ہے جس کے ساتھ وہ اب موجود ہیں۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے وہ اسے ان جنتوں میں داخل فرمائے گا یہاں پر لفظ یدخل ایک قرأت میں نون کے ساتھ آیا ہے۔ جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ، بیشک اللہ نے اس کے لئے نہایت عمدہ رزق تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ رزق جنت اور اس کی نعمتیں ہیں جو نہ ختم ہونے والی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی مثال کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (کچھ) فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے فرشتوں نے آپس میں کہا۔ تمہارے اس دوست یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو ، دوسرے فرشتوں نے کہا ، وہ سوئے ہوئے ہیں (لہٰذا بیان کرنے سے کیا فائدہ) ان میں بعض نے کہا ، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے ، پھر اس نے کہا ، ان کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے گھر بنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لئے دسترخوان چنا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا لہٰذا جس نے بلانے والی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا یہ سن

کر فرشتوں نے آپس میں کہا، اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کرو تا کہ یہ اسے سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے کہا بیان کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ دوسروں نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا، گھر سے مراد تو جنت ہے اور بلانے والے سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری، مشکوٰۃ شریف، جلد اول، حدیث نمبر 141)

اس آدمی سے مراد جس نے گھر بنایا اور دستر خوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دستر خوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مومن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرق کرنے والے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا
اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۠
اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی ان کی مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا ہے، تا کہ تم جان لو کہ
بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے یقیناً ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔

سات آسمانوں اور سات زمینوں کے درمیان حکم وحی آنے کا بیان

"اللّٰه الَّذِي خَلَقَ سَبْع سَمَاوَات وَمِنْ الْأَرْض مِثْلهنَّ" يَعْنِي سَبْع أَرَضِينَ "يَتَنَزَّل الْأَمْر" الْوَحْي "بَيْنهنَّ" بَيْن السَّمَاوَات وَالْأَرْض يَنْزِل بِهِ جِبْرِيل مِنْ السَّمَاء السَّابِعَة إلَى الْأَرْض السَّابِعَة "لِتَعْلَمُوا" مُتَعَلِّق بِمَحْذُوفٍ أَيْ أَعْلَمَكُمْ بِذَلِكَ الْخَلْق وَالتَّنْزِيل،

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی ان کی مانند۔ یعنی سات زمینیں ہیں۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا ہے، جو وحی ہے۔ جو جبرائیل ساتویں آسمان سے ساتویں زمین کی طرف لیکر آتے ہیں۔ تا کہ تم جان لو، یہاں پر لتعلموا کا متعلق محذوف ہے یعنی ''أَعْلَمَكُمْ بِذَلِكَ الْخَلْق وَالتَّنْزِيل'' کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے یقیناً ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔

یعنی سات آسمانوں کی طرح، اللہ نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔ بعض نے اس سے سات اقالیم مراد لیے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلکہ جس طرح اوپر نیچے سات آسمان ہیں۔ اسی طرح سات زمینیں ہیں، جن کے درمیان بعد و مسافت ہے اور ہر زمین میں اللہ کی مخلوق آباد ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طلاق، بیروت)

زمینوں کے سات ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے (نماز کے بعد) یہ دعا مانگی۔ یا الٰہی میں تجھ سے اپنا مطلب اس وسیلہ کے ساتھ مانگتا ہوں کہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو بہت مہربان بہت دینے والا اور آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اے بزرگی و بخشش کے مالک! اے زندہ اے خبر گیری کرنے والے! میں تجھ سے ہی سوال کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بڑے نام کے ساتھ دعا مانگی ایسا بڑا نام کہ جب اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 819)

حضرت ابی بن کعب اس آیت (وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ) الاعراف: 172) (جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی)۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے (اولاد آدم کو) جمع کیا اور ان کو طرح طرح کا قرار دیا (یعنی کسی کو مالدار کسی کو غریب کرنے کا ارادہ کیا پھر ان کو شکل وصورت عطا کی اور پھر گویائی بخشی اور انہوں نے باتیں کیں پھر ان سے عہد و پیمان کیا اور پھر ان کو اپنے اوپر گواہ قرار دے کر پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اولاد آدم نے کہا، بے شک! (آپ ہمارے رب ہیں)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں سات آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو تمہارے سامنے گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی شاہد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ قیامت کے دن کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے ناواقف تھے (اس وقت) تم اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی معبود ہے اور نہ میرے سوا کوئی پروردگار ہے، (اور خبردار) کسی کو میرا شریک قرار نہ دینا، میں تمہارے پاس عنقریب اپنے رسول بھیجوں گا، جو تمہیں میرا عہد و پیماں یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا (یہ سن کر) اولاد آدم نے کہا، ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا معبود ہے، تیرے سوا نہ تو ہمارا کوئی پروردگار ہے اور نہ تیرے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے، چنانچہ آدم کی ساری اولاد نے اس کا اقرار کیا الخ۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 118)

سُورَةُ التَّحْرِيم

یہ قرآن مجید کی سورت تحریم ہے

سورت تحریم کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ التَّحْرِيم (مَدَنِيَّة وَ آيَاتُهَا اثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً)

سورہ تحریم مدنیہ ہے، اس میں دو رکوع، بارہ آیات، دو سو سینتالیس کلمات، ایک ہزار ساٹھ حروف ہیں۔

سورت تحریم کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کا نام تحریم اس لئے ہے کہ اس کی پہلی آیت مبارکہ میں لفظ تحریم استعمال ہوا ہے۔ اسی لفظ تحریم جس کے تحت شان نزول میں مکمل واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے سبب سے یہ سورت تحریم کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت تحریم کے شان نزول کا بیان

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اُمّ المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے محل میں رونق افروز ہوئے، وہ حضور کی اجازت سے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ کو سرفرازِ خدمت کیا، یہ حضرت حفصہ پر گراں گذرا، حضور نے ان کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کیا اور میں تمہیں خوش خبری دیتا ہوں کہ میرے بعد امورِ امّت کے مالک ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہونگے، وہ اس سے خوش ہوگئیں اور نہایت خوشی میں انہوں نے یہ تمام گفتگو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنائی۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی یعنی ماریہ قبطیہ آپ انہیں اپنے لئے کیوں حرام کئے لیتے ہیں، اپنی بیبیوں حفصہ و عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی رضا جوئی کے لئے، اور ایک قول اس آیت کی شان نزول میں یہ بھی ہے کہ اُمّ المومنین زینب بنتِ جحش کے یہاں جب حضور تشریف لے جاتے تو وہ شہد پیش کرتیں، اس ذریعہ سے ان کے یہاں کچھ زیادہ دیر تشریف فرما رہتے۔ یہ بات حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہما کو ناگوار گزری اور انہیں رشک ہوا، انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ جب حضور تشریف فرما ہوں تو عرض کیا جائے کہ دہنِ مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے اور مغافیر کی بو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند تھی، چنانچہ ایسا کیا گیا، حضور کو ان کا منشاء معلوم تھا، فرمایا مغافیر تو میرے قریب نہیں آیا، زینب کے یہاں شہد میں نے پیا ہے، اس کو میں اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔ مقصود یہ کہ حضرت زینب کے یہاں شہد کا شغل ہونے سے تمہاری دل شکنی ہوتی ہے تو ہم شہد ہی ترک

فرمائے دیتے ہیں۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان،سورہ تحریم،لاہور)

یَاۤ اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○
اے نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خود کو اس چیز (یعنی شہد کے نوش کرنے) سے کیوں منع فرماتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال فرما رکھا ہے۔ آپ اپنی ازواج کی دل جوئی فرماتے ہیں، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات کی رضا کا بیان

"یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ" مِنْ أَمَتِكَ مَارِیَةَ الْقِبْطِیَّةِ لَمَّا وَاقَعَهَا فِی بَیْتِ حَفْصَةَ وَكَانَتْ غَائِبَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَیْهَا كَوْنُ ذٰلِكَ فِی بَیْتِهَا وَعَلٰی فِرَاشِهَا حَیْثُ قُلْتَ: هِیَ حَرَامٌ عَلَیَّ "تَبْتَغِی" بِتَحْرِیمِهَا "مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ" أَیْ رِضَاهُنَّ "وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِیمٌ" غَفَرَ لَكَ هٰذَا التَّحْرِیمَ،

اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ خود کو اس چیز یعنی شہد کے نوش کرنے سے کیوں منع فرماتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال فرما رکھا ہے۔ جب آپ اپنی باندی ماریہ قبطیہ کے پاس حضرت حفصہ کے گھر میں واقع ہوئے۔ تو اس وقت حضرت حفصہ موجود نہ تھیں جب وہ آئیں تو ان کی یہ گراں گزرا۔ کہ وہ ان کے گھر میں گھر میں ان کے بستر پر ہوں تو اس وقت آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ مجھ پر حرام ہیں۔ آپ اپنی ازواج کی اس قدر دل جوئی فرماتے ہیں، یعنی ان کو راضی رکھنے کیلئے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور میٹھی چیز پسند کرتے تھے اور جب نماز عصر سے فارغ ہوتے تو اپنی بیویوں کے پاس تشریف لاتے اور ان میں سے کسی کے پاس جاتے، ایک دن حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور معمول سے زیادہ ٹھہرے، مجھے رشک ہوا تو میں نے اس کے متعلق دریافت کیا، مجھے بتایا گیا کہ ان کے پاس ان کی قوم کی کسی عورت نے تھوڑا سا شہد تحفۃً بھیجا تھا اس میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑا پلایا، تو میں نے کہا واللہ میں کچھ حیلہ کروں گی، میں نے سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ عنقریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس تشریف لے جائیں گے جب تمہارے پاس آئیں تو کہنا کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے پھر تجھ سے کہیں گے کہ نہیں تو کہنا پھر کس چیز کی بو آرہی ہے، آپ (یقیناً) فرمائیں گے کہ مجھے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہا تھوڑا شہد پلایا ہے، تم جواب دینا کہ شاید مکھی نے عرفط کا رس چوسا ہوگا، میں بھی یہی کہوں گی اور اے صفیہ رضی اللہ عنہا! تم بھی یہی کہنا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں، سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں کہ بخدا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر تشریف لائے ہی تھے کہ میں نے تمہارے ڈر کے سبب سے وہ بات کہنی چاہی جس کا تم نے مجھے حکم دیا تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریب پہنچے تو سودہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا پھر یہ کس چیز کی بو آرہی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے تھوڑا سا شہد پلایا ہے، سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا شاید مکھیوں نے عرفط کا رس چوسا ہوگا جب آپ میرے پاس آئے تو میں نے بھی یہی کہا اور صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا، جب آپ دوبارہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ کو شہد نہ پلاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں، سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں بخدا! ہم نے اس کو آپ پر حرام کرا دیا، میں نے سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا خاموش رہ (کہیں آپ کو خبر نہ ہو جائے)۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 252)

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○
بیشک اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھول ڈالنا مقرر فرما دیا ہے۔ اور اللہ تمہارا مددگار و کارساز ہے،
اور وہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

کفارہ کے ذریعے قسموں کو تحلیل کر دینے کا بیان

"قَدْ فَرَضَ اللّٰه" شَرَعَ "لَكُمْ تَحِلَّة أَيْمَانكُمْ" تَحْلِيلهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُورَة فِي سُورَة "الْمَائِدَة" وَمِنْ الْأَيْمَان تَحْرِيم الْأَمَة وَهَلْ كَفَّرَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ مُقَاتِل : أَعْتَقَ رَقَبَة فِي تَحْرِيم مَارِيَة وَقَالَ الْحَسَن : لَمْ يُكَفِّر لِأَنَّهُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَغْفُور لَهُ "وَاللّٰه مَوْلَاكُمْ" نَاصِركُمْ

(اے مومنو!) بیشک اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ دے کر کھول ڈالنا مقرر فرما دیا ہے۔ یعنی کفارہ دے کر ان کو حلال کر لو جس طرح سورت مائدہ میں آیا ہے۔ اور باندی کو حرام ٹھہرا لینا بھی اس میں شامل ہے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارا ادا کیا تھا تو مقاتل کہتے ہیں کہ آپ نے ایک ماریہ کی تحریم پر ایک غلام آزاد کیا جبکہ حسن نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ ادا نہیں کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کفارہ معاف ہے۔ اور اللہ تمہارا مددگار و کارساز ہے، اور وہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

یعنی کفارہ تو ماریہ کو خدمت سے سرفراز فرمایئے یا شہد نوش فرمایئے یا قسم کے اوتار سے یہ مراد ہے کہ قسم کے بعد انشاء اللہ کہا جائے تاکہ اس کے خلاف کرنے سے حنث (قسم شکنی) نہ ہو۔ مقاتل سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماریہ کی تحریم کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ نہیں دیا کیونکہ آپ مغفور ہیں، کفارہ کا حکم تعلیم امت کے لئے ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ تحریم، لاہور)

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ
وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ○

اور جب نبی (مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی ایک زوجہ سے ایک رازدارانہ بات ارشاد فرمائی، پھر جب وہ اس کا ذکر
کر بیٹھیں اور اللہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پراسے ظاہر فرمادیا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں اس کا کچھ حصہ
جِتا دیا اور کچھ حصہ سے چشم پوشی فرمائی، پھر جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں اس کی خبر دے دی تو وہ بولیں آپ کو
یہ کس نے بتادیا ہے؟ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے بڑے علم والے بڑی آگاہی والے نے بتادیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدارانہ بات بتانے کا بیان

"وَ" اذْكُرْ "إِذْ أَسَرَّ النَّبِيّ إِلَى بَعْض أَزْوَاجه " هِيَ حَفْصَة "حَدِيثًا" هُوَ تَحْرِيم مَارِيَة وَقَالَ لَهَا لَا تُفْشِيه "فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ" عَائِشَة ظَنًّا مِنهَا أَنْ لَا حَرَج فِي ذَلِكَ "وَأَظْهَرَهُ اللَّه" أَطْلَعَهُ "عَلَيْهِ" عَلَى الْمُنَبَّأ بِهِ "عَرَّفَ بَعْضه" لِحَفْصَةَ "وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْض" تَكَرُّمًا مِنْهُ "فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَك هَذَا قَالَ نَبَّأَنِي الْعَلِيم الْخَبِير" أَيْ اللَّه،

اور جب نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ جو حضرت حفصہ تھیں ان سے ایک رازدارانہ بات ارشاد فرمائی، جو تحریم ماریہ والی بات ہے اور ان سے فرمایا کہ اس کو بتانا نہیں ہے۔ پھر جب وہ اس بات کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کر بیٹھیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ اور اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسے ظاہر فرمادیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یعنی حضرت حفصہ کو اس کا کچھ حصہ جِتا دیا اور کچھ حصہ بتانے سے چشم پوشی فرمائی، یہ بہ طور اکرام تھا۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس کی خبر دے دی (کہ آپ راز اِفشاء کر بیٹھی ہیں) تو وہ بولیں کہ آپ کو یہ کس نے بتادیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بڑے علم والے بڑی آگاہی والے یعنی اللہ نے بتادیا ہے۔

یعنی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے ایک راز کی بات کہی۔ وہ راز کی بات صحیح اور اکثر روایات کی رو سے یہی تھی کہ آپ نے حضرت زینب کے پاس جو شہد پیا اور دوسری ازواج کو بھاری معلوم ہوا آپ نے ان کو راضی کرنے کے لئے شہد نہ پینے کی قسم کھالی مگر یہ فرمایا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہوتا کہ زینب کو رنج نہ پہنچے مگر اس بی بی نے یہ راز دوسری پر ظاہر کردیا جسکا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ اس راز کی بات کے متعلق دوسری روایات میں اور بھی چند چیزین منقول ہیں مگر اکثر اور صحیح روایات میں یہی ہے جو لکھا گیا۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَه وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ، یعنی جب اس بی بی نے وہ راز کی بات دوسری بی بی سے کہہ ڈالی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کردی کہ اس نے آپکا راز فاش کردیا تو آپ نے اس بی بی سے افشاء راز کا شکوہ تو کیا مگر پوری بات نہیں کھولی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم اور حسن خلق تھا کہ پوری بات کھولنے سے ان کو زیادہ خجالت اور شرمندگی ہوگی۔ جس بی بی سے راز کی بات کہی گئی تھی وہ کون تھیں اور جس پر راز ظاہر کیا وہ کون، قرآن کریم نے اس کو

بیان نہیں کیا، اکثر روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حضرت حفصہ سے کہی گئی تھی انہوں نے حضرت عائشہ سے ذکر کر دیا، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں حضرت ابن عباس سے اس کا بیان آگے آئے گا۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہ کے راز فاش کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا مگر اللہ نے جبرئیل امین کو بھیج کر ان کی طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ بہت نماز گزار بکثرت روزے رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں آپ کی بیبیوں میں لکھا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ تحریم، لاہور)

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ
وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○
اگر تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ تم دونوں کے دل جھک گئے ہیں، اگر تم دونوں نے اس بات پر ایک دوسرے کی اعانت
کی، پس بیشک اللہ ہی ان کا دوست و مددگار ہے، اور جبریل اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے بھی مددگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور آداب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

"إِنْ تَتُوبَا" أَيْ حَفْصَة وَعَائِشَة "إِلَى اللَّه فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبكُمَا" مَالَتْ إِلَى تَحْرِيم مَارِيَة أَيْ سَرَّكُمَا ذَلِكَ مَعَ كَرَاهَة النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ وَذَلِكَ ذَنْب وَجَوَاب الشَّرْط مَحْذُوف أَيْ تَقَبَّلَا وَأَطْلَقَ قُلُوب عَلَى قَلْبَيْنِ وَلَمْ يُعَبِّر بِهِ لِاسْتِثْقَالِ الْجَمْع بَيْن تَثْنِيَتَيْنِ فِيمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَة "وَإِنْ تَظَاهَرَا" بِإِدْغَامِ التَّاء الثَّانِيَة فِي الْأَصْل فِي الظَّاء وَفِي قِرَاءَة بِدُونِهَا تَتَعَاوَنَا "عَلَيْهِ" أَيْ النَّبِيّ فِيمَا يَكْرَههُ "فَإِنَّ اللَّه هُوَ" فَصْل "مَوْلَاهُ" نَاصِره "وَجِبْرِيل وَصَالِح الْمُؤْمِنِينَ" أَبُو بَكْر وَعُمَر رَضِيَ اللَّه عَنْهُمَا مَعْطُوف عَلَى مَحَلّ اسْم إِنْ فَيَكُونُونَ نَاصِرِيهِ "وَالْمَلَائِكَة بَعْد ذَلِكَ" بَعْد نَصْر اللَّه وَالْمَذْكُورِينَ "ظَهِير" ظُهَرَاء أَعْوَان لَهُ فِي نَصْره عَلَيْكُمَا،

اگر تم دونوں یعنی حضرت حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ تم دونوں کے دل ایک ہی بات کی طرف جھک گئے ہیں، جو تحریم ماریہ کی تھی۔ کیونکہ تم دونوں کو اس تحریم نے خوش کیا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ تھی۔ کیونکہ یہ برا معاملہ ہے اور یہاں پر جواب شرط محذوف ہے یعنی تقبلا اور یہاں پر قلوب کا اطلاق دو دلوں پر ہوا ہے اور جبکہ تثنیہ سے اس کو تعبیر نہیں کیا کیونکہ تثنیہ کا کلمہ واحدہ کی طرح ہونے اور جمع کے ساتھ ثقل کے سبب اس کو تثنیہ سے تعبیر نہ کیا۔ اگر تم دونوں نے اس بات پر ایک دوسرے کی اعانت کی، یہاں پر تظاہرا میں تائے ثانیہ کا اصل میں ظاء میں ادغام ہے۔ اور ایک قرأت میں بغیر ادغام کے بھی آیا ہے۔ تو یہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعث رنج ہو سکتا ہے پس بیشک اللہ ہی ان کا دوست و

مددگار ہے، اور جبریل اور صالح مومنین یعنی حضرت ابو بکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما، اس کا عطف ان کے اسم کے محل پر ہے۔ اور اس کے بعد سارے فرشتے بھی اُن کے مددگار ہیں۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں ان کے مددگار ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دو عورتوں کے متعلق پوچھوں کہ ازواج مطہرات میں سے کون ہیں جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی (اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا، اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے)۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کیا میں ان کے ساتھ ہی تھا۔ پھر میں نے برتن سے ان کو وضو کرانے کے لئے پانی ڈالنا شروع کیا اور اسی دوران ان سے عرض کیا کہ اے میر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ دو بیویاں کون سی ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے تعجب ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں۔

زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ برا لگا لیکن انہوں نے چھپایا نہیں اور فرمایا وہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ پھر قصہ سنانے لگے کہ ہم قریش والے عورتوں کو دبا کر رکھتے تھے۔ جب ہم لوگ مدینہ آئے تو ایسے لوگوں سے ملے جن کی عورتیں ان پر غالب رہتی تھیں۔ میں ایک دن اپنی بیوی کو غصہ ہوا تو وہ مجھے جواب دینے لگی۔ مجھے یہ بہت ناگوار گزرا۔ وہ کہنے لگی تمہیں کیوں ناگوار گزرا ہے۔ اللہ کی قسم ازواج مطہرات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیتی ہیں دن سے رات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (بات کرنا) ترک کر دیتی ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ جس نے ایسا کیا وہ تو نقصان میں رہ گئی۔ میں قبیلہ بنو امیہ کے ساتھ عوالی کے مقام پر مقیم تھا۔ میرا ایک انصاری پڑوسی تھا۔ میں اور وہ باری باری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ ایک دن وہ اور ایک دن میں اور دونوں ایک دوسرے کو وحی وغیرہ کے متعلق بتایا کرتے تھے۔ ہم لوگوں میں (ان دنوں) اس بات کا چرچا تھا کہ غسان ہم لوگوں سے جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ ایک دن میرا پڑوسی آیا اور رات کے وقت میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نکلا تو کہنے لگا کہ ایک بڑی بات ہوگئی ہے۔ میں نے کہا کیا ہوا۔ کیا غسان آ گیا ہے۔ کہنے لگا اس سے بھی بڑی اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ناکام اور محروم ہوگئی۔ میں پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ یہ ہونے والا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز پڑھی اور کپڑے وغیرہ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ جب حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پہنچا تو وہ رو رہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟ کہنے لگی مجھے نہیں معلوم۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حجرہ کے میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے ہیں، پھر میں ایک کالے لڑکے کے پاس گیا اور اسے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اجازت مانگو۔ وہ اندر گیا اور واپس آ کر بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں مسجد گیا تو دیکھا کہ منبر کے گرد چند آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی ان کے قریب بیٹھ گیا لیکن وہی سوچ غالب ہوئی تو وہ دوبارہ اس لڑکے کو اجازت لینے کے لئے بھیجا۔ اس نے واپس آ کر وہی جواب دیا۔ میں دوبارہ مسجد کی طرف آ گیا لیکن اس مرتبہ اور شدت سے اس فکر کا غلبہ ہوا اور میں پھر لڑکے کے پاس آیا اور اسے اجازت لینے کے لئے بھیجا۔ اس مرتبہ بھی اس نے واپس آ کر وہی جواب دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں جانے کے لئے مڑا تو دفعۃً اس لڑکے نے مجھے پکارا اور کہا کہ اندر چلے جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اجازت دے دی ہے۔ میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چٹائی پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ جس کے نشانات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں جانب واضح تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھئے ہم قریش والے عورتوں پر غالب رہتے تھے پھر جب ہم مدینہ آ گئے تو ہم ایسی قوم سے ملے جن کی عورتیں ان پر غالب ہوتی ہیں۔ اوران کی عادتیں ہماری عورتیں بھی سیکھنے لگیں۔

چنانچہ میں ایک مرتبہ اپنی بیوی پر غصہ ہوا تو وہ مجھے جواب دینے لگی تو مجھے بہت برا لگا تو کہنے لگی کہ تمہیں کیوں برا لگتا ہے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیتی ہیں۔ اور ایسی بھی ہیں جو پورا پورا دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خفا رہتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پھر میں نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیتی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں اور ہم میں سے ایسی بھی ہیں۔ جو دن سے رات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خفا رہتی ہیں۔ میں نے کہا بے شک تم میں سے جس نے ایسا کیا وہ برباد ہو گئی۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے نہیں ڈرتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ اس سے ناراض نہ ہو جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مت بولنا، ان سے کوئی چیز مت مانگنا۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کرو اور اس خیال میں مت رہو کہ تمہاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے۔ (یعنی اس کی برابری نہ کر) اس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ مسکرائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں بیٹھا رہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو گھر میں تین کھالوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے دعا کیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر کشادگی (وسعت رزق) کرے اس نے فارس اور روم کو اس کی عبادت نہ کرنے کے باوجود خوب مال دیا ہے۔ اس مرتبہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا اے ابن خطاب کیا تم ابھی تک شک میں ہو، وہ لوگ تو ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیوں کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی دے دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ زہری کہتے ہیں کہ مجھے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے بتایا کہ جب انتیس دن گزر رے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے ابتداء کی اور فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تمہارے سامنے ایک بار کا ذکر کرتا ہوں تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا اور اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ،یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع (مال) دے کر بخوبی رخصت کردوں اور اگر اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے ماں باپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیں گے۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ اس میں والدین سے مشورہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کو ترجیح دیتی ہوں۔ معمر کہتے ہیں کہ مجھے ایوب نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری بیویوں کو نہ بتائیے گا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیغام پہنچانے کے لئے بھیجا ہے نہ کہ مشقت میں ڈالنے کے لئے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور کئی سندوں سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1268)

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ
تٰٓىٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ○
اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا رب انہیں تم سے بہتر ازواج بدلہ میں عطا فرمادے، فرمانبردار، ایماندار،
اطاعت گزار، توبہ شعار، عبادت گزار، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج سے بے نیاز ہونے کا بیان

"عَسٰی رَبُّه اِنْ طَلَّقَكُنَّ" اَیْ طَلَّقَ النَّبِیُّ اَزْوَاجه "اَنْ یُّبْدِلَهُ" بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْف "اَزْوَاجًا

خَيْرًا مِنكُنَّ" خَبَر عَسَى وَالْجُمْلَة جَوَاب الشَّرْط وَلَمْ يَقَع التَّبْدِيل لِعَدَمِ وُقُوع الشَّرْط "مُسْلِمَات" مُقِرَّات بِالْإِسْلَامِ "مُؤْمِنَات" مُخْلِصَات "قَانِتَات" مُطِيعَات "تَائِبَات عَابِدَات سَائِحَات" صَائِمَات أَوْ مُهَاجِرَات،

اگر وہ یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا رب انہیں تم سے بہتر ازواج بدلہ میں عطا فرما دے، یہاں پر یبدلہ کی دال تشدید وتخفیف دونوں طرح آئی ہے۔اور ازواجا یہ عسی کی خبر ہے اور جملہ جواب شرط ہے کیونکہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی کیونکہ وقوع شرط نہیں پایا گیا۔ جو فرمانبردار، یعنی اسلام کا اقرار کرنے والی، ایماندار، اطاعت گزار، توبہ شعار، عبادت گزار، روزہ دار، بعض شوہر دیدہ اور بعض کنواریاں ہوں گی۔

یہ تخویف ہے ازواجِ مطہرات کو کہ اگر انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آزردہ کیا اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں طلاق دی تو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے اور بہتر بیبیاں عطا فرمائے گا۔اس تخویف سے ازواجِ مطہرات متاثر ہوئیں اور انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف خدمت کو ہر نعمت سے زیادہ سمجھا اور حضور کی دلجوئی اور رضا طلبی مقدم جانی، لہٰذا آپ نے انہیں طلاق نہ دی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ تحریم، لاہور)

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا
مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر سخت
دل، بہت مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انھیں حکم دے اور وہ کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔

اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو جہنم کی آگ سے بچانے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسكُمْ وَأَهْلِيكُمْ" بِالْحَمْلِ عَلَى طَاعَة اللّٰه "نَارًا وَقُودهَا النَّاس" الْكُفَّار "وَالْحِجَارَة" كَأَصْنَامِهِمْ مِنْهَا يَعْنِي أَنَّهَا مُفْرِطَة الْحَرَارَة تَتَّقِد بِمَا ذُكِرَ لَا كَنَارِ الدُّنْيَا تَتَّقِد بِالْحَطَبِ وَنَحْوه "عَلَيْهَا مَلَائِكَة" خَزَنَتهَا عُدَّتهمْ تِسْعَة عَشَر كَمَا سَيَأْتِي فِي "الْمُدَّثِّر" "غِلَاظ" مِنْ غِلَظ الْقَلْب "شِدَاد" فِي الْبَطْش "لَا يَعْصُونَ اللّٰه مَا أَمَرَهُمْ" بَدَل مِنْ الْجَلَالَة أَيْ لَا يَعْصُونَ أَمْر اللّٰه "وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ" تَأْكِيد وَالْآيَة تَخْوِيف لِلْمُؤْمِنِينَ عَنْ الِارْتِدَاد وَلِلْمُنَافِقِينَ الْمُؤْمِنِينَ بِأَلْسِنَتِهِمْ دُون قُلُوبهمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اللہ کی اطاعت پر لگا کر اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ یعنی کفار اور پتھر ہیں، جس طرح ان کے بت ہیں۔یعنی سخت آگ ہوگی جس کو مذکورہ چیزوں سے جلایا جائے گا جبکہ دنیاوی آگ کی

طرح نہیں کہ جس کو لکڑی وغیرہ کے ساتھ جلایا جاتا ہے۔اس پر سخت دل، بہت مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جو اس کے نگران ہیں جن کی تعداد انیس ہے جس طرح سورت مدثر میں آرہا ہے۔اور غلاظ یہ غلیظ القلب سے ہے جس کا معنی سخت ہے۔جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انہیں حکم دے یہاں پر ما امر اللہ یہ لفظ اللہ سے بدل ہے۔یعنی وہ نافرمانی نہیں کرتے۔اور وہ کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔یہ تاکید ہے۔اس آیت میں اہل ایمان کیلئے ارتداد سے ڈرانا مقصود ہے۔جبکہ منافقین کیلئے جو زبانی ایمان لانے والے ہیں دل سے نہیں ہیں۔

اہل وعیال سے متعلق دینی فرائض کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ارشاد ربانی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم وادب سکھاؤ، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجالاؤ اس کی نافرمانیاں مت کرو اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تاکہ اللہ تمہیں جہنم سے بچالے، مجاہد فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو۔

قتادہ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا انہیں حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام اللہ بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو۔ضحاک ومقاتل فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے رکنے کی تعلیم دیتا رہے۔

مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار کر دھمکا کر پڑھاؤ، یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے، فقہاء کا فرمان ہے کہ اسی طرح روزے کی بھی تاکید اور تنبیہ اس عمر سے شروع کر دینی چاہئے تاکہ بالغ ہونے تک پوری طرح نماز روزے کی عادت ہو جائے اطاعت کے بجالانے اور معصیت سے بچنے رہنے اور برائی سے دور رہنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ان کاموں سے تم اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے جس آگ کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں ان چیزوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے پھر خیال کرلو کہ کس قدر تیز ہوگی؟ پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہے جن کی دنیا میں پرستش ہوتی رہی جیسے اور جگہ ہے ترجمہ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو، یا گندھک کے نہایت ہی بدبودار پتھر ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اس وقت آپ کی خدمت میں بعض اصحاب تھے جن میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں جیسے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کا ایک پتھر ساری دنیا کے تمام پتھروں سے بڑا ہے انہیں یہ سن کر غشی آ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ دل دھڑک رہا تھا آپ نے انہیں آواز دی کہ اے شیخ کہو لا الہ الا اللہ اس نے اسے پڑھا پھر آپ نے اسے جنت کی خوشخبری دی تو آپ کے اصحاب نے کہا کیا ہم سب کے درمیان صرف اسی کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھو قرآن میں ہے ترجمہ یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے اور میرے

دھمکیوں کا ڈر رکھتا ہو۔

پھر ارشاد ہوتا ہے اس آگ سے عذاب کرنے والے فرشتے سخت طبیعت والے ہیں جن کے دلوں میں کافروں کے لئے اللہ نے رحم رکھا ہی نہیں اور جو بدترین ترکیبوں میں بڑی بھاری سزائیں کرتے ہیں جن کے دیکھنے سے بھی پتہ پانی اور کلیجہ چھلنی ہو جائے، حضرت عکرمہ فرماتے ہیں جب دوزخیوں کا پہلا جتھا جہنم کو چلا جائے گا تو دیکھے گا کہ پہلے دروازہ پر چار لاکھ فرشتے عذاب کرنے والے تیار ہیں جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور نہایت سیاہ ہیں کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں سخت بیرحم ہیں ایک ذرے کے برابر بھی اللہ نے ان کے دلوں میں رحم نہیں رکھا اس قدر جسیم ہیں کہ اگر کوئی پرندان کے ایک کھوے سے اڑ کر دوسرے کھوے تک پہنچنا چاہے تو کئی مہینے گذر جائیں، پھر دروازہ پر انیس فرشتے پائیں گے جن کے سینوں کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے پھر ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے پانچ سو سال تک گرتے رہنے کے بعد دوسرا دروازہ آئے گا وہاں بھی اسی طرح ایسے ہی اور اتنے ہی فرشتوں کو موجود پائیں گے اسی طرح ہر ایک دروازہ پر یہ فرشتے اللہ کے فرمان کے تابع ہیں ادھر فرمایا گیا ادھر انہوں نے عمل شروع کر دیا ان کا نام زبانیہ ہے اللہ ہمیں اپنے عذاب سے پناہ دے آمین۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ تحریم، بیروت)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۠
اے کافرو! آج کے دن کوئی عذر پیش نہ کرو، بس تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو کرتے رہے تھے۔

دخول جہنم کے وقت کفار کا کوئی عذر قبول نہ ہونے کا بیان

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْم" یُقَال لَهُمْ ذَلِكَ عِنْد دُخُولهمْ النَّار أَیْ لِأَنَّهُ لَا یَنْفَعكُمْ "إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" أَیْ جَزَاءهُ،

اے کافرو! آج کے دن کوئی عذر پیش نہ کرو، تو ان سے کہہ دیا جائے گا کہ یہ دن تمہارے لئے جہنم میں داخل ہونے کا دن ہے۔ کیونکہ اب تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بس تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو کرتے رہے تھے۔ یعنی جو تمہارے اعمال کی سزا ہے۔

قیامت کے دن کفار سے فرمایا جائے گا کہ آج تم بیکار عذر پیش نہ کرو کوئی معذرت ہمارے سامنے نہ چل سکے گی، تمہارے کرتوت کا مزہ تمہیں چکھنا ہی پڑے گا۔ پھر ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم سچی اور خالص توبہ کرو جس سے تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جائیں میل کچیل دھل جائے، برائیوں کی عادت ختم ہو جائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًاؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ
اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَاۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۠
اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور رجوع کامل سے خالص توبہ کر لو، یقین ہے کہ تمہارا رب تم سے تمہاری خطائیں دفع فرمادے گا اور

تمہیں بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں جس دن اللہ نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور ان اہل ایمان کو جو ان کی معیت میں ہیں رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف تیزی سے چل رہا ہوگا، وہ عرض کرتے ہوں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لئے مکمل فرما دے اور ہماری مغفرت فرما دے، بیشک تو ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ نصوح کرنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّه تَوْبَة نَصُوحًا" بِفَتْحِ النُّون وَضَمّهَا: صَادِقَة بِأَنْ لَا يُعَاد إِلَى الذَّنْب وَلَا يُرَاد الْعَوْد إِلَيْهِ "عَسَى رَبّكُمْ" تَرْجِيَة تَقَع "أَنْ يُكَفِّر عَنْكُمْ سَيِّئَاتكُمْ وَيُدْخِلكُمْ جَنَّات" بَسَاتِين "تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار يَوْم لَا يُخْزِي اللَّه" بِإِدْخَالِ النَّار "النَّبِيّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورهمْ يَسْعَى بَيْن أَيْدِيهمْ" أَمَامهمْ "وَ" يَكُون "بِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ" مُسْتَأْنَف "رَبّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورنَا" إِلَى الْجَنَّة وَالْمُنَافِقُونَ يُطْفَأ نُورهمْ "وَاغْفِرْ لَنَا" رَبّنَا

اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور رجوع کامل سے خالص توبہ کر لو، یہاں پر لفظ نصوح یہ نون کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی ایسی سچی توبہ جس کے بعد گناہ کی طرف نہ لوٹا ہو۔ اور نہ ہی گناہ کا ارادہ کریں۔ یقین ہے کہ تمہارا رب تم سے تمہاری خطائیں دفع فرما دے گا اور تمہیں بہشتوں یعنی باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں جس دن اللہ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور ان اہل ایمان کو جو ان کی ظاہری یا باطنی معیت میں ہیں انہیں دخول نار کے سبب رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف روشنی دیتا ہوا تیزی سے چل رہا ہوگا، وہ عرض کرتے ہوں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لئے مکمل فرما دے یعنی ہمیں جنت تک پہنچا دے۔ جبکہ منافقین کا نور بجھ جائے گا۔ اور ہماری مغفرت فرما دے، بیشک تو ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

توبہ نصوح سے متعلق تصریحات کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر نے اپنے ایک خطبے میں بیان فرمایا کہ لوگو میں نے حضرت عمر بن خطاب سے سنا ہے کہ خلاص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے اور روایت میں ہے پھر اس کے کرنے کا ارادہ بھی نہ کرے۔

علماء سلف فرماتے ہیں توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو اس وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو، اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق باقاعدہ ادا کر دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے۔

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق حرام کر دیا ہے اور جس فعل پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے، اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو حرام اور باعث ناراضی اللہ و رسول اللہ ہے، ان لوگوں کی نماز بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں، حضرت ابوذر نے

حضرت ابی سے پوچھا توبتہ النصوح کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا قصور سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا، حضرت حسن فرماتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو، جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جمار ہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام برائیاں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے، اب رہی یہ بات کہ توبہ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک یہ گناہ نہ کرے۔ جیسے کہ احادیث و آثار ابھی بیان ہوئے جن میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے، یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا گو پھر بہ مقتضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے، جیسے کہ ابھی حدیث گذری کہ توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے، تو تنہا توبہ کے ساتھ ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا پھر مرتے دم تک اس کام کا نہ ہونا گناہ کی معافی کی شرط کے طور پر ہے؟

پس پہلی بات کی دلیل تو یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص اسلام میں نیکیاں کرے وہ اپنی جاہلیت کی برائیوں پر پکڑا نہ جائے گا اور جو اسلام لا کر بھی برائیوں میں مبتلا رہے وہ اسلام اور جاہلیت کی دونوں برائیوں میں پکڑا جائے گا، پس اسلام جو کہ گناہوں کو دور کرنے میں توبہ سے بڑھ کر ہے جب اس کے بعد بھی اپنی بد کرداریوں کی وجہ سے پہلی برائیوں میں بھی پکڑ ہوئی تو توبہ کے بعد بطور اولیٰ ہونی چاہئے۔

لفظ عسی گو تمنا امید اور امکان کے معنی دیتا ہے لیکن کلام اللہ میں اس کے معنی تحقیق کے ہوتے ہیں پس فرمان ہے کہ خالص توبہ کرنے والے قطعاً اپنے گناہوں کو معاف کروالیں گے اور سرسبز و شاداب جنتوں میں آئیں گے۔ پھر ارشاد ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا، انہیں اللہ کی طرف سے نور عطا ہوگا جو ان کے آگے آگے اور دائیں طرف ہوگا۔ اور سب اندھیروں میں ہوں گے اور یہ روشنی میں ہوں گے۔

جب یہ دیکھیں گے کہ منافقوں کو جو روشنی ملی تھیں عین ضرورت کے وقت وہ ان سے چھین لی گئی اور وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے تو دعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو ہماری روشنی تو آخر وقت تک ہمارے ساتھ ہی رہے ہمارا نور ایمان بجھنے نہ پائے۔ بنو کنانہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں فتح مکہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو میں نے آپ کی اس دعا کو سنا (ترجمہ) میرے اللہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا، ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کی اجازت بھی مجھی کو مرحمت ہوگی میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظریں ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا ایک صحابی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کیسے پہچانیں گے؟ وہاں تو بہت سی امتیں مخلوط ہوں گی آپ نے فرمایا میری امت کے لوگوں کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ ان کے اعضاء وضو منور ہوں گے چمک رہے ہوں گے کسی اور امت میں یہ بات نہ ہوگی دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، تیسری نشانی یہ ہوگی کہ سجدے کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہوں گے جن سے میں پہچان لوں گا چوتھی

علامت یہ ہے کہ ان کا نوران کے آگے آگے ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ تحریم، بیروت)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں انہیں یہ خوشخبری پہنچادو کہ قیامت کے دن (اس کے سبب سے) ان کو کامل روشنی نصیب ہوگی۔

(جامع ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلداول: حدیث نمبر 685)

اس ارشاد میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ آیت (نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا، التحریم:8) "ان کا نوران کے داہنے اوران کے سامنے دوڑتا ہوگا (اور) یوں دعا کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کو آخیر تک رکھیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
اے نبی (مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اوران پر سختی فرمایئے،
اوران کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّبِيّ جَاهِدْ الْكُفَّار " بِالسَّيْفِ "وَالْمُنَافِقِينَ" بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّة "وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ " بِالِانْتِهَاءِ وَالْمَقْت "وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّم وَبِئْسَ الْمَصِير" هِيَ،

اے نبی (مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کافروں کے ساتھ تلوار سے اور منافقوں کے ساتھ زبان سے اور حجت سے جہاد کیجئے اوران پر انتہائی سختی فرمایئے، اوران کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا کہ پھر کون سا عمل؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پوچھا گیا کہ پھر کون سا، فرمایا حج مقبول۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلددوم: حدیث نمبر 1043)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ (۱) جہاد کرنے والے (۲) حج کرنے والے (۳) عمرہ کرنے والے۔

(نسائی، بیہقی، مشکوٰۃ شریف: جلددوم: حدیث نمبر 1076)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا
صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝
اللہ نے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا ہے نوح (علیہ السلام) کی عورت اور لوط (علیہ السلام) کی عورت کی مثال بیان فرمائی

ہے، وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں، سو دونوں نے ان سے خیانت کی پس وہ اللہ کے سامنے
ان کے کچھ کام نہ آئے اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

عورتوں کی دین میں خیانت کرنے کا بیان

"ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَةَ نُوحٍ وَامْرَأَةَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا" أَيْ فَخَانَتَاهُمَا فِي الدِّين إِذْ كَفَرَتَا وَكَانَتْ امْرَأَة نُوح وَاسْمهَا وَاهِلَة تَقُول لِقَوْمِهِ : إِنَّهُ مَجْنُون وَامْرَأَة لُوط وَاسْمهَا وَاعِلَة تَدُلّ قَوْمه عَلَى أَضْيَافه إِذَا نَزَلُوا بِهِ لَيْلًا بِإِيقَادِ النَّار وَنَهَارًا بِالتَّدْخِينِ "فَلَمْ يُغْنِيَا" أَيْ نُوح وَلُوط "عَنْهُمَا مِنْ اللّٰه" مِنْ عَذَابه "شَيْئًا وَقِيلَ" أَيْ وَقِيلَ لَهُمَا "اُدْخُلَا النَّار مَعَ الدَّاخِلِينَ" مِنْ كُفَّار قَوْم نُوح وَقَوْم لُوط

اللہ نے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا ہے نوح علیہ السلام کی عورت اور لوط علیہ السلام کی عورت کی مثال بیان فرمائی ہے، وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں، سو دونوں نے ان سے خیانت کی یعنی ان دونوں نے دین میں خیانت کی ہے جب ان دونوں نے کفر کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام واہلہ تھا اور وہ اپنی قوم سے کہتی تھی کہ وہ مجنون ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام واعلہ تھا اس نے اپنی قوم کو حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی طرف رہنمائی کی تھی۔ جب وہ رات کے وقت آئے۔ یعنی رات کو آگ جلا کر اور دن کو دھواں جلا کر رہنمائی کرتی تھی۔ پس وہ اللہ کے عذاب کے سامنے ان کے کچھ کام نہ آئے یعنی نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام نے انہیں عذاب سے نہ بچایا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم دونوں عورتیں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ یعنی قوم نوح اور قوم لوط کے کفار کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

دین میں کہ کفر اختیار کیا، حضرت نوح کی عورت واہلہ اپنی قوم سے حضرت نوح علیہ السلام کی نسبت کہتی تھی کہ وہ مجنون ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی عورت واعلہ اپنا نفاق چھپاتی تھی اور جو مہمان آپ کے یہاں آتے تھے آگ جلا کر اپنی قوم کو ان کے آنے سے خبردار کرتی تھی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ تحریم، لاہور)

خیانت سے پناہ طلب کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے۔ (اللّٰھم انی اعوذبك من الجوع فانه بئس الضجیع واعوذبك من الخیانة فانها بئست البطانة، اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بھوک سے کہ وہ بدترین ہم خواب ہے اور تیری پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کہ وہ باطن کی بدترین خصلت ہے۔

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1000)

بھوک سے اس لئے پناہ مانگی کہ اس کی وجہ سے انسان کے بدن، قوی اور حواس میں کمزوری ہو جاتی ہے اور اس کا اثر عبادت میں نقصان اور حضوری میں خلل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لہٰذا بدترین بھوک وہی ہے جو نقصان و خلل کا باعث بنے اور اکثر ہو جب کہ

وہ بھوک جو ریاضت ومجاہدہ کے مقصد سے بطریق اعتدال اور اپنی حالت کے موافق ہو بدترین نہیں ہے۔ بلکہ وہ باطن کی صفائی دل کی نورانیت اور بیماریوں سے بدن کی صحت وسلامتی کا سبب ہے۔ "خیانت" سے مراد ہے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کرنا اور لوگوں کے اموال اور ان کے رازوں میں بے ایمانی وخیانت کرنا چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اسی پر دلالت کرتی ہے۔آیت (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ، الانفال:27)۔اے ایمان والو! نافرمانی کے ذریعہ اللہ اور رسول کے حق میں خیانت نہ کرو اور نہ اپنے اموال میں خیانت کرو۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا
فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝
اور اللہ نے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں زوجہ فرعون کی مثال بیان فرمائی ہے، جب اس نے عرض کیا: اے میرے رب! تو
میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا دے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل سے نجات دیدے اور مجھے ظالم قوم سے بچالے۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا پر تکلیف کے وقت فرشتوں کے سایہ کرنے کا بیان

"وَضَرَبَ اللّٰہ مَثَلًا لِلَّذِینَ آمَنُوا امْرَأَۃ فِرْعَوْن " آمَنَتْ بِمُوسَی وَاسْمهَا آسِیَۃ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْن بِأَنْ أَوْتَدَ یَدَیْهَا وَرِجْلَیْهَا وَأَلْقَی عَلَی صَدْرهَا رَحًی عَظِیمَۃ وَاسْتَقْبَلَ بِهَا الشَّمْس فَکَانَتْ إذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وُکِلَ بِهَا ظَلَّلَتْهَا الْمَلَائِکَۃ "إذْ قَالَتْ" فِی حَال التَّعْذِیب "رَبّ ابْن لِی عِنْدك بَیْتًا فِی الْجَنَّۃ" فَکُشِفَ لَهَا فَرَأَتْهُ فَسَهُلَ عَلَیْهَا التَّعْذِیب "وَنَجِّنِی مِنْ فِرْعَوْن وَعَمَله" وَتَعْذِیبه "وَنَجِّنِی مِنْ الْقَوْم الظَّالِمِینَ" أَهْل دِینه فَقَبَضَ اللّٰہ رُوحهَا وَقَالَ ابْن کَیْسَان : رُفِعَتْ إلَی الْجَنَّۃ حَیَّۃ فَهِیَ تَأْکُل وَتَشْرَب،

اور اللہ نے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں زوجہ فرعون کی مثال بیان فرمائی ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں جن کا نام آسیہ تھا۔فرعون اس کے ہاتھ اور پاؤں میں میخ گاڑ دیتا تھا۔اور اس کے سینے پر پتھر رکھ دیتا اور اس کا رخ سورج کی جانب کر دیتا اور جب وہ اس سے الگ ہوتے تو فرشتے اس پر سایہ کرتے تھے۔جب اس نے عرض کیا یعنی حالت سختی میں کہا اے میرے رب! تو میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنادے تو اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے پردے اٹھا دیئے پس اس نے اپنا مکان دیکھ لیا جس کے سبب اس کو سختی برداشت کرنا آسان ہوگیا۔ اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل عذاب سے نجات دے دے اور مجھے ظالم قوم سے بھی بچالے۔یعنی اس کے مذہب والے لوگوں سے بچا۔پس اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کرلیا۔اور ابن کیسان نے کہا کہ ان کو جنت کی طرف زندہ اٹھالیا گیا پس وہ کھاتی ہیں اور پیتی ہیں۔

حضرت آسیہ کے ایمان واستقامت کی لازوال مثال کا بیان

حضرت قتادہ فرماتے ہیں روئے زمین کے تمام تر لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش فرعون تھا لیکن اس کے کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا اس لئے کہ وہ اپنے زبردست ایمان پر پوری طرح قائم تھیں اور رہیں جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ایک گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

حضرت سلمان فرماتے ہیں فرعون اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا سخت گرمیوں میں انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا لیکن پروردگار اپنے فرشتوں کے پروں کا سایہ ان پر کر دیتا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچالیتا بلکہ ان کے جنتی مکان کو دکھا دیتا جس سے ان کی روح کی تازگی اور ایمان کی زیادتی ہو جاتی، فرعون اور حضرت موسیٰ کی بابت یہ دریافت کرتی رہتی تھیں کہ کون غالب رہا تو ہر وقت یہی سنتیں کہ موسیٰ غالب رہے بس یہی ان کے ایمان کا باعث بنا اور یہ پکار اٹھیں کہ میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائی۔ فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ جو بڑی سے بڑی پتھر کی چٹان تمہیں ملے اسے اٹھوا لاؤ اسے چت لٹاؤ اور اسے کہو کہ اپنے اس عقیدے سے باز آئے اگر باز آ جائے تو میری بیوی ہے عزت وحرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو وہ چٹان اس پر گرا دو اور اس کا قیمہ قیمہ کر ڈالو، جب یہ لوگ پتھر لائے انہیں لے گئے لٹایا اور پتھر ان پر گرانے کے لئے اٹھایا تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی پروردگار نے حجاب ہٹا دیئے اور جنت کو اور وہاں جو مکان ان کے لئے بنایا گیا تھا اسے انہوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا اور اسی میں ان کی روح پرواز کر گئی جس وقت پتھر پھینکا گیا اس وقت ان میں روح تھی ہی نہیں، اپنی شہادت کے وقت دعا مانگتی ہیں کہ اللہ جنت میں اپنے قریب کی جگہ مجھے عنایت فرما اس دعا کی اس باریکی پر بھی نگاہ ڈالئے کہ پہلے اللہ کا پڑوس مانگا جا رہا ہے پھر گھر کی درخواست کی جا رہی ہے۔ اس واقعہ کے بیان میں مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے، پھر دعا کرتی ہیں کہ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے میں اس کی کفریہ حرکتوں سے بیزار ہوں، مجھے اس ظالم قوم سے عافیت میں رکھ، ان بیوی صاحبہ کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا رضی اللہ عنہا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ تحریم، بیروت)

حضرت آسیہ کے بیٹوں کی شہادت کا بیان

ان کے ایمان کا باعث بنا، وہ ایک روز فرعون کی لڑکی کا سر گوندھ رہی تھی اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں اس پر فرعون کی لڑکی نے پوچھا کہ کیا میرے باپ کے سوا تو کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے، اس نے غصہ میں آ کر انہیں خوب مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اس کی خبر دی، فرعون نے انہیں بلا کر خود پوچھا کہ کیا تم میرے سوا کسی اور کی عبادت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہے میں اسی کی عبادت کرتی ہوں، فرعون نے حکم دیا اور انہیں چت لٹا کر ان کے ہاتھ پیروں پر میخیں گڑوا دیں اور سانپ چھوڑ دیئے جو انہیں کاٹتے رہیں، پھر ایک دن آیا اور کہا اب تیرے خیالات درست ہوئے؟ وہاں سے جواب ملا کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہی ہے، فرعون نے کہا اب تیرے سامنے میں تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آ جا، انہوں نے

جواب دیا کہ جو کچھ تو کر سکتا ہو کر ڈال، اس ظالم نے ان کے لڑکے کو منگوایا اوران کے سامنے اسے مار ڈالا جب اس بچہ کی روح نکلی تو اس نے کہا اے ماں خوش ہو جا تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے ثواب تیار کر رکھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھے ملیں گی، انہوں نے اس روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھا لیکن صبر کیا اور راضی بہ قضاء ہو کر بیٹھی رہیں فرعون نے انہیں پھر اسی طرح باندھ کر ڈلوا دیا اور سانپ چھوڑ دیئے پھر ایک دن آیا اور اپنی بات دہرائی بیوی صاحبہ نے پھر نہایت صبر و استقلال سے وہی جواب دیا اس نے پھر وہی دھمکی دی اوران کے دوسرے بچے کو بھی ان کے سامنے ہی قتل کرا دیا۔ اس کی روح نے بھی اسی طرح اپنی والدہ کو خوشخبری دی اور صبر کی تلقین کی، فرعون کی بیوی صاحبہ نے بڑے بچہ کی روح کی خوش خبری سنی تھی اب اس چھوٹے بچے کی روح کی بھی خوش خبری سنی اور ایمان لے آئیں، ادھر ان بیوی صاحبہ کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض کر لی اوران کی منزل و مرتبہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تھا وہ حجاب ہٹا کر فرعون کی بیوی کو دکھا دیا گیا۔ یہ اپنے ایمان و یقین میں بہت بڑھ گئیں یہاں تک کہ فرعون کو بھی ان کے ایمان کی خبر ہو گئی، اس نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا تمہیں کچھ میری بیوی کی خبر ہے؟ تم اسے کیا جانتے ہو؟ سب نے بڑی تعریف کی اوران کی بھلائیاں بیان کیں فرعون نے کہا تمہیں نہیں معلوم ہو بھی میرا سوا دوسرے کو اللہ مانتی ہے پھر مشورہ ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اوران کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا اس وقت حضرت آسیہ نے اپنے رب سے دعا کی کہ پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب ہٹا کر انہیں ان کا جنتی درجہ دکھا دیا جس پر یہ ہنسنے لگیں، ٹھیک اسی وقت فرعون آ گیا اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر کہنے لگا لوگو تمہیں تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اتنی سخت سزا میں یہ مبتلا ہے اور پھر ہنس رہی ہے یقیناً اس کا دماغ ٹھکانے نہیں، بہر حال ایسی ہی سختیوں میں آپ شہید ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ تحریم، بیروت)

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ
بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۠
اورعمران کی بیٹی مریم کی، جس نے اپنی عصمت وعفت کی خوب حفاظت کی تو ہم نے گریبان میں اپنی روح پھونک دی
اوراس نے اپنے رب کے فرامین اوراس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی۔

حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا بیان

"وَمَرْيَمَ" عَطْف عَلَى امْرَأَة فِرْعَوْن "ابْنَت عِمْرَان الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجهَا" حَفِظَتْهُ "فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحنَا" أَيْ جِبْرِيل حَيْثُ نَفَخَ فِي جَيْب دِرْعهَا بِخَلْقِ اللّٰه تَعَالَى فِعْلَهُ الْوَاصِل إِلَى فَرْجهَا فَحَمَلَتْ بِعِيسَى "وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبّهَا" شَرَائِعه "وَكُتُبه" أَيْ وَكُتُبه الْمُنَزَّلَة "وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ" مِنَ الْقَوْم الْمُطِيعِينَ،

اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس کا عطف امراۃ فرعون پر ہے۔ جس نے اپنی عصمت وعفت کی خوب

حفاظت کی تو ہم نے یعنی جبرائیل نے گریبان میں اپنی روح پھونک دی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا جس سے انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے بطن مبارک میں اٹھایا۔ اور اس نے اپنے رب کے فرامین یعنی شرائع اور اس کی نازل کردہ کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی۔ یعنی اہل اطاعت میں سے تھیں۔

حضرت آسیہ و مریم کے فضائل کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مردوں میں بہت کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سوائے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے کوئی کامل نہیں ہوئی اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کی تمام کھانوں پر (اس زمانہ میں یہ کھانا تمام کھانوں سے بہتر سمجھا جاتا تھا)۔
(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 672)

عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اس بات کا قائل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے نبی، حضرت مریم کے بیٹے اور کلمۃ اللہ ہیں جو اس نے حضرت مریم کی طرف القاء کیا تھا اور روح اللہ ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو وہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 143)

آدم شعبہ عمرو بن مرہ مرہ ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر مردوں میں تو بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی ابن وہب یونس ابن شہاب سعید بن مسیب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا قریش کی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والی تمام عورتوں (یعنی عرب عورتوں) سے بہتر ہیں سب سے زیادہ بچہ سے محبت رکھنے والی اور شوہر کے مال کی حفاظت کرنے والی ہیں اس کے بعد ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔ اس کے متابع حدیث زہری کے بھتیجے اور اسحاق کلبی نے زہری سے روایت کی ہے اور قول الٰہی اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ کی شان میں غلط بات نہ کہو مسیح عیسیٰ بن مریم تو کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول اور اس کے ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اس کی طرف سے ایک جان ہیں سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یوں مت کہو کہ تین اللہ ہیں باز آ جاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہے ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ کلمتہ سے مراد (اللہ کا یہ فرمانا ہے کہ) کن بس وہ کام ہو جاتا ہے دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ روح منہ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے انہیں زندہ کیا اور روح دی اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 695)

سُوْرَةُ المُلْک

یہ قرآن مجید کی سورت ملک ہے

سورت ملک کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ الْمُلْكِ (مَكِّيَّة وَآيَاتهَا ثَلاثُونَ آيَة)

سورۃُ المُلک مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، تیس آیات، تین سوتیس کلمات، ایک ہزار تین سو تیرہ حروف ہیں۔

سورت ملک کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت میں لفظ ملک استعمال ہوا ہے جس کا معنی بادشاہت ہے۔ کیونکہ دنیا وآخرت میں ہر طرح کی ملکیت وبادشاہت اللہ کیلئے ہے۔ پس اسی سبب سے یہ سورت ملک کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت ملک کی شفاعت کے ذریعے بخشش کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم میں ایک سورت ہے جس میں تیس آیتیں ہیں اس سورت نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ اس کی بخشش کی گئی اور وہ سورت ملک تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 663)

اس سورت کے شفاعت کے معنی میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ اس لفظ کے ذریعہ زمانہ ماضی کی خبر دی گئی ہے کہ ایک شخص سورت تبارک الذی پڑھا کرتا تھا اور اس سورت کی بہت زیادہ قدر کیا کرتا تھا چنانچہ جب اس کا انتقال ہوا تو اس سورت نے بارگاہ حق میں اس کی سفارش کی جس کے نتیجہ میں اس شخص کو عذاب سے بچایا گیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ شفعت مستقبل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ سورت پڑھے گا اس کے بارہ میں یہ قیامت کے دن شفاعت وسفارش کرے گی اور حق تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے اپنا خیمہ قبر پر کھڑا کر لیا مگر انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے چنانچہ ناگہاں انہوں نے سنا کہ اس (قبر) میں ایک شخص تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے وہ سورت ختم کی اس کے بعد خیمہ کھڑا کرنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورت ملک منع کرنے

والی اور نجات دینے والی ہے یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو اللہ کے عذاب سے چھٹکارا دلاتی ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 664)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص سے کہا آمین تجھے ایک ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے (سورۃ ملک) پڑھا کر اور اسے اپنے اہل و عیال کو اولاد کو گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی طرف سے اللہ سے سفارش کرے گی اور اسے عذاب آگ سے بچالے گی اور عذاب قبر سے بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک امتی کے دل میں یہ ہو۔ (مسند حمیدی)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝
بہت برکت والا ہے وہ کہ تمام بادشاہی صرف اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی برکت وقدرت کا بیان

"تَبَارَكَ" تَنَزَّهَ عَنْ صِفَات الْمُحدَثِيْنَ "الَّذِي بِيَدِهِ" فِي تَصَرُّفه "الْمُلْك" السُّلْطَان وَالْقُدْرَة،

بہت برکت والا ہے یعنی حدوث کی صفات سے پاک ہے۔ کہ تمام بادشاہی کا تصرف صرف اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تبارک: ماضی واحد مذکر غائب تبارک (تفاعل) مصدر۔ وہ بہت برکت والا ہے، وہ بڑی برکت والا ہے، مخاطب کا تبارکت بھی آتا ہے صرف ماضی کا صیغہ مستعمل ہے اور وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے آتا ہے اسی لئے بعض لوگ اسے اسم فعل بتاتے ہیں۔ البرکۃ کے معنی کسی شے میں خیر الٰہی ثابت ہونا کے ہیں۔ آیت ہذا میں تنبیہ کی ہے کہ وہ تمام خیرات جن کو لفظ تبارک کے تحت ذکر کیا ہے ذات باری تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہے۔ الذی بیدہ الملک: الذی اسم موصول۔ الملک مبتداء، بیدہ خبر، دونوں مل کر موصول کا صلہ اور یہ سارا جملہ مل کر فاعل ہے تبارک کا۔ بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (دارین کی) بادشاہت ہے۔

تبارک برکت کے معنی کسی چیز میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کا ثابت ہونا ہے (مفردات)

یعنی جو کام کیا جائے اس میں متوقع زیادہ سے زیادہ فائدہ ہونے کا نام برکت ہے۔ بشرطیکہ یہ کام خیر کا پہلو رکھتا ہو اور جس چیز میں یہ خیر کا پہلو بار آور ثابت ہو وہ مبارک ہے۔ اور تبرک کا لفظ اللہ تعالیٰ سے مختص ہے اور صرف ان خیر کے کاموں کے لیے آتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہیں۔ اس آیت میں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر ایک چیز کو جس بہتر مقصد کے لیے پیدا فرمایا تھا وہ چونکہ بدرجہ اتم وہ مقصد پورا کر رہی ہے لہٰذا اللہ کی ذات تبارک یعنی بابرکت ہوئی۔

نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝
وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے
اور وہی سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔

موت وحیات کی تخلیق کے مقصد کا بیان

"الَّذِی خَلَقَ الْمَوْت" فِی الدُّنْیَا "وَالْحَیَاۃ" فِی الْآخِرَۃ أَوْ هُمَا فِی الدُّنْیَا فَالنُّطْفَة تَعْرِض لَهَا الْحَیَاۃ وَهِیَ مَا بِهِ الْإِحْسَاس وَالْمَوْت ضِدّهَا أَوْ عَدَمهَا قَوْلَانِ وَالْخَلْق عَلَى الثَّانِی بِمَعْنَى التَّقْدِیر "لِیَبْلُوَکُمْ" لِیَخْتَبِرکُمْ فِی الْحَیَاۃ "أَیُّکُمْ أَحْسَن عَمَلًا" أَطْوَع لِلَّهِ "وَهُوَ الْعَزِیز" فِی انْتِقَامه مِمَّنْ عَصَاهُ "الْغَفُور" لِمَنْ تَابَ إِلَیْهِ،

وہ جس نے دنیا میں موت اور آخرت میں زندگی کو پیدا کیا، یا ان دونوں کو دنیا میں پیدا کیا۔ پس اس نے نطفہ میں حیات ڈالی ہے۔ اور حیات وہ ہے جس سے محسوس کیا جائے۔ جبکہ موت اس کی ضد ہے۔ اور عدم حیات کا نام موت ہے۔ یہی دونوں اقوال ہیں اور دوسری صورت میں خلق کا معنی تقدیر ہوگا۔ تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون دنیا کی زندگی میں عمل میں زیادہ اچھا ہے یعنی اللہ کی اطاعت زیادہ کرتا ہے۔ اور وہی سب پر غالب، یعنی جو اس کی نافرمانی کرے اس سے انتقام لینے والا ہے۔ بے حد بخشنے والا ہے۔ اس شخص کو جو اس کی بارگاہ میں توبہ کرنے والا ہے۔

زندگی میں اعمال کی آزمائش کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرما رہا ہے اور خبر دے رہا ہے کہ تمام مخلوق پر اسی کا قبضہ ہے جو چاہے کرے۔ کوئی اس کے احکام کو ٹال نہیں سکتا اس کے غلبہ اور حکمت اور عدل کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔ پھر خود موت وحیات کا پیدا کرنا بیان کر رہا ہے، اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ موت ایک وجودی امر ہے کیونکہ وہ بھی پیدا کردہ شدہ ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا تا کہ اچھے اعمال والوں کا امتحان ہو جائے جیسے اور جگہ ہے آیت (کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ،البقرۃ:28) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کر دیا، پس پہلے حال یعنی عدم کو یہاں بھی موت کہا گیا اور اس پیدائش کو حیات کہا گیا اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے آیت (ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ،البقرۃ:28) وہ پھر تمہیں مار ڈالے گا اور پھر زندہ کر دے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی آدم موت کی ذلت میں تھے۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حیات کا گھر بنا دیا پھر موت کا اور آخرت کو جزا کا پھر بقاء کا۔

لیکن یہی روایت اور جگہ حضرت قتادہ کا اپنا قول ہونا بیان کی گئی ہے، آزمائش اس امر کی ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟ اکثر عمل والا نہیں بلکہ بہتر عمل والا، وہ باوجود غالب اور بلند جناب ہونے کے پھر عاصیوں اور سرتاب لوگوں کے لئے، جب وہ رجوع کریں اور توبہ کریں معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ملک، بیروت)

احسن عمل کے مفہوم کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ احسن عملاً تک پہنچے تو فرمایا کہ (احسن عملاً) وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد و تیار ہو۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ملک، بیروت)

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ○
وہ جس نے سات آسمان اوپر نیچے پیدا فرمائے۔ رحمان کے پیدا کیے ہوئے میں تو کوئی کمی بیشی نہیں دیکھے گا۔
پس نگاہ کو لوٹا، کیا تجھے کوئی کٹی پھٹی جگہ نظر آتی ہے؟

آسمانوں کی تخلیق سے دلیل قدرت کا بیان

"الَّذِی خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَات طِبَاقًا" بَعْضهَا فَوْق بَعْض مِنْ غَيْر مُمَاسَّة "مَا تَرَى فِي خَلْق الرَّحْمَان" لَهُنَّ أَوْ لِغَيْرِهِنَّ "مِنْ تَفَاوُت" تَبَايُن وَعَدَم تَنَاسُب "فَارْجِعْ الْبَصَر" أَعِدْهُ إلَى السَّمَاء "هَلْ تَرَى" فِيهَا "مِنْ فُطُور" صُدُوع وَشُقُوق

وہ جس نے سات آسمان اوپر نیچے پیدا فرمائے۔ یعنی بغیر کسی اتصال کے بعض آسمان بعض آسمانوں کے اوپر ہیں۔ رحمان کے پیدا کیے ہوئے میں تو کوئی کمی بیشی نہیں دیکھے گا۔ یعنی ان میں کوئی فرق یا غیر مناسبت نہ دیکھے گا۔ پس نگاہ کو لوٹا، یعنی اس کو آسمان کی طرف کر، کیا تجھے کوئی کٹی پھٹی یعنی کوئی شگاف یا سوراخ کی جگہ نظر آتی ہے؟

آسمانوں کی تخلیق میں ترتیب کا بیان

جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ایک پر ایک کو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلہ ہے، زیادہ صحیح یہی قول ہے، اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، پروردگار کی مخلوق میں تو کوئی نقصان نہ پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے، نہ ہیر پھیر ہے نہ مخالفت اور بے ربطی ہے، نہ نقصان اور عیب اور خلل ہے۔ اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال اور غور سے دیکھ کر کہیں کوئی عیب ٹوٹ پھوٹ جوڑ توڑ شگاف و سوراخ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بھی اگر شک رہے تو دو دفعہ دیکھ لے کوئی نقصان نظر نہ آئے گا تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو

پھر بھی ناممکن ہے کہ تجھے کوئی شکست وریخت نظر آئے تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی۔ نقصان کی نفی کر کے اب کمال کا اثبات ہو رہا ہے تو فرمایا آسمان دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے جن میں بعض چلنے پھرنے والے ہیں اور بعض ایک جا ٹھہرے رہنے والے ہیں، پھر ان کا ایک اور فائدہ بیان ہو رہا ہے کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے ان میں سے شعلے نکل کر ان پر گرتے ہیں یہ نہیں کہ خود ستارہ ان پر ٹوٹے۔ شیطین کی دنیا میں یہ رسوائی تو دیکھتے ہی ہو آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے والا عذاب ہے۔ جیسے سورہ صافات کے شروع میں ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی ہے اور سرکش شیطانوں کی حفاظت میں انہیں رکھا ہے، وہ بلند وبالا فرشتوں کی باتیں سن نہیں سکتے اور چاروں طرف سے حملہ کر کے بھگا دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے اگر کوئی ان میں سے ایک آدھ بات اچک کر لے بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے چمکدار تیز شعلہ لپکتا ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں ستارے تین فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، آسمان کی زینت، شیطانوں کی مار اور راہ پانے کے نشانات۔ جس شخص نے اس کے سوا کوئی اور بات تلاش کی اس نے رائے کی پیروی کی اور اپنا صحیح حصہ کھو دیا اور باوجود علم نہ ہونے کی تکلف کیا۔ (جامع البیان، ابن ابی حاتم، سورہ ملک، بیروت)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت بطحاء کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بدلی گزری لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اس کا نام کیا ہے؟ عرض کیا جی ہاں یہ بادل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور مزن بھی۔ عرض کیا جی ہاں مزن بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور عنان بھی۔ عرض کیا جی ہاں عنان بھی پھر پوچھا کہ کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا نہیں اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان دونوں میں اکہتر، بہتر یا تہتر برس کا فرق ہے۔ پھر اس سے اوپر کا آسمان بھی اتنا ہی دور ہے اور اسی طرح ساتوں آسمان گنوائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ساتوں آسمان پر ایک سمندر ہے اس کے نچلے اور اوپر کے کناروں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا۔ اس کے اوپر آٹھ فرشتے ہیں جو پہاڑی بکروں کی طرح ہیں۔ ان کے کھروں اور ٹخنوں کا درمیانی فاصلہ بھی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا ہے اور ان کی پیٹھ پر عرش ہے اس کے نچلے اور اوپر کے کنارے کے درمیان بھی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ ہے اور اس کے اوپر اللہ ہے۔ عبد بن حمید، یحییٰ بن معین کا قول نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن سعد حج کے لئے کیوں نہیں جاتے تاکہ لوگ ان سے یہ حدیث سن سکیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ولید بن ابی ثور بھی سماک سے اسی کی مانند حدیث نقل کرتے ہیں، یہ مرفوع ہے۔ شریک بھی سماک سے اس کا کچھ حصہ موقوفاً نقل کرتے ہیں۔ عبدالرحمٰن وہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن سعد رازی ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1270)

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ○

تم پھر نگاہ کو بار بار پھیر کر دیکھو، نظر تمہاری طرف تھک کر پلٹ آئے گی اور وہ ناکام ہوگی۔

آسمانوں کی خلقت میں کوئی نقص نہ ہونے کا بیان

"ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَر كَرَّتَيْنِ" كَرَّة بَعْد كَرَّة "يَنْقَلِب" يَرْجِع "إِلَيْكَ الْبَصَر خَاسِئًا" ذَلِيلًا لِعَدَمِ إِدْرَاك خَلَل "وَهُوَ حَسِير" مُنْقَطِع عَنْ رُؤْيَة خَلَل،

تم پھر نگاہِ تحقیق کو بار بار پھیر کر دیکھو، ہر بار نظر تمہاری طرف تھک کر یعنی خلل تلاش نہ کر سکنے کی وجہ سے ذلیل ہو کر پلٹ آئے گی اور وہ کوئی بھی نقص تلاش کرنے میں ناکام ہوگی۔ کیونکہ وہ رؤیت خلل میں منقطع ہو چکی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ثم ارجع البصر کرتین ۔ اس جملہ کا عطف فارجع پر ہے اور تثنیہ (یعنی لفظ کرتین جو کرۃ کا تثنیہ ہے) تکثیر کے لئے ہے۔ صرف دو دفعہ دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ بار بار دیکھنا مراد ہے پھر بار بار نگاہ ڈالو۔ ینقلب: مضارع مجزوم (بوجہ جواب امر) صیغہ واحد مذکر غائب۔ انقلاب (انفعال) مصدر۔ وہ (نگاہ تیری طرف) لوٹے گی۔ خسئا، خسا (باب فتح) مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر بمعنی درماندہ، ذلیل و خوار، تھک کر رہ جانے والا۔ دھتکارا ہوا۔ عربی میں ہے خسات الکلب فخسا میں نے کتے کو دھتکارا پس وہ دور ہو گیا۔ کسی کو دھتکارنے کے لئے عربی میں اخسا کہا جاتا ہے۔

یعنی ممکن ہے ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے، اس لیے پوری کوشش سے بار بار دیکھ، کہیں کوئی رخنہ تو دکھائی نہیں دیتا خوب غور و فکر اور نظر ثانی کر کہ قدرت کے انتظام میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں۔ یاد رکھ! تیری نگاہ تھک جائے گی اور ذلیل و درماندہ ہو کر واپس آ جائے گی۔ لیکن خدائی مصنوعات و انتظامات میں کوئی عیب و قصور نہ نکال سکے گی۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ○

اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے انہیں شیطانوں کو مارنے کے لیے آلہ بنا دیا ہے اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آسمانوں کو ستاروں سے سجا دیئے جانے کا بیان

"وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاء الدُّنْيَا" الْقُرْبَى إِلَى الْأَرْض "بِمَصَابِيح" بِنُجُوم "وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا" مَرَاجِم "لِلشَّيَاطِينِ" إِذَا اسْتَرَقُوا السَّمْع بِأَنْ يَنْفَصِل شِهَاب عَنْ الْكَوْكَب كَالْقَبَسِ يُؤْخَذ مِنْ النَّار فَيَقْتُل الْجِنِّيّ أَوْ يَخْبِلهُ لَا أَنَّ الْكَوْكَب يَزُول عَنْ مَكَانه "وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَاب السَّعِير" النَّار الْمُوقَدَة،

اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں یعنی ستاروں سے آراستہ کیا ہے جو زمین کے قریب ہیں۔اور ہم نے انہیں شیطانوں کو مارنے کے لیے آلہ بنادیا ہے یعنی جب وہ چوری چھپے سننے کیلئے کان لگاتے ہیں۔تو ستارے سے شعلہ الگ ہوتا ہے۔جس طرح کوئی چنگاری آگ سے الگ ہوتی ہے۔تو وہ جنی کو قتل کر دیتا ہے یا اس کو پاگل بنادیتا ہے۔جبکہ ستارہ اپنی جگہ سے ہٹنے والا نہیں ہے۔اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح: واو عاطفہ لقد میں لام تاکید کا اور قد ماضی پر داخل ہو کر تحقیق کا فائدہ دیتا ہے اور فعل ماضی کو حال سے قریب کر دیتا ہے۔زینا ماضی جمع متکلم تزیین (تفعیل) مصدر۔ہم نے زینت دی۔ہم نے سنوارا۔ہم نے آراستہ کیا۔السماء موصوف الدنیا صفت،موصوف وصفت مل کر زینا کا مفعول الدنیا۔دانیۃ اور دنیۃ کا اسم تفضیل کا صیغہ واحد مونث ہے۔اول صورت میں اس کے معنی بہت قریب اور نزدیک کے ہیں اور دوسری صورت میں بہت ذلیل اور بہت حقیر کے معنی ہیں۔اس کی جمع دنی ہے جیسے کبری کی جمع کبر اور صغری کی جمع صغر ہے۔جب دنیا کا استعمال آخرت کے مقابلے میں ہوتا ہے تو اس کے معنی اول اور پہلے کے ہوتے ہیں اور جب قصوی کے مقابلہ میں ہوتا ہے تو اس کے معنی زیادہ قریب کے ہوتے ہیں۔

السماء الدنیا نیچے والا آسمان جو دوسرے آسمانوں سے زمین کے سب سے زیادہ قریب ہے۔بمصابیح۔ب حرف جر مصابیح جمع جو منتہی الجموع کے وزن پر ہے اور بوجہ غیر منصرف ہونے کے مفتوح ہے جیسے مساجد۔مصابیح بمعنی چراغ۔جمع ستاروں کو چراغ اس لئے کہا گیا کہ وہ بھی چراغوں کی طرح روشن وتاباں ہیں۔ترجمہ ہوگا:۔اور ہم نے قریب کے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے روشن وآراستہ کر رکھا ہے۔

وجعلنها رجوما للشيطين۔ جملہ معطوف ہے جعلنا کا عطف زینا پر ہے۔ھا مفعول ثانی ہے۔رجوما آلات سنگ باری رجم کی جمع ہے رجم اصل میں مصدر ہے اور جس چیز کے لئے سنگسار کیا جائے اس کے لئے بطور اسم مستعمل ہے۔

فائدہ،مطلب آیت کا یہ ہے کہ شیاطین جب ملائکہ کی باتیں چوری چھپے سننا چاہتے ہیں تو ان کے مارنے کے لئے ستاروں کو ہم نے آتشیں پتھر بنایا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ستارے اپنی جگہ سے ہٹ کر شیطانوں پر پتھروں کی طرح برستے ہیں بلکہ ان سے مجسم شعلے پھوٹ کر شیطانوں پر برستے ہیں۔

واعتدنا لهم عذاب السعير: اعتدنا کا عطف زینا پر ہے لہم میں ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع الشیاطین ہے۔عذاب السعیر مضاف مضاف الیہ مل کر اعتدنا کا مفعول ہے۔السعیر۔دہکتی ہوئی آگ۔دوزخ۔سعر (باب فتح) مصدر۔بمعنی آگ بھڑکانا۔سے بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے دہکتی ہوئی آگ۔دوزخ۔ مطلب یہ کہ وہ شیاطین جو ملائکہ کی باتیں چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں ان کو شہاب ثاقب کی شکل میں ستاروں سے سنگباری ہوتی ہے۔اور آخرت میں ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مصابیح سے آسمان کی تزئین کا بیان

مصابیح سے مراد ستارے ہیں اور نیچے کے آسمان کو ستاروں سے مزین کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ستارے آسمان کے اندر یا اس کے اوپر لگے ہوئے ہوں بلکہ یہ تزئین اس صورت میں بھی صادق ہے جبکہ ستارے آسمان سے بہت نیچے خلا میں ہوں جیسا کہ تحقیق جدید سے اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

یہ اس کے منافی نہیں اور ستاروں کو شیاطین کے دفع کرنے کے لئے انگارے بنا دینے کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ ستاروں میں سے کوئی مادہ آتشیں ان کی طرف چھوڑ دیا جاتا ہو ستارے اپنی جگہ رہتے ہوں، عوام کی نظر میں چونکہ یہ شعلہ ستارہ کی طرح حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے اس لئے اس کو ستارہ ٹوٹنا اور عربی میں انقضاض الکوب کہہ دیتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ملک، لاہور)

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝
اور ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا دوزخ کا عذاب ہے، اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔
جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی خوف ناک آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔

منکرین کے لئے جہنم میں ٹھکانہ ہونے کا بیان

"وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَاب جَهَنَّم وَبِئْسَ الْمَصِير" هِيَ "إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا" صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الْحِمَار "وَهِيَ تَفُور" تَغْلِي

اور ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا دوزخ کا عذاب ہے، اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی خوف ناک آوازیں سنیں گے جس طرح گدھے کی آواز ہوتی ہے۔ اور وہ آگ جوش مار رہی ہوگی۔

جہنم کا داروغہ سوال کرے گا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے، وہ جہنمی ہے اس کا انجام اور جگہ بد سے بد ہے۔ یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل رہی ہے اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچا رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی، اور دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا اللہ کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو کوستے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور اللہ کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا، اب اللہ کا عدل صاف ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا آیت (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا، الاسراء:15) ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝

گویا شدتِ غضب سے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جائے گی، جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے داروغے

ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تھا۔

جہنم کی آگ کا شدت سے پھٹنے کی طرح ہونے کا بیان

"تَكَادُ تَمَيَّزُ " وَقُرِءَ تَتَمَيَّزُ عَلَى الْأَصْل تَتَقَطَّع "مِنَ الْغَيْظ " غَضَبًا عَلَى الْكَافِر "كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْج " جَمَاعَة مِنْهُمْ "سَأَلَهُمْ خَزَنَتهَا " سُؤَال تَوْبِيخ "أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِير " رَسُول يُنْذِركُمْ عَذَاب اللَّه تَعَالَى،

یہاں پر لفظ تمیز اصل میں تتمیز بھی پڑھا گیا ہے جس کا معنی تتقطع ہے۔ گویا ابھی کفار پر شدتِ غضب سے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جائے گی، جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے داروغے ان سے بہ طور توبیخ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تھا۔ یعنی کوئی رسول مکرم علیہ السلام تشریف نہیں لائے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے۔

یہ پوچھنا اور زیادہ ذلیل و محجوب کرنے کے لیے ہوگا یعنی تم جو اس مصیبت میں آکر پھنسے ہو، کیا کسی نے تم کو متنبہ نہ کیا تھا؟ اور ڈرایا نہ تھا کہ اس راستے سے مت چلو ورنہ سیدھے دوزخ میں گرو گے جہاں ایسے ایسے عذاب ہوں گے۔

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ یقیناً ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری، تم تو ایک بڑی

گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو۔ اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے ہوتے، یا سمجھتے ہوتے تو بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے۔

فرشتوں کا جہنم میں جانے والوں سے پوچھنے کا بیان

"قَالُوا بَلَى قَدْ جَاءَنَا نَذِير فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّه مِنْ شَيْء إِنْ " مَا "أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَال كَبِير " يَحْتَمِل أَنْ يَكُون مِنْ كَلَام الْمَلَائِكَة لِلْكُفَّارِ حِين أُخْبِرُوا بِالتَّكْذِيبِ وَيَحْتَمِل أَنْ يَكُون مِنْ كَلَام الْكُفَّار لِلنُّذُرِ، "وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَع " أَيْ سَمَاع تَفَهُّم "أَوْ نَعْقِل " أَيْ عَقْل تَفَكُّر

وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ یقیناً ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری، تم تو ایک بڑی گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو۔ یہاں پر یہ احتمال بھی ہے کہ یہ کلام فرشتوں کا ہو جب وہ کفار کیلئے ہو جب انہیں تکذیب

کی خبر دی جائے گی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ کلام کفار کو ڈرانے کیلئے ہو۔ اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے ہوتے، یا سمجھتے ہوتے یعنی عقل ہوتی اور غور وفکر کرتے تو بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے۔

یعنی کھسیانے ہو کر حسرت وندامت سے جواب دیں گے کہ بیشک ڈرانے والے آئے تھے مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی برابر جھٹلایا کیے کہ تم سب غلط کہتے ہو۔ نہ اللہ نے تم کو بھیجا نہ تم پر وحی اتاری بلکہ تم عقل وفہم کے راستہ سے بہک کر بڑی سخت گمراہی میں جا پڑے ہو۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝
پس وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے، سو دوری ہے بھڑکتی ہوئی آگ والوں کے لیے۔

آخرت میں اعتراف گناہ کا کوئی فائدہ نہ ہونے کا بیان

"فَاعْتَرَفُوا" حَيْثُ لَا يَنْفَع الِاعْتِرَاف "بِذَنْبِهِمْ" وَهُوَ تَكْذِيب النُّذُر "فَسُحْقًا" بِسُكُونِ الْحَاء وَضَمّهَا "لِأَصْحَابِ السَّعِير" فَبُعْدًا لَهُمْ عَنْ رَحْمَة اللّٰه،

پس وہ اپنے گناہ یعنی ڈر کی تکذیب کا اقرار کریں گے، لیکن ان کو یہ اعتراف انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ یہاں پر لفظ سحقا یہ حاء کے سکون اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ پس دوری ہے بھڑکتی ہوئی آگ والوں کے لیے۔ یعنی وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں غور کریں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ لیں گے ہلاک نہ ہوں گے۔ (مسند احمد بن حنبل)

اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں۔ (مسند احمد بن حنبل)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝
بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

بن دیکھے ڈرنے والوں کیلئے مغفرت ہونے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبّهمْ" يَخَافُونَهُ "بِالْغَيْبِ" فِي غَيْبَتهمْ عَنْ أَعْيُن النَّاس فَيُطِيعُونَهُ سِرًّا فَيَكُون عَلَانِيَة أَوْلَى "لَهُمْ مَغْفِرَة وَأَجْر كَبِير" أَيْ الْجَنَّة،

بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یعنی جب وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر ڈرتے ہیں جو بہ طور اعلانیہ وہ بدرجہ اولیٰ اطاعت کرتے۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر یعنی جنت ہے۔

نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں، گو تنہائی میں ہوں جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں تاہم خوف اللہ سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت وعبادت سے جی چراتے ہیں، ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دیتا ہے اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا۔

جیسے بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں ایک وہ ہے جسے کوئی مال وجمال والی عورت زنا کاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے مسند بزار میں ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی آپ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر باطن اللہ ہی کو ہم رب مانتے ہیں، فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ملک، بیروت)

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
اور تم اپنی بات کو چھپاؤ، یا اسے بلند آواز سے کرو، یقیناً وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے کوئی جہر و مخفی پوشیدہ نہ ہونے کا بیان

"وَأَسِرُّوا" أَيُّهَا النَّاس "قَوْلكُمْ أَوْ اجْهَرُوا بِهِ إنَّهُ" تَعَالَى "عَلِيم بِذَاتِ الصُّدُور" بِمَا فِيهَا فَكَيْفَ بِمَا نَطَقْتُمْ بِهِ وَسَبَب نُزُول ذَلِكَ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَالَ بَعْضهمْ لِبَعْضٍ : أَسِرُّوا قَوْلكُمْ لَا يَسْمَعكُمْ إلَه مُحَمَّد

اور اے لوگو! تم اپنی بات کو چھپاؤ، یا اسے بلند آواز سے کرو برابر ہے، یقیناً اللہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ ان میں ہے۔ لہٰذا جو تم بولتے ہو اس کا کیا عالم ہوگا۔ اس آیت مبارکہ کا سبب نزول یہ ہے کہ مشرکین آپس میں کہا کرتے تھے کہ تم اپنی باتیں آہستہ کہا کرو کہیں ایسا نہ ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معبود ان کو سن لے۔

سورت ملک آیت ۱۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگاتے اور جبرائیل آپ کو اس کی خبر دیتے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اپنی باتیں آہستہ کرو تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا سن نہ لے اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر 8۔321، قرطبی 18۔214)

اسروا او اجھروا۔ دونوں امر کے صیغے ہیں لیکن امر بمعنی خبر ہے یعنی تمہارا چپکے چپکے باتیں کرنا اور بلند آواز سے بولنا دونوں

علم الٰہی میں برابر ہیں۔ پہلے کفار کا ذکر غائبانہ تھا اب اس آیت میں تہدید کے طور پر غائب سے حاضر کی طرف کلام کو موڑ کر روئے خطاب کافروں کی طرف کر دیا گیا ہے۔

انه علیم بذات الصدور ۔ بے شک وہ دلوں کی بات بھی (خوب) جانتا ہے یعنی زبان پر لانے سے پہلے ہی وہ ان باتوں کو جانتا ہے نہ اس کو بلند آواز سے بولنے کی ضرورت ہے نہ آہستہ آہستہ کہنے کی۔ یہ مساوات (سابقہ) یعنی بلند آواز یا آہستہ بولنے کا اس کے نزدیک برابر ہونا اس کی یہ علت ہے کہ وہ تو بولنے سے قبل ہی اس بات کا علم رکھتا ہے۔ اس لئے بلند آواز سے بولنا یا آہستہ بولنا سب اس کے نزدیک برابر ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۠
کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے اور وہی تو ہے جو نہایت باریک بین ہے، کامل خبر رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے کسی چیز کے منتفی نہ ہونے کا بیان

"اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ" مَا تُسِرُّوْنَ اَیْ اَیَنْتَفِی عِلْمه بِذٰلِكَ "وَهُوَ اللَّطِیف" فِی عِلْمه "الْخَبِیر" فِیه،

کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے جو تم اس سے چھپاتے ہو کیا وہ اس کے علم سے منتفی ہو سکتا ہے۔ اور وہی تو ہے جو اپنے علم میں نہایت باریک بین ہے، کامل خبر رکھنے والا ہے۔

اللطیف کے معانی وخواص کا بیان

اپنے بندوں پر نرمی کرنے والا اور باریک بین کہ اس کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ امور دین و دنیا میں غور و فکر کرے اور نرمی کے ساتھ لوگوں کو راہ حق کی طرف بلائے۔

خاصیت جس شخص کو اسباب معیشت مہیا نہ ہوں اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہتا ہو، یا غربت میں کوئی غمخوار نہ ہو یا بیمار ہو اور کوئی اس کی تیمارداری نہ کرتا ہو یا اس کے لڑکی ہو کہ اس کا رشتہ وغیرہ نہ آتا ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس اسم پاک کو اپنے مقصد کی نیت کے ساتھ سو بار پڑھے انشاء اللہ حق تعالیٰ اس کی مشکل کو آسان کرے گا اسی طرح لڑکیوں کا نصیب کھلنے کے لئے، امراض سے صحت یابی کے لئے اور مہمات کی تکمیل کے لئے کسی خالی جگہ میں اس اسم کی دعا کی شرائط کے ساتھ سولہ ہزار تین سو اکتالیس مرتبہ پڑھا جائے انشاء اللہ مراد حاصل ہوگی۔

الخبیر کے معانی وخواص کا بیان

دل کی باتوں اور تمام چیزوں کی خبر رکھنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرے بھیدوں پر مطلع ہے اور میرے دل کی باتیں تک جانتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ بھی اس کو یاد رکھے اور اس کی یاد کے آگے اس

کے ماسوا کو بھول جائے۔ ضلالت کے راستوں سے پرہیز کرے۔ اپنی ذات پر ریا کاری کے ترک اور تقویٰ کے اختیار کو لازم کرے باطن کی اصلاح میں مشغول رہے اس سے غفلت نہ برتے اور دین و دنیا کی بہترین کھلی باتوں کی خبر رکھنے والا ہو۔

خاصیت جو شخص نفس امارہ کے ہاتھوں گرفتار ہو وہ اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا رہے اللہ نے چاہا تو اس سے نجات پائے گا۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝
وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو تابع بنا دیا، سو اس کے کندھوں پر چلو اور اس کے دیے ہوئے
میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

چلنے کیلئے نعمت زمین کا بیان

"هُوَ الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْض ذَلُولًا" سَهْلَةً لِلْمَشْيِ فِيهَا "فَامْشُوا فِى مَنَاكِبِهَا" جَوَانِبِهَا "وَكُلُوا مِنْ رِزْقه" الْمَخْلُوق لِأَجْلِكُمْ "وَإِلَيْهِ النُّشُور" مِنْ الْقُبُور لِلْجَزَاءِ،

وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو تابع بنا دیا، یعنی اس میں چلنا آسان کر دیا ہے۔ سو اس کے کندھوں یعنی اس کے اطراف پر چلو اور اس کے دیے ہوئے میں سے کھاؤ یعنی اس کو مخلوق کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور اسی کی طرف قبروں سے اٹھ کر جزاء کیلئے جانا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

هو الذی جعل لکم الارض ذلولا: الارض مفعول اول۔ فعل جعل کا ذلولا مفعول ثانی، لکم متعلق فعل۔ ذلولا صیغہ صفت مشبہ۔ ذلل جمع: ذل وذل مصدر۔ پست، نرم، ہموار مطیع۔ یعنی اللہ نے تمہارے لئے زمین کو ایسا بنا دیا کہ تم آسانی کے ساتھ اس میں چل پھر سکو۔ جعل بسیط ایک مفعول چاہتا ہے اس وقت بمعنی خلق ہوگا۔ جعل مرکب دو مفعول کو چاہتا ہے اس وقت بمعنی صیر ہوگا۔ پہلی صورت میں ذلولا حال ہوگا الارض سے۔

فامشوا فی مناکبها: ف ترتیب کے لئے ہے ای لترتیب الامر بالمشی: امشو فعل امر جمع مذکر حاضر۔ مشی باب ضرب مصدر۔ بمعنی چلنا۔ تم چلو پھرو۔ مناکبها۔ مضاف مضاف الیہ، نکب مادہ سے منکب بمعنی کندھا۔ (جمع مناکب بمعنی کندھے) استعارہ کے طور پر زمین کے راستوں پر بولا جاتا ہے جیسے کہ آیت ہذا میں۔

اور یہ زمین کے لئے بطور استعارہ ایسے ہی استعمال ہوا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ما ترک علی ظهرها من دابة، تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔ میں ظہر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

حسن، مجاہد، کلبی، مقاتل کا قول ہے:۔ مناکب الارض سے مراد زمین کے راستے، گھاٹیاں، کنارے، اطراف ہیں۔ کس لئے

کہ انسان کے مناکب بھی اس کے بدن کے کنارے، جوانب ہیں۔اس مناسبت سے زمین کے کناروں اور جوانب اور راستوں کو بھی مناکب کہنے لگے۔

وکلوا من رزقہ۔ واو عاطفہ، کلوا فعل امر جمع مذکر حاضر۔ اکل (باب نصر) مصدر۔ کھاؤ۔ من تبعیضیہ ہے۔ رزقہ مضاف مضاف الیہ۔ اس کی دی ہوئی روزی سے۔ **وکلوا من رزقہ ای اطلبوا:** یعنی خداداد نعمت کی طلب کرو۔ کھانے سے مراد طلب کرنا۔ اور رزق سے مراد ہے نعمت خداوندی۔

والیہ النشور: جملہ مستانفہ ہے۔ الیہ میں ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اللہ ہے۔ النشور (باب نصر) مصدر ہے۔ بمعنی جی اٹھنا۔ یعنی جزاء وسزا کے لئے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونا۔ مطلب ہے کہ روز قیامت دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کر اسی ہی کی طرف جانا ہے۔ (انوار البیان، سورہ ملک)

ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوۡرُ ۝
کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے کہ وہ اچانک لرزنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے خوف ہونے والوں کا بیان

"ءَاَمِنۡتُمۡ" بِتَحۡقِیۡقِ الۡهَمۡزَتَیۡنِ وَتَسۡهِیۡلِ الثَّانِیَة وَاِدۡخَال اَلِف بَیۡنهمَا وَبَیۡنَ الۡاُخۡرٰی وَتَرۡکه وَاِبۡدَالهَا اَلِفًا "مَنۡ فِی السَّمَاء" سُلۡطَانه وَقُدۡرَته "اَنۡ یَخۡسِف" بَدَل مِنۡ مَنۡ "بِکُمُ الۡاَرۡض فَاِذَا هِیَ تَمُوۡر" تَتَحَرَّك بِکُمۡ وَتَرۡتَفِع فَوۡقکُمۡ

یہاں پر لفظ ءامنتم میں دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ تسہیل ثانیہ اور ان دونوں کے درمیان دخول الف کے ساتھ اور عدم ترک اور ابدال الف کے ساتھ بھی آیا ہے۔

کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے یعنی اس کی بادشاہت اور قدرت سے بے خوف ہوئے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے، یہاں پر أن یخسف بہ بکم الارض سے بدل ہے۔ اس طرح کہ وہ اچانک لرزنے لگے۔ یعنی تمہیں متحرک کر دے اور تمہیں اوپر بلند کر دے۔

ان آیتوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے لطف و رحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کے کفر و شرک کی بناء پر وہ طرح طرح کے دنیوی عذاب پر بھی قادر ہے لیکن اس کا علم اور عفو ہے کہ وہ عذاب نہیں کرتا۔ جیسے اور جگہ فرمایا آیت (وَلَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنۡ یُّؤَخِّرُهُمۡ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیۡرًا ، فاطر:45)، یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے۔ جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو اللہ ان مجرم بندوں سے آپ سمجھ لے گا۔ یہاں بھی فرمایا کہ زمین ادھر ادھر ہو جاتی، ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے، یا ان پر ایسی آندھی

بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اوران کے دماغ توڑ دیئے جاتے۔ جیسے اورجگہ ہے آیت (اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ،الاسراء:68) یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ یا تم پر وہ پتھر برسائے اور کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ملک، بیروت)

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ۝
کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔

مختلف طریقوں سے عذاب سے انذار کا بیان

"أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاء أَنْ يُرْسِل " بَدَل مِنْ مَنْ "عَلَيْكُمْ حَاصِبًا " رِيحًا تَرْمِيكُمْ بِالْحَصْبَاءِ "فَسَتَعْلَمُونَ" عِنْد مُعَايَنَة الْعَذَاب "كَيْفَ نَذِير" إنْذَارِي بِالْعَذَابِ أَيْ أَنَّهُ حَق،

کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو، یہاں پر اَن یرسل یہ لفظ من سے بدل ہے۔ کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ یعنی ایسی ہوا جو تم پر کنکریاں پھینکے سو تم عنقریب عذا کو دیکھ کر جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔ یعنی میرا عذاب سے ڈرانا کیسا ہے یعنی وہ برحق ہے۔

یہاں بھی فرمان ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈراوے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تم خود دیکھ لو کہ پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر برا اور عبرتناک انجام ہوا۔ کیا تم میری قدرتوں کا روزمرہ کا یہ مشاہدہ نہیں کر رہے کہ پرند تمہارے سروں پر اڑتے پھرتے ہیں کبھی دونوں پروں سے کبھی کسی کو روک کر، پھر کیا میرے سوا کوئی اور انہیں تھامے ہوئے ہے؟ میں نے ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے اور یہ معلق اڑتے پھرتے ہیں یہ بھی میرا لطف وکرم اور رحمت ونعمت ہے۔ مخلوقات کی حاجتیں ضرورتیں ان کی اصلاح اور بہتری کا نگراں اور کفیل میں ہی ہوں، جیسے اور جگہ فرمایا آیت (اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ،النحل:79) کیا انہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں جن کا تھامنے والا سوائے ذات باری کے اور کوئی نہیں یقیناً اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ ملک، بیروت)

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ۝
اور بیشک ان لوگوں نے جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے، سو میرا انکار کیسا ہوا۔

حق کی تکذیب کرنے والوں کیلئے عذاب کا بیان

"وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ " مِنْ الْأُمَم "فَكَيْفَ كَانَ نَكِير " فَكَيْفَ كَانَ إنْكَارِي عَلَيْهِمْ بِالتَّكْذِيبِ عِنْد إهْلَاكهمْ أَيْ أَنَّهُ حَق

اور بیشک ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جوان سے پہلی اقوام تھیں سو میرا انکار کیسا عبرت ناک ثابت ہوا۔ یعنی وہ کس طرح انکار کریں گے جب وہ مکذبین کی ہلاکت کے وقت آئے گا۔ کیونکہ اس کا آنا برحق ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ولقد کذب الذین من قبلھم فکیف کان نکیر: قبلھم میں ہم ضمیر کا مرجع کفار مکہ ہیں۔ پہلا کلام خطابی ہے اور اب یہ کلام بصورت غائب، یہ التفات ضمائر کفار مکہ کی مسلسل روگردانی کے پیش نظر نفرت اور ناگوارہ کے اظہار کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ **والالتفات الی الغیبۃ لابراز الاعراض عنھم** ۔ الذین من قبلھم سے مراد وہ قومیں ہیں جو کفار مکہ سے قبل ہو گزریں اور جنہوں نے پیغمبروں کا جھٹلایا۔ مثلاً قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، وغیرہ۔

فکیف کان نکیر سے قبل جملہ مقدرہ ہے۔ تم خود دیکھ لو میرا انکار کیسا تھا۔ اس کی ترکیب نحوی مثل کیف کان نذیر ہے۔ لغات القرآن میں جمل، روح المعانی کے حوالہ سے نکیر کی تشریح یوں تحریر ہے:۔ نکیر، مصدر بمعنی انکار اصل میں نکیری تھا انکار سے مراد ان آیات میں زبانی یا دلی انکار نہیں بلکہ ان کی حالت کو برعکس اور مخالف حالت سے بدل ڈالنا مراد ہے یعنی تغییر الضد بالضد مثلاً زندگی کو موت سے آبادی کو ویرانی سے بدل ڈالنا۔ کس سخت، ہیبت ناک، دشوار مصیبت میں مبتلا کر دینا ہی اللہ کی طرف سے انکار کرنے کا معنی ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ ملک، بیروت)

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ؁
کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر پر پھیلائے ہوئے اور پر سمیٹے ہوئے نہیں دیکھا؟ انہیں کوئی نہیں روک سکتا
سوائے رحمان کے، بیشک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔

پرندوں کے فضاء میں پر پھیلانے سے استدلال قدرت کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَوْا" يَنْظُرُوا "إِلَى الطَّيْر فَوْقهمْ" فِي الْهَوَاء "صَافَّات" بَاسِطَات أَجْنِحَتهنَّ "وَيَقْبِضْنَ" أَجْنِحَتهنَّ بَعْد الْبَسْط أَيْ وَقَابِضَات "مَا يُمْسِكهُنَّ" عَنْ الْوُقُوع فِي حَال الْبَسْط وَالْقَبْض "إِلَّا الرَّحْمَان" بِقُدْرَتِهِ "إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْء بَصِير" الْمَعْنَى: أَلَمْ يَسْتَدِلُّوا بِثُبُوتِ الطَّيْر فِي الْهَوَاء عَلَى قُدْرَتنَا أَنْ نَفْعَل بِهِمْ مَا تَقَدَّمَ وَغَيْره مِنْ الْعَذَاب

کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر یعنی فضاء پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹے ہوئے نہیں دیکھا؟ انہیں فضا میں گرنے سے کوئی نہیں روک سکتا سوائے رحمان کے بنائے ہوئے قانون کے، یعنی حالت قبض وبسط میں اسی کی قدرت سے وہ رہتے ہیں بیشک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔ معنی یہ ہے کہ کیا وہ فضاء میں پرندوں کے ثبوت سے ہماری قدرت پر استدلال نہیں کرتے۔ یہ کہ ہم ان کے ساتھ ویسا کریں گے جس طرح پہلے عذاب وغیرہ کے بارے میں گزر چکا ہے۔

یعنی باوجود یہ کہ پرندے بوجھل، موٹے جسیم ہوتے ہیں اور شے ثقیل طبعاً پستی کی طرف مائل ہوتی ہے وہ فضا میں نہیں رک سکتی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ ٹھہرے رہتے ہیں ایسے ہی آسمانوں کو جب تک وہ چاہے رکے ہوئے ہیں اور وہ نہ روکے تو گر پڑیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۝
بھلا کوئی ایسا ہے جو تمہاری فوج بن کر رحمان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے؟ کافر محض دھوکہ میں ہیں۔

کفار کا شیطان کے دھوکے میں ہونے کا بیان

"أَمَّنْ" مُبْتَدَأ "هَذَا" خَبَره "الَّذِی" بَدَل مِنْ هَذَا "هُوَ جُنْد" أَعْوَان "لَكُمْ" صِلَة الَّذِی "يَنْصُركُمْ" صِفَة الْجُنْد "مِنْ دُون الرَّحْمَان" أَیْ غَيْره يَدْفَع عَنْكُمْ عَذَابه أَیْ لَا نَاصِر لَكُمْ "إِنْ" مَا "الْكَافِرُونَ إِلَّا فِی غُرُور" غَرَّهُمْ الشَّيْطَان بِأَنَّ الْعَذَاب لَا يَنْزِل بِهِمْ

یہاں پر لفظ اُم من مبتداء ہے اور ھذا اسکی خبر ہے۔ اور الذی یہ ھذا سے بدل ہے۔ اور لفظ جند کا معنی اعوان ہے۔ اور لکم یہ الذی کا صلہ ہے۔ اور ینصر کم یہ جند کی صفت ہے۔ بھلا کوئی ایسا ہے جو تمہاری فوج بن کر خدائے رحمان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے؟ یعنی اس کے سوا کون ہے جو تم سے عذاب کو دور کر سکے۔ یعنی تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔ کافر محض دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ ان کو شیطان نے دھوکہ دے رکھا ہے۔ کہ عذاب انہیں نہ ہوگا۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝
بھلا کوئی ایسا ہے جو تمہیں رزق دے سکے اگر اپنا رزق روک لے؟ بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں مضبوطی سے اَڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رزق دینے والا نہ ہونے کا بیان

"أَمَّنْ هَذَا الَّذِی يَرْزُقكُمْ إِنْ أَمْسَكَ" الرَّحْمَن "رِزْقه" أَیْ الْمَطَر عَنْكُمْ وَجَوَاب الشَّرْط مَحْذُوف دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْله أَیْ فَمَنْ يَرْزُقكُمْ أَیْ لَا رَازِق لَكُمْ غَيْره "بَلْ لَجُّوا" تَمَادَوْا "فِی عُتُوّ" تَكَبُّر "وَنُفُور" تَبَاعُد فِی الْحَقّ،

بھلا کوئی ایسا ہے جو تمہیں رزق دے سکے اگر اللہ تم سے اپنا رزق یعنی تم سے بارش روک لے؟ اس کا جواب شرط محذوف ہے جس کی ماقبل پر دلالت ہے۔ یعنی پھر تمہیں کون رزق سے لہٰذا اس کے سوا کوئی تمہیں رزق دینے والا نہیں۔ بلکہ وہ سرکشی اور حق سے نفرت میں مضبوطی سے اَڑے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ تکبر و بغاوت کے سبب حق سے اور دور ہو جانے والے ہیں۔

یعنی اللہ اگر روزی کے سامان بند کر لے تو کس کی طاقت ہے جو تم پر روزی کا دروازہ کھول دے؟ یعنی دل میں یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سے الگ ہو کر نہ کوئی نقصان کو روک سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ مگر محض شرارت اور سرکشی ہے کہ توحید و اسلام کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○

کیا وہ شخص جو منہ کے بل اوندھا چل رہا ہے زیادہ راہ راست پر ہے یا وہ شخص جو سیدھی حالت میں صحیح راہ پر گامزن ہے؟

مؤمن وکافر کی ہدایت وعدم ہدایت پر ہونے کی مثال کا بیان

"أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا" وَاقِعًا "عَلَى وَجْهه أَهْدَى أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا" مُعْتَدِلًا "عَلَى صِرَاط" طَرِيق "مُسْتَقِيم" وَخَبَر مِنْ الثَّانِيَة مَحْذُوف دَلَّ عَلَيْهِ خَبَر الْأُولَى أَيْ أَهْدَى وَالْمَثَل فِي الْمُؤْمِن وَالْكَافِر أَيّهمَا عَلَى هُدَى،

کیا وہ شخص جو منہ کے بل اوندھا چل رہا ہے یعنی چہرے کے بل چل رہا ہے۔زیادہ راہِ راست پر ہے یا وہ شخص جو سیدھی حالت میں صحیح راہ پر گامزن ہے؟۔یہاں پر من ثانیہ کی خبر محذوف ہے جس کی من اول پر دلالت ہے۔یعنی ہدایت اور یہ مثال مؤمن اور کافر کی ہے کہ ان میں سے کون ہدایت پر ہے۔

پھر مومن وکافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے سر جھکائے نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران، پریشان، راہ بھولا اور ہکا بکا ہے۔اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے، یہی حال ان کا قیامت کے دن ہوگا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

جیسے اور جگہ ہے آیت (اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ، الصافات:22) ترجمہ ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو،

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح حشر کئے جائیں گے، آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔بخاری ومسلم میں بھی یہ روایت ہے۔اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا تمہیں کان آنکھ اور دل دیئے یعنی عقل وادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گذاری کرتے ہو یعنی اپنی ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا، تمہاری زبانیں جدا، تمہارے رنگ روپ جدا، تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف۔اور تم زمین کے چپہ چپہ پر بسا دیئے گئے، پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس کے سامنے کھڑے کر دیئے جاؤ گے اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے، اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ملک، بیروت)

قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۝

آپ فرمادیجئے، وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دِل بنائے، تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنے اور ان کا شکر ادا کرنے کا بیان

"قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ" خَلَقَكُمْ "وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ" الْقُلُوب "قَلِيْلًا مَا تَشْكُرُوْنَ" مَا مَزِيدَة وَالْجُمْلَة مُسْتَأْنَفَة مُخْبِرَة بِقِلَّةِ شُكْرهمْ جِدًّا عَلَى هَذِهِ النِّعَم،

آپ فرمادیجئے: وہی اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دِل بنائے، تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔ یہاں پر لفظ ماء زائدہ ہے۔ اور یہ جملہ مستأنفہ جو قلت شکر کی خبر دینے والا ہے۔ کیونکہ نعمتوں کے مقابلے میں شکر بہت ہی قلیل ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

قل ھو الذی انشاکم: مذکورہ بالا دونوں آیات: امن ھذا الذی ھو جند لکم ینصرکم اور امن ھذا الذی ھو یرزقکم میں صراحت فرمائی تھی کہ کافروں کا کوئی حمایتی نہ ان کی مدد کر سکتا ہے اور نہ ان کو رزق دے سکتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نصرت اور رزق کون عطا کرتا ہے؟

اس سوال مقدرہ کے جواب میں فرمایا:۔ کہ تم کو نصرت اور رزق وہی عطا فرماتا ہے جس نے تم کو پیدا کیا تا کہ تم اس کو پہچانو اور اس کی عبادت کرو۔ (تفسیر مظہری)

انشا ماضی واحد مذکر غائب انشاء (افعال) مصدر۔ اس نے پیدا کیا۔ کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر، تم کو۔ السمع کان، سننا، الابصار (آنکھیں) بصر کی جمع۔ الافدۃ (دل) فواد کی جمع۔ السمع اصل میں مصدر ہے۔ اور مصدر کی جمع (اصل وضع کے اعتبار سے) نہیں آتی۔ اس لئے السمع کو بصورت مفرد ذکر کیا۔ لیکن البصر اور الفواد کی یہ حالت نہیں (یہ مصدر نہیں ہیں) اس لئے الابصار، الافدۃ کو بصورت جمع ذکر کیا۔ ہر سہ السمع، الابصار، الافدۃ منصوب بوجہ مفعول جعل کے ہیں۔ قلیلا ما تشکرون، قلیلا صفت مشبہ بحالت نصب بوجہ مفعول۔ تھوڑا۔ قلۃ (باب ضرب) مصدر۔ اگر یہاں مراد تھوڑا شکر لیا جائے تو یہ مفعول مطلق ہوگا۔ اور اگر اس کا مطلب کم وقت میں لیا جائے تو یہ مفعول فیہ ہوگا۔ دونوں صورتوں میں موصوف محذوف ہوگا۔

مالفظاً زائدہ ہے اور معنی مفہوم قلت کی تاکید ہے۔ بہت ہی تھوڑے وقت میں شکر کرتے ہو۔ قلت شکر سے مجاز انفی شکر ہے۔ بالکل شکر نہیں کرتے، یا کسی وقت بھی شکر نہیں کرتے۔ تشکرون، مضارع جمع مذکر حاضر۔ شکر (باب نصر) مصدر، تم شکر کرتے ہو۔

(تفسیر روح المعانی، خازن، ملک، بیروت)

یعنی اللہ نے سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں، اور سمجھنے کے لیے دل دیئے تھے کہ اس کا حق مان کر ان قوتوں کو ٹھیک

معرف میں لگاتے، اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔ کافروں کو دیکھ لو کہ ان نعمتوں کا کیسا حق ادا کیا؟ اس کی دی ہوئی قوتیں اسی کے مقابلہ میں استعمال کیں۔

قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ○ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ○
فرمادیجئے: وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہوگا،
اگر تم سچے ہو؟ فرمادیجئے کہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں تو صرف واضح ڈر سنانے والا ہوں۔

قیامت کے وقت کے تعین کو پوشیدہ رکھنے کا بیان

"قُلْ هُوَ الَّذِى ذَرَأَكُمْ" خَلَقَكُمْ "فِى الْأَرْض وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ" لِلْحِسَابِ "وَيَقُولُونَ" لِلْمُؤْمِنِينَ "مَتَى هَذَا الْوَعْد" وَعْد الْحَشْر "إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فِيهِ، "قُلْ إِنَّمَا الْعِلْم" بِمَجِيئِهِ "عِنْد اللّٰه وَإِنَّمَا أَنَا نَذِير مُبِين" بَيِّن الْإِنْذَار،

فرمادیجئے: وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم حساب کیلئے اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ اور وہ اہل ایمان سے کہتے ہیں یہ وعدہ جو حشر کا ہے کب ہوگا، اگر تم اس عقیدے میں سچے ہو؟ فرمادیجئے کہ اس کے وقت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں تو صرف واضح ڈر سنانے والا ہوں۔

یعنی ابتداء بھی اس سے ہوئی انتہاء بھی اسی پر ہوگی، جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے۔ چاہیے تھا کہ اس سے ایک دم غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اس کی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر ایسے بندے بہت تھوڑے ہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ○
پس جب وہ اس کو قریب دیکھیں گے تو ان لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے جنھوں نے انکار کیا اور کہا جائے گا
یہی ہے وہ جو تم مانگا کرتے تھے۔

عذاب دیکھ کر کفار کے چہروں کے سیاہ ہو جانے کا بیان

"فَلَمَّا رَأَوْهُ" أَيْ الْعَذَاب بَعْد الْحَشْر "زُلْفَة" قَرِيبًا "سِيئَتْ" اسْوَدَّتْ "وُجُوه الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ" أَيْ قَالَ الْخَزَنَة لَهُمْ "هَذَا" أَيْ الْعَذَاب "الَّذِى كُنْتُمْ بِهِ" بِإِنْذَارِهِ "تَدَّعُونَ" أَنَّكُمْ لَا تُبْعَثُونَ وَهَذِهِ حِكَايَة حَال تَأْتِي عَبَّرَ عَنْهَا بِطَرِيقِ الْمُضِيّ لِتَحَقُّقِ وُقُوعهَا،

پس جب حشر کے بعد وہ اس عذاب کو قریب دیکھیں گے تو ان لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے یعنی ان کے چہرے سیاہ ہو

جائیں گے جنھوں نے انکار کیا اور کہا جائے گا یعنی جہنم کا داروغہ کہے گا۔ یہی عذاب ہے وہ جو تم مانگا کرتے تھے۔ یعنی جس سے تمہیں ڈرایا جاتا ہے۔ جبکہ تم اس کے آنے کا انکار کرتے تھے۔ اور یہ حکایت حال ہے جس کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے۔

یعنی ذلت اور ہولناکی اور دہشت سے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہونگی۔ جس کو دوسرے مقام پر چہروں کے سیاہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو وہی ہے جسے تم دنیا میں جلد طلب کرتے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○
فرما دیجئے، بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ مجھے موت سے ہم کنار کر دے اور جو میرے ساتھ ہیں، یا ہم پر رحم فرمائے،
تو کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔

کفار کو عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہونے کا بیان

"قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَعِيَ" مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِعَذَابِهِ كَمَا تَقْصِدُونَ "أَوْ رَحِمَنَا" فَلَمْ يُعَذِّبْنَا "فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ" أَيْ لَا مُجِيرَ لَهُمْ مِنْهُ،

فرما دیجئے، بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ مجھے موت سے ہم کنار کر دے اور جو میرے ساتھ ہیں یعنی اہل ایمان ہیں عذاب دے جس طرح تمہارا نظریہ ہے، یا ہم پر رحم فرمائے (یعنی ہماری موت کو مؤخر کر دے) تو ان دونوں صورتوں میں کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔ یعنی ان کو عذاب دے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔

کفار مکہ اور دوسرے قبائل اس انتظار میں رہتے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں پر کوئی ایسی ناگہانی بلا نازل ہو، جس سے ان کا خاتمہ ہو جائے اور ہماری جان چھوٹے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اسی آرزو کا جواب دیا ہے۔ اور فرمایا کہ ان سے کہیے۔ کہ ہمارے حق میں دونوں صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ تمہاری خواہش کے مطابق ہم پر کوئی بلا نازل ہو جو ہمیں ہلاک کر دے۔ اور دوسری یہ کہ اللہ ہم پر رحم فرمائے اور کسی طرح کا ہمیں گزند نہ پہنچے۔ لیکن تم اپنی خیر مناؤ کہ آخرت میں تمہیں یقیناً دردناک عذاب پہنچنے والا ہے۔ اس وقت تمہیں کوئی اس عذاب سے بچا سکتا ہے؟ اور ہماری تو یہ صورت ہے کہ آخرت میں یقیناً ہمیں اللہ سے مغفرت اور جنت کی امید ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○
فرما دیجئے: وہی رحمان ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، پس تم عنقریب
جان لوگے کہ کون شخص کھلی گمراہی میں ہے۔

اللہ رحمٰن پر ایمان لانے والوں کا بیان

"قُلْ هُوَ الرَّحْمَانُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ "مَنْ هُوَ

فِی ضَلَالٍ مُّبِینٍ" بَیْنَ أَنَحْنُ أَمْ أَنْتُمْ أَمْ هُمْ،

فرمادیجئے: وہی رحمان ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، پس تم عنقریب جان لوگے، یہاں پر تعلمون تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے یعنی وہ معائنہ کے وقت دیکھ لیں گے۔ کہ کون شخص کھلی گمراہی میں ہے۔ یعنی واضح ہو جائے گا کہ ہم گمراہ ہیں یا تم یا وہ گمراہ ہیں۔

ہماری عاقبت بخیر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم رحمٰن پر صرف ایمان ہی نہیں لائے بلکہ اپنے تمام تر امور کا انجام اسی کے سپرد کر رکھا ہے اور اسی پر ہی ہمارا بھروسہ ہے پھر وہ آخر کیوں ہمیں اپنی نعمتوں سے سرفراز نہ کرے گا۔ اور تمہیں جلد ہی اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ گمراہی کے راستہ پر ہم پڑے ہوئے ہیں یا تم ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

قل ھو الرحمن امنا به: ای قل یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ھو (یعنی اللہ)۔ الرحمٰن: یعنی اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار سے فرمادیجئے کہ وہ اللہ جس کے اختیار میں ہماری ہلاکت یا پناہ ہے وہ بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ (ھو ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع آیت مندرجہ بالا ان اھلکنی اللہ الخ میں اللہ ہے امنا بہ (ہم اسی پر ایمان رکھتے ہیں)

وعلیہ توکلنا (اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں) یہ دونوں جمع الرحمٰن کی صفت ہیں۔ یا ھو ضمیر شان ہے۔ اور امنا بہوعلیہ توکلنا خبر ہے الرحمٰن کی۔ ضمیر شان کا فائدہ یہ ہے کہ مخبر عنہ (الرحمٰن) کی تعظیم اور بڑائی پر دلالت کرتی ہے اس طرح کہ پہلے اس کا مبہم طریقہ سے ذکر کر کے پھر اس کی تشریح کی جائے۔ علیہ کو توکلنا سے مقدم ذکر کرنا حصر پر دلالت کرتا ہے (اسی پر ہمارا بھروسہ ہے) حصر کا مفہوم ھو الرحمٰن سے بھی مستفاد ہوتا ہے مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو مفید حصر ہوتے ہیں۔ (وہی رحمٰن ہے) اس جملہ سے اس کی تائید ہوتی ہے گویا یہ جملہ سابق دونوں جملوں کی تاکید کر رہا ہے۔

حقیقت میں اس آیت کا مفہوم نتیجہ ہے ان دلائل کا جو پہلے بیان کئے گئے ہیں اور اسی پر مومنوں اور کافروں کے آئندہ حکم کی بنا ہے اسی لئے اگلے جملے میں ف سببیت کی لائی گئی ہے۔ (تفسیر المظہری)

فستعلمون من ھو فی ضلال مبین، ف سببیت کی ہے (جیسا کہ ابھی اوپر گزرا) س مجارع پر داخل ہو کر اس کو خالص مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اور مستقبل قریب کے معنی دیتا ہے۔ ترجمہ ہوگا:۔ پس تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ من استفہامیہ محل نصب میں ہے کیونکہ تعلمون کا مفعول ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۝
فرمادیجئے: اگر تمہارا پانی زمین میں بہت نیچے اتر جائے تو کون ہے جو تمہیں بہتا ہوا پانی لا دے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت پانی کا بیان

"قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا" غَائِرًا فِی الْاَرْضِ "فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ" جَارٍ تَنَالُهُ

الْأَيْدِي وَالدِّلَاءِ كَمَائِكُمْ أَيْ لَا يَأْتِي بِهِ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى فَكَيْفَ تُنْكِرُونَ أَنْ يَبْعَثَكُمْ؟ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُولَ الْقَارِءُ عَقِبَ "مَعِين" : اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيث وَتُلِيَتْ هَذِهِ الْآيَةُ عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَجَبِّرِينَ فَقَالَ : تَأْتِي بِهِ الْفُؤُوس وَالْمَعَاوِل فَذَهَبَ مَاءُ عَيْنِه وَعَمِيَ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْجَرَاءَةِ عَلَى اللَّهِ وَعَلَى آيَاتِه

فرما دیجئے: اگر تمہارا پانی زمین میں بہت نیچے اتر جائے یعنی زمین میں نیچے چلا جائے۔ تو کون ہے جو تمہیں زمین پر بہتا ہوا پانی لا دے۔ یعنی جس طرح تمہارے پاس موجود ہے پانی ہے جس کو تم ڈولوں سے نکالتے ہو لہٰذا ایسا پانی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لانے والا نہیں۔ پس تم کس طرح عقیدہ بعث کا انکار کرتے ہو۔

مستحب یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا لفظ معین کے بعد کہے۔ جس طرح حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ یہ آیت بعض بد بختوں کے سامنے پڑھی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم کدال اور پھاوڑے لیکر آ جائیں گے۔ تو اس کی آنکھ کا پانی چلا گیا جس کے سبب وہ اندھا ہو گیا لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اس پر کہ جو اللہ اور اس کی آیات کی بے ادبی کرے۔

اگر اس پانی کو جس کے پینے پر انسانی زندگی کا مدار ہے زمین چوس لے یعنی زمین سے نکلے ہی نہیں گو تم کھودتے تھک جاؤ تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ہے جو بہنے والا ابلنے اور جاری ہونے والا پانی تمہیں دے سکے؟ یعنی اللہ کے سوا اس پر قادر کوئی نہیں، وہی ہے جو اپنے فضل و کرم سے صاف ستھرے ہوئے اور صاف پانی کو زمین پر جاری کرتا ہے جو ادھر سے ادھر تک پھر جاتا ہے اور بندوں کی حاجتوں کو پوری کرتا ہے، ضرورت کے مطابق ہر جگہ بآسانی مہیا ہو جاتا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اصبح: ماضی واحد مذکر غائب افعال ناقصہ میں سے ہے۔ اصباح (افعال) مصدر۔ اس نے صبح کی۔ اس کو صبح ہوئی۔ ہو گیا۔

ماءکم: مضاف مضاف الیہ۔ تمہارا پانی، یعنی وہ پانی جو تمہارے استعمال کے لئے تمہیں جیا کہا جاتا ہے۔ جیسے پینے کا پانی، فصلوں کی آبپاشی کے لئے مطلوبہ پانی۔

غورا: غور مصدر ہے بمعنی فاعل۔ غور کے معنی ہیں پانی کا زمین کے اندر گھس جانا۔ کسی چیز کا اندر کی طرف چلے جانا (باب نصر)۔ یہاں آیت ہذا میں غور (مصدر) بمعنی غایر زمین میں گھس کر خشک ہو جانے والا پانی، جو ہاتھ یا ڈول وغیرہ کی دسترس سے باہر ہو گیا ہو۔ نشیبی جگہ یا گڑھا کو بھی غور کہتے ہیں۔ غورا بوجہ خبر اصبح کے منصوب ہے۔

فمن یاتیکم بماء معین: جملہ جواب شرط ہے ف جواب شرط کے لئے۔ من استفہامیہ انکاریہ، کون؟ کوئی بھی نہیں۔ ماء معین: موصوف وصفت، جاری پانی۔ معین صیغہ صفت بروزن فعیل بمعنی جاری۔ معن مصدر۔ جاری ہونا۔ جاری کرنا۔ گھاس کا سیراب ہونا۔ بعض کے نزدیک معین میں میم زائد ہے عین کا معنی ہے ظہور۔ وہ جاری پانی جس کو سامنے ہونے کی وجہ سے ہر کوئی دیکھ لے۔ کہیں جھاڑیوں اور جنگلوں میں چھپا ہوا نہ ہو معین کہلاتا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی لکھے ہیں: بالکل سامنے، جس کو آنکھیں دیکھ سکیں اور ہاتھوں اور ڈولوں سے اس کو لیا جا سکے۔ (انوار البیان، سورہ ملک)

سُوْرَةُ الْقَلَمِ

یہ قرآن مجید کی سورت القلم ہے

سورت قلم کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ الْقَلَم (مَكِّيَّة وَآيَاتها اثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَة)

اس سورت کا نام سورہ نُون وسورہ قلم ہے، یہ سورۃ مکیہ ہے،اس میں دو رکوع، باون آیات، تین سو کلمات، ایک ہزار دو سو چھپن حروف ہیں۔

سورت قلم کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کے شروع میں قلم اور اس کے لکھنے کو بیان کیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے یہ سورت اسی نام سے معروف ہوئی ہے۔

عبدالواحد سلیم کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آیا تو عطاء بن ابی رباح سے ملاقات کی تو عرض کیا اے ابومحمد ہمارے ہاں کچھ لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا میری ایک مرتبہ ولید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنے والد کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے حکم دیا کہ لکھو۔اس نے ہمیشہ ہمیشہ ہونے والی ہر چیز لکھ دی اور اس حدیث میں ایک قصہ بھی ہے۔ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سند سے حسن صحیح غریب ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1269)

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ○
ن۔قسم ہے قلم کی! اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں۔

"ن" أَحَد حُرُوف الْهِجَاء اللَّه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "وَالْقَلَم" الَّذِي كَتَبَ بِهِ الْكَائِنَات فِي اللَّوْح الْمَحْفُوظ "وَمَا يَسْطُرُونَ" أَيْ الْمَلَائِكَة مِنْ الْخَيْر وَالصَّلَاح

یہاں پر لفظ نون یہ حروف تہجی میں سے ایک حرف ہے۔اس کی مراد کو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

ن۔قسم ہے قلم کی! جس کے ساتھ کائنات کو لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں۔یعنی جو فرشتے بھلائی وصلاح لکھتے ہیں۔

نون اور قلم کے مفہوم میں تفسیری تصریحات کا بیان

امام تفسیر امام مجاہد کہتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر، یعنی قرآن لکھا جا رہا تھا۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ چیز جو لکھی جا رہی تھی اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم ذکر فرمائی اس قلم سے مراد یا تو لکھنے والوں کے قلم ہیں جن سے دینی دنیوی مصالح وفوائد وابستہ ہیں اور یا قلمِ اعلیٰ مراد ہے جو نوری قلم ہے اور اس کا طول فاصلہ زمین وآسمان کے برابر ہے اس نے بحکم الٰہی لوح محفوظ پر قیامت تک ہونے والے تمام امور لکھ دیئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ قلم، لاہور)

کہا گیا ہے کہ یہاں ان سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے، ابن عباس سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے، جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ قلم، بیروت)

مطلب یہ ہے کہ یہاں "ن" سے مراد یہ مچھلی ہے، طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا قلم نے دریافت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی، پس نون سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے۔

ابن عساکر کی حدیث میں ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نون یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے عمل، رزق عمر، موت وغیرہ، پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا۔ اس آیت میں یہی مراد ہے، پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا، پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا۔

مجاہد فرماتے ہیں یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، بغوی وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی آسمان وزمین کے برابر ہے اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان پر تمام مخلوق ہے۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی معنی پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا بتایئے قیامت کے پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی صورت میں ہوتا ہے کبھی ماں کی صورت پر؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ

باتیں ابھی ابھی جبرائیل نے مجھے بتا دیں، ابن سلام کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے، آپ نے فرمایا سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے، دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا، پوچھا انہیں پانی کونسا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد "ن" سے نور کی تختی ہے ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا حکم ہے جو قیامت تک کے حال پر چل چکا ہے۔

ابن جریج فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طوالانی رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ن" سے مراد دولت ہے اور قلم سے مراد قلم ہے، حسن اور قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں، ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا، پھر فرمایا" لکھ "اس نے پوچھا" کیا لکھوں؟" فرمایا" لکھ "اس نے پوچھا" کیا لکھوں؟" جو قیامت تک ہونے والا ہے، اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد، روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام، پھر یہ بھی کہ کونسی چیز دنیا میں کب جائے گی کس قدر رہے گی، کیسے نکلے گی، پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ رشتے مقرر کیے اور کتاب پر داروغے مقرر کیے، محافظ فرشتے ہر دن ان کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں جب رزق ختم ہو جاتا ہے عمر پوری ہو جاتی ہے اجل آ پہنچتی ہے۔

تو محافظ فرشتے داروغہ فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا یہ سن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا اس بیان کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں محافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا آیت (اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. الجاثیۃ: 29) مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر لیا کرتے تھے۔ یہ تو تھا لفظ "ن" کے متعلق بیان، اب قلم کی نسبت سنئے۔ بظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قلم، بیروت)

زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سے پہلے قلم کا تقدیر کو لکھنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا ہے۔ اور " فرمایا" (اس وقت) اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 76)

ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات اجسام ظاہری اور مادیات کی کثافت سے پاک ہے اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ نے خود اپنے

ہاتھ سے تقدیریں لکھ دی تھیں، بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی ان کی تقدیریں قلم کو جاری ہونے کا حکم دے کر اس کے ذریعہ لوح محفوظ میں ثبت کر دی تھیں، یا یہ کہ فرشتوں کو حکم دے کر ان سے تقدیریں لکھوادی تھیں۔
منقول ہے کہ زمین و آسمان اور تمام مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے پانی ہی پانی تھا اور کہا جاتا ہے کہ پانی کا استقرار ہوا پر تھا اور ہوا اللہ کی قدرت پر قائم تھی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اس عالم میں ازل سے لے کر ابد تک ہونے والے تمام واقعات و اعمال اسی وقت اللہ کے علم میں تھے۔ جب کہ یہ زمین و آسمان بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور اس کا عرش پانی پر تھا جس کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل نہیں تھی۔

مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝ وَ اِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۝
آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔ اور بیشک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نہ ختم ہونے والا اجر ہونے کا بیان

"مَا أَنْتَ" يَا مُحَمَّد "بِنِعْمَةِ رَبِّك بِمَجْنُون" أَيْ انْتَفَى الْجُنُون عَنْك بِسَبَبِ إِنْعَام رَبّك عَلَيْك بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرهَا وَهَذَا رَدّ لِقَوْلِهِمْ إِنَّهُ مَجْنُون "وَإِنَّ لَك لَأَجْرًا غَيْر مَمْنُون" أَيْ أَجْرًا غَيْر مَقْطُوع،

(اے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنے رب کے فضل سے ہرگز دیوانے نہیں ہیں۔ یعنی آپ کے رب آپ پر جو نبوت وغیرہ کا انعام کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کے منتفی ہونے پر دلیل ہے۔ اور یہاں مجنون کہنے والوں کا رد ہے۔ اور بیشک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ یعنی غیر مقطوع ثواب ہے۔

اس کا لطف و کرم تمہارے شاملِ حال ہے اس نے تم پر انعام و احسان فرمائے نبوت اور حکمت عطا کی فصاحتِ تامہ، عقلِ کامل، پاکیزہ خصائل، پسندیدہ اخلاق عطا کئے مخلوق کے لئے جس قدر کمالات امکان میں ہیں سب علیٰ وجہِ الکمال عطا فرمائے، ہر عیب سے ذاتِ عالی صفات کو پاک رکھا۔ اس میں کفار کے اس مقولہ کا رد ہے جو انہوں نے کہا تھا۔

اور بیشک آپ کے لئے اجر عظیم ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ کے جس کام کو یہ دیوانی جنون کہہ رہے ہیں وہ تو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا مقبول عمل ہے اس پر آپ کو اجر عظیم ملنے والا ہے اور اجر بھی ایسا جو دائمی ہے کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ کہیں کسی مجنون کے عمل پر بھی مجنون کو اجر ملا کرتا ہے۔ آگے اسی مضمون کی مزید تائید و تاکید سا جملے سے فرما دی۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ۝ فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُوۡنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ۝
اور بیشک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں۔ پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ دیکھ لیں گے۔ کہ تم میں کون مجنون تھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا بیان

"خُلُق" دِین "بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُون" مَصْدَر كَالْمَعْقُولِ أَيْ الْفُتُون بِمَعْنَى الْجُنُون أَيْ أَبِكَ أَمْ بِهِمْ

اور بیشک آپ عظیم الشان خلق یعنی دین پر قائم ہیں۔ کہ تم میں کون مجنون تھا۔ یہاں پر لفظ مفتون یہ معقول کی طرح فتون سے مصدر ہے۔ جس کا معنی جنون ہے یعنی جنون تمہارے ساتھ ہے یا آپ کے ساتھ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ کے نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق خود قرآن ہی یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال واخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ین فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرما دیئے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی مجھے اس کام کے لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں۔ (تفسیر ابوحیان، سورہ قلم، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بہترین تعریف حضرت عائشہ نے اپنے اس قول میں فرمائی ہے کہ کان خلقہ القران۔ "قرآن آپ کا اخلاق تھا"۔ امام احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور ابن جریر نے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ ان کا یہ قول متعدد سندوں سے نقل کیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں کی تھی بلکہ خود اس کا مجسم نمونہ بن کر دکھا دیا تھا۔ جس چیز کا قرآن میں حکم دیا گیا آپ نے خود سب سے بڑھ کر اس پر عمل کیا، جس چیز سے اس میں روکا گیا آپ نے خود سب سے زیادہ اس سے اجتناب فرمایا، جن اخلاقی صفات کو اس میں فضیلت قرار دیا گیا سب سے بڑھ کر آپ کی ذات ان سے متصف تھی، اور جن صفات کو اس میں ناپسند ٹھیرایا گیا سب سے زیادہ آپ ان سے پاک تھے۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا، جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کبھی آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا، اپنی ذات کے لیے کبھی کسی ایسی تکلیف کا انتقام نہیں لیا جو آپ کو پہنچائی گئی ہو الا یہ کہ اللہ کی حرمتوں کو توڑا گیا ہو اور آپ نے اللہ کی خاطر اس کا بدلہ لیا ہو، اور آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب دو کاموں میں سے ایک کا آپ کو انتخاب کرنا ہوتا تو آپ آسان تر کام کو پسند فرماتے تھے، الا کہ وہ گناہ ہو، اور اگر کوئی کام گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے تھے۔ (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ آپ نے کبھی میری کسی بات پر اف تک نہ کی، کبھی میرے کسی کام پر یہ نہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کیوں

نہ کیا۔ (بخاری و مسلم، تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ قلم، بیروت)

کفار کیلئے دنیا میں بھی ذلت ورسوائی کا بیان

مفتون اس جگہ بمعنے مجنون ہے۔ پچھلی آیات میں آپ کو مجنون کہنے والوں کے طعنہ کو دلائل سے رد کیا گیا تھا اس آیت نے پیش گوئی کے طور پر یہ بتلایا کہ یہ بات یوں ہی ڈھکی چھپی رہنے والی نہیں ہے قریب آنے والے وقت میں سب آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ معاذ اللہ آپ مجنون تھے یا آپ کو مجنون کہنے والے پاگل دیوانے تھے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ بات کھل کر دنیا کے سامنے آ گئی اور انہیں مجنون کہنے والوں میں سے ہزاروں حلقہ بگوش اسلام ہو کر آپ کے اتباع ومحبت کو سرمایہ سعادت سمجھنے لگے اور بہت سے اشقیاء جن کو توفیق نہیں ہوئی وہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوئے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ۝
بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے، اور وہ ان کو خوب جانتا ہے
جو ہدایت یافتہ ہیں پس آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔

ہدایت یافتہ اور گمراہوں کا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہونے کا بیان

"إِنَّ رَبّكَ أَعْلَم بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيله وَهُوَ أَعْلَم بِالْمُهْتَدِينَ" لَهُ وَأَعْلَم بِمَعْنَى عَالِم

بے شک آپ کا رب اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے، اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔ یہاں پر لفظ اعلم بہ معنی عالم ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اعلم: علم سے (باب سمع) سے مصدر۔ افعل التفضیل کا صیغہ، بمعنی خوب جاننے والا۔ بہتر جاننے والا۔ جلالین میں ہے کہ اعلم بمعنی عالم ہے۔

من موصولہ ہے ضل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ ضلال (باب ضرب) مصدر وہ گمراہ ہوا۔ وہ بہکا۔ وہ راہ سے دور جا پڑا۔ سبیلہ مضاف مضاف الیہ۔ اس کے راستہ سے ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع رب ہے۔

وھو اعلم بالمھتدین۔ اس کا عطف جملہ سابقہ پر ہے اور وہ بخوبی جانتا ہے راہ ہدایت پانے والوں کو۔ مھتدین: اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بحالت نصب۔ مھتدی کی جمع اھتداء (افتعال) مصدر۔ ہدایت پانے والے۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۝
وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کرلیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔

کفار مکہ کا بت پرستی سے متعلق رعایت طلب کرنے کا بیان

"وَدُّوا" تَمَنَّوْا "لَوْ" مَصْدَرِيَّة "تُدْهِن" تَلِينَ لَهُمْ "فَيُدْهِنُونَ" يَلِينُونَ لَك وَهُوَ مَعْطُوف عَلَى تُدْهِن وَإِنْ جَعَلَ جَوَاب التَّمَنِّي الْمَفْهُوم مِنْ وَدُّوا قَدَّر قَبْله بَعْد الْفَاء هُمْ،

وہ تو چاہتے ہیں یہاں پر لفظ لو مصدریہ ہے۔ کہ آپ ان کیلئے نرمی اختیار کرلیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔ تو وہ بھی آپ کیلئے نرمی اختیار کرلیں گے۔ اس کا عطف تدھن پر ہے۔ اور اس کا عطف جواب تمنی کو قرار دیا جائے جو لفظ ودوا سے مفہوم ہے۔ تو اس سے پہلے اور فاء کے بعد ھم ضمیر کو مقدر مانا جائے گا۔

کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کردیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق اور مسلک ومشرب سے متعارض نہ ہوں گے۔ ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو "خلق عظیم" پر پیدا کیا گیا ہے۔ نیک نیتی سے یہ خیال آ جائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چند نرم روش اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مکذبین کا کہنا نہ مانیے۔ ان کی غرض محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھیلا کرنا ہے۔ ایمان لانا اور صداقت کو قبول کرنا مقصود نہیں۔ آپ کی بعثت کی اصلی غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ آپ تو ہر طرف سے قطع نظر کرکے اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔ کسی کو منوا دینے اور راہ پر لے آنے کے آپ ذمہ دار نہیں۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ۝
اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے۔ طعنہ زن، عیب جو، لوگوں میں
فساد انگیزی کے لئے چغل خوری کرتا پھرتا ہے۔ خیر کو بہت روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، سخت گناہ گار ہے۔
بد مزاج درشت خو ہے، مزید برآں بد اصل ہے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برے اوصاف کا بیان

"وَلَا تُطِعْ كُلّ حَلَّاف" كَثِير الْحَلِف بِالْبَاطِلِ "مَهِين" حَقِير "هَمَّاز" عَيَّاب أَيْ مُغْتَاب "مَشَّاء بِنَمِيم" أَيْ سَاعٍ بِالْكَلَامِ بَيْن النَّاس عَلَى وَجْه الْإِفْسَاد بَيْنهمْ، "مَنَّاع لِلْخَيْرِ" بَخِيل بِالْمَالِ عَنْ الْحُقُوق "مُعْتَدٍ" ظَالِم "أَثِيم" آثِم، "عُتُلّ" غَلِيظ جَافٍ "بَعْد ذَلِكَ زَنِيم" دَعِيّ فِي قُرَيْش وَهُوَ الْوَلِيد بْن الْمُغِيرَة ادَّعَاهُ أَبُوهُ بَعْد ثَمَانِي عَشْرَة سَنَة قَالَ ابْن عَبَّاس : لَا نَعْلَم أَنَّ اللَّه وَصَفَ أَحَدًا بِمَا وَصَفَهُ بِهِ مِنْ الْعُيُوب فَأَلْحَقَ بِهِ عَارًا لَا يُفَارِقهُ أَبَدًا وَتَعَلَّقَ بِزَنِيمٍ الظَّرْف قَبْله،

اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو باطل پر بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے۔ جو طعنہ زن، عیب جُو ہے اور لوگوں میں فساد انگیزی کے لئے چغل خوری کرتا پھرتا ہے۔ یعنی لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے کیلئے کلام کرنے والا ہے۔ خیر کو بہت روکنے والا، حقوق پر مال خرچ کرنے سے بخل اختیار کرنے والا ہے۔ حد سے بڑھنے والا ظالم، سخت گناہ گار ہے۔ جو بد مزاج دُرشت خو ہے، مزید برآں بداَصل بھی ہے۔ جو قریش میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اور وہ ولید بن مغیرہ ہے کہ اس کے باپ نے اٹھارہ سال کے بعد اس کو متبنی بنا یا لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالی نے اس کے سوا کسی اور کو ایسے عیوب کے ساتھ متصف کر کے بیان کیا ہو۔ لہٰذا یہ ایسی شرم کی باتیں اس کے ساتھ لاحق کر دی گئی ہیں جو کبھی بھی اس سے الگ نہ ہو سکیں گی۔ اور یہاں پر لفظ زنیم یہ ظرف ہے اور ماقبل ذلک سے متعلق ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

عتل: یہ عتل مصدر سے صفت کا صیغہ ہے بمعنی سخت مزاج۔ گردن کش اجڈ۔ شوکانی کے نزدیک عتل وہ ہے جو جسم کا مضبوط اور اخلاق کا خراب ہو۔

عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ عتل: جو جسم کا مضبوط ہو، صحت مند ہو بڑا کھانے پینے والا ہو، جیسے کھانے پینے کو ملتا رہے۔ لوگوں پر بہت ظلم کرتا ہو اور تو نداس کی بڑی ہو۔ بعد ذلک یعنی متذکرہ بالا صفات کے علاوہ (وہ زنیم بھی ہے)

زنیم: الزنیم یا مزنم: اسے کہتے ہیں جو کسی قسم سے نسبتی تعلق تو نہ رکھتا ہو لیکن اس کے ساتھ یونہی ملحق ہو۔ جیسے کہ زنمتا الشاۃ یعنی گوشت کے دو زائد ٹکڑے جو بکری کے گلے یا کان سے نیچے لٹک رہے ہوں۔

زنیم دعی (جمع ادعیاء) بمعنی لے پالک، غیر باپ کی طرف منسوب کو بھی کہتے ہیں۔ اور دعی وہ شخص ہے جو کہ تم اس کو بیٹا بنا لو۔ یا وہ جو حرامی ہونے میں متہم ہو۔ اس سلسلہ میں تین کافروں کا نام لیا جاتا ہے جن میں مندرجہ ذیل بالا صفات کے علاوہ زنیم کی بھی صفت پائی جاتی تھی۔ مثلاً:۔

(1) ولید بن مغیرہ کہ وہ 18 سال کا تھا جب اس کے باپ نے اس کے بیٹے ہونے کا اقرار کیا اس کے گلے میں ایک لٹکاؤ بھی تھا جس سے اس کی شناخت ہو جاتی تھی۔ (2) اخنس بن شریق کہ اصل میں ثقفی تھا لیکن اس کا شمار بنی زہرہ میں سے کیا جاتا تھا۔ (3) اسود بن عبد یغوث۔

اکثر کے نزدیک شخص مذکور سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ پانی پتی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ شاید زنیم ہونے کی صفت مذکورہ بالا قبائح سے زیادہ بری تھی اسی لئے تو چند قبائح کا ذکر کرنے کے بعد زنیم کو ذکر کیا۔ یعنی مذکورہ بالا قبائح کے علاوہ وہ زنیم بھی ہے۔ (انوار البیان، سورہ قلم)

یعنی بدگو ہر تو اس سے افعال خبیثہ کا صدور کیا عجب۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے حق میں دس باتیں فرمائیں ہیں نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات اصل میں خطا ہونے کی اس کا حال مجھے معلوم نہیں یا تو مجھے سچ سچ بتادے ورنہ میں تیری گردن ماردوں گا اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مرجائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے۔

تو میں نے ایک چرواہے کو بلالیا تو اس سے ہے۔ ولید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک جھوٹا کلمہ کہا تھا مجنون، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس کے دس واقعی عیوب ظاہر فرمادیئے اس سے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اور شان محبوبیت معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ قلم، لاہور)

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ۝
اس لئے کہ وہ مال دار اور صاحب اولاد ہے۔ جب اس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے
پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں اب ہم اس کی سونڈ جیسی ناک پر داغ لگادیں گے۔

دنیاوی جاہ وجلال سے فریب میں نہ آنے کا بیان

"أَنْ كَانَ ذَا مَال وَبَنِينَ" أَيْ لِأَنَّ وَهُوَ مُتَعَلِّق بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ، "إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتنَا" الْقُرْآن "قَالَ" هِيَ "أَسَاطِير الْأَوَّلِينَ" أَيْ كَذَّبَ بِهَا لِإِنْعَامِنَا عَلَيْهِ بِمَا ذُكِرَ وَفِي قِرَاءَة أَأَنْ بِهَمْزَتَيْنِ مَفْتُوحَتَيْنِ، "سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُوم" سَنَجْعَلُ عَلَى أَنْفه عَلَامَة يُعَيَّر بِهَا مَا عَاشَ فَخُطِمَ أَنْفه بِالسَّيْفِ يَوْم بَدْر،

اس لئے اس کی بات کو اہمیت نہ دیں کہ وہ مال دار اور صاحب اولاد ہے۔ یہاں پر لفظ اَن یہ لان کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اسی پر وہ متعلق ہے جس پر اس کی دلالت ہے جب اس پر ہماری آیات یعنی قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یعنی ہمارے اس پر جو انعام ہوئے ہیں ان کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ایک قرأت کے مطابق اَاَن دونوں ہمزوں کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اب ہم اس کی سونڈ جیسی ناک پر داغ لگادیں گے۔ یعنی اس کی ناک پر علامت بنادیں گے۔ جس کی وجہ سے زندگی بھر میں اس کو شرم دلائی جائے گی لہٰذا بدر کے دن تلوار سے اس کی ناک پر زخم کردیا گیا۔

یعنی ایک شخص اگر دنیا میں طالع مند اور خوش قسمت نظر آتا ہے، مثلاً مال واولاد وغیرہ رکھتا ہے تو محض اتنی بات سے اس لائق نہیں ہوجاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے اخلاق وعادات ہیں، جس شخص میں شرافت اور خوش اخلاقی نہیں اللہ والوں کا کام نہیں کہ اس کی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔ جب ایسے شخص کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی سوارشاد فرمایا گیا کہ ہم عنقریب ہی ایک نشان لگادیں گے اس سونڈ پر جو اس کی تحقیر وتذلیل کا نشان ہوگا، چنانچہ کفر وتکذیب اور انکار واستکبار کی عمومی سیاہی کے علاوہ، بدر کے موقع پر اس کافر کی ناک پر تلوار ایک ایسا وار لگا کہ وہ اس

کے لئے ہمیشہ کا وسمہ تذلیل و عار بن گیا۔ (جامع البیان، مدارک، سورہ قلم، بیروت)

گستاخ کافر کی ناک پر نشان داغ دیئے جانے کا بیان

ارشاد فرمایا گیا کہ ہم عنقریب ہی نشان لگا دیں گے اس کی سونڈ پر یعنی۔ اس کی ناک پر، اس میں اس کی انتہائی تحقیر و تذلیل ہے کہ اس کی ناک کے لیے خرطوم یعنی سونڈ کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، جو کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ہاتھی اور خنزیر کی سونڈ کے لئے بولا جاتا ہے، کیونکہ یہ شخص اپنی اسی چھوٹی ناک کی بڑائی کے گھمنڈ میں کفر و انکار کا مرتکب ہوا تھا اور اس نے کلام الٰہی کے حق میں توہین کا ارتکاب کیا تھا، رہ گئی یہ بات کہ یہ کون شخص تھا؟

تو اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے مختلف نام لئے ہیں، مثلاً اخنس بن شریق، اسود بن عبد یغوث، عبدالرحمٰن بن اسود، ولید بن مغیرہ اور ابوجہل بن ہشام۔ (تفسیر روح المعانی، تفسیر قرطبی، سورہ قلم، بیروت)

اِنَّا بَلَوْنٰـهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝
یقیناً ہم نے انھیں آزمایا ہے، جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا، جب انھوں نے قسم کھائی کہ
صبح ہوتے ہوتے اس کا پھل ضرور ہی توڑ لیں گے۔

اہل مکہ پر قحط و بھوک مسلط کر دیئے جانے کا بیان

"إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ" امْتَحَنَّا أَهْل مَكَّة بِالْقَحْطِ وَالْجُوع "كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَاب الْجَنَّة" أَيْ أَصْحَاب الْبُسْتَان "إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا" يَقْطَعُونَ ثَمَرَتهَا "مُصْبِحِينَ" وَقْت الصَّبَاح كَيْ لَا يَشْعُر بِهِمْ الْمَسَاكِين فَلَا يُعْطُونَهُمْ مِنْهَا مَا كَانَ أَبُوهُمْ يَتَصَدَّق بِهِ عَلَيْهِمْ مِنْهَا،

یقیناً ہم نے انھیں آزمایا ہے، یعنی اہل مکہ کا قحط اور بھوک سے امتحان لیا۔ جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا، جب انھوں نے قسم کھائی کہ صبح ہوتے ہوتے اس کا پھل ضرور ہی توڑ لیں گے۔ یعنی وہ صبح کے وقت وہ باغ سے پھل اتار لیں گے۔ تا کہ مساکین کو اس کا پتہ نہ چل سکے۔ تا کہ وہ پھل ان پر صدقہ نہ کریں جو ان کے آباؤ اجداد ان پر صدقہ کیا کرتے تھے۔

اہل مکہ کو آزمائش میں ڈالنے سے یہ مراد بھی ہو سکتی کہ جس طرح آئندہ آنے والے قصہ میں باغ والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا انہوں نے ناشکری کی جس کے نتیجہ میں عذاب آ گیا اور ان کی نعمت سلب ہو گئی، حق تعالیٰ نے اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا انعام تو یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اندر پیدا فرمایا اس کے علاوہ ان کی تجارتوں میں برکت عطا فرمائی اور ان کو خوشحال بنا دیا، یہ ان کی آزمائش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر گزار ہوتے ہیں اور اللہ و رسول پر ایمان لاتے ہیں یا اپنے کفر و عناد پر جمے رہتے ہیں۔ دوسری صورت میں ان کو باغ والوں کے قصہ سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفر ان نعمت سے ان پر بھی ایسا ہی عذاب نہ آ جائے۔

یہ تفسیر اس صورت میں بھی صادق ہے جبکہ ان آیات کو بھی مثل اکثر سورت کے مکی قرار دیا جائے لیکن بہت سے حضرات مفسرین نے ان آیات کو مدنی قرار دیا ہے اور جس آزمائش کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد وہ قحط کا عذاب ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ان لوگوں پر مسلط ہوا تھا جس میں وہ بھوک سے مرنے لگے اور مردار جانور اور درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے۔

یہ باغ بعض سلف جیسے حضرت ابن عباس وغیرہ کے قول پر یمن میں تھا اور حضرت سعید بن جبیر کی ایک روایت یہ ہے کہ صنعاء جو یمن کا مشہور شہر اور دار السلطنت ہے اس سے چھ میل کے فاصلے پر تھا اور بعض حضرات نے اس کا محل وقوع حبشہ کو بتلایا ہے یہ لوگ اہل کتاب میں سے تھے اور یہ واقعہ رفع عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد کا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ قلم، لاہور)

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ○ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ○
فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ○ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ○
اور انہوں نے استثناء نہ کیا۔ پس آپ کے رب کی جانب سے ایک پھرنے والا اس پر پھر گیا اور وہ سوتے ہی رہے۔
تو صبح کو وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔ پھر انھوں نے صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو آواز دی۔

بخل کے سبب پھل صدقہ نہ کرنے والوں کے باغ کی تباہی کا بیان

"وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ" فِي يَمِينِهِمْ بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ تَعَالَى وَالْجُمْلَةُ مُسْتَأْنَفَةٌ أَيْ وَشَأْنُهُمْ ذٰلِكَ، "فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ" نَارٌ أَحْرَقَتْهَا لَيْلًا، "فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ" كَاللَّيْلِ الشَّدِيدِ الظُّلْمَةِ أَيْ سَوْدَاءَ،

اور انہوں نے إن شاء اللہ کہہ کر یا غریبوں کے حصہ کا استثناء نہ کیا۔ اور یہ جملہ مستأنفہ ہے۔ اور ان کا معاملہ ایسا ہے۔ پس آپ کے رب کی جانب سے ایک پھرنے والا آگ کا عذاب رات ہی رات میں اس باغ پر پھر گیا جس نے اس کو جلا کر راکھ بنا دیا اور وہ سوتے ہی رہے۔ گویا وہ سخت سیاہ رات تھی۔ تو صبح کو وہ باغ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔

ان شاء اللہ کہنا بھی بھول جانے والوں کا بیان

یہاں ان کافروں کی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کی اور اللہ کے عذابوں میں اپنے آپ کو ڈال دیا، یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ اللہ کی نعمت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی اللہ کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے، تو فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے، ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح سے پہلے ہی پہلے رات کے وقت پھل اتار لیں گے تاکہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آ کھڑے ہوں اور ہمیں

ان کو بھی دینا پڑے بلکہ کل پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے، اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں غرور تھا اور اس خوشی میں پھولے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ کو بھی بھول گئے انشاء اللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی، رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو گناہوں سے بچو گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے بے نصیب ہو گئے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ قلم، بیروت)

صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ سویرے ہی چل پڑو، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ باغ انگور کا تھا، اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تاکہ کوئی سن نہ لے اور غریب غرباء کو پتہ نہ لگ جائے، چونکہ ان کی سرگوشیاں اس اللہ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دلی ارادوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آج آ نہ جائے ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا اب قوت وشدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے، سدی فرماتے ہیں حردان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ کچھ زیادہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ یہ جانتے تھے کہا اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے، لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکا بکا رہ گئے۔ کہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ میوؤں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور کل باغ میوؤں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے، کوئی پھل نصف دام کا بھی نہیں رہا، ساری تر وتازگی پژمردگی سے بدل گئی ہے، باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹنڈ کھڑے ہوئے ہیں، پہلے تو سمجھے کہ ہم راہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا یہ نتیجہ ہے پھر بغور دیکھنے سے جب یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے ہے تو یہی لیکن ہم بدقسمت ہیں، ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں، ان سب میں جو عدل وانصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے، سدی فرماتے ہیں ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا بھی انشاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں اس کے معنی ہی انشاء اللہ کہنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بہتر شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں اللہ کی پاکیزگی اور اس کی حمد وثناء نہیں کرتے؟ یہ سن کر اب وہ کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اطاعت بجالائے جبکہ عذاب پہنچ چکا اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دے دی گئی، اب تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور اللہ کی فرمانبرداری سے رک گئے، پھر سب نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا، پھر کہتے ہیں شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر

بدلہ دے یعنی دنیا میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو۔

بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے، حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یہ لوگ فروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے۔ مذہبا اہل کتاب تھے یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ کے نام صدقہ کر دیتا تھا اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال با قاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے، پھر فرماتا ہے جو شخص بھی اللہ کے حکموں کے خلاف کرے اور اللہ کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں، بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرما دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قلم، بیروت)

اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ۝ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ یَتَخَافَتُوْنَ۝
کہ صبح صبح اپنے کھیت پر جا پہنچو، اگر تم پھل توڑنے والے ہو۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور وہ چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔

خوش فہمی میں باغ کے پھلوں کیلئے جانے والوں کا بیان

"أَنْ اُغْدُوا عَلَى حَرْثِكُمْ" غَلَّتِكُمْ تَفْسِير لِتَنَادَوْا أَوْ أَنْ مَصْدَرِيَّة أَيْ بِأَنْ "إِنْ كُنْتُمْ صَارِمِينَ" مُرِيدِينَ الْقَطْع وَجَوَاب الشَّرْط دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْله،"فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ" يَتَسَارُّونَ،

کہ صبح صبح اپنے کھیت پر جا پہنچو، یہاں پر اَن اغدوا یہ تنادوا کی تفسیر ہے یا اَن مصدریہ ہے جو اَی کے معنی میں ہے یا اَن کے معنی میں ہے۔ اگر تم پھل توڑنے والے ہو۔ یہ جواب شرط ہے جس پر اس کے ماقبل کی دلالت ہے۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور وہ چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ان اغدوا علی حرثکم: ان مصدریہ۔ اغدوا فعل امر جمع مذکر حاضر۔ غدو (باب نصر) مصدر سے بمعنی تم سویرے چلو۔ اغدوا (فعل امر) فعل ناقص ہے علی حرثکم اس کی خبر ہے۔ یعنی صبح سویرے اپنی کھیتی پر پہنچ جاو۔ یہ جملہ جواب شرط ہے اور شرط سے مقدم آیا ہے۔ ان کنتم صارمین۔ جملہ شرط ہے۔ صارمین اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصب کاٹنے والے۔ ترجمہ ہوگا:۔ اگر تم اپنی کھیتی کو کاٹنا چاہتے ہو تو صبح سویرے اپنی کھیتی پر پہنچ جاو۔

یعنی باغ کی طرف جانے کے لئے ایک تو صبح صبح نکلے دوسرے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے گئے تا کہ کسی کو ان کے جانے کا علم نہ ہو۔

اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ ۝ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ ۝
کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس ہرگز کوئی محتاج نہ آنے پائے۔ اور وہ صبح سویرے منصوبے پر قادر بنتے ہوئے چل پڑے۔

مساکین سے کو محروم رکھ کر باغ میں جانے والوں کی خود فریبی کا بیان

"أَنْ لَا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِسْكِينٌ" تَفْسِيرٌ لِمَا قَبْلَه أَوْ أَنْ مَصْدَرِيَّةٌ أَيْ بِأَنْ، "وَغَدَوْا عَلَى حَرْدٍ" مَنْعٍ لِلْفُقَرَاءِ "قَادِرِينَ" عَلَيْهِ فِي ظَنِّهِمْ،

کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس ہرگز کوئی محتاج نہ آنے پائے۔ یہ ماقبل کی تفسیر ہے۔ یا یہاں پر اَن مصدریہ ہے جو اَی یا اَن کے معنی میں ہے۔ اور وہ صبح سویرے (پھل کاٹنے اور غریبوں کو ان کے حصہ سے محروم کرنے کے) منصوبے پر قادر بنتے ہوئے چل پڑے۔ یعنی یہ ان کا گمان تھا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ان لا یدخلنھا الیوم علیکم مسکین: ان بمعنی کہ، یہ کہ، ان مفسرہ ہے۔ فائدہ، ان مفسرہ ہمیشہ اس فعل کے بعد آتا ہے جس میں کہنے کے معنی پائے جائیں خواہ کہنے کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو جیسے کہ **او حینا الیہ ان اصنع الفلک**، پھر ہم نے اس کو حکم بھیجا یہ کہ تو کشتی بنا۔

یا دلالت معنوی جیسے **وانطلق الملا منھم ان امشوا**، اور ان میں سے کئی بیچ چل کھڑے ہوئے کہ چلو۔ یعنی ان کے اٹھ کر چلنے کا مطلب گویا یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو۔ اور آیت زیر غور میں ہے ان سے قبل فعل یتخافتون آیا ہے بمعنی وہ چپکے چپکے کہتے تھے۔ **لا یدخلنھا** ۔ مضارع نفی تاکید بانون ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب۔ ھا ضمیر مفعول واحد مونث غائب کا مرجع الجنۃ ہے۔ الیوم آج۔ علیکم تمہارے پاس۔ ترجمہ ہوگا: کہ آج کوئی مسکین (محتاج) تمہارے پاس باغ میں ہرگز داخل نہ ہووے۔

وغدوا علی حرد قادرین۔ واو عاطفہ۔ غدوا ماضی جمع مذکر غائب غدو (باب نصر) مصدر سے۔ وہ صبح کے وقت چلے۔ غدو صبح کے وقت سفر کرنا۔ غداۃ صبح کا وقت۔ تڑکا۔

حرد۔ اس کے معانی میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن عام فہم اور موقع محل کے مطابق وہ معانی قابل ترجیح ہیں جو کہ صاحب ضیاء القرآن نے اختیار کئے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

حرد کا معنی قصد اور ارادہ ہے یعنی انہوں نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ آج کسی غریب کو باغ میں ہم داخل نہیں ہونے دیں گے اور باغ کا پھل کاٹ لائیں گے وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ جو ارادہ اور قصد ہم نے کیا ہے اس کو عملی جامعہ پہنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔

قادرین۔اسم فاعل جمع مذکر۔قدرۃ (باب ضرب) مصدر سے۔قدرت رکھنے والے۔یہ غدوا کی خبر ہے۔حرد متعلق بہ قادرین ہے۔(تفسیر ضیاء القرآن،انوار البیان،سورہ قلم،لاہور)

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ۝
پس جب انھوں نے اسے دیکھا تو انھوں نے کہا بلاشبہ ہم یقیناً راستہ بھولے ہوئے ہیں۔بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں۔

دوسروں کو محروم رکھنے والوں کے خود محروم ہو جانے کا بیان

"فَلَمَّا رَأَوْهَا" سَوْدَاء مُحْتَرِقَة "قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ" عَنْهَا أَيْ لَيْسَتْ هَذِهِ ثُمَّ قَالُوا لَمَّا عَلِمُوهَا،"بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ" ثَمَرَتهَا بِمَنْعِنَا الْفُقَرَاء مِنْهَا

پس جب انھوں نے باغ کو سیاہ راکھ بنا ہوا دیکھا تو انھوں نے کہا بلاشبہ ہم یقیناً راستہ بھولے ہوئے ہیں۔یعنی یہ باغ ان کا نہیں ہے۔جب غور سے دیکھا تو پکار اٹھے: نہیں نہیں، بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں۔یعنی فقراء کو منع کرنے کی وجہ سے ہم خود محروم ہو گئے ہیں۔

جب اس جگہ کھیت باغ کچھ نہ پایا تو اول تو یہ کہنے لگے کہ ہم جگہ کو بھول کر کہیں اور آ گئے، یہاں تو نہ باغ ہے نہ کھیت، مگر پھر قریبی مقامات اور نشانات پر غور کیا تو معلوم ہوا جگہ تو یہی ہے اور کھیت جل کر ختم ہو چکا ہے تو کہنے لگے بل نحن محرومون یعنی ہم اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ۝قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝
ان کے ایک عدل پسند زیرک شخص نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم ذکر و تسبیح کیوں نہیں کرتے۔
انھوں نے کہا ہمارا رب پاک ہے، بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔

باغ تباہ ہو جانے کے بعد سمجھ آ جانے کا بیان

"قَالَ أَوْسَطهمْ" خَيْرهمْ "أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا" هَلَّا "تُسَبِّحُونَ" اللّٰه تَائِبِينَ، "قَالُوا سُبْحَان رَبّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ" بِمَنْعِ الْفُقَرَاء حَقّهمْ،

ان کے ایک عدل پسند زیرک شخص نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کا ذکر و تسبیح کیوں نہیں کرتے۔انھوں نے کہا ہمارا رب پاک ہے، بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔کیونکہ ہم نے فقراء کا حق روکا ہے۔

ان میں سے جو میانہ روی اختیار کرنے والا آدمی تھا یعنی باپ کی طرح نیک صالح اللہ کی راہ میں خرچ پر خوش ہونے والا تھا دوسرے بھائیوں کی طرح بخیل سخت دل نہ تھا اس نے کہا کہ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کے نام کی تسبیح کیوں نہیں کرتے، تسبیح کے لفظی معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ فقراء و مساکین سے اپنا مال بچا لینے کی تدبیر کا منشاء یہ ہے کہ

آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تم کو اس کے بجائے اور نہ دے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ خرچ کرنے والوں کو اپنے پاس سے اور زیادہ دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ قلم، لاہور)

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ○
پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم ملامت کرنے لگے۔ انھوں نے کہا:
ہائے ہماری ہلاکت! یقیناً ہم ہی حد سے بڑھے ہوئے تھے۔

پھلوں کی ہلاکت کے بعد حسرت کرنے کا بیان

"قَالُوْا يَا" لِلتَّنْبِيهِ "وَيْلَنَا" هَلَاكَنَا

انھوں نے کہا ہائے ہماری ہلاکت! یقیناً ہم ہی حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ یعنی ان لوگوں نے اپنے جرم کا تو اعتراف کر لیا، لیکن اب الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے کہ تو نے ہی اول ایسی غلط رائے دی تھی جس کے نتیجہ میں یہ عذاب آیا۔ حالانکہ یہ جرم ان میں سے کسی کا تنہا نہیں تھا بلکہ سب یا اکثر اس میں شریک تھے۔

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ○
امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف راغب ہونے والے ہیں۔

سچی توبہ کرنے والوں پر سلبی نعمت لوٹا دیئے جانے کا بیان

"يُبْدِلَنَا" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ "خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ" لِيَقْبَل تَوْبَتنَا وَيَرُدّ عَلَيْنَا خَيْرًا مِنْ جَنَّتنَا رُوِيَ أَنَّهُمْ أُبْدِلُوا خَيْرًا مِنْهَا

یہاں پر لفظ یبدلنا تشدید و تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ یقیناً اب ہم اپنے رب ہی کی طرف راغب ہونے والے ہیں۔ یعنی وہ ہماری توبہ کو قبول فرمائے۔ اور ہم پر بھلائی یعنی ہمارے باغ کو لوٹا دے۔ روایت کیا گیا ہے کہ انہیں ان کے باغ سے بہتر باغ دے دیا گیا۔

امام بغوی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب ان سب لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر باغ عطا فرما دیا جس کے انگوروں کے خوشے اتنے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک خچر پر لادا جاتا تھا۔ (تفسیر مظہری، سورہ قلم، لاہور)

اس کے عفو و کرم کی امید رکھتے ہیں ان لوگوں نے صدق و اخلاص سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے عوض اس سے بہتر باغ عطا فرمایا جس کا نام باغ حیوان تھا اور اس میں کثرت پیداوار اور لطافتِ آب و ہوا کا یہ عالم تھا کہ اس کے انگوروں کا ایک خوشہ ایک گدھے پر بار کیا جاتا تھا۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
اسی طرح ہے عذاب۔اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں بڑا ہے،کاش!وہ جانتے ہوتے۔

کفار عذاب کو جان لیتے تو کبھی انکار نہ کرتے

"كَذٰلِكَ" أَيْ مِثْل الْعَذَاب لِهٰؤُلَاءِ "الْعَذَاب" لِمَنْ خَالَفَ أَمْرنَا مِنْ كُفَّار مَكَّة وَغَيْرهمْ "وَلَعَذَاب الْآخِرَة أَكْبَر لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" عَذَابهَا مَا خَالَفُوا أَمْرنَا وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا إنْ بُعِثْنَا نُعْطَى أَفْضَل مِنْكُمْ،

اسی طرح عذاب ہوتا ہے جس طرح یہ عذاب آیا ہے۔یعنی کفار مکہ وغیرہ میں سے جو ہمارے حکم کی مخالفت کرے گا۔اسے ایسا ہی عذاب دیا جائے گا۔اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں بڑا ہے،کاش!وہ جانتے ہوتے۔اس کا عذاب ان لوگوں کیلئے ہوگا جو ہمارے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔اور یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب انہوں نے کہا کہ جب ہم اٹھائے بھی گئے تو ہمیں تمہارے سے بہتر عطاء کیا جائے گا۔

اہل مکہ کے عذاب قحط کا اجمالی اور باغ والوں کے کھیت جل جانے کا تفصیلی ذکر فرمانے کے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو اسی طرح آیا کرتا ہے اور دنیا میں عذاب آ جانے سے بھی ان کے آخرت کے عذاب کا کفارہ نہیں ہوتا بلکہ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ اور اس سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

اہل تقویٰ کیلئے جنات نعیم ہونے کا بیان

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝
بلاشبہ ڈرنے والوں کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمت والے باغات ہیں۔

سورہ قلم آیت ۳۴ کے شان نزول کا بیان

مشرکین نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ اگر مرنے کے بعد پھر ہم اٹھائے بھی گئے تو وہاں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے اور ہمارا ہی درجہ بلند ہوگا جیسے کہ دنیا میں ہمیں آسائش ہے،اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر خزائن العرفان،سورہ قلم،لاہور)

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝
اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝
کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے۔تمہیں کیا ہو گیا ہے،کیا فیصلہ کرتے ہو۔کیا تمہارے پاس
کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو۔کہ تمہارے لئے اس میں وہ کچھ ہے جو تم پسند کرتے ہو۔

مسلمانوں کا مجرموں کی طرح نہ ہونے کا بیان

"أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ" أَيْ تَابِعِينَ لَهُمْ فِي الْعَطَاءِ ، "مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ" هَذَا الْحُكْمُ الْفَاسِدُ، "أَمْ" أَيْ بَلْ أَ "لَكُمْ كِتَابٌ" مُنَزَّلٌ "فِيهِ تَدْرُسُونَ" أَيْ تَقْرَءُونَ، "إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ" تَخْتَارُونَ،

کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح محروم کر دیں گے۔یعنی عطاء میں اُن کے تابع کر دیں گے۔تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیا فیصلہ کرتے ہو۔یعنی کیسا یہ فاسد حکم ہے۔کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو۔جو نازل کردہ ہو۔کہ تمہارے لئے اس میں وہ کچھ ہے جو تم پسند کرتے ہو۔یعنی جس کو تم اختیار کرتے ہو۔

اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم کے خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر ہوا تھا اس لئے اب ان متقی پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں، نہ گھٹیں، نہ ختم ہوں، نہ سڑیں، نہ گلیں، پھر فرماتا ہے کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور گنہگار جزا میں یکساں ہو جائیں؟ قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ یہ نہیں ہو سکتا، کیا ہو گیا ہے تم کس طرح یہ چاہتے ہو؟ کیا تمہارے ہاتھوں میں اللہ کی طرف سے اتری ہوئی کوئی ایسی کتاب ہے جو خود تمہیں بھی محفوظ ہو اور گزشتہ لوگوں کے ہاتھوں تم پچھلوں تک پہنچی ہو اور اس میں وہی ہو جو تمہاری چاہت ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد تم سے ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہی ہو گا اور تمہاری بیجا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر ہی رہیں گی؟ ان سے ذرا پوچھو تو کہ اس بات کا کون ضامن ہے اور کس کے ذمے یہ کفالت ہے؟ نہ سہی تمہارے جو جھوٹے معبود ہیں انہی کو اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرو۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ قلم، بیروت)

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝
یا تمہارے پاس ہمارے ذمے کوئی حلفیہ عہد ہیں، جو قیامت کے دن تک جا پہنچنے والے ہیں کہ
بے شک تمہارے لیے یقیناً وہی ہو گا جو تم فیصلہ کرو گے۔

کفار کے نظریہ باطل کو طلب دلیل سے باطل کرنے کا بیان

"أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ" عُهُودٌ "عَلَيْنَا بَالِغَةٌ" وَاثِقَةٌ "إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" مُتَعَلِّقٌ مَعْنًى بِعَلَيْنَا وَفِي هَذَا الْكَلَامِ مَعْنَى الْقَسَمِ أَيْ أَقْسَمْنَا لَكُمْ وَجَوَابُهُ "إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ" بِهِ لِأَنْفُسِكُمْ

یا تمہارے پاس ہمارے ذمے کوئی حلفیہ عہد ہیں، جو قیامت کے دن تک جا پہنچنے والے ہیں یہاں پر لفظ الی یوم القیامۃ یہ علینا سے متعلق ہے۔اور اس کلام میں معنی قسم پایا جاتا ہے یعنی اقسمنا لکم ہے۔اور جواب قسم "اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ" "کہ

بے شک تمہارے لیے یقیناً وہی ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ام لکم ایمان علینا بالغة الی یوم القیامة: ام حرف عطف بمعنی یا ء کیا۔علینا ہم پر (لازم) ایمان: یمین کی جمع بمعنی قسم۔عہد، بالغۃ بلوغ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث۔پہنچی ہوئی۔پہنچنے والی۔ایمان بالغۃ۔موصوف وصفت۔تاکید میں انتہا کو پہنچی ہوئی قسمیں۔الی یوم القیامۃ: اس کی دو صورتیں ہیں۔

(1) اس کا تعلق بالغۃ سے نہیں ہے بلکہ فعل محذوف سے ہے یعنی ایسے عہد جو قیامت تک ہم پر لازم رہیں اس کی ذمہ داری سے ہم اس وقت تک سبکدوش نہ ہوں جب تک کہ قیامت کے دن تمہارے فیصلہ کے مطابق فیصلہ نہ ہو جائے۔

(2) یا بالغۃ سے تعلق ہے۔یعنی قیامر کے دن تک پہنچنے والے عہد۔(تفسیر قرطبی، سورہ قلم، لاہور)

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ○ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ○
ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا ذِمّہ دار ہے۔یا ان کے کچھ اور شریک ہیں؟
تو انہیں چاہئے کہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

کفار کے قول آخرت کی عنایات کفار کیلئے ہونے کے بطلان کا بیان

"سَلْهُمْ أَيُّهمْ بِذَلِكَ" الْحُكم الَّذِي يَحْكُمُونَ بِهِ لِأَنْفُسِهِمْ مِنْ أَنَّهُمْ يُعْطُونَ فِي الْآخِرَة أَفْضَل مِنْ الْمُؤْمِنِينَ "زَعِيم" كَفِيل لَهُمْ،"أَمْ لَهُمْ" أَيْ عِنْدهمْ "شُرَكَاء" مُوَافِقُونَ لَهُمْ فِي هَذَا الْقَوْل يَكْفُلُونَ بِهِ لَهُمْ فَإِنْ كَانَ كَذَلِكَ "فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ" الْكَافِلِينَ لَهُمْ بِهِ

ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس قسم کی بیہودہ بات کا ذِمّہ دار ہے۔یعنی وہ بات جو انہوں نے کہی ہے کہ آخرت میں انہیں اہل ایمان سے افضل عنایات دی جائیں گی۔لفظ زعیم کا معنی کفیل ہے۔یا ان کے کچھ اور شریک بھی ہیں؟ یعنی جو ان کے ان کفالت والے قول میں ان کے موافق ہیں۔تو انہیں چاہئے کہ اپنے شریکوں کو لے آئیں جو ان کے ساتھ ان کے کافلین ہیں۔اگر وہ سچے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

سلهم: سل فعل امر واحد مذکر حاضر سوال (باب فتح) مصدر۔تو سوال کر تو پوچھ لے۔تو دریافت کر لے۔تو مانگ لے: س و ل حروف مادہ۔ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب کا مرجع مشرکین ہے۔سلہم ای المشرکین (مدارک التنزیل)

ایہم: ای استفہامیہ ہے۔مضاف ہے۔ہم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ۔ان میں سے کون؟ ذلک: کا اشارہ اس عہد و پیان کی طرف ہے۔زعیم: ضامن، ذمہ دار۔زعامۃ (باب فتح، نصر) مصدر سے جس کے معنی ضامن بنتا یا کفیل ہونا۔

سلهم ايهم بذلك زعيم: (ای محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان (مشرکین سے) پوچھیئے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہے یا اس کی ذمہ داری لیتا ہے کہ ان کا اللہ سے کوئی عہد و پیمان ہے کہ ان کو وہی ملے گا جس کو وہ چاہیں گے۔اور جگہ قرآن مجید میں ہے وانا بہ زعیم، اور میں ہی اس کا ضامن ہوں۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ٥
جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور وہ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے تو وہ طاقت نہیں رکھیں گے۔

قیامت کے دن کفار سے سخت حساب لیے جانے کا بیان

"يَوْم يُكْشَف عَنْ سَاق" هُوَ عِبَارَة عَنْ شِدَّة الْأَمْر يَوْم الْقِيَامَة لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاء يُقَال : كَشَفَتْ الْحَرْب عَنْ سَاق : إذَا اشْتَدَّ الْأَمْر فِيهَا "وَيُدْعَوْنَ إلَى السُّجُود " امْتِحَانًا لِإِيمَانِهِمْ "فَلَا يَسْتَطِيعُونَ" تَصِير ظُهُورهمْ طَبَقًا وَاحِدًا،

جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور یہ شدت حکم سے عبارت ہے کیونکہ قیامت کے دن جب حساب و جزاء کا معاملہ ہوگا اور کہا جاتا ہے کشفت الحرب عن ساق یہ اس کا وقت بولا جاتا ہے جب رن پڑنے میں شدت آجائے۔اور وہ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے۔تاکہ اہل ایمان کو آزمایا جائے۔تو وہ طاقت نہیں رکھیں گے۔یعنی وہ سجدہ نہ کرسکیں گے کیونکہ ان کی کمریں ایک سخت تختے کی طرح ہوجائیں گی۔

سجدہ اس وقت منافقوں کے بس میں نہیں ہوگا

اوپر چونکہ بیان ہوا تھا کہ پرہیزگار لوگوں کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں اسلئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ یہ جنتیں انہیں کب ملیں گی؟ تو فرمایا کہ اس دن جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی۔یعنی قیامت کے دن جو دن بڑی ہولناکیوں والا زلزلوں والا امتحان والا اور آزمائش والا اور بڑے بڑے اہم امور کے ظاہر ہونے کا دن ہوگا۔

صحیح بخاری شریف میں اس جگہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا پس ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدے میں گر پڑے گی ہاں دنیا میں جو لوگ دکھاوے سناوے کے لئے سجدہ کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرف ہوجائے گی، یعنی ان سے سجدے کے لئے جھکا نہ جائے گا۔

یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہے کئی کئی سندوں سے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث مطول ہے اور مشہور ہے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہ دن تکلیف دکھ درد اور شدت کا دن ہے۔(ابن جریر)

اور ابن جریر اسے دوسری سند سے شک کے ساتھ بیان کرتے ہیں وہ ابن مسعود یا ابن عباس سے آیت (يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ

سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ، القلم:42) کی تفسیر میں بہت بڑا عظیم الشان امر مروی ہے جیسے شاعر کا قول ہے (شالت الحرب عن ساق) یہاں بھی لڑائی کی عظمت اور بڑائی بیان کی گئی ہے، مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں قیامت کے دن کی یہ گھڑی بہت سخت ہوگی، آپ فرماتے ہیں یہ امر بہت سخت بڑی گھبراہٹ والا اور ہولناک ہے، آپ فرماتے ہیں جس وقت امر کھول دیا جائے گا اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور یہ کھلنا آخرت کا آ جاتا ہے اور اس سے کام کا کھل جانا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ قلم، بیروت)

صحیح تفسیر وہی ہے جو بخاری مسلم کے حوالے سے اوپر مرفوع حدیث میں گذری کہ اللہ عزوجل اپنی پنڈلی کھولے گا، دوسری حدیث بھی مطلب کے لحاظ سے ٹھیک ہے کیونکہ اللہ خود نور اور اقوال بھی اسطرح ٹھیک ہیں کہ اللہ عالم کی پنڈلی بھی ظاہر ہوگی اور ساتھ ہی وہ ہولناکیاں اور شدتیں بھی ہوں گی۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ۝
ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ذلت انھیں گھیرے ہوئے ہوگی، حالانکہ انھیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا، جب کہ وہ صحیح سالم تھے۔

قیامت کے دن نگاہیں نہ اٹھا سکنے کا بیان

"خَاشِعَةً" حَال مِنْ ضَمِير يَدْعُونَ أَيْ ذَلِيلَة "أَبْصَارهمْ" لَا يَرْفَعُونَهَا "تَرْهَقهُمْ" تَغْشَاهُمْ "ذِلَّة وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ" فِي الدُّنْيَا "إِلَى السُّجُود وَهُمْ سَالِمُونَ" فَلَا يَأْتُونَ بِهِ بِأَنْ لَا يُصَلُّوا

یہاں پر لفظ خاشعہ یہ یدعون کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی وہ ذلیل ہوں گے۔ ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، پس وہ ان کو اٹھا نہ سکیں گے۔ ذلت انھیں گھیرے ہوئے ہوگی، حالانکہ انھیں دنیا میں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا، جب کہ وہ صحیح سالم تھے۔ پس وہ سجدہ نہیں کرتے تھے یعنی نماز نہ پڑھتے تھے۔

پھر فرمایا جس دن ان لوگوں کی آنکھیں اوپر کو نہ اٹھیں گی اور ذلیل و پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش اور کبر و غرور والے تھے، صحت اور سلامتی کی حالت میں دنیا میں جب انہیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو رک جاتے تھے جس کی سزا یہ ملی کہ آج سجدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے پہلے کر سکتے تھے لیکن نہیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر مومن سب سجدے میں گر پڑیں گے لیکن کافر و منافق سجدہ نہ کر سکیں گے کمر تختہ ہو جائے گی جھکے گی ہی نہیں بلکہ پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے، یہاں بھی ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی وہاں بھی خلاف ہی رہے گی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قلم، بیروت)

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۝
پس آپ مجھے اور اس شخص کو جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے چھوڑ دیں، اب ہم انہیں آہستہ آہستہ
اس طرح لے جائیں گے کہ انہیں معلوم تک نہ ہوگا۔

قرآن مجید کی تکذیب کرنے والوں کیلئے مہلت ہونے کا بیان

"فَذَرْنِی" دَعْنِی "وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ" الْقُرْآن "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ" نَأْخُذُهُمْ قَلِیْلًا قَلِیْلًا

پس آپ مجھے اور اس شخص کو جو اس کلام یعنی قرآن کو جھٹلاتا ہے چھوڑ دیں، اب ہم انہیں آہستہ آہستہ (تباہی کی طرف) اس طرح لے جائیں گے کہ انہیں معلوم تک نہ ہوگا۔

وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ○ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ○
اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَکْتُبُوْنَ○
اور میں انہیں مہلت دے رہا ہوں، بیشک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔ کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہیں کہ
وہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں۔ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے، تو وہ لکھتے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا مجھے اور میری اس حدیث یعنی قرآن کو جھٹلانے والوں کو تو چھوڑ دے، اس میں بڑی وعید ہے اور سخت ڈانٹ ہے کہ تو ٹھہر جا میں آپ ان سے نپٹ لوں گا دیکھ تو سہی کہ کس طرح بتدریج انہیں پکڑتا ہوں یہ اپنی سرکشی اور غرور میں پڑتے جائیں گے میری ڈھیل کے راز کو نہ سمجھیں گے اور پھر ایک دم یہ پاپ کا گھڑا پھوٹے گا اور میں اچانک انہیں پکڑ لوں گا۔ میں انہیں بڑھاتا رہوں گا یہ بدمست ہوتے چلے جائیں گے وہ اسے کرامت سمجھیں گے حالانکہ وہ اہانت ہوگی، جیسے اور جگہ ہے آیت (اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ،المؤمنون:55) یعنی کیا ان کا گمان ہے کہ مال و اولاد کا بڑھنا ان کے لئے ہماری جانب سے کسی بھلائی کی بنا پر ہے نہیں بلکہ یہ بے شعور ہیں۔

اور جگہ فرمایا آیت (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ،الانعام:44) جب یہ ہمارے وعظ و پند کو بھلا چکے تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ انہیں جو دیا گیا تھا اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں ناگہانی پکڑ لیا اور ان کی امیدیں منقطع ہو گئیں۔
یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے میں انہیں ڈھیل دوں گا، بڑھاؤں گا اور اونچا کروں گا، میری تدبیر میرے مخالفوں اور میرے نافرمانوں کے ساتھ بہت بڑی ہے۔

کفار کیلئے مہلت ہونے کا بیان

"وَاُمْلِیْ لَهُمْ" اَمْهِلْهُمْ "اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ" شَدِیْد لَا یُطَاق، "اَمْ" بَلْ اَ "تَسْاَلُهُمْ" عَلٰی تَبْلِیغ الرِّسَالَة "اَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَم" مِمَّا یُعْطُونَکَهُ "مُثْقَلُونَ" فَلَا یُؤْمِنُونَ لِذٰلِکَ، "اَمْ عِنْدهمْ الْغَیْب" اَیْ اللَّوْح الْمَحْفُوظ الَّذِیْ فِیهِ الْغَیْب "فَهُمْ یَکْتُبُونَ" مِنْهُ مَا یَقُولُونَ

اور میں انہیں مہلت دے رہا ہوں، بیشک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔ یعنی اتنی سخت ہے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، کیا

آپ ان سے تبلیغ رسالت پر کوئی معاوضہ مانگ رہے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جارہے ہیں۔جس کے سبب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔یا ان کے پاس غیب کا علم ہے، جو لوح محفوظ میں ہے۔یعنی جو غیب ہے۔تو وہ لکھتے جاتے ہیں۔جس سے وہ کہتے ہیں۔

بخاری مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ،ھود:102) یعنی اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ جبکہ وہ کسی بستی والوں کو پکڑتا ہے جو ظالم ہوتے ہیں اس کی پکڑ بڑی دردناک اور بہت سخت ہے۔پھر فرمایا تو کچھ ان سے اجرت اور بدلہ تو مانگتا ہی نہیں جو ان پر بھاری پڑتا ہو جس تاوان سے یہ جھکے جاتے ہوں، نہ ان کے پاس کوئی علم غیب ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں۔مطلب یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں اللہ عزوجل کی طرف بغیر اجرت اور بغیر مال طلبی کے اور بغیر بدلے کی چاہت کے بلا رہے ہیں آپ کی غرض سوائے ثواب حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں اس پر بھی یہ لوگ صرف اپنی جہالت اور کفر اور سرکشی کی وجہ سے آپ کو جھٹلا رہے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ قلم، بیروت)

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ○
لَوْ لَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ○
پس آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر فرمایئے اور مچھلی والے (پیغمبر یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہوں،
جب انہوں نے پکارا اس حال میں کہ وہ غم وغصہ سے بھرے ہوئے تھے۔اگر ان کے رب کی رحمت ونعمت ان کی
دستگیری نہ کرتی تو وہ ضرور چٹیل میدان میں پھینک دیئے جاتے اور وہ ملامت زدہ ہوتے۔

صبر کی تلقین کرنے کا بیان

"فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّك" فِيهِمْ بِمَا يَشَاء "وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوت" فِي الضَّجَر وَالْعَجَلَة وَهُوَ يُونُس عَلَيْهِ السَّلَام "إِذْ نَادَى" دَعَا رَبّه "وَهُوَ مَكْظُوم" مَمْلُوء غَمًّا فِي بَطْن الْحُوت، "لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ" لَوْلَا أَنْ أَدْرَكَهُ "نِعْمَة" رَحْمَة "مِنْ رَبّه لَنُبِذَ" مِنْ بَطْن الْحُوت "بِالْعَرَاء" بِالْأَرْضِ الْفَضَاء "وَهُوَ مَذْمُوم" لَكِنَّهُ رُحِمَ فَنُبِذَ غَيْر مَذْمُوم،

پس آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر فرمایئے اور مچھلی والے پیغمبر یونس علیہ السلام کی طرح دل گرفتہ نہ ہوں، جنہوں نے عجلت فرمائی، جب انہوں نے اللہ کو پکارا اس حال میں کہ وہ غم سے بھرے ہوئے مچھلی کے پیٹ میں تھے۔اگر ان کے رب کی رحمت ونعمت ان کی دستگیری نہ کرتی تو وہ ضرور مچھلی کے پیٹ سے چٹیل میدان میں پھینک دیئے جاتے اور وہ ملامت زدہ ہوتے لیکن ان پر رحم کیا گیا اور اللہ نے انہیں اس سے محفوظ رکھا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فاصبر لحکم ربک۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان مشرکین کی ایذاء رسانی پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ابھی ڈھیل دے رکھی ہے۔ ان کے لئے اس تکلیف دہی کے بدلے جو سزا مقدر ہو چکی ہے اس کے لئے جلدی نہ کریں ڈھیل کے بعد ان کی ضرور گرفت ہوگی۔ اور ان کو اپنے کئے کی سزا پوری پوری ملے گی۔ آپ اس فیصلہ خداوندی پر صبر کریں اور انتظار کریں۔

ولا تکن کصاحب الحوت واو عاطفہ ہے لاتکن فعل نہی واحد مذکر حاضر کون (باب نصر) مصدر سے۔ تو مت ہو۔ آپ مت ہوں۔ ک تشبیہ صاحب الحوت مضاف مضاف الیہ۔ مچھلی والا۔ مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح تنگ دلی اور عجلت پسندی کا اظہار مت کریں۔

حضرت ابن مسعود کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس رات رہے پھر پتھریوں کی تسبیح کی آواز سن کر اندھیروں کے اندر ہی پکار اٹھے:۔ لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین۔

اذ نادی وھو مکظوم: الحوت اپر م علامے وقف ہے یہ علامت وقف لازم کی ہے جہاں ضرور ٹھیرنا چاہئے۔ اس سے اگلا جملہ الگ جملہ ہے لہٰذا اذ کا تعلق لاتکن نہی سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اذکر فعل محذوف سے ہے ولا تکن کصاحب الحور پر بات ختم ہوگئی ہے۔ کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کے عذاب میں عجلت پسندی کی تھی۔ آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایسا خیال دل میں نہ لائیں۔ ان کفار اور مشرکین کی کرتوتوں پر عذاب ان کا مقدر بن چکا ہے جلد یا بدیر ان کو مل کر رہے گا۔

اذ نادی، ای اذکر اذ نادی (بلکہ) یاد کرو جب اس (حضرت یونس علیہ السلام) نے جب کہ وہ غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا (اپنے پروردگار کو) پکارا۔ اذ اسم ظرف ہے نادی ماضی واحد مذکر غائب نداء (مفاعلۃ) مصدر۔ اس نے پکارا۔ یہاں پکارنے سے مراد حضرت یونس کا لا الہ الا انت سبحنك انی کنت من الظلمین پڑھ کر خداوند تعالیٰ سے دعا مانگنا ہے۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ
لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ○ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○
پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ بنالیا اور انہیں کامل نیکوکاروں میں فرمادیا۔ اور ضرور کافر تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنی بدنظر
لگا کر تمہیں گرادیں گے جب قرآن سنتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ضرور عقل سے دور ہیں۔ اور وہ تو سارے جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔

قرآن مجید کا تمام جہانوں کیلئے نصیحت ہونے کا بیان

"فَاجْتَبَاهُ رَبّه" بِالنُّبُوَّةِ "فَجَعَلَهُ مِنْ الصَّالِحِينَ" أَيْ مِنْ الْأَنْبِيَاء ، "وَإِنْ يَكَاد الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ" بِضَمِّ الْيَاء وَفَتْحهَا "بِأَبْصَارِهِمْ" يَنْظُرُونَ إِلَيْك نَظَرًا شَدِيدًا يَكَاد أَنْ يَصْرَعك وَيُسْقِطك مِنْ مَكَانك "لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْر" الْقُرْآن "وَيَقُولُونَ" حَسَدًا "إِنَّهُ لَمَجْنُون" بِسَبَب

الْقُرْآن الَّذِی جَاءَ بِہٖ، "وَمَا ھُوَ" أَیُ الْقُرْآن "إِلَّا ذِکْر" مَوْعِظَة "لِلْعَالَمِینَ" الْجِنّ وَالْإِنْس لَا یَحْدُث بِسَبَبِ جُنُون،

پھران کے رب نے انہیں نبوت کے ساتھ برگزیدہ بنالیا اورانہیں اپنے قربِ خاص سے نواز کر کامل نیکو کاروں یعنی انبیائے کرام میں شامل فرمادیا۔اورضرور کافرتوایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنی بدنظر لگا کرتمہیں گرادیں گے۔یہاں پرلفظ لیزلقو نک یہ یاء کے ضمہ اورفتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی وہ بدنظری کے سبب آپ کواپنے مقام سے گرادیں گے۔جب قرآن سنتے ہیں اورحسد کرتے ہوئے کہتے ہیں ضرورعقل سے دور ہیں۔بہ سبب اس قرآن کے جوآپ لائے ہیں۔اوروہ قرآن توسارے جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔خواہ عالم جن یاانس ہو۔لہٰذااس کے سبب جنوں پیدانہیں ہوتا۔

سورت قلم آیت ۵۱ کے شان نزول کا بیان

منقول ہے کہ عرب میں بعض لوگ نظر لگانے میں شہرہ آفاق تھے اوران کی یہ حالت تھی کہ دعوٰی کرکرکے نظرلگاتے تھے اور جس چیزکوانہوں نے گزند پہنچانے کے ارادے سے دیکھادیکھتے ہی ہلاک ہوگئی،ایسے بہت واقعات ان کے تجربہ میں آچکے تھے کفارنے ان سے کہا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کونظرلگائیں توان لوگوں نے حضورکو بڑی تیز نگاہوں سے دیکھااورکہا کہ ہم نے اب تک نہ ایسا آدمی دیکھا نہ ایسی دلیلیں دیکھیں اوران کا کسی چیزکودیکھ کرحیرت کرنا ہی ستم ہوتا تھالیکن ان کی یہ تمام جدّ وجُہد بھی مثل ان کے اورمکائد کے جورات دن وہ کرتے رہتے تھے بیکارگئی اوراللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوان کے شر سے محفوظ رکھااوریہ آیت نازل ہوئی۔حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔نے فرمایا جس کونظرلگےاس پر یہ آیت پڑھ کردم کردی جائے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفارنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بری نظر سے دیکھنے اورآپ کونظرلگانے کاارادہ یا۔ چنانچہ قریش میں سے کچھ لوگوں نے آپ کودیکھ کرکہا ہم نے اس کے مثل اوراس جیسے دلائل والا کوئی شخص نہیں دیکھا بنی اسد میں سوء نظر بہت مشہورتھی حتی کہ اگرفربہ اونٹنی یا گائے ان میں سے ایک کے پاس سے گزرتی اوروہ اسے سوءنظر سے دیکھ لیتا پھر یہ کہتا اے باندی یہ ٹوکری اوردرہم پکڑاوراس کے گوشت میں سے کچھ ہمارے پاس لا یہ باندی ابھی جگہ پر ہی ہوتی کہ وہ اونٹنی یا گائے مرنے کے قریب پہنچ جاتی اوربالآخراسے ذبح کرلیا جاتا۔(ابن کثیر4۔409،قرطبی18۔249)

کلبی کہتے ہیں کہ ایک شخص دویا تین دفعہ کھانا کھاتا پھراپنے خیمے کی ایک جانب اٹھتا اس کے پاس سے کوئی جانورگزرتا تو وہ کہتا آج اس سے اچھا کسی اونٹ یا بکری نے نہیں چرا وہ جانورتھوڑی ہی دورجاتا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ یا ٹکڑا گرجاتا کفارنے اس شخص سے کہارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوبری نظرلگاؤاورآپ کے ساتھ بھی اسی طرح کرے۔لیکن اللہ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوبچالیااوریہ آیت نازل ہوئی۔(نیسابوری361،سیوطی309)

سُوْرَةُ الْحَاقَّة

یہ قرآن مجید کی سورت الحاقہ ھے

سورت الحاقہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ الْحَاقَّة (مَكِّيَّة وَآيَاتها اثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَة)

سورہ حاقہ مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، باون آیات، دوسو چھپّن کلمات، ایک ہزار چار سو تیئیس حروف ہیں۔

سورت حاقہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت مبارکہ میں لفظ الحاقہ استعمال ہوا ہے جس کا معنی قیامت آیا ہے گویا قیامت کا بیان یہاں پر کئی منفرد پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا اسی سبب سے یہ سورت الحاقہ کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

اَلْحَآقَّةُ۝ مَا الْحَآقَّةُ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحَآقَّةُ۝
یقیناً واقع ہونے والی گھڑی، کیا چیز ہے یقیناً واقع ہونے والی گھڑی، اور آپ کو کس چیز نے خبردار کیا کہ یقیناً واقع ہونے والی کیسی ہے۔

وقوع الحاقہ کا بیان

"الْحَاقَّة" الْقِيَامَة الَّتِي يَحِقّ فِيهَا مَا أُنْكِرَ مِنْ الْبَعْث وَالْحِسَاب وَالْجَزَاء أَوْ الْمُظْهِرَة لِذَلِكَ "مَا الْحَاقَّة" تَعْظِيم لِشَأْنِهَا وَهُوَ مُبْتَدَأ وَخَبَر الْحَاقَّة "وَمَا أَدْرَاك" أَعْلَمَك "مَا الْحَاقَّة" زِيَادَة تَعْظِيم لِشَأْنِهَا فَمَا الْأُولَى مُبْتَدَأ وَمَا بَعْدهَا خَبَره وَمَا الثَّانِيَة وَخَبَرهَا فِي مَحَلّ الْمَفْعُول الثَّانِي لِأَدْرَى،

یقیناً واقع ہونے والی گھڑی یعنی قیامت، جس میں وہ چیز ثابت ہوگی جس کا انکار کیا گیا ہے اور وہ بعث اور حساب وجزاء ہے یا یہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔ کیا چیز ہے یقیناً واقع ہونے والی گھڑی، یہ جملہ اس کی شان کیلئے آیا ہے اور وہ مبتداء ہے اور الحاقہ کی خبر ہے۔ اور آپ کو کس چیز نے خبردار کیا کہ یقیناً واقع ہونے والی قیامت کیسی ہے۔ یہ جملہ بھی اس کی شان میں زیادتی کیلئے بولا گیا ہے لہٰذا پہلا ماء مبتداء ہے اور اس کے بعد والا اس کی خبر ہے۔ اور دوسرا ماء اور اس کی خبر یہ مفعول ثانی کے محل میں واقع ہیں۔

حاقہ کے مفہوم میں اقوال مفسرین کا بیان

قیامت کا ایک نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وعدے وعید کی عملی تعبیر اور حقیقت کا دن وہی ہے، اسی لئے اس دن کی ہولنا کی بیان کرتے ہوئے فرمایا تم اس حاقہ کی صحیح کیفیت سے بےخبر ہو، پھر ان لوگوں کا ذکر فرمایا جن لوگوں نے اسے جھٹلایا اور خمیازہ اٹھایا تھا تو فرمایا ثمودیوں کو دیکھو ایک طرف سے فرشتے کے دہاڑے اور کلیجوں کو پاش پاش کر دینے والی آواز آتی ہے تو دوسری جانب سے زمین میں غضبناک بھونچال آتا ہے اور سب تہ و بالا ہو جاتے ہیں۔

حضرت قتادہ کے فرمان کے مطابق (طاغیہ) کے معنی چنگھاڑ کے ہیں، اور مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد گناہ ہیں یعنی وہ اپنے گناہوں کے باعث برباد کر دیئے گئے، ربیع بن انس اور ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی سرکشی ہے۔

لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنے کے اعتبار سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مومنین کے لئے جنت اور کفار کے لئے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔ یہاں قیامت کے اس نام کے ساتھ سوال کو مکرر کر کے اس کے مافوق القیاس اور حیرت انگیز ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حاقہ، لاہور)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ○ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ○
ثمود اور عاد نے اس کھٹکھٹانے والی (قیامت) کو جھٹلا دیا۔ پس قوم ثمود کے لوگ! تو وہ حد سے زیادہ
کڑک دار چنگھاڑ والی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔

قیامت کو قارعہ کہنے کا بیان

"كَذَّبَتْ ثَمُود وَعَاد بِالْقَارِعَةِ " الْقِيَامَةِ لِأَنَّهَا تَقْرَع الْقُلُوب بِأَهْوَالِهَا "فَأَمَّا ثَمُود فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ" بِالصَّيْحَةِ الْمُجَاوِزَة لِلْحَدِّ فِي الشِّدَّة،

ثمود اور عاد نے اس کھٹکھٹانے والی قیامت کو جھٹلا دیا۔ قیامت کو کھڑ کھڑانے والی اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ہیبت سے دل کھڑ کھڑا جائیں گے۔ پس قوم ثمود کے لوگ! تو وہ حد سے زیادہ کڑک دار چنگھاڑ والی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔ کیونکہ وہ حد سے بڑھنے والے اور بغاوت کرنے والے تھے۔

قارعہ کے لفظی معنے کھڑ کھڑانے والی چیز کے ہیں۔ قیامت کے لئے یہ لفظ اس لئے بولا گیا کہ وہ سب لوگوں کو مضطرب اور بے چین کرنے والی اور تمام آسمان وزمین کے اجسام کو منتشر کرنے اولی ہے۔

طاغیہ طغیان سے مشتق ہے جس کے معنے حد سے نکل جانے کے ہیں۔ مراد ایسی سخت آواز ہے جو تمام دنیا کی آوازوں کی حد سے باہر ہے اور زیادہ ہے جس کو انسان کا قلب و دماغ برداشت نہ کر سکے۔ قوم ثمود کی نافرمانی جب حد سے بڑھ گئی تو ان پر اللہ کا

عذاب اسی سخت آواز کی صورت میں آیا تھا جس میں تمام دنیا کی بجلیوں کی کڑک اور دنیا بھر کی سب سخت آواز کی صورت میں ایا تھا جس میں تمام دنیا کی بجلیوں کی کڑک اور دنیا بھر کی سب سخت آوازوں کا مجموعہ تھا جس سے ان کے دل پھٹ گئے۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۝
اور جو عاد تھے وہ سخت ٹھنڈی، تند آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیے گئے، جو قابو سے باہر ہونے والی تھی۔

قوم عاد کی ہلاکت کا بیان

"وَاَمَّا عاد فَاُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَر عَاتِيَة" قَوِيَّة شَدِيدَة عَلَى عَادٍ مَعَ قُوَّتهم وَشِدَّتهم

اور جو عاد تھے وہ سخت ٹھنڈی، تند آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیے گئے، جو قابو سے باہر ہونے والی تھی۔ حالانکہ ان کے مضبوط وطاقتور ہونے کے باوجود شدید تھی۔

ابن زید نے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی (كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ، الشمس:11) یعنی ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا، یعنی اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں اور قوم عاد کی ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھونکوں سے دل چھید دیئے اور وہ نیست و نابود کر دیئے گئے، یہ آندھیاں جو خیر و برکت سے خالی ھیں اور فرشتوں کے ہاتھوں سے نکلتی تھیں برابر پے درپے لگا تار سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہیں، ان دنوں میں ان کے لئے سوائے نحوست و بربادی کے اور کوئی بھلائی نہ تھی اور جیسے اور جگہ ہے آیت (فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ، فصلت:16) حضرت ربیع فرماتے ہیں جمعہ کے دن سے یہ شروع ہوئی تھیں بعض کہتے ہیں بدھ کے دن، ان ہواؤں کو عرب اعجاز اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا ہے قوم عاد کی حالت اعجاز یعنی کھجوروں کے کھوکھلے تنوں جیسی ہوگئی، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً یہ ہوائیں جاڑوں کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کہتے ہیں آخر کو، اور یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ قوم عاد کی ایک بڑھیا ایک غار میں گھس گئی تھی جوان ہواؤں سے آٹھویں روز وہیں تباہ ہوگئی اور بڑھیا کو عربی میں عجوز کہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حاقہ، بیروت)

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا
صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝
اس نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلائے رکھا۔ سو تو ان لوگوں کو اس میں اس طرح (زمین پر) گرے
ہوئے دیکھے گا جیسے وہ کھجوروں کے گرے ہوئے تنے ہوں۔ کیا تو ان کا کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتا ہے؟

آٹھ دن رات مسلسل عذاب میں مبتلاء ہونے والی قوم ثمود کا بیان

"سَخَّرَهَا" أَرْسَلَهَا بِالْقَهْرِ "عَلَيْهِمْ سَبْع لَيَالٍ وَثَمَانِيَة أَيَّام" أَوَّلهَا مِنْ صُبْح يَوْم الْأَرْبِعَاء لِثَمَانٍ

بَقِينَ مِنْ شَوَّال وَكَانَتْ فِي عَجُزِ الشِّتَاء "حُسُومًا" مُتَتَابِعَات شُبِّهَتْ بِتَتَابُعِ فِعْلِ الْحَاسِمِ فِي إِعَادَةِ الْكَيِّ عَلَى الدَّاءِ كَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى حَتَّى يَنْحَسِمَ "فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى" مَطْرُوحِينَ هَالِكِينَ "كَأَنَّهُمْ أَعْجَاز" أُصُول "نَخْل خَاوِيَة" سَاقِطَة فَارِغَة، "فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَة" لَا تَرَى لَهُمْ بَاقِيَة،

اس نے اسے یعنی ہوا کو قہر کے ساتھ ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلائے رکھا۔ جو چہار شنبہ سے شروع ہوئی تھی جب شوال میں آٹھ دن جب باقی تھے۔ اور اس وقت سردیوں کا موسم تھا۔ یہاں پر فعل کو داغ دینے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ بار بار داغ دینے سے مرض ختم ہو جاتا ہے۔ پس تو ان لوگوں کو اس میں اس طرح زمین پر گرے ہوئے دیکھے گا جیسے وہ کھجوروں کے گرے ہوئے تنے ہوں۔ پس کیا ان میں سے کوئی بچ جانے والا بھی دیکھا ہے؟ تو کیا تو ان کا کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتا ہے؟ پس ان میں سے کوئی باقی نہ رہا۔

یہ لوگ بڑے مضبوط جسم والے، طاقتور اور طویل القامت تھے۔ جب ان کو ہود علیہ السلام نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے: (مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ،فصلت:15) (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟) لیکن جب ہم نے ان پر ہوا کو چھوڑ دیا تو یہ لوگ اس کا بھی مقابلہ نہ کر سکے۔ تند و تیز ہوا نے ان کو یوں چاروں شانے چت گرا دیا کہ طویل القامت ہونے کی وجہ سے ان کے سر گرتے ہی تن سے جدا ہو جاتے تھے۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کھجوروں کے بے جان اور کھوکھلے تنے پڑے ہوئے ہیں۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ○
اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور اُلٹی ہوئی بستیوں نے بڑی خطائیں کی تھیں۔

قوم فرعون و سابقہ اقوام کفار کی ہلاکت کا بیان

"وَجَاءَ فِرْعَوْن وَمَنْ قَبْله" أَتْبَاعه وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ الْقَاف وَسُكُون الْبَاء أَيْ مَنْ تَقَدَّمَهُ مِنْ الْأُمَم الْكَافِرَة "وَالْمُؤْتَفِكَات" أَيْ أَهْلهَا وَهِيَ قُرَى قَوْم لُوط "بِالْخَاطِئَةِ" بِالْفَعَلَاتِ ذَات الْخَطَأ،

اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور قوم لوط کی اُلٹی ہوئی بستیوں کے باشندوں نے بڑی خطائیں کی تھیں۔ یہاں پر لفظ قبل ایک قرأت کے مطابق قاف کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اس سے پہلے کی امم کفار جو گزری ہیں۔ اور موتفکات سے مراد قوم لوط ہے۔ یعنی وہ قوم برے کام کرتی تھی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وجاء فرعون والموتفكت بالخاطئة ۔ واو عاطفہ ہے بالخاطئہ ب تعدیہ کا ہے۔ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا۔

(1) فرعون۔ (2) من قبلہ۔ والموتفکت فاعل ہیں فعل جاء ب کے۔

جاء (باب ضرب) فعل لازم ہے۔ ب کے صلہ کے ساتھ فعل متعدی ہو جاتا ہے جاء بمعنی وہ آیا۔ اور جاء ب وہ لایا۔ خاطئۃ گناہ۔ گنہگار۔ خطیء یخطا کا مصدر بھی ہے اور اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث بھی۔

جاء بالخاطئۃ اس نے گناہ کیا۔ من موصولہ ہے۔ اور قبلہ مضاف مضاف الیہ مل کر من کا صلہ۔ اور جو اس سے پہلے گزر چکے۔ یعنی فرعون سے پہلے۔

والموتفکت: اسم فاعل جمع مونث الموتفکۃ واحد۔ ائتفاك (افتعال) مصدر (ا ف ک مادہ) الٹی ہوئی منقلب، مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں جو بحیرہ مردار کے ساحل پر آباد تھیں۔ اور جن کی تخت گاہ یا سب سے بڑا شہر سدوم تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا حکم نہ ماننے اور ظلم ولواطت سے باز نہ آنے کی وجہ سے اللہ نے ان کی زمین کا تختہ الٹ دیا اور اوپر سے کنکریلے پتھروں کی بارش کی۔

آیت کا ترجمہ ہوگا:۔ اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور وہ جو الٹی ہوئی بستیوں میں رہتے تھے (سب نے) گناہ کا ارتکاب کیا۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ۝
پس انھوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اس نے انھیں ایک سخت گرفت میں پکڑ لیا۔ بے شک
جب پانی حد سے گزر گیا تو ہم نے تمہیں رواں کشتی میں سوار کر لیا۔

طوفان نوح میں نجات وغرق ہونے والوں کا بیان

"فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ" أَيْ لُوطًا وَغَيْرَه "فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً" زَائِلَةً فِي الشِّدَّةِ عَلَى غَيْرِهَا، "إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاء" عَلَا فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْجِبَال وَغَيْرِهَا زَمَن الطُّوفَان "حَمَلْنَاكُمْ" يَعْنِي آبَاءَكُمْ إِذْ أَنْتُمْ فِي أَصْلَابِهِمْ "فِي الْجَارِيَة" السَّفِينَةَ الَّتِي عَمِلَهَا نُوح وَنَجَا هُوَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ فِيهَا وَغَرِقَ الْآخَرُونَ.

پس انھوں نے اپنے رب کے رسول یعنی حضرت لوط علیہ السلام وغیرہ کی نافرمانی کی تو اس نے انھیں ایک سخت گرفت میں پکڑ لیا۔ یعنی وہ شدت میں دوسروں سے زیادہ تھا۔ بے شک جب طوفان نوح کا پانی حد سے گزر گیا یعنی وہ پانی طوفان کے زمانے میں پہاڑوں وغیرہ سے بھی گزر گیا تو ہم نے تمہیں یعنی تمہارے آباؤ اجداد کو رواں کشتی میں سوار کر لیا۔ یعنی جب تم ان کی صلبوں میں تھے وہ کشتی جس کو نوح علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اور ان کو اور ان کے ساتھ والوں کو نجات دی جبکہ بقیہ کو غرق کر دیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فعصوا: ف عاطفہ اس جملہ کا عطف جاء عطف تفسیری ہے۔ عصوا ماضی جمع مذکر غائب معصیۃ وعصیان (باب ضرب۔ عصی

مادہ) مصدر سے بمعنی نافرمانی کرنا۔عصوا۔اصل میں عصیوا تھا۔یاء متحرک ماقبل اس کا مفتوح اس لئے یاء کو الف سے بدلا گیا۔ اجتماع ساکنین سے الف گر گیا۔عصوا رہ گیا۔

رسول ربھم مفعول ہے عصوا کا۔ترجمہ ہوگا:۔پس انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی۔(یعنی ہر قوم نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی۔ای فعصی کل امۃ رسولہا۔

انا لما طغی الماء: انا مبتداء۔ان حرف مشبہ بالفعل اور نا ضمیر جمع متکلم سے مرکب ہے۔تحقیق ہم نے۔تحقیق ہم۔ حملنکم مبتداء کی خبر۔لما طغی الماء ظرف حملنکم کا۔فی الجاریۃ ای فی سفینۃ نوح علیہ السلام۔لما بمعنی جب۔طغی ماضی واحد مذکر غائب۔طغیان باب نصر وسمع) مصدر سے وہ حد سے نکل گیا۔(جب نگاہ اپنی حد سے گزر جاتی ہے تو بہکنے لگتی ہے اور جب پانی اپنی حد سے متجاوز ہوتا ہے تو طغیانی آجاتی ہے) یہاں مراد ہے:جب پانی ہر چیز سے اونچا ہوگیا تھا۔الجاریۃ۔کشتی۔ترجمہ ہوگا:۔جب پانی حد سے گزر گیا تھا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کرلیا تھا۔**حملنکم** میں کم ضمیر جمع مذکر حاضر ہے اس سے مراد تمہارے اسلاف ہیں۔کیونکہ تم اس وقت اپنے اسلاف اعلیٰ کی پشتوں میں تھے۔تو جب تمہارے اسلاف کو کشتی میں سوار کیا تو گویا تمہیں کشتی میں سوار کیا۔(تفسیر روح المعانی بہ تصرف،سورہ حاقہ،بیروت)

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ٥
تا کہ ہم اس کو تمہارے لئے نصیحت بنادیں اور محفوظ رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

واقعات عذاب کا بہ طور نصیحت ہونے کا بیان

"لِنَجْعَلَهَا" أَيْ هَذِهِ الْفَعْلَة وَهِيَ إِنْجَاء الْمُؤْمِنِينَ وَإِهْلَاك الْكَافِرِينَ "لَكُمْ تَذْكِرَة" عِظَة "وَتَعِيهَا" وَلِتَحْفَظهَا "أُذُن وَاعِيَة" حَافِظَة لِمَا تَسْمَع،

تا کہ ہم اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار نصیحت بنادیں۔جس میں کفار کیلئے ہلاکت ہوئی اور اہل ایمان کیلئے نجات ہوئی اور محفوظ رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔لہٰذا جو سنے اسے چاہیے کہ وہ اس کو یاد رکھ لے۔

یعنی نوح کے زمانہ میں جب پانی کا طوفان آیا تو بظاہر اسباب تمام انسانوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکتا تھا۔یہ ہماری قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکروں کو غرق کر کے نوح کو مع اس کے ساتھیوں کے بچالیا۔بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہوسکتی تھی۔لیکن ہم نے اپنے قدرت و حکمت کا کرشمہ دکھلایا۔تا کہ لوگ رہتی دنیا تک اس واقعہ کو یاد رکھیں اور جو کان کوئی معقول بات سن کر سمجھتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر ایک زمانہ میں یہ احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح دنیا کے ہنگامہ دارو گیر میں فرمانبرداروں کو نافرمان مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے،یہ ہی حال قیامت کے ہولناک حاقہ میں ہوگا۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝

پھر جب صور میں ایک مرتبہ پھونک ماری جائے گے۔اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے،

پھر وہ ایک ہی بار ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔

صور کو پھونک دیئے جانے کا بیان

"فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّور نَفْخَة وَاحِدَة" لِلْفَصْلِ بَيْن الْخَلَائِق وَهِيَ الثَّانِيَة، "وَحُمِلَتْ" رُفِعَتْ "الْأَرْض وَالْجِبَال فَدُكَّتَا" دُقَّتَا،

پھر جب صور میں ایک مرتبہ پھونک ماری جائے گے۔جو مخلوق کے درمیان فیصلے کیلئے پھونکا جائے گا۔اور وہ نفخہ ثانیہ ہے۔اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہوں سے اٹھا لئے جائیں گے، پھر وہ ایک ہی بار ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔

نفخہ صعق و نفخہ بعث کا بیان

نفخہ واحدۃ سے مراد یہ ہے کہ یکبارگی اچانک یہ صورت کی آواز ہوگی اور ایک آواز مسلسل رہے گی یہاں تک کہ اس آواز سے سب مر جائیں گے۔قرآن وسنت کی نصوص سے قیامت میں صور کے دو نفخے ہونا ثابت ہیں پہلے نفخہ کو نفخہ صعق کہا جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں (آیت) فصعق من فی السموت ومن فی الارض ہے یعنی اس نفخہ سے تمام آسمان والے فرشتے اور زمین پر بسنے والے جن وانس اور تمام جانور بیہوش ہو جائیں گے (پھر اسی بیہوشی میں سب کو موت آجائے گی) دوسرے نفخہ کو نفخہ بعث کہا جاتا ہے بعث کے معنے اٹھنے کے ہیں اس نفخہ کے ذریعہ سب مردے پھر زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے (آیت) ثم نفخ فیه اخری فاذاهم قیام ینظرون ، یعنی پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا جس سے اچانک سب کے سب مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جاویں گے اور دیکھنے لگیں گے۔بعض روایات میں جوان دونوں نفخوں سے پہلے ایک تیسرے نفخہ کا ذکر ہے جس کا نام نفخہ فزع بتلایا گیا ہے۔مجموعہ روایات ونصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا نفخہ ہی ہے اسی کو ابتدا میں نفخہ فزع کہا گیا ہے اور انتہا میں وہی نفخہ صعق ہو جائے گا۔(تفسیر مظہری، سورہ حاقہ، لاہور)

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝

پس اس وقت واقع ہونے والی برپا ہو جائے گے۔اور آسمان پھٹ جائے گا، پس وہ اس دن کمزور ہوگا۔

قیامت کے واقع ہو جانے کا بیان

"فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتْ الْوَاقِعَة" قَامَتْ الْقِيَامَة، "وَانْشَقَّتْ السَّمَاء فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَة" ضَعِيفَة

پس اس وقت واقع ہونے والی قیامت برپا ہو جائے گی۔اور آسمان پھٹ جائے گا، پس وہ اس دن کمزور ہوگا۔

آواز اسرافیل کا صور اور قیام قیامت کا بیان

قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہو رہا ہے جس میں سب سے پہلے گھبراہٹ پیدا کرنے والی چیز صور کا پھونکا جانا ہوگا جس سے سب کے دل ہل جائیں گے پھر نفخہ پھونکا جائے گا جس سے تمام زمین وآسمان کی مخلوق بیہوش ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے پھر صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جائے گی یہاں اسی پہلے نفخہ کا بیان ہے۔ یہاں بطور تاکید کے یہ بھی فرمایا کہ یہ اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ ایک ہی ہے اس لئے کہ جب اللہ کا حکم ہو گیا پھر نہ تو اس کا خلاف ہو سکتا ہے نہ وہ ٹل سکتا ہے نہ دوبارہ فرمان کی ضرورت ہے اور نہ تاکید کی، امام ربیع فرماتے ہیں اس سے مراد آخری نفخہ ہے لیکن ظاہر قول وہی ہے جو ہم نے کہا، اسی لئے یہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ زمین وآسمان اٹھا لئے جائیں گے اور کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔

حضرت علی فرماتے ہیں آسمان ہر کھلنے کی جگہ سے پھٹ جائے گا، جیسے سورہ نبا میں ہے آیت (وَّفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا، النبأ: 19) یعنی آسمان کھول دیا جائے گا اور اس میں دروازے کھول دیے جائیں گے۔

ابن عباس فرماتے ہیں آسمان میں سوراخ اور غاریں پڑ جائیں گی اور شق ہو جائے گی عرش اس کے سامنے ہوگا فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دوازوں پر ہوں گے آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حاقہ، بیروت)

وَّالْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآئِهَا ؕ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ؕ
يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ
اور فرشتے اس کے کناروں پر کھڑے ہوں گے، اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن ان کے اوپر آٹھ اٹھائے
ہوئے ہوں گے۔ اس دن تم پیش کیے جاؤ گے، تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔

فرشتوں کا عرش کو اٹھائے ہوئے ہونے کا بیان

"وَالْمَلَكُ" يَعْنِي الْمَلَائِكَة "عَلَى أَرْجَائِهَا" جَوَانِب السَّمَاء "وَيَحْمِل عَرْش رَبّك فَوْقهمْ" أَيْ الْمَلَائِكَة الْمَذْكُورِينَ "يَوْمئِذٍ ثَمَانِيَة" مِنْ الْمَلَائِكَة أَوْ مِنْ صُفُوفهمْ، "يَوْمئِذٍ تُعْرَضُونَ" لِلْحِسَابِ "لَا تَخْفَى" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "مِنْكُمْ خَافِيَة" مِنْ السَّرَائِر،

اور فرشتے اس کے کناروں پر کھڑے ہوں گے، اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن ان کے اوپر آٹھ فرشتے یا فرشتوں کے طبقات اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دن تم حساب کے لئے پیش کیے جاؤ گے، تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔ یہاں پر لفظ تخفی یہ تاء اور یاء دونوں طرح آئی ہے۔

قیامت کے دن آٹھ فرشتوں کا عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہونے کا بیان

قیامت والے دن آٹھ فرشتے اللہ تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے، پس یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلوں کے لئے ہوگا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ایک سو سال کا راستہ ہے، ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے کے لَو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرندہ سات سو سال تک اڑتا چلا جائے، اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں، اسے امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا، حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہ مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں جنوں اور سب فرشتوں کے برابر ہے۔ پھر فرمایا قیامت کے روز تم اس اللہ کے سامنے کئے جاؤ گے جو پوشیدہ کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے، جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے اس طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے، اسی لئے فرمایا تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے لوگو اپنی جانوں کا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تا کہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو جس دن کو تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور بڑی پیشی میں خود اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ حاقہ، بیروت)

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ۝
پس وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا آؤ میرا نامۂ اعمال پڑھ لو۔

نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں دیئے جانے کا بیان

"فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَه بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْل" خِطَابًا لِجَمَاعَتِهٖ لِمَا سُرَّ بِهٖ "هَاؤُمُ" خُذُوْا "اقْرَءُوْا كِتَابِیَ" تَنَازَعَ فِیْهِ هَاؤُمُ وَاقْرَءُوْا،

پس وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ خوشی سے مخاطب ہو کر اپنے اہل سے کہے گا آؤ میرا نامۂ اعمال پڑھ لو۔ یہاں پر ھاؤم اور اقرؤا نے کتابیہ میں تنازع کیا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے

پہلی اور دوسری بار تو عذر معذرت اور جھگڑا بحث کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی جو آخری ہوگی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے، کسی کے دائیں ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں، یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے حضرت عبداللہ کے قول سے بھی یہی روایت ابن جریر میں مروی ہے اور حضرت قتادہ سے بھی اس جیسی روایت مرسل مروی ہے۔ (جامع البیان، سورہ حاقہ، بیروت)

لفظ ھاؤم، خذو کے معنے میں ہے جمع کے لئے بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں آئے گا وہ خوشی کے مارے آس پاس کے لوگوں سے کہنے لگا کہ لو یہ میرا جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں آئے گا وہ خوشی کے مارے آس پاس کے لوگوں سے کہنے لگے گا کہ لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔

اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ○ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ○ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ○
قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ○ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا ۢبِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ○
یقیناً میں نے سمجھ لیا تھا کہ بے شک میں اپنے حساب سے ملنے والا ہوں۔ پس وہ ایک خوشی والی زندگی میں ہوگا۔ بلند باغ میں،
جس کے میوے قریب ہوں گے۔ کھاؤ اور پیو مزے سے، ان اعمال کے عوض جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں آگے بھیجے۔

اہل جنت کیلئے پھلوں کو قریب کر دیئے جانے کا بیان

"اِنِّی ظَنَنْت" تَیَقَّنْت "فَهُوَ فِی عِیشَة رَاضِیَة" مَرْضِیَّة "قُطُوفهَا" ثِمَارهَا "دَانِیَة" قَرِیبَة یَتَنَاوَلهَا الْقَائِم وَالْقَاعِد وَالْمُضْطَجِع،
فَیُقَال لَهُمْ "كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِیئًا" حَال أَیْ مُتَهَنِّئِینَ "بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِی الْأَیَّام الْخَالِیَة" الْمَاضِیَة فِی الدُّنْیَا،

یقیناً میں نے سمجھ لیا تھا کہ بے شک میں اپنے حساب سے ملنے والا ہوں۔ پس وہ ایک خوشی والی زندگی میں ہوگا۔ بلند باغ میں، جس کے میوے قریب ہوں گے۔ جنہیں کھڑا ہونے والا، بیٹھنے والا اور لیٹنے والا حاصل کر سکے گا۔ پس انہیں کہا جائے گا کہ کھاؤ اور پیو مزے سے، یعنی خوشی کی حالت میں کھاؤ۔ ان اعمال کے عوض جو تم نے دنیا میں گزرے ہوئے دنوں میں آگے بھیجے۔

جنت کے باہمی درجات کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وفرش مرفوعۃ (اور اونچے اونچے فرش اور بچھونے ہوں گے) کی تفسیر میں فرمایا کہ "ان بچھونوں کی بلندی اتنی ہوگی جتنی کہ آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے یعنی پانچ سو برس کا راستہ۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 199)

مطلب یہ ہے کہ جنت کے درجوں میں جو فرش اور بچھونے ہوں گے وہ اتنے اونچے اونچے ہوں گے کہ بظاہر یہ نظر آئے گا کہ وہ آسمان جیسی بلندی تک چلے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں جن اونچے اونچے فرش اور بچھونوں کا ذکر ہے

وہ جنت کے ان درجات میں بچھے ہوں گے جو زمین سے آسمان تک کی مسافت کے بقدر بلند ہوں گے اور جن کی اس بلندی کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ ان للجنة مائة درجة ما بين كل درجتين كما بين السماء والارض (جنت میں سو درجے ہیں اور ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین وآسمان کے درمیان۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "فرش وموفوعۃ" میں لفظ "فرش" سے مراد حوران جنت ہیں اور "مرفوعۃ" سے مراد ان حوران جنت کا حسن و جمال میں دنیا کی عورتوں سے فائق وبرتر ہونا ہے، لیکن ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں مومن عورتیں حوروں سے بھی زیادہ حسین وجمیل ہوں گی اور ان کو حوروں پر فضیلت اس نماز روزہ کے سبب حاصل ہوگی جو وہ دنیا میں کرتی تھیں۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِیَهْ○ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ○
یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ○ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ○ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ○
اور لیکن جسے اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔ اور میں نہ جانتا
کہ میرا حساب کیا ہے۔ ہائے کاش! وہی کام تمام کر چکی ہوتی۔ میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ مجھ سے میری قوت وسلطنت جاتی رہی۔

بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والوں کیلئے حسرت کا بیان

"وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابه بِشِمَالِهِ فَيَقُول يَا " لِلتَّنْبِيهِ "يَا لَيْتَهَا " أَيْ الْمَوْتَة فِي الدُّنْيَا "كَانَتْ الْقَاضِيَة " الْقَاطِعَة لِحَيَاتِي بِأَنْ لَا أُبْعَث، "هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ" قُوَّتِي وَحُجَّتِي وَهَاء كِتَابِيَهْ وَحِسَابِيَهْ وَمَالِيَهْ وَسُلْطَانِيَهْ لِلسَّكْتِ تَثْبُت وَقْفًا وَوَصْلًا اِتِّبَاعًا لِلْمُصْحَفِ الْإِمَام وَالنَّقْل وَمِنْهُمْ مَنْ حَذَفَهَا وَصْلًا،

اور لیکن جسے اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا اے کاش! یہاں پر لفظ یاء یہ انتباہ کیلئے آیا ہے۔ مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ ہائے کاش! وہی موت کام تمام کر چکی ہوتی۔ یعنی دنیا میں موت میری زندگی کو ایسا کر دیتی کہ آج میں دوبارہ نہ اٹھایا جاتا۔ میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ مجھ سے میری قوت وسلطنت بھی جاتی رہی۔ یہاں پر لفظ کتابیہ، حسابیہ، مالیہ اور سلطانیہ میں ھاء سکون کے ساتھ بھی آئی ہے۔ اور وقف کو اور وصل کو اور مصحف امام اور نقل کیلئے باقی رکھا ہے۔ اور بعض نے وصل کو حذف کیا ہے۔

بائیں ہاتھ اور نامہ اعمال

یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں انہیں ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ نہایت ہی پریشان اور پشیمان ہوں گے اور حسرت وافسوس سے کہیں گے کاش کہ ہمیں عمل نامہ ملتا ہی نہ اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے کاش کہ موت نے ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا اور یہ دوسری زندگی سرے سے ہمیں ملتی ہی نہ، جس

موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے، یہ کہیں گے کہ ہمارے مال وجاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے بھی عذاب ہم سے نہ ہٹائے، تنہا حکم دے گا کہ اسے پکڑلو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حاقہ، بیروت)

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ○ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ○ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ○اِنَّهٗ كَانَ
لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ○ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ○
اسے پکڑو، پس اسے طوق پہنادو۔ پھر اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دو۔ پھر ایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہے
اسے جکڑ دو۔ بلاشبہ وہ بہت عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔
سو آج کے دن نہ اس کا کوئی گرم جوش دوست ہے۔

فرشتوں کا جہنمیوں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈالنے کا بیان

"خُذُوْهُ" خِطَاب لِخَزَنَةِ جَهَنَّم "فَغُلُّوهُ" اجْمَعُوا يَدَيْهِ إلَى عُنُقه فِي الْغُلّ "ثُمَّ الْجَحِيم" النَّار الْمُحْرِقَة "صَلُّوهُ" أَدْخِلُوهُ، "ثُمَّ فِي سَلْسَلَة ذَرْعها سَبْعُونَ ذِرَاعًا" بِذِرَاعِ الْمَلَك "فَاسْلُكُوهُ" أَدْخِلُوهُ فِيهَا بَعْد إدْخَاله النَّار وَلَمْ تَمْنَع الْفَاء مِنْ تَعَلُّق الْفِعْل بِالظَّرْفِ الْمُتَقَدِّم "فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْم هَاهُنَا حَمِيم" قَرِيب يَنْتَفِع بِهِ،

یہاں پر جہنم کے داروغے کو خطاب ہے کہ اسے پکڑو، پس اسے طوق پہنادو۔ یعنی اس کے دونوں ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ دو۔ پھر اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دو۔ یعنی اس میں ڈال دو۔ پھر ایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہے اسے جکڑ دو۔ یعنی فرشتوں کے ہاتھوں کے حساب سے ستر ہاتھ ہے۔ اس آگ میں داخل کرنے کے بعد جکڑ دو۔ یہاں پر فاء ظرف مقدم سے فعل سے متعلق ہونے کو مانع ہے۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ سو آج کے دن نہ اس کا کوئی گرم جوش دوست ہے۔ تاکہ یہ اس سے فائدہ حاصل کرتا۔

حضرت منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ اللہ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو، ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے اگر فرشتہ بھی اس طرح اشارہ کرے تو ایک چھوڑ ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے، ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے یہ کہے گا تمہیں مجھ سے تعلق؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ تجھ پر غضبناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس فرمان کے سرزد ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں سے ہر ایک دوسرے پر سبقت کرکے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں، پھر اسے جہنم کی

آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا، پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبار کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا۔

حضرت ابن عباس اور ابن جریج فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرو دی جائیں گی پاخانے کے راستے سے ڈال دی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب اور تیل میں ٹڈی، یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی۔ جس سے کہ وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اس کو جہنمیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حاقہ، بیروت)

پھر فرمایا کہ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا، یعنی نہ تو اللہ کی عبادت و اطاعت کرتا تھا نہ اللہ کی مخلوق کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا، اللہ کا حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان و سلوک کریں اور بھلے کاموں میں آپس میں امداد پہنچاتے رہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ لَا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝
اور نہ پیپ کے سوا کوئی کھانا ہے۔ جسے گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔ پس میں قسم کھاتا ہوں
ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔ اور جسے تم نہیں دیکھتے۔

کفار کیلئے اہل دوزخ کی پیپ ہونے کا بیان

"وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْن " صَدِيْد أَهْلِ النَّارِ أَوْ شَجَر فِيهَا "لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُوْنَ " الْكَافِرُوْنَ "فَلَا" زَائِدَة "أُقْسِم بِمَا تُبْصِرُوْنَ" مِنْ الْمَخْلُوقَات "وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ" مِنْهَا أَيْ بِكُلِّ مَخْلُوق

اور نہ پیپ کے سوا اس کے لئے کوئی کھانا ہے۔ جو اہل دوزخ کی پیپ ہوگی یا جو اس میں درخت ہے جسے گناہ گاروں یعنی کفار کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔ یہاں پر لاء زائدہ ہے۔ پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم مخلوقات میں سے دیکھتے ہو۔ اور جسے تم نہیں دیکھتے۔ یعنی جو تمام مخلوقات ہیں۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے

اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے، اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی بسی بیکار چیز کے جس کا نام (غسلین) ہے، یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام (زقوم) ہو، اور (غسلین) کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جہنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے وہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝
بے شک یہ بزرگی وعظمت والے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں،
تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے صداقت قرآن کا بیان

"إِنَّهُ" أَیْ الْقُرْآن "لَقَوْل رَسُول كَرِيم" أَیْ قَالَهُ رِسَالَة عَنْ اللّٰه تَعَالَى "وَلَا بِقَوْلِ كَاهِن قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَا مَزِيدَة مُؤَكِّدَة وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ آمَنُوا بِأَشْيَاء يَسِيرَة وَتَذَكَّرُوهَا مِمَّا أَتَى بِهِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ الْخَيْر وَالصِّلَة وَالْعَفَاف فَلَمْ تُغْنِ عَنْهُمْ شَيْئًا،

بے شک یہ قرآن بزرگی وعظمت والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ارشاد فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔ یہاں پر دونوں افعال یاء اور تاء دونوں طرح آئے ہیں۔ اور ماء زائدہ مؤکدہ ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے بعض احکام پر ایمان لانا جس طرح صدقہ وخیرات اور صلہ رحمی اور معاف کرنا ہے ان کا انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

یہاں رسول کریم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سورہ تکویر (آیت 19) میں اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں قرآن کو رسول کریم کا قول کہنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا قول نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ کفار مکہ جبریل کو نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کاہن کہتے تھے۔ بخلاف اس کے سورۃ تکویر میں قرآن کو رسول کریم کا قول کہنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ وہ رسول بڑی قوت والا ہے، صاحب عرش کے ہاں بلند مرتبہ رکھتا ہے، وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے، وہ امانت دار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روشن افق پر دیکھا ہے۔ قریب قریب یہی مضمون سورہ نجم آیات نمبر 5 تا 10 میں جبریل علیہ السلام کے متعلق بیان ہوا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل کا قول کس معنی میں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے جبریل کی زبان سے سن رہے تھے، اس لیے ایک لحاظ سے یہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تھا اور دوسرے لحاظ سے جبریل کا قول، لیکن آگے چل کر یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ فی الاصل یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جبریل علیہ السلام کی زبان سے، اور لوگوں کے سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ خود رسول کا لفظ بھی اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان دونوں کا اپنا کلام نہیں ہے بلکہ پیغام بر ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اس پیغام بھیجنے والے کی طرف سے پیش کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ حاقہ، بیروت)

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ○
تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اور اگر وہ ہم پر کوئی بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے۔
تو یقیناً ہم ان کو پوری قوت وقدرت کے ساتھ پکڑ لیتے۔

قرآن مجید کی صداقت پر قرآن سے دلیل کا بیان

بَلْ هُوَ "تَنْزِيل مِنْ رَبّ الْعَالَمِينَ" "وَلَوْ تَقَوَّلَ" أَيْ النَّبِيّ "عَلَيْنَا بَعْض الْأَقَاوِيل" بِأَنْ قَالَ عَنَّا مَا لَمْ نَقُلْهُ "لَأَخَذْنَا" لَنِلْنَا "مِنْهُ" عِقَابًا "بِالْيَمِينِ" بِالْقُوَّةِ وَالْقُدْرَة،

یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اور اگر وہ یعنی بہ فرض محال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر کوئی ایک بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے۔ یعنی ہماری جانب منسوب کر دیتے جو ہم نے نہ کہی ہوں تو ہم مؤاخذہ کرتے۔ تو یقیناً ہم ان کو پوری قوت و قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے۔

تقول کے معنی بات گھڑنے کے ہی اور وہ تین قلب سے نکلنے والی وہ رگ ہے۔ جس سے روح جسم انسانی میں پھیلتی ہے اس کے قطع کر دینے سے موت فوراً واقع ہو جاتی ہے۔

سابقہ آیات میں کفار مکہ کے اس بیہودہ خیال کا رد کیا گیا تھا، کوئی آپ کو شاعر اور آپ کے کلام کو شعر کہتا تھا، کوئی آپ کو کاہن اور کلام کو کہانت کہتا تھا۔ کاہن وہ شخص ہوتا ہے جو کچھ شیاطین سے خبریں پا کر کچھ نجوم کے اثرات سے معلوم کرنے کے آنے والے واقعات میں اٹکل بچو باتیں کیا کرتا تھا۔ غرض آپ کو اشعر یا کاہن کہنے والوں کے الزام کا حاصل یہ تھا کہ آپ جو کالم سناتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے خیالات سے یا کاہنوں کی طرح شیاطین سے کچھ کلمات جمع کر لئے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مذکورہ آیات میں حق تعالیٰ نے ان کے اس خیال باطل کو ایک دوسری صورت سے بڑی شدت کے ساتھ اس طرح رد کیا ہے کہ دیوانو، اگر یہ رسول معاذ اللہ ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے اور ہم پر افتراء پردازی کرتے تو کیا ہم یوں ہی دیکھتے رہتے اور ان کو ڈھیل دیدیتے کہ خلق خدا کو گمراہ کریں۔ یہ بات کوئی عقل والا باور نہیں کر سکتا اس لئے اس آیت میں بطور فرض محال کے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ رسول کوئی قول بھی اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کی رگ جان کاٹ ڈالتے اور پھر ہماری سزا سے ان کو کوئی بھی نہ بچا سکتا۔

یہاں یہ شدت کے الفاظ ان جاہلوں کو سنانے کے لئے فرض محال کے طور پر استعمال فرمائے ہیں۔ داہنا ہاتھ پکڑنے کی

تخصیص غالباً اس لئے ہے کہ جب کسی مجرم کو قتل کیا جاتا ہے تو قتل کرنے والا اس کے بالمقابل کھڑا ہوتا ہے قتل کرنے والے کے بائیں ہاتھ کے مقابل مقتول کا داہنا ہاتھ ہوتا ہے اس کو یہ قتل کرنے والا اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ کر داہنے ہاتھ سے اس پر حملہ کرتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حاقہ، لاہور)

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ○
پھر یقیناً ہم اس کی جان کی رگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

ثبوت دلیل کیلئے مثال کو فرض کر لینے کا بیان

"ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِين " نِيَاط الْقَلْب وَهُوَ عِرْق مُتَّصِل بِهِ إِذَا انْقَطَعَ مَاتَ صَاحِبه "فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَد" هُوَ اسْم مَا وَمِنْ زَائِدَة لِتَأْكِيدِ النَّفْي وَمِنْكُمْ حَال مِنْ أَحَد "عَنْهُ حَاجِزِينَ" مَانِعِينَ خَبَر مَا وَجُمِعَ لِأَنَّ أَحَدًا فِي سِيَاق النَّفْي بِمَعْنَى الْجَمْع وَضَمِير عَنْهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ لَا مَانِع لَنَا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ الْعِقَاب،

پھر یقیناً ہم اس کی جان کی رگ کاٹ دیتے۔ اور قلب کی رگ ہے جو متصل ہوتی ہے اور جب وہ کٹ جائے تو وہ شخص فوت ہو جاتا ہے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ یہاں پر احد یہ ما کا اسم ہے۔ اور لفظ من زائدہ برائے تاکید نفی ہے۔ اور منکم یہ احد سے حال ہے۔ اور حاجزین یہ مانعین کے معنی میں ہے جو ماء کی خبر ہے اور اس کو جمع لایا گیا ہے کیونکہ احد یہ سیاق نفی میں بہ معنی جمع آیا ہے۔ اور عنہ کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹنے والی ہے۔ یعنی ہمیں مؤاخذہ کرنے میں کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فما منكم من احد عنه حاجزين: ما نافیہ ہے منکم خطاب عام ہے ای ایھا الناس اے لوگو! من احد میں من زائدہ ہے احد مبتداء حاجزین اس کی خبر۔ احد لفظاً واحد لیکن معنی جمع آیا ہے اس لئے حاجزین کو جمع لایا گیا ہے۔ عنه ای عن هذا الفعل وهو القتل۔ اس سے مراد یہ فعل یعنی وتین کا کاٹ دینا اور صاحب رگ کو مار ڈالنا)۔

ترجمہ ہوگا:۔ پھر تم میں سے کوئی ان کو اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔ حاجزین: حجز (باب نصر، ضرب) مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر بمعنی روکنے والے۔ الحجز کے معنی دو چیزوں کے درمیان روک اور حد فاصل بنانے کے ہیں۔ اور جگہ قرآن مجید میں آیا ہے:۔ وجعل بين البحرين حاجزا اور (کس نے) دو دریاؤں کے درمیان اوٹ بنا دی۔

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ○ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○
وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ○ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○

اور پس بلاشبہ یہ پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔اور بلاشبہ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ بے شک تم میں سے کچھ لوگ
جھٹلانے والے ہیں۔اور بے شک وہ یقیناً کافروں کے لیے حسرت ہے۔اور بیشک یہ حق الیقین ہے۔
پس آپ اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کرتے رہیں۔

قرآن مجید کا اہل تقویٰ کیلئے باعث نصیحت ہونے کا بیان

وَإِنَّهُ" أَيْ الْقُرْآن "وَإِنَّا لَنَعْلَم أَنَّ مِنْكُمْ " أَيُّهَا النَّاس "مُكَذِّبِينَ" بِالْقُرْآنِ وَمُصَدِّقِينَ "وَإِنَّهُ" أَيْ الْقُرْآن "لَحَسْرَة عَلَى الْكَافِرِينَ " إِذَا رَأَوْا ثَوَاب الْمُصَدِّقِينَ وَعِقَاب الْمُكَذِّبِينَ بِهِ "وَإِنَّهُ" أَيْ الْقُرْآن "لَحَقّ الْيَقِين " أَيْ الْيَقِين الْحَقّ "فَسَبِّحْ" نَزِّهْ "بِاسْمِ" الْبَاء زَائِدَة "رَبّك الْعَظِيم" سُبْحَانه،

اور پس بلاشبہ یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔اور اے لوگو! یقیناً ہم جانتے ہیں کہ بے شک تم میں سے کچھ لوگ قرآن کو اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو جھٹلانے والے ہیں۔اور بے شک قرآن کی تکذیب کرنا یقیناً کافروں کے لیے حسرت کا باعث ہے۔یعنی جب وہ تصدیق کرنے والوں کے ثواب کو تکذیب کرنے والوں کے عذاب کو دیکھیں گے تو حسرت کریں گے اور بیشک یہ قرآن حق الیقین ہے۔پس آپ اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کرتے رہیں۔یہاں پر لفظ باسم میں باء زائدہ ہے۔ وہی ذات پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔جس نے صبح کے وقت اور شام کے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو قیامت کے دن کوئی شخص اس عمل سے بہتر کوئی عمل نہیں لائے گا علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند یا اس سے زیادہ کہا۔(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 827)

اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے حدیث کی ظاہری عبارت سے یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے پہلے شخص کی مانند کیا یعنی اس نے پہلے شخص کی طرح صبح وشام کے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو وہ قیامت کے دن اس عمل سے افضل لائے گا جو یہ پہلا لائے گا۔حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص نے اگر پہلے شخص کی طرح سبحان اللہ وبحمدہ صبح وشام سو سو مرتبہ کہا تو وہ قیامت کے دن پہلے ہی شخص کی طرح عمل لے کر حاضر ہوگا نہ کہ اس سے افضل عمل لائے گا۔اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حدیث کی عبارت حقیقت ومعنی کے اعتبار سے یوں ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص اس عمل کے برابر کوئی عمل نہیں لائے گا جو یہ شخص لائے گا اور نہ اس کے عمل سے افضل کوئی عمل لائے گا علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند (سبحان اللہ وبحمدہ صبح وشام کے وقت سو سو مرتبہ سے زیادہ کہا) تو وہ اس پہلے شخص کے عمل سے افضل عمل لائے گا۔

سُورَةُ الْمَعَارِج

یہ قرآن مجید کی سورت معارج ہے

سورت معارج کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الْمَعَارِج (مَكِّيَّة وَ آيَاتهَا أَرْبَع وَأَرْبَعُونَ آيَة)

سورہ معارج مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، چوالیس آیات، دوسو چوبیس کلمات، نوسو انتیس حروف ہیں۔

سورت معارج کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی آیت تین چار میں معارج اور فرشتوں کا آسمانی جانب عروج کو بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر وہ عروج جو جبرائیل امین کو حاصل ہے۔ لہٰذا اسی سبب سے یہ سورت معارج کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝
تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝
ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کے متعلق سوال کیا جو واقع ہونے والا ہے۔ کافروں کے لئے جسے کوئی دفع
کرنے والا نہیں۔ اللہ کی جانب سے جو آسمانی زینوں کا مالک ہے۔ اس کی طرف فرشتے اور روح الامین عروج
کرتے ہیں ایک دن میں، جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہے۔

قیامت کے دن کفار کیلئے سختی ہونے کا بیان

"سَأَلَ سَائِل" دَعَا دَاعٍ "لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِع" هُوَ النَّضْر بْن الْحَارِث قَالَ "اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقّ" الْآيَة "مِنْ اللَّه" مُتَّصِل بِوَاقِعٍ "ذِي الْمَعَارِج" مَصَاعِد الْمَلَائِكَة وَهِيَ السَّمَاوَات،

"تَعْرُج" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "الْمَلَائِكَة وَالرُّوح" جِبْرِيل "إِلَيْهِ" إِلَى مَهْبِط أَمْره مِنْ السَّمَاء "فِي يَوْم" مُتَعَلِّق بِمَحْذُوفٍ أَيْ يَقَع الْعَذَاب بِهِمْ فِي يَوْم الْقِيَامَة "كَانَ مِقْدَاره خَمْسِينَ أَلْف سَنَة" بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْكَافِر لِمَا يَلْقَى فِيهِ مِنْ الشَّدَائِد وَأَمَّا الْمُؤْمِن فَيَكُون أَخَفّ عَلَيْهِ مِنْ

صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ،

ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کے متعلق سوال کیا یعنی کفار کیلئے وہ عذاب طلب کیا جو واقع ہونے والا ہے۔ کافروں کے لئے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ وہ اللہ کی جانب سے واقع ہوگا۔ اور وہ نضر بن حارث تھا اس نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ حق ہے۔ یہاں پر من اللہ یہ واقع سے متعلق ہے۔ جو آسمانی زینوں چڑھنے والے فرشتے ہیں۔ یہاں پر تعرج یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔ اور بلند مراتب درجات کا مالک ہے۔ اس کے عرش کی طرف فرشتے اور روح الامین یعنی جبرائیل امین عروج کرتے ہیں یعنی آسمان کی جانب چڑھنا ہے اور یہاں فی یوم کا متعلق محذوف ہے۔ یعنی قیامت کے دن میں عذاب واقع ہوگا۔ ایک دن میں، جس کا اندازہ دنیوی حساب سے پچاس ہزار برس کا ہے۔ یہاں پر پچاس ہزار کی نسبت کافر کی جانب کی گئی ہے کیونکہ اس میں اس کو تکالیف پہنچائی جائیں گی۔ جبکہ مؤمن کیلئے یہ دن ہلکا یعنی ایک فرض نماز کے وقت کے برابر ہوگا جو نماز وہ دنیا میں پڑھا کرتا تھا۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

من اللہ ذی المعارج: مضاف مضاف الیہ مل کر صفت ہے اللہ کی۔ اللہ اور ذی المعارج بحالت جر ہیں بوجہ حرف جار کے عمل کے۔ المعارج: عروج (باب نصر) مصدر سے اسم آلہ جمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد مفرج اور معراج ہے بمعنی سیڑھی، العروج کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں جیسا کہ اگلی آیت 4 میں تعرج الملئکۃ والروح، الخ آیا ہے۔ (فرشتے اور روح اس کی طرف اس دن چڑھ رہے ہوں گے)۔

لیس لہ دافع من اللہ ذی المعارج کا ترجمہ ہوگا:۔ جس کو اللہ ذی مراتب کی طرف سے کوئی دفع نہیں کر سکتا۔ اللہ کو ذی المعارج اس لئے کہا کہ جملہ درجات عالیہ اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے عطا کرے۔ اور یہ بھی کہ وہ خود بلند مرتبوں والا ہے اس تک پہنچنے کے لئے ایمان واعمال وخلوص کی سیڑھیاں درکار ہیں۔

سورت معارج کے سبب نزول کا بیان

یہ آیت نضر بن الحارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب اس نے کہا تھا اللھم ان کان ھذا ھو الحق یعنی اے خدا گر یہ تیری طرف سے حق اور سچ ہے تو اس نے اپنے حق میں بددعا کر رکھی ہے اور عذاب مانگا تھا چنانچہ بدر کے موقع پر اس کی دعا قبول ہوگئی اور وہ تڑپ تڑپ کر قتل ہوا اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی سَاَلَ سَایِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۔ (مستدرک حاکم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اہل مکہ کو عذاب الہی کا خوف دلایا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس عذاب کے مستحق کون لوگ ہیں؟ اور یہ کن پر آئے گا؟ سید عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھو تو انہوں نے حضور سید عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔

اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور حضور سے سوال کرنے والا نضر بن حارث تھا، اس نے دعا کی تھی کہ یارب اگر یہ قرآن حق ہو اور تیرا کلام ہو تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا، یا دردناک عذاب بھیج۔ ان آیتوں میں ارشاد فرمایا گیا کہ کافر طلب کریں یا نہ کریں عذاب جو ان کے لئے مقدر ہے ضرور آنا ہے، اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ معارج، لاہور)

قیامت کے دن کی مدت پچاس ہزار سال ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن (قیامت کے دن) کے بارے میں پوچھا گیا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا کہ اس کی درازی کیا ہوگی (یعنی جب وہ دن اتنا زیادہ لمبا ہوگا تو لوگوں کا کیا حال ہوگا، کیا وہ حساب کتاب اور اپنا فیصلہ سننے کے لئے اس دن کھڑے رہ سکیں گے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ دن کامل مسلمان پر آسان اور ہلکا کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دن اس (کامل مسلمان کے لئے اس فرض نماز (کے وقت) سے بھی زیادہ آسان اور ہلکا ہو جائے گا جس کو وہ دنیا میں پڑھتا تھا ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 137)

یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح اہل ایمان کے حق میں بشارت ہے کہ اگر وہ ایمان کامل کے حامل ہیں اور ان کی دنیاوی زندگی اعمال صالح سے معمور ہے تو انہیں قیامت کے دن کی طوالت اور سختی سے مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کے سائے میں ہوں گے اور وہ دن تمام درازی وسختی کے باوجود ان کے حق میں اس طرح گزر جائے گا جیسے انہوں نے کوئی فرض نماز پڑھ لی ہو۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا○ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا○ وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا○ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ○
پس آپ ہر شکوہ سے پاک صبر فرمائیں۔ بے شک وہ اس کو دور سمجھ رہے ہیں۔ اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں۔
جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔

قیامت کے دن کے قریب ویقینی وقوع کا بیان

"فَاصْبِرْ" وَهٰذَا قَبْل أَنْ يُؤْمَر بِالْقِتَالِ "صَبْرًا جَمِيلًا" أَيْ لَا جَزَع فِيهِ "إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ" أَيْ الْعَذَاب "بَعِيدًا" غَيْر وَاقِع "وَنَرَاهُ قَرِيبًا" وَاقِعًا لَا مَحَالَة "يَوْم تَكُون السَّمَاء" مُتَعَلِّق بِمَحْذُوفٍ تَقْدِيره يَقَع "كَالْمُهْلِ" كَذَائِبِ الْفِضَّة،

یہاں پر یہ حکم جہاد والے حکم سے پہلے کا ہے۔ آپ ہر شکوہ سے پاک صبر فرمائیں۔ یعنی ایسا صبر جس میں جزع فزع نہ ہو بے شک وہ تو اس عذاب کو دور سمجھ رہے ہیں۔ یعنی اس کا واقع ہونا بعید ہے۔ اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ یقیناً واقع ہونا ہے۔ یہاں پر یوم تکون السماء کا متعلق یقع مقدر محذوف ہے۔ جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ اور کالمہل

سے مراد کہ وہ پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہوگا۔

قیامت کے دن آسمان کا مثل تانبا پگھل جانے کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت (یَوۡمَ تَكُوۡنُ السَّمَآءُ كَالۡمُهۡلِ ، جس دن ہوگا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا)۔ کی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مہل سے مراد تیل کی تلچھٹ ہے۔ پھر جب وہ اسے اپنے منہ کے قریب کرے گا تو اس کے منہ کی کھال اس میں گر جائے گی۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف رشدین کی روایت سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1272)

وَ تَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ○ وَ لَا يَسۡـَٔلُ حَمِيۡمٌ حَمِيۡمًا○ يُّبَصَّرُوۡنَهُمۡ ؕ
يَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ يَفۡتَدِىۡ مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِئِذٍۭ بِبَنِيۡهِ○
اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا۔ وہ دکھائے جا رہے ہوں گے
مجرم آرزو کرے گا کہ کاش! اس دن کے عذاب کے بدلہ میں اپنے بیٹے دے دے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کا رنگین اون کی طرح ہو جانے کا بیان

"وَتَكُون الۡجِبَال كَالۡعِهۡنِ" كَالصُّوفِ فِي الۡخِفَّة وَالطَّيَرَان بِالرِّيحِ "وَلَا يَسۡأَل حَمِيم حَمِيمًا" قَرِيب قَرِيبه لِاشۡتِغَالِ كُلّ بِحَالِهِ "يُبَصَّرُونَهُمۡ" أَيۡ يُبۡصِر الۡأَحۡمَاء بَعۡضهمۡ بَعۡضًا وَيَتَعَارَفُونَ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ وَالۡجُمۡلَة مُسۡتَأۡنَفَة "يَوَدّ الۡمُجۡرِم" يَتَمَنَّى الۡكَافِر "لَوۡ" بِمَعۡنَى أَنۡ "يَفۡتَدِي مِنۡ عَذَاب يَوۡمِئِذٍ" بِكَسۡرِ الۡمِيم وَفَتۡحهَا،

اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ یعنی ہلکے ہونے میں اون کی طرح اور ہوا میں اڑتے پرندوں کی طرح ہوں گے اور کوئی دوست قریبی ہونے کے باوجود کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جا رہے ہوں گے، یعنی دوست ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے اور پہچان بھی جائیں گے لیکن وہ بات نہ کر سکیں گے۔ اور یبصر یہ جملہ مستانفہ ہے۔ مجرم یعنی کافر آرزو کرے گا کہ کاش! یہاں پر لفظ لو بہ معنی اَن ہے۔ اس دن کے عذاب سے رہائی کے بدلہ میں اپنے بیٹے دے دے۔ یہاں پر لفظ یومئذ میم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

پھر فرماتا ہے کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے پوچھ گچھ بھی نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہیں سب آپا دھاپی میں پڑے ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ایک دوسرے کو دیکھے گا پہچاننے لگا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہوگا، جیسے اور جگہ ہے آیت (لِكُلِّ امۡرِئٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ ، عبس:37) یعنی ہر ایک ایسے مشغلے میں لگا ہوا ہوگا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ہی نہ دے

گا۔ ایک اور جگہ فرمان ہے لوگو اپنے رب سے ڈرا اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کے اور اولاد اپنے باپ کے کچھ کام نہ آئے گا اور جگہ ارشاد ہے کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائے گا، گو قرابت دار ہوں اور جگہ فرمان ہے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کے اور اولاد اپنے باپ کے کچھ کام نہ آئے گا اور جگہ ارشاد ہے کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائے گا، گو قرابت دار ہوں اور جگہ فرمان ہے آیت (فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ،المؤمنون:101) یعنی صور پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناتے اور پوچھ گچھ ختم ہو جائے گی۔ (جامع البیان، سورہ معارج)

وَصَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ٥ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ٥ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ٥
اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو۔ اور اپنے خاندان کو، جو اسے جگہ دیا کرتا تھا۔
اور ان تمام لوگوں کو جو زمین میں ہیں، پھر اپنے آپ کو بچا لے۔

قیامت کے دن جمیع لوگوں کو فدیہ میں دیکر نجات کی تمنا کرنے کا بیان

"وَصَاحِبَتِه" زَوْجَته "وَفَصِيلَته" عَشِيرَته لِفَصْلِهِ مِنْهَا "الَّتِي تُئْوِيهِ" تَضُمّهُ "وَمَنْ فِي الْأَرْض جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيه" ذٰلِكَ الِافْتِدَاء وَالْجُمْلَة عَطف عَلَى يَفْتَدِي،

اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو۔ اور اپنے خاندان کو، خاندان کو فصیلہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ فرد اسی سے جدا ہوتا ہے۔ جو اسے جگہ دیا کرتا تھا۔ یعنی اپنے ساتھ ملا لیا کرتا تھا۔ اور ان تمام لوگوں کو جو زمین میں ہیں، ان کو فدیے میں دیدے پھر اپنے آپ کو بچا لے۔ یہاں پر اس جملے کا عطف یفتدی ہے۔

یعنی اس دن انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا۔ ہر شخص اپنی پریشانیوں کی وجہ سے دوسرے سے غافل ہوگا، یہ وہ دن ہوگا کہ اس دن ہر گنہگار دل سے چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیہ میں دے کر جہنم کے آج کے عذاب سے چھوٹ جائے اور اپنی بیوی، بھائی، اپنے رشتے کنبے، اپنے خاندان اور قبیلے کو بلکہ چاہے گا کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے لیکن اسے آزاد کر دیا جائے۔ آہ! کیا ہی دل گداز منظر ہے کہ انسان اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو، اپنی شاخوں کو، اپنی جڑوں سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے تا کہ خود بچ جائے۔ (فصیلہ) کے معنی ماں کے بھی کئے گئے ہیں، غرض تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے بھینٹ میں دینے پر دل سے رضامند ہوگا، لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی کوئی بدلہ اور فدیہ نہ کھپے گا، کوئی عوض اور معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا جو اونچے اونچے اور تیز تیز شعلے پھینکنے والی اور سخت بھڑکنے والی ہے جو سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لاتی ہے، بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے، ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دیتی ہے، رگ پٹھے کھنچنے لگتے ہیں، ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں، پنڈلیاں کٹی جاتی ہیں چہرہ بگڑ جاتا ہے، ہر ایک عضو بدل جاتا ہے، چیخ پکار کرتا رہتا ہے، ہڈیوں کا چورا کرتی رہتی ہے، کھالیں جلائی جاتی ہے۔

یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنہوں نے دنیا میں بدکاریاں اور اللہ کی نافرمانیاں کی تھیں پکارتی ہے پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے اسی طرح میدان محشر میں سے ایسے بدلوگوں کو ایک ایک کر کے دیکھ بھال کر چن لیتی ہے، اب ان کی بداعمالیاں بیان ہو رہی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے، یہ مال کو جمع کرنے والے اور سر بند کر کے رکھ چھوڑنے والے تھے، اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے بھاگتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک ادا نہ کرتے تھے، حدیث شریف میں ہے سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا، حضرت عبداللہ بن حکیم تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ باندھتے تھے، امام حسن بصری فرماتے ہیں اے ابن آدم اللہ تعالیٰ کی وعید سن رہا ہے پھر مال سمیٹتا جا رہا ہے؟ حضرت قتادہ فرماتے ہیں مال کو جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمان اللہ ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ معارج، بیروت)

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ۝ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ۝
ایسا ہرگز نہ ہوگا، بیشک وہ شعلہ زن آگ ہے۔ سر اور تمام اَعضائے بدن کی کھال اتار دینے والی ہے۔
وہ اسے بلا رہی ہے جس نے پیٹھ پھیری اور رُوگردانی کی۔ اور مال جمع کیا پھر روکے رکھا۔

جہنم کی آگ کا انسانی کھالوں کا اتارنے کا بیان

"كَلَّا" رَدٌّ لِمَا يَوَدُّهُ "إِنَّهَا" أَيْ النَّار "لَظَى" اسْم لِجَهَنَّم لِأَنَّهَا تَتَلَظَّى أَيْ تَتَلَهَّب عَلَى الْكُفَّار "نَزَّاعَة لِلشَّوَى" جَمْع شَوَاة وَهِيَ جِلْدَة الرَّأْس "تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى" عَنْ الْإِيمَان بِأَنْ تَقُول: إِلَيَّ إِلَيَّ "وَجَمَعَ" الْمَال "فَأَوْعَى" أَمْسَكَهُ فِي وِعَائِهِ وَلَمْ يُؤَدِّ حَقّ اللّٰه مِنْهُ،

ایسا ہرگز نہ ہوگا، یہاں پر اس کافر کی ہونے والی تمنا کی تردید ہے۔ بیشک وہ شعلہ زن آگ ہے۔ یہاں پر لفظ لظی یہ جہنم کا نام ہے۔ کیونکہ وہ بھڑکائی جاتی ہے۔ یعنی کفار پر بھڑکائی جائے گی۔ سر اور تمام اَعضائے بدن کی کھال اتار دینے والی ہے۔ یہاں پر لفظ شویٰ یہ شواۃ کی جمع ہے۔ اور وہ سر کی جلد کو کہتے ہیں۔ وہ اسے بلا رہی ہے جس نے ایمان سے پیٹھ پھیری اور رُوگردانی کی۔ تو جہنم کی آگ کہے گی میری جانب آؤ میری جانب آؤ۔ اور اس نے مال جمع کیا پھر اسے تقسیم سے روکے رکھا۔ اور اس میں جو اللہ کا حق تھا اس کو ادا نہ کیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کلا: جمہور کے نزدیک یہ حرف بسیط ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ ک تشبیہ اور لا نافیہ سے مرکب ہے حالت ترکیب میں ک اور ل کے انفرادی معنی باقی نہ رہے اس لئے لام کو مشدد کیا گیا۔ کلا۔ یعنی مذکورہ بالا تمام چیزوں کو اپنے عوض میں دے کر عذاب سے بچ جائے گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔

سیبویہ، خلیل، مبرد، زجاج اور اکثر بصری ادیبوں کے نزدیک کلا کے معنی صرف ردع اور رد کرنے کے ہیں۔ (خواہ بطور زجر و توبیخ کے ہو یا بطور ترتیب اور ادب آموزی کے) اس لئے ان علماء کے نزدیک قرآن مجید کے تمام 33 مقامات میں جس جس جگہ کلا آیا ہے ہر جگہ کلا پر وقف کرنا جائز ہے۔ اور بعد کو آنے والا کلام نئے سرے سے شروع ہوتا ہے بعض لوگ تو یہاں تک قائل ہیں کہ چونکہ کفار مکہ سخت سرکش تھے اور تہدید آمیز کلام انہیں کے لئے زیادہ نازل ہوا ہے اور کلا کے معنی بھی تہدید اور زجر کے ہیں اس لئے جن سورتوں میں کلا آیا ہے ان کی اکثر آیات کو مکہ ہی سمجھنا چاہیے۔

انھا لظی: انھا۔ بے شک وہ۔ بیشک بات یہ ہے۔ ان حرف مشبہ بالفعل ھا ضمیر واحد مونث غائب (ضمیر قصہ) لظی، ان کی خبر۔ ھا ضمیر اس نار کی طرف راجع ہے جو معنی لفظ عذاب سے معلوم ہو رہی ہے۔ لظی اسم علم ہے اس صورت میں اس سے مراد دوزخ میں دوسرے دوجے کے دوزخ کا نام ہے۔ مصدر بھی ہوسکتا ہے بمعنی آگ بھڑکنا۔ اسم مصدر بھی۔ بمعنی بغیر دھویں کے اٹھتا ہوا شعلہ، لپٹ، بھڑک۔ یعنی ایسی آگ جس میں شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ مطلب یہ کہ بے شک وہ ایسی آگ ہوگی جو بھڑک رہی ہوگی اور شدت التہاب کا یہ اثر ہوگا کہ دھویں کے بغیر ہوگی۔ (انوار البیان، سورہ معارج)

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا۝ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ۝
بے شک انسان بے صبر اور لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو بہت گھبرا جانے والا ہے۔
اور جب اسے بھلائی حاصل ہو تو بخل کرتا ہے۔ مگر وہ نماز ادا کرنے والے۔

تنگی وخوشحالی کے وقت انسانی فطرت کے اظہار کا بیان

"إنَّ الْإِنْسَان خُلِقَ هَلُوعًا" حَال مُقَدَّرہ وَتَفْسِیرہ "إذَا مَسَّهُ الشَّرّ جَزُوعًا" وَقْت مَسّ الشَّرّ "وَإِذَا مَسَّهُ الْخَیْر مَنُوعًا" وَقْت مَسّه الْخَیْر أَیْ انْمَال لِحَقِّ اللّٰه مِنْهُ "إلَّا الْمُصَلِّینَ" أَیْ الْمُؤْمِنِینَ،

بے شک انسان بے صبر اور لالچی پیدا ہوا ہے۔ یہاں پر لفظ ھلوعا یہ حال مقدرہ ہے اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو بہت گھبرا جانے والا ہے۔ اور جب اسے بھلائی یا مالی فراخی، حاصل ہو یعنی اللہ کی طرف سے مال حاصل ہوتا ہے تو بخل کرتا ہے۔ مگر وہ نماز ادا کرنے والے۔ یعنی جو اہل ایمان ہیں۔

انسان کا حرص ولالچ میں عمر بسر کر دینے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی خطوط کھینچے جیسا کہ پہلی حدیث میں گزرا کہ آپ نے چار خط کھینچ کر ایک مربع بنایا اور اس مربع کے درمیان ایک اور خط کھینچا جو مربع سے باہر نکلا ہوا تھا پھر فرمایا کہ درمیانی خط کا یہ حصہ جو مربع سے باہر نکلا ہوا ہے انسان کی آرزو ہے اور یہ خط جس نے چاروں طرف سے ایک مربع بنا رکھا ہے اس

انسان کی موت ہے پس انسان اسی حالت میں (یعنی امیدوں اور آرزوؤں کے پورا ہونے کی فکر میں) رہتا ہے کہ اچانک موت کا خط اس کو آ دبوچتا ہے جو اس کے زیادہ قریب ہے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1194)

اس انسان کی خواہش تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اس خط تک پہنچ جائے جہاں اس کی دنیائے آرزو بستی ہے اور جو اس سے بہت دور واقع ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ناگہاں موت اس کو آ دبوچتی ہے اور وہ آرزو حاصل کئے بغیر اس جہاں سے چل کھڑا ہوتا ہے۔

یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑا ہی بے صبرا ہے، مصیبت کے وقت تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤلا سا ہو جاتا ہے، گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی، اور راحتؔ کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکار جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بدترین چیز انسان میں بخیلی اور اعلیٰ درجہ کی نامردی ہے۔ (ابوداؤد)

پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الٰہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ٥ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ٥
لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ٥ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ٥
جو اپنی نماز پر ہمیشگی قائم رکھنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے۔ سوال کرنے والے کے لیے
اور جسے نہیں دیا جاتا۔ اور وہ لوگ جو روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں۔

نماز کو قائم اور مال کو خرچ کرنے والوں کا بیان

"الَّذِيْنَ هُمْ عَلَى صَلَاتهمْ دَائِمُونَ" مُوَاظِبُونَ "وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالهمْ حَقّ مَعْلُوم" هُوَ الزَّكَاة "لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوم" الْمُتَعَفِّف عَنْ السُّؤَال فَيُحْرَم "وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّين" الْجَزَاء،

جو اپنی نماز پر ہمیشگی قائم رکھنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے۔ اور وہ زکوٰۃ ہے۔ سوال کرنے والے کے لیے اور اس کے لیے جسے نہیں دیا جاتا۔ یعنی جو سوال کرنے سے پرہیز کرتا ہے۔ وہی محروم ہے۔ اور وہ لوگ جو روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں۔

نماز و عبادت میں دوام کی اہمیت کا بیان

الذین هم علی صلوتهم دائمون: یہ المصلین کی صفت ہے جو اپنی نمازوں میں مداومت اور استقامت کرتے ہیں ای لا یقضونها ابدا ما داموا احیاء جب تک زندہ رہتے ہیں نماز قضاء نہیں کرتے۔

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مرفوعاً مذکور ہے:۔ احب الاعمال الی الله ادومها ولو قل: اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل اس پر استقامت ہے خواہ وہ عمل چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز میں دائیں بائیں اور پیچھے نہیں دیکھتے۔ احمد اور ابو داود، نسائی۔ دارمی نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ کہ بندہ جب تک نماز کے اندر ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف سے توجہ ہٹالیتا ہے۔

الانسان الھلوع کی مستثنیات کی یہ پہلی صفت ہے یعنی جو لوگ اپنی نمازوں کو استقامت و مداومت اور توجہ سے پڑھتے ہیں وہ الانسان الہلوع کی جنس سے مستثنیٰ ہیں۔

سائل ومحروم شخص کے مفہوم کا بیان

سائل سے مراد پیشہ ور بھیک مانگنے والا نہیں بلکہ وہ حاجت مند شخص ہے جو کسی سے مدد مانگے۔ اور محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو بے روزگار ہو، یا روزی کمانے کی کوشش کرتا ہو مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں، یا کسی حادثے یا آفت کا شکار ہو کر محتاج ہو گیا ہو، یا روزی کمانے کے قابل ہی نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی محروم ہیں تو ایک خدا پرست انسان اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ اس سے مدد مانگیں، بلکہ ان کی محرومی کا علم ہوتے ہی وہ خود آگے بڑھ کر ان کی مدد کرتا ہے۔ محروم سے مراد وہ شخص ہے جو از حد ضرورتمند ہونے کے باوجود بھی کسی کے آگے دست سوال دراز کرنے سے ہچکچاتا ہو۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۝
اور وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ یقیناً ان کے رب کا عذاب ایسا ہے، جس سے
بے خوف نہیں ہوا جاسکتا۔ اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی منکوحہ بیویوں کے
یا اپنی مملوکہ کنیزوں کے، پس ان پر کوئی ملامت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والوں کا بیان

"وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَاب رَبّهمْ مُشْفِقُونَ " خَائِفُونَ "إنَّ عَذَاب رَبّهمْ غَيْر مَأْمُون" نُزُوله غَيْر مَأْمُون "إلَّا عَلَى أَزْوَاجهمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانهمْ" مِنْ الْإِمَاء ،

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ یقیناً ان کے رب کا عذاب ایسا ہے، جس سے بے خوف نہیں ہوا جاسکتا۔ یعنی اس کا نزول امن دینے والا نہیں ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی منکوحہ بیویوں کے یا اپنی مملوکہ کنیزوں کے، سو اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔

ابو حازم، سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز (یعنی شرمگاہ) کا ضامن ہو تو اس کے لئے جنت کا

ضامن ہوں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1421)

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ
وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝
پھر جو اس کے علاوہ کوئی راستہ ڈھونڈے تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں کا اور اپنے عہد
کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔

حلال سے حرام کی جانب تجاوز کرنے والوں کا بیان

"فَمَنْ ابْتَغَى وَرَاء ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمْ الْعَادُونَ" الْمُتَجَاوِزُونَ الْحَلَال إلَى الْحَرَام "وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ" وَفِي قِرَاءَة بِالْإِفْرَادِ: مَا ائْتَمَنُوا عَلَيْهِ مِنْ أَمْر الدِّين وَالدُّنْيَا "وَعَهْدهمْ" الْمَأْخُوذ عَلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ "رَاعُونَ" حَافِظُونَ "وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ" وَفِي قِرَاءَة بِالْجَمْعِ "قَائِمُونَ" يُقِيمُونَهَا وَلَا يَكْتُمُونَهَا،

پھر جو اس کے علاوہ کوئی راستہ ڈھونڈے تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔ یعنی وہ حلال سے حرام کی طرف بڑھنے والا ہے اور وہ جو اپنی امانتوں کا اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔ اور ایک قرأت میں اس کو مفرد بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی جو چیزیں ان کی امانت میں دی گئی ہیں خواہ وہ دین کی ہوں یا دنیا کی ہوں۔ پس وہ ان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ ایک قرأت کے مطابق شہادات کو جمع کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی وہ صحیح گواہیاں دیتے ہیں جن میں سے وہ چھپاتے نہیں ہیں۔

اکثر فقہاء رحمہ اللہ نے استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کر لینے کو بھی اس کے عموم میں داخل قرار دے کر حرام قرار دیا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطار سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا مکروہ ہے۔ میں نے سنا ہے محشر میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرتے ہیں اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم پر عذاب نازل فرمایا جو اپنے ہاتھوں سے اپنی شرمگاہوں سے کھیلتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعن من نکحد یدہ یعنی جو اپنے ہاتھ سے نکاح کرے وہ ملعون ہے۔ سند اس کی ضعیف ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ معارج، لاہور)

عہد و پیمان کو پورا کرنے کا بیان

امانتوں سے مراد وہ امانتیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہیں اور وہ امانتیں بھی جو انسان کسی دوسرے انسان پر اعتماد کر کے اس کے حوالے کرتا ہے۔ اسی طرح عہد سے مراد وہ عہد بھی ہیں جو بندہ اپنے خدا سے کرتا ہے، اور عہد بھی جو بندے ایک

دوسرے سے کرتے ہیں۔ ان دونوں قسم کی امانتوں اور دونوں قسم کے عہد و پیمان کا پاس و لحاظ ایک مومن کی سیرت کے لازمی خصائص میں سے ہے۔ حدیث میں حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے جو تقریر بھی فرماتے اس میں یہ بات ضرور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ الا، لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له "خبردار رہو، جس میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں، اور جو عہد کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

شہادت کی تعریف کا بیان

کسی حق کو ثابت کرنے کیلئے (میں گواہی دیتا ہوں) کے الفاظ کے ساتھ فیصلے کی مجلس میں سچی خبر دینا شہادت کہلاتا ہے۔
(فتح القدیر ج ۲ کتاب الشہادات مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر)

شہادت کی اقسام کا بیان

شہادت کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔ عینی شہادت ۲۔ سمعی شہادت ۳۔ شہادت علی شہادت

عینی شہادت کا بیان

وہ شہادت جس میں گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے یہی فیصلہ کن شہادت ہوتی ہے۔

سمعی شہادت کا بیان

وہ شہادت جس کو گواہ کسی سے سن کر شہادت دے۔ جن امور کا تعلق سننے والی اشیاء سے ہو ان میں سمعی شہادت اتنی ہی معتبر ہوتی ہے جتنی عینی شہادت معتبر ہوتی ہے۔

شہادت علی شہادت کا بیان

وہ شہادت جس میں اصل گواہ اپنی شہادت پر کسی اور شخص کو گواہ بنائے۔ تب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔
(ہدایہ اخیرین ص ۱۵۸-۱۶۰، مطبوعہ مجتبائے دہلی)

حصول شہادت کے ذرائع کا بیان

۱۔ عقل ۲۔ حواس خمسہ ۳۔ نقل متواتر ۴۔ نظر و استدلال ،

فقہاء مالکیہ نے ان چاروں ذرائع کی شہادت کو قبول کیا ہے۔ اور نظر و استدلال کی وضاحت اس روایت سے کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ شہادت ہے جبکہ ایک شخص نے قئے کی اور اس میں شراب نکلی تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم گواہی دے سکتے ہو کہ اس نے شراب پی ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس نے شراب کی قئے کی ہے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس پر گہرائی کا کیا مطلب ہے ایسی بات نہیں ہے تمہارے پرودگار کی قسم: اس نے شراب پی کر قئے کی ہے۔ (الفروق ص ۱۳، مطبوعہ تونس مصر)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ○
فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ○
اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنتوں میں عزت دیے جانے والے ہیں۔
تو کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں۔

نمازوں کی حفاظت کرنے والوں کا بیان

"وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ" بِأَدَائِهَا فِي أَوْقَاتِهَا "فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ" نَحْوَكَ "مُهْطِعِينَ" حَالٌ أَيْ مُدِيمِي النَّظَرِ،

اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی انہیں ان کے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنتوں میں عزت دیے جانے والے ہیں۔ تو کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ یہاں پر مھطعین یہ کفروا سے حال ہے۔ یعنی دیکھو دیکھی چلے آ رہے ہیں۔

نماز کا ذکر مکرر فرمایا گیا۔ اس میں یہ اظہار ہے کہ نماز بہت اہم ہے یا یہ کہ ایک جگہ فرائض مراد ہیں دوسری جگہ نوافل۔ اور حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اس کے ارکان اور واجبات اور سنتوں اور مستحبات کو کامل طور پر ادا کرتے ہیں۔

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ○ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ○ كَلَّا ؕ
اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ○ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ○
دائیں اور بائیں طرف سے ٹولیاں بن کر۔ کیا ان میں سے ہر آدمی طمع رکھتا ہے کہ اسے نعمت والی جنت میں داخل کیا
جائے گا؟ ہرگز نہیں، بیشک ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔ سو میں مشارق اور مغارب
کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ بیشک ہم پوری قدرت رکھتے ہیں۔

جنت میں داخل ہونے کی بے جا تمنا رکھنے والے کفار کا بیان

"عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ" مِنْكَ "عِزِينَ" حَالٌ أَيْضًا أَيْ جَمَاعَاتٍ حِلَقًا حِلَقًا يَقُولُونَ اسْتِهْزَاءً بِالْمُؤْمِنِينَ : لَئِنْ دَخَلَ هَؤُلَاءِ الْجَنَّةَ لَنَدْخُلَنَّهَا قَبْلَهُمْ "كَلَّا" رَدْعٌ لَهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِي الْجَنَّةِ "إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ" كَغَيْرِهِمْ "مِمَّا يَعْلَمُونَ" مِنْ نُطَفٍ فَلَا يُطْمَعُ بِذَلِكَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّمَا يُطْمَعُ فِيهَا بِالتَّقْوَى "فَلَا" لَا زَائِدَةٌ "أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ" لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَسَائِرِ الْكَوَاكِبِ،

دائیں اور بائیں طرف سے ٹولیاں بن کر۔ یہاں پر لفظ عزین یہ کفروا سے حال ہے۔ یعنی جماعتوں کے حلقے حلقے بن کر آرہے ہیں۔ اور وہ اہل ایمان سے بہ طور مذاق کہتے ہیں کہ اگر وہ جنت میں داخل ہوئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ کیا ان میں سے ہر آدمی طمع رکھتا ہے کہ اسے نعمت والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، بیشک ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ بھی جانتے ہیں۔ یعنی نطفوں سے پیدا کیا ہے لہٰذا اس بنیاد پر وہ جنت کا طمع نہیں کر سکتے بلکہ تقویٰ کی بنیاد پر اس کا طمع کر سکتے ہیں۔ پس میں مشارق اور مغارب یعنی سورج چاند سورج تمام ستاروں کے رب کی قسم کھاتا ہوں، یہاں پر لفظ فلا میں لا زائدہ ہے۔ کہ بیشک ہم پوری قدرت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عزوجل ان کافروں پر انکار کر رہا ہے جو حضور علیہ السلام کے مبارک زمانہ میں تھے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دیکھ رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایت لے کر آئے وہ ان کے سامنے تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے معجزے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ رہے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کترا جاتے تھے، جیسے اور جگہ آیت (فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ، المدثر:49)، یہ نصیحت سے منہ پھیر کر ان گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں کیوں بھاگ رہے ہیں؟ یہاں بھی اسی طرح فرما رہا ہے کہ ان کفار کو کیا ہو گیا ہے یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جا رہے ہیں؟ کیونکہ دائیں بائیں سرکتے جاتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور پر اختلاف کے ساتھ ادھر ادھر ہو رہے ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والوں کے حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفقہ ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس سے بروایت عوفی مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پرواہی کے ساتھ تیرے دائیں بائیں ہو کر تجھے مذاق سے گھورتے ہیں، حضرت حسن فرماتے ہیں یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟ حضرت قتادہ فرماتے ہیں دائیں بائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد پھرتے رہتے ہیں نہ کتاب اللہ کی چاہت ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس آئے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو فرمایا میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورتوں میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ (احمد)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کیا ان کی چاہت ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟ ایسا نہ ہوگا یعنی جب ان کی یہ حالت ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دائیں بائیں کترا جاتے ہیں پھر ان کی یہ چاہت پوری نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جہنمی گروہ ہے، اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اس کا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا؟ (تفسیر جامع البیان، سورہ معارج، بیروت)

عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ○ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ○

اس پر کہ ہم بدل کر ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور ہم ہرگز عاجز نہیں ہیں۔ سو آپ انہیں چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی بیہودہ باتوں
اور کھیل تماشے میں پڑے رہیں یہاں تک کہ اپنے اس دن سے آملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

بہتر لوگوں کو لانے پر قدرت ہونے کا بیان

"عَلَى أَنْ نُبَدِّل" نَأْتِي بَدَلهم "خَيْرًا مِنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ" بِعَاجِزِينَ عَنْ ذَلِكَ "فَذَرْهُمْ" اُتْرُكْهُمْ "يَخُوضُوا" فِي بَاطِلهمْ "وَيَلْعَبُوا" فِي دُنْيَاهُمْ "حَتَّى يُلَاقُوا" يَلْقَوْا "يَوْمهمْ الَّذِي يُوعَدُونَ" فِيهِ الْعَذَاب،

اس پر کہ ہم بدل کر ان سے بہتر لوگ لے آئیں، جو ان سے بہتر ہوں گے۔ اور ہم ایسا کرنے پر ہرگز عاجز نہیں ہیں۔ پس آپ انہیں چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی بیہودہ باتوں یعنی اپنے باطل میں اور اپنی دنیا کے کھیل تماشے میں پڑے رہیں یہاں تک کہ اپنے اس دن سے آملیں جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

یعنی جب ان کی جگہ ان سے بہتر لا سکتے ہو تو خود ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل کر کہیں جا سکتے ہیں؟ "یا خَيْرًا مِنْهُمْ" سے مراد ان ہی کا دوبارہ پیدا کرنا ہو۔ کیونکہ عذاب ہو یا ثواب، دوسری زندگی اس زندگی سے بہر حال اکمل ہوگی۔ یا یہ مطلب ہو کہ ان کفارِ مکہ کو ہنسی ٹھٹھا کرنے دیجئے، ہم خدمت اسلام کے لیے اس سے بہتر قوم لے آئیں گے چنانچہ "قریش" کی جگہ اس نے "انصارِ مدینہ" کو کھڑا کر دیا۔ اور مکہ والے پھر بھی اس کے قابو سے نکل کر کہیں نہ جا سکے۔ آخر اپنی شرارتوں کے مزے چکھنے پڑے۔ مشارق و مغارب کی قسم شاید اس لیے کھائی کہ خدا ہر روز مشرق و مغرب کو بدلتا رہتا ہے اس کو تمہارا تبدیل کرنا کیا مشکل ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے یوں نکلیں گے گویا وہ بتوں کے استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ حال یہ ہوگا کہ ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی، ذلت ان پر چھا رہی ہوگی، یہی ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

قیامت کے دن قبروں سے نکلنے کا بیان

"يَوْم يَخْرُجُونَ مِنْ الْأَجْدَاث" الْقُبُور "سِرَاعًا" إِلَى الْمَحْشَر "كَأَنَّهُمْ إِلَى نُصُب" وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ شَيْء مَنْصُوب كَعَلَمٍ أَوْ رَايَة "يُوفِضُونَ" يُسْرِعُونَ "خَاشِعَة" ذَلِيلَة "أَبْصَارهمْ تَرْهَقهُمْ" تَغْشَاهُمْ "ذِلَّة ذَلِكَ الْيَوْم الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ" ذَلِكَ مُبْتَدَأ وَمَا بَعْده خَبَر وَمَعْنَاهُ يَوْم الْقِيَامَة،

جس دن وہ قبروں سے محشر کی جانب دوڑتے ہوئے یوں نکلیں گے گویا وہ بتوں کے آستھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ایک قرأت میں لفظ نصب دونوں حروف کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔جو منصوب چیز کو کہتے ہیں۔جس طرح نصب کیا گیا پرچم یا علم ہے۔ان کا حال یہ ہوگا کہ ان کی آنکھیں شرم اور خوف سے جھک رہی ہوں گی،ذلت ان پر چھارہی ہوگی،یہی ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔یہاں پر لفظ ذلک مبتداء ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اور اس کا معنی قیامت کا دن ہے۔

قیامت کے دن دوزخیوں کے احوال کا بیان

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں پر بھوک اس طرح مسلط کر دی جائے گی کہ اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ دوزخی پہلے سے گرفتار ہونگے چنانچہ وہ بھوک کی اذیت سے بے تاب ہو کر فریاد کریں گے اور ان کی فریاد رسی ضریع کے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی جو نہ فربہ کرے گی نہ بھوک کو دفع کرے گا پھر وہ پہلے کھانے کو لاحاصل دیکھ کر دوسری مرتبہ فریاد کریں گے اور اس مرتبہ ان کی فریاد رسی گلے میں پھنسی جانے والے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی اس وقت ان کو یہ یاد آئے گا کہ جب (دنیا میں) کھاتے وقت ان کے گلے میں پھنس جاتی تھی تو اس کو وہ کسی پینے والی چیز سے نیچے اتارتے تھے چنانچہ وہ اپنے گلے میں پھنسے ہوئے کھانے کو اتارنے کے لئے کسی پینے والی چیز کی التجاء کریں گے تب ان کو تیز گرم پانی دیا جائے گا جس کو زنبوروں کے ذریعہ پکڑ کر اٹھایا جائے گا یعنی جن برتنوں میں وہ تیز گرم پانی ہوگا وہ زنبوروں کے ذریعہ پکڑ کر اٹھائے جائیں گے اور اٹھانے والے یا تو فرشتے ہوں گے یا براہ راست دست قدرت ان کو اٹھا کر دوزخیوں کے منہ کو لگائے گا۔

اور جب گرم پانی کے وہ برتن ان کے مونہوں تک پہنچے گے تو ان کے چہروں (کے گوشت) کو بھون ڈالیں گے اور جب ان برتنوں کے اندر کی چیز (جو ان کو پینے کے لئے دی جائے گی جیسے پیپ پیلا پانی وغیرہ) ان کے پیٹ میں داخل ہوگی تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی پس اس صورت حال سے بیتاب ہو کر" وہ دوزخی (جہنم پر) متعین فرشتوں سے کہیں گے اے دوزخ کے سنتریو! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ کم سے کم ایک ہی دن کے لئے ہمارے اوپر مسلط اس عذاب کو ہلکا کر دے دوزخ کے سنتری جواب دیں گے کہ (اب ہم سے دعا کے لئے کہتے ہو) کیا اللہ کے رسول خدائی معجزے اور واضح دلیلیں لے کر تمہارے پاس نہیں آئے تھے (اور تم سے یہ نہ کہتے تھے کہ کفر وسرکشی کی راہ چھوڑ کر اللہ کے اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ اختیار کر لو تا کہ کل آخرت میں دوزخ کے سخت عذاب سے محفوظ رہ سکو؟) وہ کہیں گے کہ بے شک اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے تھے اور ان کی تعلیمات ہم تک پہنچی تھی، لیکن وائے افسوس ہم گمراہی میں پڑے رہے اور ایمان وسلامتی کی راہ اختیار نہ کر سکے دوزخ کے سنتری کہیں گے کہ پھر تو تم خود ہی دعا کرو اور اپنا معاملہ سمجھو ہم تو تمہاری شفاعت کرنے سے رہے اور کافروں کی دعا زبان کاری وبے فائدگی کے علاوہ کچھ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخی جب جہنم کے سنتریوں سے دعا وشفاعت کرنے میں ناکام ہو جائیں گے اور انہیں سخت مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

تو وہ یقین کرلیں گے کہ ہمیں عذاب الٰہی سے نجات ملنے والی نہیں ہے پھر کیوں نہ موت ہی مانگی جائے چنانچہ وہ آپس میں کہیں گے کہ مالک یعنی داروغہ جنت سے مدد کی درخواست کرو! اور پھر وہ التجاء کریں گے کہ اے مالک اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہمیں موت دے دے تا کہ ہمیں آرام مل جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں کی التجاء سن کر مالک خود اپنی طرف سے یا پروردگار کی طرف جواب دے گا کہ اس دوزخ سے نجات یا موت کا خیال چھوڑ دو تمہیں ہمیشہ ہمیشہ یہیں اور اسی عذاب میں گرفتار رہنا ہے" حضرت اعمش (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام نے (بطریق مرفوع یا موقوف) مجھ سے بیان کیا کہ مالک سے ان دوزخیوں کی التجاء اور مالک کی طرف سے ان کو جواب دینے کے درمیان ایک ہزار برس کا وقفہ ہوگا یعنی وہ دوزخی مالک سے التجاء کرنے کے بعد ایک ہزار سال تک جواب کا انتظار کرتے رہیں گے اور اس دوران بھی اس عذاب میں مبتلا رہیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر وہ دوزخی (آپس میں) کہیں گے کہ اب ہمیں براہ راست اپنے پروردگار ہی سے نجات کی التجا کرنی چاہیے کیونکہ وہی قادر مطلق رحیم وکریم اور غفار ہے) ہمارے حق میں بھلائی و بہتری کرنے والا اس پروردگار سے بہتر اور کوئی نہیں چنانچہ وہ التجا کریں گے کہ ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم (توحید کے راستہ سے) بھٹک گئے تھے اے پروردگار ہمیں دوزخ (اور یہاں کے عذاب) سے رہائی عطا فرمادے اگر ہم اس کے بعد بھی کفر وشرک کی طرف جائیں تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا دور رہو کم بختو کتوں کی طرح ذلیل وخوار رہو) ایسے دوزخ میں پڑے رہو اور رہائی اور نجات کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرو تمہاری گلوخلاصی ہرگز نہیں ہوسکتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخرکار وہ دوزخی ہر بھلائی سے مایوس ہوجائیں گے اور تب وہ حسرت اور نالہ وفریاد کرنے لگے گیں۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 249)

سُورَةُ نُوح

یہ قرآن مجید کی سورت نوح ھے

سورت نوح کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ نُوح (مَكِّيَّة وَآيَاتهَا 28 أَوْ 29 آية)

سورہ نوح مکیہ ہے، اس میں دو رکوع، اٹھائیس، آیات، دوسو چوبیس کلمات، نوسو ننانوے حروف ہیں۔

سورت نوح کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے احوال اور طوفان نوح کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سورت لفظ نوح سے معروف ہوئی ہے۔ نوح اس سورت کا نام بھی ہے اور اس کے مضمون کا عنوان بھی، کیونکہ اس میں از اول تا آخر حضرت نوح علیہ السلام ہی کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّـآ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ○
قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ لَكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ○ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ وَ اَطِيۡعُوۡنِ ○
بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں قبل اس کے کہ انہیں
دردناک عذاب آ پہنچے۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! بیشک میں تمہیں واضح ڈر سنانے والا ہوں۔ کہ تم اللہ کی
عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قوم نوح کو عذاب سے ڈرانے کا بیان

"أَنْ أَنْذِرْ" أَيْ بِإِنْذَارِ "قَوْمك مِنْ قَبْل أَنْ يَأْتِيهِمْ" إنْ لَمْ يُؤْمِنُوا "عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة، "قَالَ يَا قَوْم إنِّي لَكُمْ نَذِير مُبِين" بَيِّن الْإِنْذَار "أَنْ" أَيْ بِأَنْ أَقُول لَكُمْ،

بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں قبل اس کے کہ انہیں دردناک عذاب آ پہنچے۔ جو دنیا و آخرت میں تکلیف دینے والا ہے۔

انہوں نے کہا: اے میری قوم! بیشک میں تمہیں واضح ڈر سنانے والا ہوں۔ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری

اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو اگر وہ توبہ کر لیں گے اور اللہ کی طرف جھکنے لگیں گے تو اللہ کا عذاب ان سے اٹھ جائے گا، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کا پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا اور صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں، میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ اللہ کی عبادت اس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں جو کام رب نے تم پر حرام کئے ہیں ان سے بچو گناہ کے کاموں سے الگ تھلگ رہو جو میں کہوں بجا لاؤ جس سے روکوں رک جاؤ میری رسالت کی تصدیق کرو تو اللہ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، آیت (یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ، نوح:4) میں لفظ (من) یہاں زائد ہے، اثبات کے موقعہ پر بھی کبھی لفظ (من) زائد آجاتا ہے جیسے عرب کے مقولے (قد کان من مطر) میں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی میں عن کے ہو بلکہ ابن جریر تو اسی کو پسند فرماتے ہیں اور یہ قول بھی ہے کہ من تبعیض کے لئے ہے یعنی تمہارے کچھ گناہ معاف فرما دے گا یعنی وہ گناہ جن پر سزا کا وعدہ ہے اور وہ بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اگر تم نے یہ تینوں کام کئے تو وہ معاف ہو جائیں گے اور جس عذاب کے ذریعے وہ تمہیں اب تمہاری ان خطاؤں اور غلط کاریوں کی وجہ سے برباد کرنے والا ہے اس عذاب کو ہٹا دے گا اور تمہاری عمریں بڑھا دے گا، اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ اطاعت اللہ اور نیک سلوک اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر بڑھ جاتی ہے، حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس سے پہلے کر لو کہ اللہ کا عذاب آ جائے اس لئے جب وہ آ جاتا ہے پھر نہ اسے کوئی ہٹا سکتا ہے نہ روک سکتا ہے، اس بڑے کی بڑائی نے ہر چیز کو پست کر رکھا ہے اس کی عزت وعظمت کے سامنے تمام مخلوق پست ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ نوح، بیروت)

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ
اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○
وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں مقررہ مدت تک مہلت عطا کرے گا، بیشک اللہ کی مدت جب آجائے
تو مہلت نہیں دی جاتی، کاش! تم جانتے ہوتے۔

قبول اسلام کے سبب گناہوں کی بخشش ہونے کا بیان

"يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبكُمْ" مِنْ زَائِدَة فَإِنَّ الْإِسْلَام يُغْفَر بِهِ مَا قَبْله أَوْ تَبْعِيضِيَّة لِإِخْرَاجِ حُقُوق الْعِبَاد "وَيُؤَخِّركُمْ" بِلَا عَذَاب "إِلَى أَجَل مُسَمًّى" أَجَل الْمَوْت "إِنَّ أَجَل اللَّه" بِعَذَابِكُمْ إِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا "إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّر لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" ذٰلِكَ لَآمَنْتُمْ،

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا یہاں پر لفظ من زائدہ ہے کیونکہ اسلام قبول کرنا یہ ماقبل گناہوں کی بخشش کا سبب ہے یا من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ حقوق العباد سے خروج ہے۔ اور تمہیں مقررہ مدت یعنی موت تک مہلت عطا کرے گا، یعنی مؤخر کرے گا۔ بیشک اللہ کی مقرر کردہ مدت یعنی تمہارے لئے عذاب کے ساتھ جب آ جائے تو مہلت نہیں دی جاتی، اگرچہ تم ایمان لے آؤ۔ لہٰذا جب وہ آجائے تو تاخیر نہیں ہوتی۔ کاش! تم جانتے ہوتے۔ تاکہ تم ایمان لے آتے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

یغفر لکم من ذنوبکم ویوخرکم الی اجل مسمی۔ جواب امر میں ہے متذکرہ بالا تینوں احکام کے جواب ہیں۔

یغفر مضارع مجزوم (بوجہ جواب امر) واحد مذکر غائب۔ مغفرۃ (باب ضرب) مصدر۔ وہ تمہیں بخش دے گا۔

(1) من تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے، وہ تمہارے بعض گناہ معاف کر دے گا۔ یعنی وہ گناہ جن کا تعلق اسکی اپنی ذات سے ہے عوام الناس نہیں (2) یا من زائدہ ہے وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

ویوخرکم۔ جملہ کا عطف جملہ سابقہ پر ہے۔ یوخر مضارع مجزوم واحد مذکر غائب۔ تاخیر (تفعیل) مصدر سے۔ کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ وہ تمہیں مہلت دے گا۔ اجل مسمی موصوف وصفت۔ اسم مفعول واحد مذکر تسمیۃ (تفعیل) مصدر سے مدت مقررہ۔ معینہ۔ تعین کیا ہوا۔ ترجمہ ہوگا:۔ اور (موت کے) وقت مقررہ تک تم کو مہلت عطا کرے گا۔

ان اجل اللہ اذا جاء لا یوخر: حقیقت یہ ہے کہ خدا کا مقرر کیا ہوا وقت جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں کیا جاسکتا۔ ان حرف مشبہ بالفعل اجل اللہ مضاف مضاف الیہ۔ اجل منصوب بوجہ عمل ان۔ لا یوخر فعل نہی مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب۔ تاخیر مصدر سے۔ اس میں تاخیر نہیں کی جائے گی۔ لو کنتم تعلمون، کاش تم (یہ حقیقت) جانتے ہوتے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَهَارًا ۙ فَلَمۡ یَزِدۡهُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ۙ
نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! بیشک میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔
لیکن میری دعوت نے ان کے لئے سوائے بھاگنے کے کچھ زیادہ نہیں کیا۔

قوم نوح کا دعوت حق کے باوجود ایمان سے فرار ہونے کا بیان

"قَالَ رَبِّ اِنِّی دَعَوْت قَوْمِی لَیْلًا وَنَهَارًا" أَیْ دَائِمًا مُتَّصِلًا "فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَائِی اِلَّا فِرَارًا" عَنْ الْاِیمَان

نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! بیشک میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔ یعنی میں ہمیشہ مسلسل دعوت پہنچاتا رہا ہوں لیکن میری دعوت نے ان کے لئے ایمان سے سوائے بھاگنے کے کچھ زیادہ نہیں کیا۔

صاحب ضیاء القرآن یوں رقمطراز ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہوگئے۔ آپ کو برا بھلا کہا جاتا۔ طعن وتشنیع کے تیر برسائے جاتے، افتراء و بہتان کے طوفان اٹھائے جاتے، حتی

کہ آپ کو مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا۔ آپ پہروں بیہوش پڑے رہتے۔ آپ کو کسی مکان میں بند کر دیا جاتا۔

لیکن اس جور و جفا کے باوجود یہ اللہ کا پیغمبر ان ناہنجاروں کی اصلاح میں لگا رہا۔ اور بارگاہ الٰہی میں ان کے لئے دعائیں مانگتا رہا۔ اور شب روز ان کو تبلیغ بھی کرتے رہے۔ عام اجتماعوں میں بلند آواز سے انہیں وعظ فرماتے اور جب اپنی خلوت گاہوں میں بیٹھے ہوتے تو آپ وہاں جا کر رازدارانہ طور پر اور چپکے چپکے ان کو گمراہیاں چھوڑنے کی تلقین کرتے اور یہ سلسلہ جلدی رہا۔ سالوں نہیں بلکہ تو صدیاں بیت گئیں۔ اور ان میں حق پذیری کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ بلکہ ان کی ہٹ دھرمی اور تعصب میں روز بروز اضافہ ہوتا ہی چلا گیا۔

جب آپ کو ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہی تو آپ نے اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی روداد الم بیان کرنی شروع کی۔ عرض کرتے ہیں الٰہی! ان کو سمجھانے میں میں نے دن رات ایک کر دیا کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن جتنا میں ان کو حق کی طرف کھینچتا ہوں اتنا ہی وہ اس سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

رب اصل میں یاربی تھا۔ شروع سے حرف نداء اور آخر سے ی ضمیر واحد متکلم حذف ہو کر رب رہ گیا۔ لیلا ونھارا۔ دونوں دعوت کے ظرف ہیں۔ رات اور دن۔ (تفسیر ضیاء القرآن، سورہ نوح، لاہور)

وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا
ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًاۚ
اور بے شک میں نے جب بھی انھیں دعوت دی، تا کہ تو انھیں معاف کر دے، انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں
ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور تکبر کیا، بڑا تکبر کرنا۔

پیغام حق سننے کی بہ جائے کانوں میں انگلیاں ڈال لینے کا بیان

"وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتهمْ لِتَغْفِر لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعهمْ فِي آذَانهمْ" لِئَلَّا يَسْمَعُوا كَلَامِي "وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابهمْ" غَطَّوْا رُءُوسهمْ بِهَا لِئَلَّا يُنْظِرُونِي "وَأَصَرُّوا" عَلَى كُفْرهمْ "وَاسْتَكْبَرُوا" تَكَبَّرُوا عَنْ الْإِيمَان

اور بے شک میں نے جب بھی انھیں دعوت دی، تا کہ تو انھیں معاف کر دے، انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں تا کہ وہ میرا کلام نہ سن سکیں۔ اور اپنے کپڑے اپنے سروں پر اوڑھ لیے تا کہ وہ دیکھ نہ سکیں۔ اور اپنے کفر پر اڑ گئے اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔

یعنی اگر وہ اللہ پر ایمان لے آئیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں تو اللہ یقیناً ان کے گناہ معاف کر دے گا۔ لیکن ان بدبختوں نے میری بات سننا بھی گوارا نہ کیا۔ بلکہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور دوسرا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ جہاں

کہیں مجھے دیکھتے ہیں اپنا منہ ڈھانپ لیتے ہیں کہ میں انہیں دیکھ کر بلا نہ لوں یا پھر انہیں مجھ سے اتنی نفرت ہے کہ وہ میری شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیتے ہیں۔ یہ ہے ان کی ضد اور نفرت کی انتہا انہوں نے تو تیرے احکام کے سامنے اکڑ جانے میں حد کردی۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝

پھر میں نے انہیں بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر میں نے انہیں اعلانیہ سمجھایا اور انہیں پوشیدہ راز دارانہ طور پر سمجھایا۔

مختلف انداز کلام سے سمجھانے کا بیان

"ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتهمْ جِهَارًا" أَيْ بِأَعْلَى صَوْتِي "ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْت لَهُمْ" صَوْتِي "وَأَسْرَرْت" الْكَلَام

پھر میں نے انہیں بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر میں نے انہیں اعلانیہ بھی سمجھایا اور انہیں پوشیدہ راز دارانہ طور پر بھی سمجھایا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ثم حرف عطف ہے، ماقبل سے بعد کے متاخر ہونے پر دلالت کرتا ہے خواہ یہ متاخر ہونا وقتی لحاظ سے ہو (تراخی فی الوقت) خواہ رتبہ (ترتیب) کے لحاظ سے (التراخی فی الرتبہ)۔ بصورت اول اس کے معنی ہوں گے پھر، اس کے بعد، صورت دوم میں اس سے بھی بڑھ کر معنی ہوں گے۔ صورت اول کی مثال:۔ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحیکم ثم الیہ ترجعون ، اور تم بے جان تھے تو اس نے تم کو جان بخشی۔ پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹ جاؤ گے۔

صورت دوم کی مثال:۔ حضرت علی کا شعر ہے؛ فعار ثم عار ثم عار، شقاء المرء من اکل الطعام۔ شرم کی بات ہے، بہت شرم کی بات ہے، بہت ہی شرم کی بات ہے، کہ آدمی کھانا کھا کر بیمار ہو جائے۔

صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں:۔ لفظ ثم کا اس جگہ استعمال دعوت کے مختلف طریقوں پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سری دعوت سے جہری دعوت زیادہ سخت ہوتی ہے۔ اور صرف سری یا صرف جہری دعوت سے سری اور جہری دعوت زیادہ سخت ہوتی ہے۔ اس طرح ہر (ترتیبی) صورت اول صورت سے بعد کو آتی ہے۔

جھارا: جھر یجھر (باب فتح) کا مصدر ہے۔ پکارنا۔ بلند آواز کرنا۔ کھلم کھلا برملا۔ مصدر۔ موضع حال میں ہے ای مجاھرا ترجمہ ہوگا:۔ پھر میں نے ان کو کھلم کھلا بھی بلایا۔ (تفسیر مظہری، سورہ نوح، لاہور)

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۝

پھر میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر بڑی زوردار بارش بھیجے گا۔

رزق اور بارش محروم رہ جانے والے لوگوں کا بیان

"فَقُلْت اسْتَغْفِرُوا رَبّكُمْ" مِنْ الشِّرْك "يُرْسِل السَّمَاء" الْمَطَر وَكَانُوا قَدْ مَنَعُوهُ "عَلَيْكُمْ

مِدْرَارًا" کَثِیر الدُّرُور

پھر ئیں نے کہا کہ تم شرک کے گناہ کی اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔وہ تم پر بڑی زوردار بارش بھیجے گا۔جبکہ وہ لوگ بارش سے محروم کر دیئے گئے۔

ایک ایک سے، اور کوئی دقیقہ دعوت کا اٹھا نہ رکھا قوم زمانہ دراز تک حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب ہی کرتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک دی اوران کی عورتوں کو بانجھ کر دیا، چالیس سال تک انکے مال ہلاک ہوگئے، جانور مر گئے جب یہ حال ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں استغفار کا حکم دیا۔

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۝
مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۝ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۝
اور تمہاری مدد اَموال اور اولاد کے ذریعے فرمائے گا اور تمہارے لئے باغات اُگائے گا اور تمہارے لئے نہریں
جاری کردے گا۔تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اِعتقاد اور معرفت نہیں رکھتے۔حالانکہ اس نے تمہیں
طرح طرح کی حالتوں سے پیدا فرمایا۔

انسان کیلئے مال واولاد کا بہ طور نعمت ہونے کا بیان

"وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَكُمْ جَنَّات" بَسَاتِين "وَيَجْعَل لَكُمْ أَنْهَارًا" جَارِيَة،"مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا" أَيْ تَأْمُلُونَ وَقَار اللّٰه إِيَّاكُمْ بِأَنْ تُؤْمِنُوا "وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا" جَمْع طَوْر وَهُوَ الْحَال فَطَوْرًا نُطْفَة وَطَوْرًا عَلَقَة إِلَى تَمَام خَلْق الْإِنْسَان وَالنَّظَر فِي خَلْقه يُوجِب الْإِيمَان بِخَالِقِهِ،

اور تمہاری مدد اَموال اور اولاد کے ذریعے فرمائے گا اور تمہارے لئے باغات اُگائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کر دے گا۔تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اِعتقاد اور معرفت نہیں رکھتے۔یعنی اللہ سے اپنے وقار کی امید نہیں رکھتے کہ تم ایمان لے آؤ۔حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح کی حالتوں سے پیدا فرمایا۔یہاں پر لفظ اطوار یہ طور کی جمع ہے۔اور وہ طورا حال ہے۔جو حالت نطفہ اور حالت علقہ سے انسان کی تخلیق مکمل ہونے تک کی حالت ہے۔لہٰذا جب انسان اپنی تخلیق میں غور وفکر کرے تو ایمان لانا اس پر واجب ہو کہ اس تخلیق کا خالق حق ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے قلتِ بارش کی شکایت کی، آپ نے استغفار کا حکم دیا، دوسرا آیا، اس نے تنگ دستی کی شکایت کی، اسے بھی یہی حکم فرمایا، پھر تیسرا آیا، اس نے قلتِ نسل کی شکایت کی، اس سے بھی یہی فرمایا، پھر چوتھا آیا، اس نے اپنی زمین کی قلتِ پیداوار کی شکایت کی، اس سے بھی یہی فرمایا، ربیع بن صبیح جو حاضر

تھے انھوں نے عرض کیا چند لوگ آئے قسم قسم کی حاجتیں انہوں نے پیش کیں، آپ نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ استغفار کرو تو آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نوح، لاہور)

اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝
وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمانی کرّے باہمی مطابقت کے ساتھ پیدا فرمائے۔
اور اس نے ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنا دیا۔

طباق سبعہ کی تخلیق سے دلیل قدرت کا بیان

"اَلَمْ تَرَوْا" تَنْظُرُوا "کَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا" بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ "وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ" أَیْ فِیْ مَجْمُوْعِهِنَّ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ الدُّنْیَا "نُوْرًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا" مِصْبَاحًا مُضِیْئًا وَهُوَ أَقْوَى مِنْ نُوْرِ الْقَمَرِ،

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمانی کرّے باہمی مطابقت کے ساتھ طبق در طبق پیدا فرمائے۔ یعنی وہ ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہیں۔ اور اس نے ان میں چاند کو نور بنایا یعنی چاند کو ان کے مجموعہ جو آسمان دنیا پر ہے نور بنایا ہے۔ اور سورج کو چراغ بنا دیا۔ یعنی روشنی والا اور سورج کا نور چاند کے نور سے زیادہ قوی ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت بطحاء کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بدلی گزری لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اس کا نام کیا ہے؟ عرض کیا جی ہاں یہ بادل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور مزن بھی۔ عرض کیا جی ہاں مزن بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور عنان بھی۔ عرض کیا جی ہاں عنان بھی پھر پوچھا کہ کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا نہیں اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان دونوں میں اکہتر، بہتر یا تہتر برس کا فرق ہے۔ پھر اس سے اوپر کا آسمان بھی اتنا ہی دور ہے اور اسی طرح ساتوں آسمان گنوائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ساتوں آسمان پر ایک سمندر ہے اس کے نچلے اور اوپر کے کناروں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا۔ اس کے اوپر آٹھ فرشتے ہیں جو پہاڑی بکروں کی طرح ہیں۔ ان کے کھروں اور ٹخنوں کا درمیانی فاصلہ بھی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا ہے اور ان کی پیٹھ پر عرش ہے اس کے نچلے اور اوپر کے کنارے کے درمیان بھی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ ہے اور اس کے اوپر اللہ ہے۔ عبد بن حمید، یحییٰ بن معین کا قول نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن سعد حج کے لئے کیوں نہیں جاتے تا کہ لوگ ان سے یہ حدیث سن سکیں۔ یہ حدیث حسن

غریب ہے۔ ولید بن ابی ثور بھی سماک سے اسی کی مانند حدیث نقل کرتے ہیں، یہ مرفوع ہے۔ شریک بھی سماک سے اس کا کچھ حصہ موقوفاً نقل کرتے ہیں۔ عبدالرحمٰن وہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن سعد رازی ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1270)

وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا۝ ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَ يُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا۝
اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی مانند اُگایا۔ پھر تم کو اسی میں لوٹا دے گا اور تم کو باہر نکالے گا۔

انسان کی تخلیق وموت وبعث کے برحق ہونے کا بیان

"وَاَللّٰه أَنۡبَتكُمۡ" خَلَقَكُمۡ "مِنۡ الۡأَرۡض" إذۡ خَلَقَ أَبَاكُمۡ آدَم مِنۡهَا "ثُمَّ يُعِيدكُمۡ فِيهَا" مَقۡبُورِينَ "وَيُخۡرِجكُمۡ" لِلۡبَعۡثِ،

اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی مانند اُگایا۔ یعنی پیدا کیا ہے۔ جب اس نے تمہیں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمائی ہے۔ پھر تم کو اسی زمین یعنی قبروں میں لوٹا دے گا اور پھر تم کو اسی سے دوبارہ باہر نکالے گا۔

یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو، جنہیں مٹی سے بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ یا اگر تمام انسانوں کو مخاطب سمجھا جائے، تو مطلب ہوگا کہ تم جس نطفے سے پیدا ہوتے ہو وہ اسی خوراک سے بنتا ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہے، اس اعتبار سے سب کی پیدائش کی اصل زمین ہی قرار پائی ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا۝ لِّتَسۡلُكُوۡا مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا۝
اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا۔ تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔

زمین کو بہ طور فرش اور وسیع راستے بنانے کا بیان

"وَاَللّٰه جَعَلَ لَكُمۡ الۡأَرۡض بِسَاطًا" مَبۡسُوطَة "لِتَسۡلُكُوا مِنۡهَا سُبُلًا" طُرُقًا "فِجَاجًا" وَاسِعَة،

اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا۔ یعنی اس کو بچھونا بنایا ہے تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔ جو وسیع راستے ہیں۔

یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کشادہ راستے بنا دیے ہیں تاکہ انسان آسانی کے ساتھ ایک دوسری جگہ، ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاسکے اس لیے یہ راستے بھی انسان کی کاروباری اور تمدنی ضرورت ہے جس کا انتظام کرکے اللہ نے انسانوں پر احسان عظیم کیا ہے۔

قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ عَصَوۡنِىۡ وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ يَزِدۡهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا۝
نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے

جس کے مال ودولت اور اولاد نے انہیں سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں بڑھایا۔

سرکش امراء کی اتباع کرنے والوں کے نقصان کا بیان

"قَالَ نُوح رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا" أَيْ السَّفَلَة وَالْفُقَرَاء "مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَاله وَوُلْده" وَهُمْ الرُّؤَسَاء الْمُنَعَّم عَلَيْهِمْ بِذَلِكَ وَوُلْد بِضَمِّ الْوَاو وَسُكُون اللَّام وَبِفَتْحِهِمَا وَالْأَوَّل قِيلَ جَمْع وَلَد بِفَتْحِهِمَا كَخُشْبٍ وَخَشَب وَقِيلَ بِمَعْنَاهُ كَبُخْلٍ وَبَخَل "إِلَّا خَسَارًا" طُغْيَانًا وَكُفْرًا،

نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کمزور وفقراء سرکش رؤساء کے طبقے کی پیروی کرتے رہے جس کے مال ودولت اور اولاد نے انہیں سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں بڑھایا۔ یہاں پر لفظ ولد یہ واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ اور اول کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے ولد کی جمع ہے۔ جو واؤ اور لام دونوں کی فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ جس طرح خشب اور خشب آیا ہے اور بخل اور بخل کی طرح بھی کہا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی گزشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری تعالیٰ میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جوان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگایا ہاں اپنے مالداروں اور بیفکروں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال واولاد کے پیچھے مست تھی، گوفی الواقع وہ مال واولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھی، کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور اللہ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے (ولدہ) کی دوسری قرأت (ولدہ) بھی ہے اور ان رئیسوں نے جو مال و جاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔ (کُبَّارٍ) اور (کِبَّار) دونوں معنی میں کبیر کے ہیں یعنی بہت بڑا۔ قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہیں کہیں گے کہ تم دن رات مکاری سے ہمیں کفر وشرک کا حکم کرتے رہے اور انہی بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہرگز نہ چھوڑنا۔

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا
سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۚ
اور وہ بڑی بڑی چالیں چلتے رہے۔ اور کہتے رہے کہ تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور وَدّ اور سُوَاع
اور یَغُوث اور یَعُوق اور نَسر کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

قوم نوح کا بت پرستی پر اڑے رہنے کا بیان

"وَمَكَرُوا" أَيْ الرُّؤَسَاء "مَكْرًا كُبَّارًا" عَظِيمًا جِدًّا بِأَنْ كَذَّبُوا نُوحًا وَآذَوْهُ وَمَنْ اتَّبَعَهُ، "وَقَالُوا" لِلسَّفَلَةِ "لَا تَذَرُونَّ آلِهَتكُمْ وَلَا تَذَرُونَّ وَدًّا" بِفَتْحِ الْوَاو وَضَمّهَا "وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوث وَيَعُوق وَنَسْرًا" هِيَ أَسْمَاء أَصْنَامهمْ،

اور (عوام کو گمراہی میں رکھنے کے لئے) وہ بڑی بڑی چالیں چلتے رہے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی اور آپ کو اور آپ کی اتباع کرنے والوں کا تکالیف دیں اور کہتے رہے کہ تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور وَدّ، یہاں پر لفظ وَدیہ واؤ فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور سُواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ یہ ان کے بتوں کے نام ہیں۔

امام بغوی نے نقل کیا ہے کہ یہ پانچوں دراصل اللہ کے نیک وصالح بندے تھے جو آدم علیہ السلام اور نوح کے درمیانی زمانے میں گزرے تھے ان کے بہت سے لوگ معتقد اور متبع تھے ان لوگوں نے ان کی وفات کے بعد بھی ایک عرصہ دراز تک انہیں کے نقش قدم پر عبادت اور اللہ کے احکام کی اطاعت جاری رکھی۔ کچھ عرصہ کے بعد شیطان نے ان کو سمجھایا کہ تم اپنے جن بزرگوں کے تابع عبادت کرتے ہو اگر ان کی تصویریں بنا کر سامنے رکھا کرو تو تمہاری عبادت بڑی مکمل ہو جائے گی خشوع وخضوع حاصل ہوگا۔ یہ لوگ اس فریب میں آ کے ان کے مجسمے بنا کر عبادت گاہ میں رکھنے اور ان کو دیکھ کر بزرگوں کی یاد تازہ ہو جانے سے ایک خاص کیفیت محسوس کرنے لگے یہاں تک کہ اسی حال میں یہ لوگ سب یکے بعد دیگرے مر گئے اور بالکل نئی نسل نے ان کی جگہ لے لی تو شیطان نے ان کو یہ پڑھایا کہ تمہارے بزرگوں کے خدا اور معبود بھی بت تھے وہ انہیں کی عبادت کیا کرتے تھے یہاں سے بت پرستی شروع ہوگئی اور ان پانچ بتوں کی عظمت ان کے دلوں میں چونکہ سب سے زیادہ بیٹھی ہوئی تھی اس لئے باہمی معاہدے میں ان کا نام خاص طور سے لیا گیا۔ (تفسیر بغوی، سورہ نوح، بیروت)

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ مِمَّا خَطِيْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا
فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝
اور واقعی انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، سو تو ظالموں کو سوائے گمراہی کے نہ بڑھا۔ وہ اپنے گناہوں کے سبب غرق
کر دیئے گئے، پھر آگ میں ڈال دیئے گئے، سو وہ اپنے لئے اللہ کے مقابل کسی کو مددگار نہ پا سکے۔

قوم نوح کا کثیر لوگوں کو گمراہ کرنے کا بیان

"وَقَدْ أَضَلُّوا" بِهَا "كَثِيرًا" مِنَ النَّاسِ بِأَنْ أَمَرُوهُمْ بِعِبَادَتِهِمْ "وَلَا تَزِدْ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا" عَطْفًا عَلَى قَدْ أَضَلُّوا دَعَا عَلَيْهِمْ لَمَّا أُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِن مِنْ قَوْمك إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ، "مِمَّا" مَا صِلَة "خَطِيئَاتِهِمْ" وَفِي قِرَاءَة خَطِيئَاتِهِمْ بِالْهَمْزِ "أُغْرِقُوا" بِالطُّوفَانِ "فَأُدْخِلُوا نَارًا" عُوقِبُوا بِهَا عَقِب الْإِغْرَاق تَحْت الْمَاء "فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُون" أَيْ غَيْر "اللَّه أَنْصَارًا" يَمْنَعُونَ عَنْهُمْ الْعَذَاب،

اور واقعی انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، یعنی وہ ان کا امر ان کی عبادت تھا۔ پس اے میرے رب! تو بھی ان ظالموں کو سوائے گمراہی کے کسی اور چیز میں نہ بڑھا۔ اس کا جملے کا عطف قد اضلوا پر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعائے ضرر اس وقت

کی تھی جب آپ کی طرف وحی کی گئی تھی کہ آپ کی قوم سے جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی اور ایمان نہ لائیں گے۔
بالآخر وہ اپنے گناہوں کے سبب طوفان میں غرق کر دیئے گئے، ایک قرأت میں خطیاتھم ہمزہ کے ساتھ آیا ہے۔ پھر آگ میں ڈال دیئے گئے، یعنی یہ سزا انہیں غرق ہونے کے ساتھ ہی تحت الماء دی گئی۔ سو وہ اپنے لئے اللہ کے مقابل کسی کو مددگار نہ پا سکے۔ جو انہیں عذاب سے بچاتے۔
یعنی یہ بت بہت سے لوگوں کے لئے گمراہی کا سبب ہوئے یا یہ معنی ہیں کہ روساءِ قوم نے بتوں کی عبادت کا حکم کر کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔
یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے جب انہیں وحی سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان لا چکے قوم میں انکے سوا اور لوگ ایمان لانے والے نہیں تب آپ نے یہ دعا کی۔

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ
يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝
اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ۔ بے شک
اگر تو انہیں چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے، اور وہ بدکار سخت کافر اولاد کے سوا کسی کو جنم نہیں دیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے فسق و فجور کے سبب دعائے ضرر کرنے کا بیان

"وَقَالَ نُوح رَبّ لَا تَذَر عَلَى الْأَرْض مِنْ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا" أَيْ نَازِل دَار وَالْمَعْنَى أَحَدًا، "إِنَّك إِنْ تَذَرهُمْ يُضِلُّوا عِبَادك وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا" مَنْ يَفْجُر وَيَكْفُر قَالَ ذَلِكَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ الْإِيحَاء إِلَيْهِ،

اور نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ۔ یعنی جو کوئی گھر میں رہنے والا ہے اس کو زندہ نہ چھوڑ۔ بے شک اگر تو انہیں زندہ چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے، اور وہ بدکار اور سخت کافر اولاد کے سوا کسی کو جنم نہیں دیں گے۔ یعنی جو فسق و کفر کرے گا۔ فرمایا کہ آپ نے یہ دعائے ضرر وحی آنے کے بعد کی تھی۔
اللہ اب تو ان ناشکروں میں سے ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ اور یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے غرق کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو باپ سے الگ رہا تھا وہ بھی نہ بچ سکا، سمجھا تو یہ تھا کہ پانی میرا کیا بگاڑ لے گا میں کسی بڑے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا لیکن وہ پانی تو نہ تھا وہ تو غضب الٰہی تھا، وہ تو بد دعائے نوح تھا اس سے بھلا کون بچا سکتا تھا؟ پانی نے اسے وہیں جا لیا اور اپنے باپ کے سامنے باتیں کرتے کرتے ڈوب گیا۔
ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر طوفان نوح میں اللہ تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت

تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پہاڑ پر چڑھ گئی جب پانی وہاں بھی آ گیا ہے تو بچے کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھالیا جب پانی وہاں پہنچا تو اس نے بچے کو سر پر اٹھالیا، جب پانی سر تک جا چڑھا تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند کر لیا لیکن آخر پانی وہاں تک جا پہنچا اور ماں بیٹا ڈوب گئے، اگر اس دن زمین کے کافروں میں سے کوئی بھی قابل رحم ہوتا تو یہ عورت تھی مگر یہ بھی نہ بچ سکی نہ ہی بیٹے کو بچا سکی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نوح، بیروت)

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا
وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ط وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا۝
اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہوا
اور مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو، اور ظالموں کے لئے سوائے ہلاکت کے کچھ زیادہ نہ فرما۔

اپنے والدین سے لیکر قیامت تک آنے والے اہل ایمان کیلئے دعائے بخشش مانگنے کا بیان

"رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ" وَكَانَا مُؤْمِنَيْنِ "وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي" مَنْزِلِي أَوْ مَسْجِدِي "مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَات" إلَى يَوْم الْقِيَامَة "وَلَا تَزِدْ الظَّالِمِينَ إلَّا تَبَارًا" هَلَاكًا فَأُهْلِكُوا،

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو جو اہل ایمان تھے۔ اور ہر اس شخص کو جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہوا یعنی میرے مکان یا میری مسجد میں داخل ہوا ہے۔ اور جملہ مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو جو قیامت تک آنے والے ہیں، اور ظالموں کے لئے سوائے ہلاکت کے کچھ بھی زیادہ نہ فرما۔ لہٰذا وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

صرف وہ باایمان ہستیاں باقی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں تھیں اور حضرت نوح نے انہیں اپنے ساتھ اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا، چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تلخ اور دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اپنی ناامیدی کو ظاہر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یاالٰہی میری چاہت ہے کہ ان تمام کفار کو برباد کر دیا جائے، ان میں سے جو بھی باقی بچ رہا وہ ہی دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا اور جو نسل اس کی پھیلے گی وہ بھی اسی جیسی بدکار اور کافر ہو گی، ساتھ ہی اپنے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں میرے رب، مجھے بخش میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں آ جائے اور ہو بھی وہ باایمان، گھر سے مراد مسجد بھی لی ہے لیکن عام مراد یہی ہے، مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن ہی کے ساتھ بیٹھو، رہو، سہو اور صرف پرہیزگار ہی تیرا کھانا کھائیں، یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔

امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف اسی اسناد سے یہ حدیث معروف ہے، پھر اپنی دعا کو عام کرتے ہیں اور کہتے ہیں تمام ایماندار مرد و عورت کو بھی بخش خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ اسی لئے مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی دعا میں دوسرے مومنوں کو بھی شامل رکھے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدار بھی ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نوح، بیروت)

سُوْرَۃُ الْجِنّ

یہ قرآن مجید کی سورت جن ہے

سورت جن کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃُ الْجِنّ (مَکِّیَّۃ وَ آیَاتُھَا ثَمَان وَعِشْرُوْنَ)

سورہ جن مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، اٹھائیس، آیات، دوسو پچاس کلمات، آٹھ سوستر حروف ہیں۔

سورت جن کی وجہ تسمیہ کا بیان

الجن اس سورت کا نام بھی ہے اوراس کے مضامین کا عنوان بھی، کیونکہ اس میں جنوں کے قرآن سن کر جانے اوراپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کرنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔لہٰذا اسی مناسب کے سبب یہ سورت الجن کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت الجن کے شان نزول کا بیان

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف ارادہ کر کے چلے اور (اس وقت) شیاطین کو آسمان کی خبریں لانے سے روک دیا گیا تھا اوران پر شعلے پھینکے جاتے تھے، پس شیاطین اپنی قوم کے پاس لوٹ آئے، قوم نے کہا تمہارا کیا حال ہے؟ اب کی مرتبہ کوئی خبر نہیں لائے، شیاطین نے کہا کہ ہمارے لئے آسمان تک جانا ممنوع کر دیا گیا اوراب ہمارے اوپر شعلے پھینکے جاتے ہیں،قوم نے کہا کہ تمہارے آسمان تک جانے کی رکاوٹ کی کوئی خاص ایسی نئی وجہ پیدا ہوئی ہے، جو حال ہی میں ظاہر ہوئی ہے،لہٰذا زمین کے مشرق اور مغرب کی تمام جوانب میں سفر کرو اور دیکھو وہ کیا چیز ہے، جس نے تمہارے اور آسمانی خبر کے درمیان رکاوٹ ڈال دی (چنانچہ وہ لوگ اس تلاش میں نکلے) تو جو لوگ ان میں سے تہامہ کی طرف آئے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ اس وقت مقام نخلہ میں سوق عکاظ جارہے تھے (چنانچہ جب یہ جنات وہاں پہنچے ہیں تو) آپ (اس وقت) اپنے اصحاب کے ہمراہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، جب ان جنوں نے قرآن کو سنا تو اس کو سنتے رہے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم یہی ہے جس نے تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان میں رکاوٹ ڈال دی، پس وہیں سے اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گئے، تو کہنے لگے کہ اے ہماری قوم (کے لوگو!) ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی راہ بتاتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور (اب) ہم ہرگز اپنے پروردگار کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیتیں نازل فرمائیں (قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا

سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا، الجن: 1) اور آپ پر جنوں کی گفتگو نقل کی گئی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 744)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ جنوں کو دیکھا اور نہ ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ عکاظ کے بازار جانے کے لئے نکلے تو شیطانوں اور وحی کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا اور ان پر شعلے برسنے لگے اس پر شیاطین اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگے ہم سے آسمان کی خبریں روک دی گئی ہیں اور شعلے برسائے جا رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کسی نئے حکم کی وجہ سے ہے لہٰذا تم لوگ مشرق و مغرب میں گھوم پھر کر دیکھو کہ وہ کیا چیز ہے۔ جس کی وجہ سے ہم سے خبریں روک دی گئی ہیں وہ نکلے جو لوگ تہامہ کی طرف جا رہے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نخلہ کے مقام پر پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے۔ کہ اس جگہ فجر کی نماز پڑھنے لگے۔ جب جنوں نے قرآن سنا تو کان لگا کر سننے لگے کہ اللہ کی قسم یہی چیز ہے جو تم لوگوں تک خبریں پہنچنے سے روک رہی ہے پھر وہ واپس اپنی قوم کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے اے قوم ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی (قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا، فرما دیں مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے۔ پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب کہ سمجھاتا ہے نیک راہ۔ سو ہم اس پر یقین لائے اور ہرگز نہ شریک بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو۔ الجن)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جنوں کا قول ہی نازل کر دیا۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1273)

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝
آپ فرما دیں: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے غور سے سنا، تو کہنے لگے:
بیشک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔

نماز فجر میں جنات کی جماعت کے قرآن سننے کا بیان

"قُلْ" يَا مُحَمَّد لِلنَّاسِ "أُوحِيَ إِلَيَّ" أَيْ أُخْبِرْت بِالْوَحْيِ مِنْ اللّٰه تَعَالَى "أَنَّهُ" الضَّمِير لِلشَّأْنِ "اسْتَمَعَ" لِقِرَاءَتِي "نَفَر مِنْ الْجِنّ" جِنّ نَصِيبِينَ وَذٰلِكَ فِي صَلَاة الصُّبْح بِبَطْنِ نَخْل مَوْضِع بَيْن مَكَّة وَالطَّائِف وَهُمْ الَّذِينَ ذُكِرُوا فِي قَوْله تَعَالَى "وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْك نَفَرًا مِنْ الْجِنّ" الْآيَة "فَقَالُوا" لِقَوْمِهِمْ لَمَّا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ "إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا" يُتَعَجَّب مِنْهُ فِي فَصَاحَته وَغَزَارَة مَعَانِيه وَغَيْر ذٰلِكَ،

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں سے فرما دیں: میری طرف وحی کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے خبر دی گئی

ہے یہاں پر لفظ انہ میں ضمیر شان ہے۔ کہ جنات کی ایک جماعت نے میری تلاوت کو غور سے سنا، اور وہ نصیبین جنات کی جماعت تھی اور یہ واقعہ نماز صبح میں پیش آیا جو وادی نخلہ میں پیش آیا تھا اور یہ وادی مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ اور یہ وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں آیا ہے "وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنّ " الْآيَة "تو جا کر اپنی قوم سے کہنے لگے: بیشک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ یعنی اس کی لفظی فصاحت اور معنوی بلاغت وغیرہ پر تعجب کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جن آسمان کی طرف چڑھا کرتے تھے کہ وحی کی باتیں سن سکیں چنانچہ ایک کلمہ سن کر نو بڑھا دیتے۔ لہٰذا جو بات سنی ہوتی وہ سچ ہو جاتی اور زیادہ کرتے تو جھوٹی ہو جاتی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کی بھینٹ چھن گئی انہوں نے ابلیس سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس سے پہلے انہیں تاروں سے بھی نہیں مارا جاتا تھا ابلیس کہنے لگا کہ یہ کسی نئے حادثے کی وجہ سے ہوا ہے۔

جو زمین پر واقع ہوا ہے پھر اس نے اپنے لشکر روانہ کئے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاید مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہوئے پایا۔ چنانچہ واپس آئے اور اس سے ملاقات کر کے بتایا۔ وہ کہنے لگے یہی نیا واقعہ ہے جو زمین پر ہوا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1275)

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا٥ وَ اَنَّهٗ تَعٰلٰى
جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا٥
جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔
اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، اس نے نہ کوئی بیوی بنا رکھی ہے اور نہ ہی کوئی اولاد۔

ایمان وحق کی جانب ہدایت دیئے جانے کا بیان

"يَهْدِي إلَى الرُّشْد" الْإِيمَان وَالصَّوَاب "فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِك" بَعْد الْيَوْم "وَأَنَّهُ" الضَّمِير لِلشَّأْنِ فِيهِ وَفِي الْمَوْضِعَيْنِ بَعْده "تَعَالَى جَدّ رَبّنَا" تَنَزَّهَ جَلَاله وَعَظَمَته عَمَّا نُسِبَ إلَيْهِ "مَا اتَّخَذَ صَاحِبَة" زَوْجَة،

جو ہدایت یعنی ایمان وحق کی راہ دکھاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور آج کے بعد اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یہاں پر بھی انہ میں ضمیر شان ہے۔ جو ان دونوں مقامات اور ان کے بعد ہے۔ اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وشان میں ان تمام چیزوں سے بلند وبالا ہے جن کی طرف مشرکین منسوب کرتے ہیں اس نے نہ کوئی بیوی بنا رکھی ہے اور نہ ہی کوئی اولاد۔

پھر یہ جنات اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ ہم رب کے کام قدرت والے اس کے احکام بہت بلند وبالا، بڑا ذیشان اور ذی

عزت ہے، اس کی نعمتیں، قدرتیں اور مخلوق پر مہربانیاں بہت باوقعت ہیں اس کی جلالت وعظمت بلند پایہ ہے اس کا جلال واکرام بڑھا چڑھا ہے اس کا ذکر بلند رتبہ ہے اس کی شان اعلیٰ ہے، ایک روایت میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ (جد) کہتے ہیں باپ کو۔ اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جد ہوتا ہے تو وہ اللہ کی نسبت یہ لفظ نہ کہتے، یہ قول گو سنداً قوی ہے لیکن کلام بنتا نہیں اور کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا ممکن ہے اس میں کچھ کلام چھوٹ گیا ہو واللہ اعلم، پھر اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اللہ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو، پھر کہتے ہیں کہ ہمارا بیوقوف یعنی شیطان اللہ پر جھوٹ تہمت رکھتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد اس سے عام ہو یعنی جو شخص اللہ کی اولاد اور بیوی ثابت کرتا ہے بے عقل ہے، جھوٹ بکتا ہے، باطل عقیدہ رکھتا ہے اور ظالمانہ بات منہ سے نکالتا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ ہم تو اسی خیال میں تھے کہ جن وانس اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے لیکن قرآن سن کر معلوم ہوا کہ یہ دونوں جماعتیں رب العالمین پر تہمت رکھتی تھیں دراصل اللہ کی ذات اس عیب سے پاک ہے، پھر کہتے ہیں کہ جنات کے زیادہ بہکنے کا سبب یہ ہوا کہ وہ دیکھتے تھے کہ انسان جب کبھی کسی جنگل یا ویرانے میں جاتے ہیں تو جنات کی پناہ طلب کیا کرتے ہیں، جیسے کہ جاہلیت کے زمانہ کے عرب کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اور سمجھتے تھے کہ ایسا کہہ لینے کے بعد تمام جنات کے شر سے ہم محفوظ ہو جاتے ہیں جس طرح کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے بڑے رئیس کی پناہ لے لیتے تاکہ شہر کے اور دشمن لوگ انہیں ایذاء نہ پہنچائیں، جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے اور بری طرح انسانوں کو ستانا شروع کیا اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ جنات نے یہ حالت دیکھ کر انسانوں کو اور خوف زدہ کرنا شروع کیا اور انہیں طرح طرح سے ستانے لگے۔

دراصل جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے جیسے کہ انسان جنوں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اس سے کہ ہمیں ہماری اولاد و مال کو کوئی ضرر نہ پہنچے اب جنوں نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرات بڑھ گئی اور اب طرح طرح سے ڈرانا ستانا اور چھیڑنا انہوں نے شروع کیا، وہ گناہ، خوف، طغیانی اور سرکشی میں اور بڑھ گئے۔ کردم بن ابوسائب انصاری کہتے ہیں میں اپنے والد کے ہمراہ مدینہ سے کسی کام کے لئے باہر نکلا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی اور مکہ شریف میں آپ بحیثیت پیغمبر ظاہر ہو چکے تھے رات کے وقت ہم ایک چرواہے کے پاس جنگل میں ٹھہر گئے آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری اٹھا کر لے بھاگا، چرواہا اس کے پیچھے دوڑا اور پکار کر کہنے لگا اے اس جنگل کے آباد رکھنے والے تیری پناہ میں آیا ہوا ایک شخص لٹ گیا ساتھ ہی ایک آواز آئی حالانکہ کوئی شخص نظر نہ آتا تھا کہ اے بھیڑیے اس بکری کو چھوڑ دے تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ وہی بکری بھاگی بھاگی آئی اور ریوڑ میں مل گئی اسے زخم بھی نہیں لگا تھا یہی بیان اس آیت میں ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں اتری کہ بعض لوگ جنات کی پناہ مانگا کرتے تھے، ممکن ہے کہ یہ بھیڑیا بن کر آنے والا بھی جن ہی ہو اور بکری کے بچے کو پکڑ کر لے گیا ہو اور چرواہے کی اس دہائی پر چھوڑ

دیا ہوتا کہ چرواہے کو اور پھر اس کی بات سن کر اوروں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ جنات کی پناہ میں آ جانے سے نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں اور پھر اس عقیدے کے باعث وہ اور گمراہ ہوں اور اللہ کے دین سے خارج ہو جائیں واللہ اعلم۔ یہ مسلمان جن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے جنو جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اسی خیال میں تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جن، بیروت)

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا۝ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۝
اور یہ کہ ہم میں سے کوئی اَحمق ہی اللہ کے بارے میں حق سے دور حد سے گزری ہوئی باتیں کہا کرتا تھا۔
اور یہ کہ ہم گمان کرتے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے۔

اللہ تعالیٰ پر بہتان میں غلو کرنے والے جہلاء کا بیان

"سَفِيهُنَا" جَاهِلُنَا "عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا" غَلَوًا فِي الْكَذِب بِوَصْفِهِ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَد "وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ" مُخَفَّفَة أَيْ أَنَّهُ "لَنْ تَقُول الْإِنْس وَالْجِنّ عَلَى اللّٰه كَذِبًا" بِوَصْفِهِ بِذَلِكَ حَتَّى تَبَيَّنَّا كَذِبهمْ بِذَلِكَ،

اور یہ کہ ہم میں سے کوئی اَحمق ہی اللہ کے بارے میں حق سے دور حد سے گزری ہوئی باتیں کہا کرتا تھا۔ یعنی وہ غلو کرتے ہوئے صاحب وولد کی جھوٹی صفت سے منسوب کرتا ہے۔ اور یہ کہ ہم گمان کرتے تھے، یہاں پر لفظ اَن مخففہ ہے۔ کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے۔ یہاں تک ان کا جھوٹ ہم پر واضح ہو گیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وانہ۔ اس کا عطف جملہ سابقہ وانہ تعالیٰ۔ الخ پر ہے واو حرف عطف۔ ان حرف مشبہ بفعل ہ ضمیر شان واسم ان باقی جملہ اس کی خبر۔ ہ ضمیر کا مرجع سفیہنا ہے کان یقول: ماضی استمراری صیغہ واحد مذکر غائب۔ سفیہنا مضاف مضاف الیہ۔ صیغہ سے مراد نادان ہے یا بقول قتادہ مجاہد۔ اس سے مراد ابلیس ہے اذ لیس فوقہ سفیہ کہ اس سے بڑھ کر کوئی نادان اور جاہل نہیں ہے۔

قاضی بیضاوی اور خازن نے بھی اس سے مراد ابلیس ہی لیا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد سرکش جنات ہیں اور سفیہنا کا ترجمہ ہوگا:۔ ہم میں سے کا جاہل و نادان۔ شططا۔ یہ مصدر ہے (باب نصر وضرب) اس کے اصل معنی افراط بعد کے ہیں۔ یعنی حد سے زیادہ دور ہونے کے ہیں اور چونکہ حد سے بڑھنا جور و ستم ہے اس لئے اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اسی لئے اس بات کو جو حق سے دور ہو شططا کہتے ہیں۔ اور جگہ قرآن پاک میں آیا ہے:۔

فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط تو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی سے کام نہ لیجئے گا۔ آیت ہذا کا ترجمہ ہوگا:۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض بے وقوف (ایسے بھی ہو گزرے) ہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور دور از حق باتیں بنایا کرتے

تھے (یعنی یہ کہ اللہ کے بیوی بچے ہیں)۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا۝

اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات میں سے بعض افراد کی پناہ لیتے تھے، سوان لوگوں نے ان جنات کی سرکشی اور بڑھادی۔

انسانوں کا جنات سے پناہ طلب کرنے کا بیان

"وَاَنَّهُ كَانَ رِجَال مِنَ الْإِنْس يَعُوذُونَ" يَسْتَعِيذُونَ "بِرِجَالٍ مِنْ الْجِنّ" حِين يَنْزِلُونَ فِي سَفَرهمْ بِمَخُوفٍ فَيَقُول كُلّ رَجُل أَعُوذ بِسَيِّدِ هَذَا الْمَكَان مِنْ شَرّ سُفَهَائِهِ "فَزَادُوهُمْ" بِعَوْذِهِمْ بِهِمْ "رَهَقًا" فَقَالُوا سُدْنَا الْجِنّ وَالْإِنْس،

اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات میں سے بعض افراد کی پناہ لیتے تھے، یعنی جب وہ اپنے سفر میں خوفناک مقام پر ٹھہرتے تو ان میں سے ہر ایک شخص یوں کہتا کہ اس جگہ کے سردار جن کی پناہ میں آتا ہوں جو مجھے بے وقوف جنوں سے بچائے۔ سو ان لوگوں نے ان جنات کی سرکشی اور بڑھادی۔ تو ان جنات نے کہا کہ ہم جن وانس پر سردار ہو گئے ہیں۔

حضرت رافع بن عمیر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا بیان

حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ رافع بن عمیر صحابی نے اپنے اسلام قبول کرنے کا ایک واقعہ یہ بتلایا ہے کہ میں ایک رات ایک ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا میں اپنی اونٹنی سے اترا اور سو گیا اور سونے سے پہلے میں نے اپنی قوم کی عادت کے مطابق یہ الفاظ کہہ لئے ان اعوذ بعظیم هذا الوادی من الجن یعنی میں پناہ لیتا ہوں اس جنگل کے جنات کے سردار کی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ہے اس کو وہ میری ناقہ کے سینہ پر رکھنا چاہتا ہے، میں گھبرا کر اٹھا اور دائیں بائیں کچھ نہ پایا تو میں نے دل میں کہا کہ یہ شیطانی خیال ہے۔ خواب اصلی نہیں اور پھر سو گیا اور بالکل غافل ہو گیا۔ تو پھر وہی خواب دیکھا پھر میں اٹھا اور اپنی ناقہ کے چاروں طرف پھرا کچھ نہ پایا مگر ناقہ کو دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے۔ میں پھر جا کر اپنی جگہ سو گیا تو پھر وہی خواب دیکھا میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ میری ناقہ تڑپ رہی ہے اور پھر دیکھا ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں حربہ ہے یہ وہی شخص تھا جس کو خواب میں ناقہ پر حملہ کرتے دیکھا تھا اور ساتھ ہی یہ دیکھا کہ ایک بوڑھے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے جو ناقہ پر حملہ کرنے سے اس کو روک رہا ہے۔ اسی عرصہ میں تین گورخر سامنے آئے تو بوڑھے نے اس نوجوان سے کہا ان تینوں میں سے جس کو تو پسند کرے وہ لے لے اور اس انسان کے ناقہ کو چھوڑ دے۔ وہ جوان ایک گورخر لے کر رخصت ہو گیا پھر اس بوڑھے نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے بے وقوف جب تو کسی جنگل میں ٹھہرے اور وہاں کے جنات وشیاطین سے خطرہ ہو تو یہ کہا کہ اعوذ باللہ رب محمد من ھول ھذا الوادی یعنی میں پناہ پکڑتا ہوں رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جنگل کے خوف اور شر سے اور کسی جن سے پناہ نہ مانگا کر۔ کیونکہ وہ زمانہ چلا گیا جب انسان جنوں کی پناہ لیتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اس نے کہا

کہ یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، نہ شرقی نہ غربی، پیر کے روز یہ مبعوث ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہاں کہاں رہتے ہیں، اس نے بتلایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں جو کھجوروں کی بستی ہے۔ میں نے صبح ہوتے ہی مدینہ کا راستہ لیا اور سواری کو تیز چلایا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو میرا سارا واقعہ مجھے سنا دیا اس سے پہلے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ذکر کروں اور مجھے اسلام کی دعوت دی میں مسلمان ہوگیا۔ سعید بن جبیر اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک اسی معاملہ کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ جن، لاہور)

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا۝ وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ
فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا۝
اور وہ انسان بھی ایسا ہی گمان کرنے لگے جیسا گمان تم نے کیا کہ اللہ ہرگز کسی کو نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ ہم نے
آسمانوں کو چھوا، اور انہیں سخت پہرہ داروں اور جلنے اور چمکنے والے ستاروں سے بھرا ہوا پایا۔

شہاب ثاقب وملائکہ سے حفاظت کا بیان

"وَأَنَّهُمْ" أَيِ الْجِنّ "ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ" يَا إِنْس "أَنْ" مُخَفَّفَة مِنَ الثَّقِيلَة أَيْ أَنَّهُ "لَنْ يَبْعَث اللَّه أَحَدًا" بَعْد مَوْته، قَالَ الْجِنّ "وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاء" رُمْنَا اسْتِرَاق السَّمْع "فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا" مِنَ الْمَلَائِكَة "شَدِيدًا وَشُهُبًا" نُجُومًا مُحَرِّقَة وَذَلِكَ لَمَّا بَعَثَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور اے انسانو! وہ جنات بھی ایسا ہی گمان کرنے لگے جیسا گمان تم نے کیا، یہاں پر لفظ اَن یہ مخففہ عن ثقیلہ ہے۔ یعنی اَنہ ہے کہ اللہ مرنے کے بعد ہرگز کسی کو نہیں اٹھائے گا۔ اور جنات نے کہا کہ ہم نے آسمانوں کو چھوا، یعنی چوری چھپے سننے کیلئے آسمان کا ارادہ کیا۔ اور انہیں سخت پہرہ داروں اور انگاروں کی طرح جلنے اور چمکنے والے ستاروں اور فرشتوں سے بھرا ہوا پایا۔ یہ اس وقت ہوا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

مسلمان جن یہ سب گفتگو اپنی قوم سے کر رہے ہیں۔ یعنی جیسا تمہارا خیال ہے، بہت آدمیوں کا بھی یہی خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو ہرگز قبروں سے نہ اٹھائے گا۔ یا آئندہ کوئی پیغمبر مبعوث نہ کرے گا۔ جو رسول پہلے ہو چکے سو ہو چکے۔ اب قرآن سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو لوگوں کو بتلاتا ہے کہ تم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا۝
وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۝

اور یہ کہ ہم اس کے بعض مقامات میں بیٹھا کرتے تھے، مگر اب کوئی سننا چاہے تو وہ اپنی تاک میں آگ کا شعلہ پائے گا۔
اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ ان لوگوں کے حق میں جو زمین میں ہیں کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب
نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔

جنات کا آسمانی خبروں کو چوری چھپے سننے کا بیان

"وَأَنَّا كُنَّا" أَيْ قَبْل مَبْعَثه "نَـقْعُد مِنْهَا مَقَاعِد لِلسَّمْعِ" أَيْ نَسْتَمِع "فَمَنْ يَسْتَمِع الْآن يَجِد لَهُ شِهَابًا رَصَدًا" أُرْصِدَ لَهُ لِيُرْمَى بِهِ،

"وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرّ أُرِيدَ" بَعْد اسْتِرَاق السَّمْع "بِمَنْ فِي الْأَرْض أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبّهمْ رَشَدًا" خَيْرًا،

اور یہ کہ ہم پہلے آسمانی خبریں سننے کے لئے اس کے بعض مقامات میں بیٹھا کرتے تھے، مگر اب کوئی سننا چاہے تو وہ اپنی تاک میں آگ کا شعلہ منتظر پائے گا۔ تاکہ وہ اس کو مارے۔ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ ہماری بندش سے جو چوری کے بعد ہوئی ہے ان لوگوں کے حق میں جو زمین میں ہیں کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جنات کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں پر جاتے کسی جگہ بیٹھتے اور کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سنتے اور پھر آ کر کاہنوں کو خبر دیتے تھے اور کاہن ان باتوں کو بہت کچھ نمک مرچ لگا کر اپنے ماننے والوں سے کہتے، اب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور آپ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو آسمان پر زبردست پہرے بٹھا دیئے گئے اور ان شیاطین کو پہلے کی طرح وہاں جا بیٹھنے اور باتیں اڑا لانے کا موقعہ نہ رہا، تاکہ قرآن کریم اور کاہنوں کا کلام خلط ملط نہ ہو جائے اور حق کے متلاشی کو دقت واقع نہ ہو۔ یہ مسلمان جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم آسمان پر جا بیٹھتے تھے مگر اب تو سخت پہرے لگے ہوئے ہیں اور آگ کے شعلے تاک لگائے ہوئے ہیں ایسے چھوٹ کر آتے ہیں کہ خطا ہی نہیں کرتے جلا کر بھسم کر دیتے ہیں، اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے حقیقی مراد کیا ہے؟ اہل زمین کی کوئی برائی چاہی گئی ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب کا ارادہ نیکی اور بھلائی کا ہے، خیال کیجئے کہ یہ مسلمان جن کس قدر ادب داں تھے کہ برائی کی اسناد کے لئے کسی فاعل کا ذکر نہیں کیا اور بھلائی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ دراصل آسمان کی اس نگرانی اس حفاظت سے کیا مطلب ہے، اسے ہم نہیں جانتے۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ الٰہی تیری طرف سے شر اور برائی نہیں، ستارے اس سے پہلے بھی کبھی کبھی جھڑتے تھے لیکن اس طرح کثرت سے ان کا آگ برسانا قرآن کریم کی حفاظت و صیانت کے باعث ہوا تھا۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں ایک ستارہ ٹوٹا اور بڑی روشنی

ہوگئی تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ پہلے اسے جھڑتا دیکھ کر تم کیا کہا کرتے تھے؟ ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا خیال تھا کہ یا تو یہ کسی بڑے آدمی کے تولد پر ٹوٹتا ہے یا کسی بڑے کی موت پر، آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب کبھی کسی کام کا آسمان پر فیصلہ کرتا ہے، الخ۔ یہ حدیث پورے طور پر سباء کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ دراصل ستاروں کا بکثرت گرنا، جنات کا ان سے ہلاک ہونا، آسمان کی حفاظت کا بڑھ جانا، ان کا آسمان کی خبروں سے محروم ہو جانا ہی اس امر کا باعث بنا کر یہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے چاروں طرف تلاش کر دی کہ کیا وجہ ہوئی کہ ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کا گذر عرب میں ہوا اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور سمجھ گئے کہ اس نبی کی بعثت اور اس کلام کا نزول ہی ہماری بندش کا سبب ہے، پس خوش نصیب سمجھدار جن تو مسلمان ہو گئے، باقی جنات کو ایمان نصیب نہ ہوا، سورہ احقاف کی آیت (وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ،الأحقاف:29) میں اس کا پورا بیان گذر چکا ہے، ستاروں کا ٹوٹنا آسمان کا محفوظ ہو جانا جنات ہی کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کے لئے بھی ایک خوفناک علامت تھی، وہ گھبرا رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور عموماً انبیاء کی تشریف آوری اور دین اللہ کے اظہار کے وقت ایسا ہوتا بھی تھا۔

حضرت سدی فرماتے ہیں کہ شیاطین اس سے پہلے آسمانی بیٹھوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں اڑا لایا کرتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے انہوں نے دیکھا کہ تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں، شعلے اڑ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں انہوں نے اپنے غلام آزاد کرنے، اپنے جانور راہ اللہ چھوڑنے شروع کر دیئے آخر عبد یا لیل بن عمرہ بن عمیر نے ان سے کہا کہ اے طائف والو تم کیوں اپنے مال برباد کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ انتظامات صرف ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے) اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں تو بیشک اہل آسمان کو ہلاک شدہ مان لو، انہوں نے سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا انقلاب سبب مکہ میں ہے، سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھا رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جس سن کر ان کے دل نرم ہو گئے بہت ہی قریب ہو کر قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جن، بیروت)

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝

اور یہ کہ بے شک ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور ہم میں کچھ اس کے علاوہ ہیں، ہم مختلف گروہ چلے آئے ہیں۔

جنات میں اہل ایمان و کفار ہونے کا بیان

"وَّاَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ" بَعْد اسْتِمَاع الْقُرْآن "وَمِنَّا دُون ذَلِكَ" أَيْ قَوْم غَيْر صَالِحِينَ "كُنَّا

طَرَائِقَ قِدَدًا" فِرَقًا مُخْتَلِفِينَ مُسْلِمِينَ وَكَافِرِينَ،

اور یہ کہ قرآن مجید کو سننے کے بعد بے شک ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور ہم میں کچھ اس کے علاوہ ہیں، ہم مختلف گروہ چلے آئے ہیں۔ بعض مسلمان ہیں اور بعض کفار ہیں۔

جنات میں بھی کافر اور مسلمان موجود ہیں

جنات اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نیک بھی ہیں اور بد بھی ہیں ہم مختلف راہوں پر لگے ہوئے تھے۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا کرتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کونسا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول۔ میں نے لاکر دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ میں نے پوچھا جو خواہشات ہم میں ہیں کیا تم بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں، میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ کہا بدترین۔

حافظ ابوالحجاج مزنی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، ابن عساکر میں ہے حضرت عباس بن احمد دمشقی فرماتے ہیں میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ دل اللہ کی محبت سے لبریز ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں اور اللہ کی محبت میں حیران و پریشان ادھر ادھر پھر رہے ہیں اور انہوں نے مخلوق سے تعلقات کاٹ کر اپنے تعلقات اللہ سے وابستہ کر لئے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں ہمیں معلوم ہو چکا کہ اللہ کی قدرت ہم پر حاکم ہے ہم اس سے نہ بھاگ کر بچ سکیں نہ کسی اور طرح اسے عاجز کر سکیں۔ اب فخر یہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت نامے کو سنتے ہیں اس پر ایمان لا چکے، فی الواقع ہے بھی یہ فخر کا مقام۔ اس سے زیادہ شرف اور فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رب کا کلام فوری اثر کرے، پھر کہتے ہیں مومن کے نہ تو عمل نیک ضائع ہوں نہ اس پر خواہ مخواہ کی برائیاں لادی جائیں، جیسے اور جگہ ہے آیت (فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ، طٰہٰ:112) یعنی نیک مومن کو ظلم و نقصان کا ڈر نہیں۔ پھر کہتے ہیں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ مسلمان تو نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جن، بیروت)

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًاo
اور ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم اللہ کو ہر گز زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں۔

جنات کا قدرت الٰہی سے نہ بچ سکنے کا بیان

"وَاَنَّا ظَنَنَّا أَنْ" مُخَفَّفَة مِنَ الثَّقِيلَة أَيْ أَنَّهُ "لَنْ نُعْجِز اللّٰه فِي الْأَرْض وَلَنْ نَعْجِزهُ هَرَبًا" لَا نَفُوتهُ كَائِنِينَ فِي الْأَرْض أَوْ هَارِبِينَ مِنْهَا فِي السَّمَاء،

اور ہم نے یقین کر لیا ہے، یہاں لفظ اَنْ یہ مخففہ عن ثقیلہ ہے یعنی اَنّہ ہے۔ کہ ہم اللہ کو ہر گز زمین میں رہ کر عاجز نہیں کر سکتے اور

نہ ہی زمین سے بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں۔ یا نہ ہی آسمان میں بھاگ کر عاجز کر سکتے ہیں۔
یعنی اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر، نہ ادھر اُدھر بھاگ کر، یا ہوا میں اڑ کر۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْ ۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝
اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت کو سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے، پھر جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے
تو وہ نہ نقصان ہی سے خوف زدہ ہوتا ہے اور نہ ظلم سے۔

نیکیوں میں کمی اور گناہوں میں زیادتی نہ ہونے کا بیان

"وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى" اَلْقُرْآن "آمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ" بِتَقْدِيْرِ هُوَ "بَخْسًا" نَقْصًا مِنْ حَسَنَاتِه "وَلَا رَهَقًا" ظُلْمًا بِالزِّيَادَةِ فِي سَيِّئَاتِه،

اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت یعنی قرآن کو سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے، پھر جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو وہ نیکیوں کے نہ نقصان سے خوف زدہ ہوتا ہے اور نہ ہی ظلم سے۔ یعنی اس گناہوں میں زیادتی نہ ہوگی۔

یعنی ہمارے لیے فخر کا موقع ہے کہ جنوں میں سب سے پہلے ہم نے قرآن سن کر بلا توقف قبول کیا اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی۔

یعنی سچے ایماندار کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائیگاں چلی جائے۔ نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سر تھوپ دیے جائیں، غرض وہ نقصان، تکلیف اور ذلت ورسوائی سب سے مامون ومحفوظ ہے۔

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝
اور یہ کہ بے شک ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور ہم میں سے کچھ ظالم ہیں، پھر جو فرماں بردار ہو گیا
تو وہی ہیں جنھوں نے سیدھے راستے کا قصد کیا۔

جنات میں بعض مسلمان اور بعض قاسطین ہونے کا بیان

"وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ": اَلْجَائِرُوْنَ بِكُفْرِهِمْ "فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا" قَصَدُوْا هِدَايَةً،

اور یہ کہ بے شک ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور ہم میں سے بعض کفر کی وجہ سے ظالم ہیں، پھر جو فرماں بردار ہو گیا تو وہی ہیں جنھوں نے سیدھے راستے کا قصد کیا۔ یعنی جنہوں نے ہدایت کا ارادہ کیا۔

تَحَرَّوْا ۔ اَحریٰ بمعنی لائق تر اور تَحَرِّیْ بمعنی زیادہ مناسب اور لائق تر چیز کو طلب کرنا۔ دو چیزوں میں سے زیادہ بہتر کو طلب کرنا۔ یعنی ایمان لانے والے جن اپنی قوم میں واپس آ کر انہیں سمجھا رہے ہیں کہ بلاشبہ ہم میں سے کچھ فرمانبردار ہیں اور کچھ نافرمان اور بے راہ رو بھی ہیں۔ اور حق بات یہی ہے کہ جو لوگ اسلام لے آئے انہوں نے عقلمندی کی۔ ہدایت کی راہ کو پسند کر لینا ہی ان کے بہتر انتخاب کی دلیل ہے۔ کیونکہ جو لوگ اس سیدھی راہ کے علاوہ کوئی اور راہیں اختیار کریں گے وہ گھاٹے میں ہی رہیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے "اس مقام پر جنوں کی وہ تقریر یا وعظ و نصیحت ختم ہو جاتی ہے جو انہوں نے ایمان لانے کے بعد واپس آ کر اپنے بھائی بندوں کو کی۔ چنانچہ بہت سے جن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے پھر اس واقعہ کے بعد متعدد بار جن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝
اور جو ظالم ہیں تو وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ اور یہ کہ اگر وہ طریقت پر قائم رہتے تو ہم انہیں بہت سے پانی کے ساتھ سیراب کرتے۔

کفار جنات کا جہنم کیلئے ایندھن ہونے کا بیان

"وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّم حَطَبًا" وَقُودًا وَأَنَّا وَأَنَّهُمْ وَأَنَّهُ فِي اثْنَيْ عَشَر مَوْضِعًا هِيَ وَأَنَّهُ تَعَالَى وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمَا بَيْنهمَا بِكَسْرِ الْهَمْزَة اسْتِئْنَافًا وَبِفَتْحِهَا بِمَا يُوَجَّه بِهِ، "وَأَنْ" مُخَفَّفَة مِنَ الثَّقِيلَة وَاسْمهَا مَحْذُوف أَيْ وَأَنَّهُمْ وَهُوَ مَعْطُوف عَلَى أَنَّهُ اسْتَمَعَ "لَوْ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَة" أَيْ طَرِيقَة الْإِسْلَام "لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاء غَدَقًا" كَثِيرًا مِنَ السَّمَاء وَذَلِكَ بَعْدَمَا رُفِعَ الْمَطَر عَنْهُمْ سَبْع سِنِينَ،

اور جو ظالم ہیں تو وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ یہاں پر لفظ أنا اور انہم اور أنه یہ کل بارہ مقامات ہیں۔ اور أنه تعالی ہے۔ اور أنا منا مسلمون ہے اور ان کے درمیان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ بہ طور نیا جملہ ہے۔ اور فتحہ کے ساتھ بہ طور تاویل بھی آیا ہے۔ اور أن مخففہ عن ثقیلہ ہے۔ اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی ای انہم ہے اور اس کا عطف أنه استمع پر ہے۔ اور یہ کہ اگر وہ طریقت یعنی طریقہ اسلام پر قائم رہتے تو ہم انہیں بہت سے پانی کے ساتھ سیراب کرتے۔ یعنی آسمان سے کثیر پانی سے سیراب کرتے۔ اور یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد سات سال تک اہل مکہ سے بارش روک لی گئی۔

یعنی نزول قرآن کے بعد ہم میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے اللہ کا پیغام سن کر قبول کیا اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دی۔ یہی ہیں جو تلاشِ حق میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنی تحقیق و تفحص سے نیکی کے راستہ پر پہنچ گئے۔ دوسرا گروہ بے انصافوں کا ہے جو کجروی و بے انصافی کی راہ سے اپنے پروردگار کے احکام کو جھٹلاتا اور اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو جہنم کا کندا اور دوزخ کا ایندھن کہنا چاہیے۔

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝
تا کہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں، اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیر لے گا
تو وہ اسے نہایت سخت عذاب میں داخل کر دے گا۔

قرآن سے اعراض کرنے والے کیلئے سخت عذاب ہونے کا بیان

"لِنَفْتِنَهُمْ" لِنَخْتَبِرَهُمْ "فِيهِ" فَنَعْلَم كَيْفَ شُكْرهمْ عِلْم ظُهُور "وَمَنْ يُعْرِض عَنْ ذِكْر رَبّه" الْقُرْآن "يَسْلُكهُ" بِالنُّونِ وَالْيَاء نُدْخِلهُ "عَذَابًا صَعَدًا" شَاقًّا،

تا کہ ہم اس نعمت میں ان کی آزمائش کریں، تا کہ ہم آزمائیں کہ ظہور علم کے بعد ان کا شکر کیسا ہے۔ اور جو شخص اپنے رب کے ذکر یعنی قرآن سے منہ پھیر لے گا تو وہ اسے نہایت سخت عذاب میں داخل کر دے گا۔ یہاں پر لفظ یسلکہ یہ نون اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔

یعنی اگر جن وانس حق کی سیدھی راہ پر چلتے تو ہم ان کو ایمان وطاعت کی بدولت ظاہری وباطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہوتی کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر بجالاتے اور طاعت میں مزید ترقی کرتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت مکہ والوں کے ظلم وشرارت کی سزا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے کئی سال کا قحط پڑا تھا۔ لوگ خشک سالی سے پریشان ہو رہے تھے۔ اس لیے متنبہ فرمادیا کہ اگر سب لوگ ظلم وشرارت سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چلیں جیسے مسلمان جنوں نے طریقہ اختیار کیا ہے تو قحط دور ہو اور باران رحمت سے ملک سرسبز وشاداب کر دیا جائے۔

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝
اور یہ کہ سجدہ گاہیں اللہ کے لئے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کی پرستش مت کیا کرو۔

مقام عبادات کو شرک سے محفوظ رکھنے کا بیان

"وَأَنَّ الْمَسَاجِد" مَوَاضِع الصَّلَاة "لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوَا" فِيهَا "مَعَ اللَّه أَحَدًا" بِأَنْ تُشْرِكُوا كَمَا كَانَتْ الْيَهُود وَالنَّصَارَى إِذَا دَخَلُوا كَنَائِسهمْ وَبِيَعَهُمْ أَشْرَكُوا،

اور یہ کہ سجدہ گاہیں یعنی نماز کی جگہیں اللہ کے لئے مخصوص ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کی پرستش مت کیا کرو۔ یعنی اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ جس طرح یہود ونصاریٰ کرتے ہیں جب وہ اپنے کنیسوں اور عبادتگاہوں میں داخل ہو کر شرک کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اپنے گرجوں اور کنیسوں میں جا کر اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے تو اس امت کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ نبی بھی اور امت بھی سب توحید والے رہیں، حضرت ابن عباس فرماتے

ہیں اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ تھی اور مسجد حرام، حضرت اعمش نے اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جنات نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ آپ کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں، گویا ان سے کہا جارہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں جنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں نمازوں میں آپ کی مسجد میں کیسے پہنچ سکیں گے؟ تو انہیں کہا جاتا ہے کہ مقصود نماز کا ادا کرنا اور صرف اللہ ہی کی عبادت بجا لانا ہے خواہ کہیں ہو، حضرت عکرمہ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے اس میں سبھی مساجد شامل ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعضاء سجدہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی جن اعضاء پر تم سجدہ کرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے ہیں پس تم پر ان اعضاء سے دوسرے کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے، پیشانی اور ہاتھ کے اشارے سے ناک کو بھی اس میں شامل کر لیا اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے۔ آیت (لما قام) کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنات نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تلاوت قرآن سنی تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر عقیدت کا اظہار کرنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنات اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی اطاعت وچاہت کی حالت یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور اصحاب پیچھے ہوتے ہیں تو برابر اطاعت واقتداء میں آخر تک مشغول رہتے ہیں گویا ایک حلقہ ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توحید کا اعلان لوگوں میں کرتے ہیں تو کافر لوگ دانت چبا چبا کر الجھ جاتے ہیں، جنات وانسان مل جاتے ہیں کہ اس امر دین کو مٹا دیں اور اس کی روشنی کو چھپالیں مگر اللہ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جن، بیروت)

وَ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؁
اور یہ کہ جب اللہ کے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی عبادت کرنے کھڑے ہوئے تو وہ ان پر ہجوم در ہجوم جمع ہو گئے۔

جنات کا وادی نخلہ میں قرآن مجید کو سننے کا بیان

"وَاَنَّهٗ" بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ اسْتِئْنَافًا وَالضَّمِيرِ لِلشَّأْنِ "لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ" مُحَمَّدُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَدْعُوْهُ" يَعْبُدُهُ بِبَطْنِ نَخْلٍ "كَادُوْا" أَيِ الْجِنُّ الْمُسْتَمِعُوْنَ لِقِرَاءَتِهِ "يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا" بِكَسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا جَمْعُ لُبْدَةٍ كَاللُّبَدِ فِي رُكُوبِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا ازْدِحَامًا حِرْصًا عَلَى سَمَاعِ الْقُرْآنِ،

یہاں پر لفظ انہ یہ فتحہ کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ بھی بہ طور استیناف آیا ہے اور ضمیر شان ہے۔ اور یہ کہ جب اللہ کے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی عبادت کرنے کیلئے وادی نخلہ میں کھڑے ہوئے تو وہ جنات ان پر ہجوم در ہجوم جمع ہو گئے تا کہ ان کی قرات سن سکیں۔ یہاں پر لفظ لبدا یہ لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے جو لبدہ کی جمع ہے جس طرح نمدہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو سننے کی حرص میں کثرت ہجوم کے سبب بھیڑ کر چڑھنے لگے۔

سورت جن آیت ۱۹ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے منقول ہے کہ یہ بھی جنوں کا ہی قول تھا (وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا، اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اس پر ٹھٹھ)۔ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی پڑھنے لگے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کرتے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی سجدہ کرتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع کرتے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی رکوع کرتے۔ تو ان لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اطاعت پر تعجب ہوا اور اپنی قوم سے کہنے لگے لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا الآیۃ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1274)

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِہٖٓ اَحَدًا٥
آپ فرمادیں کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔

شرک سے بیزاری کے اظہار کا بیان

"قَالَ" مُجِیبًا لِلْکُفَّارِ فِی قَوْلهمْ ارْجِعْ عَمَّا أَنْتَ فِیهِ وَفِی قِرَاءَة قُلْ "إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّی" إلَهًا،

آپ کفار کے جواب میں ارشاد فرمادیں کیونکہ انہوں نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے دین سے پلٹ آئیں۔ ان سے فرمادیں کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔ یہاں پر ایک قرأت کے مطابق لفظ قال کی بہ جائے قل آیا ہے۔

یعنی کفار سے کہہ دیجیے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو، کون سی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات تو نہیں کہتا۔ صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا۔ تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کون سی بات ہے اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کی شرکت سے پاک اور بےنیاز ہے۔

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا٥ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ
اَحَدٌ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا٥
آپ فرمادیں کہ میں تمہارے لئے نہ تو نقصان کا مالک ہوں اور نہ بھلائی کا۔ آپ فرمادیں کہ نہ مجھے ہرگز کوئی اللہ کے
عذاب سے پناہ دے سکتا ہے اور نہ ہی میں قطعاً اس کے سوا کوئی جائے پناہ پاتا ہوں۔

حقیقی نفع ونقصان کی ملکیت کا بیان

"قُلْ اِنِّی لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا" غَيًّا "وَلَا رَشَدًا" خَيْرًا "قُلْ اِنِّی لَنْ يُجِيرَنِی مِنَ اللّٰه" مِنْ عَذَابه اِنْ عَصَيْته "اَحَد وَلَنْ اَجِد مِنْ دُونه" اَیْ غَيْره "مُلْتَحَدًا" مُلْتَجَأ

آپ فرمادیں کہ میں تمہارے لئے نہ تو نقصان یعنی کفر کا مالک ہوں اور نہ بھلائی یعنی ہدایت کا (گویا حقیقی مالک اللہ ہے میں تو ذریعہ اور وسیلہ ہوں)۔آپ فرمادیں کہ نہ مجھے ہرگز کوئی اللہ کے (اَمر کے خلاف) عذاب سے پناہ دے سکتا ہے اور نہ ہی میں قطعاً اس کے سوا کوئی جائے پناہ پاتا ہوں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لن یجیر نی:لن یجیر مضارع منفی تاکید بلن (منصوب) صیغہ واحد مذکر غائب۔اجارۃ (افعال) مصدر۔ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم۔کوئی مجھے ہرگز نہ بچا سکے گا۔

ولن اجد۔واو عاطفہ لن اجد مضارع منفی تاکید بلن (منصوب) وجود (باب ضرب) مصدر۔اور نہ ہی میں ہرگز پاسکوں گا۔من دونہ:من حرف جار۔دونہ مضاف مضاف الیہ۔مل کر مجرور۔اس کے سوا۔ملتحدا:اسم ظرف مکان بروزن مفعول التحاد (افتعال) مصدر۔پناہ کی جگہ۔یا مصدر میمی ہے باب افتعال سے بمعنی پناہ۔جملہ میں ان عصیتہ مقدرہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے اس کی (اللہ کی) نافرمانی کی تو میں اس کے سا ہرگز پناہ نہ پاسکوں گا۔لحد ولحد زمین کے اندر بغلی گڑھا (جو قبر میں کھودا جاتا ہے)۔

اِلَّا بَلٰـغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝
مگر اللہ کی جانب سے اَحکامات اور اس کے پیغامات کا پہنچانا،اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کی نافرمانی کرے۔تو بیشک اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والوں کیلئے دائمی عذاب کا بیان

"اِلَّا بَلَاغًا" اسْتِثْنَاء مِنْ مَفْعُول اَمْلِك اَیْ لَا اَمْلِك لَكُمْ اِلَّا الْبَلَاغ اِلَيْكُمْ "مِنَ اللّٰه" اَیْ عَنْهُ "وَرِسَالَاته" عَطْف عَلَى بَلَاغًا وَمَا بَيْن الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ وَالِاسْتِثْنَاء اعْتِرَاض لِتَأْكِيدِ نَفْی الِاسْتِطَاعَة "وَمَنْ يَعْصِ اللّٰه وَرَسُوله" فِی التَّوْحِيد فَلَمْ يُؤْمِن "فَاِنَّ لَهُ نَار جَهَنَّم خَالِدِينَ" حَال مِنْ ضَمِير مَنْ فِی مَا رِعَايَة فِی مَعْنَاهَا وَهِیَ حَال مُقَدَّرَة وَالْمَعْنَى يَدْخُلُونَهَا مُقَدَّرًا خُلُودهمْ،

یہاں پر لفظ الا کے ساتھ بلاغا کا املک کے مفعول سے استثناء کیا گیا ہے۔مگر اللہ کی جانب سے اَحکامات اور اس کے پیغامات کا پہنچانا میری ذِمّہ داری ہے،یہاں پر لفظ رسالاتہ کا عطف بلاغا پر ہے۔جو مستثنیٰ منہ اور استثناء کے درمیان بہ طور جملہ معترضہ تاکید نفی

کیلئے آیا ہے۔اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے یعنی توحید کی نفی کرے اور ایمان نہ لائے۔تو بیشک اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔یہاں پر لفظ خالدین یہ من کی جانب لوٹنے والی ضمیر لہ سے بہ طور معنی حال ہے۔اور وہ حال مقدرہ ہے۔یعنی ان کے دخول کی مقدار کو بیان کرنا ہے جو دائمی ہے۔

یعنی اللہ کی طرف سے پیغام لانا اور اس کے بندوں کو پہنچا دینا، یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔اور تمہارے نفع نقصان کا مالک میں نہیں۔لیکن اللہ کی اور میرے نافرمانی کرنے سے نقصان پہنچنا ضروری ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا۝
یہاں تک کہ جب وہ چیز دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ضرور جان لیں گے کہ کون ہے
جو مددگار کے اعتبار سے زیادہ کمزور ہے اور جو تعداد میں زیادہ کم ہے؟

کفار کو عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہونے کا بیان

"حَتَّى إِذَا رَأَوْا" ابْتِدَائِيَّة فِيهَا مَعْنَى الْغَايَة لِمُقَدَّرٍ قَبْلهَا أَيْ لَا يَزَالُونَ عَلَى كُفْرهمْ إِلَى أَنْ يَرَوْا "مَا يُوعَدُونَ " بِهِ مِنْ الْعَذَاب "فَسَيَعْلَمُونَ" عِنْد حُلُوله بِهِمْ يَوْم بَدْر أَوْ يَوْم الْقِيَامَة "مَنْ أَضْعَف نَاصِرًا وَأَقَلّ عَدَدًا " أَعْوَانًا أَهُمْ أَمْ الْمُؤْمِنُونَ؟ ! عَلَى الْقَوْل الْأَوَّل أَوْ أَنَا أَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِي فَقَالَ بَعْضهمْ مَتَى هَذَا الْوَعْد،

یہاں تک کہ جب وہ چیز دیکھ لیں گے یہاں پر لفظ حتیٰ یہ ابتدائیہ ہے اور اس کا مغیہ مقدر ہے جو اس کے پہلے ہے اور اس کی تقدیری عبارت یوں ہے" لَا يَزَالُونَ عَلَى كُفْرهمْ إِلَى أَنْ يَرَوْا "جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ضرور جان لیں گے یعنی جب وہ ان سے بدر کے دن سلوک ہوا یا قیامت کے دن وہ جان لیں گے۔کہ کون ہے جو مددگار کے اعتبار سے زیادہ کمزور ہے اور جو تعداد میں زیادہ کم ہے؟ یعنی وہ ہیں یا یا اہل ایمان ہیں۔اور پہلے قول پر یعنی جب بدر میں انہیں عذاب ہوا اور قول ثانی پر جب قیامت کے دن انہیں عذاب ہوگا۔تو بعض نے کہا یہ وعدہ کب آئے گا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی عداوت اور اپنے کفر پر مصر رہیں گے، یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں وہ عذاب دیکھ لیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

یعنی اس وقت ان کو پتہ لگے گا کہ مومنوں کا مددگار کمزور ہے یا مشرکوں کا؟ اہل توحید کی تعداد کم ہے یا غیر اللہ کے پجاریوں کی۔ مطلب یہ ہے کہ پھر مشرکین کا تو سرے سے کوئی مددگار ہی نہیں ہوگا اور اللہ کے ان گنت لشکروں کے مقابلے میں ان مشرکین کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر ہوگی۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا○

آپ فرما دیں: میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لئے میرے رب نے طویل مدت مقرر فرما دی ہے۔

عذاب آنے کا حقیقی علم اللہ کے پاس ہونے کا بیان

"قُلْ اِنْ" اَیْ مَا "اَدْرِی اَقَرِیْبٌ مَا تُوْعَدُوْنَ" مِنَ الْعَذَاب "اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْ اَمَدًا" غَایَة وَأَجَلًا لَا یَعْلَمهُ اِلَّا هُوَ

آپ فرما دیں: میں نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لئے میرے رب نے طویل مدت مقرر فرما دی ہے۔ یعنی وہ مدت جس کا حقیقی علم صرف اسی کو ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے با آواز بلند آپ سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا وہ آئے گی ضرور مگر یہ بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی اکثرت تو نہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے آپ نے فرمایا پھر تو اس کے ساتھ ہوگا جس کی تجھے محبت ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مسلمان کسی حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ کو معلوم نہ تھا، ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو اگر تم میں علم ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کیا کرو اللہ کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے، یہاں بھی آپ کوئی مقررہ وقت نہیں بتاتے، ابوداؤد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کیا عجب کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعد سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے فرمایا پانچ سو سال۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ جن، بیروت)

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا○

غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (اُنہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہے کیونکہ یہ خاصہ نبوت اور معجزہ رسالت ہے)، تو بیشک وہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آگے اور پیچھے (علم غیب کی حفاظت کے لئے) نگہبان مقرر فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انبیائے کرام کو علم غیب عطاء کرنے کا بیان

"عَالِم الْغَیْب" مَا غَابَ عَنْ الْعِبَاد "فَلَا یُظْهِر" یُطْلِع "عَلٰی غَیْبه أَحَدًا" مِنَ النَّاس "اِلَّا مَنْ

ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ" مَعَ إِطْلَاعِه عَلَى مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةً لَهُ "يَسْلُكُ" يَجْعَلُ وَيَسِيرُ "مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ" أَيِ الرَّسُولِ "وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا" مَلَائِكَةً يَحْفَظُونَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ فِي جُمْلَةِ الْوَحْيِ،

وہ غیب کا جاننے والا ہے، یعنی جو بندوں سے غائب ہے۔پس وہ اپنے غیب پر لوگوں میں سے کسی عام شخص کو مطلع نہیں فرماتا۔سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے اُنہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہے کیونکہ معجزہ رسالت ہے،تو بیشک وہ اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے اور پیچھے (علم غیب کی حفاظت کے لئے) نگہبان فرشتوں کو مقرر فرما دیتا ہے۔جو اس کی حفاظت کرتے ہیں حتیٰ کہ مکمل وحی پہنچا دی جاتی ہے۔ تو انہیں غیوب پر مسلط کرتا ہے اور اطلاع کامل اور کشف تام عطا فرماتا ہے اور یہ علم غیب ان کے لئے معجزہ ہوتا ہے، اولیاء کو بھی اگر چہ غیوب پر اطلاع دی جاتی ہے مگر انبیاء کا علم باعتبار کشف و انجلاء اولیاء کے علم سے بہت بلند و بالا وارفع واعلیٰ ہے اور اولیاء کے علوم انبیاء ہی کے وساطت اور انہیں کے فیض سے ہوتے ہیں۔معتزلہ ایک گمراہ فرقہ ہے وہ اولیاء کے لئے علم غیب کا قائل نہیں اس کا خیال باطل اور احادیث کثیرہ کے خلاف ہے اور اس آیت سے ان کا تمسک صحیح نہیں۔بیان مذکورہ بالا میں اس کا اشارہ کر دیا گیا ہے سید الرُّسُل خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتضیٰ رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیاء کے عُلوم عطا فرمائے جیسا کہ صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور یہ آیت حضور کے اور تمام مرتضیٰ رسولوں کے لئے غیب کا علم ثابت کرتی ہے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ جن، بیروت)

اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غیب کو جاننے والا ہے اور وہ علم کسی کو عطا نہیں فرماتا لیکن اپنے وہ رسول (علیہ السلام) جنہیں وہ پسند فرمالیتا ہے ان کو اپنے علم غیب پر مطلع فرماتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عطا سے انہیں غیب کا علم حاصل ہوتا ہے۔جب انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب کو خود خدا نے بیان فرما دیا ہے تو پھر ان کم علم بدعقیدہ لوگوں کو کیا پڑی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب کا انکار کرتے رہتے ہیں۔

قرآن وسنت کے مطابق اور اجماع امت کے مطابق یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور مقبول بندے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں علم غیب عطا فرمایا ہے جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے کہ آپ نے اپنی امت کو غیب کی خبریں دیں۔اور فرمایا: ترجمہ: اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔(آل عمران، ۴۹)

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے امتیوں کو اس چیز کی خبر دی جو کچھ وہ کھانا کھا کر آئے تھے اور جو کھانا وہ اپنے گھروں میں رکھ کر آئے تھے۔اور یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔کون جاہل ہے جو لوگوں میں یہ باور کراتا پھرے کہ اللہ کے سوا کسی کو علم غیب نہیں کیا وہ عطائی علم بھی اللہ میں ثابت کر کے خود شرک کر رہا ہے؟ اور اللہ کو مقام الوہیت سے مقام نبوت کی طرف لاتا ہے حاشا للہ، اللہ ایسے بدعقیدہ سے محفوظ فرمائے۔آمین۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب کی خبریں بتانے میں بخل نہیں فرماتے

ترجمہ: اور وہ (بلند مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم) غیب بتانے میں بخیل نہیں۔(التکویر، ۲۴)

قرآن کے اس بیان کو غور سے پڑھیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ میرا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ عرف ومعاشرے میں اس شخص کو بخیل کہتے ہیں جس کے پاس کثیر مال اور بڑی دولت ہو لیکن وہ خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچے تو اسے بخیل کہتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص ہو ہی غریب تو اسے مال نہ خرچ کرنے پر بخیل نہیں کہیں گے کیونکہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔ دیکھئے قرآن اس میں یہ شہادت بھی دے رہا ہے کہ لوگو! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ تعالی نے علم غیب کے وسیع خزانے عطا فرمائے ہیں اور ساتھ ہی انہیں یہ شان بھی عطا فرمائی ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب بیان فرمانے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ سرعام غیب کی خبریں بیان فرماتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں قیام فرمایا: اس مقام میں قیامت تک ہونے والی کسی چیز کو نہ چھوڑا مگر سب کو بیان فرما دیا۔ (الحدیث) (صحیح مسلم، ج ۲، ۲۹۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

آنے والے وقت اور موت کا علم ہونا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اور اُس جگہ ہاتھ رکھتے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر متجاوز نہیں ہوا (یعنی جس جگہ آپ نے اس کا نام لیکر کہا تھا کہ وہ یہاں مرے گا وہ وہیں مرا) (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۰۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم غیب کا اظہار فرماتے ہوئے جن کافروں کی موت کی خبر دی، وہ کافر اسی جگہ مرا، کیونکہ موت کا علم غیب کا علم ہے جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح آنے والے وقت کا علم بھی اللہ تعالی نے آپ کو عطا فرمایا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کافر کے بارے میں جس جگہ نشاندہی کی تھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو ایک محدث اور جلیل القدر صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ وہ کافر اسی جگہ مرا، اس جگہ سے ذرا برابر بھی اِدھر یا اُدھر نہ ہو سکا۔

قبر کے عذاب و ثواب کا علم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا: ان دونوں کو ضرور عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک چغلی کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ توڑی، اور اس کے دو ٹکڑے کیے، پھر ان میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ پھر فرمایا: تحقیق یہ ہے کہ جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۸۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بخاری شریف کی اس حدیث میں کتنی صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس گزرتے ہی ان کے عذاب کا ادراک کر لیا جو کہ علم غیب میں سے ہے کیونکہ وہاں سے ہزاروں لوگ اگر ہزاروں سال گزرتے رہتے مگر کسی کو عذاب و ثواب کا علم نہ ہوتا۔ آج بھی یہی حال ہے کہ قبر میں میت کو عذاب ہو یا اسے ثواب ملے لیکن لوگ اس سے بے خبر ہیں کیونکہ

قبر کے عذاب وثواب کو لوگوں سے پردے میں رکھا گیا ہے حتیٰ کہ جدید دور میں کئی نام نہاد میڈیا کے لوگوں نے کوشش کی ہے کہ وہ اس غیب کا مشاہدہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کو دنیا ہی میں عذاب دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے لاؤڈ سپیکر ON کر کے قبر کے سوال وجواب معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ کی قدرت نے ان سے ایسا سلوک کیا کہ ان لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ کیونکہ وہ اس علم غیب کو حاصل نہیں کر سکتے۔ جبکہ یہی علم غیب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔

جنتی یا دوزخی ہونے کا علم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ سورج ڈھل چکا تھا آپ نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی جب آپ نے سلام پھیرا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر کیا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا: جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے، خدا کی قسم! جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کسی بات کا سوال ہم سے کرو گے ہم ضرور تمہیں اس کی خبر دیں گے، ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: حذافہ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے، مجھ سے سوال کرو، مجھ سے سوال کرو۔ (الخ) (صحیح بخاری، ج ۲، ۱۰۸۳، وزارت تعلیم اسلام آباد)

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ٹھکانہ بتا دیا کہ وہ جہنمی ہے۔ حالانکہ جہنمی ہونا یا جنتی ہونا یہ قیامت کے بعد حساب وکتاب کے بعد کا علم ہے اور اللہ نے اس علم کو لوگوں سے پردے میں رکھا ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں قطعی علم نہیں رکھتا کہ وہ دوزخی ہوگا یا جنتی ہوگا، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی عطا سے اس غیب کا اظہار فرما دیا ہے۔

کون مومن ہوگا کون کافر ہوگا کا علم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔ اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتا دیا گیا ہے کہ کون ہم پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ یہ خبر جب منافقین کو پہنچی تو ہنس کر کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے پیدائش سے پہلے ہی کافر ومومن کی خبر ہوگئی ہے، جبکہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے نہیں۔ یہ خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد وثناء کی پھر فرمایا: ان قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں ہم سے جو بھی پوچھو گے، ہم تم کو خبر دیں گے۔ (تفسیر خازن، پارہ نمبر ۴، مطبوعہ بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں طعنہ کرنا منافقوں کا کام ہے۔ اس سے وہ بدعقیدہ لوگ عبرت حاصل کریں جو اردو ادب کی چند لکیریں پڑھ کر علم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بحث ومباحثہ کرتے ہیں اور بے باک ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ انہیں غیب کا علم نہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تمہاری اس بدعقیدگی کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے کہ بدعقیدہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر طعنہ کر کے منافقین کے نقش قدم پر چلیں گے۔

لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًا٥
تا کہ اللہ ظاہر فرمادے کہ بیشک انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے، اور جو کچھ ان کے پاس ہے اللہ نے
اس کا احاطہ فرما رکھا ہے، اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان

"لِيَعْلَمَ" اللّٰه عِلْم ظُهُور "أَنْ" مُخَفَّفَة مِنَ الثَّقِيلَة أَيْ أَنَّهُ "قَدْ أُبْلِغُوا" أَيْ الرُّسُل "رِسَالَات رَبّهمْ" رُوعِيَ بِجَمْعِ الضَّمِير مَعْنَى مِنْ "وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ" عَطْف عَلَى مُقَدَّر أَيْ فَعَلِمَ ذٰلِكَ "وَأَحْصَى كُلّ شَيْء عَدَدًا" تَمْيِيز وَهُوَ مُحَوَّل مِنْ الْمَفْعُول وَالْأَصْل أَحْصَى عَدَد كُلّ شَيْء

تا کہ اللہ اس بات کو ظاہر فرمادے یہاں پر لفظ اَن مخففہ من ثقیلہ ہے۔ یعنی اَنہ ہے۔ کہ بیشک ان رسولان گرامی نے اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے، یہاں پر لفظ ربھم میں جمع کی ضمیر لفظ من کی رعایت کے سبب لائی گئی ہے۔ اور جو کچھ ان کے پاس ہے اللہ نے اس کا احاطہ فرما رکھا ہے، یہاں پر احاطہ بما لدیھم کا عطف مقدر ہے یعنی فعلم ذلك ہے۔ اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔ یہاں پر لفظ عددا یہ تمیز ہے۔ جو مفعول سے نقل ہو کر آئی ہے۔ اور اصل میں "أَحْصَى عَدَد كُلّ شَيْء" ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لیعلم: لام حرف علت یعلم مضارع (منصوب بوجہ عمل لام علت) صیغہ واحد مذکر غائب (باب سمع) مصدر۔ تا کہ وہ جان لے

فائدہ: یوں تو ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہے یہاں جاننے سے مراد ہے علمی تعلق کا کسی موجود کے ساتھ ظاہر ہونا۔ یہی مراد آیت لیعلم اللہ من یخافہ بالغیب میں ہے (94:5) (تا کہ معلوم کرے اللہ کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے) شیاطین سے حفاظت کرنے کے لئے ملائکہ کو مامور کرنے کی یہ علت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حفاظت وحی کے بعد اللہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبروں نے اپنے رب کے پیام بلا کم و بیش پہنچادیئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پیغمبر اللہ کے پیام کو بغیر تبدیل و تغیر اور آمیزش کے پہنچا سکیں اسی غرض کے لئے اللہ نے حفاظت وحی کے لئے فرشتوں کو مقرر کر دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

انہ قد ابلغوا رسلت ربھم: ان مخففہ ہے ان ثقیلہ سے مخفف کیا گیا ہے۔ قد ماضی پر داخل ہو کر تحقیق کا فائدہ دیتا ہے۔ ابلغوا ماضی جمع مذکر غائب ابلاغ (افعال) مصدر۔ انہوں نے پہنچایا۔ انہوں نے پہنچا دیا۔ رسلت ربھم: رسلۃ کی جمع ہے بمعنی پیغام، مضاف، ربھم مضاف مضاف الیہ مل کر رسلت کا مضاف الیہ۔ ان کے رب کا پیام۔ ترجمہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے رب کے پیام پہنچادیئے۔

ان قد ابلغوا رسلت ربھم: ان مخففہ ان سے۔ ان حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے۔ اس کا اسم ضمیرہ محذوف ہے جو ضمیر

شان ہے۔قد ابلغوا۔۔۔۔۔۔اس کی خبر ہے۔

بعض نے فرشتے بھی مراد لئے ہیں۔ترجمہ یوں ہوگا:۔تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیامات پہنچا دیئے۔واحاط بما لدیھم ۔یہ جملہ یسلک کے ضمیر فاعل سے حال ہے۔احاط ماضی واحد مذکر غائب احاطۃ (افعال) مصدر۔اس نے گھیر لیا۔اس نے احاطہ کرلیا۔اس نے قابو میں کرلیا۔احاطہ کرنے کے معنی ہیں کسی شے پر اس طرح چھا جانا کہ اس سے فرار ممکن نہ ہو

ما لدیھم: ما موصولہ۔لدی پاس،نزدیک،اسم ظرف۔مضاف ہم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ۔دونوں مل کر صلا اپنے موصول کا۔جو ان کے پاس ہے۔ان کی ہر چیز ان کے سب حالات۔ان کے سب کام۔ ترجمہ ہوگا:۔اور حقیقت یہ ہے کہ (حال یہ ہے کہ) ان کے تمام حالات اس کے قبضہ میں ہیں اور ان کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے

واحصی کل شیء عددا ۔اس جملہ کا عطف جملہ سابقہ پر ہے اور یہ بھی یسلک کے فاعل سے حال ہے۔احصی ماضی واحد مذکر غائب احصاء (افعال) مصدر۔اس نے گن لیا۔اس نے گن رکھا ہے۔کل شیء مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول احصی کا عددا منصوب بوجہ تمیز۔بمعنی شمار کی رو سے۔تعداد کے لحاظ سے۔اور اس نے ہر شے کا شمار کر رکھا ہے۔یعلم۔میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا کہ آپ جان لیں کہ آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اللہ کا پیغام اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ نے پہنچایا۔بعض نے فرشتوں کو بتایا ہے کہ فرشتوں نے اللہ کا پیغام نبیوں تک پہنچایا۔اور بعض نے اللہ کو مرجع بتایا ہے کہ اللہ تعالی اپنے پیغمبروں کی فرشتوں کے ذریعے حفاظت فرماتا ہے۔(تفسیر معالم تنزیل،سورہ جن،بیروت)

سُورَۃُ الْمُزَّمِّلُ

یہ قرآن مجید کی سورت مزمل ہے

سورت مزمل کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الْمُزَّمِّل (مَکِّیَّۃ إِلَّا آیۃ 20 فَمَدَنِیَّۃ وَآیَاتُھَا عِشْرُونَ آیۃ)

سورہ مزّمّل مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، بیس آیات، دوسو پچاسی کلمات، آٹھ سواڑتیس حروف ہیں۔

سورت مزمل کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ مزمل کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ جو کمال اظہار محبت ہے۔ پس اسی سبب سے یہ سورت مزمل کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت مزمل کے شان نزول کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش مجلس شوری میں جمع ہوئے اور کہا اس شخص کا ایسا نام رکھو جو لوگ اس سے اعراض کرنے لگیں بعض نے کہا کاہن۔ انہوں نے کہا وہ کاہن نہیں ہوسکتا بعض نے کہا مجنون انہوں نے کہا وہ مجنون بھی نہیں ہے بعض نے کہا جادوگر انہوں نے کہا وہ جادوگر بھی نہیں ہے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے چادر اوڑھ لی اور اس میں لپٹ گئے اس موقع پر جبرائیل آپ کے پاس آئے اور کہا یَآاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو۔ حضرت ابراہیم نخعی سے اس فرمان باری تعالی کے بارے میں منقول ہے کہ یَآاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، کہ یہ آیت آپ پر اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپ ایک چادر لپیٹے ہوئے تھے۔ (سیوطی 316، زادالمسیر 8۔388، قرطبی 19۔31)

یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ○ اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ○
اے کملی کی جھرمٹ والے (حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ رات کو قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر۔ آدھی رات
یا اس سے تھوڑا کم کردیں یا اس پر کچھ زیادہ کردیں اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑے کو اوڑھنے کا ذکر وحی میں ہونے کا بیان

"یَا أَیُّھَا الْمُزَّمِّل" النَّبِیّ وَأَصْلہ الْمُتَزَمِّل أُدْغِمَتْ التَّاء فِی الزَّای أَیْ الْمُتَلَفِّف بِثِیَابِہِ حِین

مَجِیء الْوَحْی لَهُ خَوْفًا مِنْهُ لِهَیْبَتِهِ "قُمِ اللَّیْلَ" صَلِّ "نِصْفَهُ" بَدَلٌ مِنْ قَلِیلًا وَقِلَّتُهُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْكُلِّ "أَوِ انْقُصْ مِنْهُ" مِنَ النِّصْفِ "قَلِیلًا" إِلَى الثُّلُثِ "أَوْ زِدْ عَلَیْهِ" إِلَى الثُّلُثَیْنِ وَأَوْ لِلتَّخْیِیرِ "وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ" تَثَبَّتْ فِی تِلَاوَتِهِ،

اے کملی کی جھرمٹ والے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم، یہاں پر لفظ مزمل اصل میں متزمل تھا تو تاء کا زاء میں ادغام کیا گیا ہے یعنی آپ کپڑا اوڑھنے والے ہیں۔ جس وقت وحی آئی۔ تا کہ اس کی ہیبت سے بے خوف ہوں۔ آپ رات کو نماز میں قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر کے لئے۔ یہاں پر لفظ نصف یہ قلیلا سے بدل ہے۔ نصف کا قلیل ہونا پوری رات کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے۔ آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کر دیں۔ یعنی تہائی یا اس پر کچھ زیادہ کر دیں یعنی دو تہائی اور یہاں پر لفظ أو اختیار کیلئے آیا ہے۔ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔ تا کہ تلاوت ثابت رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ مزمل سے پکارنے کا بیان

بزار میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ آؤ مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا نام تجویز کریں کہ سب کی زبان سے وہی نکلے تا کہ باہر کے لوگ ایک ہی آواز سن کر جائیں، تو بعض نے کہا ان کا نام کاہن رکھو اس پر اوروں نے کہا در حقیقت وہ کاہن تو نہیں، کہا اچھا پھر ان کا نام مجنون رکھو اس پر بھی اوروں نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں، پھر بعض نے کہا ساحر نام رکھو۔

اس پر اور لوگوں نے کہا وہ ساحر یعنی جادوگر بھی نہیں، غرض وہ کوئی ایسا نام تجویز نہ کر سکے جس پر سب کا اتفاق ہو اور یہ مجمع یوں ہی اٹھ کھڑا ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر منہ لپیٹ کر کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہے جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اسی طرح یعنی اے کپڑا لپیٹ کر اوڑھنے والے کہہ کر آپ کو مخاطب کیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مزمل، بیروت)

یعنی اپنے کپڑوں سے لپٹنے والے۔ اس کے شان نزول میں کئی قول ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ ابتداءِ زمانہ وحی میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوف سے اپنے کپڑوں میں لپٹ جاتے تھے، ایسی حالت میں آپ کو حضرت جبریل نے (یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ)، المزمل:1) کہہ کر ندا کی۔ ایک قول یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چادر شریف میں لپٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے، اس حالت میں آپ کو ندا کی گئی (یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، المزمل:1) بہر حال ندا بتاتی ہے کہ محبوب کی ہر ادا پیاری ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رداءِ نبوت و چادرِ رسالت کے حامل و لائق۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مزمل، لاہور)

قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور (بہشت کے درجوں پر) چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا پس تیری منزل اس آخری آیت پر ہوگی جسے تو پڑھے گا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 645)

صاحب قرآن: سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن کریم کی ہمیشہ تلاوت بھی کرتا رہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو، وہ شخص مراد نہیں ہے جو تلاوت تو کرتا ہے مگر اس پر عمل نہ کرے بلکہ پہلے بتایا بھی جا چکا ہے کہ ایسا شخص کسی جزاء اور انعام کا مستحق تو کیا ہوگا، الٹا قرآن کی لعنت میں گرفتار ہوگا کیونکہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے، مگر اس پر عمل نہیں کرتا قرآن اس پر لعنت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک یہ روایت پیش نظر رہنی چاہئے کہ جس شخص نے قرآن پر عمل کیا اس نے گویا ہمیشہ قرآن پڑھا اگرچہ حقیقت میں نہ پڑھا ہو اور جس شخص نے قرآن پر عمل نہیں کیا اس نے گویا قرآن پڑھا ہی نہیں اگرچہ حقیقت میں پڑھا ہو، حاصل یہ کہ قرآن کی محض تلاوت ہی کافی نہیں ہے بلکہ بنیادی چیز قرآن پر عمل کرنا ہے۔ پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ یعنی قرآن کریم پڑھتا جا اور پڑھی ہوئی آیتوں کے بقدر جنت کے درجات پر چڑھتا جا جتنی آیتیں تو پڑھے گا اتنے ہی درجات تک تیری رسائی ہوگی، ایک روایت میں منقول ہے کہ قرآن کریم کی جتنی آیتیں ہیں جنت کے اتنے ہی درجات ہیں لہٰذا اگر کوئی شخص پورا قرآن پڑھے گا تو وہ جنت کے سب سے اونچے درجات میں سے اس درجہ پر پہنچے گا جس کا وہ اہل اور جو اس کے لائق ہوگا۔ یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ آداب تلاوت قرآن کریم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور لب ولہجہ کے پورے سکون و وقار کے ساتھ پڑھا جائے۔ چنانچہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو حافظ قرآن کریم ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کا جنت میں بڑا مرتبہ ہوگا۔ قرآن کریم کی آیتوں کی تعداد کوفیوں کے اصول کے اعتبار سے جن کا فن قرات اور اصول ہمارے اطراف میں مروج ہے چھ ہزار دو سو سینتیس ہے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں مزید تفصیل و وضاحت کے لئے تجوید و قرات کی کتابوں سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

ترتیل سے پڑھنے کے مفہوم کا بیان

حضرت علقمہ نے ایک شخص کو حسن صوت کیساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا لقد (رتل القرآن فداہ ابی و امی، یعنی اس شخص نے قرآن کی ترتیل کی ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں۔ اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف والفاظ کی ادائیگی بھی صحیح اور صاف ہو اور پڑھنے والا اس کے معانی پر غور کر کے اس سے متاثر بھی ہو رہا ہو جیسا کہ حسن بصری سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص پر ہوا جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا بس یہی ترتیل ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مزمل، بیروت)

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا۝
ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔ بے شک رات کا اٹھنا سخت پامال کرتا ہے اور زبان سے سیدھی بات نکالتا ہے۔

قرآن مجید کی ہیبت کا بیان

"اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا" قُرْآنًا "ثَقِیْلًا" مُهِیبًا أَوْ شَدِیدًا لِمَا فِیهِ مِنَ التَّكَالِیفِ "اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ"

الْقِیَام بَعْد النَّوْم "هِیَ أَشَدّ وَطْئًا" مُوَافَقَة السَّمْع لِلْقَلْبِ عَلَی تَفَهُّم الْقُرْآن "وَأَقْوَم قِيلًا" أَبْيَن قَوْلًا۔

(ترجمہ)

ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری فرمان یعنی قرآن نازل کریں گے۔ جو ہیبت یا شدت والا ہے کیونکہ اس میں احکام مکلف ہیں بے شک رات کا اُٹھنا یعنی نیند کے بعد اٹھنا نفس کو سخت پامال کرتا ہے اور دِل و دِماغ کی یکسُوئی کے ساتھ تاکہ قرآن کو سمجھیں اور زبان سے سیدھی بات نکالتا ہے۔ جو بالکل واضح ہو۔

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپ اپنا زانو میرے زانو پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے زانو پر اس وقت ایسا بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا اب ٹوٹ جائے گا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے، آپ کی پیشانی سے اس وقت پسینہ ٹپکنے لگتا تھا (بخاری، مسلم، مالک، ترمذی، نسائی)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ جب کبھی آپ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ اونٹنی پر بیٹھے ہوں تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیتی تھی اور اس وقت تک حرکت نہ کر سکتی تھی جب تک نزول وحی کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا۔ (مسند احمد، حاکم، تفسیر جامع البیان، سورہ مزمل، بیروت)

نماز تہجد اور رات کے قیام کا بیان

امام بغوی نے حضرت صدیقہ عائشہ وغیرہ کی احادیث کی بناء پر یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی رات کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت پر فرض تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں۔

اس آیت میں قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات سے مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان آیات میں اصل حکم یہ تھا کہ تمام رات باستثناء قلیل نماز میں مشغول رہیں اور استثناء قلیل کا بیان اور تفصیل آگے آتی ہے۔

امام بغوی روایات حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے اور یہ حکم خاصا بھاری معلوم ہوا۔ سال بھر کے بعد اسی سورت کا آخری حصہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ نازل ہوا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی اور اختیار دے دیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت خرچ کرنا نماز تہجد میں کافی ہے یہ مضمون ابوداؤد و نسائی میں حضرت صدیقہ عائشہ سے منقول ہے اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب پانچ نمازوں کی فرضیت شب معراج میں نازل ہوئی تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی البتہ سنت پھر بھی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی اسی طرح اکثر صحابہ کرام بڑی پابندی سے نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری، سورہ مزمل، بیروت)

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا ۝ وَ اذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا ۝

بے شک آپ کے لئے دن میں بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں۔اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں

اور ہر ایک سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہیں۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا بیان

"اِنَّ لَكَ فِي النَّهَار سَبۡحًا طَوِيۡلًا" تَصَرُّفًا فِي إشْغَالك لَا تَفْرُغ فِيهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْآن "وَاذْكُرْ اسْم رَبّك" أَيْ قُلْ بِسْمِ اللّٰه الرَّحْمَن الرَّحِيم فِي اِبْتِدَاء قِرَاءَتك "وَتَبَتَّلْ" انْقَطِعْ "إلَيْهِ تَبْتِيلًا" مَصْدَر بَتَلَ جِيءَ بِهِ رِعَايَة لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْزُوم التَّبَتُّل،

بے شک آپ کے لئے دن میں بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں۔جس کے سبب تلاوت قرآن کیلئے فراغت ممکن ہے نہ ہو اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں یعنی ''بِسۡمِ اللّٰه الرَّحْمَن الرَّحِيم ''قرأت کے شروع میں پڑھیں۔اور ہر ایک سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہیں۔لفظ تبتیلا کا مصدر بتل فواصل کے رعایت کے سبب آیا ہے۔اور تبتل کو ملزوم ہے۔

یعنی دن میں لوگوں کو سمجھانا اور دوسرے کئی طرح کے مشاغل رہتے ہیں۔گو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بالواسطہ عبادت ہیں۔تاہم بلاواسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لیے رات کا وقت مخصوص رکھنا چاہیے۔اگر عبادت میں مشغول ہو کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کچھ پروا نہیں۔دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء و مشائخ جو تعلیم و تربیت اور اصلاح خلق کی خدمتوں میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہئے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رہنے چاہئیں، رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے لئے فارغ رکھنا بہتر ہے جیسا کہ علمائے سلف کا تعامل اور اس پر شاہد ہی کوئی وقتی ضرورت دینی، تعلیمی، تبلیغی کبھی اتفاقات کو بھی اس میں مشغول رکھنے کی داعی ہو تو وہ بقدر ضرورت مستثنیٰ ہے۔اس کی شہادت بھی بہت سے حضرات علماء و فقہاء کے عمل سے ثابت ہے۔

تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنے کا بیان

تبتل کے لفظی معنے مخلوق سے منقطع ہو کر خالق کی عبادت میں لگ جانے کے ہیں وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ کا عطف قم الیل پر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام الیل یعنی رات کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں دن کی خاص خاص عبادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کمافی قولہ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا اس آیت میں ایک ایسی عبادت کا حکم ہے جو رات یا دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں جاری رہتی ہے وہ ہے ذکر اللہ، اور مراد ذکر اللہ کے حکم سے اس پر مداومت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تو تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ آپ بالکل ذکر نہ کرتے ہوں اس لئے اس حکم کا منشاء دوام ذکر ہی ہو سکتا ہے۔(تفسیر مظہری، سورہ مزمل، لاہور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارہ میں رکھتا ہے جب وہ دل سے یا زبان سے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنی ذات میں یعنی خفیہ طور پر اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے۔

تو میں بھی اسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں (یعنی نہ کہ اس کو صرف پوشیدہ طور پر ثواب دیتا ہوں بلکہ اس کو از خود ثواب دیتا ہوں ثواب دینے کا کام کسی اور کے سپرد نہیں کرتا) اگر وہ مجھے جماعت میں (یعنی ظاہری طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 785)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝
وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝
مشرق ومغرب کا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سو اس کو کارساز بنالے۔ اور آپ ان پر صبر کریں
جو کچھ وہ کہتے ہیں، اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔

مشرق ومغرب کے رب ہونے کا بیان

هُوَ "رَبّ الْمَشْرِق وَالْمَغْرِب لَا إِلَه إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا" مُوَكِّلًا لَهُ أُمُورك "وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ" أَيْ كُفَّار مَكَّة مِنْ أَذَاهُمْ "وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا" لَا جَزَع فِيهِ وَهَذَا قَبْل الْأَمْر بِقِتَالِهِمْ،

وہی مشرق ومغرب کا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سو اس کو کارساز بنالے۔ یعنی جو آپ کے معاملات کی وکالت کرے اور آپ ان باتوں پر صبر کریں۔ جو کچھ وہ کفار مکہ آپ کو اذیت دینے کیلئے کہتے ہیں، اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔ جس میں کوئی جزع نہ ہو۔ اور یہ حکم جہاد والے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

کفار کی تکالیف پر صبر کرنے کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کو کفار کی طعن آمیز باتوں پر صبر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کے حال پر بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے ہی چھوڑ دے، میں خدا ان سے نمٹ لوں گا۔ میرے غضب اور غصے کے وقت دیکھ لوں گا کہ کیسے یہ لوگ نجات پاتے ہیں۔ ہاں ان کے مالدار خوش حال لوگوں کو جو بیفکر ہیں اور تجھے ستانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں جن پر دوہرے حقوق ہیں مال کے اور جان کے اور یہ ان میں سے ایک بھی ادا نہیں کرتے تو ان سے بے تعلق ہو جا پھر دیکھ کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں تھوڑی دیر دنیا میں تو چاہے یہ فائدہ اٹھالیں گے مگر انجام کار عذابوں میں پھنسیں گے اور عذاب بھی کونسے؟ سخت قید وبند کے، بدترین بھڑکتی ہوئی نہ بجھنے والی اور نہ کم ہونے والی آگ کے اور ایسا کھانا جو حلق میں جا کر اٹک جائے نہ نگل سکیں نہ اگل سکیں اور بھی طرح طرح کے

المناک عذاب ہوں گے، پھر وہ وقت بھی ہوگا جب زمینوں میں اور پہاڑوں پر زلزلہ طاری ہوگا سخت اور بڑی چٹانوں والے پہاڑ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چور چور ہوگئے ہوں گے جیسے بھر بھری ریت کے بکھرے ہوئے ذرے ہوں جنہیں ہوا ادھر سے ادھر لے جائے گی اور نام ونشان تک مٹا دے گی اور زمین ایک چٹیل صاف میدان کی طرح رہ جائے گی جس میں کہیں اونچ نیچ نظر نہ آئے گی۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ مزمل، بیروت)

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا۝ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَّجَحِيمًا۝
اور چھوڑ مجھے اوران جھٹلانے والوں کو جو خوشحال ہیں اور انھیں تھوڑی سی مہلت دے۔
بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور سخت بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

کفار مکہ کیلئے سخت آگ کے اخروی عذاب کا بیان

"وَذَرْنِي" اُتْرُكْنِي "وَالْمُكَذِّبِينَ" عَطْف عَلَى الْمَفْعُول أَوْ مَفْعُول مَعَهُ وَالْمَعْنَى أَنَا كَافِيكَهُمْ وَهُمْ صَنَادِيد قُرَيْش "أُولِي النَّعْمَة" التَّنَعُّم "وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا" مِنْ الزَّمَن فَقُتِلُوا بَعْد يَسِير مِنْهُ بِبَدْرٍ "إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا" قُيُودًا ثِقَالًا جَمْع نِكْل بِكَسْرِ النُّون "وَجَحِيمًا" نَارًا مُحْرِقَة.

اور چھوڑ مجھے اوران جھٹلانے والوں کو جو خوشحال ہیں یہاں پرلفظ مکذبین کا عطف ذرنی کے مفعول پر یا مفعول معہ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تمہاری جانب سے ان کفار کو سزا دینے میں کافی ہوں۔ اور وہ قریش کے سردار ہیں اور انھیں تھوڑی سی مہلت دیں۔ پس وہ تھوڑی مدت کے بعد ہی بدر میں قتل کردیئے گئے۔ بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں یعنی مضبوط بیڑیاں ہیں اور انکال یہ نِکل کی جمع ہے جو نون کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور سخت بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ذرنی: ذر فعل امر واحد مذکر حاضر۔ وذر (باب فتح، سمع) سے مصدر۔ جس کے معنی چھوڑ دینے کے ہوتے ہیں۔ ن وقایہ ی ضمیر مفعول واحد متکلم کی ہے۔ تو مجھے چھوڑ دے۔ والمکذبین اولی النعمة۔ واو عاطفہ۔ المکذبین اسم فاعل جمع مذکر (بحالت نصب۔ بوجہ مفعول) تکذیب (تفعیل) مصدر سے۔ المکذبین کا عطف ذرنی پر ہے یا المکذبین مفعول معہ ہے۔ (مدارک التنزیل)

اولی النعمة موصوف وصفت مل کر صفت ہے المکذبین کی۔ مال دار۔ آیت کا ترجمہ ہوگا: آپ مجھے اور (ان) جھٹلانے والے مالداروں کو (اپنی حالت پر) چھوڑیئے۔ ومهلهم قليلا: اس کا عطف ذرنی پر ہے۔ واو عاطفہ۔ مہل امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔ تمہیل (تفعیل) مصدر سے۔ بمعنی مہلت دینا۔ ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب کا مرجع المکذبین ہے۔ قلیلا ای زمانا قلیلا تھوڑی سی مدت کے لئے۔ تھوڑی سی مہلت۔ ترجمہ ہوگا:۔ اور آپ ان کو تھوڑی سی مہلت دیں۔ یعنی آپ تھوڑا سا انتظار کریں ان کو سزا ملنے ہی والی ہے۔ یقولون میں ضمیر فاعل جمع مذکر غائب اور واھجر ھم میں ضمیر ھم مفعول جمع مذکر غائب اور المکذبین اولی النعمة سے مراد کفار

مکہ اور سرداران قریش ہیں۔

مقاتل بن حیان نے کہا ہے کہ آیت وذرنی، الخ کا نزول مقتولین بدر کے بارے میں ہوا۔ کچھ ہی مدت گزری تھی کہ وہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ یا اس سے مراد دنیاوی زندگی کی مہلت ہے۔ (روح المعانی، مزمل، بیروت)

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝
اور حلق میں اٹک جانے والا کھانا اور نہایت دردناک عذاب ہے۔ جس دن زمین اور پہاڑ زور سے لرزنے
لگیں گے اور پہاڑ بکھرتی ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۔

اہل جہنم کیلئے حلق میں اٹک جانے والا کھانا ہونے کا بیان

"وَطَعَامًا ذَا غُصَّة" يَغَصّ بِهِ فِي الْحَلْق وَهُوَ الزَّقُّوم أَوْ الضَّرِيع أَوْ الْغِسْلِين أَوْ شَوْك مِنْ نَار لَا يَخْرُج وَلَا يَنْزِل "وَعَذَابًا أَلِيمًا" مُؤْلِمًا زِيَادَة عَلَى مَا ذُكِرَ لِمَنْ كَذَّبَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

"يَوْم تَرْجُف" تُزَلْزَل "الْأَرْض وَالْجِبَال وَكَانَتْ الْجِبَال كَثِيبًا" رَمْلًا مُجْتَمِعًا "مَهِيلًا" سَائِلًا بَعْد اجْتِمَاعه وَهُوَ مِنْ هَالَ يَهِيل وَأَصْله مَهْيُول اُسْتُثْقِلَتْ الضَّمَّة عَلَى الْيَاء فَنُقِلَتْ إلَى الْهَاء وَحُذِفَتْ الْوَاو ثَانِي السَّاكِنَيْنِ لِزِيَادَتِهَا وَقُلِبَتْ الضَّمَّة كَسْرَة لِمُجَانَسَةِ الْيَاء ،

اور حلق میں اٹک جانے والا کھانا اور وہ تھوہر کا ضریع کا یا غسلین کا یا آگ سے شوک کا ہے جو نہ باہر نکلے اور نہ حلق سے نیچے اترے گا۔ اور نہایت دردناک عذاب ہے۔ یعنی جو ذکر کردہ تکلیف سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ ہر اس شخص کیلئے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ جس دن زمین اور پہاڑ زور سے لرزنے لگیں گے اور پہاڑ بکھرتی ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۔ یعنی جمع ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور یہاں لفظ مہیل یہ ھال یہیل سے سے ہے اور اصل میں مھیول ہے ضمہ کے یاء پر ثقیل ہونے کے سبب اس کو ھاء کی جانب نقل کر دیا اور ساکنین میں واؤ ثانی کو حذف کر دیا۔ اور یاء ہم جنس ہونے کے سبب ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا۔

فکر آخرت اور اسلاف کے عمل کا بیان

امام احمد، ابن ابی داؤد، ابن عدی اور بیہقی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن کی یہ آیت سنی تو خوف سے بیہوش ہو گیا اور حضرت حسن بصری ایک دن روزہ سے تھے افطار کے وقت کھانا سامنے آیا تو اس آیت کا دھیان آ گیا، کھانا نہ کھا سکے اٹھوا دیا۔ اگلے روز پھر شام کو ایسا ہی ہوا، کھانا اٹھوا دیا۔ تیسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت ثابت بنانی اور یزید ضبی اور یحییٰ بکار کے پاس گئے اور حال سنایا، یہ تینوں حضرات آئے اور حضرت حسن کو کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے جب مجبور ہو کر کچھ تناول

فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ مزمل، بیروت)

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؁
بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینے والا ہے،
جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول کو بھیجا تھا۔

قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا بیان

"إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ" يَا أَهْل مَكَّة "رَسُولًا" هُوَ مُحَمَّد صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "شَاهِدًا عَلَيْكُمْ" يَوْم الْقِيَامَة بِمَا يَصْدُر مِنْكُمْ مِنْ الْعِصْيَان "كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْن رَسُولًا" هُوَ مُوسَى عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام،

اے اہل مکہ، بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا ہے جو تم پر قیامت کے دن گواہی دینے والا ہے، جو کچھ تم سے نافرمانی صادر ہوئی۔ جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول کو بھیجا تھا۔ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

اس سے پہلی آیات میں مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اب خطاب کا رخ کفار مکہ کی طرف مڑ گیا ہے اور انہیں بتایا یہ جا رہا ہے کہ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر تم کمربستہ ہو گئے ہو۔ تو یہی رسول تمہاری ایک ایک حرکت کی قیامت کے دن تم پر گواہی دینے والا ہے۔ لہٰذا جو قدم اٹھانا ہے سنبھل کر اٹھاؤ۔ اس سے پہلے ہم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ فرعون تم سے بہت زیادہ طاقتور، جابر اور ایک وسیع خطہ زمین پر حکمران تھا۔ لیکن اس نے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی اور اکڑ گیا تو ہم نے اسے دریا میں ڈبو کر اس کا اور اس کی آل کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان تک مٹا دیا تھا اور تم تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ لہٰذا تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آ جاؤ۔

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ؁ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ
اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ؁
پس فرعون نے اس رسول (علیہ السلام) کی نافرمانی کی، سو ہم نے اس کو ہلاکت انگیز گرفت میں پکڑ لیا۔
پھر تم کیسے بچو گے اگر تم نے کفر کیا، اس دن سے جو بچوں کو بوڑھے کر دے گا۔

قیامت کے دن نافرمانوں کی سخت پکڑ ہونے کا بیان

"فَعَصَى فِرْعَوْن الرَّسُول فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا" شَدِيدًا "فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ" فِي الدُّنْيَا "يَوْمًا" مَفْعُول تَتَّقُونَ أَيْ عَذَابه بِأَيِّ حِصْن تَتَحَصَّنُونَ مِنْ عَذَاب يَوْم "يَجْعَل الْوِلْدَان شِيبًا"

جَمع أَشْيَب لِشِدَّةِ هَوْله وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة وَالْأَصْل فِي شِين شِيبًا الضَّمّ وَكُسِرَتْ لِمُجَانَسَةِ الْيَاء وَيُقَال فِي الْيَوْم الشَّدِيد يَوْم يَشِيب نَوَاصِي الْأَطْفَال وَهُوَ مَجَاز وَيَجُوز أَنْ يَكُون الْمُرَاد فِي الْآيَة الْحَقِيقَة،

پس فرعون نے اس رسول (علیہ السلام) کی نافرمانی کی، سو ہم نے اس کو ہلاکت انگیز گرفت میں پکڑ لیا۔ پھر تم کیسے بچو گے اگر تم نے دنیا میں کفر کیا، اس دن سے جو بچوں کو بوڑھے کر دے گا۔ یہاں پر لفظ یوما یہ تتقون کا مفعول ہے۔ یعنی اس کے دن کے عذاب سے ڈرو۔ یعنی کونسا قلعہ ہوگا جو تمہیں اس دن کے عذاب سے محفوظ کر سکے گا۔ اور لفظ شیبا یہ اشیب کی جمع ہے جو شدت ھول کے معنی میں آیا ہے۔ اور وہ قیامت کا دن ہے۔ اور شیبا میں اصل میں شین ضمہ کے ساتھ آیا ہے لیکن مجانست یاء کے سبب اس کو کسرہ دی گئی ہے۔ اور یوم شیب کو یوم شدید کہا جاتا ہے۔ کہ جس دن بچوں کے بال سفید ہو گئے۔ اور وہ مجاز ہے اور یہاں پر آیت میں حقیقت مراد لینا بھی درست ہے۔

اس کے بعد کفار مکہ کو فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا کر اس سے ڈرایا گیا کہ جس طرح فرعون اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے گرفتار عذاب ہوا، تم بھی اس پر جمے رہے تو سمجھ لو کہ تم پر بھی ایسا ہی کوئی عذاب دنیا میں آ سکتا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اگر دنیا میں کوئی عذاب نہ بھی آیا تو قیامت کے اس دن کے عذاب سے تمہیں کون بچا سکے گا جس کی ہولناکی اور طول کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ روز قیامت کے شدید اور ہولناکی اور طول کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ روز قیامت کے شدید اور ہولناک ہونے کا بیان ہے کہ اس میں لوگوں پر ایسا خوف اور ہول طاری ہوگا کہ اگر کوئی بچہ بھی ہو تو بوڑھا ہو جائے غرض مراد اس سے ایک تمثیل ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مراد حقیقت ہے اور روز قیامت اس قدر طویل ہوگا کہ اس میں ایک بچہ بھی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مزمل، بیروت)

ِالسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝
اس میں آسمان پھٹ جانے والا ہے، اس کا وعدہ ہمیشہ سے ہو کر رہنے والا ہے۔ یقیناً یہ ایک نصیحت ہے،
تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے۔

قیامت کی سختی کے سبب آسمان کے پھٹ جانے کا بیان

"السَّمَاء مُنْفَطِر" ذَات انْفِطَار أَيْ انْشِقَاق "بِهِ" بِذَلِكَ الْيَوْم لِشِدَّتِهِ "كَانَ وَعْده" تَعَالَى بِمَجِيءِ ذَلِكَ "مَفْعُولًا" أَيْ هُوَ كَائِن لَا مَحَالَة، "إِنَّ هَذِهِ" الْآيَات الْمَخُوفَة "تَذْكِرَة" عِظَة لِلْخَلْقِ "فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبّه سَبِيلًا" طَرِيقًا بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَة،

اس میں آسمان پھٹ جانے والا ہے، یعنی اس دن کی سختی کے سبب آسمان پھٹ جائے گا۔ اس کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو

کر رہنے والا ہے۔یعنی وہ لامحالہ ہونے والا ہے۔ یقیناً ان آیات خوف میں ایک نصیحت ہے، جو مخلوق کیلئے وعظ ہے۔تو جو چاہے اپنے رب کی طرف یعنی ایمان واطاعت کا راستہ اختیار کر لے۔

اس دنیا میں بھی تم پر فرعون اور آل فرعون کی طرح اللہ کا عذاب آ کے رہے گا اگر بالفرض اس دنیا میں عذاب نہ بھی آئے تو اس دن کے عذاب سے تم کیونکر بچ سکتے ہو جس دن آسمان پھٹ جائے گا، یہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔اس دن کی دہشت اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ عذاب سے پہلے ہی بچے دہشت کے مارے بوڑھے نظر آنے لگیں گے، چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ لوگ ان دہشت ناک مناظر سے پناہ کی کوئی جگہ تلاش کرنا چاہیں گے تو وہ بھی کہیں نہ مل سکے گی۔اس کے بعد اس دن کافروں کو یقینی طور پر جو عذاب ہونے والا ہے اس سے بچنے کی تمہارے پاس کوئی صورت ہے؟

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ
وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ
عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ
وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ
خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی شب کے قریب اور نصف شب اور ایک تہائی شب (نماز میں) قیام کرتے ہیں، اور ان لوگوں کی ایک جماعت (بھی) جو آپ کے ساتھ ہیں، اور اللہ ہی رات اور دن کا صحیح اندازہ رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ تم ہرگز اس کے احاطہ کی طاقت نہیں رکھتے، سو اس نے تم پر (مشقت میں تخفیف کر کے) معافی دے دی، پس جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو، وہ جانتا ہے کہ تم میں سے (بعض لوگ) بیمار ہوں گے اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں اور (بعض) دیگر اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے، سو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا (ہی) پڑھ لیا کرو، اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرضِ حسن دیا کرو، اور جو بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے حضور بہتر اور اَجر میں بزرگ تر پالو گے، اور اللہ سے بخشش طلب کرتے رہو، اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

نماز میں بہ قدر آسانی قرأت کرنے کا بیان

"اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى" اَقَلَّ "مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفِهٖ وَثُلُثِهٖ" بِالْجَرِّ عَطْف عَلٰى ثُلُثَيْ

وَبِالنَّصْبِ عَلَى أَدْنَى وَقِيَامه كَذَلِكَ نَحو مَا أَمَرَ بِهِ أَوَّل السُّورَة "وَطَائِفَة مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ " عَطْف عَلَى ضَمِير تَقُوم وَجَازَ مِنْ غَيْر تَأْكِيد لِلْفَصْلِ وَقِيَام طَائِفَة مِنْ أَصْحَابه كَذَلِكَ لِلتَّأَسِّي بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى مِنْ اللَّيْل وَكَمْ بَقِيَ مِنْهُ فَكَانَ يَقُوم اللَّيْل كُلّه احْتِيَاطًا فَقَامُوا حَتَّى انْتَفَخَتْ أَقْدَامهمْ سَنَة أَوْ أَكْثَر فَخَفَّفَ عَنْهُمْ "وَاَللَّه يُقَدِّر" يُحْصِي "اللَّيْل وَالنَّهَار عَلِمَ أَنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة وَاسْمهَا مَحْذُوف أَيْ أَنَّهُ "لَنْ تُحْصُوهُ" أَيْ اللَّيْل لِتَقُومُوا فِيمَا يَجِب الْقِيَام فِيهِ إلَّا بِقِيَامِ جَمِيعه وَذَلِكَ يَشُقّ عَلَيْكُمْ "فَتَابَ عَلَيْكُمْ" رَجَعَ بِكُمْ إلَى التَّخْفِيف "فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْ الْقُرْآن" فِي الصَّلَاة بِأَنْ تُصَلُّوا مَا تَيَسَّرَ "عَلِمَ أَنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة أَيْ أَنَّهُ "سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْض" يُسَافِرُونَ "يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْل اللَّه" يَطْلُبُونَ مِنْ رِزْقه بِالتِّجَارَةِ وَغَيْرهَا "وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيل اللَّه" وَكُلّ مِنْ الْفِرَق الثَّلَاثَة يَشُقّ عَلَيْهِمْ مَا ذُكِرَ فِي قِيَام اللَّيْل فَخَفَّفَ عَنْهُمْ بِقِيَامِ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نَسَخَ ذَلِكَ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْس "فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ" كَمَا تَقَدَّمَ "وَأَقِيمُوا الصَّلَاة" الْمَفْرُوضَة "وَآتُوا الزَّكَاة وَأَقْرِضُوا اللَّه" بِأَنْ تُنْفِقُوا مَا سِوَى الْمَفْرُوض مِنْ الْمَال فِي سَبِيل الْخَيْر "قَرْضًا حَسَنًا" عَنْ طِيب قَلْب "وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْر تَجِدُوهُ عِنْد اللَّه هُوَ خَيْرًا" مِمَّا خَلَّفْتُمْ وَهُوَ فَصْل وَمَا بَعْده وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَة يُشْبِههَا لِامْتِنَاعِهِ مِنْ التَّعْرِيف "وَأَعْظَم أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّه إنَّ اللَّه غَفُور رَحِيم" لِلْمُؤْمِنِينَ

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ کبھی دو تہائی شب کے قریب اور کبھی نصف شب اور کبھی ایک تہائی شب نماز میں قیام کرتے ہیں، یہاں پر لفظ ثلثہ کا عطف جر کی صورت میں ثلثی پر جبکہ نصب کی صورت میں ادنیٰ پر ہوگا۔ اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو آپ کے ساتھ ہیں قیام میں شریک ہوتی ہے، جس طرح سورت کے شروع میں حکم دیا گیا ہے۔ یہاں پر لفظ طائفہ کا عطف تقوم کی ضمیر پر ہے جو بغیر کسی تاکید کے محض فصل کیلئے آئی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہوتا حتیٰ کہ انہیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ رات کتنی نماز میں گزری ہے اور کتنی باقی ہے لہٰذا وہ نماز تہجد کیلئے ساری رات نماز میں گزار دیتے یہاں تک کہ ان کے پاؤں پر ورم آ گیا اور انہوں نے ایسا ایک سال تک یا اس سے زیادہ مدت تک کیا پس ان پر آسانی فرمائی گئی۔ اور اللہ ہی رات اور دن کے گھٹنے اور بڑھنے کا صحیح اندازہ رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ تم ہرگز اس کے احاطہ کی طاقت نہیں رکھتے، یہاں پر لفظ اَن مخففہ من ثقیلہ ہے۔ اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی اَنہ ہے۔ سو اس نے تم پر مشقت میں تخفیف کر کے معافی دے دی، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مشقت کے سبب تم تمام رات قیام نہ کر سکو گے پس جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن نماز میں پڑھ لیا کرو، یعنی اس قدر نماز میں پڑھو جو آسان ہو۔ یہاں پر بھی اَن مخففہ من ثقیلہ ہے۔ یعنی اَنہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں

سے بعض لوگ بیمار ہوں گے اور بعض دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تا کہ اللہ کا فضل تلاش کریں یعنی تجارت وغیرہ کے ساتھ رزق تلاش کریں گے۔اور بعض دیگر اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے، لہٰذا اس طرح تینوں اقسام کے لوگوں پر ذکر کردہ قیام میں مشقت ہے لہٰذا ان پر بہ قدر آسانی تخفیف فرمائی۔اس کے بعد یہ حکم پانچوں نمازوں کے حکم کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔سو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا ہی پڑھ لیا کرو، جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔اور فرض کردہ نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو یعنی فرض کردہ مال کے سوا بھی خیر کی راہوں میں مال خرچ کرتے رہو۔اور اللہ کو قرضِ حسن دیا کرو، تا کہ دل پاک ہو جائے۔اور جو بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے حضور بہتر اور اَجر میں بزرگ تر پالو گے، اور جو تم نے پیچھے چھوڑی ہے یہاں پر ھو ضمیر فصل ہے اگر چہ اس کا مابعد معرفہ نہیں ہے لیکن وہ مشابہ بہ معرفہ ہے۔لہٰذا تعریف ممتنع ہوئی۔اور اللہ سے بخشش طلب کرتے رہو، اللہ اہل ایمان کو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اعمال صالحہ کے سبب جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے انور کو دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ چہرہ اقدس کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد جو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ لوگو! سلام کو ظاہر کرو۔(یعنی السلام علیکم آواز بلند کہو تا کہ جس کو سلام کیا جا رہا ہے وہ سن لے نیز یہ کہ ہر ایک سے سلام کرو چاہے وہ آشنا ہو یا بے گانہ) اور (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ۔رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو، نیز رات میں اس وقت تہجد کی نماز پڑھو جب کہ لوگ سوتے ہو (اگر یہ کرو گے) تو جنت میں سلامتی کے ساتھ (یعنی بغیر عذاب کے) داخل ہو گے۔(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 406)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایکم مالہ احب الیہ من مال وارثہ؟" تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے"؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔فرمایا اعلموا ما تقولون۔سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو"۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا حال واقعی یہی ہے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما مال احدکم ما قدم و مال وارثہ ما اخر۔تمہارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لیے آگے بھیج دیا۔اور جو کچھ تم نے روک کر رکھا وہ تو وارث کا مال ہے"۔(بخاری۔نسائی۔مسند ابو یعلی۔تفسیر جامع البیان، سورہ مزمل، بیروت)

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرْ

یہ قرآن مجید کی سورت مدثر ہے

سورت مدثر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّة وَآيَاتهَا سِتّ وَخَمْسُونَ

سورہ مدّثر مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، چھپّن، آیات، دو سو پچپن کلمات، ایک ہزار دس حروف ہیں۔

سورت مدثر کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت کے لفظ المدثر کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی چادر اوڑھنے والا ہے اور اس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بہ طور وحی کے از روئے محبت کے ہوئی لہٰذا اسی نام سے یہ سورت معروف ہوئی ہے۔

سورت مدثر کے شان نزول کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے متعلق بتاتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں چلا جا رہا تھا کہ آسمان سے ایک آواز آتی سنائی دی میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ ہے جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا۔ وہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس سے ڈر گیا اور لوٹ آیا۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ پھر مجھے کمبل اوڑھا دیا گیا اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ (يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ، اے لحاف میں لیٹنے والے کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔ المدثر)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1276)

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ۝
اے چادر اوڑھنے والے (حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) اُٹھیں اور ڈر سنائیں۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حالت وحی میں چادر مبارک اوڑھنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ" النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْله الْمُتَدَثِّر أُدْغِمَتْ التَّاء فِي الدَّال أَيْ

الْمُتَلَفِّفِ بِثِيَابِهِ عِنْدَ نُزُولِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ "قُمْ فَأَنْذِرْ" خَوِّفْ أَهْلَ مَكَّةَ النَّارَ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" عَظِّمْ عَنْ إِشْرَاكِ الْمُشْرِكِينَ،

اے چادر اوڑھنے والے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھیں، یہاں پر لفظ مدثر اصل میں متدثر تھا تو تاء کا دال میں ادغام کیا گیا ہے۔ یعنی نزول وحی کے وقت کپڑا اوڑھنے والے۔ اور لوگوں یعنی اہل مکہ کو اللہ کا ڈر سنائیں۔ کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کیلئے جہنم کی آگ ہے۔ اور اپنے رب کی بڑائی اور عظمت بیان فرمائیں۔ کیونکہ وہ اس سے عظیم ہے جو مشرکین شریک ٹھہراتے ہیں۔

عروہ بن زبیر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر تنہائی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہونے لگی اور غار حرا میں تنہا رہنے لگے اور قبل اس کے کہ گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو وہاں تحنث کیا کرتے، تحنث سے مراد کئی راتیں عبادت کرنا ہے اور اس کے لئے توشہ ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے، حق آیا، چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھ، آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا، یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! اپنے رب کے نام سے، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دہرایا اس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو، تو لوگوں نے کمبل اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسید بن عبدالعزیٰ کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے، زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا، نابینا اور بوڑھے ہو گئے تھے، ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اے میرے چچا زاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو آپ سے ورقہ نے کہا اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا، بیان کر دیا، ورقہ نے آپ

سے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا، کاش میں نوجوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا، ہاں! جو چیز تو لے کر آیا ہے اس طرح کی چیز جو بھی لے کر آیا اس سے دشمنی کی گئی، اگر میں تیرا زمانہ پاؤں تو میں تیری پوری مدد کروں گا، پھر زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی کا آنا کچھ دنوں کے لئے بند ہو گیا۔

ابن شہاب نے کہا کہ مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ جابر بن عبداللہ انصاری وحی کے رکنے کی حدیث بیان کر رہے تھے، تو اس حدیث میں بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما رہے تھے کہ ایک بار میں جا رہا تھا تو آسمان سے ایک آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ تھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور واپس لوٹ کر میں نے کہا مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، (يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے، پھر وحی کا سلسلہ گرم ہو گیا اور لگاتار آنے لگی۔ عبداللہ بن یوسف اور ابوصالح نے اس کے متابع حدیث بیان کی ہے اور ہلال بن رواد نے زہری سے متابعت کی ہے، یونس اور معمر نے فوادہ کی جگہ بوادرہ بیان کیا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 3)

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○
اور اپنے لباس پاک رکھیں۔ اور بتوں سے الگ رہیں۔

ظاہر و باطن کی صفائی رکھنے کا بیان

"وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" عَنْ النَّجَاسَة أَوْ قَصِّرْهَا خِلَاف جَرّ الْعَرَب ثِيَابهمْ خُيَلَاء فَرُبَّمَا أَصَابَتْهَا نَجَاسَة "وَالرُّجْزَ" فَسَّرَهُ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَوْثَان "فَاهْجُرْ" أَيْ دُمْ عَلَى هَجْره،

اور اپنے لباس پاک رکھیں۔ کیونکہ متکبرین اہل عرب کے کپڑے زمین پر گھسٹنے کی وجہ سے نجاست سے آلودہ ہو جاتے تھے لہٰذا آپ کپڑوں کو اونچا رکھ کر ان کا خلاف کریں۔ اور بتوں سے الگ رہیں۔ لفظ رجز کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتوں سے بچنا بیان فرمائی ہے۔ یعنی بتوں کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیں۔

اس آیت میں حضرات مفسرین سے سبھی معانی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی تضاد اور اختلاف نہیں۔ بطور عموم مجاز کے اگر ان الفاظ سے سبھی معنی مراد لئے جاویں تو کوئی بعد نہیں، اور معنے اس حکم کے یہ ہوں گے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب اور نفس کو باطل عقائد و خیالات سے اور اخلاق رذیلہ سے پاک رکھیئے۔ پائجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی ممانعت بھی اس سے مستفاد ہوتی ہے کیونکہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا آلودہ ہو جانا بعید نہیں تو تطہیر ثوب کے حکم میں یہ بھی آ گیا کہ کپڑوں کا استعمال اس طرح کرو کہ نجاست سے دور رہیں۔ اور کپڑوں کے پاک رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ محل حرام سے نہ

بنائے جائیں کسی ایسی وضع وہیئت کے نہ بنائے جائیں جو شرعاً ممنوع ہیں۔

اور ظاہر آیت سے یہ ہے کہ یہ تطہیر ثوب کا حکم نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام حالات میں عام ہے اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ غیر حالت نماز میں بھی بغیر کسی ضرورت کے جسم کو ناپاک رکھنا یا ناپاک کپڑے پہنے رکھنا یا ناپاک جگہ میں بیٹھے رہنا جائز نہیں، ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں۔ (تفسیر مظہری، سورہ مدثر، لاہور)

اس سے مراد اخلاق بھی ہیں جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور اس سے مراد اعمال بھی ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے یحشر المرء فی ثوبه الذین مات فیهما ای عمله الخبیث و الطیب انسان قیامت کے دن انہی کپڑوں میں اٹھے گا جن میں کہ وہ فوت ہوا۔ یعنی اپنے نیک و بد اعمال کے ساتھ۔ (تفسیر روح البیان، سورہ مدثر، بیروت)

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝
اور احسان نہ کر کہ زیادہ حاصل کرے۔ اور آپ اپنے رب کے لئے صبر کیا کریں۔ پھر جب صور میں پھونک ماری جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے صبر کرنے کا بیان

"وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ" بِالرَّفْعِ حَال أَيْ لَا تُعْطِ شَيْئًا لِتَطْلُب أَكْثَر مِنْهُ وَهَذَا خَاصّ بِهِ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّهُ مَأْمُور بِأَجْمَلِ الْأَخْلَاق وَأَشْرَف الْآدَاب،
"وَلِرَبِّك فَاصْبِرْ" عَلَى الْأَوَامِر وَالنَّوَاهِي "فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُور" نُفِخَ فِي الصُّور وَهُوَ الْقَرْن النَّفْخَة الثَّانِيَة،

اور احسان نہ کر کہ زیادہ حاصل کرے۔ یہ رفع کے ساتھ حال ہے یعنی کسی کو مطلوبہ طلب سے زیادہ نہ دیں۔ اور یہ بیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق و آداب سب سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوامر و نواہی پر اپنے رب کے لئے صبر کیا کریں۔ پھر جب دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی۔ اور وہ سینگ ہے۔ جو نفخہ ثانیہ ہے۔

یعنی جیسے کہ دنیا میں ہدیئے اور نیوتے دینے کا دستور ہے کہ دینے والا یہ خیال کرتا ہے کہ جس کو میں نے دیا ہے وہ اس سے زیادہ مجھے دے دے گا، اس قسم کے نیوتے اور ہدیئے شرعاً جائز ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے منع فرمایا گیا کیونکہ شان نبوت بہت ارفع واعلیٰ ہے اور اس منصبِ عالی کے لائق یہی ہے کہ جس کو جو دیں وہ محض کرم ہو اس سے لینے یا نفع حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مدثر، لاہور)

صبر کے لفظی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں اسلئے صبر کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نفس کو روکے اور یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور

تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جزع فزع اور شکایت سے بچے اسلئے یہ حکم ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے اس موقع پر اس حکم کی خصوصیت ممکن ہے اسلئے بھی ہو کہ اوپر کی آیات میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ عام خلق خدا تعالیٰ کو دین حق کی طرف دعوت دیں کفر وشرک اور معاصی سے روکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ مخالفت وعداوت اور ایذاء رسانی پر آمادہ ہو جائیں گے اس لئے داعی حق کو صبر وضبط کا خوگر ہونا چاہئے۔ یہ چند احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کے بعد قیامت اور اس کے ہولناک ہونیکا ذکر ہے۔ ناقور کے معنے صور کے ہیں ونقر سے مراد صور میں پھونک مار کر آواز نکالنے کے ہیں۔ اور روز قیامت کا سبھی کفار کے لئے سخت وشدید ہونا بیان فرمانے کے بعد ایک خاص شریر کافر کے حالات اور اسکے عذاب شدید کا بیان ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مدثر، بیروت)

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝
پس وہ دن بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ کافروں پر ہرگز آسان نہ ہوگا۔ آپ مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا چھوڑ دیں۔

قیامت کے دن کفار پر سختی ہونے کا بیان

"فَذٰلِكَ" أَيْ وَقْت النَّقْر "يَوْمَئِذٍ" بَدَل مِمَّا قَبْله الْمُبْتَدَأ وَبُنِيَ لِإِضَافَتِهِ إلَى غَيْر مُتَمَكِّن وَخَبَر الْمُبْتَدَأ "يَوْم عَسِير" وَالْعَامِل فِي إذَا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَة اشْتَدَّ الْأَمْر "عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْر يَسِير" فِيهِ دَلَالَة عَلَى أَنَّهُ يَسِير عَلَى الْمُؤْمِنِينَ فِي عُسْره،

"ذَرْنِي" اُتْرُكْنِي "وَمَنْ خَلَقْت" عَطْف عَلَى الْمَفْعُول أَوْ مَفْعُول مَعَهُ "وَحِيدًا" حَال مِنْ مَنْ أَوْ مِنْ ضَمِيره الْمَحْذُوف مِنْ خَلَقْت مُنْفَرِدًا بِلَا أَهْل وَلَا مَال هُوَ الْوَلِيد بْن الْمُغِيرَة الْمَخْزُومِيّ

پس وہ دن یعنی روز قیامت بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ یہاں پر لفظ یومئذ یہ ماقبل مبتداء ذلک سے بدل ہے۔ اور غیر متمکن کی جانب اضافت کے سبب مبنی ہوا۔ اور یوم عسیر یہ مبتداء کی خبر ہے۔ اور اِذا اس میں عامل ہے۔ جس کی جملہ پر دلالت ہے۔ اور مدلول اشتد الامر ہے۔ کافروں پر ہرگز آسان نہ ہوگا۔ اس میں یہ دلیل ہوئی کہ وہ اہل ایمان پر آسان ہوگا۔ اگرچہ وہ تنگی میں ہوں۔ آپ مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا (انتقام لینے کے لئے) چھوڑ دیں۔ یہاں پر لفظ من خلقت کا عطف ذرنی کے مفعول یا مفعول معہ پر ہے۔ اور وحیدا یہ لفظ مَن سے یا مَن کی جانب لوٹنے والی ضمیر محذوف سے حال ہے۔ اور منفرد کا معنی یہ کہ وہ بلا اہل ومال پیدا کیا گیا اور وہ ولید بن مغیرہ مخزومی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ذرنی ومن خلقت وحیدا: ذر فعل امر واحد مذکر حاضر۔ وذر (باب سمع، فتح) مصدر سے۔ بمعنی مع ہے۔ من موصولہ ہے

اور خلقت صلہ ہے۔ مطلب یہ کہ:۔تو مجھے اور (بمعہ اس کے) جس کو میں نے پیدا کیا (اپنے اپنے حال پر) چھوڑ دے میں خود ہی اس سے نپٹ لوں گا۔ وحیدا۔اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

35/35 (1) یہ ذرنی کے مفعول سے حال ہے، مجھے اس کے لئے چھوڑ دو۔ میں تمہاری طرف سے اس کے لئے کافی ہوں۔

(2) یہ خلقت کے فاعل سے حال ہے۔ میں نے تنہا خود بغیر کسی شریک کے پیدا کیا اس کو۔(3) خلقت کا مفعول محذوف ہے ای خلقتہ اور وحیدا اس مفعول کی ضمیر سے حال ہے۔ میں نے شرارت میں اس کو یکتا پیدا کیا (4) وحید وہ شخص ہوتا ہے جس کا نسب کسی باپ سے نہ ملتا ہو۔ ولید بھی حرامی تھا۔ امام بغوی نے بیان کیا ہے کہ:۔ولید کا خطاب قوم میں وحید تھا۔ اللہ نے بھی بطور استہزاء اور استخفاف کے اس کو وحید فرمایا۔ (تفسیر بغوی، سورہ مدثر، بیروت)

سورت مدثر آیت ۱۱ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ ولید پلید حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں حضرت صدیق اکبر نے چند آیتیں پڑھ سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں جب یہاں سے نکلا اور کفار قریش کے مجمع میں پہنچا تو کہنے لگا لوگو! تعجب کی بات ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن پڑھتے ہیں اللہ کی قسم نہ تو وہ شعر ہے نہ جادو کا منتر ہے نہ مجنونانہ بڑ ہے بلکہ واللہ وہ تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں، قریشیوں نے یہ سن کر سر پکڑ لیا اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی بغیر اسلام لائے باقی نہ رہے گا، ابو جہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں دیکھو میں ایک ترکیب سے اسے اسلام سے پھیر دوں گا یہ کہتے ہی اپنے ذہن میں ایک ترکیب سوچ کر یہ ولید کے گھر پہنچا اور کہنے لگا آپ کی قوم نے آپ کے لئے چندہ کر کے بہت سا مال جمع کر لیا ہے اور وہ آپ کو صدقہ میں دینے والے ہیں، اس نے کہا واہ کیا مزے کی بات ہے مجھے ان کے چندوں اور صدقوں کی کیا ضرورت ہے دنیا جانتی ہے کہ ان سب میں مجھ سے زیادہ مال و اولاد والا کوئی نہیں ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لوگوں میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ آپ جو ابو بکر کے پاس آتے جاتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان سے کچھ حاصل وصول ہو، ولید کہنے لگا او ہو میرے خاندان میں میری نسبت یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں مجھے مطلق معلوم نہ تھا اچھا اب قسم اللہ کی نہ میں ابو بکر کے پاس جاؤں نہ عمر کے پاس نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یعنی آیت (ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا، المدثر: 11) (مستدرک تفسیر قرطبی، سورہ مدثر، بیروت)

جہنم کی ایک وادی، صعود اور ولید بن مغیرہ

جس خبیث شخص نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن کو انسانی قول کہا اس کی سزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے، پہلے جو نعمتیں اس پر انعام ہوئی ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ تن تنہا خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا مال اولاد دیا اور کچھ اس کے پاس نہ تھا پھر اللہ نے اسے مالدار بنا دیا، ہزاروں لاکھوں دینار زر زمین وغیرہ عنایت فرمائی اور باعتبار بعض اقوال کے تیرہ اور بعض اور اقوال کے دس لڑکے دیئے جو

سب کے سب اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے نوکر چاکر لونڈی غلام کام کاج کرتے رہتے اور یہ مزے سے اپنی زندگی اپنی اولاد کے ساتھ گزارتا، غرض دھن دولت لونڈی غلام بال بچے آرام آسائش ہر طرح کی مہیا تھی، پھر بھی خواہش نفس پوری نہیں ہوتی تھی اور چاہتا تھا کہ اللہ اور بڑھادے، حالانکہ ایسا اب نہ ہوگا، یہ ہمارے احکامات کے علم کے بعد بھی کفر اور سرکشی کرتا ہے اسے صعود پر چڑھایا جائے گا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر گرایا جائے گا چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا لیکن پھر بھی تہ تک نہ پہنچے گا اور صعود جہنم کے ایک ناری پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہے گا پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہے گا اور اسی ابدی سزا میں گرفتار رہے گا، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے غریب کہتے ہیں، ساتھ ہی یہ حدیث منکر ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ صعود جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو آگ کا ہے اسے مجبور کیا جائے گا اس پر چڑھے ہاتھ رکھتے ہی رکھتے ہی راکھ ہو جائے گا اور اٹھاتے ہی بدستور ویسا ہی ہو جائے گا اسی طرح پاؤں بھی، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جہنم کا ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر اپنے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، سدی کہتے ہیں یہ پتھر بڑا پھسلنا ہے۔

مجاہد کہتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم اسے مشقت والا عذاب دیں گے، قتادہ فرماتے ہیں ایسا عذاب جس میں اور جس سے کبھی بھی راحت نہ ہو۔

امام جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اس تکلیف دہ عذاب سے اس لئے قریب کر دیا کہ وہ ایمان سے بہت دور تھا وہ سوچ سوچ کر خود ساختہ دنیا میں رہتا تھا کہ وہ قرآن کی مانند کہے اور بات بنائے پھر اس پر افسوس کیا جاتا ہے اور محاورہ عرب کے مطابق اس کی ہلاکت کے کلمے کہے جاتے ہیں کہ یہ غارت کر دیا جائے یہ برباد کر دیا جائے کتنا بد کلام، بری سوچ، کتنی بےحیائی سے جھوٹ بات گھڑ لی، اور بار بار غور و فکر کے بعد پیشانی پر بل ڈال کر، منہ بگاڑ کر، حق سے ہٹ کر بھلائی سے منہ موڑ کر اطاعت اللہ سے منہ پھیر کر، دل کڑا کر کے کہہ دیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے لوگوں کا جادو کا منتر نقل کر لیا کرتے ہیں اور اسی کو سنا رہے ہیں یہ کلام اللہ کا نہیں بلکہ انسانی قول ہے اور جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے، اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا، قریش کا سردار تھا۔ (تفسیر جامع البیان، ابن ابی حاتم رازی، سورہ مدثر، بیروت)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس نے کہا تھا قرآن کے بارے میں بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر تو نہیں اس میں حلاوت ہے، اس میں چمک ہے، یہ غالب ہے مغلوب نہیں لیکن ہے یقیناً جادو۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ابن جریر میں ہے کہ ولید حضور علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور قرآن سن کر اس کا دل نرم پڑ گیا تھا اور پورا اثر ہو چکا تھا جب ابو جہل کو یہ معلوم ہوا تو دوڑا بھاگا آیا اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ کھلم کھلا مسلمان نہ ہو جائے اس بھڑکانے کے لئے جھوٹ موٹ کہنے لگا کہ چچا آپ کی قوم آپ کے لئے مال جمع کرنا چاہتی ہے پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کا جانا

چھڑوائیں کیونکہ آپ وہاں مال حاصل کرنے کی غرض سے ہی جاتے آتے ہیں اس نے غصہ میں آ کر کہا میری قوم کو معلوم نہیں کہ میں ان سب سے زیادہ مالدار ہوں؟ ابو جہل نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن اس وقت تو لوگوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مال حاصل کرنے کی غرض سے آپ اسی کے ہو گئے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے تو آپ اس کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہیں تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ اس کے مخالف ہیں اور آپ کو اس سے کوئی طمع نہیں، اس نے کہا بھئی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو قرآن مجھے سنایا ہے قسم ہے اللہ کی نہ وہ شعر ہے نہ قصیدہ ہے اور نہ رجز ہے، نہ جنات کا قول اور نہ ان کے اشعار ہیں۔ تمہیں خوب معلوم ہے کہ جنات اور انسان کا کلام مجھے خوب یاد ہے میں خود نامی شاعر ہوں کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں لیکن اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس میں سے کچھ بھی نہیں اللہ جانتا ہے اس میں عجب حلاوت مٹھاس لذت شیفتگی اور دلیری ہے وہ تمام کلاموں کا سردار ہے اس کے سامنے اور کوئی کلام جچتا نہیں وہ سب پر چھا جاتا ہے اس میں کشش بلندی اور جذب ہے اب تم ہی بتاؤ کہ میں اس کلام کی نسبت کیا کہوں؟ ابو جہل نے کہا سنو جب تک تم اسے برائی کے ساتھ یاد نہ کرو گے تمہاری قوم کے خیالات تمہاری نسبت صاف نہیں ہوں گے، اس نے کہا اچھا تو مجھے مہلت دو میں سوچ کر اس کی نسبت کوئی ایسا کلمہ کہدوں گا چنانچہ سوچ سوچ کر قومی حمیت اور ناک رکھنے کی خاطر اس نے کہدیا کہ یہ تو جادو ہے جسے وہ نقل کرتا ہے اس پر آیت (ذرنی سے تسعۃ عشر) تک کی آیتیں اتریں۔ سدی کہتے ہیں کہ دار الندوہ میں بیٹھ کر ان سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ موسم حج پر چاروں طرف سے لوگ آئیں گے تو بتاؤ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا کہیں؟ کوئی ایسی تجویز کرو کہ سب بہ یک زبان وہی بات کہیں تا کہ عرب بھر میں اور پھر ہر جگہ بھی وہی مشہور ہو جائے تو اب کسی نے شاعر کہا کسی نے جادوگر کہا کسی نے کاہن اور نجومی کہا کسی نے مجنون اور دیوانہ کہا ولید بیٹھا سوچتا رہا اور غور و فکر کر کے دیکھ بھال کر تیوری چڑھا اور منہ بنا کر کہنے لگا جادوگروں کا قول ہے جسے یہ نقل کر رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مدثر، بیروت)

وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًاۙ وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًاۙ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًاۙ
اور میں نے اسے بہت وسیع مال مہیا کیا تھا۔ اور حاضر رہنے والے بیٹے تھے۔ اور میں نے اسے خوب وسعت دی تھی۔

مال و اولاد کی کثرت کے سبب تکبر کرنے کا بیان

"وَجَعَلْت لَهُ مَالًا مَمْدُودًا" وَاسِعًا مُتَّصِلًا مِنْ الزُّرُوع وَالضُّرُوع وَالتِّجَارَة "وَبَنِينَ" عَشَرَة أَوْ أَكْثَر "شُهُودًا" يَشْهَدُونَ الْمَحَافِل وَتُسْمَع شَهَادَاتهمْ "وَمَهَّدْت" بَسَطْت "لَهُ" فِي الْعَيْش وَالْعُمْر وَالْوَلَد،

اور میں نے اسے بہت وسیع مال مہیا کیا تھا۔ جو زراعت، مویشی اور تجارت ہے۔ اور اس کے سامنے دس یا زیادہ حاضر رہنے والے بیٹے دیئے تھے۔ جو مجالس میں موجود ہوتے اور ان کی گواہی سنی جاتی۔ اور میں نے اسے سامان عیش و عشرت میں، عمر اور اولاد میں خوب وسعت دی تھی۔

ولید بن مغیرہ کا مال ودولت کے سبب اترانے کا بیان

یہ کافر ولید بن مغیرہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مال ودولت اور اولاد فراوانی کے ساتھ دی تھی، بقول ابن عباس اس کی زمین جائیداد وباغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے اور بقول ثوری اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی، بعض نے اس سے کم بھی بتلایا ہے۔ اتنا سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اسکے کھیت اور باغات کی آمدنی اور پیداوار سال بھر سردی گرمی کی ہر موسم میں مسلسل رہتی تھی قرآن کریم میں اسی کو فرمایا ہے وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور یہ عرب کا سردار مانا جاتا تھا۔ لوگوں میں اس کا لقب ریحانہ قریش مشہور تھا یہ خود اپنے آپ کو بطور فخر وبکر کے وحید ابن الوحید، یعنی یکتا کا بیٹا کہا کرتا تھا کہ نہ قوم میں میری کوئی نظیر ہے نہ میرے باپ مغیرہ کی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مدثر، بیروت)

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ۝ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۝
پھر وہ حرص رکھتا ہے کہ میں اور زیادہ کروں۔ ہرگز نہ ہوگا، بیشک وہ ہماری آیتوں کا دشمن رہا ہے۔
عنقریب میں اسے سخت مشقت کی تکلیف دوں گا۔

مال کی کثرت کے باوجود حرص ولالچ کا بیان

"كَلَّا" لَا أَزِيدهُ عَلَى ذَلِكَ "إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا" الْقُرْآن "عَنِيدًا" مُعَانِدًا "سَأُرْهِقُهُ" أُكَلِّفهُ "صَعُودًا" مَشَقَّة مِنْ الْعَذَاب أَوْ جَبَلًا مِنْ نَار يَصْعَد فِيهِ ثُمَّ يَهْوِي أَبَدًا،

پھر بھی وہ حرص رکھتا ہے کہ میں اور زیادہ کروں۔ یہاں پر لفظ کلا میں لا ء زائدہ ہے۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا، بیشک وہ ہماری آیتوں یعنی قرآن کا دشمن رہا ہے۔ عنقریب میں اسے سخت مشقت کے عذاب کی تکلیف دوں گا۔ یا آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا جس پر وہ ہمیشہ چڑھتا اور اترتا رہے گا۔

یعنی باوجود کثرت نعمت وثروت کے کبھی حرف شکر زبان سے نہ نکالا۔ بلکہ ہمیشہ بت پرستی اور زیادہ مال جمع کرنے کی حرص میں منہمک رہتا اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کے سامنے بہشت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو کہتا تھا کہ اگر یہ شخص اپنے بیان میں سچا ہے تو یقین کامل ہے کہ وہاں کی نعمتیں بھی مجھے ہی ملیں گی۔ اس کو فرماتے ہیں کہ باوجود اس قدر ناشکری اور حق ناشناسی کے یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا وآخرت کی نعمتیں اور زیادہ دے گا۔

جہنم میں صعود نامی پہاڑ ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صعود جہنم میں ایک پہاڑ کا نام ہے دوزخی کو اس پر ستر برس میں چڑھایا جائے گا۔ اور پھر دھکیل دیا جائے گا اور پھر ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہے گا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف ابن لہیعہ کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں۔ اس کا کچھ حصہ عطیہ نے بھی ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً

نقل کیا ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1277)

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ○ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ○ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ○ ثُمَّ نَظَرَ○ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ○
بے شک اس نے سوچ بچار کی اور ایک تجویز مقرر کرلی۔ بس اس پر مار ہو، اس نے کیسی تجویز کی۔
پھر نظر اٹھا کر دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا۔

حق کو قبول کرنے کی بہ جائے تیوری چڑھانے والے کا بیان

"اِنَّهُ فَكَّرَ" فِيمَا يَقُول فِي الْقُرْآن الَّذِي سَمِعَهُ مِنْ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَقَدَّرَ" فِي نَفْسه ذٰلِكَ "فَقُتِلَ" لُعِنَ وَعُذِّبَ "كَيْفَ قَدَّرَ" عَلَى أَيّ حَال كَانَ تَقْدِيره "ثُمَّ نَظَرَ" فِي وُجُوه قَوْمه أَوْ فِيمَا يَقْدَح بِهِ فِيهِ،

"ثُمَّ عَبَسَ" قَبَضَ وَجْهه وَكَلَّحَهُ ضِيقًا بِمَا يَقُول "وَبَسَرَ" زَادَ فِي الْقَبْض وَالْكُلُوح،

بے شک اس نے سوچ بچار کی یعنی جو وہ قرآن کے بارے میں کہتا جس کو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ اور دِل میں ایک تجویز مقرر کرلی۔ بس اس پر اللہ کی مار یعنی لعنت ہو، اس نے کیسی تجویز کی۔ پھر نظر اٹھا کر اپنی قوم کو دیکھا۔ یا غور کیا کہ کس طرح اس میں عیب نکالے۔ پھر تیوری چڑھائی یعنی منہ کو سکیڑ لیا۔ اور منہ بگاڑا۔ یعنی منہ کو تنگ کرلیا۔ اور نہایت زیادہ منہ بنالیا۔

کفار مکہ کا لوگوں کو قرآن سے دور کرنے کی سازش کا بیان

ولید بن مغیرہ خود بڑا سمجھدار اور عربی کلام کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھا۔ وہ خود قرآن سے کافی حد تک متاثر ہو چکا تھا۔ اب قریشی سرداروں کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اگر ان کا رئیس مسلمان ہو گیا تو پھر تو ان کا کہیں بھی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ اس کو اپنے سابقہ دین پر برقرار رکھنے کا بیڑا ابو جہل نے اٹھایا۔ (ولید بن مغیرہ کے بعد قریش کی سیادت ابو جہل کے ہاتھ آئی تھی) جب ابوجہل نے اسے سمجھایا کہ اگر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی سب عزت و جاہ خاک میں مل جائے گی اور اسے قریش کی سیادت سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا۔ تو وہ اسلام لانے سے رک گیا۔ اب ایک اور اہم مسئلہ درپیش تھا کہ حج کا موسم قریب آ چکا تھا اور قریشی سرداروں کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ جو لوگ حج کے موقعہ پر باہر سے مکہ آتے ہیں انہیں اسلام کی دعوت سے کیونکر روکا جا سکتا ہے اور وہ پیغمبر اسلام کو کیا کہہ کر لوگوں کو ان سے متنفر کر سکتے ہیں؟

ولید بن مغیرہ کے ہاں مشرکین مکہ کا مشورہ:۔ چنانچہ اس غرض کے لیے قریشی سردار ولید بن مغیرہ کے ہاں جمع ہوئے۔ ولید بن مغیرہ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اچھا تم لوگ اپنی اپنی تجاویز پیش کرو۔ ان میں سے ایک بول اٹھا: "ہم کہیں گے کہ یہ شخص کاہن ہے" ولید کہنے لگا: واللہ! وہ کاہن نہیں، اس کے کلام میں نہ کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے، نہ قافیہ گوئی اور نہ تک بندی۔ پھر وہ کاہن کیسے ہو سکتا ہے؟" دوسرے نے کہا ہم کہیں گے:" وہ پاگل ہے" ولید نے کہا: واللہ!" وہ پاگل بھی نہیں، ہم نے پاگلوں کو دیکھا

ہے۔اس کے اندر نہ پاگلوں جیسی دم گھٹنے کی کیفیت ہے، نہ الٹی سیدھی حرکتیں ہیں اور نہ ان جیسی بہکی بہکی باتیں ہیں" تیسرے نے کہا:"ہم کہیں گے، وہ شاعر ہے" ولید کہنے لگا:"وہ شاعر بھی نہیں، ہمیں رجز، ہجز، قریض مقبوض، مبسوط سارے ہی اصناف سخن معلوم ہیں۔اس کی بات بہر حال شعر نہیں ہے۔" تب لوگوں نے کہا: ہم کہیں گے:"وہ جادوگر ہے" ولید نے کہا وہ جادوگر بھی نہیں۔ یہ شخص نہ ان کی طرح جھاڑ پھونک کرتا ہے اور نہ گرہ لگاتا ہے" آخر لوگوں نے جھنجھلا کر کہا: پھر تم ہی اپنی بے داغ رائے پیش کرو۔ولید کہنے لگا۔ مجھے ذرا سوچ لینے دو۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں پر ایک فاخرانہ نگاہ ڈالی۔ پھر از راہ تکبر پیشانی کو سکیڑا جیسے قرآن سے اسے بہت کراہت اور انقباض ہے۔اس کے ساتھی چلے گئے، وہ سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے اپنی بے داغ رائے یہ پیش کی کہ تم لوگ باہر سے آنے والوں سے یوں کہہ سکتے ہو کہ یہ شخص ایسا کلام پیش کرتا ہے جو ایسا جادو ہے جس سے بھائی بھائی سے، باپ بیٹے سے، شوہر بیوی سے جدا ہو جاتا ہے اور کنبے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے" چنانچہ اس تجویز پر متفق ہو کر سب لوگ رخصت ہو گئے۔ اس مکالمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن مغیرہ پر قرآن کی حقیقت پوری طرح واضح ہو چکی تھی۔اب وہ جو کچھ پینترے بدل رہا تھا محض اپنے اقتدار اور جاہ کو محفوظ رکھنے کی خاطر کر رہا تھا۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی ہٹ دھرمی اور کج فکری کا نقشہ پیش کیا ہے۔(عامہ کتب تفاسیر)

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝
پھر پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا۔ پھر اس نے کہا یہ جادو کے سوا کچھ نہیں، جو نقل کیا جاتا ہے۔ یہ انسان کے قول کے سوا کچھ نہیں ۔

کفار کا قرآن مجید کو جادو کہنے کا بیان

"ثُمَّ أَدْبَرَ" عَنْ الْإِيمَان "وَاسْتَكْبَرَ" تَكَبَّرَ عَنْ اتِّبَاع النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَقَالَ" فِيمَا جَاءَ بِهِ "إِنْ" مَا "هَذَا إِلَّا سِحْر يُؤْثَر" يُنْقَل عَنْ السَّحَرَة "إِنْ" مَا "هَذَا إِلَّا قَوْل الْبَشَر" كَمَا قَالُوا إِنَّمَا يُعَلِّمهُ بَشَر،

پھر ایمان سے پیٹھ پھیر لی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے سے تکبر کیا۔ پھر اس نے کہا یہ جادو کے سوا کچھ نہیں، جو نقل کیا جاتا ہے۔ یہ انسان کے قول کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی یہ پہلے سے چلا آتا ہے جیسے دیگر کفار نے کہا کہ انہیں کوئی انسان سکھاتا ہے۔

سورت مدثر آیت ۲۵ کے شان نزول کا بیان

جب (حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ، غافر:2) نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں تلاوت فرمائی، ولید نے سنا اور اس قوم کی مجلس میں آکر اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابھی ایک کلام سنا، نہ وہ آدمی کا، نہ جن کا، بخدا اس میں عجیب شیرینی اور تازگی اور فوائد و دلکشی ہے، وہ کلام سب پر غالب رہے گا، قریش کو اس کی ان

باتوں سے بہت غم ہوا اور ان میں مشہور ہو گیا کہ ولید آبائی دین سے برگشتہ ہو گیا، ابو جہل نے ولید کو ہموار کرنے کا ذمہ لیا اور اس کے پاس آ کر بہت غمزدہ صورت بنا کر بیٹھ گیا، ولید نے کہا کیا غم ہے؟ ابو جہل نے کہا، غم کیسے نہ ہو تو بوڑھا ہو گیا ہے، قریش تیرے خرچ کے لئے روپیہ جمع کر دیں گے، انہیں خیال ہے کہ تو نے محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کلام کی تعریف اس لئے کی ہے کہ تجھے ان کے دسترخوان کا بچا کھانا مل جائے، اس پر اسے بہت طیش آیا اور کہنے لگا کہ کیا قریش کو میرے مال و دولت کا حال معلوم نہیں ہے اور کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے کبھی سیر ہو کر کھانا بھی کھایا ہے، ان کے دسترخوان پر کیا بچے گا، پھر ابو جہل کے ساتھ اٹھا اور قوم میں آ کر کہنے لگا تمہیں خیال ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں، کیا تم نے ان میں کبھی دیوانگی کی کوئی بات دیکھی؟ سب نے کہا ہرگز نہیں، کہنے لگا تم انہیں کاہن سمجھتے ہو، کیا تم نے انہیں کبھی کہانت کرتے دیکھا ہے؟ سب نے کہا نہیں، کہا تم انہیں شاعر گمان کرتے ہو، کیا تم نے کبھی انہیں شعر کہتے پایا؟

سب نے کہا نہیں، کہنے لگا تم انہیں کذاب کہتے ہو، کیا تمہارے تجربہ میں کبھی انہوں نے جھوٹ بولا؟ سب نے کہا نہیں، اور قریش میں آپ کا صدق و دیانت ایسا مشہور تھا کہ قریش آپ کو امین کہا کرتے تھے، یہ سن کر قریش نے کہا، پھر بات کیا ہے تو ولید سوچ کر بولا کہ بات یہ ہے کہ وہ جادوگر ہیں، تم نے دیکھا ہوگا کہ انکی بدولت رشتہ دار رشتہ دار سے، باپ بیٹے سے جدا ہو جاتے ہیں، بس یہی جادوگر کا کام ہے اور جو قرآن وہ پڑھتے ہیں وہ دل میں اثر کر جاتا ہے، اس کا باعث یہ ہے کہ وہ جادو ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس کا ذکر فرمایا گیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مدثر، لاہور)

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ ○ لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ ○ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ○ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ○
میں عنقریب اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔ اور تم نے کیا جانا دوزخ کیا ہے۔ وہ نہ باقی رکھتی ہے اور نہ
چھوڑتی ہے۔ جسمانی کھال کو جھلسا کر سیاہ کر دینے والی ہے۔ اس پر انیس ہیں۔

جہنم کے انیس داروغے ہونے کا بیان

● "سَاُصْلِيْهِ" اُدْخِلُهُ "سَقَرَ" جَهَنَّمَ "وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَر" تَعْظِيمًا لِشَأْنِهَا "لَا تُبْقِي وَلَا تَذَر" شَيْئًا مِنْ لَحْم وَلَا عَصَب إِلَّا أَهْلَكَتْهُ ثُمَّ يَعُود كَمَا كَانَ "لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ" مُحَرِّقَة لِظَاهِرِ الْجِلْد "عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَر" مَلَكًا خَزَنَتهَا قَالَ بَعْض الْكُفَّار وَكَانَ قَوِيًّا شَدِيد الْبَأْس أَنَا أَكْفِيكُمْ سَبْعَةَ عَشَر وَاكْفُونِي أَنْتُمْ اثْنَيْنِ قَالَ تَعَالَى :

میں عنقریب اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔ اور تم نے کیا جانا دوزخ کیا ہے۔ یہ جملہ اس کی بڑائی کیلئے آیا ہے۔ وہ ایسی آگ ہے جو نہ باقی رکھتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے۔ یعنی گوشت و عصاب وغیرہ کو ہلاکت کر دیتی ہے پھر وہ ویسے ہی لوٹ آتے ہیں جس طرح وہ پہلی حالت میں تھے۔ وہ جسمانی کھال کو جھلسا کر سیاہ کر دینے والی ہے۔ یعنی کھال کے ظاہر کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اس

پر انیس فرشتے داروغے مقرر ہیں۔ بعض کفار میں سے جو طاقتور تھا اس نے کہا کہ سترہ کیلئے میں اکیلا کافی ہوں اور بقیہ دو فرشتوں سے لڑنے میں میری مدد کر دینا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (جو آئندہ آیت میں آرہا ہے۔)

جنت کی مٹی اور میدے کی روٹی کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ چند یہودیوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ تمہارے نبی کو معلوم ہے کہ جہنم کے کتنے خزانچی ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہمیں علم نہیں لیکن ہم پوچھیں گے۔ پھر ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آج ہار گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس طرح؟ کہنے لگا کہ یہودیوں نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا تمہارا نبی جانتا ہے کہ جہنم کے کتنے خزانچی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا جواب دیا؟ کہنے لگا کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں بتا سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ قوم ہار گئی جس سے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا جو وہ نہیں جانتے؟ (یعنی اس میں تو ہارنے والی کوئی بات نہیں) بلکہ یہودیوں نے تو اپنے نبی سے کہا تھا کہ ہمیں اعلانیہ اللہ کا دیدار کرائے۔ اللہ کے ان دشمنوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جنت کی مٹی کس چیز کی ہے؟ اور وہ میدہ ہے۔ پھر جب وہ لوگ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھنے لگے کہ جہنم کے کتنے خزانچی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھوں سے دو مرتبہ اشارہ کیا۔ ایک مرتبہ دس انگلیوں سے اور ایک مرتبہ نو انگلیوں سے (یعنی) یہودی کہنے لگے ہاں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ جنت کی مٹی کس چیز کی ہے؟ وہ چند لمحے چپ رہے اور پھر کہنے لگے اے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم روٹی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میدے کی روٹی ہے۔ اس حدیث کو ہم صرف مجالد کی روایت سے اس سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1278)

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ
وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ
مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝
اور ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے ہی مقرر کیے ہیں اور ہم نے ان کی گنتی کافروں کے لئے محض آزمائش کے طور پر مقرر کی
ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور اہل ایمان کا ایمان مزید بڑھ جائے، اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کر سکیں، اور تاکہ وہ لوگ جن
کے دلوں میں بیماری ہے اور کفار یہ کہیں کہ اس مثال سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے چاہتا
ہے ہدایت فرماتا ہے، اور آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور یہ انسان کی نصیحت کے لئے ہی ہے۔

فرشتوں کی تعداد کی تصدیق کا ہدایت ہونے کا بیان

"وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً" أَيْ فَلَا يُطَاقُونَ كَمَا يَتَوَهَّمُونَ "وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ" ذَلِكَ "إِلَّا فِتْنَةً" ضَلَالًا "لِلَّذِينَ كَفَرُوا" بِأَنْ يَقُولُوا لِمَ كَانُوا تِسْعَةَ عَشَرَ "لِيَسْتَيْقِنَ" لِيَسْتَبِينَ "الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ" أَيْ الْيَهُود صِدْقَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَوْنِهِمْ تِسْعَةَ عَشَرَ الْمُوَافِقِ لِمَا فِي كِتَابِهِمْ "وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا" مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ "إِيمَانًا" تَصْدِيقًا لِمُوَافَقَتِهِ مَا أَتَى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا فِي كِتَابِهِمْ "وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ" مِنْ غَيْرِهِمْ فِي عَدَدِ الْمَلَائِكَةِ "وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ" شَكٌّ بِالْمَدِينَةِ "وَالْكَافِرُونَ" بِمَكَّةَ "مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا" الْعَدَدِ "مَثَلًا" سَمَّوْهُ لِغَرَابَتِهِ بِذَلِكَ وَأُعْرِبَ حَالًا "كَذَلِكَ" أَيْ مِثْلَ إِضْلَالِ مُنْكِرِ هَذَا الْعَدَدِ وَهُدَى مُصَدِّقِهِ "يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ" أَيْ الْمَلَائِكَةَ فِي قُوَّتِهِمْ وَأَعْوَانِهِمْ "إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ" أَيْ سَقَرُ،

اور ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے ہی مقرر کیے ہیں جس طرح ان کفار کا وہم ہے اس طرح وہ طاقت نہیں رکھتے اور ہم نے ان کی گنتی کافروں کے لئے محض آزمائش کے طور پر مقرر کی ہے تا کہ اہل کتاب یعنی یہود یقین کرلیں کہ نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ہے کیونکہ ان کی کتب میں بھی یہی تعداد بیان کی گئی تھی۔ کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق کو لانا اسی کے موافق ہے جو ان کی کتابوں میں ہے۔ اور اہل ایمان کا ایمان اس تصدیق سے مزید بڑھ جائے، اور اہل کتاب اور مومنین فرشتوں کی اس تعداد میں شک نہ کرسکیں، اور تا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں شک کی بیماری ہے جو اہل مدینہ ہیں اور کفار مکہ یہ کہیں کہ اس تعداد کی مثال سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ غرابت کے سبب اس کا نام مثال رکھا گیا ہے۔ یعنی جو فرشتوں کی مذکورہ تعداد کا منکر ہے۔ گمراہ ہے اور جو تصدیق کرنے والا ہے وہ ہدایت پر ہے۔ اور اسی طرح اللہ ایک ہی بات سے جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے، اور آپ کے رب کے لشکروں یعنی فرشتوں کی تعداد کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، جو بڑی طاقت اور قوت والے ہیں۔ اور یہ دوزخ کا بیان انسان کی نصیحت کے لئے ہی ہے۔

فرشتوں کے سخت ہونے سے متعلق روایات کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب دینے پر اور جہنم کی نگہبانی پر ہم نے فرشتے ہی مقرر کئے ہیں جو سخت بیرحم اور سخت کلامی کرنے والے ہیں اس میں مشرکین قریش کی تردید ہے انہیں جس وقت جہنم کے داروغوں کی گنتی بتلائی گئی تو ابوجہل نے کہا اے قریشیوں یہ اگر انیس ہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک سو ہے ہم مل کر انہیں ہرادیں گے اس پر کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے ہیں انسان نہیں انہیں نہ تم ہرا سکو نہ تھکا سکو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوالاشدین جس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا اس نے اس گنتی کو سن کر کہا کہ قریشیو تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں، یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر

دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے، یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپ مجھ سے کشتی لڑیں اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپ کی نبوت کو مان لوں گا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کشتی کی اور کئی بار گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا، امام ابن اسحاق نے کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب کا بتایا ہے، میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ تفاوت نہیں (ممکن ہے اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی ہوئی ہو) واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے، ایک طرف کافروں کا کفر کھل گیا، دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا، کہ اس رسول کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے، تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں مزید توانا ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھایا، اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک شبہ نہ رہا بیمار دل اور منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانواڈول ہو جاتے ہیں اللہ کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے ہیں، تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں وہی خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھ لینا کہ بس انیس ہی ہیں، جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت و ضلالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں حالانکہ یہ مجرد ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر صرف انیس کے کیا معنی؟

بخاری و مسلم کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کا صوف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر ہزار فرشتے اسی طرح ہمیشہ تک لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی، مسند احمد میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے۔ ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو۔ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تم بہت کم ہنستے، بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے بلکہ ہفر یاد و زاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔

اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بیساختہ یہ نکل جاتا کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن غریب بتاتے ہیں اور حضرت ابوذر سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے۔

طبرانی میں ہے ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یا رکوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ اللہ تو پاک ہے ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اس قدر ہم سے ادا نہیں ہو سکی، البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب الصلوۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا، آپ نے فرمایا آسمانوں کا چر چر بولنا میں سن رہا ہوں اور وہ اس چر چراہٹ پر ملامت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں، دوسری روایت میں ہے آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو، اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے۔ آیت (وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ، الصافات: 164) یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے مقرر جگہ ہے اور ہم صفیں باندھنے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں۔

اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی غریب ہے، دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعود کا بیان کیا گیا ہے، ایک اور سند سے یہ روایت حضرت ابن علاء بن سعد سے بھی مرفوعاً مروی ہے یہ صحابی فتح مکہ میں اور اس کے بعد کے جہادوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں کا ایک ابو جحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ تو وہ شخص تو کھڑے ہو گئے لیکن ابو جحش کہنے لگا اگر کوئی ایسا شخص آئے جو طاقت وقوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرا دے پھر میرا منہ مٹی میں ملا دے تو تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا، حضرت عمر نے فرمایا اور کون آئے گا آ جا میں تیار ہوں چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے پچھاڑا پھر اس کے منہ کو مٹی میں مل دیا اور اتنے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور اسے میرے ہاتھ سے چھڑا دیا، میں بڑا بگڑا اور اسی غصہ کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ابو حفص آج کیا بات ہے؟ میں نے کل واقعہ کہہ سنایا آپ نے فرمایا اگر عمر اس سے خوش ہوتا تو اس پر رحم کرتا اللہ کی قسم میرے نزدیک تو اس خبیث کا سر اتار لیتا تو اچھا تھا، یہ سنتے ہی حضرت عمر یونہی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف لپکے۔ خاصی دور نکل چکے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دی اور فرمایا بیٹھو سن تو لو کہ اللہ ابو جحش کی نماز سے بالکل بے نیاز ہے آسمان دنیا میں خشوع وخضوع والے بیشمار فرشتے اللہ کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں جو قیامت کو سجدے سے سر اٹھائیں گے اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے کہ اب بھی ہمارے رب ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا، اسی طرح دوسرے آسمان میں بھی یہی حال ہے، حضرت عمر نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تسبیح کیا ہے؟ فرمایا آسمان دنیا کے فرشتے تو کہتے ہیں دعا (سبحان ذی الملك والملكوت) اور دوسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں دعا (سبحان ذی العزة والجبروت) اور تیسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں دعا

(سبحان الحی الذی لا یموت) عمر تو بھی اپنی نماز میں اسے کہا کرو حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے جو پڑھنا آپ نے سکھایا ہے اور جس کے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا کیا ہوگا کہا کبھی یہ کہو کبھی وہ پڑھو پہلے جو پڑھنے کو آپ نے فرمایا تھا وہ یہ تھا دعا (اعوذ بعفوك من عقابك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك منك جل وجهك) یعنی اللہ تیرے ہی پناہ پکڑتا ہوں اور تیرا چہرہ جلال والا ہے۔

ایک حضرت سعید بن جبیر دوسری حضرت حسن بصری سے، پھر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت عدی بن ارطاۃ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابی سے سنا ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت خوف اللہ سے کپکپاتے رہتے ہیں ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتداء دنیا سے رکوع میں ہی ہیں اور بعض سجدے میں ہی ہیں قیامت کے دن اپنی پیٹھ اور اپنا سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے جناب باری تعالیٰ میں عرض کریں گے کہ اللہ تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے یہ لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے۔ پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے، جو اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ لگنا چاہے لگ جائے۔ جو چاہے اس کے باوجود حق کو پیٹھ ہی دکھاتا رہے، اس سے دور بھاگتا رہے، یا اسے رد کرتا رہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مدثر، بیروت)

كَلَّا وَالْقَمَرِ ○ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ○ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ○ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ○ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ○
ہر گز نہیں، چاند کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر کر رخصت ہونے لگے۔ اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے۔
بے شک یہ بہت بڑی آفتوں میں سے ایک ہے۔ انسان کو ڈرانے والی ہے۔

چاند اور رات کی قسم اٹھانے کا بیان

"كَلَّا" اسْتِفْتَاح بِمَعْنَى أَلَا "وَاللَّيْل إِذَا" بِفَتْحِ الذَّال "أَدْبَرَ" جَاءَ بَعْد النَّهَار وَفِي قِرَاءَة إِذَا أَدْبَرَ بِسُكُونِ الذَّال بَعْدهَا هَمْزَة أَيْ مَضَى "وَالصُّبْح إِذَا أَسْفَرَ" ظَهَرَ "إِنَّهَا" أَيْ سَقَر "لَإِحْدَى الْكُبَر" الْبَلَايَا الْعِظَام، "نَذِيرًا" حَال مِنْ إِحْدَى وَذُكِّرَ لِأَنَّهَا بِمَعْنَى الْعَذَاب،

یہاں پر لفظ کلا یہ استفتاح کیلئے آیا ہے جو الا کے معنی میں ہے۔ اور لفظ اذا یہ ذال کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ ہر گز نہیں، چاند کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر کر رخصت ہونے لگے۔ یعنی جس کے بعد دن آنے لگے اور ایک قرأت میں اذا دبر یہ ذال کے سکون کے ساتھ آیا ہے اور اس کے بعد ہمزہ جو مضی کے معنی میں آیا ہے جس کا معنی گیا ہے۔ اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے۔ یعنی وہ بڑی چیزوں میں سے ایک ہے بے شک یہ عذاب بہت بڑی آفتوں میں سے ایک ہے۔ انسان کو ڈرانے والی

ہے۔یہاں پر لفظ نذیرا یہ احدی سے حال ہے۔کیونکہ وہ بہ معنی عذاب ہے۔

چاند کی شکلیں، ان کا گھٹنا بڑھنا، رات اور دن کا وجود اور ان کا باری باری آنا، رات کی تاریکی کے بعد سپیدہ سحر کا نمودار ہونا۔ اللہ کی یہ نشانیاں بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ یہ چیزیں چونکہ ہر روز انسان کے مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں اس لیے وہ ان میں غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور جب دوزخ کا ذکر آتا ہے تو وہ فوراً اس کا انکار کر دیتا ہے۔صرف اس لیے کہ اس نے تا حال دوزخ دیکھی نہیں۔ورنہ ان اشیاء کی قسم جنہیں انسان دیکھ رہا ہے۔جہنم کا وجود ناممکن نہیں ہے۔اور وہ انسان کے لیے ڈر جانے کی چیز ہے۔مذاق اڑانے کی نہیں۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ○ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ○ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ○
اس شخص کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا جو پیچھے رہ جائے۔ہر شخص ان کے بدلے جو اس نے
کمار کھے ہیں گروی ہے۔سوائے دائیں جانب والوں کے۔

ہر شخص کا مکسوب پر مرہون ہونے کا بیان

"لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ" بَدَل مِنْ الْبَشَر "أَنْ يَتَقَدَّم" إِلَى الْخَيْر أَوْ الْجَنَّة بِالْإِيمَانِ "أَوْ يَتَأَخَّر" إِلَى الشَّرّ أَوْ النَّار بِالْكُفْرِ "كُلّ نَفْس بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَة" مَرْهُونَة مَأْخُوذَة بِعَمَلِهَا فِي النَّار "إِلَّا أَصْحَاب الْيَمِين" وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ فَنَاجُونَ مِنْهَا كَائِنُونَ،

یہاں پر لفظ لمن شاء یہ بشر سے بدل ہے۔اس شخص کے لئے جو تم میں سے نیکی یا ایمان بہ جنت میں آگے بڑھنا چاہے یا جو بدی میں یا دوزخ کے انکار میں پیچھے رہ جائے۔ہر شخص ان اعمال کے بدلے جو اس نے کمار کھے ہیں گروی ہے۔یعنی اپنے عمل کے سبب جہنم میں ہوگا۔سوائے دائیں جانب والوں کے۔اور وہ اہل ایمان ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔

یعنی آگے بڑھے نیکی یا بہشت کی طرف اور پیچھے رہے بدی میں پھنسا ہوا یا دوزخ میں پڑا ہوا۔بہرحال مقصود یہ ہے کہ دوزخ سب مکلفین کے حق میں بڑے ڈراوے کی چیز ہے اور چونکہ اس ڈرانے کے عواقب و نتائج قیامت میں ظاہر ہوں گے۔اس لیے قسم ایسی چیزوں کی کھائی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہے۔چنانچہ چاند کا اول بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ ہے اس عالم کے نشو و نما اور اضمحلال وفنا کا اسی طرح اس عالم دنیا کو عالم آخرت کے ساتھ حقائق کے اختفاء و انکشاف میں ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔گویا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گزر جانے اور اس عالم کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے۔

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○
قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○

باغات میں ہوں گے، اور آپس میں پوچھتے ہوں گے۔ مجرموں کے بارے میں۔ تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی۔
وہ کہیں گے ہم نماز ادا کرنے والوں میں نہیں تھے۔ اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔

نماز نہ پڑھنے اور کھانا نہ کھلانے کے سبب دوزخ میں داخل ہونے کا بیان

"فِي جَنّٰت يَتَسَاءَ لُونَ" "بَيْنهمْ"عَنْ الْمُجْرِمِينَ " وَحَالهمْ وَيَقُولُونَ لَهُمْ بَعْد إخْرَاج الْمُوَحِّدِينَ مِنْ النَّار "مَا سَلَكَكُمْ" أَدْخَلَكُمْ،

وہ باغات میں ہوں گے، اور آپس میں پوچھتے ہوں گے۔ مجرموں کے بارے میں۔ اور وہ موحدین کے جہنم سے نکلنے کے بعد ان سے کہیں گے تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں گے ہم نماز ادا کرنے والوں میں نہیں تھے۔ اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اگر چہ جنت پر وقف کی علامت ہے لیکن آیت 38 پر بھی وقف کیا جاسکتا ہے۔ اگر پہلی علامت معانقہ پر وقف کیا جائے تو آیت 39 کا ترجمہ سوائے اصحاب یمین کے پر جملہ ختم ہو جائے گا۔ اور فی جنت یتساءلون اکٹھا پڑھا جائے گا۔ اور جنت ظرف مکان یتساءلون کا ہوگا۔ اور فی جنت سے قبل ہم محذوف ہوگا اور آیت 41 اس کے ساتھ ہی پڑھی جائے گی۔ اور کلام یوں ہوگا:۔

ھم فی جنت یتساء لون عن المجرمین وہ باغوں میں مجرموں سے پوچھیں گے اور اگر دوسری علامت معانقہ پر وقف کیا جائے تو فی جنت کا ربط جملہ ماسبق سے ہوگا۔ اور کلام یوں ہوگا۔

الا اصحب الیمین فی جنت سوائے اصحاب یمین کے جو جنتوں میں ہوں گے۔ آیت 38 تا 42 کا باربط ترجمہ یوں ہوگا:۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے سوائے اصحب الیمین کے کہ وہ باغ ہائے بہشت میں ہوں گے اور گنہگاروں سے پوچھتے ہوں گے۔ یتساءلون بمعنی یتسالون ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مدثر، بیروت)

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ٥ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ٥ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ٥

اور بیہودہ مشاغل والوں کے ساتھ ہم بھی بیہودہ مشغلوں میں پڑے رہتے تھے۔ اور ہم روز جزا کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم پر جس کا آنا یقینی تھا آ پہنچی۔

منکرین بعث کے اقرار بعث کا بیان

"وَكُنَّا نَخُوض" "فِي الْبَاطِل" "وَكُنَّا نُكَذِّب بِيَوْمِ الدِّين" الْبَعْث وَالْجَزَاء "حَتّٰى أَتَانَا الْيَقِين" الْمَوْت،

اور بیہودہ مشاغل والوں یعنی اہل باطل کے ساتھ مل کر ہم بھی بیہودہ مشغلوں میں پڑے رہتے تھے۔ اور ہم روز جزا یعنی بعث وجزاء کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم پر جس کا آنا یقینی تھا وہ موت آ پہنچی۔

وہ بد بخت اپنے دخول دوزخ کے اسباب کے ذکر و بیان کے سلسلے میں مزید کہیں گے اور ہم حق کے خلاف باتیں بنانے میں

لگے رہتے تھے: خوض کے اصل معنیٰ آتے ہیں کثرۃ الکلام یعنی زیادہ باتیں کرنا مگر اس کا زیادہ تر استعمال باطل ہی کیلئے ہی ہوتا ہے۔
یعنی نہ اللہ کا حق پہچانا نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بد صحبتوں میں رہ کر شکوک وشبہات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم کو یقین نہ ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنے والا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کیے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی اور آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین حاصل ہوا جن کی تکذیب کیا کرتے تھے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ○ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ○ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ○
پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔ تو ان کو کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے
رُوگردانی کیے ہوئے ہیں۔ جیسے وہ سخت بدکنے والے گدھے ہیں۔

کفار کا نصیحت سے بدکنے والے گدھوں کی طرح اعراض کرنے کا بیان

"فَمَا تَنْفَعهُمْ شَفَاعَة الشَّافِعِينَ" مِنْ الْمَلَائِكَة وَالْأَنْبِيَاء وَالصَّالِحِينَ وَالْمَعْنَى لَا شَفَاعَة لَهُمْ "فَمَا" مُبْتَدَأ "لَهُمْ" خَبَره مُتَعَلِّق بِمَحْذُوفٍ انْتَقَلَ ضَمِيره إلَيْهِ "عَنْ التَّذْكِرَة مُعْرِضِينَ" حَال مِنْ الضَّمِير وَالْمَعْنَى أَيّ شَيْء حَصَلَ لَهُمْ فِي إعْرَاضهمْ عَنْ الِاتِّعَاظ "كَأَنَّهُمْ حُمُر مُسْتَنْفِرَة" وَحْشِيَّة،

پس اب شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔ خواہ ان کفار کیلئے فرشتوں کی شفاعت ہو یا انبیائے کرام کی شفاعت یا اولیاء اللہ کی سفارش ہو اور معنی یہ ہے کہ ان کیلئے کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ یہاں پر لفظ فما مبتداء ہے اور لھم اس کی خبر ہے جس کا متعلق محذوف ہے جس کی جانب خبر کی ضمیر لوٹنے والی ہے۔ اور معرضین یہ ضمیر سے حال ہے۔ معنی یہ ہے کہ اعراض کرنے سے انہیں کیا حاصل ہوا ہے۔ تو ان کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ پھر بھی نصیحت سے رُوگردانی کیے ہوئے ہیں۔ گویا وہ بدکے ہوئے وحشی گدھے ہیں۔

جنتیوں اور دوزخیوں میں گفتگو ہوگی

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہوگا لیکن جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوئے جہنمیوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا بغیر علم کے جو زبان پر آیا بکتے رہے جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آ گئی، یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں آیت (وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ،الحجر:99) یعنی موت کے وقت تک اللہ کی عبادت میں لگا رہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے، اب اللہ مالک الملک فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہو جاتی ہے جہاں

محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم ہی کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے (ہاویہ) میں گئے۔ پھر فرمایا کیا بات ہے
کہ کونسی وجہ ہے کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن وحدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی 36
گدھے شکاری شیر سے، فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی میں اسد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں (قسورہ) کہتے ہیں اور
نبطی زبان میں رویا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مدثر، بیروت)

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى
صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝
جو شیر سے بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان میں سے ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں۔
ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔

حق سے اعراض کرنے والے کفار کا بیان

"فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ" أَسَد أَيْ هَرَبَتْ مِنْهُ أَشَدّ الْهَرَب "بَلْ يُرِيد كُلّ امْرِءٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا مُنَشَّرَة" أَيْ مِنَ اللّٰه تَعَالَى بِاتِّبَاعِ النَّبِيّ كَمَا قَالُوا : لَنْ نُؤْمِن لَك حَتَّى تُنَزِّل عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ "كَلَّا" رَدْع عَمَّا أَرَادُوهُ "بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَة" أَيْ عَذَابهَا،

جو شیر سے بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ یعنی شدید دور دوڑے جارہے ہیں۔ بلکہ ان میں سے ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع دیے جائیں۔ جس طرح انہوں نے کہا تھا کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ ہم پر کوئی کتاب نازل ہو جسے ہم پڑھیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، جس طرح ان کا ارادہ ہے۔ بلکہ وہ آخرت یعنی اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

کفار قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم ہرگز آپ کا اتباع نہ کریں گے جب تک کہ ہم میں ہر ایک کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایک کتاب نہ آئے جس میں لکھا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، فلاں بن فلاں کے نام، ہم اس میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا حکم دیتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مدثر، لاہور)

یعنی یہ بیہودہ درخواستیں بھی کچھ اس لیے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو واقعی مان جائیں گے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اس لیے حق کی طلب نہیں، اور یہ درخواستیں محض تعنت سے ہیں۔ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری کر دی جائیں تب بھی اتباع نہ کریں۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝
کچھ شک نہیں کہ یہ نصیحت ہے۔ تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

قرآن مجید کا سراسر نصیحت ہونے کا بیان

"كَلَّا" اسْتِفْتَاح "إِنَّهُ" أَيْ الْقُرْآن "تَذْكِرَة" عِظَة "فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ" قَرَأَهُ فَاتَّعَظَ بِهِ

یہاں پر بھی لفظ کلا استفتاح کیلئے آیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ قرآن نصیحت ہے۔تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔یعنی تم اس کو پڑھواور نصیحت حاصل کرو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کلا۔کلمہ روع۔(باز داشت، روکنا، جھڑکی، سرزنش) ہےان کی بے باکی پر۔ایک باز داشت ہے۔یا گذشتہ کلا کی تاکید ہے۔

انہ تذکرۃ: میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع قرآن مجید ہے۔تذکرۃ یاد داشت نصیحت، یاد کرنے کی چیز۔اللہ تعالیٰ کی جلالی و جمالی صفات اور رحمت وعذاب کا اس میں ذکر ہے۔

فمن شاء ذکرہ: ف سببیہ ہے من جو شخص، شاء ماضی واحد مذکر غائب۔مشیئۃ (باب فتح) سے مصدر۔بمعنی چاہنا۔ارادہ کرنا۔ذکر ماضی واحد مذکر غائب ذکر (باب نصر) مصدر سے۔اس نے یاد کیا۔ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع قرآن ہے۔پس جس کا جی چاہے اسے یاد رکھے۔یعنی اس سے نصیحت حاصل کرے۔

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ۝
اور وہ نصیحت حاصل نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے، وہی لائق ہے کہ ڈرا جائے اور لائق ہے کہ بخش دے۔

تقویٰ اختیار کرنے والے کیلئے لائق بخشش ہونے کا بیان

"وَمَا يَذْكُرُونَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء "إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّه هُوَ أَهْل التَّقْوَى" بِأَنْ يُتَّقَى "وَأَهْل الْمَغْفِرَة" بِأَنْ يَغْفِر لِمَنْ اتَّقَاهُ،

یہاں پر لفظ یذکرون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔اور وہ نصیحت حاصل نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے، وہی لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور لائق ہے کہ بخش دے۔یعنی جو اس سے ڈرے اسی کیلئے لائق ہے اس کو وہ بخش دے۔

سورت مدثر آیت ۵۶ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت (هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ، وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشنے کے لائق) کی تفسیر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس لائق ہوں کہ بندے مجھ سے ڈریں۔پس جو مجھ سے ڈرا اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا تو میں اس کا اہل ہوں کہ اسے معاف کر دوں۔یہ حدیث حسن غریب ہے۔سہیل محدثین کے نزدیک قوی نہیں اور سہیل نے یہ حدیث ثابت سے نقل کی ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1279)

سُورَةُ الْقِيٰمَةِ

یہ قرآن مجید کی سورت قیامت ہے

سورت قیامت کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الْقِيَامَة (مَكِّيَّة وَ آيَاتهَا أَرْبَعُون آيَة)

سورہ قیامہ مکیہ ہے، اس میں دو رکوع، چالیس، آیات، ایک سوننانوے کلمات، چھ سو بانوے حروف ہیں۔

سورت قیامت کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت مبارکہ میں قیامت کے دن کی قسم اٹھائی گئی ہے کہ اس کا وقوع یقینی ہے۔لہٰذا اسی مناسبت کے سبب یہ سورت مبارکہ قیامت کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰـمَةِ٥ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ٥ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ٥
میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی۔اور میں قسم کھاتا ہوں، ملامت کرنے والے نفس کی۔کیا انسان گمان کرتا ہے کہ
بے شک ہم کبھی اس کی ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے۔

کفار کے انکار بعث کا بیان

"لَا" زَائِدَة فِي الْمَوْضِعَيْنِ "وَلَا أُقْسِم بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَة" الَّتِي تَلُوم نَفْسهَا وَإِنْ اجْتَهَدَتْ فِي الْإِحْسَان وَجَوَاب الْقَسَم مَحْذُوف أَيْ لَتُبْعَثُنَّ دَلَّ عَلَيْهِ : "أَيَحْسَبُ الْإِنْسَان" أَيْ الْكَافِر "أَلَّنْ نَجْمَع عِظَامه" لِلْبَعْثِ وَالْإِحْيَاء

یہاں پر لفظ لا یہ دونوں مقامات پر زائدہ ہے۔میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی۔اور میں قسم کھاتا ہوں برائیوں پر ملامت کرنے والے نفس کی۔حالانکہ وہ نیکی کرنے میں محنت کرتا ہے۔اور جواب قسم محذوف ہے یعنی تمہیں ضرور بہ ضرور زندہ کیا جائے گا اور ایحسب الانسان کی اس پر دلالت ہے۔کیا انسان یعنی کافر گمان کرتا ہے کہ بے شک ہم کبھی اس کی ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے۔یعنی بعث کیلئے ہم زندہ نہ ہوں گے۔

ہم سب اپنے اعمال کا خود آئینہ ہیں

یہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی جائے اگر وہ رد کرنے کی چیز ہو تو قسم سے پہلے لا کا کلمہ نفی کی تائید کے لئے لانا

جائز ہوتا ہے یہاں قیامت کے ہونے پر اور جاہلوں کے اس قول کی تردید پر قیامت نہ ہوگی قسم کھائی جارہی ہے تو فرماتا ہے قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ملامت کرنے والی جان کی، حضرتِ حسن تو فرماتے ہیں قیامت کی قسم ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں دونوں کی قسم ہے، حسن اور اعرج کی قرأت آیت (لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ،القیامة:1) ہے اس سے بھی حضرت حسن کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک پہلے کی قسم ہے اور دوسرے کی نہیں، لیکن صحیح قول یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسے کہ حضرت قتادہ کا فرمان ہے، ابن عباس اور سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔

اور امام ابن جریر کا مختار قول بھی یہی ہے۔ یوم قیامت کو تو ہر شخص جانتا ہی ہے، نفس لوامہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے وہ ہر وقت اپنے تئیں ملامت ہی کرتا رہتا ہے کہ یوں کیوں کہدیا؟ یہ کیوں کھا لیا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟ ہاں فاسق فاجر غافل ہوتا ہے اسے کیا پڑی جو اپنے نفس کو روکے، یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق قیامت کے دن اپنے تئیں ملامت کرے گی، خیر والے خیر کی کمی پر اور شر والے شر کے سرزد ہونے پر، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مذموم نفس ہے جو نافرمان ہو، فوت شدہ پر نادم ہونے والا اور اس پر ملامت کرنے والا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں یہ سب اقوال قریب قریب ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ نفس والا ہے جو نیکی کی کمی پر برائی کے ہو جانے پر اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور فوت شدہ پر ندامت کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کیا انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے، یہ تو نہایت غلط خیال ہے ہم اسے متفرق جگہ سے جمع کر کے دوبارہ کھڑا کریں گے اور اس کی بالشت بالشت بنادیں گے۔

ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں یعنی ہم قادر ہیں کہ اسے اونٹ یا گھوڑے کے تلوے کی طرح بنادیں، امام ابن جریر فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اگر ہم چاہتے اسے ایسا کر دیتے، آیت کے لفظوں سے تو ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ (قادرین) حال ہے (نجمع) سے یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے ہاں ہاں ہم عنقریب جمع کریں گے درآنحالیکہ ہمیں ان کے جمع کرنے کی قدرت ہے بلکہ اگر ہم چاہیں تو جتنا یہ تھا اس سے بھی کچھ زیادہ بنا کر اسے اٹھائیں اس کی انگلیوں کے سرے تک برابر کر کے پیدا کریں۔ ابن قتیبہ اور زجاج کے قول کے یہی معنی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قیامہ، بیروت)

بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ○ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ○ یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ○
کیوں نہیں! ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے ایک ایک جوڑ اور پوروں تک کو درست کر دیں۔
بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ اپنے آگے بھی گناہ کرتا رہے۔ پوچھتا ہے قیامت کا دن کب ہوگا۔

انگلیوں کے پوروں کو درست کر دینے سے استدلال بعث کا بیان

"بَلٰی" نَجْمَعُهَا "قَادِرِیْنَ" مَعَ جَمْعِهَا "عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَه" وَهُوَ الْاَصَابِعُ اَیْ نُعِیدُ عِظَامَهَا

كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكَبِيرَةِ،

"بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ" اللَّامُ زَائِدَةٌ وَنَصَبَهُ بِأَنْ مُقَدَّرَةً أَيْ أَنْ يُكَذِّبَ "أَمَامَهُ" أَيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ دَلَّ عَلَيْهِ :"يَسْأَلُ أَيَّانَ" مَتَى "يَوْمُ الْقِيَامَةِ" سُؤَالَ اسْتِهْزَاءٍ وَتَكْذِيبٍ،

کیوں نہیں! ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے ایک ایک جوڑ اور پوروں تک کو درست کر دیں۔ یعنی ان کی ہڈیوں کو چھوٹا ہونے کے باوجود اسی حالت میں لوٹا دیں۔ جس پر وہ تھیں تو ان بڑی ہڈیوں کے بارے میں کیا خیال ہے۔ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ اپنے آگے کی زندگی میں بھی گناہ کرتا رہے۔ یہاں پر لفظ لیفجر میں لام زائدہ ہے اور یہ منصوب اَن مقدرہ کے سبب ہے یعنی وہ تکذیب کرتا ہے۔ جس پر قیامت کے دن کی دلالت ہے۔ پوچھتا ہے قیامت کا دن کب ہوگا۔ اس کا یہ سوال بہ طور استہزاء وتکذیب کے ہے۔

انسان کا برائی کی جانب جلدی بڑھنے کا بیان

پھر فرماتا ہے کہ انسان اپنے آگے فسق وفجور کرنا چاہتا ہے یعنی قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے، امیدیں باندھے ہوئے ہے، کہتا جاتا ہے کہ گناہ کرتو لوں توبہ بھی ہو جائے گی قیامت کے دن سے جو اس کے آگے ہے کفر کرتا ہے، وہ گویا اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھ رہا ہے، ہر وقت یہی پایا جاتا ہے کہ ایک ایک قدم اپنے نفس کو اللہ کی معصیت کی طرف بڑھاتا جاتا ہے مگر جن پر رب کا رحم ہے، اکثر سلف کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہی ہے کہ گناہوں میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں تاخیر کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جو یوم حساب کا منکر ہے، ابن زید بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ظاہر مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ وہ پوچھتا ہے قیامت کب ہوگی، اس کا یہ سوال بھی بطور انکار کے ہے یہ جانتا ہے کہ قیامت کا آنا محال ہے، جیسے اور جگہ ہے آیت (وَيَقُولُونَ مَتَى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ . یونس:48)،

کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتا دو کہ قیامت کب آئے گی؟ ان سے کہہ دے کہ اس کا ایک دن مقرر ہے جس سے نہ تم ایک ساعت آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ قیامہ، بیروت)

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ○ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ○ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ○
پھر جب آنکھ پتھرا جائے گی۔ اور چاند گہنا جائے گا۔ اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے۔

قیامت کے دن سورج وچاند کے جمع ہونے کا بیان

"فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ" بِكَسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا فِي بَرِقَ بِمَعْنَى دَهِشَ وَتَحَيَّرَ لِمَا رَأَى مِمَّا كَانَ يُكَذِّبُهُ "وَخَسَفَ الْقَمَرُ" أَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْءُهُ

"وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ" فَطَلَعَا مِنَ الْمَغْرِبِ أَوْ ذَهَبَ ضَوْءُهُمَا وَذَلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ

پھر جب آنکھ پتھرا جائے گی۔ یہاں پر لفظ برق یہ راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ مدہوش وحیران ہو جائے گا جب وہ ان چیزوں کا دیکھے گا جن کی وہ تکذیب کیا کرتا تھا۔ اور چاند گہنا جائے گا۔ یعنی وہ بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے۔ یعنی وہ دونوں مغرب سے طلوع ہوں گے یا وہ ان دونوں کی روشنی چلی جائے گی۔ اور ایسا قیامت کے دن ہوگا۔

قیامت کے دن آنکھیں پتھرا جانے کا بیان

یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب آنکھیں پتھرا جائیں گی، جیسے اور جگہ ہے آیت (لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ ،ابراھیم:43)، یعنی پلکیں جھپکیں گی نہیں بلکہ رعب و دہشت خوف و وحشت کے مارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتے رہیں گے، برق کی دوسری قرأت برق بھی ہے، معنی قریب قریب ہیں اور چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور سورج چاند جمع کر دیئے جائیں گے یعنی دونوں کو بینور کر کے لپیٹ لیا جائے گا، جیسے فرمایا آیت (اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ،التکویر:1)

حضرت ابن مسعود کی قرأت میں (وجمع بین الشمس والقمر) ہے، انسان جب یہ پریشانی شدت ہول گھبراہٹ اور انتظام عالم کی یہ خطرناک حالت دیکھے گا تو بھاگا جائے گا اور کہے گا کہ جائے پناہ یعنی بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ملے گا کہ کوئی پناہ نہیں رب کے سامنے اور اس کے پاس ٹھہرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں،

لیکن افسوس کہ یہ دوسروں کے عیبوں اور نقصانوں کو دیکھتا ہے اور اپنے کیڑے چننے سے غافل ہے، کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے اے ابن آدم تو دوسروں کی آنکھوں کا تو تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے دکھائی نہیں دیتا؟ قیامت کے دن چاہے انسان فضول بہانے بنائے گا اور جھوٹی دلیلیں دے گا بیکار عذر پیش کرے گا مگر ایک بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ اس آیت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ پردے ڈالے۔ اہل یمن پردے کو عذر کہتے ہیں، لیکن صحیح معنی اوپر والے ہیں جیسے اور جگہ ہے کہ کوئی معقول عذر نہ پا کر اپنے شرک کا سرے سے انکار ہی کر دیں گے کہ اللہ کی قسم ہم مشرک تھے ہی نہیں اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھا کھا کر سچا ہونا چاہیں گے جیسے دنیا میں تمہارے سامنے ان کی حالت ہے لیکن اللہ پر تو ان کا جھوٹ ظاہر ہے چاہے کتنا ہی وہ اپنی تئیں کچھ بھی سمجھتے رہیں، غرض عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کچھ کارآمد نہ ہوگا۔ جیسے اور جگہ فرماتا ہے آیت (يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ،غافر:52) ظالموں کو ان کی معذرت کچھ کام نہ آئے گی یہ تو اپنے شکر کے ساتھ اپنی تمام بداعمالیوں کا بھی انکار کر دیں گے لیکن بیسود ہوگا۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ قیامہ، بیروت)

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ۨ الْمُسْتَقَرُّ ۝
اس وقت انسان پکار اٹھے گا کہ بھاگ جانے کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ہرگز نہیں! کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔
اس دن آپ کے رب ہی کے پاس قرارگاہ ہوگی۔

قیامت کے دن انسان کیلئے کوئی فرار گاہ نہ ہونے کا بیان

"يَقُول الْإِنْسَان يَوْمئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرّ" الْفِرَار "كَلَّا" رَدْع عَنْ طَلَب الْفِرَار "لَا وَزَر" لَا مَلْجَأ يَتَحَصَّن بِهِ، "إِلَى رَبّك يَوْمئِذٍ الْمُسْتَقَرّ" مُسْتَقَرّ الْخَلَائِق فَيُحَاسَبُونَ وَيُجَازُونَ،

اس وقت انسان پکار اٹھے گا کہ بھاگ جانے کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ہرگز نہیں! کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ یعنی بھاگنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی قلعہ ہے۔ اس دن آپ کے رب ہی کے پاس قرار گاہ ہوگی۔ جہاں تمام مخلوق جمع ہوگی وہاں ان کا حساب کیا جائے گا اور انہیں جزاء دی جائے گی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

این المفر، کافر کا مقولہ ہے:۔ این کہاں۔ ظرف ہے۔ جس طرح متی سے زبان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اسی طرح این سے مکان دریافت کیا جاتا ہے۔ المفر مصدر میمی ہے، فرار، بھاگنا۔ الفرار۔ خوف سے بھاگنا۔ باب ضرب سے مصدر ہے۔ ترجمہ ہوگا:۔ کہاں ہے بھاگ، کہاں ہے بھاگ کر جانے کی جگہ۔

کلا لا وزر: نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ حرف ردع ہے۔ یہاں طلب مفر سے باز داشت ہے۔ معنی۔ نہیں نہیں (وہاں) بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ وزر۔ اسم منصوب۔ پناہ گاہ۔

زمخشری نے لکھا ہے:۔ لاوزر ای لا ملجا و کل ما التجات الیه من جبل او غیره وتخلصت به فهو وزرٌ ۔ لاوزر کے معنی ہیں لا ملجا (کوئی پناہ گاہ نہیں) ہر وہ چیز جس کو تو طلب کرے پناہ کے طور پر خواہ پہاڑ ہو یا کچھ اور جس کے دامن میں تو پناہ اور خلاصی پائے وہ تیرے لئے وزر ہے۔ وزر کا ماخذ وزر ہے جس کا معنی ہے بوجھ۔

الی ربك يومئذ ن المستقر، استقرار (استفعال) سے اسم مفعول واحد مذکر (اسم ظرف مکان واحد) ٹھیرایا ہوا۔ قرار یافتہ شدہ، ٹھیرنے کی جگہ۔ مبتداء الی ربک اس کی خبر، یومئذ متعلق خبر۔

ربک میں ک ضمیر واحد مذکر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور تخصیص کے معنی کے لئے لائی گئی ہے۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا۔

يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ○ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ○ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ○
اس دن انسان کو بتایا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔ بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے۔
اگر چہ وہ اپنے بہانے پیش کرے۔

قیامت کے انسان کے بہانوں کے قبول نہ کیے جانے کا بیان

"يُنَبَّأ الْإِنْسَان يَوْمئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ" بِأَوَّلِ عَمَله وَآخِره "بَلْ الْإِنْسَان عَلَى نَفْسه بَصِيرَة"

شَاهِد تَنْطِق جَوَارِحه بِعَمَلِهِ وَالْهَاء لِلْمُبَالَغَةِ فَلا بُدّ مِنْ جَزَائِهِ، "وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيْره" جَمْع مَعْذِرَة عَلَى غَيْر قِيَاس أَيْ لَوْ جَاء بِكُلِّ مَعْذِرَة مَا قُبِلَتْ مِنْهُ،

اس دن انسان کو بتایا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔یعنی اس کے اول وآخر عمل کے بارے میں بتادیا جائے گا۔بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے۔یعنی اس کے اعضاء اس کے عمل کے ساتھ بولتے ہوں گے۔یہاں پر لفظ بصیرہ ھاء مبالغہ کیلئے آئی ہے۔لہٰذا اس کیلئے جزاء لازم ہے۔اگر چہ وہ اپنے بہانے پیش کرے۔یہاں پر لفظ معاذیرہ یہ معذرۃ کی جمع ہے جو غیر قیاسی ہے۔یعنی اگر چہ وہ کتنے ہی بہانے کیوں نہ پیش کردے اس سے کوئی بہانہ قبول نہ کیا جائے گا۔

قیامت کے دن اعمال بتادیئے جانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس نے فرمایا کہ جو نیک کام اپنی موت سے پہلے کرلیا وہ آگے بھیج دیا،اور جو نیک یا بد مفید یا مضر کوئی طریقہ کوئی رسم ایسی چھوڑی کہ اسکے بعد لوگ اس پر عمل کریں وہ پیچھے چھوڑا (اسکا ثواب یا عذاب اس کو ملتا رہے گا) اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ماقدم سے مراد وہ عمل صالح ہے جو اپنی زندگی میں کرگزرا اور ماآخر سے مراد وہ عمل صالح ہے جس کو کرسکتا تھا مگر نہ کیا اور فرصت ضائع کردی۔(تفسیر قرطبی،سورہ قیامہ،بیروت)

بصیر اور بصیرۃ کے معنے دیکھنے والے کے بھی آتے ہیں اور بصیرۃ کے معنے حجت کے بھی آتے ہیں جیسے قرآن کریم میں ہے قد جاءکم بصائر من ربکم اسمیں بصائر بصیرۃ کی جمع ہے اور معنی اسکے حجت کے ہیں اور معاذیر معذار بمعنے عذر کی جمع ہے۔معنے آیت کے یہ ہیں کہ اگر چہ عدالت کے ضابطہ کی رو سے انسان کے سارے اعمال محشر میں اس کو ایک ایک کرکے بتلائے جاویں گے مگر درحقیقت اس کو اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ اپنے اعمال کو خوب جانتا ہے خود اس کو معلوم ہے کہ اس نے کیا کیا کام کئے، نیز یہ کہ محشر میں تمام اپنے اعمال نیک وبد کا مشادہ بھی اس کے سامنے ہوجائے گا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝
آپ جلدی میں اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں۔بےشک اسے جمع کرنا اور اسے پڑھانا ہمارا ذِمّہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام کے ساتھ بوقت وحی قرآن کو حاصل کرنے کا بیان

قَالَ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ "لَا تُحَرِّكْ بِهِ" بِالْقُرْآنِ قَبْل فَرَاغ جِبْرِيل مِنْهُ "لِسَانك لِتَعْجَل بِهِ" خَوْف أَنْ يَنْفَلِت مِنْك،

"إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعه" فِي صَدْرك "وَقُرْآنه" قِرَاءَتك إِيَّاهُ أَيْ جَرَيَانه عَلَى لِسَانك،

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قرآن کو یاد کرنے کی جلدی میں جبرائیل امین کے فارغ ہونے کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں۔اس اندیشہ کے سبب کہ کہیں کوئی کچھ رہ نہ جائے۔بےشک اسے آپ کے سینہ میں جمع کرنا اور اسے آپ کی

زبان سے پڑھانا ہمارا ذِمّہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت وشفقت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ قرآن اترتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت محنت اٹھاتے تھے منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ آپ اپنے دونوں ہونٹ ہلاتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ان دونوں کو ہلاتا ہوں، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہلاتے تھے اور سعید نے بیان کیا کہ میں (دونوں ہونٹ) ہلاتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جنبش دیتے ہوئے دیکھا، چنانچہ اپنے دونوں ہونٹ ہلا کر دکھائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ، قیامۃ: آیت 16) نازل فرمائی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کو جلد (یاد) کرنے کیلئے اپنی زبان کو نہ ہلاؤ، اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ قرآن کا تمہارے سینہ میں جمع کر دینا اور اس کو تمہارا پڑھنا، پھر جب ہم اس کو پڑھ لیں تو اس کے پڑھنے کی پیروی کرو، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یعنی اس کو سنو اور چپ رہو، پھر یقیناً اس کا مطلب سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے، پھر بلاشبہ میرے ذمہ ہے کہ تم اس کو پڑھو، اس کے بعد جب جبرائیل آپ کے پاس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غور سے سنتے، پھر جب جبرائیل علیہ السلام چلے جاتے، تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے جس طرح جبرائیل نے پڑھا تھا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 4)

فَإِذَا قَرَأْنٰـهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ
پھر جب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں۔ پھر بیشک اس کا کھول کر بیان کرنا ہمارا ہی
ذِمّہ ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ تم جلد ملنے والی (دنیا) کو محبوب رکھتے ہو۔ اور تم آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علوم قرآن کو کھول دیئے جانے کا بیان

"فَإِذَا قَرَأْنَاهُ" عَلَيْكَ بِقِرَاءَةِ جِبْرِيل "فَاتَّبِعْ قُرْآنه" اسْتَمِعْ قِرَاءَته فَكَانَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِع ثُمَّ يَقْرَؤُهُ "ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانه" بِالتَّفْهِيمِ لَك وَالْمُنَاسَبَة بَيْن هَذِهِ الْآيَة وَمَا قَبْلهَا أَنَّ تِلْكَ تَضَمَّنَتْ الْإِعْرَاض عَنْ آيَات اللّٰه وَهَذِهِ تَضَمَّنَتْ الْمُبَادَرَة إِلَيْهَا بِحِفْظِهَا، "كَلَّا" اسْتِفْتَاح بِمَعْنَى أَلَا "بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَة" الدُّنْيَا بِالْيَاءِ وَالتَّاء فِي الْفِعْلَيْنِ "وَتَذَرُونَ الْآخِرَة" فَلَا يَعْمَلُونَ لَهَا،

پھر جب ہم اسے زبان جبریل سے پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں۔ یعنی جبرائیل امین کی قرأت کے ساتھ آپ سماعت فرمائیں۔ اس کے بعد اس کی قرأت کریں۔ پھر بیشک اس کے معانی کا کھول کر بیان کرنا ہمارا ہی ذِمّہ ہے۔ تا کہ

آپ اس کو سمجھ لیں۔یہاں پر سابقہ آیات اوران آیات کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ وہ آیات اللہ سے اعراض والے مضمون کو متضمن ہیں جبکہ آیات اللہ کی حفاظت کی جانب سبقت سے بڑھ کر محفوظ کرنے کے مضمون کو متضمن ہیں۔یہاں پر بھی لفظ کلا یہ استفتاح کیلئے آیا ہے جو بہ معنی الا ہے۔حقیقت یہ ہے (اے کفار!) تم جلد ملنے والی دنیا کو محبوب رکھتے ہو۔یہاں پر دونوں افعال یاء اورتاء کے ساتھ بھی آئے ہیں۔اورتم آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو۔یعنی اس کیلئے کوئی عمل نہیں کرتے ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ان علینا جمعه: علینا ہمارے ذمہ ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب قرآن کے لئے ہے۔ای **ان علینا جمعه فی صدرك بحیث لایذهب علیك شیء من معافیه** یعنی قرآن قرآن کا تمہارے سینہ میں اس طرح جمع کردینا کہ اس کے معنی سے کوئی شے بھی تم سے مخفی نہ رہ جائے یہ ہمارا ذمہ ہے۔

وقرانه۔اس کا عطف جمعه پر ہے دونوں منصوب بوجہ عمل ان ہیں۔قرآن مصدر ہے بمعنی پڑھنا۔یہ اللہ کی کتاب کا خاص نام ہے جو کہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی کسی دوسری آسمانی کتاب کا نام قرآن نہیں ہے۔

قرآن کی وجہ تسمیہ کے متعلق متعدد اقوال ہیں:۔قرآن کہنے کی وجہ صرف قرات اورتلاوت ہے اللہ کی کتاب عموماً جہر کے ساتھ نماز میں۔دینی محافل میں،مدارس میں اوردوسری تقریبات میں پڑھی جاتی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرثیہ میں ایک شاعر نے کہا تھا۔

ضحوا باسمط عنوان السجود یه یقطع الیل تسبیحا وقرانا

- لوگوں نے ایک ایسی پکی عمر والے سردار کو ذبح کردیا۔جس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا جو راتیں تسبیح اور تلاوت میں کاٹ دیتا تھا آیت زیر مطالعہ میں تو ویسے ہی صاف ظاہر ہے کہ جمع قرآن سے قرات قرآن الگ چیز ہے۔مطلب یہ ہے کہ:۔قرآن کا تمہارے سینہ میں جمع کرنا اورپھر اس کا تمہاری زبان پر رواں کرنا ہمارے ذمہ ہے۔(انوارالبیان،سورہ قیامہ)

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝
اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے۔اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔

قیامت کے دن اہل ایمان کے چہروں کے چمکنے کا بیان

"وُجُوه يَوْمئِذٍ" أَيْ فِي يَوْم الْقِيَامَة "نَاضِرَة" حَسَنَة مُضِيئَة، "إِلَى رَبّهَا نَاظِرَة " أَيْ يَرَوْنَ اللّٰه سُبْحَانه وَتَعَالَى فِي الْآخِرَة،

اس دن یعنی قیامت کے دن میں کئی چہرے تروتازہ ہوں گے۔یعنی خوبصورت چمکدار ہوں گے۔اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔یعنی وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کو دیکھنے والے ہوں گے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ادنیٰ درجے کا جنتی بھی اپنے باغوں، بیویوں، خادموں اور تختوں کو ایک برس کی مسافت سے دیکھ سکے گا اور ان میں سب سے زیادہ بلند مرتبے والا وہ ہوگا جو اللہ رب العزت کا صبح وشام دیدار کرے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں (وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ 22 اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ، کتنے منہ اس دن تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اسے کئی لوگ اسرائیل سے اسی طرح مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ عبدالملک بن ابجر نے اسے ثویر کے حوالے سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ پھر اشجعی نے بھی اسے سفیان سے انہوں نے ثویر سے انہوں نے مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انہی کا قول نقل کیا ہے اور اس سند میں ثوری کے علاوہ کسی نے مجاہد کا ذکر نہیں کیا۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1281)

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝
اور کئی چہرے اس دن بگڑے ہوئے ہوں گے۔ یہ گمان کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایسی سختی کی جائے گی جو ان کی کمر توڑ دے گی۔

قیامت کے دن کفار کے چہروں کے اداس ہونے کا بیان

"وَوُجُوه يَوْمئِذٍ بَاسِرَة" كَالِحَة شَدِيدَة الْعُبُوس "تَظُنّ" تُوقِن "أَنْ يُفْعَل بِهَا فَاقِرَة" دَاهِيَة عَظِيمَة تَكْسِر فَقَار الظَّهْر

اور کئی چہرے اس دن بگڑے ہوئے ہوں گے۔ یعنی وہ اداس بگڑے ہوئے ہوں گے۔ یہ گمان یعنی یقین کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایسی سختی کی جائے گی جو ان کی کمر توڑ دے گی۔ یعنی ان پر بہت ہی سختی کی جائے گی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ووجوہ یومئذ باسرۃ: واو عاطفہ ہے وجوہ (اہل قرب کے چہرے کے بالمقابل کافروں کے چہرے یا کچھ چہروں کے مقابل میں کچھ اور چہرے) مبتداء باسرۃ اس کی خبر۔ یومئذ متعلق خبر۔

باسرۃ اداس، بے رونق، پریشان، بسر (باب نصر) مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث۔ اصل میں بسر کے معنی ہیں وقت سے پہلے کسی چیز کے متعلق جلدی کرنے کے ہیں۔ یہاں وقت سے پہلے اداس ہونا۔ اور تیور بگڑ جانا مراد ہے۔ مجازاً اس کے معنی ترش رو ہونے اور منہ بگاڑنے کے بھی آتے ہیں۔ ترجمہ ہوگا:۔ اور کئی چہرے یا کافروں کے چہرے اس روز اداس اور بے رونق ہوں گے۔

تظن ان یفعل بھا فاقرۃ ۔ یہ جملہ باسرۃ کی صفت ہے۔ تظن مضارع واحد مونث۔ ظن (باب نصر) مصدر سے۔ وہ گمان کرتی ہے وہ خیال کرتی ہے ان مصدریہ یفعل مضارع مجہول (منصوب بوجہ عمل ان) بھا میں ھا ضمیر واحد مونث غائب وجوہ باسرۃ کے لئے ہے۔

فاقرہ اسم فاعل واحد مونث، یہ اگرچہ اسم فاعل مونث ہے لیکن غالباً ان اسماء کی جگہ اس کا استعمال ہوتا ہے جو موصوف سے بے

نیاز ہیں۔اور بغیر کسی ذات کے اس کا اسی لئے منتہی الارب میں اس کا ترجمہ بلا وسختی لکھا ہے اور محلی نے فقرات ظہر، یعنی پشت کے مہرے توڑ دینے والی مصیبت لکھا ہے۔ترجمہ ہوگا:۔(وجوہ باسرہ) خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا۔

(تفسیر ضیاء القرآن، سورہ قیامہ، لاہور)

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ○ وَقِيْلَ مَنْ سكتہ رَاقٍ ○ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ○
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ○ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ ○
نہیں نہیں، جب جان گلے تک پہنچ جائے۔اور کہا جائے گا کون ہے دم کرنے والا؟ اور وہ یقین کرلے گا کہ یقیناً یہ
جدائی ہے۔اور پنڈلی، پنڈلی کے ساتھ لپٹ جائے گی۔تو اس دن آپ کے رب کی طرف جانا ہوتا ہے۔

روح کے خروج کے وقت جان کا حلق تک پہنچ جانے کا بیان

"كَلَّا" بِمَعْنَى أَلَا "إِذَا بَلَغَتْ" النَّفْس "التَّرَاقِيَ" عِظَام الْحَلْق "وَقِيلَ" قَالَ مَنْ حَوْله "مَنْ رَاقٍ" أَيْ يَرْقِيه لِيُشْفَى "وَظَنَّ" أَيْقَنَ مَنْ بَلَغَتْ نَفْسه ذَلِكَ "أَنَّهُ الْفِرَاق" أَيْ فِرَاق الدُّنْيَا،

"وَالْتَفَّتْ السَّاق بِالسَّاقِ " أَيْ إِحْدَى سَاقَيْهِ بِالْأُخْرَى عِنْد الْمَوْت أَوْ الْتَفَّتْ شِدَّة فِرَاق الدُّنْيَا بِشِدَّةِ إِقْبَال الْآخِرَة،

"إِلَى رَبّك يَوْمئِذٍ الْمَسَاق " أَيْ السَّوْق وَهَذَا يَدُلّ عَلَى الْعَامِل فِي إِذَا وَالْمَعْنَى إِذَا بَلَغَتْ النَّفْس الْحُلْقُوم تُسَاق إِلَى حُكْم رَبّهَا،

یہاں پر بھی لفظ کلا بہ معنی الا ہے۔نہیں نہیں، جب جان گلے تک یعنی حلق کی ہڈی تک پہنچ جائے۔اور کہا جائے گا کون ہے دم کرنے والا؟ یعنی وہ دم کرے تا کہ اس کو شفاء ہو جائے۔اور وہ یقین کرلے گا یعنی جس کے ساتھ ایسا ہوگا کہ یقیناً یہ جدائی ہے۔یعنی دنیا سے الگ ہونا ہے۔اور پنڈلی، پنڈلی کے ساتھ لپٹ جائے گی۔یعنی موت کے وقت ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ مل جائے گی۔یا دنیا کی جدائی کی شدت اور آخرت میں جلد جانے کی شدت کے سبب پنڈلی دوسری پنڈلی سے مل جائے گی، تو اس دن آپ کے رب کی طرف جانا ہوتا ہے۔یہاں پر لفظ مساق یہ سوق کے معنی میں ہے جس پر اذا کے عامل کی دلالت ہے اور معنی یہ ہے جب جان حلق تک پہنچے گی تو اس کو اللہ کے حکم سے چلایا جائے گا۔

کفار کیلئے موت کے وقت سختی کا بیان

تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، عرض کیا کہ رسول اللہ میں نے آپ کی ایک حدیث سنی ہے کہ مومن کی جان ایسی بے تکلف نکال لی جاتی ہے جیسے خمیری آٹے سے بال، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ فرمایا ہاں، عرض کیا کہ قرآن کریم نے تو جان کنی کی سخت شدت اور دشواری بیان فرمائی ہے۔کلا اذا بلغت التراقی وقیل

من راق وظن انه الفراق والتفت الساق بالساق الٰی ربلك یومئذ ن المساق تو اس حدیث وآیت میں مطابقت کیونکر ہو، فرمایا کہ سورہ یوسف پڑھو، وہاں اس کا جواب مل جاوے گا، اس نے بیدار ہوکر بار بار سورہ یوسف پڑھی، مگر جواب سمجھ میں نہ آیا، مجبور ہوکر عالم وقت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سارا ماجرا بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ سورہ یوسف کی آیت میں تیرے سوال کا جواب ہے۔ **فلما راینه اکبرنه وقطعن ایدیهن وقلن حاش لله ما هٰذا بشرا ط ان هٰذا الا ملك کریم۔**

یعنی مصر کی کی عورتوں کی زلیخا نے دعوت کی، کھانے کے بعد ان کے ہاتھوں میں لیموں اور چھری دے دی، اور پھر رخ یوسف سے نقاب اٹھا کر حسن خداداد کی جھلک دکھا کر کہا اب لیموں کاٹو، انہوں نے بے خودی میں بجائے لیموں کے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور بولیں کہ سبحان اللہ، یہ حسین انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔

دیکھو ان عورتوں کے ہاتھوں پر چاقو چلا، ہاتھ کٹا، خون بہا، درد بھی ہوا، مگر جمال یوسفی میں ایسی محو ہوگئیں، کہ نہ تو ہائے وائے کی، نہ درد کی شکایت، نہ تکلیف کا احساس، بلکہ حال ی ہتھا، کہ کٹ رہا ہے اور حسن یوسفی کی مدح خوانی کر رہی ہیں، ایسے ہی مرد صالح کو بوقت نزع جمال مصطفائی کی زیارت ہوتی ہے، تب نقشہ یہ ہوتا ہے کہ جان نکل رہی ہے اور سامنے جمال مصطفیٰ ہے مرنے والا دیکھ دیکھ کر کہہ رہا ہے کہ تمہارے جمال پر قربان، تمہارے کمال کے صدقہ، تمہارے خدوخال پر فدا تمہارے بنانے والے رب ذوالجلال پر قربان، ترے رخسار پر قربان، تیری گفتار پر صدقے، تیری رفتار پر فدا، غرضکہ مرنے والا ان پر قربان ہوتا رہا اور جان نکل گئی، اسے محسوس بھی نہ ہوا، تو قرآن کریم نے اس واقعی تکلیف کا ذکر فرمایا، اور حدیث پاک نے احساس کی نفی کی، دونوں میں مخالفت نہیں، یہ تو زندگی موت کا حال تھا، رہی قبر، وہ تو دیوار مصطفیٰ کی جگہ ہے، وہ بھی ان کی پیاری، رہی قیامت وہ حضرات اس دن سایہ دامان مصطفیٰ میں امن وامان سے ہی، اگلی خبریں ان کیلئے دنیاوی بشارت تھیں اور یہ اخروی بشارت یا دنیاوی بشارت سے اچھی خوابیں یا کشف والہام مراد ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا، اچھی خوابیں نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں، کہ زمانہ نبوت 23 سال، اور اس سے پہل ء سچی خوابیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھ ماہ آئیں، اور بشارت سے دنیا میں نیک نامی مراد ہے اور اخروی بشارت سے وہاں کی خوشخبریاں، دیکھ لو اولیاء اللہ بعد وفات بھی دلوں پر حکومت کر تے رہیں، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیاوی بشارت تو ملائکہ کا بوقت موت خوشخبری سناتا ہے، اور آخروری بشارت وہ ہے جو بعد موت ان کو سنائی جاتی ہے۔ (تفسیر روح البیان، سورہ قیامہ، بیروت)

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ○ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰی
اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی ○ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ○ ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ○
تو اس نے نہ تصدیق کی نہ نماز پڑھی۔ بلکہ وہ جھٹلاتا رہا اور رُوگردانی کرتا رہا۔ پھر اپنے اہل خانہ کی طرف اکڑ کر چل دیا۔
یہی تیرے لائق ہے، پھر یہی لائق ہے۔ پھر تمہارے لئے ہلاکت ہے، پھر ہلاکت ہے۔

تصدیق نہ کرنے اور نماز نہ پڑھنے والے کی بدنصیبی کا بیان

"فَلَا صَدَّقَ" الْإِنْسَانُ "وَلَا صَلَّى" أَيْ لَمْ يُصَدِّق وَلَمْ يُصَلِّ "وَلَكِنْ كَذَّبَ" بِالْقُرْآنِ "وَتَوَلَّى" عَنْ الْإِيمَان "ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى أَهْله يَتَمَطَّى" يَتَبَخْتَر فِي مِشْيَته إِعْجَابًا "أَوْلَى لَكَ" فِيهِ الْتِفَات عَنْ الْغَيْبَة وَالْكَلِمَة اسْم فِعْل وَاللَّام لِلتَّبْيِينِ أَيْ وَلِيَك مَا تَكْرَه "فَأَوْلَى" أَيْ فَهُوَ أَوْلَى بِك مِنْ غَيْرك "ثُمَّ أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى" تَأْكِيد،

تو (کتنی بدنصیبی ہے کہ) اس نے نہ (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کی) تصدیق کی نہ نماز پڑھی۔ بلکہ وہ قرآن کو جھٹلاتا رہا اور ایمان سے رُوگردانی کرتا رہا۔ پھر اپنے اہل خانہ کی طرف اکڑ کر چل دیا۔ یعنی اپنے چلنے میں تکبر کرتا رہا۔ یہی تیرے لائق ہے، اس میں غیبت سے التفات ہے۔ اور کلمہ ویل یہ اسم فعل ہے اور لام بیانیہ ہے۔ یعنی جس کو تو ناپسند کرتا ہے۔ پھر یہی لائق ہے۔ یعنی جو تمہیں پسند نہیں وہی تمہیں پیش آنے والا ہے۔ پھر تمہارے لئے روز قیامت ہلاکت ہے، پھر دوزخ کی ہلاکت ہے۔ یہ بہ طور تاکید ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فلا صدق ولا صلی: لاصدق ماضی منفی واحد مذکر غائب۔ تصدیق (تفعیل) مصدر۔ اس نے تصدیق نہیں کی۔ اس نے سچ نہ مانا۔ یعنی اس نے رسول یا قرآن کی تصدیق نہیں کی۔ یا مال کی زکوۃ نہیں دی۔ ولاصلی اور نہ ہی اس نے فرض کردہ نماز ادا کی۔

فلاصدق کا عطف ایحسب کے مضمون پر ہے کیونکہ استفہام سے مراد ہے زجر (اور کسی چیز پر زجر کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چیز واقع ہو چکی ہو۔ اسی لئے اس پر زجر کی جاتی ہے)۔

تو گویا مطلب اس طرح ہوگا: انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں نہیں جوڑیں گے اور اس کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائیں گے۔ اسی لئے نہ وہ تصدیق کرتا ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے۔ صدق وصلی کی ضمیریں الانسان کی طرف راجع ہیں۔

کلام کی رفتار بتا رہی ہے کہ آیت میں عدی بن ربیعہ مراد ہے۔ ملاحظہ ہو آیت 3:75۔ لیکن بغوی کے نزدیک ابوجہل مراد ہے یقین شخصی اس وقت مراد ہوگی اگر الانسان کے الف لام کو ال عہدی قرار دیا جائے لیکن اگر الف لام جنسی ہو تو عدی، ابوجہل (اور ان جیسے سب انسان) الانسان میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر مظہری، سورہ قیامہ، لاہور)

ابوجہل کیلئے دوبار ہلاکت ہونے کا بیان

جب یہ آیت نازل ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطحا میں ابوجہل کے کپڑے پکڑ کر اس سے فرمایا (اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی 34 ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ،القیامۃ:34) یعنی تیری خرابی آ لگی، اب آ لگی، پھر تیری خرابی آ لگی، اب آ لگی تو ابوجہل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا تم مجھے دھمکاتے ہو تم اور تمہارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مکہ کے پہاڑوں کے درمیان میں سب سے زیادہ قوی، زور آور، صاحب شوکت وقوت ہوں مگر قرآنی خبر ضرور پوری ہونی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

فرمان ضرور پورا ہونے والا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جنگ بدر میں ابو جہل ذلت و خواری کے ساتھ بری طرح مارا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر امت میں ایک فرعون ہوتا ہے، میری امت کا فرعون ابو جہل ہے، اس آیت میں اس کی خرابی کا ذکر چار مرتبہ فرمایا گیا ہے، پہلی خرابی بے ایمانی کی حالت میں ذلت کی موت، دوسری خرابی قبر کی سختیاں اور وہاں کی شدتیں، تیسری خرابی مرنے کے بعد اٹھنے کے وقت گرفتار مصائب ہونا، چوتھی خرابی عذاب جہنم ۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ قیامہ، لاہور)

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ○ اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ○ ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ
فَسَوّٰی ○ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ○ اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی ○
کیا انسان گمان کرتا کہ اسے بغیر پوچھے ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہیں تھا جو گرایا جاتا ہے۔
پھر وہ جما ہوا خون بنا، پھر اس نے پیدا کیا، پس درست بنا دیا۔ پھر اس نے اس سے دو قسمیں نر اور مادہ بنائیں۔
تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر سے زندہ کر دے۔

انسان کی تخلیق سے دلیل بعث کا بیان

"أَیَحْسَبُ" یَظُنّ "الْإِنْسَان أَنْ یُتْرَك سُدًی" هَمَلًا لَا یُكَلَّف بِالشَّرَائِعِ لَا یَحْسَب ذَلِكَ "أَلَمْ یَكُ" أَیْ كَانَ "نُطْفَة مِنْ مَنِیّ یُمْنَی" بِالْیَاءِ وَالتَّاء تُصَبّ فِی الرَّحِم "ثُمَّ كَانَ" الْمَنِیّ "عَلَقَة فَخَلَقَ" اللَّه مِنْهَا الْإِنْسَان "فَسَوَّی" أَیْ عَدَّلَ أَعْضَاءَهُ "فَجَعَلَ مِنْهُ" مِنْ الْمَنِیّ الَّذِی صَارَ عَلَقَة قِطْعَة دَم ثُمَّ مُضْغَة أَیْ قِطْعَة لَحْم "الزَّوْجَیْنِ" النَّوْعَیْنِ "الذَّكَر وَالْأُنْثَی" یَجْتَمِعَانِ تَارَة وَیَنْفَرِد كُلّ مِنْهُمَا عَنْ الْآخَر تَارَة،

"أَلَیْسَ ذَلِكَ" الْفَعَّال لِهَذِهِ الْأَشْیَاء "بِقَادِرٍ عَلَی أَنْ یُحْیِیَ الْمَوْتَی" قَالَ صَلَّی اللَّه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَلَی،

کیا انسان گمان کرتا کہ اسے بغیر پوچھے ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا اس کو احکام شریعت کا مکلف نہیں کیا گیا تھا۔ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہیں تھا جو گرایا جاتا ہے۔ یہاں پر لفظ یمنی یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے اور وہ قطرہ جس کو رحم میں گرایا گیا تھا، پھر وہ جما ہوا خون بنا، پھر اس نے پیدا کیا، یعنی اللہ نے انسان کو پیدا کیا پس درست بنا دیا۔ یعنی اس کے اعضاء کو بنایا۔ پھر اس نے اس سے یعنی منی سے جو خون بستہ اور مضغہ اور گوشت کو لوتھڑا تھی۔ دو قسمیں نر اور مادہ بنائیں۔ کبھی کبھی لڑکا لڑکی دونوں جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی الگ ہوتے ہیں۔ تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر سے زندہ کر دے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں بلکہ وہ ضرور قادر ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ایحسب الانسان ان یترك سدی جملہ استفہامیہ انکاریہ ہے۔ ایحسب الانسان: کیا انسان خیال کرتا ہے ان

مصدر یہ بمعنی کہ: یترک مضارع مجہول (منصوب بوجہ عمل ان) ترک (باب نصر) مصدر۔ وہ چھوڑ دیا جائے گا۔ سدی۔ بے قید، مہمل، کہ نہ کسی بات پر مامور ہو اور نہ کسی چیز سے اسے روکا جائے۔ اسداء (افعال) مصدر سے جس کے معنی مہمل چھوڑ دینے کے ہیں۔ اسم ہے واحد اور جمع دونوں کے لئے مساوی طور پر استعمال ہوتا ہے۔

سدی بے کار چھوڑے ہوئے اونٹ، شتر بے مہار۔ سدی، یترک کی ضمیر نائب فاعل سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا انسان یہ سوچتا ہے کہ اس کو یوں ہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا نہ کسی کام کا حکم دیا جائے گا اور نہ کسی فعل سے منع کیا جائے گا۔ حالانکہ انسان کی پیدائش کی غرض ہی پابندی امر و نہی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون، اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔ ثم کان علقة: ای صار المنی قطعة دو جامد بعد اربعین یوما (مدارک التنزیل) پھر وہ منی ایک منجمد خون کا لوتھڑا بن گئی۔ فخلق فسوی: ف تعقیب کا۔ سوی ماضی واحد مذکر غائب۔ تسویة (تفعیل) مصدر سے۔ جس کے معنی بلندی یا پستی میں برابر بنانے کے ہیں۔ پھر اس نے پورا پورا بنایا۔ ای فخلق اللہ منه بشرا سویا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لوتھڑے سے ایک مکمل انسان پیدا کیا۔ (تفسیر مدارک، سورہ قیامہ، بیروت)

اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اقرار کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے جو آدمی سورت والتین والزیتون پڑھے اور (اس آیت) (اَلَیۡسَ اللّٰهُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ، التین:8) یعنی کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ پر پہنچے تو یہ الفاظ کہا کرے بلی و انا علی ذلك من الشهدين (یعنی ہاں! اور میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو آدمی سورت لا اقسم بیوم القیمة پڑھے اور (اس آیت) الیس ذلك بقدر علی ان یحییٔ الموتی (یعنی کیا اس اللہ کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے) پر پہنچے تو کہے بلی (یعنی ہاں وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے) اور جو آدمی سورت والمرسلات پڑھے اور اس (آیت) فبای حدیث بعده یومنون یعنی اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے) تو کہے امنا باللہ (یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے) ابوداؤد اور ترمذی نے اس روایت کو (والتین کی آیت) وانا علی ذلک من الشاهدین تک نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 822)

سُورَةُ الانسان

یہ قرآن مجید کی سورت الانسان ھے

سورت انسان کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورة الإنسان (مكية أو مدنية و آياتها إحدى وثلاثون)

سورہ دہر اس کا نام سورہ انسان بھی ہے، مجاہد وقتادہ اور جمہور کے نزدیک یہ سورت مدنیہ ہے، بعض نے اس کو مکیہ کہا ہے، اس میں دو رکوع، اکتیس آیات، دو سو چالیس کلمات اور ایک ہزار چوّن حروف ہیں۔

سورت دہر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کا نام الدہر بھی ہے اور الانسان بھی۔ دونوں نام پہلی ہی آیت کے الفاظ ھل اتی علی الانسان اور حین من الدھر سے ماخوذ ہیں۔ لہٰذا احوال انسان وزمانہ کے سبب یہ سورت انہی ناموں سے معروف ہوئی ہے۔

اکثر مفسرین اس کو مکی قرار دیتے ہیں۔ علامہ زمخشری، امام رازی، قاضی بیضاوی، علامہ نظام الدین نیسابوری، حافظ ابن کثیر اور دوسرے بہت سے مفسرین نے اسے مکی ہی لکھا ہے، اور علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہی جمہور کا قول ہے لیکن بعض دوسرے مفسرین نے پوری سورت کو مدنی کہا ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ سورت ہے تو مکی مگر آیات 8 تا 10 مدینے میں نازل ہوئی ہیں۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا○
بے شک انسان پر زمانے کا ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا۔

انسان کی تخلیق کی ابتدائی مدت کا بیان

"هل" قد "أتى على الإنسان" آدم "حين من الدهر " أربعون سنة "لم يكن" فيه "شيئا مذكورا " كان فيه مصورا من طين لا يذكر أو المراد بالإنسان الجنس وبالحين مدة الحمل،

بے شک انسان یعنی آدم پر زمانے کا ایک ایسا وقت یعنی چالیس سال کا وقت گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا۔ یعنی جس میں وہ صرف ایک مٹی کا پتلا تھا۔ اور انسان سے مراد جنس انسان ہے اور حین سے مراد مدت حمل ہے۔

یعنی انسان اول حضرت آدم ہیں اور حِین (ایک وقت) سے مراد، روح پھونکے جانے سے پہلے کا زمانہ ہے، جو چالیس سال

ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک الانسان کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے اور "حِیْن" سے مراد حمل یعنی رحم مادر کی مدت ہے، جس میں وہ قابل ذکر چیز نہیں ہوتا۔ اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں جب باہر آتا ہے تو رب کے سامنے اکڑتا اور اتراتا ہے، اسے اپنی حیثیت یاد رکھنی چاہیے کہ میں تو وہی ہوں جب میں عالم نیست میں تھا، تو مجھے کون جانتا تھا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ○
بلاشبہ ہم نے انسان کو ایک ملے جلے قطرے سے پیدا کیا، ہم اسے آزماتے ہیں، سو ہم نے اسے خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا بنا دیا۔

انسان کو سمیع و بصیر بنانے کا بیان

"إنا خلقنا الإنسان " الجنس "من نطفة أمشاج " أخلاط, أى من ماء الرجل وماء المرأة المختلطين الممتزجين "نبتليه" نختبره بالتكليف والجملة مستأنفة أو حال مقدرة , أى مريدين ابتلاءه حين تأهله "فجعلناه" بسبب ذلك،

بلاشبہ ہم نے انسان یعنی جنس انسانیت کو ایک ملے جلے قطرے سے پیدا کیا، یعنی جو مرد اور عورت کے پانی کا مخلوط قطرہ تھا۔ ہم اسے مکلف بنا کر آزماتے ہیں، یہ جملہ مستأنفہ یا حال مقدرہ ہے۔ یعنی اس کو اہل بنا کر آزمانے والے ہیں۔ سو ہم نے اسے خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا بنا دیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

نطفة امشاج ، موصوف وصفت نطفۃ قطرہ منی۔ امشاج۔ یَمْشُجُ مَشْجٌ (باب نصر) بمعنی ملانا۔ خلط ملط کرنا سے مشتق ہے۔ امشاج بمعنی مخلوط یہ جمع لیا گیا ہے کہ اس میں مرد و عورت کا نطفہ (پانی) مخلوط ہوتا ہے۔ اور ہر نطفہ اجزاء، خواص، عقت، قوام کے لحاظ سے مختلف و منفرد ہوتا ہے۔

نبتليه مضارع جمع متکلم ابتلاء (افتعال) مصدر سے ہ ضمیر مفعول واحد مذکر غائب کا مرجع الانسان ہے۔ ہم اس کی آزمائش کریں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

(1) یہ خلقنا کے فاعل سے حال ہے والمراد مريدين ابتلائه واختباره بالامر والنهى (مدارک التنزیل، روح المعانی) اور مراد ہماری اس کی آزمائش اور امتحان اوامر و نواہی کا مکلف بنانے کے بعد لینا تھا۔

(2) یہ معلول ہے جس کی علت الانسان کو نطفہ امشاج سے پیدا کرنا ہے لام علت محذوف ہے۔ ای خلقنہ لنختبرہ بالامر والنھی تاکہ اوامر و نواہی کے ذریعہ اس کی آزمائش کریں۔ (تفسیر خازن)

اور جگہ قرآن مجید میں ہے:۔ الذى خلق الموت والحيوة ليبلوكم ايكم احسن عملا ، اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔

فجعلنہ: ف سببیہ ہے ای بسبب ذلک (جلالین) ہ ضمیر مفعول واحد مذکر الانسان کے لئے ہے۔ ہم نے اس کو بنایا۔ سمیعا بروزن (فعیل) صفت مشبہ کا صیغہ ہے سننے والا۔ اسماء حسنیٰ میں سے ہے جب یہ حق تعالیٰ شانہ کی صفت واقع ہو تو اس کے معنی ہیں ایسی ذات جس کی سماعت ہر شے پر حاوی ہو۔

بصیرا۔ بروزن فعیل بمعنی فاعل ہے بمعنی دیکھنے والا۔ ترجمہ ہوگا:۔ بے شک ہم نے انسان کو ایک نطفہ مخلوط سے پیدا کیا۔ تا کہ ہم اس کی آزمائش کریں بدیں وجہ ہم نے اس کو سنتا اور دیکھتا بنا دیا۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○
بے شک ہم نے اسے راہ بھی دکھا دی، خواہ وہ شکر گزار ہو جائے یا ناشکر گزار رہے۔

انسان کیلئے راہ ہدایت کو واضح کر دینے کا بیان

"إنا هديناه السبيل" بينا له طريق الهدى ببعث الرسل "إما شاكرا" أى مؤمنا "وإما كفورا" حالان من المفعول, أى بينا له فى حال شكره أو كفره المقدرة وإما لتفصيل الأحوال،

بے شک ہم نے اسے راہ بھی دکھا دی، یعنی جو بعثت رسولان گرامی کے ذریعے ہدایت کو واضح کرنے والی ہے۔ اب خواہ وہ شکر گزار ہو جائے یا ناشکر گزار رہے۔ یہاں پر لفظ شاکرا و کفورا یہ دونوں مفعول سے حال ہیں۔ یعنی اس کیلئے حالت شکر و کفر میں اس کیلئے جو راستہ اس کے مقدر ہے اس کو واضح کر دیا ہے۔ یہاں پر لفظ اَمّا یہ احوال کی تفصیل کیلئے آیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کلام یوں ہے: **انا هدينه السبيل ليكون اما شاكرا واما كفورا** ۔ ہم نے اس کو راہ حق بتا دی اب چاہے وہ شکر گزار بنے یا چاہے احسان فراموش بنے۔ عربی میں کہتے ہیں: **قد نصحت نك ان شئت فاقبل وان شئت فاترك** میں نے تجھے نصیحت کر دی ہے اب چاہے قبول کر یا چھوڑ دے۔

اما مرکب ہے ان شرطیہ اور ما زائدہ سے۔ ای بینا لہ الطریق ان شکر وان کفر۔ ہم نے اس کو سیدھا راستہ بتا دیا ہے اگر وہ شکر گزار ہوتا ہے وہ انکار کرتا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے۔

یعنی اولاً اصل فطرت اور پیدائشی عقل و فہم سے، پھر دلائل عقلیہ و نقلیہ سے نیکی کی راہ سجھائی جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر چلتے لیکن گرد و پیش کے حالات اور خارجی عوارض سے متاثر ہو کر سب ایک راہ پر نہ رہے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا، اور بعض نے ناشکری اور ناحق کوشی پر کمر باندھ لی۔ آگے دونوں کا انجام مذکور ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ○
یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔

کفار کیلئے طوق وزنجیروں اور بھڑکتی آگ کے عذاب کا بیان

"إنا أعتدنا " هيأنا "للكافرين سلاسلا" يسحبون بها في النار "وأغلالا" في أعناقهم تشد فيها السلاسل "وسعيرا" نارا مسعرة, أي مهيجة يعذبون بها،

یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔یعنی طوق ان کی گردنوں میں جس میں انہیں زنجیروں سے باندھا جائے گا۔اور بھڑکتی ہوئی آگ جس میں انہیں جلا کر عذاب دیا جائے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جو بھی اس سے کفر کرے اس کے لئے زنجیریں طوق اور شعلوں والی بھڑکتی ہوئی تیز آگ تیار ہے، جیسے اور جگہ ہے۔**اذالاغلال فی اعنافهم والسلاسل يسحبون فی الحميم ثم فی النار يسجرون** ، جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں ہوں گی اور یہ حمیم میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنم میں جلائے جائیں گے۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوۡرًاۚ
بلاشبہ نیک لوگ ایسے جام سے پئیں گے جس میں کافور ملا ہوا ہوگا۔

نیک لوگوں کیلئے کافوری جام ہونے کا بیان

"إن الأبرار" جمع بر أو بار وهم المطيعون "يشربون من كأس" هو إناء شرب الخمر وهي فيه والمراد من خمر تسمية للحال باسم المحل ومن للتبعيض "كان مزاجها" ما تمزج به،

بلاشبہ نیک لوگ ایسے جام سے پئیں گے، یہاں پر لفظ ابرار یہ لفظ بر کی جمع ہے۔اور وہ اطاعت کرنے والے ہیں وہ پیالوں میں نوش کریں گے۔لفظ کاس شراب طہور کے برتن کو کہتے ہیں اور جس میں وہ شراب طہور ہوتی ہے۔یہاں پر خمر سے محل کے تسمیہ سے حال کو بیان کیا گیا ہے اور لفظ من تبعیض کیلئے آیا ہے۔جس میں کافور ملا ہوا ہوگا۔یعنی اس کو ملایا گیا ہوگا۔

اب نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں وہ جام پلائے جائیں گے جن کا مشروب کافور نامی نہر کے پانی کا ہوگا، ذائقہ بھی اعلیٰ، خوشبو بھی عمدہ اور فائدہ بھی بہتر کافور کی سی ٹھنڈک اور سونٹھ کی سو خوشبو، کافور ایک نہر کا نام ہے جس سے اللہ کے خاص بندے پانی پیتے ہیں اور صرف اسی سے آسودگی حاصل کرتے ہیں اسی لئے یہاں اسے "ب" سے متعدی کیا اور تمیز کی بنا پر عیناً پر نصب دیا، یہ پانی اپنی خوشبو میں مثل کافور کے ہے یا یہ ٹھیک کافور ہی ہے اور عیناً کا زبر یشرب کی وجہ سے ہے پھر اس نہر تک انہیں آنے کی ضرورت نہیں یہ اپنے باغات مکانات، مجلسوں اور بیٹھکوں میں جہاں بھی جائیں گے اس لے جائیں گے اور وہیں وہ پہنچ جائے گی، تفجیر کے معنی روانی اور اجرا کے ہیں۔(تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ دہر، بیروت)

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ○

جس میں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے اپنے محلوں میں اسے جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے۔

اولیاء اللہ کے کیلئے پاکیزہ خوشبو والے جام ہونے کا بیان

"عينا" بدل من كافورا فيها رائحته "يشرب بها" منها "عباد الله" أولياؤه "يفجرونها تفجيرا" يقودونها حيث شاء وا من منازلهم،

یہاں پر لفظ عینا یہ کافورا سے بدل ہے جس میں خوشبو ہوگی۔ جس میں سے اللہ کے نہایت خاص بندے یعنی اولیاء اللہ پئیں گے اپنے محلوں میں اسے جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے۔ یعنی اپنے گھروں میں جہاں چاہیں گے اسے لے جائیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

عینا بعض کے نزدیک کافور بہشت میں ایک چشمے کا نام ہے اس صورت میں عینا، کافورا سے بدل ہے۔ اس صورت میں مطلب ہوگا:۔ کہ وہ مشروب جو ابرار لوگ بہشت میں پئیں گے اس میں چشمہ کافور کا شربت بھی شامل ہوگا۔ یشرب بہا میں باء زائدہ ہے۔ اس کو پئیں گے۔ یا۔ یشرب لذت کے معنی کو متضمن ہے اور یلتذ کے مفعول پر ب آتی ہے اس لئے یشرب کے مفعول پر بھی ب لائی گئی ہے۔ یا ممزوجا محذوف ہے بھا اس سے متعلق ہے۔ یا۔ باء ابتدائیہ کے معنی میں ہے اس سے پئیں گے۔ عباد اللہ مضاف مضاف الیہ دونوں مل کر یشرب کا فاعل، جسے اللہ کے بندے پئیں گے۔

یفجرونها تفجیرا ۔ یفجرون مضارع جمع مذکر غائب۔ تفجیر (تفعیل) مصدر وہ بہا کر لے جائیں گے۔ وہ (سرچشمہ میں سے کاٹ کر) نکال کر لے جائیں گے۔ الفجر کے معنی کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنے اور شق کر دینے کے ہیں۔ فجرته فانفجر: میں نے پانی کو پھاڑ کر بہایا پس وہ بہہ گیا۔ صبح کو فجر کہا جاتا ہے کیونکہ صبح کی روشنی بھی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔ ھا ضمیر واحد مونث غائب عینا کے لئے ہے تفجیرا مفعول مطلق، مصدر کو تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی اللہ کے بندے جنت کے اندر اپنے مکانوں اور محلات میں اوپر نیچے جہاں چاہیں گے اشارہ سے لے جائیں گے بلندی یا پستی یا اس قسم کی کوئی اور چیز اس میں رکاوٹ نہ بن سکے گی۔ (انوار البیان، سورہ دہر)

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ○

جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے نذر کو پورا کرنے والوں کا بیان

"يوفون بالنذر" في طاعة الله "ويخافون يوما كان شره مستطيرا" منتشرا

جو لوگ اللہ کی اطاعت میں اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت بہت زیادہ پھیلی ہوئی

ہوگی۔

الفاظ کی لغوی تشریح کا بیان

یوفون بالنذر جملہ مستانفہ ہے جس میں ابرار کا حال بیان کیا گیا ہے۔اس میں ان اعمال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کا بیان ہے جن کی وجہ سے ان کو جنت کی مذکورہ بالا نعمتیں عطا ہوں گی۔یوفون مضارع جمع مذکر غائب ایفاء (افعال) مصدر۔وہ پوری کرتے ہیں۔وف ی مادہ۔الوافی مکمل اور پوری چیز کو کہتے ہیں۔ النذر بطور اسم، بمعنی منت بطور مصدر بمعنی منت ماننا۔نذر کا لغوی معنی ہے غیر واجب چیز کو اپنے او پر واجب کر لینا۔

نذر کی وضاحت کا بیان

النذر کی تشریح کرتے ہوئے فقہاء کرام لکھتے ہیں۔النذر هو ایجاب المکلف علی نفسه من الطاعات مالم یوجبه لم یلزمه ۔ یعنی کسی مکلّف (عاقل بالغ مومن کا) اپنے اوپر کسی ایسی چیز کا (نیکی اور عبادت کا) واجب کر لینا۔کہ اگر وہ خود اس کو لازم کرے تو یہ اس پر لازم نہ ہو۔گویا ابرار کی پہلی صفت یہ ہوگی کہ وہ اپنی منتیں پوری کرتے ہیں۔

ویخافون یوما کان شره مستطیرا: اس جملہ کا عطف جملہ سابقہ پر ہے کان فعل ناقص شرہ (مضاف مضاف الیہ) اسم کان۔ مستطیرا۔ استطار (استفعال) مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر صفت ہے یوما کی۔یوما سے مراد روز قیامت ہے۔

مادہ ط ی ر سے مشتق ہے بمعنی پھیلا ہوا۔عام۔طیران کا اصل معنی ہے اڑنا مجازاً کبھی اس سے سرعت رفتار مراد ہوتی ہے۔جیسے فرش مطار۔تیز رفتار گھوڑا۔کبھی منتشر ہونا۔اور پھیلنا۔جیسے غبار مستطار پھیلا ہوا غبار۔استطار الحریق: آگ بہت پھیل گئی۔استطار الفجر صبح کی روشنی بہت پھیل گئی۔اسی مادہ سے ہے طائر بمعنی پرندہ۔طیارہ بمعنی ہوئی جہاز۔اور مطار ہوائی اڈہ، ائیر پورٹ

شرہ (مضاف مضاف الیہ) اس کا شر۔اس کی برائی۔اس کی ہولناکی۔یعنی قیامت کے روز آسمان پھٹ جائیں گے۔آسمان خاک ہو کر اڑ جائیں گے۔پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع یوما ہے۔یہ ابرار کی دوسری صفت ہوگی۔کہ وہ ڈرتے ہیں اس دن سے کہ جس کا شر ہر سو پھیلا ہوا ہوگا۔

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۝
اور کھانا اللہ کی محبت میں محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔

مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانے کا بیان

"ویطعمون الطعام علی حُبه" أی الطعام وشهوتهم له "مسکینا" فقیرا "ویتیما" لا أب له "وأسیرا" یعنی المحبوس بحق،

اور اپنا کھانا اللہ کی محبت میں یعنی خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود ایثار اً محتاج کو اور یتیم جس کا باپ زندہ نہ ہو اس کو

اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔یعنی جو کسی کے حق میں قیدی ہو۔

سورت دہر آیت ۸ کے شان نزول کا بیان

عطاء حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک رات کے لیے حضرت علی نے کچھ سیر جو کے عوض کھجوروں کے باغ کو سیرات کرنے پراجرت پرکام کیا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو آپ نے جو وہ وصول کیا اور ان کے ایک تہائی حصے کو پیس لیا اور گھر والوں نے اس سے ایک خاص قسم کا کھانا جسے خزیرہ کہتے ہیں تیار کرلیا جب وہ پوری طرح پک چکا تو ایک مسکین آیا انہوں نے وہ کھانا اسے دے دیا پھر دوسرے تہائی سے وہی کھانا تیار کیا جب وہ پک چکا تو ایک یتیم آ گیا اور اس نے اس سے کچھ مانگا تو انہوں نے اسے کھلا دیا اور وہ دن اسی طرح گذار دیا تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔(نیسابوری364،درمنثور6۔299)

ابن جریر سے اس فرمان کے بارے میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو قیدی نہ بناتے تھے بلکہ یہ مشرکین کے قیدیوں کے بارے میں نازل ہوئی لوگ انہیں تکالیف میں قید رکھتے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بھلائی کا حکم فرمایا۔(تفسیر قرطبی29۔129)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور واقعہ ایثار کا بیان

یہ آیت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی کنیز فضہ کے حق میں نازل ہوئی، حسنینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے، ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی، اللہ تعالیٰ نے صحت دی، نذر کی وفا کا وقت آیا، سب صاحبوں نے روزے رکھے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی سے تین صاع (صاع ایک پیمانہ ہے) جَو لائے، حضرت خاتونِ جنت نے ایک ایک صاع تینوں دن پکایا لیکن جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک روز مسکین، ایک روز یتیم، ایک روز اسیر آیا اور تینوں روز یہ سب روٹیاں ان لوگوں کو دے دی گئیں اور صرف پانی سے افطار کر کے اگلا روزہ رکھ لیا گیا۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ دہر، لاہور)

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا
ہم تو محض اللہ کی رضا کے لئے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواست گار ہیں اور نہ شکر گزاری کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرنے کیلئے نیک عمل کرنے کا بیان

"إنما نطعمكم لوجه الله" لطلب ثوابه "لا نريد منكم جزاء ولا شكورا " شكرا فيه علة الإطعام وهل تكلموا بذلك أو علمه الله منهم فأثنى عليهم به, قولان،

(اور کہتے ہیں کہ) ہم تو محض اللہ کی رضا کے لئے تمہیں کھلا رہے ہیں، یعنی ہمارا ارادہ طلب ثواب ہے۔نہ تم سے کسی بدلہ کے خواست گار ہیں اور نہ شکر گزاری کے خواہش مند ہیں۔یعنی اس میں کھانا کھلانے کی علت کو بیان کیا گیا ہے اگرچہ یہ بات انہوں

نے کہی ہو یا اللہ تعالیٰ کو ان کی اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے اس پر ان کی تعریف فرمائی ہے۔ یہ دونوں اقوال ہیں۔

حضرت ابی امامہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو آدمی اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے بغض وعداوت رکھے اور اللہ ہی کے لئے خرچ کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو آدمی اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے خرچ نہ کرے تو یقیناً اس نے ایمان کو کامل کیا۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 28)

اگر وہ کسی سے محبت و تعلق رکھتا ہے یا کسی سے دشمنی وعداوت رکھتا ہے تو اس کی بنیاد محض نفس کی خواہش یا کسی دنیاوی مقصد و غرض پر نہ ہو بلکہ یہ دیکھے کہ کس آدمی سے محبت رکھنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لئے وہ اس آدمی سے محبت و تعلق رکھے جو نیک، صالح، اطاعت گزار اور مخلص مومن ومسلمان ہوا اور چونکہ ایسے آدمی سے بغض وعداوت رکھنا ہی اللہ کو مطلوب ہے جو سرکش و نافرمانبردار ہو اس لئے اس سے بغض وعداوت رکھے اور اس سے محبت کا تعلق قائم نہ کرے۔ اسی طرح اپنا مال خرچ کرنے اور کرچ نہ کرنے کے بارہ میں بھی اللہ ہی کی رضا و خوشنودی کو سامنے رکھے یعنی اگر خرچ کرے تو ایسی جگہ اور ایسے مصارف میں خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور جن مصارف میں خرچ کرنا اللہ کو مطلوب و پسندیدہ ہے، جہاں خرچ کرنا نہ صرف یہ کہ کوئی ثواب کا کام نہیں ہے بلکہ گناہ کو لازم کرتا ہے وہاں خرچ کرنے سے اجتناب کرے اور کسی ایسے آدمی یا جماعت کے ساتھ مالی امداد و معاونت نہ کرے جو اللہ کی نظر میں مقبول و پسندیدہ ہو یہی ہو چیز ہے جس کو تکمیل ایمان کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝
ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کا خوف رہتا ہے جو نہایت سیاہ بدنما کر دینے والا ہے۔

قیامت کی شدت کے سبب چہروں کے سیاہ ہو جانے کا بیان

"إنا نخاف من ربنا يوما عبوسا" تكلح الوجوه فيه أي كريه المنظر لشدته "قمطريرا" شديدا في ذلك،

ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کا خوف رہتا ہے جو چہروں کو نہایت سیاہ اور بدنما کر دینے والا ہے۔ یعنی قیامت کی شدت کے سبب وہ دیکھنے کے قابل نہیں رہ جاتے۔

چنانچہ عکرمہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس روز کافر کا حال یہ ہوگا کہ اس کا پسینہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان تارکول کی طرح بہہ رہا ہوگا، پس سادن کے عبوس ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں موجود لوگوں کا حال ایسا اور بہت برا ہوگا، سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے وہ نہارہ صائم، ابن عباس کہتے ہیں کہ عبوس سے مراد ہے تنگ و ترشرد اور قمطریر سے مراد ہے طویل، سو ان دونوں وصفوں کے جمع ہو جانے سے اس دن کی شدت اور سختی اور زیادہ بڑھ جائے گی، اور اس قدر کہ اس کا پورا تصور و بیان بھی اس جہاں میں ممکن نہیں، (ابن کثیر، جامع البیان، مدارک، سورہ دہر، بیروت)

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا۝ وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا۝
پس اللہ نے انھیں اس دن کی مصیبت سے بچالیا اور انھیں انوکھی تازگی اور خوشی عطا فرمائی۔
اور انھیں ان کے صبر کرنے کے عوض جنت اور ریشم کا بدلہ عطا فرمایا۔

قیامت کے دن اہل ایمان کے چہروں کو نور دیئے جانے کا بیان

"فوقاهم الله شر ذلك اليوم ولقاهم" أعطاهم "نضرة" حسنا وإضاءة في وجوههم،"وجزاهم بما صبروا" بصبرهم عن المعصية "جنة" أدخلوها "وحريرا" البسوه،

پس اللہ نے انھیں اس دن کی مصیبت سے بچالیا اور انھیں انوکھی تازگی اور خوشی عطا فرمائی۔ یعنی ان کو حسن اور ان کے چہروں کو نور عطا فرمایا اور انھیں ان کے صبر کرنے کے عوض جنت اور ریشم کا بدلہ عطا فرمایا۔ یعنی انہوں نے نافرمانی کرنے سے بچ کر صبر کو اختیار کیا۔

صبر کے سبب اجر دیئے جانے کا بیان

حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اے عیسیٰ میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کروں گا جب انہیں کوئی پسندیدہ چیز یعنی نعمت وراحت ملے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز یعنی تکلیف ومصیبت پہنچے گی تو ثواب کی امید رکھیں گے اور صبر کریں گے درآنحالیکہ نہ تو عقل ہوگی اور بردباری۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار! یہ کیوں کر ہوگا جب کہ نہ عقل ہوگی نہ بردباری! پروردگار نے فرمایا میں انہیں اپنی بردباری اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دے دوں گا۔ یہ دونوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 251)

یہاں امت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیک وفرمانبردار اور صلحاء مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد نہ عقل ہوگی نہ بردباری کا مطلب یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ مصبت وتکلیف کی وجہ سے بردباری وعقل جاتی رہے گی، لیکن مصیبت وتکلیف پر صبر کریں گے اور ثواب کے طلب گار رہوں گے یعنی بردباری اور عقل یہ دونوں ایسے وصف ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان مصیبت وحادثہ کے وقت جزع وفزع اور بے صبری اختیار کرنے سے باز رہتا ہے اور یہ جان کر صبر وسکون کے دامن کو پکڑے رہتا ہے کہ نفع ونقصان اور تکلیف وراحت سب کچھ اللہ رب العزت ہی کی طرف سے ہے لہٰذا ان دونوں اوصاف کے نہ ہونے کے باوجود صبر وسکون کے دامن کو پکڑے رہنا قابل تعجب بات ہے؟ چنانچہ اسی لئے حضرت عیسیٰ نے پوچھا کہ جب بردباری اور عقل ہی کا فقدان ہوگا تو پھر صبر کرنا کیسے ممکن؟ اور پھر ثواب کی امید کے کیا معنی؟ حضرت عیسیٰ کے اس اشکال اور ان کی اس حیرت کا جواب بارگاہ الوہیت سے یہ

دیا گیا کہ ایسے مواقع پر امت مرحومہ کے افراد کی راہنمائی عقل ودانش اور حلم وبردباری کا وہ نور کرے گا جو کسبی نہیں ہوگا بلکہ میں اپنے پاس سے عقل وبردباری کی دولت بلاکسب عطا کروں گا جس کی وجہ سے بڑی بڑی مصیبت پر وہ صبر کریں گے اور ثواب کے امیدوار ہوں گے۔

مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝
وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝
یہ لوگ اس میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، نہ وہاں دھوپ کی تپش پائیں گے اور نہ سردی کی شدّت۔
اور سائے ان پر جھک رہے ہوں گے اور ان کے گچھے جھک کر لٹک رہے ہوں گے۔

اہل جنت کیلئے سایہ وپھلوں کے ہونے کا بیان

"متكئين" حال من مرفوع أدخلوها المقدر "فيها على الأرائك" السرر في الحجال "لا يرون" لا يجدون حال ثانية "فيها شمسا ولا زمهريرا" لا حرا ولا بردا وقيل الزمهرير القمر فهي مضيئة من غير شمس ولا قمر، "ودانية" قريبة عطف على محل لا يرون, أي غير رائين "عليهم" منهم "ظلالها" شجرها "وذللت قطوفها تذليلا" أدنيت ثمارها فينالها القائم والقاعد والمضطجع،

یہاں پر لفظ متکئین یہ ادخلوھا مقدر کی ضمیر مرفوع سے حال ہے۔ یہ لوگ اس میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، یعنی مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے۔ یہاں پر لا یرون یہ حال ثانی ہے۔ نہ وہاں دھوپ کی تپش پائیں گے اور نہ سردی کی شدّت۔ یعنی گرمی یا سردی نہ ہوگی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمہریر سے مراد چاند ہے جبکہ جنت سورج وچاند کی روشنی کے بغیر منور ہوگی۔ اور لفظ دانیۃ یہ عطف لا یرون کے محل پر ہے۔ اور جنت کے درختوں کے سائے ان پر جھک رہے ہوں گے اور ان کے میووں کے گچھے جھک کر لٹک رہے ہوں گے۔ یعنی ان کے پھل اتنے قریب ہوں گے کہ وہ حالت قیام اور قعود اور لیٹے ہوئے بھی انہیں پالیں گے۔

دائمی خوشگوار موسم اور مسرتوں سے بھرپور زندگی اہل جنت کی نعمت، راحت، ان کے ملک ومال اور جاہ ومنال کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ بہ آرام تمام پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع، مزین، جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکئے لگائے سرور اور راحت سے بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے، سورہ والصافات کی تفسیر میں اس کی پوری شرح گذر چکی ہے، وہیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اتکا سے مراد لیٹنا ہے یا کہنیاں ٹکانا ہے یا چار زانو بیٹھنا ہے یا کمر لگا کر ٹیک لگانا ہے، اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ارائک چھپر کھٹوں کو کہتے ہیں، پھر ایک اور نعمت بیان ہو رہی ہے کہ وہاں نہ تو سورج کی تیز شعاعوں سے انہیں کوئی تکلیف پہنچے نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انہیں ناگوار گذریں بلکہ بہار کا سا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہتا ہے گرمی سردی کے جھمیلوں سے الگ ہیں، جنتی درختوں کی

شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے چاہے لیٹے لیٹے توڑ کر کھالیں، چاہے بیٹھے بیٹھے لے لیں چاہے کھڑے ہو کر لے لیں درختوں پر چڑھنے اور تکلیف کی کوئی حاجت نہیں پر میوے دار گچھے اور لدے ہوئے لچھے لٹک رہے ہیں توڑا اور کھالیا اگر کھڑے ہیں تو میوے اتنے اونچے ہیں بیٹھے تو قدرے جھک گئے لیٹے تو اور قریب آ گئے، نہ تو کانٹوں کی رکاوٹ نہ دوری کی سردردی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ دہر، بیروت)

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟ قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا
اور ان کے گرد چاندی کے برتن اور شیشے کے گلاس لئے پھرتے ہوں گے۔ اور شیشے بھی چاندی کے ہوں گے
جنہیں انہوں نے ٹھیک ٹھیک اندازہ سے بھرا ہوگا۔

اہل جنت کیلئے پاکیزہ جام چاندی کے برتنوں میں پلائے جانے کا بیان

"ويطاف عليهم" فيها "بآنية من فضة وأكواب" أقداح بلا عرى، "قواريرا من فضة" أى أنها من فضة يرى باطنها من ظاهرها كالزجاج "قدروها" أى الطائفون "تقديرا" على قدر رى الشاربين من غير زيادة ولا نقص وذلك ألذ الشراب،

اور (خُدام) ان کے گرد چاندی کے برتن اور صاف ستھرے شیشے کے گلاس لئے پھرتے ہوں گے۔ اکواب ایسے جام کو کہتے ہیں جس میں ٹونٹی نہ ہو۔ اور شیشے بھی چاندی کے بنے ہوں گے یعنی وہ جام ایسی چاندی کے ہوں گے جن کا اندر باہر سے نظر آئے گا جس طرح کانچ ہوتا ہے۔ جنہیں انہوں نے ہر ایک کی طلب کے مطابق ٹھیک ٹھیک اندازہ سے بھرا ہوگا۔ یعنی پینے والوں کی طلب کے مطابق بغیر کسی کمی بیشی کے انہوں نے بھرے ہوئے ہوں گے۔

اہل جنت کیلئے عیش و عشرت کا بیان

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک خالص ہے اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں ڈالیاں لولوز برجد اور یاقوت کی ہیں، ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی وقت اور مشکل نہیں چاہ بیٹھے بیٹھے توڑ لو چاہو کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے ایک طرف خوش خرام، خوش دل، خوبصورت، باادب، سلیقہ شعار، فرمانبردار خادم قسم قسم کے کھانے چاندی کی کشتیوں میں لگائے لئے کھڑے۔ دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوریں جام لئے ساقیان مہوش اشارے کے منتظر ہیں، یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے، دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے، جنت کی تمام چیزوں کی یونہی سی برائے نام مشابہت دنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کے بلوریں گلاسوں کی کوئی نظری نہیں ملتی، ہاں یہ یاد رہے کہ پہلے کے لفظ قواریر پر زبر تو اس لئے ہے کہ وہ کان کی خبر ہے اور دوسرے پر زبر یا تو بدلیت کی بنا پر ہے یا تمیز کی بنا پر، پھر یہ جام نپے تلے ہوئے

ہیں ساقی کے ہاتھ میں بھی زیب دیں اوران کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں اور پینے والوں کے حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے۔ ان نایاب گلاسوں میں جو پاک خوش ذائقہ اور سرور والی بہشت کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر سلسبیل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی، اوپر گذر چکا ہے کہ نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہے کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تاکہ اعتدال قائم رہے۔

یہ ابرار لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے، سلسبیل بقول عکرمہ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی سے لہرایا چال بہہ رہا ہے، اس کا پانی بڑا ہلکا، نہایت شیریں، خوش ذائقہ اور خوش بو ہے جو آسانی سے پیا جائے اور ہضم اور جزو بدن ہوتا رہے۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوبصورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہوں گے، یہ غلمان جنتی جس سن وسال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بگڑ جائے، نفیس پوشاکیں اور بیش قیمت جڑاؤ زیور پہنے بہ تعداد کثیر ادھر ادھر مختلف کاموں پر بٹے ہوئے ہوں گے جنہیں دوڑ بھاگ کر مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے ایسا معلوم ہوگا گویا سفید آب دار موتی ادھر ادھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں۔ حقیت میں اس سے زیادہ اچھی تشبیہ ان کے لئے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال خوش خصال بوٹے سے قد والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے زیور میں لدے اپنے مالک کی فرمانبرداری میں دوڑتے بھاگتے ادھر ادھر پھرتے ایسے بھلے معلوم ہوں گے سجے سجائے پر تکلف فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر ہر جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگے ہوئے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے اے نبی تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت نظر آئے گی تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت ونور سے چپہ چپہ معمور ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم میں سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تبارک وتعالیٰ فرمائے گا جا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے، بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ دیا، اور حضرت ابن عمر کی روایت سے وہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے جس میں ہے کہ ادنیٰ جنتی کی ملکیت و ملک دو ہزار سال تک ہوگا ہر قریب و بعید کی چیز پر اس کی یہ یک نظر دیکھے نگاہیں ہوں گی، یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا پھر سمجھ لو کہ اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہوگا؟ اور اس کی نعمتیں کیسی ہوں گی (اے اللہ اے بغیر ہماری دعا اور عمل کے ہمیں شیر مادر کے چشمے عنایت کرنے والے ہم بہ عاجزی و الحاح تیری پاک جناب میں عرض گذار ہیں کہ تو ہمارے مشتاق دل کے ارمان پورے کر اور ہمیں بھی جنت الفردوس نصیب فرما۔ گو ایسے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ہے کہ تیری رحمت اعمال پر ہی موقف نہیں، آمین۔

طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں وارد ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا، آپ نے اسے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو جس بات کو سمجھنا ہو پوچھ لو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورت، شکل، رنگ، روپ، نبوۃ ورسالت میں آپ کو ہم پر فضیلت دی گئی ہے اب یہ تو فرمائیے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ عمل

کرتے ہیں اگر میں بھی اسی پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا کہ ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس کے لئے اللہ کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سبحان اللہ و بحمدہ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں، تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیسے ہلاک ہوں گے؟ آپ نے فرمایا سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو اللہ کی نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے اس وقت یہ سورت ملکا کبیرا تک اتری اسی حبشی نے کہا کہ اے حضور جو کچھ آپ کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں، بس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ دہر، بیروت)

وَ يُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ۝
اور انہیں وہاں ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ اس میں ایک ایسا
چشمہ ہے جس کا نام "سلسبیل" رکھا گیا ہے۔

جنت کے چشمہ سلسبیل کا بیان

"ویسقون فیها كأسا " خمرا "كان مزاجها " ما تمزج به "زنجبيلا" يعني أن ماء ها كالزنجبيل الذي تستلذ به العرب، "عينا" بدل من زنجبيلا "فيها تسمى سلسبيلا " سهل المساغ في الحلق،

اور انہیں وہاں شراب طہور کے ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ یعنی اس کا پانی زنجبیل کا ہوگا جس سے اہل عرب لذت حاصل کرتے ہیں۔ یہاں پر لفظ عینا یہ زنجبیل سے بدل ہے۔ زنجبیل اس جنت میں ایک ایسا چشمہ ہے جس کا نام "سلسبیل" رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ حلق سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

عینا فیھا، اگر زنجبیل کو چشمہ کا نام کہا جائے تو عینا اس سے بدل ہوگا ورنہ کا سا سے بدل ہوگا۔ اور مضاف محذوف ہوگا۔

تسمی سلسبیلا۔ اس چشمہ کا نام سلسبیل ہے جو مشروب آسانی کے ساتھ حلق میں اتر جائے اور خوش گوار ہو وہ سلسبیل ہے سلسل سلسالا و سلسبیلا آسانی اور خوش گواری کے ساتھ حلق میں اتر گیا۔

پہلے کافور کی آمیزش والے مشروب کا ذکر کیا گیا جو اپنی تاثیر کے لحاظ سے ٹھنڈا اور مفرح ہوتا ہے۔ اب زنجبیل یا سونٹھ کی آمیزش والے مشروب کا ذکر کیا گیا۔ زنجبیل کی تاثیر گرم ہوتی ہے۔ اہل عرب کے شوق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ

ایک قدرتی چشمہ ہوگا جس کے مشروب میں سونٹھ کی خوشبو تو ہوگی مگر اسکی تلخی نہیں ہوگی۔

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ○
وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ○
اوران کے اِردگرد ایسے بچے گھومتے رہیں گے، جو ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے، جب آپ انہیں دیکھیں گے تو انہیں
بکھرے ہوئے موتی گمان کریں گے۔ اور جب تو وہاں دیکھے گا تو نعمت ہی نعمت اور بہت بڑی بادشاہی دیکھے گا۔

اہل جنت کے خدام کا ہمہ وقت خدمت کیلئے موجود رہنے کا بیان

"ويطوف عليهم ولدان مخلدون" بصفة الولدان لا يشيبون "إذا رأيتهم حسبتهم" لحسنهم وانتشارهم في الخدمة "لؤلؤا منثورا" من سلكه أو من صدفه وهو أحسن منه في غير ذلك، "وإذا رأيت ثم" أي وجدت الرؤية منك في الجنة "رأيت" جواب إذا "نعيما" لا يوصف "وملكا كبيرا" واسعا لا غاية له،

اوران کے اِردگرد ایسے معصوم بچے گھومتے رہیں گے، یعنی ایسے بچے جو جوان نہ ہوں گے۔ جو ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے، جب آپ انہیں دیکھیں گے تو انہیں بکھرے ہوئے موتی گمان کریں گے۔ یعنی ہمہ وقت خدمت کیلئے حاضر ہوں گے۔ گویا وہ لڑی یا صدف میں موتی ہیں۔ کیونکہ وہ لڑی یا صدف میں ہی خوبصورت لگتے ہوں گے۔ اور جب تو وہاں یعنی جنت میں دیکھے گا تو نعمت ہی نعمت ہوگی یہ اذا کا جواب ہے۔ اور بہت بڑی بادشاہی دیکھے گا۔ یعنی اتنی وسیع جس کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکے اہل جنت کے پاس ہمیشہ موجود رہیں گے۔ کبھی غیر حاضر نہ ہوں گے۔ یعنی ان لڑکوں کا حسن و جمال، ان کی پاکیزگی اور نظافت، ان کی آب وتاب اوران کے ہمہ وقت ادھر ادھر پھرنے سے یوں معلوم ہوگا کہ یہ خوبصورت موتی ہیں جو ادھر ادھر بکھیر دیئے گئے ہیں۔

سورت دہر آیت ۲۰ کے شان نزول کا بیان

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کھجوروں کی شاخوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آرام فرمارہے تھے اور آپ کے پہلو میں اس کے نشانات تھے تو عمر رو پڑے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ تو عمر نے کہا مجھے کسری اور اس کی سلطنت اور شاہ حبشہ اور اس کی سلطنت یاد آ گئی اور آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کھجور کی شاخوں کی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے لیے تو دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت؟ اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا) اور بہشت میں (جہاں) آنکھ اٹھاؤ گے کثرت سے نعمت اور عظیم الشان سلطنت دیکھو گے۔ (سیوطی 322، ابن کثیر 4۔ 457)

عٰلِیَهُمۡ ثِیَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّ اِسۡتَبۡرَقٌ وَّ حُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا ۝

ان پر باریک ریشم کے سبز اور دبیز اطلس کے کپڑے ہوں گے، اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا۔

اہل جنت کیلئے ریشم کے سبز لباس کا بیان

"عاليهم" فوقهم فنصبه على الظرفية وهو خبر لمبتدأ بعده وفي قراء ة بسكون الياء مبتدأ وما بعده خبر والضمير المتصل به للمعطوف عليهم "ثياب سندس" حرير "خضر" بالرفع "وإستبرق" بالجر ما غلظ من الديباج فهو البطائن والسندس الظهائر وفي قراء ة عكس ما ذكر فيهما وفي أخرى, برفعهما وفي أخرى بجرهما "وحلوا أساور من فضة" وفي موضع من ذهب للإيذان بأنهم يحلون من النوعين معا ومفرقا "وسقاهم ربهم شرابا طهورا" مبالغة في طهارته ونظافته بخلاف خمر الدنيا،

یہاں پر لفظ عالیہ یہ ظرفیت کے سبب منصوب ہے اور مابعد مبتداء کی خبر ہے۔ اور یہ لفظ ایک قرأت میں یاء کے سکون کے ساتھ بہ طور مبتداء آیا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ اور ضمیر متصل معطوف علیہ ہے۔ ان کے جسموں پر باریک ریشم کے سبز اور دبیز اطلس کے کپڑے ہوں گے، یہاں پر لفظ خضر یہ مرفوع آیا ہے اور استبرق یہ جر کے ساتھ آیا ہے۔ اور وہ ریشم کے موٹے کپڑے کو کہتے ہیں اور وہ بطائن ہے جبکہ سندس اوپر والے کپڑے کو کہتے ہیں اور ایک قرأت کے مطابق قرأت مذکورہ کا عکس بھی آیا ہے۔ اور ایک قرأت میں دونوں مرفوع جبکہ ایک اور قرأت کے مطابق دونوں مجرور آئے ہیں۔ اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ایک دوسرے مقام پر یہ بھی آیا ہے کہ انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور یہ دونوں اقسام کے ایک ساتھ یا الگ الگ پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا رب انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا۔ یہاں پر لفظ طہور میں طہارت کا مبالغہ ہے۔ جو پاک ہوگی جبکہ دنیاوی شراب میں ایسا نہیں ہوتا۔

یعنی باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم کے لباس جنتیوں کو ملیں گے۔ اس سورت میں تین جگہ چاندی کے برتنوں اور زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ دوسری جگہ سونے کے بیان کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی ہوں اور وہ بھی، کسی کو یہ ملیں، کسی کو وہ۔ یا کبھی یہ کبھی وہ۔ یعنی سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا ایک جام محبوب حقیقی کی طرف سے ملے گا، جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت، نہ سرگرانی، نہ بدبو، اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہوں گے، پینے کے بعد بدن سے پسینہ نکلے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح مہکنے والی ہوگی۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمۡ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعۡیُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۝

بے شک یہ تمہارا صلہ ہوگا اور تمہاری محنت مقبول ہو چکی۔

اعمال کے مقبول ہونے کے صلہ کا بیان

"إن هذا" النعيم،

بے شک یہ نعمتیں تمہارا صلہ ہوگا اور تمہاری محنت مقبول ہو چکی۔

یعنی اہل جنت کو جنت میں پہنچنے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوگا کہ جنت کی یہ محیّر العقول نعمتیں سب تمہارے ان اعمال کی جزاء ہے جو تم نے دنیا میں کیے تھے اور تمہارے عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہو گئے۔ یہ کلمات ان کو بطور مبارکباد کے کہے جائیں گے۔ اہل عشق و محبت سے پوچھئے تو جنت کی ساری نعمتیں ایک طرف اور رب العالمین کا یہ فرمانا ایک طرف سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے کہ اس میں حق تعالیٰ ان کو اپنی رضا کامل کی سند دے رہے ہیں۔ عام اہل جنت کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد خاص ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو نبی کریم پر مبذول ہوئے ان میں سب سے بڑا انعام تنزیل قرآن ہے اس انعام عظیم کا ذکر کرنے کے بعد اول تو آپ کو اس کی ہدایت کی گئی کہ مخالفین و کفار کی طرف سے جو ضد و انکار اور ان کی ایذاؤں کی تکلیف آپ کو پہنچتی ہے آپ اس پر صبر سے کام لیں۔ دوسرے اللہ کی عبادت کو دن رات کا مشغلہ بنائیں اسی سے کفار کی اذیت کا بھی ازالہ ہوگا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝
بے شک ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے۔ پس آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر رکھیں
اور ان میں سے کسی کاذب و گنہگار یا کافر و ناشکر گزار کی بات پر کان نہ دھریں۔

کفار کی دعوت باطل پر کوئی پرواہ نہ کرنے کا بیان

"إنا نحن " تأكيد لاسم إن أو فصل "نزلنا عليك القرآن تنزيلا" خبر إن أى فصلناه ولم ننزله جملة واحدة، "فاصبر لحكم ربك" عليك بتبليغ رسالته "ولا تطع منهم " أى الكفار "آثما أو كفورا" أى عتبة بن ربيعة والوليد بن المغيرة قالا للنبى صلى الله عليه وسلم ارجع عن هذا الأمر ويجوز أن يراد كل آثم وكافر أى لا تطع أحدهما أيا كان فيما دعاك إليه من إثم أو كفر،

یہاں پر لفظ نحن یہ اسم اَن کی تاکید ہے یا فصل کیلئے آیا ہے۔ اور نزلنا علیک الخ یہ اَن کی خبر ہے۔ یعنی بے شک ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا ایک بار ہی سارا نازل نہیں کیا۔ پس آپ تبلیغ رسالت پر اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھیں۔۔ اور ان میں سے کسی کاذب و گنہگار یا کافر و ناشکر گزار کی بات پر کان نہ دھریں۔ یعنی اور ان کفار کی بات کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ یہ کام ترک کر دیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر گنا ہگار کا فر مراد ہو یعنی خواہ ان میں سے کوئی بھی آپ کو دین اسلام کو چھوڑ دینے کی جانب بلائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پرواہ نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا جو خاص کرم کیا ہے اسے یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تجھ پر بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن کریم نازل فرمایا اب اس اکرام کے مقابلہ میں تمہیں بھی چاہیئے کہ میری راہ میں صبر وضبط سے کام لو، میری قضاوقدر پر صابر شاکر رہو دیکھو تو سہی کہ میں اپنے حسن تدبیر سے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتا ہوں۔

ان کافروں منافقوں کی باتوں میں نہ آنا گو یہ تبلیغ سے روکیں لیکن تم نہ رکنا بلا رو و رعایت مایوسی اور تکان کے بغیر ہر وقت وعظ، نصیحت، ارشاد و تلقین سے غرض رکھو میری ذات پر بھروسہ رکھو میں تمہیں لوگوں کی ایذاء سے بچاؤں گا، تمہاری عصمت کا ذمہ دار میں ہوں، فاجر کہتے ہیں، بداعمال عاصی کو اور کفور کہتے ہیں دل کے منکر کو، دن کے اول آخر حصے میں رب کا نام لیا کرو، راتوں کو تہجد کی نماز پڑھو اور دیر تک اللہ کی تسبیح کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ دہر، بیروت)

سورت دہر آیت ۲۴ کے شان نزول کا بیان

عتبہ بن ربیعہ اور ولید ابن مغیرہ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اس کام سے باز آیئے یعنی دین سے، عتبہ نے کہا کہ آپ ایسا کریں تو میں اپنی بیٹی آپ کو بیاہ دوں اور بغیر مہر کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں، ولید نے کہا کہ میں آپ کو اتنا مال دے دوں کہ آپ راضی ہو جائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ابوجہل نے کہا اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند دوں گا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۔ ترجمہ۔ اور ان میں سے کسی بدعمل اور ناشکرے کا کہنا نہ مانو۔ (سیوطی 323، طبری 29۔138)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝
اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں۔ اور رات کی کچھ گھڑیاں اس کے حضور سجدہ ریزی کیا کریں
اور رات کے طویل حصہ میں اس کی تسبیح کیا کریں۔

اوقات نماز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے حکم کا بیان

"واذكر اسم ربك" في الصلاة "بكرة وأصيلا" يعني الفجر والظهر والعصر، "ومن الليل فاسجد له" يعني المغرب والعشاء "وسبحه ليلا طويلا" صل التطوع فيه كما تقدم من ثلثيه أو نصفه أو ثلثه،

اور صبح و شام نماز میں اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں۔ یعنی فجر، ظہر اور عصر میں نماز میں اور رات کی کچھ گھڑیاں اس کے حضور سجدہ ریزی کیا کریں یعنی مغرب اور عشاء میں اور رات کے بقیہ طویل حصہ میں اس کی تسبیح کیا کریں۔ یعنی نفلی نماز پڑھیں جس طرح اس کا بیان دو تہائی یا نصف یا ایک تہائی کے ساتھ گزر چکا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

واذکر اسم ربک بکرة و اصیلا ۔ واو عاطفہ اذکر فعل امر واحد مذکر حاضر۔ ذکر (باب نصر) مصدر سے۔ جس کے معنی یاد کرنے یا ذکر کرنے کے ہیں۔ اسم ربک مضاف مضاف الیہ مل کر اذکر کا مفعول۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کر۔ یہاں ذکر سے مراد نماز پڑھنا ہے۔ ای وصل لربک اپنے رب کی نماز پڑھ۔ بکرۃ دن کا اول حصہ۔ یا اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اصیلا شام۔ عصر و مغرب کے درمیانی وقت کو کہتے ہیں۔ دن کا پچھلا حصہ۔ اس سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ بکرة و اصیلا منصوب بوجہ مفعول فیہ ہونے کے یا بوجہ اذکر کے ظرف ہونے کے۔

ومن الیل فاسجدلہ ۔ واو عاطفہ من تبعیضیہ ہے اور رات کے بعض حصہ میں۔ فاسجد میں ف زائدہ ہے اور اما شرطیہ ہے جو مقدر ہے۔ اصل کلام یوں ہے:۔ واما من الیل فاسجد (تفسیر مظہری)

اسجد فعل امر، واحد مذکر حاضر۔ سجود (باب نصر) مصدر۔ تو سجدہ کر۔ یہاں سجدہ سے مراد نماز پڑھنا ہے۔ یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں۔

وسبحہ لیلا طویلا: سبح فعل امر واحد مذکر حاضر۔ تسبیح (تفعیل) مصدر ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع رب ہے تو اس کی تسبیح بیان کر۔ تو اس کی پاکی بیان کر۔ لیلا مفعول فیہ۔ رات کو، رات کے دوران۔

طویلا۔ لمبا۔ طویل، دراز، طول (باب نصر) مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے۔ یہاں طویلا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی تسبیحا طویلا۔ مراد اس سے آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ دہر، لاہور)

تسبیح سے مراد نماز شب ہے۔ مدارک التنزیل میں ہے:۔ ای تھجدلہ ھزیعا طویلا من الیل ثلثیہ او نصفہ او ثلثہ اس کے لئے تہجد کی نماز پڑھ۔ رات کے طویل حصہ میں اس کا دو تہائی یا نصف یا اس کا ایک تہائی حصہ۔ (تفسیر مدارک، سورہ دہر، بیروت)

اِنَّ هٰٓـؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَ هُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًاo نَحْنُ خَلَقْنٰـهُمْ
وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَـآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًاo
بے شک یہ جلد ملنے والے مفاد کو عزیز رکھتے ہیں اور سخت بھاری دن کو اپنے پسِ پشت چھوڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے ہی انھیں پیدا
کیا اور ہم نے ان کا بندھن مضبوط باندھا اور ہم جب چاہیں گے بدل کر ان جیسے اور لوگ لے آئیں گے، بدل کر لانا۔

دنیا کے مفاد کو عزیز رکھنے والے کفار کا بیان

"إن هؤلاء يحبون العاجلة" الدنيا "ويذرون وراء هم يوما ثقيلا" شديدا أي يوم القيامة لا يعملون له، "نحن خلقناهم وشددنا" قوينا "أسرهم" أعضاء هم ومفاصلهم "وإذا شئنا بدلنا" جعلنا "أمثالهم" في الخلقة بدلا منهم بأن نهلكهم "تبديلا" تأكيد ووقعت إذا موقع إن نحو إن

يشأ يذهبكم لأنه تعالى لم يشأ ذلك وإذا لما يقع،

بے شک یہ طالبانِ دنیا جلد ملنے والے مفاد کو عزیز رکھتے ہیں اور سخت بھاری دن کی یاد کو اپنے پسِ پشت چھوڑے ہوئے ہیں اور وہ قیامت کا دن ہے۔ جس کیلئے یہ کوئی عمل نہیں کرتے۔

ہم نے ہی انھیں پیدا کیا اور ہم نے ان کے اعضاء و جوڑوں کا بندھن مضبوط باندھا اور ہم جب چاہیں گے بدل کر ان جیسے اور لوگ لے آئیں گے، بدل کر لانا۔ یعنی تخلیق میں بدلنا ایسے ہوگا کہ ہم انہیں ہلاک کر دیں گے۔ اور لفظ تبدیل یہ تاکید ہے۔ اور اِذا یہ اِن کی جگہ پر واقع ہوا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ان یشاء یذھبکم میں آیا ہے لیکن اللہ نے چاہا نہیں۔

یعنی یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت و ہدایت قبول نہیں کرتے اس کا سبب حب دنیا ہے۔ دنیا چونکہ جلد ہاتھ آنے والی چیز ہے اسی کو یہ چاہتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن سے غفلت میں ہیں اس کی کچھ فکر نہیں۔ بلکہ اس کے آنے کا یقین بھی نہیں۔ سمجھتے ہیں کہ مر کر جب گل سڑ گئے پھر کون دوبارہ ہم کو ایسا ہی بنا کر کھڑا کر دے گا؟ آگے اس کا جواب دیا ہے۔

دوبارہ زندہ ہونے پر دلیل کا بیان

نحن خلقنھم ۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے۔ ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب کا مرجع کفار مکہ ہیں۔ وشددنا اسرھم: اس کا عطف جملہ سابقہ پر ہے۔ شددنا ماضی جمع متکلم۔ شد باب نصر وضرب) مصدر سے جس کا معنی مضبوط باندھنے کے ہیں۔ اسرھم مضاف مضاف الیہ ان کی جوڑ بندی، ان کی قید کی بندش (حاصل مصدر)۔

الاسر کے معنی قید میں جکڑ لینے کے ہیں یہ اسرت القتب سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں: میں نے پالان کو مضبوطی سے باندھ دیا۔ قیدی کو اسیر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ رسی وغیرہ سے باندھا ہوتا ہے۔

آیت ہذا میں ہم نے ان کی بندش کو مضبوطی سے باندھ دیا میں اس حکمت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو انسان کی ہیئت ترکیبی میں پائی جاتی ہے۔ قدرت الٰہی نے انسان کے مختلف اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ پٹھوں، ریشوں اور رگوں کے ذریعے بڑی پختگی سے جوڑ دیا ہے سب اعضاء اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں اس کے باوجود ایک دوسرے سے پیوستہ بھی ہیں۔ ایک دوسرے کی قوت و طاقت کا ذریعہ بھی ہیں ایک دوسرے کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر اسی ایک بات پر تم غور کرو تو تمہارے شکوک و شبہات کے بادل سب چھٹ جائیں گے۔ (راغب، ضیاء القرآن، سورہ دہر، لاہور)

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ وَمَا تَشَآءُوْنَ
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○
یقیناً یہ ایک نصیحت ہے، تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے۔ اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے،
یقیناً اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیحت اختیار کرنے کا بیان

"إن هذه" السورة "تذكرة" عظة للخلق "فمن شاء اتخذ إلى ربه سبيلا" طريقا بالطاعة، "وما تشاء ون" بالتاء والياء اتخاذ السبيل بالطاعة "إلا أن يشاء الله" ذلك "إن الله كان عليما" بخلقه "حكيما" في فعله،

یقیناً یہ سورت مبارکہ ایک نصیحت ہے، تو جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرلے۔ جو اطاعت کا راستہ ہے۔ اور تم نہیں چاہتے، یہاں پر لفظ تشاؤن یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی اطاعت کے راستے کو پکڑنا نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، یقیناً اللہ ہمیشہ سے اپنی مخلوق کو جاننے والا، اپنے فعل میں حکمت والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ان ھذہ تذکرۃ: ان حرف تحقیق۔ حرف مشبہ بالفعل ھذہ (یہ سورۃ یا یہ آیات) اسم اشارہ واحد مونث (اسم ان) تذکرۃ۔ ان کی خبر، بروزن تفعلۃ باب تفعیل کا مصدر۔ یاددہانی، نصیحت، یاد کرنے کی چیز۔ ترجمہ ہوگا:۔ یہ (آیات یا یہ سورۃ) ایک نصیحت ہے (سب کے لئے)۔

فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا: ف عطف کے لئے ہے، بمعنی پس، پھر۔ من شرطیہ ہے۔ شاء ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ مشیۃ (باب سمع) مصدر۔ شاء اصل میں شیء تھا۔ ی متحرک ماقبل مفتوح۔ اس کو الف سے بدلا۔ اس نے چاہا۔ اس نے ارادہ کیا۔ اتخذ۔ ماضی واحد مذکر غائب۔ اتخاذ (افتعال) مصدر۔ بمعنی اختیار کرنا۔ پسند کرنا۔

سبیلا۔ راستہ۔ راہ۔ سبیل، منصوب بوجہ اتخذ کے مفعول ہونے کے ہے۔ سبیلا کا استعمال ہر اس شے کے لیے ہوتا ہے جس کے ذریعے کسی شے تک پہنچا جاسکے خواہ وہ شے شر ہو یا خیر۔ نیز واضح راستہ بھی اس سے مراد لیا جاتا ہے۔ یہ لفظ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے جیسے وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا اور اگر راستی کا راستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں۔ اور بطور مونث بھی مستعمل ہے جیسے قل ھذہ سبیلی (108:12) کہہ دو میرا راستہ تو یہ ہے۔ ترجمہ ہوگا:۔ پھر جس نے چاہا اس نے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلیا۔ یا پس جس کا جی چاہے اپنے رب کے قریب کا راستہ اختیار کرے۔ (انوار البیان سورہ دہر)

يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۠ ۝
اپنی رحمت میں لیتا ہے جسے چاہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اہل ایمان کا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوجانے کا بیان

"يدخل من يشاء في رحمته" جنته وهم المؤمنون "والظالمين" ناصبه فعل مقدر، أي أعد يفسره "أعد لهم عذابا أليما" مؤلما وهم الكافرون،

اپنی رحمت یعنی جنت میں میں لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اہل ایمان ہیں۔ اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہاں پر لفظ ظالمین یہ فعل مقدر اَعد کے سبب منصوب ہے۔ یعنی اس نے کفار کیلئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

من موصولہ یشاء اس کا صلہ اس کا فاعل اللہ ہے۔ وہ جسے اللہ چاہتا ہے۔ من یشاء مفعول ہے یدخل کا۔ اور اس کا فاعل بھی اللہ ہے۔ رحمتہ۔ مضاف مضاف الیہ۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع بھی اللہ ہے۔ ترجمہ ہوگا:۔ اللہ جسے چاہتا ہے اسے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔ رحمت سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک جنت ہی ہے۔ (روح المعانی۔ السیر التفاسیر، تفسیر مظہری (کیونکہ آخرت میں جنت ہی محل رحمت ہے۔ (تفسیر مظہری)

والظلمین اعدلہم عذابا الیما۔ واو عاطفہ۔ الظلمین مفعول فعل محذوف کا ہے ای ویکفا الظلمین اور وہ ظالموں کو دھتکارتا ہے۔ یکفا کا عطف یدخل پر ہے۔ حسب محاورہ قرآنی سیاق میں ظالم سے مراد کافر ہی ہیں۔ جنہوں نے اپنے ارادہ واختیار سے کام نہ لیا۔ ای الکافرین (مدارک) اے المشرکین (معالم) وہم الکافرون (جلالین)۔ اعدلہم عذابا الیما۔ جملہ حالیہ ہے (ان ظالمین کا حال یہ ہے کہ ان کے لئے اس نے ردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اعد ماضی واحد مذکر غائب اعداد (افعال) مصدر۔ اس نے تیار کیا ہے اس نے تیار کر رکھا ہے۔

عذابا الیما۔ موصوف وصفت: دردناک عذاب، دکھ دینے والا عذاب۔ الم یالم ایلام (افعال) مصدر سے بروزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ عذابا بوجہ اعد کے مفعول ہونے کے منصوب ہے۔

جنت کے رحمت ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ کا آپس میں جھگڑا ہوا دوزخ کہنے لگی مجھے متکبر اور ظالم لوگوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اور جنت کہنے لگی مجھے کیا ہے میرے اندر تو سوائے کمزور حقیر اور عاجز لوگوں کے اور کوئی داخل نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحم کروں گا اور دوزخ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا لیکن تم میں سے ہر ایک کو بھرنا ضروری ہے پھر جب دوزخ نہیں بھرے گی تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھیں گے تو دوزخ کہے گی بس بس پھر وہ بھر جائے گی اور اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جنت کو بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2674)

سُورَةُ الْمُرْسَلٰت

یہ قرآن مجید کی سورت مرسلات ھے

سورت مرسلات کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ الْمُرْسَلات (مَكِّيَّة وَ آيَاتهَا خَمْسُوْنَ)

سورہ مرسلات مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، پچاس آیات، ایک سو اسّی کلمات، آٹھ سو سولہ حروف ہیں۔

سورت مرسلات کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں لفظ مرسلات آیا ہے جس کا معنیٰ خوشگوار ہوائیں ہیں۔ جو مسلسل چلتی ہیں۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت مرسلات کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت مرسلات کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ والمرسلات شب جنّ میں نازل ہوئی، ہم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکابِ سعادت میں تھے، جب منٰی کے غار میں پہنچے والمرسلات نازل ہوئی، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو پڑھتے تھے اور حضور اس کی تلاوت فرماتے تھے، اچانک ایک سانپ نے جست کی، ہم اس کو مارنے کے لئے لپکے، وہ بھاگ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کی برائی سے بچائے گئے، وہ تمہاری برائی سے، یہ غار منٰی میں غارِ والمرسلات کے نام سے مشہور ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مرسلات، لاہور)

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۝ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۝ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۝
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۝ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۝
نرم وخوش گوار ہواؤں کی قسم جو پے در پے چلتی ہیں۔ پھر جو تند ہو کر تیز چلنے والی ہیں۔ اور ان کی قسم جو بادلوں کو ہر طرف پھیلا دیتی
ہیں۔ پھر جو پھاڑ کر جدا جدا کر دینے والی ہیں۔ پھر ان کی قسم جو نصیحت لانے والی ہیں۔ حجت تمام کرنے یا ڈرانے کے لئے۔

خوشگوار ہواؤں کی قسم کا بیان

"وَالْمُرْسَلَات عُرْفًا" أَیْ الرِّیَاح مُتَتَابِعَة كَعُرْفِ الْفَرَس يَتْلُو بَعْضه بَعْضًا وَنَصْبه عَلَى الْحَال

"فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا" الرِّيَاح الشَّدِيدَة "وَالنَّاشِرَات نَشْرًا" الرِّيَاح تَنْشُر الْمَطَر "فَالْفَارِقَات فَرْقًا" أَيْ آيَات الْقُرْآن تَفْرُق بَيْن الْحَقّ وَالْبَاطِل وَالْحَلَال وَالْحَرَام،

"فَالْمُلْقِيَات ذِكْرًا" أَيْ الْمَلَائِكَة تَنْزِل بِالْوَحْيِ إِلَى الْأَنْبِيَاء وَالرُّسُل يُلْقُونَ الْوَحْي إِلَى الْأُمَم "عُذْرًا أَوْ نُذْرًا" أَيْ لِلْإِعْذَارِ وَالْإِنْذَار مِنْ اللَّه تَعَالَى وَفِي قِرَاءَة بِضَمّ ذَال نُذُرًا وَقُرِءَ بِضَمّ ذَال عُذُرًا،

نرم وخوش گوار ہواؤں کی قسم، جو پے در پے چلتی ہیں۔ جو مسلسل چلنے میں گھوڑے کے بالوں کی طرح ہیں۔ یہاں پر لفظ عرفا یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ پھر جو تند ہو کر تیز چلنے والی ہیں۔ یعنی سخت ہوائیں ہیں۔ اوران کی قسم جو بادلوں یعنی بارش کو ہر طرف پھیلا دیتی ہیں۔ پھر جوانھیں پھاڑ کر جدا جدا کر دینے والی ہیں۔ یعنی وہ قرآن آیات جو حق وباطل اور حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی ہیں۔ پھران کی قسم جو نصیحت لانے والے ہیں۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو انبیائے کرام اور رسولان گرامی کی طرف وحی لیکر آتے ہیں۔ اوراس وحی سے وہ اقوام کو ڈرسناتے ہیں۔ حجت تمام کرنے یا ڈرانے کے لئے۔ یعنی اللہ کی جانب سے ڈرسنانے والے ہیں۔ ایک قرأت کے مطابق عذرا اور نذرا یہ ذال کے ضمہ کے ساتھ آئے ہیں۔

اشیاءِ خمسہ کی قسم اٹھانے کا بیان

آیت ہذا اور اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ مثلا (1) المرسلت۔ (2) العصفت۔ (3) النشرت۔ (4) الفرقت۔ (5) الملقیت۔ ان چیزوں سے جن کی قسم کھائی گئی ہے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ مثلا: (1) ان پانچوں چیزوں سے مراد ملائکہ ہیں۔ (مقاتل) (2) ان پانچوں چیزوں سے مراد ہوائیں ہیں۔ (مجاہد، قتادہ) (3) ان پانچوں چیزوں سے مراد ایک قسم کی چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ متعدد چیزیں مراد ہیں پھر اس میں بھی مختلف اقوال ہیں:۔ (1) بعض کہتے ہیں پہلی چار چیزوں سے مراد ہوائیں ہیں۔ اور پانچویں سے ملائکہ۔ (2) بعض کہتے ہیں کہ اول دونوں سے مراد ہوائیں ہیں۔ اور اخیر تینوں سے ملائکہ ہیں۔ (3) ان پانچوں چیزوں سے مراد آیات قرآنیہ ہیں۔ (فراء) (4) یہ بھی احتمال ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے رادنفوس انبیاء ہیں۔

چونکہ جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ان سے مراد ہوائیں ہیں لہٰذا ہم یہاں سے ہوائیں مراد لے کر تشریح کریں گے۔

عرفا۔ نیکی، احسان، بخشش، متواتر، پے در پے۔ عرف کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے۔ ایک بمعنی معروف، یعنی نیکی اور نیک کام۔ دوسرے پے در پے۔

محاورہ ہے جاء القوم عرفا عرفا: یعنی لوگ پے در پے اور لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے آئے۔ اس معنی میں یہ عرف الفرس سے ماخوذ ہے۔ عرف فرس گھوڑے کے ایال (گردن کے لمبے لمبے بال) کو کہتے ہیں۔ یعنی جس طرح ایال کے بال لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کی آمد ورفت ہوئی۔

آیت والمرسلت عرفا میں دونوں معنی کیئے گئے ہیں۔یعنی نیکی اور خوبی کے ساتھ بھیجی ہوئی۔یا پے در پے بھیجی ہوئی ہوائیں۔

عرفا کے منصوب ہونے کی چار وجہیں ہوسکتی ہیں۔(1) مفعول لہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی المرسلت لاجل العرف اس صورت میں عرف بمعنی خوبی واحسان ہوگا۔(2) حال ہونے کی وجہ سے یعنی متتابعۃ۔(پے در پے) یعنی اس حال میں بھیجی گئیں کہ وہ پے در پے تھیں۔(3) مفعول مطلق ہے بمعنی مصدر۔اور ارسالا کے معنی دے بمعنی المرسلت ارسالا اس صورت میں بھی ارسالا بمعنی لگاتار اور پے در پے ہوگا۔

(4) منصوب ہے نیزع خافض (زیر دینے والے حرف کو حذف کرنا) بمعنی المرسلت بالعرف اس صورت میں عرف بمعنی معروف ہوگا۔

آیت کا ترجمہ ہوگا:۔قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں یعنی وہ ہوائیں جو پیہم چلتی ہیں نرم نرم خوشگوار، روئیدگی میں مدد دینے والی۔ابر اٹھانے والی۔بابرکت۔(انوار البیان، سورہ مرسلات)

مرسلات کے مفہوم میں اقوال کا بیان

ان آیتوں میں جو قسمیں مذکور ہیں وہ پانچ صفات ہیں جن کے موصوفات ظاہر میں مذکور نہیں اسی لئے مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت وجوہ ذکر کئے ہیں بعض نے یہ پانچوں صفتیں ہواؤں کی قرار دی ہیں، بعض نے ملائکہ کی، بعض نے آیات قرآن کی، بعض نے نفوسِ کاملہ کی جو استکمال کے لئے ابدان کی طرف بھیجے جاتے ہیں، پھر وہ ریاضتوں کے جھونکوں سے ماسوائے حق کو اڑا دیتے ہیں، پھر تمام اعضاء میں اس اثر کو پھیلاتے ہیں، پھر حق بالذات اور باطل فی نفسہ میں فرق کرتے ہیں اور ذات الٰہی کے سوا ہر شے کو ہالک دیکھتے ہیں، پھر ذکر کا القاء کرتے ہیں اس طرح کہ دلوں میں اور زبانوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہوتا ہے اور ایک وجہ یہ ذکر کی ہے کہ پہلی تین صفتوں سے ہوائیں مراد ہیں اور باقی دو سے فرشتے۔اس تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ قسم ان ہواؤں کی جو لگاتار بھیجی جاتی ہیں پھر زور سے جھونکے دیتی ہیں ان سے مراد عذاب کی ہوائیں ہیں۔(تفسیر خازن، سورہ مرسلات، بیروت)

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝
بیشک جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔پھر جب ستاروں کی روشنی زائل کر دی جائے گی۔
اور جب آسمان کھولا جائے گا۔اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے۔اور جب پیغمبر وقت مقررہ پر جمع کئے
جائیں گے۔بھلا کس دن کے لئے مدت مقرر کی گئی ہے۔فیصلہ کے دن کے لئے۔

بعث وعذاب اور قیام قیامت کے برحق ہونے کا بیان

"اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ" "اَیْ یَا کُفَّار مَکَّۃ مِنَ الْبَعْث وَالْعَذَاب" "لَوَاقِعٌ" کَائِن لَا مَحَالَۃ "فَاِذَا النُّجُوْم

طُمِسَتْ " مُحِيَ نُورُهَا "وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ " شُقَّتْ "وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ " فُتِّتَتْ وَسُيِّرَتْ "وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ " أُقِّتَتْ بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلًا مِنْهَا أَيْ جُمِعَتْ لِوَقْتٍ "لِأَيِّ يَوْمٍ" لِيَوْمٍ عَظِيمٍ "أُجِّلَتْ" لِلشَّهَادَةِ عَلَى أُمَمِهِمْ بِالتَّبْلِيغِ "لِيَوْمِ الْفَصْلِ " بَيْنَ الْخَلْقِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ إِذَا أَيْ وَقَعَ الْفَصْلُ بَيْنَ الْخَلَائِقِ،

اے کفار مکہ! بیشک جو تم سے وعدہ بعث وعذاب کیا جا رہا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔یعنی لامحالہ واقع ہوگا۔ پھر جب ستاروں کی روشنی زائل کر دی جائے گی۔یعنی اس کا نور ختم ہو جائے گا اور جب آسمان کھولا جائے گا۔یعنی آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے۔اور جب پیغمبر وقت مقررہ پر (اپنی اپنی امتوں پر گواہی کے لئے) جمع کئے جائیں گے۔یہاں لفظ وقتت یہ واؤ یا اس کے عوض میں ہمزہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی وقت کیلئے جمع کیا گیا ہے۔ بھلا کس دن کے لئے یعنی اس دن وہ اپنی امتوں پر پیغام حق پہنچانے کی گواہی دیں گے۔ان سب امور کی مدت مقرر کی گئی ہے۔مخلوق کے درمیان فیصلہ کے دن کے لئے۔اس سے اذا کا جواب اخذ کیا جاتا ہے جو وقع الفصل بین الخلائق ہے۔

فیصلوں کیلئے انبیائے کرام کی گواہی کا بیان

پھر فرماتا ہے کہ ان رسولوں کو ٹھہرایا گیا تھا اس لئے کہ قیامت کے دن فیصلے ہوں گے، جیسے فرمایا آیت (فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ، ابراہیم:47)، یہ خیال نہ کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والا اور انتقام والا ہے، جس دن یہ زمین بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ واحد و قہار کے سامنے پیش ہو جائیں گے، اسی کو یہاں فیصلے کا دن کہا گیا، پھر اس دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا میرے معلوم کرائے بغیر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم بھی اس دن کی حقیقت سے باخبر نہیں ہو سکتے، اس دن ان جھٹلانے والوں کے لئے سخت خرابی ہے، ایک غیر صحیح حدیث میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ مرسلات، بیروت)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ○ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ○ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ○
اور آپ کو کس نے بتایا کہ فیصلہ کا دن کیا ہے۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔
کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ پھر ہم بعد کے لوگوں کو بھی ان کے پیچھے چلائے دیتے ہیں۔

تکذیب کرنے والوں کیلئے ہلاکت کا بیان

"وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ " تَهْوِيلٌ لِشَأْنِهِ "وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ " هَذَا وَعِيدٌ لَهُمْ "أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ" بِتَكْذِيبِهِمْ أَيْ أَهْلَكْنَاهُمْ "ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ" مِمَّنْ كَذَّبُوا كَكُفَّارِ مَكَّةَ فَنُهْلِكُهُمْ.

اور آپ کو کس نے بتایا کہ فیصلہ کا دن کیا ہے۔یعنی اس دن کی ہولناکی کو بیان کرنے کیلئے آیا ہے۔اس دن جھٹلانے والوں

کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ یہ ان کیلئے وعید ہے۔ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ یعنی انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ پھر ہم بعد کے لوگوں کو بھی ہلاکت میں ان کے پیچھے چلائے دیتے ہیں۔ یعنی جنہوں نے کفار مکہ کی طرح تکذیب کی تو ہم انہیں ہلاک کر دیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وما ادرك ما يوم الفصل : ما استفہامیہ ہے بمعنی کیا۔ کون، کس نے۔ ادرک: ماضی واحد مذکر۔ ادراء (افعال) مصدر بمعنی واقف کرنا۔ بتانا۔ ک ضمیر مفعول واحد مذکر حاضر۔ اور کس چیز نے تجھے بتایا کہ یوم الفصل کیا ہے۔

مطلب یہ کہ تجھے کیا علم کہ یوم الفصل کیا ہے۔ فعل تعجب اظہار تعجب کے لئے ہے۔ تعجب بالائے تعجب یوم الفصل کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ یوم الفصل عظیم الشان چیز ہے تم کو اس کی حقیقت معلوم نہیں نہ اس کی مثل تم نے کوئی دن دیکھا۔ (تفسیر مظہری، سورہ مرسلات، لاہور)

جہنم کی ایک وادی ویل کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کی ایک وادی ہے جس کا نام ویل ہے، کافر اس کی گہرائی میں پہنچنے سے پہلے اس میں چالیس برس تک گرتا رہے گا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس کو حدیث صرف ابن لہیعہ کی روایت سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1110)

كَذٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝
ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

مجرموں کیلئے ہلاکت ہونے کا بیان

"كَذٰلِكَ" مِثْل مَا فَعَلْنَا بِالْمُكَذِّبِينَ "نَفْعَل بِالْمُجْرِمِينَ" بِكُلِّ مَنْ أَجْرَمَ فِيمَا يَسْتَقْبِل فَنُهْلِكهُمْ "وَيْل يَوْمئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ" تَأْكِيد،

ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔ یعنی ہر وہ شخص جس نے آئندہ جرم کیا تو ہم انہیں ہلاک کر دیں گے۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ یہ بہ طور تاکید ہے۔

منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ اتنی بڑی دنیا کہاں ختم ہوتی ہے؟ بھلا کون باور کرے گا کہ سب آدمی بیک وقت مر جائیں گے اور نسل انسانی بالکل نابود ہو جائے گی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور بناوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا جواب دیا کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جب ہماری قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ دورِ حاضر کے کفار کو بھی ہم

ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کردیں گے۔ جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کر سکتی ہے، وہ اس پر کیوں قادر نہ ہوگی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کردے۔ اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ○ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ○
فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ○ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ○
کیا ہم نے تمھیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھکانے میں رکھا۔ ایک معلوم اندازے تک۔
پس ہم نے اندازہ کیا تو ہم اچھے اندازہ کرنے والے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

انسان کی تخلیق میں مراحل کا بیان

"أَلَمْ نَخْلُقكُّمْ مِنْ مَاء مَهِين " ضَعِيف وَهُوَ الْمَنِيّ "فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَار مَكِين" حَرِيز وَهُوَ الرَّحِم "إِلَى قَدَر مَعْلُوم" وَهُوَ وَقْت الْوِلَادَة "فَقَدَرْنَا" عَلَى ذَلِكَ "فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ" نَحْنُ،

کیا ہم نے تمھیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ اور وہ منی ہے۔ پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھکانے میں رکھا۔ اور وہ رحم ہے۔ ایک معلوم اندازے تک۔ اور وہ ولادت کا وقت ہے۔ پس ہم نے اندازہ کیا تو ہم اچھے اندازہ کرنے والے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الم نخلقکم: اھمزہ استفہامیہ ہے لم نخلق مضارع نفی جحد بلم کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ کیا ہم نے تم کو پیدا نہیں کیا۔ ماء مھین موصوف وصفت، مھین ھون (باب نصر) مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مذکر۔ یہ اصل میں مھیون تھا۔ بروزن مفعول۔ حقیر، ذلیل، گندہ مراد یہاں نطفہ منی سے ہے۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔ یعنی ضرور کیا ہے۔

فجعلنہ فی قرار مکین ۔ جملہ کا عطف الم نخلقکم کے مضمون پر ہے اور فجعلنہ میں ف تفسیری ہے تعقیبی نہیں ہے یعنی جملہ سابقہ کی تفصیل اور تشریح اس جملہ میں ہے ایسا نہیں ہے کہ فعل تحقیق کے بعد رحم مادر میں استقرار نطفہ ہوتا ہے۔

قرار مکین: موصوف وصفت، قرار۔ آرام کی جگہ، ٹھہرنے کی جگہ۔ پانی ٹھہرنے کی جگہ۔ رحم۔ مکین۔ عزت والا۔ مرتبہ والا۔ محفوظ جگہ۔ پختہ اور مضبوط جگہ۔ مکانۃ (باب کرم) مصدر سے۔ صفت مشبہ کا صیغہ۔ واحد مذکر۔ پھر ہم نے رکھ دیا اس کو ایک محفوظ جگہ میں۔ (رحم مادر میں) الی قدر معلوم ایک معینہ مدت تک۔ یعنی ایک اتنے وقت تک جس کی مقدار عرفا (عام لوگوں کو) معلوم ہے۔ یا ایک ایسی مدت تک جو اللہ کو معلوم ہے۔ قدر معلوم موصوف وصفت۔ ایک معلوم مقدار۔ ایک معلوم مدت۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًاo اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًاo
کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ زندوں کو اور مردوں کو۔

زندوں کا زمین کی پشت پر جبکہ مردوں کا زمین کے اندر دفن ہونے کا بیان

"كِفَاتًا" مَصْدَر كَفَتَ بِمَعْنَى ضَمَّ أَىْ ضَامَّةً "أَحْيَاء" عَلَى ظَهْرِهَا "وَأَمْوَاتًا" فِي بَطْنِهَا،

یہاں پر لفظ کفاتا یہ کفت سے مصدر ہے جس کا معنی ملانا ہے۔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ زندوں کو اس کی پشت پر اور مردوں کو اس کے اندر سمانے والا۔

یعنی ہم نے زمین کو کفات بنایا ہے زندہ اور مردہ انسانوں کے لئے کفات، کفت سے مشتق ہے جس کے معنے ملانے اور جمع کر لینے کے ہیں کفات وہ چیز جو بہت سی چیزوں کو اپنے اندر جمع کرے۔ زمین کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ زندہ انسان اس کی پیٹھ پر سوار ہیں اور مردے سب اس کے پیٹ میں جمع ہیں۔

وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًاo وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَo
اور ہم نے اس میں بلند پہاڑ بنائے اور ہم نے تمہیں نہایت میٹھا پانی پلانے کے لیے دیا۔
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

پہاڑوں کی بلندیوں سے استدلال قدرت کا بیان

"وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِي شَامِخَات" جِبَالًا مُرْتَفِعَات "وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاء فُرَاتًا" عَذْبًا "وَيْل يَوْمئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ" وَيُقَال لِلْمُكَذِّبِينَ يَوْم الْقِيَامَة،

اور ہم نے اس میں بلند پہاڑ بنائے اور ہم نے تمہیں نہایت میٹھا پانی پلانے کے لیے دیا۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ یعنی قیامت کے دن تکذیب کرنے والوں سے کہا جائے گا۔

یعنی زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مردے بھی اس مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اس خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانا ہوا۔ تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَo اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍo
اس چیز کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے تھے۔ ایک سائے کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہے۔

جہنم کے دھوئیں کے بلند ہونے کا بیان

"انْطَلِقُوا إلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ" مِنْ الْعَذَاب "انْطَلِقُوا إلَى ظِلّ ذِي ثَلَاث شُعَب" هُوَ دُخَان جَهَنَّم

إِذَا ارْتَفَعَ افْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَقٍ لِعِظَمِهِ

اس چیز یعنی عذاب کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے تھے۔ایک سائے کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہے۔اور جہنم کا دھواں ہے جب وہ بلند ہوگا تو اس کے تین حصے بن جائیں گے۔

اس سے جہنم کا دھواں مراد ہے جو اونچا ہو کر تین شاخیں ہو جائے گا ایک کفار کے سروں پر ایک ان کے دائیں اور ایک ان کے بائیں اور حساب سے فارغ ہونے تک انہیں اسی دھوئیں میں رہنے کا حکم ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اس کے عرش کے سایہ میں ہوں گے۔اس کے بعد جہنم کے دھوئیں کی شان بیان فرمائی جاتی ہے کہ وہ ایسا ہے کہ۔

جو کفار قیامت، جزا سزا اور جنت دوزخ کو جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ لو جسے سچا نہ مانتے تھے وہ سزا اور وہ دوزخ یہ موجود ہے اس میں جاؤ، اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے ہو ہو کر ان میں تین پھانکیں کھل جاتی ہیں، تین حصے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کو چڑھتا ہے جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع نہ تو وہ سایہ ہے نہ آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے یہ جہنم اتنی تیز تند سخت اور بہ کثرت آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ بھی مثل قلعہ کے اور تناور درخت کے مضبوط لمبے چوڑے تنے کے ہیں، دیکھنے والے کو یہ لگتا ہے کہ گویا وہ سیاہ رنگ اونٹ ہیں یا کشتیوں کے رسے ہیں یا تانبے کے ٹکڑے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم جاڑے کے موسم میں تین تین ہاتھ کی یا کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر انہیں بلند کر لیتے اسے ہم قصر کہا کرتے تھے، کشتی کی رسیاں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو خاصی اونچی قد آدم کے برابر ہو جاتی ہیں، اسی کو یہاں مراد لیا گیا ہے، ان جھٹلانے والوں پر حسرت وافسوس ہے، آج نہ یہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر ومعذرت کرنے کی اجازت ملے گی کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی اور ظالموں پر اللہ کی بات ثابت ہو گئی اب انہیں بولنے کی اجازت نہیں، یہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں ان کا بولنا مکرنا چھپانا عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے سے پہلے عذر معذرت وغیرہ پیش کریں گے جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں پیش ہو جائیں گی تو اب بول چال عذر معذرت ختم ہو جائے گی، غرض میدان حشر کے مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں کسی وقت یہ کسی وقت وہ، اسی لئے یہاں ہر کلام کے خاتمہ پر جھٹلانے والوں کی خرابی کی خبر دے دی جاتی ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ مرسلات، بیروت)

لَّا ظَلِيلٍ وَّلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ○ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ○
كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ○ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○
جو نہ ٹھنڈا سایہ ہے اور نہ ہی آگ کی تپش سے بچانے والا ہے۔بلاشبہ وہ محل جیسے شرارے پھینکے گی۔
جیسے وہ زرد اونٹ ہوں۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

آگ کے دھوئیں میں ٹھنڈا سایہ نہ ہونے کا بیان

"لَا ظَلِيل " كَنِينٍ يُظِلّهُمْ مِنْ حَرّ ذَلِكَ الْيَوْم "وَلَا يُغْنِي " يَرُدّ عَنْهُمْ شَيْئًا "مِنْ اللَّهَب " النَّار "إِنَّهَا" أَيْ النَّار "تَرْمِي بِشَرَرٍ " هُوَ مَا تَطَايَرَ مِنْهَا "كَالْقَصْرِ" مِنْ الْبِنَاء فِي عِظَمه وَارْتِفَاعه "كَأَنَّهُ جِمَالَات" جَمَالَات جَمْع جَمَل وَفِي قِرَاءَة جِمَالَت "صُفْر" فِي هَيْئَتهَا وَلَوْنهَا وَفِي الْحَدِيث "شِرَار النَّاس أَسْوَد كَالْقِيرِ" وَالْعَرَب تُسَمِّي سُود الْإِبِل صُفْرًا لِشَوْبِ سَوَادهَا بِصُفْرَةٍ فَقِيلَ صُفْر فِي الْآيَة بِمَعْنَى سُود لِمَا ذُكِرَ وَقِيلَ لَا وَالشَّرَر : جَمْع شَرَارَة وَالْقِير : الْقَار،

جو نہ تو ٹھنڈا سایہ ہے یعنی ایسا سایہ نہیں ہے جو اس دن کی گرمی سے بچانے والا ہو۔ اور نہ ہی آگ کی تپش سے بچانے والا ہے۔ بلاشبہ وہ آگ محل جیسے شرارے پھینکے گی۔ چنگاری اس آگ کو کہتے ہیں جو آگ سے اڑتی ہوئی آئے۔ جیسے وہ زرد اونٹ ہوں یعنی وہ چنگارے جب بلند ہوں گے تو بڑی عمارتوں کی طرح لگیں گے۔ جس طرح بڑے بڑے اونٹ ہوتے ہیں اور لفظ جمالات یہ جمل کی جمع ہے اور ایک قرأت میں جمالت آیا ہے۔ اور ان کی ہیئت ورنگ زرد ہو گا۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ آگ کے شعلے تارکول کی طرح سیاہ ہوں گے۔ اور اہل عرب کالے اونٹوں کو زرد کہتے ہیں کیونکہ ان میں زردی سیاہی میں ملی ہوئی ہوتی ہیاور آیت میں صفر بہ معنی سود یعنی سیاہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صفر بہ معنی سود نہیں ہے اور شرر یہ شرارہ کی جمع ہے اور قیر یہ قار سے ہے جس کا معنی تارکول ہے۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

جہنم کے شراروں کا مثل اونٹ ہونے کا بیان

قصر کے معنی بڑا عالیشان محل اور جمالہ بمعنے جمل اونٹ کو کہا جاتا ہے۔ صفر، اصفر کی جمع ہے جس کے معنے زرد کے ہیں۔ مراد آیت کی یہ ہے کہ اس جہنم کی آگ سے اتنے بڑے بڑے شرارے اٹھیں گے جو ایک مستقل محل عالیشان کی برابر ہوں گے پھر وہ متفرق ہو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوں گے وہ ٹکڑے زرد اونٹوں کہ برابر ہوں گے اور بعض حضرات نے اس جگہ صفر کا ترجمہ سیاہ کیا ہے کیونکہ زرد اونٹ کی زردی سیاہی مائل ہوتی ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ مرسلات، بیروت)

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ
جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝
یہ ایسا دن ہے کہ وہ بول بھی نہ سکیں گے۔ اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت کر سکیں۔ اس دن جھٹلانے
والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ یہ فیصلے کا دن ہے، ہم نے تمہیں اور پہلوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ پھر اگر تمہارے پاس

کوئی حیلہ ہے تو داؤ مجھ پر چلالو۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

قیامت کے دن کچھ بول نہ سکنے والوں کا بیان

"هَذَا" أَیْ یَوْم الْقِیَامَة "یَوْم لَا یَنْطِقُونَ" "فِیهِ بِشَیْء" "وَلَا یُؤْذَن لَهُمْ" "فِی الْعُذْر" "فَیَعْتَذِرُونَ" عَطْف عَلَی یُؤْذَن مِنْ غَیْر تَسَبُّب عَنْهُ فَهُوَ دَاخِل فِی حَیِّز النَّفْی أَیْ لَا إِذْن فَلَا اعْتِذَار "هَذَا یَوْم الْفَصْل جَمَعْنَاکُمْ" أَیُّهَا الْمُکَذِّبُونَ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّة "وَالْأَوَّلِینَ" مِنْ الْمُکَذِّبِینَ قَبْلکُمْ فَتُحَاسَبُونَ وَتُعَذَّبُونَ جَمِیعًا "فَإِنْ کَانَ لَکُمْ کَیْد" حِیلَة فِی دَفْع الْعَذَاب عَنْکُمْ "فَکِیدُونِ" فَافْعَلُوهَا،

یہ قیامت کا دن ایسا دن ہے کہ وہ اس میں کچھ بھی بول نہ سکیں گے۔اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت کر سکیں یہاں پر یعتذرون کا عطف یؤذن پر ہے جو بغیر کسی تسبب کے ہے۔جو نفی کے تحت داخل ہے۔لہٰذا جب اجازت نہیں ہے تو کوئی عذر بھی نہیں ہے۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔یہ فیصلے کا دن ہے، ہم نے تمہیں یعنی اے تکذیب کرنے والو تمہیں اور پہلوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔جو تم سے پہلے تھے۔تاکہ ان کا حساب کریں اور ان سب کو عذاب دیا جائے۔پھر اگر تمہارے پاس عذاب سے بچنے کا کوئی حیلہ اور داؤ ہے تو وہ داؤ مجھ پر چلالو۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں، اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر بہ آواز بلند کہے گی، اے لوگو تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھے حکم مل چکا ہے، میں انہیں خوب پہچانتی ہوں کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہوگا جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں، آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں نہ کوئی انہیں چھپا سکتا ہے۔ایک تو وہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو، دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہو اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہو، پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ کر نکل جائے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے۔(تفسیر جامع البیان، سورہ مرسلات، بیروت)

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ٥ وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ٥ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا
هَنِیْٓــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ٥ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ٥
یقیناً پرہیزگار لوگ اس دن سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔اور پھلوں میں، جس قسم میں سے وہ چاہیں گے۔
مزے سے کھاؤ اور پیو، اس کے عوض جو تم کیا کرتے تھے۔یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

اہل تقویٰ کا جنتی سایوں اور چشموں میں ہونے کا بیان

"إِنَّ الْمُتَّقِینَ فِی ظِلَال" أَیْ تَکَاثُف أَشْجَار إِذْ لَا شَمْس یُظِلّ مِنْ حَرّهَا "وَعُیُون" نَابِعَة مِنْ

الْمَاء "وَفَوَاكِه مِمَّا يَشْتَهُونَ" فِيهِ إِعْلَام بِأَنَّ الْمَأْكَل وَالْمَشْرَب فِي الْجَنَّة بِحَسَبِ شَهَوَاتهمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسَبِ مَا يَجِد النَّاس فِي الْأَغْلَب وَيُقَال لَهُمْ :
"كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا" حَال أَيْ مُتَهَنِّئِينَ "بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" مِنْ الطَّاعَة "إِنَّا كَذَلِكَ" كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِينَ،

یقیناً پرہیزگار لوگ اس دن سایوں یعنی گھنے درختوں میں ہوں گے کیونکہ وہاں سورج نہ ہوگا کہ جس کی گرمی سے بچنے کیلئے کسی سائے کی ضرورت ہو۔ اور ابلنے والے پانی کے چشموں میں ہوں گے۔ اور پھلوں میں، جس قسم میں سے وہ چاہیں گے۔ یعنی اہل جنت کے حسب خواہش پھل ومشروبات ہوں گے جبکہ دنیا میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ یہاں پر جو عام طور پر لوگوں کی پہنچ میں ہوں وہ پھل مل سکتے ہیں۔ اوران سے کہا جائے گا کہ مزے سے کھاؤ اور پیو، یہاں پر لفظ ھنیئا یہ حال بہ معنی متھنئین ہے۔ اس کے عوض جو تم اطاعت کیا کرتے تھے۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

جنت کی نعمتوں کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم اور دنیا سے بیزار ہوتے ہیں اور ہم آخرت والوں میں سے ہوتے ہیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور گھر والوں سے مانوس اور اولاد سے ملتے جلتے ہیں تو ہمارے دل بدل جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی حالت میں رہو جس طرح میرے پاس سے جاتے ہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری ملاقات کریں اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک نئی مخلوق لے آئے گا کہ وہ گناہ کریں پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی سے۔ میں نے پوچھا جنت کس چیز سے بنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک اینٹ سونے کی، اس کا گارا نہایت خوشبودار مشک ہے۔ اس کے کنکر موتی اور یاقوت (سے) ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا نعمتوں میں رہے گا اور کبھی مایوس نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس میں رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر جنتیوں کے کپڑے کبھی پرانے نہیں ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ عادل حاکم، روزہ دار جب افطار کرتا ہے اور مظلوم کی بد دعا۔ چنانچہ جب مظلوم دعا کرتا ہے تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہی کروں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 426)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ٥ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ٥ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ٥
وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ٥ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ٥ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ٥
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔تھوڑا سا کھالو اور فائدہ اٹھالو، یقیناً تم مجرم ہو، اس دن جھٹلانے
والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔اور جب ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو نہیں پڑھتے۔اس دن جھٹلانے
والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔پھر اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔

39

کفار کیلئے دنیا میں قلیل نفع ہونے کا بیان

"كُلُوا وَتَمَتَّعُوا" خِطَاب لِلْكُفَّارِ فِي الدُّنْيَا "قَلِيلًا" مِنْ الزَّمَان وَغَايَته إلَى الْمَوْت وَفِي هَذَا تَهْدِيد لَهُمْ "وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا" صَلُّوا "لَا يَرْكَعُونَ" لَا يُصَلُّونَ،

"فَبِأَيِّ حَدِيث بَعْده" أَيْ الْقُرْآن "يُؤْمِنُونَ" أَيْ لَا يُمْكِن إيمَانهمْ بِغَيْرِهِ مِنْ كُتُب اللّٰه بَعْد تَكْذِيبهمْ بِهِ لِاشْتِمَالِهِ عَلَى الْإِعْجَاز الَّذِي لَمْ يَشْتَمِل عَلَيْهِ غَيْره .

اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔یہ دنیا میں کفار کیلئے خطاب ہے۔اے جھٹلانے والو! تھوڑا سا کھالو، اور فائدہ اٹھالو، جتنی تمہاری عمر ہے جس کی انتہاء موت ہے۔اور یہ ان کیلئے تہدید ہے۔یقیناً تم مجرم ہو، اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔اور جب ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو نہیں پڑھتے۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔پھر اس کے بعد یعنی قرآن کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔یعنی قرآن مجید کی تکذیب کے بعد ان کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی کتابوں پر ایمان لے آئیں۔کیونکہ اس قرآن میں ایسا اعجاز ہے جو اس کے علاوہ کسی اور میں اعجاز نہیں ہے۔

یعنی کھاؤ پیو اور آرام اٹھالو تھوڑے دن کیونکہ تم مجرم ہو، آخر کار سخت عذاب میں جانا ہے۔یہ مکذبین کو خطاب ہے۔دنیا میں، انبیاء کے ذریعہ ان کو کہا گیا ہے کہ یہ تمہارا عیش و آرام چند روزہ ہے پھر عذاب ہی عذاب ہے۔(تفسیر ابوحیان اندلسی، سورہ مرسلات، بیروت)

سورہ مرسلات آیت ۴۸ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت قبیلہ بنو ثقیف کے حق میں نازل ہوئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز ادا کرنے کا حکم دیا تو کہنے لگے کہ نماز میں تو جھکنا پڑتا ہے اور جھکنے میں ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے اس دن تباہی ہی تباہی ہے۔ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ کے حضور سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن کر نہ سکیں گے۔ان کی پشتوں کے پٹھے اکڑ جائیں گے۔(تفسیر قرطبی، سورہ مرسلات، بیروت)

دعوت ایمان پر اقرار کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے جو آدمی سورت

والتین والزیتون پڑھے اور (اس آیت) (اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ، التین:8) یعنی کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ پر پہنچے۔تو یہ الفاظ کہا کرے بلی و انا علی ذلك من الشھدین (یعنی ہاں اور میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو آدمی سورت لا اقسم بیوم القیمۃ پڑھے اور (اس آیت) الیس ذلك بقدر علی ان یحیی الموتی (یعنی کیا اس اللہ) کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے) پر پہنچے تو کہے بلی (یعنی ہاں وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے) اور جو آدمی سورت والمرسلات پڑھے اور اس (آیت) فبای حدیث بعدہ یومنون یعنی اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے) تو کہے امنا باللہ (یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے) ابوداؤد اور ترمذی نے اس روایت کو (والتین کی آیت) وانا علی ذلک من الشاھدین تک نقل کیا ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 822)

سُورَةُ النَّبَأ

یہ قرآن مجید کی سورت النباء ھے

سورت نباء کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ نباء اس کو سورہ تساؤل اور سورہ (عَمَّ یَتَسَاءَلُونَ) بھی کہتے ہیں، یہ سورت مکیہ ہے، اس میں دو رکوع، چالیس یا اکتالیس آیات، ایک سو تہتر کلمات نو سو ستر حروف ہیں۔

سورت نباء کی وجہ تسمیہ کا بیان

دوسری آیت کے فقرے عن النبا العظیم کے لفظ النبا کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے، اور یہ صرف نام ہی نہیں ہے بلکہ اس سورت کے مضامین کا عنوان بھی ہے، کیونکہ نبا سے مراد قیامت اور آخرت کی خبر ہے اور سورت میں ساری بحث اسی پر کی گئی ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ○ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ○
كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ○ ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ○
کس چیز کے بارے میں وہ آپس میں سوال کر رہے ہیں؟ اس بڑی خبر کے بارے میں؟ جس کے بارے میں
وہ اختلاف کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں! وہ عنقریب جان جائیں گے۔ پھر ہرگز نہیں، عنقریب وہ جان لیں گے۔

کفار مکہ کا ایک دوسرے سوال واختلاف کرنے کا بیان

"عَمَّ" عَنْ أَيِّ شَيْء "يَتَسَاءَلُونَ" يَسْأَل بَعْض قُرَيْش بَعْضًا "عَنْ النَّبَإِ الْعَظِيم" بَيَان لِذَلِكَ الشَّيْء وَالِاسْتِفْهَام لِتَفْخِيمِهِ وَهُوَ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ الْقُرْآن الْمُشْتَمِل عَلَى الْبَعْث وَغَيْره "الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ" فَالْمُؤْمِنُونَ يُثْبِتُونَهُ وَالْكَافِرُونَ يُنْكِرُونَهُ "كَلَّا" رَدْع "سَيَعْلَمُونَ" مَا يَحِلّ بِهِمْ عَلَى إنْكَارهمْ لَهُ
"ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ" تَأْكِيد وَجِيءَ فِيهِ بِثُمَّ لِلْإِيذَانِ بِأَنَّ الْوَعِيد الثَّانِي أَشَدّ مِنْ الْأَوَّل، ثُمَّ أَوْمَأَ تَعَالَى إلَى الْقُدْرَة عَلَى الْبَعْث فَقَالَ: "أَلَمْ نَجْعَل الْأَرْض مِهَادًا"

کس چیز کے بارے میں وہ آپس میں سوال کر رہے ہیں؟ یعنی قریش ایک دوسرے سے سوال کس چیز کے بارے میں

کررہے ہیں۔اس بڑی خبر کے بارے میں؟ یہ اس چیز کا بیان ہے۔اور یہاں پر استفہام تفخیم کیلئے آیا ہے۔اور وہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو لائے ہیں جو بعث وغیرہ پر مشتمل ہے۔جس کے بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔یعنی اہل ایمان اس کو ثابت کرتے ہیں جبکہ کفار اس کا انکار کرتے ہیں۔ہر گز نہیں! لفظ کلا یہ ردع کیلئے آیا ہے۔وہ عنقریب اس حقیقت کو جان جائیں گے۔کیونکہ وہ ان کے انکار کے سبب ان پر حکم نازل کیا گیا ہے۔پھر ہر گز نہیں، یہ تاکید ہے۔جس کو ثم کے ساتھ لایا گیا ہے، جس کو اس لئے لایا گیا ہے کہ یہ وعید ثانی پہلی سے زیادہ سخت ہے۔اس کے اللہ تعالیٰ نے اس پر قادر ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔عنقریب وہ جان لیں گے۔کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا۔

قیامت سے متعلق اختلاف کرنے والوں کا بیان

جو مشرک اور کفار قیامت کے آنے کے منکر تھے اور بطور انکار کے آپس میں سوالات کیا کرتے تھے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر تعجب کرتے تھے کے جواب میں اور قیامت کے قائم ہونے کی خبر میں اور اس کے دلائل میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ یہ لوگ آپس میں کس چیز کے بارے میں سوالات کررہے ہیں؟ پھر خود فرماتا ہے کہ یہ قیامت کے قائم ہونے کی بابت سوالات کرتے ہیں جو بڑا بھاری دن ہے اور نہایت دل ہلا دینے والا امر ہے۔

حضرت قتادہ اور ابن زید نے اس نبا عظیم (بہت بڑی خبر) سے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا مراد لیا ہے۔مگر حضرت مجاہد سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے، لیکن بظاہر ٹھیک بات یہی ہے کہ اس سے مراد مرنے کے بعد جینا ہے جیسے کہ حضرت قتادہ اور حضرت ابن زید کا قول ہے، پھر اس آیت (الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ، النبأ:3) جس میں یہ لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اس کے بارے میں مختلف محاذوں پر ہیں ان کا اختلاف یہ تھا کہ مومن تو مانتے تھے کہ قیامت ہوگی لیکن کفار اس کے منکر تھے، پھر ان منکروں کو اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہے کہ تمہیں عنقریب اس کا علم حاصل ہو جائے گا اور تم ابھی ابھی معلوم کرلو گے، اس میں سخت ڈانٹ ڈپٹ ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ نباء، بیروت)

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًاۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًاۙ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًاۙ
وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًاۙ وَّ جَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًاۙ
کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا۔اور پہاڑوں کو میخیں۔اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔
اور ہم نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا۔اور ہم نے رات کو لباس بنایا۔

زمین، پہاڑ اور رات سے استدلال قدرت کا بیان

" اَلَمْ نَجْعَل الْاَرْض مِهَادًا " فِرَاشًا كَالْمَهْدِ " وَالْجِبَال اَوْتَادًا " تُثَبَّت بِهَا الْاَرْض كَمَا تُثَبَّت الْخِيَام بِالْاَوْتَادِ ، وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ " وَخَلَقْنَاكُمْ اَزْوَاجًا " ذُكُورًا وَاِنَاثًا " وَجَعَلْنَا نَوْمكُمْ

سُبَاتًا " رَاحَةً لِأَبْدَانِكُمْ " وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا " سَاتِرًا بِسَوَادِهِ،

کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا۔یعنی گہوارے کی طرح بچھونا بنایا۔اور پہاڑوں کو میخیں۔تاکہ ان کے ساتھ زمین ثابت رہے جس طرح میخوں کے ذریعے خیمے قائم رہتے ہیں۔اور یہ استفہام تقریری ہے۔اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا یعنی مذکر اور مؤنث پیدا کیا۔اور ہم نے تمہارے سونے کو راحت کو چیز بنایا۔جو تمہارے بدنوں کیلئے راحت ہے۔اور ہم نے رات کو لباس بنایا۔یعنی اس کی سیاہی کے سبب ساتر بنادیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الم نجعل الارض مهدا۔یہاں سے لے کر آیت نمبر 16 تک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو نو مصنوعات کا ذکر کرکے اپنی توحید پر، قدرت حشر پر اور اپنی عطا کی ہوئی نعمتوں کے وجوب شکر پر دلیل ذکر کی ہے تاکہ توحید و عبادت کے داعی کی دعوت کو لوگ مانیں اور اس کا اتباع کریں۔

اہمزہ استفہامیہ ہے لم نجعل مضارع منفی۔جحد بلم صیغہ جمع متکلم۔کیا ہم نے نہیں بنایا۔الارض مفعول اول مهدا مفعول ثانی۔ جعلنا کے۔مهدا۔بستر، ہموار میدان۔اس کی جمع مهد ہے۔ترجمہ ہوگا:۔کیا ہم نے زمین کو (تمہارے رہنے چلنے پھرنے کے لئے) فرش نہیں بنادیا ہے (یعنی ضرور بنادیا ہے) جملہ استفہام تقریری ہے۔یعنی استفہام کی غرض یہ ہے کہ مخاطب کو اقرار و عبادت پر آمادہ کیا جائے۔یا یہ استفہام انکاری ہے اور انکار نفی ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔

والجبال اوتادا۔اس کا عطف جملہ سابقہ پر ہے۔ای الم نجعل الجبال اوتادا۔کیا ہم نے پہاڑوں کو میخیں نہیں بنادیا زمین کی ساخت ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے جن مختلف عناصر سے اس کی ترکیب عمل میں لائی گئی ہے وہ اپنی اپنی کیفیات میں مختلف ہیں۔ اپنے حجم میں۔اپنے وزن میں اپنی مختلف النوع خصوصیات میں ہر عنصر دوسرے عناصر سے مختلف ہے اور ہر ایک کی کشش ثقل نہ صرف اس کے اپنے جزئیات کو مربوط رکھے ہوئے ہیں بلکہ باہمی تعامل سے ایک عنصر دوسرے عنصر کو اپنے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔نتیجۃً زمین نے اجزائے ترکیبی اپنے داخلی عمل کے علاوہ خارجی طور پر زمین کی سطح کو ایک ایسی صورت میں قائم و دائم رکھے ہوئے ہیں کہ اس پر بنی نوع انسان اور دوسری ذی روح مخلوقات بس رہی ہے۔اور چل پھر رہی ہے۔

اسی تناظر میں پہاڑ اپنی ضخامت اور جسامت میں چونکہ باقی اجزاء ترکیبی سے نمایاں ترین ہیں اس لئے خصوصی طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔اوتاد اوتد کی جمع ہے بمعنی میخیں۔

نیند کا بہ طور راحت ہونے کا بیان

امام راغب لکھتے ہیں:۔ السبت کے اصل معنی ہیں قطع کرنا۔اور اسی سے کہا جاتا ہے سبت السیر اسم نے تسمیہ کو کاٹا۔سبت شعرہ اس نے اپنے بال مونڈے سبت انفہ اس نے اس کی ناک کاٹ ڈالی آیت وجعلنا نومکم سباتا میں سبات کے معنی ہیں حرکت و عمل کو چھوڑ کر آرام کرنا۔اور یہ رات کی اس صفت کی طرف اشارہ ہے جو کہ آیت لتسكنوا فيه (73:28) (تاکہ تم

رات میں راحت کرو) میں مذکور ہے یعنی رات کو راحت اور سکون کے لئے بنایا ہے۔ ابن الاعرابی نے آیت ہذا میں سبات کو بمعنی قطع کرنے کے لیا ہے گویا جب سو گیا تو لوگوں سے قطع ہو گیا۔

زجاج کہتے ہیں کہ سبات یہ ہے کہ حرکت سے منقطع ہو جائے اور روح بدن میں موجود ہو۔ پس معنی یہ ہیں کہ تمہاری نیند کو تمہارے لئے راحت بنایا۔ اور ہم نے نیند کو تمہارے اعمال (بیداری) کو قطع کر دینے والی چیز بنایا تاکہ تمہارے جسمانی اعضا کو سکون و آرام مل جائے۔ (مفردات القرآن، سورہ نباء، بیروت)

وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا٥ وَ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا٥ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا٥
وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا٥ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا٥
اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط بنائے۔ اور ہم نے ایک بہت روشن گرم
چراغ بنایا۔ اور ہم نے بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا۔ تاکہ ہم اس کے ساتھ غلہ اور پودے اگائیں۔

دن کو ذریعہ معاش کیلئے پیدا کرنے کا بیان

" وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا " وَقْتًا لِلْمَعَايِشِ " وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا " سَبْع سَمَاوَات " شِدَادًا " جَمْع شَدِيدَة , أَيْ قَوِيَّة مُحْكَمَة لَا يُؤَثِّر فِيهَا مُرُور الزَّمَان،

" وَجَعَلْنَا سِرَاجًا " مُنِيرًا " وَهَّاجًا " وَقَّادًا : يَعْنِي الشَّمْس " وَأَنْزَلْنَا مِنْ الْمُعْصِرَات " السَّحَابَات الَّتِي حَانَ لَهَا أَنْ تُمْطِر , كَالْمُعْصِرِ الْجَارِيَة الَّتِي دَنَتْ مِنْ الْحَيْض، " مَاء ثَجَّاجًا " صَبَّابًا " لِنُخْرِج بِهِ حَبًّا " كَالْحِنْطَةِ " وَنَبَاتًا " كَالتِّينِ،

اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا۔ یعنی معیشت کا وقت بنایا ہے۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔ یہاں پر لفظ شدادا یہ شدیدۃ کی جمع ہے۔ یعنی ایسا مضبوط کہ زمانے گزر جانے کے باوجود اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور ہم نے ایک بہت روشن گرم چراغ بنایا۔ یعنی چمکتا ہوا سورج بنایا۔ اور ہم نے بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا۔ یعنی ان بادلوں کو برسنے کے قریب ہوں یہ مثل اس عورت کے جو حیض آنے کے قریب یعنی بلوغت کے قریب ہو۔ تاکہ ہم اس کے ساتھ غلہ یعنی گندم اور پودے اگائیں۔ جس طرح انجیر ہے۔

انسان کی راحت و ضروریات کیلئے تخلیقات کا بیان

انسان کی راحت و سکون کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو غذا وغیرہ کی ضروریات ملیں ورنہ وہ نیند موت ہو جائے گی۔ اگر ہمہ وقت رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو یہ چیزیں کیسے حاصل ہوتیں، ان کے لئے جدوجہد اور محنت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے جو روشنی میں ہو سکتی ہیں اس لئے فرمایا کہ تمہاری راحت کو مکمل کرنے کے لئے ہم نے صرف رات اور اس کی تاریکی ہی نہیں بنائی

بلکہ ایک روشن دن بھی دیا جس میں تم کاروبار کر کے اپنی معاشی ضروریات حاصل کر سکو، (آیت) فتبارك الله احسن الخالقين، اس کے بعد انسان کی راحت کے اس سامان کا ذکر ہے جو آسمان سے متعلق ہیں ان میں سب سے بڑی نفع بخش چیز آفتاب کی روشنی ہے اس کا ذکر فرمایا وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا یعنی ہم نے آفتاب کو ایک روشن بھڑکنے والا چراغ بنادیا، پھر آسمان کے نیچے جو چیزیں انسان کی راحت کے لئے پیدا فرمائیں ان میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز پانی برسانے والے بادل ہیں ان کا ذکر فرمایا۔

معصرت، معصرہ کی جمع ہے جو پانی سے بھرے ہوئے ایسے بادل کو کہا جاتا ہے جو برسنے ہی والا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونے کا ذکر ہے یا تو ان میں بھی آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہو جیسے کہ قرآن میں بکثرت لفظ سماء اس معنی کے لئے آیا ہے اور یا یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہ راست آسمان سے بھی بارش آ سکتی ہے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ (تفسیر قرطبی ومظہری، سورہ نباء، بیروت)

وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًاo اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًاo يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًاo
وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًاo وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًاo
اور گھنے باغات۔ یقیناً فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے۔ جس دن صور میں پھونکا جائے گا، تو تم فوج در فوج چلے آؤ گے۔ اور آسمان
پھاڑ دیئے جائیں گے تو وہ دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔

قیامت کے دن کیلئے صور پھونکے جانے کا بیان

" وَجَنَّات " بَسَاتِين " أَلْفَافًا " مُلْتَفَّة , جَمْع لَفِيف كَشَرِيفٍ وَأَشْرَاف " إِنَّ يَوْم الْفَصْل " بَيْن الْخَلَائِق " كَانَ مِيقَاتًا " وَقْتًا لِلثَّوَابِ وَالْعِقَاب " يَوْم يُنْفَخ فِي الصُّور " الْقَرْن بَدَل مِنْ يَوْم الْفَصْل أَوْ بَيَان لَهُ وَالنَّافِخ إِسْرَافِيل " فَتَأْتُونَ " مِنْ قُبُوركُمْ إِلَى الْمَوْقِف " أَفْوَاجًا " جَمَاعَات مُخْتَلِفَة" وَفُتِحَتْ السَّمَاء " بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف شُقِّقَتْ لِنُزُولِ الْمَلَائِكَة " فَكَانَتْ أَبْوَابًا " ذَات أَبْوَاب،

" وَسُيِّرَتْ الْجِبَال " ذُهِبَ بِهَا عَنْ أَمَاكِنهَا " فَكَانَتْ سَرَابًا " هَبَاء , أَيْ مِثْله فِي خِفَّة سَيْرهَا،

اور گھنے باغات۔ یہاں پر لفظ الفافا یہ لفیف کے جمع ہے جس طرح شریف اشراف کی جمع ہے۔ یقیناً فیصلے کا دن مخلوقات کے درمیان ایک مقرر وقت ہے۔ جو ثواب وسزا کا وقت ہے۔ جس دن صور میں پھونکا جائے گا، یہاں پر لفظ صور جو قرن کے معنی میں ہے یہ یوم الفصل سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے۔ اور صور پھونکنے والے اسرافیل ہیں۔ تو تم فوج در فوج یعنی مختلف جماعتوں کی صورت میں اپنی قبروں سے موقف کی جانب چلے آؤ گے۔ اور آسمان کے طبقات پھاڑ دیئے جائیں گے تو پھٹنے کے باعث گویا وہ دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ تا کہ فرشتہ نازل ہوں۔ اور پہاڑ اپنی جگہوں سے چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں

گے۔یعنی وہ ہلکا ہونے میں غبار کی مانند ہوں گے۔

یعنی فیصلہ کا دن جس سے مراد قیامت ہے وہ ایک موقت اور متعین حد ہے جس پر یہ دنیا ختم ہو جائے گی جبکہ صور پھونکا جائے گا اور دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور دو مرتبہ ہوگا پہلے نفخہ سے سارا عالم فنا ہو جائے گا دوسرے نفخہ سے پھر زندہ و قائم ہو جائیگا، اس دوسرے نفخہ کے وقت سارے عالم کے اگلے پچھلے انسان اپنے رب کے سامنے فوج درفوج ہو کر حاضر ہوں گے۔حضرت ابوذر غفاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے روز تین فوجوں میں تقسیم ہوں گے۔

ایک فوج ان لوگوں کی ہوگی جو پیٹ بھرے ہوئے لباس پہنے ہوئے سواریوں پر سوار میدان حشر میں آئیں گے، دوسری فوج پیادہ لوگوں کی ہوگی جو چل کر میدان میں آئیں گے، تیسری فوج ان لوگوں کی ہوگی جن کو چہروں کے بل گھسیٹ کر میدان حشر میں لایا جائے گا۔(تفسیر قرطبی، سورہ نباء، بیروت)

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا۝
لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا۝
بیشک دوزخ ایک گھات ہے۔سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے۔وہ مدتوں اسی میں رہنے والے ہیں۔
نہ اس میں کوئی ٹھنڈ چکھیں گے اور نہ کوئی پینے کی چیز۔مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔

اہل دوزخ کیلئے زخموں سے رسنے والی پیپ پینے کا بیان

" إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا " رَاصِدَة أَوْ مُرْصَدَة" لِلطَّاغِينَ " الْكَافِرِينَ فَلَا يَتَجَاوَزُونَهَا " مَآبًا " مَرْجِعًا لَهُمْ فَيَدْخُلُونَهَا " لَابِثِينَ " حَال مُقَدَّرَة , أَيْ مُقَدَّرًا لُبْثهمْ " فِيهَا أَحْقَابًا " دُهُورًا لَا نِهَايَة لَهَا جَمْع حُقْب بِضَمِّ أَوَّله " لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا " نَوْمًا فَإِنَّهُمْ لَا يَذُوقُونَهُ " وَلَا شَرَابًا " مَا يُشْرَب تَلَذُّذًا،

" إِلَّا " لَكِنْ " حَمِيمًا " مَاء حَارًّا غَايَة الْحَرَارَة " وَغَسَّاقًا " بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد مَا يَسِيل مِنْ صَدِيد أَهْل النَّار فَإِنَّهُمْ يَذُوقُونَهُ جُوزُوا بِذَلِكَ،

بیشک دوزخ ایک گھات ہے۔یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔سرکشوں یعنی کفار کے لیے ٹھکانا ہے۔جو اس سے بچ نہ سکیں گے۔پس وہ لوٹ کر اسی میں داخل ہوں گے۔یہاں پر لفظ لابثین یہ حال مقدر ہے یعنی ان کا اس میں داخل ہونا یہ مقدر ہو چکا ہے۔وہ مدتوں اسی میں رہنے والے ہیں۔یعنی ایسی مدت جس کوئی انتہاء نہ ہوگی۔یہاں پر لفظ احقابا یہ حقب کی جمع ہے جو حاء کے ضمہ کے ساتھ ہے نہ اس میں کوئی ٹھنڈ چکھیں گے اور نہ کوئی پینے کی چیز۔یعنی وہاں ان کیلئے نیند بھی نہ ہوگی۔اور کوئی مشروب ولذت والا پانی پینے کیلئے نہ ہوگا۔مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔یعنی ایسا گرم پانی جس کی گرمی انتہائی گرم ہوگی۔یہاں پر لفظ غساقا یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح

سے آیا ہے وہ پانی جو اہل جہنم کے زخموں سے بہے گا۔ پس وہ اسی کو چکھیں گے۔

اہل دوزخ کی جسمانی ساخت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں کافر کے جسم کو اس قدر موٹا اور فربہ بنا دیا جائے گا کہ اس کے دونوں مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ تیز رو سوار کی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ دوزخ میں کافر کا دانت احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور اس کے جسم کی کھال تین دن کی مسافت کے برابر موٹی ہوگی۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 237)

اس حدیث میں اہل دوزخ کے جسم کے پھیلاؤ اور مٹاپے کا ذکر ہے جب کہ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ قیامت کے دن متکبرین کو میدان حشر میں اس حالت میں لایا جائے گا کہ ان کے جسم تو چیونٹیوں کے برابر ہوں گے اور ان کی صورتیں مردوں کی ہوں گی اور پھر انہیں ہانک کر قید خانہ میں لایا جائے گا۔ پس ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ متکبرین سے مراد مؤمن گناہ گار ہیں جب کہ مذکورہ بالا حدیث میں کفار کا ذکر کیا گیا ہے لیکن زیادہ درست یہ کہنا ہے کہ ان کو میدان حشر میں چیونٹیوں ہی کے جسم میں لایا جائے گا جہاں وہ لوگوں کے تلوؤں تلے خوب روندے جائیں گے اس کے بعد پھر ان کے بدن اپنی اصلی حالت میں آ جائیں گے اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے، دوزخ میں ان کے بدن دوبارہ غیر معمولی ساخت کے ہو جائیں گے اور ان کا مٹاپا اور پھیلاؤ اتنا بڑھ جائے گا جس کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے نیز ان کے بدن کو اس قدر موٹا اور فربہ اس لئے کیا جائے گا تا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ عذاب ہو سکے۔

اہل دوزخ کیلئے گرم پانی ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دوزخیوں کے سر پر گرم پانی ڈالا جائے گا تو وہ گرم پانی اندر کو اترتا ہوا پیٹ تک پہنچ جائے گا۔ اور ان چیزوں کو کاٹ ڈالے گا جو پیٹ کے اندر ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گرم پانی پیٹ کے اندر کی چیزوں کو کاٹتا اور گلاتا ہوا پیروں کے راستہ سے باہر نکل جائے گا اور صہر کے یہی معنی ہیں پھر وہ دوزخی کہ جس کے ساتھ گرم پانی کا یہ عمل ہوگا ویسا کا ویسا ہو جائے گا۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 244)

صہر کے معنی گلنے اور پگھلنے کے ہیں اور یہ لفظ جس کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔ (**يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ 19 يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ**، الحج: 19) (اور) ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑ دیا جائے گا جس سے پیٹ کی چیزیں (یعنی انتڑیاں) اور ان کی کھالیں سب گل جاویں گی پھر وہ ویسا کا ویسا ہی ہو جائے گا کا مطلب یہ ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ گرم پانی کا یہ عمل عذاب کے طور پر مسلسل باقی رکھا جائے گا، یعنی اس عذاب کے بعد وہ اپنی سابق حالت پر واپس آ جائیں گے ان کی کھال جوں کی توں ہو جائے

گی اوران کی آنتیں پیٹ میں اپنی اپنی جگہ صحیح سالم ہو جائیں گی، تب پھر ان کے سر پر وہی گرم پانی ڈالا جائے گا جو اندر تک تاثیر کرتا ہوا پیٹ تک پہنچے گا اور آنتیں وغیرہ کو کاٹتا گلاتا ہوا دونوں پیروں کے راستہ باہر نکل جائے گا۔

لابثین کے مفہوم کا بیان

لابثین، لابث کی جمع ہے جس کے معنے ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں، احقاب حقبہ کی جمع ہے، زمانہ دراز کو حقبہ کہا جاتا ہے، اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔

ابن جریر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مقدار اسی سال نقل کی اور ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ اس طرح تقریباً دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقبہ اور حضرت ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، ابن عباس وغیرہ نے مقدار حقبہ اسی کے بجائے ستر سال قرار دی باقی حساب وہی ہے۔ (ابن کثیر، سورہ نباء، بیروت)

جَزَآءً وِّفَاقًا۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا۝ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۝
وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۝
پورا پورا بدلہ دینے کے لیے۔ کیونکہ وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ اور وہ ہماری آیتوں کو خوب جھٹلایا کرتے تھے۔
اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ اب تم مزہ چکھو اب ہم تم پر عذاب ہی کو بڑھاتے جائیں گے۔

کفار کو جہنم میں عذاب پر عذاب دیئے جانے کا بیان

" جَزَاء وِفَاقًا " مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ فَلَا ذَنْب أَعْظَم مِنْ الْكُفْر وَلَا عَذَاب أَعْظَم مِنْ النَّار " إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ " يَخَافُونَ " حِسَابًا " لِإِنْكَارِهِمْ الْبَعْث " وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا " الْقُرْآن " كِذَّابًا " تَكْذِيبًا " وَكُلّ شَيْء " مِنْ الْأَعْمَال " أَحْصَيْنَاهُ " ضَبَطْنَاهُ " كِتَابًا " كَتْبًا فِي اللَّوْح الْمَحْفُوظ لِنُجَازِيَ عَلَيْهِ وَمِنْ ذَلِكَ تَكْذِيبهمْ بِالْقُرْآنِ " فَذُوقُوا " أَيْ فَيُقَال لَهُمْ فِي الْآخِرَة عِنْد وُقُوع الْعَذَاب ذُوقُوا جَزَاءَكُمْ " فَلَنْ نَزِيدكُمْ إِلَّا عَذَابًا " فَوْق عَذَابكُمْ

پورا پورا بدلہ دینے کے لیے۔ جو ان کے عمل کے مطابق ہوگا لہٰذا ان کے کفر سے بڑا کوئی گناہ نہ ہوگا اور جہنم کی آگ سے بڑا کوئی عذاب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ بعث کا انکار کر کے کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ اور وہ ہماری آیتوں یعنی قرآن کو خوب جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ہم نے ہر اعمال کی چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ جو لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے تاکہ ہم انہیں اس پر جزاء دیں۔ اور اسی میں ان کا قرآن کی تکذیب کرنا بھی ہے۔ پس ان سے آخرت میں کہا جائے گا جس وقت وہ عذاب میں ہوں گے کہ اب تم اپنے کئے کا مزہ چکھو اب ہم تم پر عذاب ہی کو بڑھاتے جائیں گے۔ یعنی عذاب پر عذاب دیں گے۔

یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائے گی وہ ان کے عقائد باطلہ اور اعمال سیسہ کے مطابق ہوگی از روائے عدل وانصاف اس

میں کوئی زیادتی نہ ہوگی فَذُوقُوا فَلَنْ نَّزِيدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا یعنی جس طرح تم دنیا میں اپنے کفر وانکار میں زیادتی ہی کرتے چلے گئے اور اگر جبراً تمہیں موت نہ آجاتی تو اور بڑھتے ہی رہتے اسی طرح آج اس کی جزاء یہ ہے کہ تمہارا عذاب بڑھتا ہی چلا جائے یہاں تک کفار وفجار کا بیان تھا آگے اس کے بالمقابل مومنین متقین کے ثواب اور نعمائے جنت کا تذکرہ ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ نباء)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ٥ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ٥ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ٥
وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ٥ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ٥
بیشک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے۔ باغات اور انگور۔ اور ابھری چھاتیوں والی ہم عمر لڑکیاں۔
اور چھلکتے ہوئے پیالے۔ وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھٹلانا۔

جنت میں اہل تقویٰ کیلئے کامیابی کے مقام میں ہونے کا بیان

" إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا " مَكَان فَوْز فِي الْجَنَّة " حَدَائِق " بَسَاتِين بَدَل مِنْ مَفَازًا أَوْ بَيَان لَهُ " وَأَعْنَابًا " عَطْف عَلَى مَفَازًا " وَكَوَاعِب " جَوَارِي تَكَعَّبَتْ ثُدِيّهنَّ جَمْع كَاعِب " أَتْرَابًا " عَلَى سِنّ وَاحِد , جَمْع تِرْب بِكَسْرِ التَّاء وَسُكُون الرَّاء " وَكَأْسًا دِهَاقًا " خَمْرًا مَالِئَة مَحَالّهَا , وَفِي سُورَة الْقِتَال : " وَأَنْهَار مِنْ خَمْر ،

" لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا " أَيْ الْجَنَّة عِنْد شُرْب الْخَمْر وَغَيْرهَا مِنْ الْأَحْوَال " لَغْوًا " بَاطِلًا مِنْ الْقَوْل " وَلَا كِذَّابًا " بِالتَّخْفِيفِ , أَيْ : كَذِبًا , وَبِالتَّشْدِيدِ أَيْ تَكْذِيبًا مِنْ وَاحِد لِغَيْرِهِ بِخِلَافِ مَا يَقَع فِي الدُّنْيَا عِنْد شُرْب الْخَمْر،

بیشک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے۔ یعنی جنت میں کامیابی کا مکان ہے۔ باغات اور انگور۔ یہاں پر لفظ حدائق یہ مفازا سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے۔ اور اعنابا کا عطف مفازا پر ہے۔ اور ابھری چھاتیوں والی ہم عمر لڑکیاں۔ یہاں پر لفظ کواعب یہ کاعب کی جمع ہے۔ اور اترابا یہ ترب کی جمع ہے جو تاء کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ آیا ہے جس کا معنی ہم عمر ہے۔ اور چھلکتے ہوئے پیالے، یعنی شراب طہور سے بھرے جام ہیں۔ اور سورہ انفال میں ہے وہ شراب طہور کی نہریں ہیں۔ وہ اس میں یعنی جنت میں شراب طہور کو پیتے وقت نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کو جھٹلانا۔ یعنی ایک دوسرے کی بات کو باطل نہ کریں گے۔ لفظ کذبا یہ تخفیف کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور کذبا یہ تشدید یعنی تکذیبا کے معنی میں بھی آیا ہے۔ یعنی ایسا نہ ہوگا جس طرح دنیا میں لوگ شراب پی کر فضولیات بکنے لگتے ہیں۔

فضول اور گناہوں سے زندگی کا بیان

نیک لوگوں کے لئے اللہ کے ہاں جو نعمتیں ورحمتیں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ کامیاب مقصد ور اور نصیب دار ہیں کہ جہنم

سے نجات پائی اور جنت میں پہنچ گئے، حدائق کہتے ہیں کھجور وغیرہ کے باغات کو، انہیں نوجوان کنواری حوریں بھی ملیں گی جو ابھرے ہوئے سینے والیاں اور ہم عمر ہوں گی، جیسے کہ سورہ واقعہ کی تفسیر میں اس کا پورا بیان گزر چکا، اس حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی اللہ کی رضامندی کے ہوں گے، بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ بتاؤ ہم تم پر کیا برسائیں؟ پھر جو وہ فرمائیں گے، بادل ان پر برسائیں گے یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی۔ (ابن ابی حاتم، سورہ نباء، بیروت)

انہیں شراب طہور کے چھلکتے ہوئے، پاک صاف، بھرپور جام پر جام ملیں گے جس پر نشہ نہ ہوگا کہ بیہودہ گوئی اور لغو باتیں منہ سے نکلیں اور کان میں پڑیں، جیسے اور جگہ ہے آیت (لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ،الطور:23) اس میں نہ لغو ہوگا نہ فضول گوئی اور نہ گناہ کی باتیں، کوئی بات جھوٹ اور فضول نہ ہوگی، وہ دارالسلام ہے جس میں کوئی عیب کی اور برائی کی بات ہی نہیں، یہ ان پارسا بزرگوں کو جو کچھ بدلے ملے ہیں یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے جو اللہ کے فضل و کرم احسان و انعام کی بناء پر ملے ہیں، بیحد کافی، بکثرت اور بھرپور ہیں۔ عرب کہتے ہیں اعطانی فاحسبنی انعام دیا اور بھرپور دیا اسی طرح کہتے ہیں حسبی اللہ یعنی اللہ مجھے ہر طرح کافی وافی ہے۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۝
یہ آپ کے رب کی طرف سے صلہ ہے جو کافی عطا ہے۔ جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے،
بے حد رحم والا، وہ اس سے کوئی بات کرنے کی قدرت نہیں رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدل دیئے جانے کا بیان

" جَزَاء مِنْ رَبّك " أَيْ جَزَاهُمْ اللّٰه بِذَٰلِكَ جَزَاء " عَطَاء " بَدَل مِنْ جَزَاء " حِسَابًا " أَيْ كَثِيرًا ، مِنْ قَوْلهمْ : أَعْطَانِي فَأَحْسَبَنِي , أَيْ أَكْثَر عَلَيَّ حَتَّى قُلْت حَسْبِي،
" رَبّ السَّمَاوَات وَالْأَرْض " بِالْجَرّ وَالرَّفْع " وَمَا بَيْنهمَا الرَّحْمَن " كَذَٰلِكَ وَبِرَفْعِهِ مَعَ جَرّ رَبّ " لَا يَمْلِكُونَ " أَيْ الْخَلْق " مِنْهُ " تَعَالَى " خِطَابًا " أَيْ لَا يَقْدِر أَحَد أَنْ يُخَاطِبهُ خَوْفًا مِنْهُ،

یہ آپ کے رب کی طرف سے صلہ ہے۔ یعنی اللہ نے ان کو بدلہ دیا ہے۔ جو کافی عطا ہے۔ یہاں پر لفظ عطاء یہ جزاء سے بدل ہے۔ اور یہ اہل عرب کے قول اعطانی فاحسبنی سے ماخذ ہے۔ یعنی اتنا زیادہ دینا کہ لینے والا کہہ دے کہ مجھے کافی ہے۔ جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے، لفظ ارض جو جر اور رفع کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور الرحمٰن بھی اسی طرح رفع و جر میں اس کے ساتھ ہے۔ بے حد رحم والا، وہ یعنی مخلوق اس سے کوئی بات کرنے کی قدرت نہیں رکھیں گی۔ یعنی خوف کے سبب کوئی ایک بھی اس سے مخاطب ہونے کی قدرت نہ رکھے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

رب السموت والارض وما بینهما الرحمن: جملہ رب السموت والارض وما بینهما بدل ہے ربک سے الرحمٰن بھی ربک سے بدل ہے یا اس کی صفت۔ ترجمہ ہوگا:۔ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان دونوں کے اندر کی سب چیزوں کا جو بڑا رحم وکرم کرنے والا ہے۔

لا یملکون منه خطابا ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ لایملکون مضارع منفی جمع مذکر غائب۔ ملک (باب ضرب) مصدر۔ وہ اختیار نہیں رکھتے۔ وہ رب السموت والارض وما فیہا ہے اور رحمٰن بھی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ ہیبت اور جبروت بھی ہے کہ کوئی بھی بغیر اذن کے اس سے بات نہیں کرسکتا۔

اور کوئی اپنے استحقاق کی بابت اُس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ جس کو جو کچھ بھی دیا وہ محض فضل ہی فضل ہے۔ جس کو نہیں دیا وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز مجھے کیوں نہیں دی۔ کیونکہ اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو وہ اپنا حق جتلائے اور گلہ کرے۔ لایملکون میں ضمیر فاعل جمع مذکر غائب تمام اہل سموت والارض کے لئے ہے اور منہ کی ضمیر واحد مذکر غائب اللہ کے لئے ہے۔ (تفسیر مدارک، سورہ نباء)

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝
جس دن جبرائیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی لب کشائی نہ کرسکے گا، سوائے اس شخص کے جسے
خدائے رحمان نے اِذن دے رکھا تھا اور اس نے بات بھی درست کہی تھی۔

قیامت کے جبرائیل امین اور فرشتوں کا صفیں باندھ کر کھڑے ہونے کا بیان

" يَوْم " ظَرْف ل " لَا يَمْلِكُونَ " " يَقُوم الرُّوح " جِبْرِيل أَوْ جُنْد اللّٰه " وَالْمَلَائِكَة صَفًّا " حَال , أَيْ مُصْطَفِّينَ " لَا يَتَكَلَّمُونَ " أَيْ الْخَلْق " إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَن " فِي الْكَلَام " وَقَالَ " قَوْلًا " صَوَابًا " مِنْ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَة كَأَنْ يَشْفَعُوا لِمَنْ ارْتَضَى ،

جس دن جبرائیل روح الامین یا فرشتوں کا گروہ اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، یہاں پر لفظ صفا یہ حال ہے یعنی صفوں کی حالت میں ہوں گے۔ مخلوق میں سے کوئی لب کشائی نہ کرسکے گا، سوائے اس شخص کے جسے خدائے رحمان نے اِذن (شفاعت) دے رکھا تھا۔ اور اس نے بات بھی درست کہی تھی۔ اور اہل ایمان اور فرشتے ہوں گے وہ شفاعت کریں جس وہ چاہیں گے۔

فرشتوں کے موجود ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وجلال کی خبر دے رہا ہے کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوق کا پالنے پوسنے والا ہے، وہ رحمان ہے، جس کے رحم نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے، جب تک اس کی اجازت نہ ہو کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا، جیسے اور جگہ

ہے آیت(مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَـــــُٔوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ،البقرۃ:255)یعنی کون ہے جو اس کی اجازت بغیر اس کی سی صورتوں والے ہیں کھاتے پیتے ہیں نہ وہ فرشتے ہیں نہ انسان، یا مراد حضرت جرائیل علیہ السلام ہیں، حضرت جرائیل کو اور جگہ بھی روح کہا گیا ہے، ارشاد ہے آیت(نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ (۱۹۳-26الشعراء:193)، اسے امانت دار روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو ڈرانے والا بن جائے، یہاں مراد سے یقیناً حضرت جرائیل ہیں

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ تمام فرشتوں سے بزرگ، اللہ کے مقرب اور وحی لے کر آنے والے بھی ہیں، یا مراد روح سے قرآن ہے، اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جاسکتی ہے آیت (وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ،الشوریٰ:52)یعنی ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح اتاری یہاں روح سے مراد قرآن ہے، چھٹا قول یہ ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ فرشتہ تمام فرشتوں سے بہت بڑا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ روح نامی فرشتہ چوتھے آسمان میں ہے، تمام آسمانوں کل پہاڑوں اور سب فرشتوں سے بڑا ہے، ہر دن بارہ ہزار تسبیحات پڑھتا ہے ہر ایک تسبیح سے ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے، قیامت کے دن وہ اکیلا ایک صف بن کر آئے گا۔ لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے، طبرانی میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرشتوں میں ایک فرشتہ وہ بھی ہے کہ اگر اسے حکم ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو لقمہ بنالے تو وہ ایک لقمہ میں سب کو لے لے اس کی تسبیح یہ ہے سبحانک حیث کنت اللہ تو جہاں کہیں بھی ہے پاک ہے یہ حدیث بھی بہت غریب ہے بلکہ اس کے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے میں بھی کلام ہے، ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہو، اور بھی بنی اسرائیل سے لیا ہوا۔

امام ابن جریر نے یہ سب اقوال وارد کئے ہیں لیکن کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ میرے نزدیک ان تمام اقوال میں سے بہتر قول یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد کل انسان ہیں واللہ اعلم پھر فرمایا صرف وہی اس دن بات کر سکے گا جسے وہ رحمٰن اجازت دے جیسے فرمایا آیت(یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ فَمِنْھُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ،ھود:105)یعنی جس دن وہ وقت آئے گا کوئی نفس بغیر اس کی اجازت کے کلام بھی نہیں کر سکے گا۔ (جامع البیان، ابن کثیر، سورہ نباء، بیروت)

ذٰلِکَ الْیَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا ○
یہی دن ہے جو حق ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنالے۔

قیامت کے دن کے برحق ہونے کا بیان

" ذٰلِکَ الْیَوْمُ الْحَقُّ " الثَّابِت وُقُوعه وَھُوَ یَوْم الْقِیَامَة " فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّه مَاٰبًا " مَرْجِعًا أَيْ رَجَعَ إِلَی اللّٰه بِطَاعَتِهٖ لِیَسْلَم مِنَ الْعَذَاب فِیهِ،

یہی دن ہے جو حق ہے، یعنی جس کا وقوع ثابت ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ پس جو چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنالے۔ یعنی اطاعت کر کے اللہ کی طرف رجوع کرے تاکہ وہ اس دن کے عذاب سے اپنے آپ کو بچائے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ذلك اليوم الحق: ذلک اسم اشارہ واحد مذکر۔ مبتداء الیوم الحق موصوف وصفت مل کر خبر۔ وہ برحق دن ہے۔ یا ذلک الیوم (مذکورہ بال احوال والا دن) اسم اشارہ۔ ومشار الیہ مل کر مبتداء الحق اس کی خبر، (حق ہی ہے۔ بلا ریب) حقانیت اور صداقت پر یہ دن مبنی مقصود ہے۔ یعنی الحق خبر ہے۔ اور خبر پر الف لام مفید حصر ہی ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ قیامت کا دن یقیناً حق ہی ہے۔ فمن شاء اتخذ الی ربہ مابا۔ ف سببیہ ہے کیونکہ اللہ تک پہنچانے کا راستہ اختیار کرنے کا سبب قیامت کا برحق ہونا ہے۔ مابا مفعول ہے اتخذ کا اور الی ربہ متعلق مابا ہے۔ اتخذ ماضی واحد مذکر غائب اتخاذ (افتعال) مصدر۔ اختیار کرنا۔ مابا مفعول اب یووف (باب نصر) مصدر بمعنی لوٹنا۔ اسم ظرف زمان بھی ہوسکتا ہے بمعنی لوٹنے کا وقت۔ اسم ظرف مکان بھی ہوسکتا ہے بمعنی لوٹنے کی جگہ۔ یہاں یہی مراد ہے۔

مطلب ہے اللہ کے قرب تک پہنچانے والا راستہ، یا لوٹنے کی جگہ سے مراد ہے جنت۔ پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنالے۔ (تفسیر الخازن، سورہ نباء، بیروت)

إِنَّآ أَنذَرْنَـٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ ٱلْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ ٱلْكَافِرُ يَـٰلَيْتَنِى كُنتُ تُرَٰبًۢا ○
بے شک ہم نے تمھیں ایک ایسے عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب ہے، جس دن آدمی دیکھ لے گا
جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا اے کاش کہ میں مٹی ہوتا۔

قیامت کے دن کافر کا مٹی ہوجانے کی تمنا کرنے کا بیان

" إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ " يَا كُفَّار مَكَّة " عَذَابًا قَرِيبًا " عَذَاب يَوْم الْقِيَامَة الْآتِي , وَكُلّ آتٍ قَرِيب " يَوْم " ظَرْف لِعَذَابًا بِصِفَتِهِ " يَنْظُر الْمَرْء " كُلّ اِمْرِءٍ " مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ " مِنْ خَيْر وَشَرّ " وَيَقُول الْكَافِر يَا " حَرْف تَنْبِيه " لَيْتَنِي كُنْت تُرَابًا " يَعْنِي فَلَا أُعَذَّب يَقُول ذَلِكَ عِنْدَمَا يَقُول اللَّه تَعَالَى لِلْبَهَائِمِ بَعْد الِاقْتِصَاص مِنْ بَعْضهَا : كُونِي تُرَابًا .

اے کفار مکہ! بے شک ہم نے تمھیں ایک ایسے عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب ہے، یعنی قیامت کے دن آنے والا عذاب ہے۔ کیونکہ ہر آنے والا قریب ہے اور یہاں پر یوم مع صفت عذاب کے ظرف ہے۔ جس دن آدمی دیکھ لے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے بھلائی یا برائی آگے بھیجی ہوگی اور کافر کہے گا اے کاش، یہاں پر حرف یاء برائے انتباہ ہے۔ کہ میں مٹی ہوتا۔ تاکہ مجھے عذاب نہ دیا جاتا۔ یہ اس وقت کہے جب اللہ تعالی جانوروں کے ایک دوسرے بدلہ لینے کے بعد ان سے فرمائے گا کہ مٹی ہوجاؤ۔

صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس دن سوائے رسولوں کے کوئی بات نہ کر سکے گا، پھر فرمایا کہ اس کی بات بھی ٹھیک ٹھاک ہو، سب سے زیادہ حق بات لا الہ الا اللہ ہے، پھر فرمایا کہ یہ دن حق ہے یقیناً آنے والا ہے، جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنے لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ بنالے جس پر چل کر وہ اس کے پاس سیدھا جا پہنچے، ہم نے تمہیں بالکل قریب آئی ہوئی آفت سے آگاہ کر دیا ہے، آنے والی چیز تو آ گئی ہوئی سمجھنی چاہئے، اس دن نئے پرانے چھوٹے بڑے اچھے برے کل اعمال انسان کے سامنے ہوں گے جیسے فرمایا آیت (ووجدوا ما عملوا حاضرا جو کیا اسے سامنے پالیں گے اور جگہ ہے آیت (يُنَبَّؤُا الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ،القیامۃ:13) ہر انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال سے متنبہ کیا جائے گا، اس دن کافر آرزو کرے گا کاش کہ وہ مٹی ہوتا پیدا ہی نہ کیا جاتا وجود میں ہی نہ آتا، اللہ کے عذاب کو آنکھ سے دیکھ لے گا اپنی بدکاریاں سامنے ہوں گی جو پاک فرشتوں کے منصب ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں، پس ایک معنی تو یہ ہوئے کہ دنیا میں ہی مٹی ہونے کی یعنی پیدا نہ ہونے کی آرزو کرے گا، دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کے قصاص دلوائے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے، اس وقت یہ کافر انسان بھی کہے گا کہ ہائے کاش میں بھی حیوان ہوتا اور اب مٹی بن جاتا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نباء، بیروت)

سُوۡرَۃُ النّٰزِعٰت

یہ قرآن مجید کی سورت نازعات ھے

سورت نازعات کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ النازعات مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، چھیالیس آیات، ایک سو ستانوے کلمات، سات سو ترپّن حروف ہیں۔

سورت نازعات کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں لفظ نازعات آیا ہے جس میں فرشتوں کی قسم اٹھائی گئی ہے جو کفار کی روح کو سختی کے ساتھ نکالتے ہیں جبکہ اہل ایمان کی روح کو نرمی سے نکالتے ہیں۔ لہٰذا اسی سبب سے یہ سورت نازعات کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا۝ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا۝ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا۝ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا۝
ان کی قسم جو ڈوب کر سختی سے کھینچ لینے والے ہیں۔ اور جو آسانی سے نکالتے ہیں گویا ان کا بند کھول دیتے ہیں۔ اور جو
تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔ پھر ان کی قسم جو لپک کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ پھر ان کی قسم جو مختلف امور کی تدبیر کرتے ہیں۔

فرشتوں کی قسم اٹھانے کا بیان

" وَالنَّازِعَات " الْمَلَائِكَة تَنْزِع أَرْوَاح الْكُفَّار " غَرْقًا " نَزْعًا بِشِدَّةٍ" وَالنَّاشِطَات نَشْطًا " الْمَلَائِكَة تَنْشِط أَرْوَاح الْمُؤْمِنِينَ , أَيْ تَسُلّهَا بِرِفْقٍ" وَالسَّابِحَات سَبْحًا " الْمَلَائِكَة تَسْبَح مِنْ السَّمَاء بِأَمْرِهِ تَعَالَى , أَيْ تَنْزِل،

" فَالسَّابِقَات سَبْقًا " الْمَلَائِكَة تَسْبِق بِأَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى الْجَنَّة " فَالْمُدَبِّرَات أَمْرًا " الْمَلَائِكَة تُدَبِّر أَمْر الدُّنْيَا , أَيْ تَنْزِل بِتَدْبِيرِهِ , وَجَوَاب هَذِهِ الْأَقْسَام مَحْذُوف , أَيْ لَتُبْعَثُنَّ يَا كُفَّار مَكَّة وَهُوَ عَامِل فِي " يَوْم تَرْجُف الرَّاجِفَة "

ان فرشتوں کی قسم جو ڈوب کر سختی سے کفار کی روح کھینچ لینے والے ہیں۔ اور جو فرشتے مسلمانوں کی روح آسانی سے نکالتے ہیں گویا ان کا بند کھول دیتے ہیں۔ یہاں پر اہل ایمان کیلئے نرمی کی تسلی ہے، اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔ یعنی نازل ہوتے ہیں پھر ان فرشتوں کی قسم جو لپک کر دوسروں سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یعنی فرشتوں مسلمانوں کی ارواح کو جنت کی طرف لے جاتے ہیں پھر ان فرشتوں کی قسم جو دنیا کے مختلف امور کی تدبیر کرتے ہیں۔ یعنی تدبیر کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔ اور ان اقسام کا جواب

محذوف ہے۔ جو لتبعثن یا کفار مکہ ہے۔ اوراس میں یہ عامل ہے۔ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ "

نازعات وغیرہ کے مفہوم کا بیان

اس سے مراد فرشتے ہیں جو بعض لوگوں کی روحوں کو سختی سے گھسیٹتے ہیں اور بعض روحوں کو بہت آسانی سے نکالتے ہیں جیسے کسی کے بند کھول دیئے جائیں، کفار کی روحیں کھینچی جاتی ہیں پھر بند کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم میں ڈبو دیئے جاتے ہیں، یہ ذکر موت کے وقت کا ہے، بعض کہتے ہیں والنازعات غرقاً سے مراد موت ہے، بعض کہتے ہیں، دونوں پہلی آیتوں سے مطلب ستارے ہیں، بعض کہتے ہیں مراد سخت لڑائی کرنے والے ہیں، لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے، یعنی روح نکالنے والے فرشتے، اسی طرح تیسری آیت کی نسبت بھی یہ تینوں تفسیریں مروی ہیں یعنی فرشتے موت اور ستارے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں مراد کشتیاں ہیں، اسی طرح سابقات کی تفسیر میں بھی تینوں قول ہیں، معنی یہ ہیں کہ ایمان اور تصدیق کی طرف آگے بڑھنے والے، عطا فرماتے ہیں مجاہدین کے گھوڑے مراد ہیں، پھر حکم اللہ کی تعمیل تدبیر سے کرنے والے اس سے مراد بھی فرشتے ہیں، جیسے حضرت علی وغیرہ کا قول ہے، آسمان سے زمین کی طرف اللہ عزوجل کے حکم سے تدبیر کرتے ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ نازعات، بیروت)

موت اور موت کے بعد مؤمن اور کافر کی حالت کا بیان

حضرت براء بن عازب راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قبر میں مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ "تیرا رب کون ہے؟" وہ جواب دیتا ہے "میرا رب اللہ ہے!" پھر فرشتے پوچھتے ہیں "تیرا دین کیا ہے" وہ جواب میں کہتا ہے، "میرا دین اسلام ہے" پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں، جو آدمی (اللہ کی طرف سے) تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ کون ہے؟ وہ کہتا ہے "وہ اللہ کے رسول ہیں" پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں یہ تجھے کس نے بتایا وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کو سچ جانا، (یعنی جو کلام اللہ پر ایمان لائے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا۔ آیت (يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ، ابراہیم: 27) (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت قدم رکھتا ہے جو ثابت بات پر ایمان لائے (اخیر آیت تک) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آسمان سے پکارنے والا (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے حکم سے فرشتہ) پکار کر کہتا ہے میرے بندے نے سچ کہا لہٰذا اس کے لئے جنت کا فرش بچھاؤ اور اس کو جنت کی پوشاک پہناؤ اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جنت کے دروازہ سے) اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور حد نظر تک اس قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اب رہا کافر! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کا ذکر کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں، "تیرا رب کون ہے؟" وہ کہتا ہے، ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں "تیرا دین کیا ہے؟" وہ کہتا ہے، ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا پھر وہ پوچھتے ہیں، یہ آدمی کون ہے (جو اللہ کی جانب سے) تم میں بھیجا گیا تھا، وہ

کہتا ہے "ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا" پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، یہ جھوٹا ہے اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، آگ کا لباس اسے پہناؤ اور اس کے واسطے ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوزخ سے اس کے پاس گرم ہوائیں اور لوئیں آتی ہیں اور فرمایا اور اس کی قبر اس کے لئے تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی پسلیاں ادھر نکل آتی ہیں، پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایسا گرز ہوتا ہے کہ اس کو اگر پہاڑ پر مارا جائے تو پہاڑ مٹی ہو جائے اور وہ فرشتہ اس کو اس گرز سے اس طرح مارتا ہے کہ (اس کے چیخنے چلانے کی آواز مشرق سے مغرب تک تمام مخلوقات سنتی ہے مگر جن وانسان نہیں سنتے اور اس مارنے سے وہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر اس کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔(مسند احمد بن حنبل وابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 128)

ہاہ ہاہ ایک لفظ ہے جو عربی میں دہشت زدہ اور متحیر آدمی بولتا ہے جیسے اردو میں حیرت و دہشت کے وقت آہ، ہائے اور وائے وائے بولا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس وقت کافر اتنا خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی زبان سے ہیبت ناکی سے خوف وحسرت کے الفاظ نکلتے ہیں اور وہ صحیح جواب نہیں دے پاتا اور وہ کہتا ہے کہ "میں نہیں جانتا" اس کے اس جواب پر ندائے غیب سے اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے، اس لئے کہ دین اسلام کی آواز مشرق سے لے کر مغرب تک پہنچی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشن چار دانگ عالم میں پھیلایا اور تمام دنیا اس آفاقی وآسمانی مذہب سے باخبر تھی، اس کے باوجود اس کا یہ کہنا کہ میں کچھ نہیں جانتا یا مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا، سراسر کذب اور جھوٹ ہے۔ قبر میں عذاب کے جو فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں وہ اندھے اور بہرے ہوتے ہیں، اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ نہ تو مردہ کے چیخنے چلانے کی آواز سن سکیں اور نہ اس کے حال کو دیکھ سکیں تاکہ رحم نہ آسکے۔ نیز اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ معذب مردہ کے جسم میں بار بار روح ڈالی جاتی ہے تاکہ اس پر عذاب شدید سے شدید ہو سکے اور یہ اس چیز کا انجام ہے کہ وہ دنیا میں عذاب قبر کا انکار کیا کرتا تھا اور اس کو جھٹلایا کرتا تھا۔ (نعوذ باللہ)۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝
اس دن ہر متحرک چیز شدید حرکت میں آجائے گی۔ پیچھے آنے والا ایک اور زلزلہ اس کے پیچھے آئے گا۔
اس دن دل خوف واضطراب سے دھڑکتے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

صور پھونکے جانے کے سبب نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کا بیان

"يَوْمَ تَرْجُف الرَّاجِفَة " النَّفْخَة الْأُولَى بِهَا يَرْجُف كُلّ شَيْء , أَيْ يَتَزَلْزَل فَوُصِفَتْ بِمَا يَحْدُث مِنْهَا " تَتْبَعهَا الرَّادِفَة " النَّفْخَة الثَّانِيَة وَبَيْنهمَا أَرْبَعُونَ سَنَة , وَالْجُمْلَة حَال مِنْ الرَّاجِفَة , فَالْيَوْم وَاسِع لِلنَّفْخَتَيْنِ وَغَيْرهمَا فَصَحَّ ظَرْفِيَّته لِلْبَعْثِ الْوَاقِع عَقِب الثَّانِيَة " قُلُوب يَوْمَئِذٍ وَاجِفَة " خَائِفَة قَلِقَة " أَبْصَارهَا خَاشِعَة " ذَلِيلَة لِهَوْلِ مَا تَرَى،

جب نفخہ اولیٰ میں انہیں اس نظام کائنات کے درہم برہم کر دینے کا حکم ہو گا تو اس دن کائنات کی ہر متحرک چیز شدید حرکت میں

آ جائے گی۔یعنی ہر چیز پر زلزلہ طاری ہوگا۔ پیچھے آنے والا ایک اور زلزلہ یعنی نفخہ ثانیہ اس کے پیچھے آئے گا۔اوران کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا۔اور یہ جملہ رابطہ سے حال ہے۔لہٰذا دن دونوں نفخات کیلئے وسیع ہے۔لہٰذا بعث کیلئے ظرفیت ہونا جو دوسرے کے بعد آئے گا درست ہے۔اس دن لوگوں کے دل خوف واضطراب سے دھڑکتے ہوں گے۔ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔یعنی ہولناک منظر ہونے کے سبب وہ جس کو بھی دیکھیں گی پست ہو جائیں گی۔

زمین وآسمان کے لرز اٹھنے کا بیان

کانپنے والی کے کانپنے اوراس کے پیچھے آنے والی کے پیچھے آنے سے مراد دونوں نفخہ ہیں،پہلے نفخہ کا بیان اس آیت میں بھی ہے (یوم ترجف الارض والجبال) جس دن زمین اور پہاڑ کپکپا جائیں گے،دوسرے نفخہ کا بیان اس آیت میں ہے(وحملت الارض والجبال فدکتا دکتہ واحدۃ) اورزمین اور پہاڑ اٹھالئے جائیں گے،پھر دونوں ایک ہی دفعہ چور چور کر دیئے جائیں گے،مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کانپنے والی آئے گی اس کے پیچھے ہی پیچھے آنے والی ہوگی یعنی موت اپنے ساتھ اپنی آفتوں کو لئے ہوئے آئے گی،ایک شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اپنے وظیفہ کا تمام وقت آپ پر درود پڑھنے میں گزاروں تو؟ آپ نے فرمایا پھر تو اللہ تعالیٰ تجھے دنیا اور آخرت کے تمام غم ورنج سے بچالے گا۔ترمذی میں ہے کہ وہ تہائی رات گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے اور فرماتے لوگو اللہ کو یاد کرو کپکانے والی آ رہی ہے پھر اس کے پیچھے ہی اور آ رہی ہے،موت اپنے ساتھ کی تمام آفات کو لئے ہوئے چلی آ رہی ہے۔

اس دن بہت سے دل ڈر رہے ہوں گے،ایسے لوگوں کی نگاہیں ذلت وحقارت کے ساتھ پست ہوں گی کیونکہ وہ اپنے گناہوں اور اللہ کے عذاب کا معائنہ کر چکے ہیں،مشرکین جو روز قیامت کے منکر تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا قبروں میں جانے کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے؟ وہ آج اپنی اس زندگی کو رسوائی اور برائی کے ساتھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے،حافرۃ کہتے ہیں قبروں کو بھی، یعنی قبروں میں چلے جانے کے بعد جسم کے ریزے ریزے ہو جانے کے بعد،جسم اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے اور کھوکھلی ہو جانے کے بعد بھی کیا ہم زندہ کئے جائیں گے؟ پھر تو یہ دوبارہ کی زندگی خسارے اور گھاٹے والی ہوگی،کفار قریش کا یہ مقولہ تھا،حافرۃ کے معنی موت کے بعد کی زندگی کے بھی مروی ہیں اور جہنم کا نام بھی ہے اس کے نام بہت سے ہیں جیسے جحیم،سقر،جہنم،ہاویہ،حافرہ،لظی، حطمہ وغیرہ ہیں۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ نازعات،بیروت)

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۞ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۞
کہتے ہیں،کیا ہم پہلی زندگی کی طرف پلٹائے جائیں گے۔کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔

موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا بیان

"يَقُوْلُوْنَ" أَيْ أَرْبَاب الْقُلُوب وَالْأَبْصَار اِسْتِهْزَاء وَإِنْكَارًا لِلْبَعْثِ "أَئِنَّا" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ

وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ " لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَة " أَيْ أَنُرَدُّ بَعْد الْمَوْت إِلَى الْحَيَاة ، وَالْحَافِرَة : اِسْم لِأَوَّلِ الْأَمْر ، وَمِنْهُ رَجَعَ فُلَان فِي حَافِرَته : إِذَا رَجَعَ مِنْ حَيْثُ جَاء " أَئِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَة " وَفِي قِرَاءَة نَاخِرَة بَالِيَة مُتَفَتِّتَة نَحْيَا،

کفار جو دل اور آنکھیں رکھنے کے باوجود بہ طور استہزاء وبعث کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں، کیا ہم پہلی زندگی کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ یہاں پر لفظ أئنا دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کی تسہیل جبکہ دونوں صورتوں میں دونوں مقامات پر ان کے درمیان الف کو داخل کیا جائے۔ یعنی موت کے بعد ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ یہاں پر لفظ حافرہ یہ پہلے معاملہ کیلئے آیا ہے اور اسی سے یہ مقولہ ہے کہ وہ شخص اسی حالت میں لوٹ آیا ہے جس طرح گیا تھا۔ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ ایک قرأت کے مطابق ناخرہ بھی آیا ہے یعنی جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔ تب زندہ کیے جائیں گے۔

حافرہ اور نخرہ کے لغوی معنی کا بیان

الحَافِرَۃ: حفر بمعنی گڑھا کھودنا اور حفرۃ بمعنی گڑھا بھی اور قبر بھی۔ اور حافرۃ بمعنی کھودی ہوئی زمین بھی اور ابتدائی حالت بھی اور ردّ فی الحافرۃ بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی جہاں سے چلا تھا وہیں واپس جانے والا۔ بقول شاعر: پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا، یعنی کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ ہم قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر الٹے پاؤں زندگی کی طرف واپس کیے جائیں گے؟ ہماری گلی سڑی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائے، یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

نخرۃ عظاما کی صفت ہے۔ نخر (باب سمع) مصدر سے صفت کا صیغہ واحد مونث۔ بوسیدہ۔ نخرۃ: من نخر العظم ای بلی وصار الجوف تمر به الريح فيسمع له نخير ای صوت ۔ جب ہڈی بوسیدہ ہو جائے اس کے اندر کا گودا گل جائے اور وہ خالی ہو جائے اور اس میں سے ہوا گزرنے لگے جس سے نخیر پیدا ہوا ایسی ہڈیوں کو عظاما نخرۃ کہتے ہیں۔ (روح المعانی، نازعات)

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ○ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ○ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ○
وہ کہتے ہیں، یہ تو اس وقت بڑے خسارے کا لوٹنا ہوگا۔ وہ بس ایک گرج دار آواز ہی ہوگی۔
پھر وہ یکا یک کھلے میدان میں آ موجود ہوں گے۔

صور پھونکنے کے سبب لوگوں کا میدان حشر میں جمع ہو جانے کا بیان

" قَالُوا تِلْكَ " أَيْ رَجْعَتنَا إِلَى الْحَيَاة " إِذًا " إِنْ صَحَّتْ " كَرَّة " رَجْعَة " خَاسِرَة " ذَات خُسْرَان" فَإِنَّمَا هِيَ " أَيْ الرَّادِفَة الَّتِي يَعْقُبهَا الْبَعْث " زَجْرَة " نَفْخَة " وَاحِدَة " فَإِذَا نُفِخَتْ" فَإِذَا هُمْ " أَيْ كُلّ الْخَلَائِق " بِالسَّاهِرَةِ " بِوَجْهِ الْأَرْض أَحْيَاء بَعْدَمَا كَانُوا بِبَطْنِهَا أَمْوَاتًا،

وہ کہتے ہیں یہ زندگی کی طرف لوٹنا تو اس وقت بڑے خسارے کا لوٹنا ہوگا۔ یعنی بڑا نقصان ہے۔ وہ بس ایک گرج دار آواز ہی ہوگی۔ جس کے بعد بعث ہوگا۔ پھر وہ سب لوگ یکا یک کھلے میدان حشر میں آموجود ہوں گے۔ حالانکہ وہ زمین مردہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ زمین پر آموجود ہوں گے۔

اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس چیز کو یہ بڑی بھاری، ان ہونی اور ناممکن سمجھے ہوئے ہیں وہ ہماری قدرت کاملہ کے ماتحت ایک ادنیٰ سی بات ہے، ادھر ایک آواز دی ادھر سب زندہ ہوکر ایک میدان میں جمع ہو گئے، یعنی اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو حکم دے گا وہ صور پھونک دیں گے بس ان کے صور پھونکتے ہی تمام اگلے پچھلے جی اٹھیں گے اور اللہ کے سامنے ایک ہی میدان میں کھڑے ہو جائیں گے۔

یعنی روئے زمین کے سب لوگ زمین پر جمع ہو جائیں گے، جو سفید ہوگی اور بالکل صاف اور خالی ہوگی جیسے میدے کی روٹی ہوتی ہے اور جگہ ہے آیت (يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ،ابراھیم:48)، یعنی جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین ہوگی اور آسمان بھی بدل جائیں گا اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ واحد وقہار کے روبرو ہو جائے گی اور جگہ ہے لوگ تجھ سے پہاڑوں کے بارے پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ انہیں میرا رب ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور زمین بالکل ہموار میدان بن جائے گی جس میں کوئی موڑ توڑ ہوگا، نہ اونچی نیچی جگہ اور جگہ ہے ہم پہاڑوں کو چلنے والا کر دیں گے اور زمین صاف ظاہر ہو جائے گی، غرض ایک بالکل نئی زمین ہوگی جس پر نہ کبھی کوئی خطا ہوئی نہ قتل و گناہ۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نازعات، بیروت)

ساہرہ کے لغوی وتفسیری مفہوم کا بیان

فاذا ہم بالساھرۃ: فاء عطف کے لئے ہے اور اذا مفاجاتیہ ہے۔ (اچانک اور ناگہاں کے معنی میں) ہے۔ اذا کے آنے سے ہم بالساھرۃ جو جملہ اسمیہ تھا جملہ فعلیہ کی قوت میں ہوگیا۔ اسی لئے اس کا عطف جملہ فعلیہ پر صحیح ہوگیا۔

مطلب یہ ہوگا کہ:۔ دنیا میں یہ ایسی باتیں کہہ رہے ہیں مگر جب یہ زمین کے اوپر ایک میدان میں ہوں گے تو ناگہاں وہ وقت آہی جائے گا۔ اس صورت میں فانما ہی زجرۃ واحدۃ جملہ معترضہ ہوگا۔ جو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جس لرزہ کے یہ منکر ہیں اس کو لانا اللہ کے نزدیک آسان ہے کچھ دشوار نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

الساھرۃ: سھر (باب سمع) مصدر سے جس کے معنی نیند اڑ جانے کے ہیں۔ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مونث ہے۔ مفسرین کے اس کے متعلق کئی اقوال ہیں۔

ساھرہ سفید ہموار زمین کو کہتے ہیں۔ اس کے موسوم ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس پر چلنے والا خوف سے سوتا نہیں۔ دوم یہ کہ اس میں سراب رواں ہوتا ہے یہ عرب کے محاورہ عین ساھرۃ سے ماخوذ ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ زمین کا نام ساہرہ اس لئے پڑا کہ شدت خوف کے باعث اس میں انسان کی نیند اڑ جاتی ہے تو وہ زمین کہ جس کے اندر قیامت کے موقع پر کافر جمع ہوں گے نہایت ہی خوف میں ہوں گے لہٰذا اس زمین کا نام ساھرۃ اس بناء پر ہوا۔ (تفسیر کبیر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ)

اس سے مرادروئے زمین ہے۔سب لوگ زمین پر جمع ہو جائیں گے جو سفید ہوگی اور بالکل صاف اور خالی ہوگی جیسے میدے کی روٹی ہوتی ہے اور جگہ ہے یوم تبدل الارض غیر الارض ۔۔۔۔الخ (48:14) جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین ہو جائے گی۔اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ واحد قہار کے روبرو پیش ہوگی۔(تفسیر ابن کثیر)

اس کے معنی ہیں کہ لوگ قیامت کے دن موت کی نیند سے فوراً جاگ اٹھیں گے یہ معنی زیادہ مناسب بھی ہیں کیونکہ موت کو خراب سے زیادہ مشابہت ہے اور سحر بیداری کو کہتے ہیں۔حیات اخروی بیداری اور موت خواب سے بہت مشابہ ہے۔ثوری کہتے ہیں مراد اس سے شام کی زمین ہے۔

عثمان بن ابوالعالیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی زمین ہے۔وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس سمراد بیت المقدس کی ایک طرف کا پہاڑ ہے۔قتادہ کہتے ہیں کہ جہنم کو بھی ساھرہ کہتے ہیں۔(تفسیر جامع البیان، سورہ نازعات، بیروت)

هَلْ اَتٰـكَ حَدِيْثُ مُوْسٰی ○ اِذْ نَادٰهُ رَبُّـهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○
اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّـهٗ طَغٰی ○
کیا آپ کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر پہنچی ہے۔جب ان کے رب نے طوی کی مقدّس وادی میں
انہیں پکارا تھا۔فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی اہمیت کا بیان

" هَلْ أَتَاكَ " يَا مُحَمَّد " حَدِيث مُوسَى " عَامِل فِي " إِذْ نَادَاهُ رَبّه بِالْوَادِ الْمُقَدَّس طُوًى "" إِذْ نَادَاهُ رَبّه بِالْوَادِ الْمُقَدَّس طُوًى " اِسْم الْوَادِي بِالتَّنْوِينِ وَتَرْكه " اِذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْن إِنَّهُ طَغَى " تَجَاوَزَ الْحَدّ فِي الْكُفْر،

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر پہنچی ہے۔یہاں پر اذ ناداہ میں حدیث عامل ہے۔جب ان کے رب نے طوی کی مقدّس وادی میں انہیں پکارا تھا۔یہاں پر لفظ طوی ایک وادی کا نام ہے جو تنوین اور ترک تنوین دونوں طرح آیا ہے۔فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔یعنی کفر میں حد سے بڑھ گیا ہے۔

فرعون کی سرکشی کے سبب دنیا و آخرت میں ہلاکت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات سے ان کی تائید کی، لیکن باوجود اس کے فرعون اپنی سرکشی اور اپنے کفر سے باز نہ آیا بالآخر اللہ کا عذاب اترا اور برباد ہو گیا، اسی طرح اے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مخالفین کا بھی حشر ہوگا۔اسی لئے اس واقعہ کے خاتمہ پر فرمایا ڈرو الوں کے لئے اس میں عبرت ہے، پس فرماتا ہے کہ تجھے خبر بھی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے رب نے آواز دی جبکہ وہ ایک

مقدس میدان میں تھے جس کا نام طویٰ ہے۔اس کا تفصیل سے بیان سورہ طٰہ میں گزر چکا ہے، آواز دے کر فرمایا کہ فرعون نے سرکشی تکبر، تجبر اور تمرد اختیار کر رکھا ہے تم اس کے پاس پہنچو اور اسے میرا یہ پیغام دو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میری بات مان کر اس راہ پر چلے جو پاکیزگی کی راہ ہے، میری سن میری مان، سلامتی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کر لے گا، میں تجھے اللہ کی عبادت کے وہ ریقے بتاؤں گا جس سے تیرا دل نرم اور روشن ہو جائے اس میں خشوع وخضع پیدا ہو اور دل کی سختی اور بدبختی دور ہو۔

حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچے اللہ کا فرمان پہنچایا، حجت ختم کی دلائل بیان کئے یہاں تک کہ اپنی سچائی کے ثبوت میں معجزات بھی دکھائے لیکن وہ برابر حق کی تکذیب کرتا رہا اور حضرت موسیٰ کی باتوں کی نافرمانی پر جما رہا چونکہ دل میں کفر جا گزیں ہو چکا تھا اس سے طبیعت نہ ہٹی اور حق واضح ہو جانے کے باوجود ایمان وتسلیم نصیب نہ ہوئی، یہ اور بات ہے کہ دل سے جانتا تھا کہ یہ حق برحق نبی ہیں اور ان کی تعلیم بھی برحق ہے لیکن دل کی معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے دل کی معرفت پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے کہ حق کا تابع فرمان بن جائے اور اللہ رسول کی باتوں پر عمل کرنے کے لئے جھک جائے۔ پھر اس نے حق سے منہ موڑ لیا اور خلاف حق کوشش کرنے لگا جادوگروں کو جمع کر کے ان کے ہاتھوں حضرت موسیٰ کو نیچا دکھانا چاہا۔ اپنی قوم کو جمع کیا اور اس میں منادی کی کہ تم سب میں بلند و بالا میں ہی ہوں، اس سے چالیس سال پہلے وہ کہہ چکا تھا کہ آیت (مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ 38) -28القصص:38) یعنی میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا معبود کوئی اور بھی ہو، اب تو اس کی طغیانی حد سے بڑھ گئی اور صاف کہہ دیا کہ میں ہی رب ہوں، بلندیوں والا اور سب پر غالب میں ہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بھی اس سے وہ انتقام لیا جو اس جیسے تمام سرکشوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ سبب عبرت بن جائے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جس کے بدترین عذاب تو ابھی باقی ہیں، جیسے فرمایا آیت (وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ، القصص:41) یعنی ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے پیش رو بنائے قیامت کے دن یہ مدد نہ کئے جائیں گے، پس صحیح ترمعنی آیت کے یہی ہیں کہ آخرت اور اولیٰ سے مراد دنیا اور آخرت ہے۔ بعض نے کہا ہے اول آخر سے مراد اس کے دونوں قول ہیں یعنی پہلے یہ کہنا کہ میرے علم میں میرے سوا تمہارا کوئی اللہ نہیں، پھر یہ کہنا کہ تمہارا سب کا بلند رب میں ہوں، بعض کہتے ہیں مراد کفر و نافرمانی ہے، لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے جو نصیحت حاصل کریں اور باز آ جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نازعات، بیروت)

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝
پھر کہو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے۔ اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہ نمائی کروں، پس تو ڈر جائے۔

فرعون کو دعوت تزکیہ دینے کا بیان

" فَقُلْ هَلْ لَّك " أَدْعُوك " إِلَى أَنْ تَزَكَّى " وَفِي قِرَاءَة بِتَشْدِيدِ الزَّاي بِإِدْغَامِ التَّاء الثَّانِيَة فِي الْأَصْل فِيهَا : تَتَطَهَّر مِنْ الشِّرْك بِأَنْ تَشْهَد أَنْ لَا إِلَه إِلَّا اللَّه " وَأَهْدِيَك إِلَى رَبّك " أَدُلّك

عَلَى مَعْرِفَته بِبُرْهَانِ " فَتَخْشَى " فَتَخَافهُ

پھر اس سے کہو کیا تیری خواہش ہے کہ میں تجھے ایسی چیز کی دعوت دوں کہ تو پاک ہو جائے۔ یہاں پر لفظ تزکی یہ زاء کی تشدید اور اصل میں تاء ثانیہ کے ادغام کے ساتھ ہے۔ یعنی شرک سے پاک کریں اور تو یہ گواہی دے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہ نمائی کروں، یعنی میں دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کی طرف تجھے لے جاؤں۔ پس تو ڈر جائے۔ یعنی تو اس سے خوف زدہ ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فقل هل لك الى ان تزكى ۔ف تعقیب کا ہے قل فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر ہل استفہامیہ ہے لک متعلق باسم محذوف ہے ان مصدریہ۔ تزکی، تزکی (تفعیل) مصدر سے مجارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اصل میں تتزکی تھا۔ ایک تاء حذف ہوگئی۔ تو سنور جائے۔ تو پاک ہو جائے۔

تفسیر المدارک میں ہے:۔ هل لك ميل (رغبة) الى ان تتطهر من الشرك والعصيان بالطاعة والايمان ۔کیا تیری خواہش ہے کہ تو اطاعت اور ایمان کے ذریعے شرک وسرکشی سے پاک ہو جائے۔ (اپنے آپ کو پاک کرلے)۔

(تفسیر مدارک، نازعات)

فَاَرٰهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝
پھر موسٰی (علیہ السلام) نے اسے بڑی نشانی دکھائی۔ تو اس نے جھٹلا دیا اور نافرمانی کی۔ پھر واپس پلٹا،
دوڑ بھاگ کرتا تھا پھر اس نے اکٹھا کیا، پس پکارا۔ پھر اس نے کہا: میں تمہارا سب سے بلند و بالا رب ہوں۔
تو اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو معجزہ دیکھانے کا بیان

" فَأَرَاهُ الْآيَة الْكُبْرَى " مِنْ آيَاته التِّسْع وَهِيَ الْيَد أَوْ الْعَصَا " فَكَذَّبَ " فِرْعَوْن مُوسَى " وَعَصَى " اللّه تَعَالَى " ثُمَّ أَدْبَرَ " عَنْ الْإِيمَان " يَسْعَى " فِي الْأَرْض بِالْفَسَادِ " فَحَشَرَ " جَمَعَ السَّحَرَة وَجُنْده " فَنَادَى "" فَقَالَ أَنَا رَبّكُمْ الْأَعْلَى " لَا رَبّ فَوْقِي " فَأَخَذَهُ اللّه " أَهْلَكَهُ بِالْغَرَقِ " نَكَال " عُقُوبَة " الْآخِرَة " أَيْ هَذِهِ الْكَلِمَة " وَالْأُولَى " أَيْ قَوْله قَبْلهَا : " مَا عَلِمْت لَكُمْ مِنْ إلَه غَيْرِي " وَكَانَ بَيْنهمَا أَرْبَعُونَ سَنَة،

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے بڑی نشانی دکھائی۔ جو آپ کی نو نشانیوں میں سے تھی اور وہ ہاتھ اور عصا ہے۔ تو فرعون نے موسیٰ

علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ پھر اس نے ایمان سے اعراض کیا۔، زمین میں فساد کے ساتھ دوڑ بھاگ کرتا تھا پھر اس نے جادوگر اور اس کے گروہوں کو اکٹھا کیا، پس پکارا۔ پھر اس نے کہا میں تمہارا سب سے بلند و بالا رب ہوں۔ یعنی مجھ سے اوپر کوئی رب نہیں ہے۔ تو اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔ اس کو غرق کرنے کے ساتھ دنیا میں ہلاک کر دیا اور آخرت میں سزا ہوگی۔ یعنی اس کا پہلا کلمہ "مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي" اور دوسرے کلمہ کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا۔

اس انتہائی نرم گفتگو کے باوجود اور بات کو سمجھ جانے کے باوجود فرعون اپنے اقتدار اور متکبرانہ روش سے دستبردار ہونے کے لیے قطعاً تیار نہ ہوا اور پوچھنے لگا کہ تم اپنے اس دعویٰ رسالت کی تائید میں اللہ کی طرف سے کوئی نشانی بھی پیش کر سکتے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کا اثبات میں جواب دیا اور بھرے دربار میں اپنا عصا جو زمین پر پھینکا تو وہ ایک اژدھا بن گیا جس سے فرعون اور سب درباری سخت مرعوب اور دہشت زدہ ہو گئے۔ بالآخر فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ وہ جلد از جلد اس اژدھا کو سنبھال لیں۔ چنانچہ آپ نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا تو وہ پھر سے وہی پہلے والا عصا بن گیا۔

یہ فرعون کی اس تدبیر کی طرف اشارہ ہے جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لئے سب سے آخر میں اختیار کی تھی۔ سورہ زخرف میں مذکور ہے کہ جب مصر پر کوئی آفت آتی تو فرعون موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتا کہ وہ اپنے رب سے دعا کریں کہ یہ بلاٹل جائے۔ اگر ان کی دعا سے یہ بلاٹل گئی تو وہ ان کی بات مان لے گا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جب وہ بلاٹل جاتی

تو وہ اپنے وعدے سے پھر جاتا۔ اس کی بار بار کی اس روش کا یہ اثر ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کا اثر مصر کے لوگوں میں بڑھنے لگا۔ اس سے گھبرا کر فرعون نے قوم کے تمام بااثر افراد کو جمع کیا اور ان کے اندر اپنا اثر بحال کرنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر اس نے جو تقریر کی اس کی طرف یہاں اجمالی اشارہ ہے۔ تفصیل سورہ زخرف کے پانچویں رکوع آیت ۶۴ تا ۶۵ میں بیان ہوئی ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ۝
رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝
بیشک اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔ کیا پیدا کرنے میں تم زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اس نے اسے
بنایا۔ اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اسے برابر کیا۔ اور اس کی رات کو تاریک کر دیا اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کر دیا۔

آسمان کی تخلیق سے سبق عبرت کا بیان

" اِنَّ فِي ذَلِكَ " الْمَذْكُور " لَعِبْرَةً لِمَنْ يَخْشَى " اللّٰه تَعَالَى " أَأَنْتُمْ " بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ

وَإِبْدَال الثَّانِيَة أَلِفًا وَتَسْهِيلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَيْن الْمُسَهَّلَة وَالْأُخْرَى وَتَرْكه , أَيْ مُنْكِرُو الْبَعْث " أَشَدّ خَلْقًا أَمْ السَّمَاء " أَشَدّ خَلْقًا " بَنَاهَا " بَيَان لِكَيْفِيَّةِ خَلْقهَا،

" رَفَعَ سَمْكهَا " تَفْسِير لِكَيْفِيَّةِ الْبِنَاء , أَيْ جَعَلَ سَمْتهَا فِي جِهَة الْعُلُوّ رَفِيعًا , وَقِيلَ سَمْكهَا سَقْفهَا " فَسَوَّاهَا " جَعَلَهَا مُسْتَوِيَة بِلَا عَيْب " وَأَغْطَشَ لَيْلهَا " أَظْلَمَهُ " وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا " أَبْرَزَ نُور شَمْسهَا وَأُضِيفَ إِلَيْهَا اللَّيْل لِأَنَّهُ ظِلّهَا وَالشَّمْس لِأَنَّهَا سِرَاجهَا،

بیشک اس واقعہ میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔کیا پیدا کرنے میں تم زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اس نے اسے بنایا۔یہاں پر بھی اُأنتم دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے الف کے بدلا گیا ہے اور تسہیل کے ساتھ بھی جبکہ مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف کو داخل کیا جائے اور ترک کے ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی اے منکرین بعث،اس کی چھت کو بلند کیا،یہ آسمان کی تخلیق کی کیفیت ہے۔پھر اسے برابر کیا۔یہ بنانے کی کیفیت کی تفسیر ہے۔یعنی اس کی چھت کو بلند کیا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے سمکہا سے مراد سقفہا ہے۔یعنی بغیر کسی عیب کے اسے درست کیا۔اور اس کی رات کو تاریک کردیا اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کردیا۔یعنی سورج کی روشنی سے ظاہر کیا۔یہاں پر رات کی اضافت رات کی جانب اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اس کا سایہ ہے اور سورج اس کا چراغ ہے۔

واقعہ فرعون کا بعد والوں کیلئے بہ طور عبرت ہونے کا بیان

نکال ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو اور سب سہم جائیں۔نکال آخرت فرعون کے لئے آخرت کا عذاب ہے،اور نکال اولیٰ سے مراد وہ عذاب ہے جو دنیا میں اس کی پوری قوم کے غرق دریا ہو جانے سے ان کو پہنچا۔اگے پھر منکرین حشر ونشر کے اس استبعاد اور شبہ کا ازالہ ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد کیسے دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔

اس میں حق تعالیٰ نے آسمان وزمین اور انکے اندر پیدا کی ہوئی عظیم مخلوقات کا ذکر کر کے انسان غافل کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس ذات نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو ابتدائی وجود بغیر کسی مادہ وآلہ کے عطا فرمایا وہ اگر ان کو نیست ونابود کرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا فرمادے تو تمہارے تعجب کا کیا مقام ہے۔آگے پھر روز قیامت کی شدت اور اس روز ہر شخص کے اعمال کا سامنے آجانا اور اہل جنت اور اہل جہنم کے دونوں ٹھکانوں کا بیان اور آخر میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی خاص خاص علامات کا بیان ہے جس سے ایک انسان دنیا ہی میں فیصلہ کرسکتا ہے کہ ضابطہ سے میرا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں،ضابطہ اس لئے کہا گیا ہے کہ کسی کی شفاعت یا بلاواسطہ حق تعالیٰ کی رحمت سے کسی جہنمی کو اس سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دینا جیسا کہ بہت سی آیات وروایات حدیث اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ایک استثنائی حکم ہے اور اصل ضابطہ جنت یا دوزخ میں ٹھکانے کا وہی ہے جو آگے والی آیت میں بیان فرمایا ہے۔(تفسیر مظہری،سورہ نازعات،بیروت)

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا۝
وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ۝
اور زمین، اس کے بعد اسے بچھا دیا۔ اسی نے زمین میں سے اس کا پانی نکال لیا اور اس کی نباتات نکالیں۔
اور پہاڑ، اس نے انھیں گاڑ دیا۔ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدہ کے لئے۔

زمین کو بچھا دیئے جانے کا بیان

" وَالْأَرْض بَعْد ذَلِكَ دَحَاهَا " بَسَطَهَا وَكَانَتْ مَخْلُوقَة قَبْل السَّمَاء مِنْ غَيْر دَحْو " أَخْرَجَ " حَال بِإِضْمَارِ قَدْ أَيْ مُخْرِجًا " مِنْهَا مَاءَهَا " بِتَفْجِيرِ عُيُونهَا " وَمَرْعَاهَا " مَا تَرْعَاهُ النَّعَم مِنْ الشَّجَر وَالْعُشْب وَمَا يَأْكُلهُ النَّاس مِنْ الْأَقْوَات وَالثِّمَار , وَإِطْلَاق الْمَرْعَى عَلَيْهِ اِسْتِعَارَة " وَالْجِبَال أَرْسَاهَا " أَثْبَتَهَا عَلَى وَجْه الْأَرْض لِتَسْكُن " مَتَاعًا " مَفْعُول لَهُ لِمُقَدَّرٍ , أَيْ فَعَلَ ذَلِكَ مُتْعَة أَوْ مَصْدَر أَيْ تَمْتِيعًا " لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ " جَمْع نَعَم وَهِيَ الْإِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم،

اور زمین، اس کے بعد اسے بچھا دیا یعنی اس کی تخلیق آسمان کی تخلیق سے پہلے بغیر بچھائے ہوئی۔ یہاں پر لفظ اخرج یہ قد کی اضمار سے حال ہے جو مخرجا کے معنی میں ہے۔ اسی نے زمین میں سے اس کا پانی چشموں کے ذریعے الگ نکال لیا اور بقیہ خشک قطعات میں اس کی نباتات نکالیں۔ جس کو مویشی کھاتے ہیں جو درخت اور گھاس وغیرہ ہے اور لوگ غلہ اور پھل وغیرہ کھاتے ہیں اور مرعیٰ کا اطلاق بہ طور استعارہ ہے۔ اور پہاڑ، اس نے انھیں گاڑ دیا۔ یعنی انہیں زمین پر گاڑ دیا تاکہ وہ ساکن ہو جائے۔ اور لفظ متاعا یہ فعل مقدر کا مفعول لہ ہے۔ یعنی فعل ذلک متعہ یا تمتیعا سے مصدر ہے۔ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدہ کے لئے کیا۔ لفظ انعام یہ نعم کی جمع ہے جس میں اونٹ، گائے اور بکری شامل ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہے، یعنی زمین سے چشموں اور نہروں کا جاری کرنا زمین کے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کرنا کھیتیاں اور درخت اگانا پہاڑوں کا گاڑنا تاکہ زمین سے پورا پورا فائدہ تم اٹھا سکو، یہ سب باتیں انسانوں کے فائدے کیلئے ہیں اور ان کے جانوروں کے فائدے کے لئے پھر وہ جانور بھی انہی کے فائدے کے لئے ہیں کہ بعض کا گوشت کھاتے ہیں بعض پر سواریاں لیتے ہیں اور اپنی عمر اس دنیا میں سکھ چین سے بسر کر رہے ہیں۔ ابن جریر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اور کہنے لگی تو آدم اور اس کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ گاڑ کر زمین کو ٹھہرا دیا بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں، زمین کا پہاڑوں کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھرکتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ نازعات، بیروت)

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ○ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ○ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ○
پھر جب وہ ہر چیز پر چھا جانے والی سب سے بڑی مصیبت آ جائے گی۔ جس دن انسان یاد کرے گا
جو اس نے کوشش کی، اور ہر دیکھنے والے کے لئے دوزخ ظاہر کردی جائے گی۔

نفخہ ثانیہ سے قیامت کے دن کے چھا جانے کا بیان

" فَاِذَا جَاءَتْ الطَّآمَّة الْكُبْرَى " النَّفْخَة الثَّانِيَة" يَوْم يَتَذَكَّر الْاِنْسَان " بَدَل مِنْ اِذَا " مَا سَعَى " فِي الدُّنْيَا مِنْ خَيْر وَشَرّ" وَبُرِّزَتْ " أُظْهِرَتْ " الْجَحِيم " النَّار الْمُحْرِقَة "لِمَنْ يَرَى " لِكُلِّ رَاءٍ وَجَوَاب اِذَا : " فَأَمَّا مَنْ طَغَى "

پھر جب وہ ہر چیز پر چھا جانے والی سب سے بڑی مصیبت آ جائے گی۔ جو نفخہ ثانیہ سے ہوگی۔ جس دن انسان یاد کرے گا یہاں پر یہ جملہ اذا سے بدل ہے۔ جو اس نے دنیا میں بھلائی یا برائی کوشش کی، اور ہر دیکھنے والے کے لئے دوزخ ظاہر کردی جائے گی۔ یعنی جو اسے دیکھے گا آگ اسکو جلا دے گی۔ اور یہ اذا کا جواب ہے۔ پھر جس شخص نے سرکشی کی ہوگی۔

انتہائی ہولناک لرزہ خیز لمحات کا بیان

طامۃ الکبریٰ سے مراد قیامت کا دن ہے اس لئے کہ وہ ہولناک اور بڑے ہنگامے والا دن ہوگا، جیسے اور جگہ ہے آیت (وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ، القمر:46) یعنی قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے، اس دن ابن آدم اپنے بھلے برے اعمال کو یاد کرے گا اور کافی نصیحت حاصل کرلے گا، جیسے اور جگہ ہے آیت (يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ، الفجر:23) یعنی اس دن آدمی نصیحت حاصل کرلے گا لیکن آج کی نصیحت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی، لوگوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں گے اس دن سرکشی کرنے والوں اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے والوں کو ٹھکانا جہنم ہوگا، ان کی خوراک زقوم ہوگا اور ان کا پانی حمیم ہوگا، ہاں ہمارے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہنے والوں، اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتے رہنے والوں خوف اللہ دل میں رکھنے والوں اور برائیوں سے باز رہنے والوں کا ٹھکانا جنت ہے اور وہاں کی تمام نعمتوں کے حصہ دار صرف یہی ہیں۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے بارے میں تم سے سوال ہو رہے ہیں تم کہہ دو کہ نہ مجھے اس کا علم ہے نہ مخلوق میں سے کسی اور کو صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں وہ زمین وآسمان پر بھاری پڑ رہی ہے، حالانکہ دراصل اس کا علم سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی جس وقت انسانی صورت میں آپ کے پاس آئے اور کچھ سوالات کئے جن کے جوابات آپ نے دیئے پھر یہی قیامت کے دن کے تعیین کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس سے پوچھتے ہو، نہ وہ اسے جانتا ہے نہ خود پوچھنے والے کو اس کا علم ہے، پھر فرمایا کہ اے نبی تم تو صرف لوگوں کے ڈرانے والے ہو اور اس سے نفع

انہیں کو پہنچے گا جو اس خوفناک دن کا ڈر رکھتے ہیں اور تیاری کر لیں گے اور اس دن کے خطرے سے بچ جائیں گے، باقی جو لوگ ہیں وہ آپ کے فرمان سے عبرت حاصل نہیں کریں گے بلکہ مخالفت کریں گے اور اس دن بدترین نقصان اور مہلک عذابوں میں گرفتار ہوں گے، لوگ جب اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر محشر کے میدان میں جمع ہوں گے، اس وقت اپنی دنیا کی زندگی انہیں بہت ہی تھوڑی نظر آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا کہ صرف صبح کا یا صرف شام کا کچھ حصہ دنیا میں گزارا ہے، ظہر سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے کے وقت کو عشیہ کہتے ہیں اور سورج نکلنے سے لے کر آدھے دن تک کے وقت کو ضحیٰ کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آخرت کو دیکھ کر دنیا کی لمبی عمر بھی اتنی کم محسوس ہونے لگی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نازعات، بیروت)

فَاَمَّا مَنْ طَغٰیo وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَاo فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰیo
پھر جس شخص نے سرکشی کی ہوگی۔ اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی۔ تو بیشک دوزخ ہی ٹھکانا ہوگا۔

کفر کرنے والوں کا جہنم میں ٹھکانہ ہونے کا بیان

"فَاَمَّا مَنْ طَغَی "کَفَرَ" وَآثَرَ الْحَیَاۃ الدُّنْیَا "بِاتِّبَاعِ الشَّھَوَات" فَاِنَّ الْجَحِیم ھِیَ الْمَأْوَی" مَأْوَاہُ،

پھر جس شخص نے سرکشی کی ہوگی۔ یعنی کفر کیا ہوگا اور اتباع شہوات کے سبب دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی۔ تو بیشک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔

نفس کی طغیانی کے مفہوم کا بیان

اول طغیان یعنی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پابندی کے بجائے سرکشی کرنا، دوسرے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا یعنی جب ایسا کوئی کام سامنے آئے کہ اسکے اختیار کرنے سے دنیا میں تو آرام یا لذت ملتی ہے مگر آخرت میں اس پر عذاب مقرر ہے اس وقت وہ دنیا کی لذت کو ترجیح دے کر آخرت کی فکر کو نظر انداز کر دے۔ جو شخص دنیا میں ان دو بلاؤں میں مبتلا ہے اس کے لئے فرمایا فان الجحیم ھی الماوی، یعنی جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ اسکے بعد اہل جنت کی اسی طرح دو علامتیں بتلائی ہیں۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی اول یہ کہ جس شخص کو دنیا میں اپنے ہر عمل ہر کام کے وقت یہ خوف لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر ان اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ دوسرے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا، ناجائز خواہشوں سے اس کو روک دیا، جس نے دنیا میں یہ دو وصف حاصل کر لئے قرآن کریم نے اس کو یہ خوشخبری دے دی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی یعنی جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

مخالفت نفس کے تین درجات کا بیان

آیت مذکورہ میں جنت کے ٹھکانے کی دو شرطیں بتلائی ہیں اور غور کیا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ کیونکہ پہلی

شرط خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف ہے۔ دوسری شرط نفس کو ہوای سے روکنا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف ہی نفس کو اتباع ہوی سے روکنے والی چیز ہے۔

قاضی ثناء اللہ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مخالفت ہوئی کے تین درجے ہیں۔ اول درجہ تو یہ ہے کہ آدمی ان عقائد باطلہ سے بچ جائے جو ظاہر نصوص اور اجماع سلف کے خلاف ہوں، اس درجہ میں پہنچ کر وہ سنی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ کسی معصیت اور گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آ جائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بنا پر گناہ کو ترک کردے۔ اسی متوسط درجہ کا تکملہ یہ ہے کہ آدمی شبہات سے بھی پرہیز کرے اور جس مباح و جائز کام میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جانیکا خطرہ ہو اس جائز کام کو بھی ترک کردے، جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے مشتبہات سے پرہیز کیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچالیا اور جو شخص مشتبہات میں مبتلا ہو گیا وہ بالآخر محرمات میں مبتلا ہو جائیگا۔ مراد مشتبہات سے وہ کام ہیں جن میں جائز و ناجائز ہونیکے دونوں احتمال ہوں، یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لئے یہ کام جائز ہے یا ناجائز، مثلاً ایک شخص بیمار ہے وضو کرنے پر قادر ہے تو اور اس کا یقین پورا نہیں کہ میرے لئے وضا کرنا اس حالت میں مضر ہی ہے تو تیمم کا جواز اور عدم جواز مشتبہ ہو گیا اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ تو سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اس کی وجہ سے یہ اشتباہ ہو گیا کہ بیٹھ کر نماز میرے لئے درست ہے یا نہیں ایسے مواقع میں مشتبہ چیز کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے اور مخالفت کا متوسط درجہ یہی ہے۔

مکائد نفس کا بیان

نفس کی مخالفت ان چیزوں میں جو صریح طور سے گناہ اور سیئات ہیں یہ تو اگر کوئی کوشش کرے تو باختیار خود بھی اس میں کامیابی ہو جاتی ہے لیکن ایک ہوئی نفس وہ ہے جو عبادات اور اعمال حسنہ میں شامل ہو جاتی ہے۔ ریا و نمود، خود پسندی یہ ایسے دقیق گناہ اور شدید ہوائی نفس ہیں جس میں انسان اکثر خود بھی دھوکا کھاتا ہے اپنے عمل کو درست و صحیح سمجھتا رہتا ہے اور یہی وہ ہوائی نفس ہے جسکی مخالفت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہے۔ مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ اسکے سوا نہیں کہ انسان کوئی ایسا شیخ کامل تلاش کرے جو کسی ماہر شیخ کی خدمت میں رہ کر مجاہدات کر کے عیوب نفس اور انکے معالجہ سے واقف ہوا پنے آپکو اسکے حوالہ کردے اور اسکے مشورہ پر عمل کرے۔

شیخ امام حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجار تھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت اور سستی دور ہو جائے۔ اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں ایک روز میں شیخ اجل امام بہاؤالدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگایا اور مجھے بھی کھانیکا حکم دیا اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائی نفسانی کا بندہ ہو جو اس کو گمراہ کرے اور فرمایا کہ کھانا کھالینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائی نفسانی کے ساتھ ہو، اس وقت مجھے احساس ہا کہ میرا نفس عجب و خود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ

نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت وہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکائد نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہو گا اسی سے روک دیگا، اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں۔ تیسرا اعلیٰ درجہ مخالفت ہوائی نفسانی کا یہ ہے کہ کثرت ذکر اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مزکی بنالے کہ اس میں وہ ہوائی نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کی شر کی طرف کھینچتی ہے یہ مقام ولایت کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے ان عبادی لیس لك علیھم سلطن، یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا اور یہی مصداق ہیں اس حدیث کے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یومن احد کم حتی یکون ھواہ تبعا لما جت بہ یعنی تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائی نفسانی میری تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں۔ (تفسیر مظہری بہ تصرف، سورہ نازعات، لاہور)

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىo فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىo
اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اس نے نفس کو خواہشات و شہوات سے باز رکھا۔ تو بیشک جنت ہی ٹھکانا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے کیلئے جنت میں مقام ہونے کا بیان

" وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبّه " قِيَامه بَيْن يَدَيْهِ " وَنَهَى النَّفْس " الْأَمَّارَة " عَنْ الْهَوَى " الْمُرْدِي بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَات

" فَإِنَّ الْجَنَّة هِيَ الْمَأْوَى " وَحَاصِل الْجَوَاب : فَالْعَاصِي فِي النَّار وَالْمُطِيع فِي الْجَنَّة

اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا یعنی اس کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور اس نے اپنے نفس امارہ کو بری خواہشات و شہوات سے باز رکھا۔ تو بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہو گا۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ عاصی دوزخ میں جبکہ مطیع جنت میں ہو گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وامـا مـن خـاف مقـام ربـہ واؤ عاطفہ ہے جملہ کا عطف کلام سابقہ پر ہے۔ یہ جملہ شرطیہ ہے۔ مقام مضاف ربہ مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ۔ مقام مصدر میمی و اسم ظرف مکان ہے۔ کھڑا ہونا۔ کھڑے ہونے کی جگہ خاف ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ خوف (باب فتح) مصدر۔ اور (قیامت کے دن حساب کے لئے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔

ونھی النـفـس عن الھوی ۔ اس جملہ کا عطف بھی جملہ سابقہ پر ہے۔ نہی ماضی واحد مذکر غائب نہی (باب فتح) مصدر

سے۔اس نے روکا۔اس نے باز رکھا الهوی اسم مصدر۔(باب سمع) ناجائز نفسانی خواہش، ناجائز (رغبت) اور اس نے نفس کو ناجائز خواہشات سے روکے رکھا۔

فان الجنة هی الماوی ۔تو بے شک جنت اس کے لوٹنے کی جگہ ہوگی۔ ماوی۔مصدر اور اسم ظرف مکان۔قیام کرنا۔ سکونت پذیر ہونا۔مقام سکونت۔ٹھکانا۔اوی یاوی (ماضی و مضارع) باب ضرب سے۔اوی بھی مصدر ہے۔اگر صلہ میں الی ہو تو پناہ پکڑنے، ٹھکانا بنانے اور فروکش ہونے کے معنی ہوں گے۔جیسے قال ساوی الی جبل یعصمنی من الماء ،اس نے کہا میں ابھی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا۔وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔اگر اس کے بعد لام آئے تو مہربانی اور رحم کرنے کے معنی ہوں گے مثلاً اویت لہ میں نے اس پر رحم کھایا۔(انوار البیان، سورہ نازعات)

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا٥ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا٥ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا٥
آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔اس کے ذکر سے تو
کس خیال میں ہے؟ تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے۔

قیام قیامت کے متعلق سوال کرنے کا بیان

"يَسْأَلُونَكَ" أَيْ كُفَّار مَكَّة "عَنْ السَّاعَة أَيَّانَ مُرْسَاهَا" مَتَى وُقُوعهَا وَقِيَامهَا "فِيمَ" فِي أَيّ شَيْء "أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا" أَيْ لَيْسَ عِنْدك عِلْمهَا حَتَّى تَذْكُرهَا "إِلَى رَبّك مُنْتَهَاهَا" مُنْتَهَى عِلْمهَا لَا يَعْلَمهُ غَيْره

کفار مکہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔یعنی وہ کب قائم ہوگی۔اس کے ذکر سے تو کس خیال میں ہے؟ تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے۔یعنی اس کا علم آپ کیلئے بیان کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیں کہ وہی جانتا ہے۔

سورت نازعات آیت ۴۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ مکہ کے مشرکین نے محض مذاق اڑانے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قیامت کب قائم ہوگی تو اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔يَسْـــــــــلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰـهَا الی آخر السورہ ۔ ابن جریر نے طارق بن شہاب سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا بہت زیادہ ذکر فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا، اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا) ترجمہ۔سو تم اس کے ذکر سے کس فکر میں ہو؟ اس کا منتہا (یعنی واقع ہونے کا وقت) تمہارے پروردگار کو ہی (معلوم) ہے۔ابن ابی حاتم نے عروہ سے اسی کے مثل نقل کیا ہے۔

(سیوطی 326، طبری 30۔31، ابن کثیر 4۔469، قرطبی 19۔209)

الی ربک منتھھا ۔ **منتھی** ۔ن ہ ی مادہ سے باب افتعال سے اسم ظرف زمان ہے یا اسم ظرف مکان ہے بمعنی آخری وقت یا آخری حد۔مضاف ھا ضمیر واحد مونث مضاف الیہ جس کا مرجع الساعۃ ہے۔اس کے علم کی آخری حد (بغوی)

یعنی قیامت کے بپا ہونے کے متعلق آخری یعنی فائنل وقت یا حد کا علم تیرے پروردگار پر ختم ہے۔وہ جب چاہے گا قیامت برپا ہو جائے گی۔(ضیاء القرآن،سورہ نازعات،لاہور)

قیامت کی بعض نشانیوں کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے سے (کسی سلسلہ میں) باتیں کرر ہے تھے کہ اچانک ایک دیہاتی (مجلس نبوی میں) آیا اور کہنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امانت،تلف کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنے لگنا۔" دیہاتی نے پوچھا کہ امانت، کیونکر تلف کی جائے گی اور یہ نوبت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"جب حکومت وسلطنت کا کام نااہل لوگوں کے سپرد ہو جائے تو (سمجھنا کہ یہ امانت کا تلف ہو جانا ہے اور اس وقت) قیامت کا انتظار کرنا۔(بخاری،مشکوۃ شریف:جلد پنجم:حدیث نمبر 4)

امانت سے مراد شریعت کی طرف سے عائد کی جانے والی ذمہ داریاں اور دین کے احکام ہیں جیسا کہ قرآن کریم کے ارشاد انا عرضنا الامانۃ میں امانت کا یہی مفہوم ہے یا" امانت" سے لوگوں کے حقوق اور ان کی امانتیں مراد ہیں۔حاصل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی کے پوچھنے پر یہ واضح فرمایا کہ قیامت کا متعین وقت عالم الغیوب کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا اور نہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو وہ ذریعہ بتایا ہے جس سے قیامت کا متعینہ وقت جانا جاسکے،ہاں اس نے ایسی علامتیں ضرور مقرر کی ہیں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گی اور جو اس امر کی نشانیاں ہوں گی کہ اب قیامت قریب ہے چنانچہ ان علامتوں میں سے ایک علامت امانتوں کا ضائع کرنا ہے کہ لوگ امانتوں میں خیانت کرنے لگیں گے۔"نااہل" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے اندر حکومت وسیادت کی شرائط نہ رکھنے کی وجہ سے حکمراں بننے کا استحقاق نہ رکھتے ہوں گے،جیسے عورتیں،بچے جہلاء،فاسق وبدکار،بخیل اور نامرد وغیرہ،اسی طرح جو شخص قریش النسل نہ ہو وہ بھی اس باب میں" نااہل" ہی کے زمرہ میں شمار ہوگا خواہ وہ سلاطین کی نسل سے کیوں نہ ہو لیکن اس شرط کا تعلق خاص طور پر خلافت سے ہے!حدیث کے اس جزء کا حاصل یہ ہے کہ اگر دین ودنیا کے امور کا نظم وانتظام ایسے شخص کے ہاتھوں میں آجائے جو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو یقیناً ان امور کا صحیح طور پر انجام پانا ناممکن نہیں ہوگا اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے حقوق ضائع و پامال ہونے لگیں گے اور ہر شخص بے چین ومضطرب رہے گا۔

"وسد" بصیغہ مجہول اور سین کی تشدید کے ساتھ یا تشدید کے بغیر۔اصل میں" وسادۃ" سے مشتق ہے،جس کے لغوی معنی تکیہ کے ہیں، چنانچہ جس شخص کے سپرد کوئی کام کیا جاتا ہے تو گویا اس کام کے اعتبار سے اس شخص پر تکیہ کیا جاتا ہے۔

اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ يَّخۡشٰهَا۝ كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَهَا لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰهَا۝
آپ تو محض اس شخص کوڈرسنانے والے ہیں جواس سے خائف ہے۔ گویا وہ جس دن اسے دیکھ لیں گے
تو وہ ایک شام یا اس کی صبح کے سوا ٹھہرے ہی نہ تھے۔

قیامت کے دن قبروں میں ٹھہرنے کی مدت کو کم خیال کرنے کا بیان

" إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِر " إِنَّمَا يَنْفَع إِنْذَارك " مَنْ يَخْشَاهَا " يَخَافهَا " كَأَنَّهُمْ يَوْم يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا " فِي قُبُورهمْ " إِلَّا عَشِيَّة أَوْ ضُحَاهَا " عَشِيَّة يَوْم أَوْ بُكْرَته وَصَحَّ إِضَافَة الضُّحَى إِلَى الْعَشِيَّة لِمَا بَيْنهمَا مِنْ الْمُلَابَسَة إِذْ هُمَا طَرَفَا النَّهَار , وَحَسَّنَ الْإِضَافَة وُقُوع الْكَلِمَة الْفَاصِلَة .

آپ تو محض اس شخص کوڈرسنانے والے ہیں تا کہ آپ کا انذار کواس فائدہ پہنچائے۔ جو اس سے خائف ہے۔ گویا وہ جس دن اسے دیکھ لیں گے تو یہ خیال کریں گے کہ وہ قبروں میں ایک شام یا اس کی صبح کے سوا ٹھہرے ہی نہ تھے۔ یعنی صبح کے کچھ وقت یا شام کے کچھ وقت ٹھہرے ہیں یہاں پر ضحیٰ کی اضافت عشیہ کی جانب اس لئے کی گئی ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان مناسبت ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا وقوع دن کے کناروں میں ہوتا ہے۔ اور کلمہ کے فاصلہ کے وقوع کے سبب اضافت نے اور بھی حسین بنادیا ہے۔

گزشتہ واقعات کے متعلق انسان کا تصور یہ ہوتا ہے کہ بیسیوں سال پہلے گزرے ہوئے واقعہ کے متعلق وہ کہتا ہے کہ یہ کل کی بات ہے۔ یہ اس عالم دنیا کا حال ہے جس میں لیل ونہار کی گردش اسے نظر آتی ہے اور ماہ وسال کا وہ حساب لگا سکتا ہے لیکن عالم برزخ میں تو یہ دن رات بھی نہیں ہوں گے جیسے اصحاب کہف پر تین سو سال گزرنے کے بعد وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ وہ اس غار میں پورا دن سوئے رہے ہیں یا دن کا کچھ حصہ۔ بالکل یہی صورت حال قیامت کے دن لوگوں کو پیش آئے گی اور کافر قیامت کا دن دیکھ کر یہی سمجھیں گے کہ ان کی دنیا کی زندگی تو پورا ایک دن بھی نہ تھی۔ کاش یہ تھوڑی سی مدت ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہی گزار کر یہاں آتے۔ مطلب یہ کہ یوم قیامت جس کے متعلق استہزاء یہ سوال کرتے رہے جب یہ اس دن کو دیکھ لیں گے تو اس کی ہولناکیوں کے پیش نظر دنیا کی زندگی ان کو ایک مختصر سا وقفہ معلوم دے گی اور قیامت کی سختی اور عذاب کا دن ایک طویل اور لامتناہی مدت۔

(تفسیر قرطبی، سورہ نازعات، بیروت)

سُورَةُ عَبَسَ

یہ قرآن مجید کی سورت عبس ھے

سورعبس کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ عبس مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، بیالیس آیات، ایک سوتیں کلمات، پانچ سوتینتیس حروف ہیں۔

سورت عبس کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ عبس آیا ہے جس کا معنیٰ چہرے کو پھیر لینا یا کسی سے اعراض کرنا ہے۔ پس اسی لفظ کے ساتھ یہ سورت عبس کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت عبس کی ابتدائی آیات کے شان نزول کا بیان

بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قریش کے سرداروں کو اسلامی تعلیم سمجھا رہے تھے اور مشغولی کے ساتھ ان کی طرف متوجہ تھے دل میں خیال تھا کہ کیا عجب اللہ انہیں اسلام نصیب کر دے ناگہاں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پرانے مسلمان تھے عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دنیا اسلام کی تعلیم سیکھتے رہتے تھے اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے، آج بھی حسب عادت آتے ہی سوالات شروع کئے اور آگے بڑھ بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس وقت ایک اہم امر دینی میں پوری طرح مشغول تھے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ ذرا گراں خاطر گزرا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان اور اعلیٰ اخلاق کے لائق یہ بات نہ تھی کہ اس نابینا سے جو ہمارے خوف سے دوڑتا بھاگتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں علم دین سیکھنے کے لئے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منہ پھیر لیں اور ان کی طرف متوجہ ہیں جو سرکش ہیں اور مغرور ومتکبر ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہی پاک ہو جائے اور اللہ کی باتیں سن کر برائیوں سے بچ جائے اور احکام کی تعمیل میں تیار ہو جائے، یہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بے پرواہ لوگوں کی جانب تمام تر توجہ فرمالیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ان کو راہ راست پر لا کھڑا کرنا ضروری تھوڑے ہی ہے؟ وہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نہ مانیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے اعمال کی پکڑ ہرگز نہیں، مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین میں شریف وضعیف، فقیر وغنی، آزاد وغلام، مرد وعورت، چھوٹے بڑے سب برابر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو یکساں نصیحت کیا کریں ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے، وہ اگر کسی کو راہ راست سے دور رکھے تو اس کی حکمت

وہی جانتا ہے جسے اپنی راہ لگالے اسے بھی وہی خوب جانتا ہے، حضرت ابن ام مکتوم کے آنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب ابی بن خلف تھا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کی بڑی تکریم اور آؤ بھگت کیا کرتے تھے۔ (مسند ابویعلی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ابن ام مکتوم کو قادسیہ کی لڑائی میں دیکھا ہے، زرہ پہنے ہوئے تھے اور سیاہ جھنڈا لئے ہوئے تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھلائی کی باتیں سکھایئے اس وقت رؤساء قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی انہیں سمجھاتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہو میری بات ٹھیک ہے وہ کہتے جاتے تھے ہاں حضرت درست ہے، ان لوگوں میں عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی کوشش تھی اور پوری حرص تھی کہ کس طرح یہ لوگ دین حق کو قبول کرلیں ادھر یہ آگئے اور کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی کوئی آیت مجھے سنایئے اور اللہ کی باتیں سکھایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ان کی بات ذرا بے موقع لگی اور منہ پھیر لیا اور ادھر ہی متوجہ رہے، جب ان سے باتیں پوری کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر جانے لگے تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور سر نیچا ہو گیا اور یہ آیتیں اتریں، پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور پوری توجہ سے کان لگا کر ان کی باتیں سنا کرتے تھے آتے جاتے ہر وقت پوچھتے کہ کچھ کام ہے کچھ حاجت ہے کچھ کہتے ہو کچھ مانگتے ہو؟ (تفسیر جامع البیان، سورہ عبس، بروت)

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ○
ان کے چہرہ (اقدس) پر ناگواری آئی اور رخ (انور) موڑ لیا۔ اس وجہ سے کہ ان کے پاس
ایک نابینا آیا (جس نے آپ کی بات کو ٹوکا)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قطع کلامی کرنے والے سے اعراض کرنے کا بیان

"عَبَسَ" النَّبِيّ: كَلَحَ وَجْهه "وَتَوَلَّى" أَعْرَضَ لِأَجْلِ "أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى" عَبْد اللَّه بْن أُمّ مَكْتُوم فَقَطَعَهُ عَمَّا هُوَ مَشْغُول بِهِ مِمَّنْ يَرْجُو إِسْلَامه مِنْ أَشْرَاف قُرَيْش الَّذِينَ هُوَ حَرِيص عَلَى إِسْلَامهمْ, وَلَمْ يَدْرِ الْأَعْمَى أَنَّهُ مَشْغُول بِذَلِكَ فَنَادَاهُ: عَلِّمْنِي مِمَّا عَلَّمَك اللَّه, فَانْصَرَفَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَيْته فَعُوتِبَ فِي ذَلِكَ بِمَا نَزَلَ فِي هَذِهِ السُّورَة. فَكَانَ بَعْد ذَلِكَ يَقُول لَهُ إِذَا جَاءَ: "مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِي فِيهِ رَبِّي" وَيَبْسُط لَهُ رِدَاءَهُ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر ناگواری آئی اور رخ انور موڑ لیا۔ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا اور عبداللہ بن ام مکتوم تھے۔ تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قطع کلامی کی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشراف قریش جن کے اسلام کی امید تھی ان سے مصروف گفتگو تھے اور وہ عبداللہ بن ام مکتوم نابینا تھے۔ اس لئے وہ آپ کی مصروفیت کو نہ جانتے تھے۔ تو انہوں نے آپ کو پکارا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے مجھے بھی سکھا دیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ تو اس سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حکم نازل کیا گیا لہٰذا اس کے بعد بھی عبداللہ بن ام مکتوم آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیلئے فرماتے خوش مرحبا یعنی خوش آمدید کیونکہ تمہارے متعلق اللہ نے میرے لئے حکم نازل فرمایا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیلئے چادر بچھا دیا کرتے تھے۔

سورت عبس آیت ا کے شان نزول کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سورت عبس عبداللہ بن ام مکتوم (نابینا صحابی) کے متعلق نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دین کا راستہ بتائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس وقت مشرکین کا ایک بڑا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے باتیں کرتے رہے اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اعراض کیا۔ انہوں نے عرض کیا کیا میری بات میں کوئی مضائقہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ یہ حدیث غریب ہے بعض لوگوں نے اس حدیث کو ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ سورت عبس حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے متعلق نازل ہوئی۔ اس سند میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1282)

وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىۙ۝ اَوۡ يَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰىؕ۝ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰىۙ۝
اور آپ کو کیا خبر شاید وہ پاک ہو جاتا۔ یا نصیحت حاصل کرے تو وہ نصیحت اسے فائدہ دے۔ لیکن جو بے پرواہ ہو گیا۔

سن کر نصیحت حاصل کرنے کی اہمیت کا بیان

" وَمَا يُدۡرِيك " يُعۡلِمك " لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى " فِيهِ إِدۡغَام التَّاء فِي الۡأَصۡل فِي الزَّاي , أَيۡ يَتَطَهَّر مِنۡ الذُّنُوب بِمَا يَسۡمَع مِنۡك،

" أَوۡ يَذَّكَّر " فِيهِ إِدۡغَام التَّاء فِي الۡأَصۡل فِي الذَّال أَيۡ يَتَّعِظ " فَتَنۡفَعهُ الذِّكۡرَى " الۡعِظَة الۡمَسۡمُوعَة مِنۡك وَفِي قِرَاءَة بِنَصۡبِ تَنۡفَعهُ جَوَاب التَّرَجِّي " أَمَّا مَنۡ اِسۡتَغۡنَى " بِالۡمَالِ،

اور آپ کو کیا خبر شاید وہ آپ کی توجہ سے مزید پاک ہو جاتا۔ یہاں پر لفظ یز کی اصل میں تاء کا زاء میں ادغام ہے یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت سن کر گناہوں سے پاک ہو جاتا۔ یا نصیحت حاصل کرے۔ یہاں پر یذکر میں اصل میں تاء کا ذال میں ادغام ہے تا کہ وہ وعظ حاصل کرے۔ تو وہ نصیحت اسے فائدہ دے۔ یعنی جو کچھ وہ آپ سے سنے۔ یہاں پر لفظ تنفعہ ایک قرأت کے مطابق جواب ترجی آیا ہے۔ لیکن جو مال سے بے پرواہ ہو گیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

او یذکر: او بمعنی یا۔ یذکر مضارع مرفوع کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ تذکر (تفعل) مصدر، اصل میں یتذکر تھا۔ ت کو ذ میں مدغم

کیا گیا۔اس کا عطف یزکی پر ہے۔اور یہ بھی ترجی۔لعل کے حکم میں داخل ہے۔
فتنفعه ف جواب تمنی کے لئے ہے اور ف کے عمل سے مضارع منصوب ہے۔ ہ کی ضمیر الاعمی کی طرف راجع ہے۔ تنفع مضارع واحد مونث غائب نفع مصدر (باب فتح) وہ اس کو نفع پہنچائے گی۔اس میں ضمیر فاعل واحد مونث غائب ہے جس کا مرجع الذکری ہے۔الذکری تنبیہ، نصیحت، یاد، ذکر یذکر کا مصدر بھی ہے۔کثرت ذکر کے لئے بھی ذکری بولا جاتا ہے۔یہ ذکر سے زیادہ بلیغ ہے۔آیت کا ترجمہ ہوگا:۔یا وہ نصیحت کی باتیں یاد کرتا اور غور وفکر کرتا سو اس کو نصیحت نفع دیتی (یعنی اس کثرت ذکر سے اس کا حضور قلب بڑھ جاتا اور قرب الٰہی کے درجات حاصل ہوتے۔
اما من استغنی: اما۔لیکن۔یا۔سو۔حرف شرط ہے۔اور اکثر حالات میں تفصیل کے لئے آتا ہے اس صورت میں اما کا تکرار ضروری ہے اس کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد حرف فاء کا آنا لازم ہے۔یہاں اس آیت میں یہ تفصیل کے لئے استعمال ہوا ہے۔
من شرطیہ ہے۔استغنی ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب استغناء (استفعال) مصدر لا پروائی کرنا۔لیکن جس نے لا پروائی کی۔ جملہ شرطیہ ہے۔اس شرط کا جواب فانت لہ تصدی ہے۔(تفسیر روح المعانی، سورہ عبس، بیروت)

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝
تو آپ اس کے لیے زیادہ اہتمام فرماتے ہیں۔حالانکہ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر چہ وہ پاکیزگی اختیار نہ بھی کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں قبول اسلام کیلئے دعوت دینے کا بیان

"فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى" وَفِي قِرَاءَة بِتَشْدِيدِ الصَّاد بِإِدْغَامِ التَّاء الثَّانِيَة فِي الْأَصْل فِيهَا : تُقْبِل وَتَتَعَرَّض "وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى" يُؤْمِن

تو آپ اس کے (قبولِ اسلام کے) لیے زیادہ اہتمام فرماتے ہیں۔یہاں پر لفظ تصدی میں ایک قرأت کے مطابق صاد کا تاء ثانیہ میں ادغام ہے۔یعنی توجہ کرتے ہیں اور غور وفکر کرتے ہیں۔حالانکہ آپ پر کوئی ذمہ داری کا بوجھ نہیں اگر چہ وہ پاکیزگی ایمان اختیار نہ بھی کرے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فانت له تصدی: ف جواب شرط کے لئے ہے تصدی مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔تصدی تفعل مصدر سے۔جس کے معنی کسی شے کے درپے ہونے کے ہیں۔یا آمنے سامنے ہونے کے۔صدی آواز بازگشت کو کہتے ہیں۔اعتبار سے تصدی کے معنی ہوئے کسی چیز کے اس طرح مقابل ہونے کے جس طرح صدائے بازگشت مقابل ہوتی ہے۔
تصدی اصل میں تتصدی تھا۔ایک تاء حذف کردی گئی ہے۔ترجمہ ہوگا:۔آپ اس کی طرف تو متوجہ ہیں آپ اس کے درپے

ہیں کہ طہارت اور تزکیہ کا موقع ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰىۙ وَهُوَ يَخْشٰىۙ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰىۚ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌۚ
اور وہ جو آپ کے پاس کوشش کرتا ہوا آیا۔ اور وہ ڈرتا بھی ہے۔ تو آپ اس سے بے توجہی
فرمارہے ہیں۔ یوں نہیں بیشک یہ تو نصیحت ہیں۔

قرآنی آیات کا بہ طور نصیحت ہونے کا بیان

" وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى " حَال مِنْ فَاعِل جَاء " وَهُوَ يَخْشَى " اللّٰه حَال مِنْ فَاعِل يَسْعَى وَهُوَ الْأَعْمَى " فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى " فِيهِ حَذْفِ التَّاء الْأُخْرَى فِي الْأَصْل أَيْ تَتَشَاغَل " كَلَّا " لَا تَفْعَل مِثْل ذَلِكَ " إِنَّهَا " أَيْ السُّورَة أَوْ الْآيَات " تَذْكِرَة " عِظَة لِلْخَلْقِ،

اور وہ جو آپ کے پاس خود طلبِ خیر کی کوشش کرتا ہوا آیا۔ یہاں پر لفظ یسعی یہ جاء کے فاعل سے حال ہے۔ اور وہ اپنے رب سے ڈرتا بھی ہے۔ اور یخشی یہ یسعی کے فاعل سے حال ہے۔ اور وہ نابینا ہیں۔ تو آپ اس سے بے توجہی فرمارہے ہیں۔ یہاں پر لفظ تلہی میں اصل میں دوسری تاء کو حذف کیا گیا ہے۔ یعنی آپ مصروف ہیں۔ یوں نہیں یعنی ایسا نہ فرمائیں بیشک یہ سورت یا آیات قرآنی تو مخلوق کیلئے نصیحت ہیں۔

یعنی اندھا ہونے کے باوجود کوشش کر کے محض اسلام کی باتیں سمجھنے کے لیے آپ تک پہنچا ہے۔ اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا بھی نہیں تھا۔ اسے یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں کسی گڑھے میں نہ گر جائے یا کسی چیز سے ٹکرا کر گر پڑے۔ یا راہ میں اسلام دشمن لوگ اسے ستائیں تو وہ کیا کرے گا محض وہ طلب حق کی خاطر اور اللہ سے ڈرتے ہوئے آپ تک پہنچا ہے تو آپ کو اس کی اس محنت اور طلب صادق کی قدر کرنا چاہیے تھی اور اس کی طرف پہلے متوجہ ہونا چاہیے تھا۔

حالانکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ ہدایت سے منتفع ہوں گے۔ اور اسلام کے کام آئیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ ہی نابینا بزرگ زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لئے جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗۘ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭۙ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍؕ
تو جو چاہے اسے یاد کرے۔ ایسے صحیفوں میں ہے جن کی عزت کی جاتی ہے۔ جو نہایت بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔
ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ جو معزز ہیں، نیک ہیں۔

مکرم و عزت والے صحائف کا بیان

" فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ " حَفِظَ ذَلِكَ فَاتَّعَظَ بِهِ " فِي صُحُف " خَبَر ثَانٍ لِأَنَّهَا وَمَا قَبْله اِعْتِرَاض "

مُكَرَّمَة "عِنْدَ اللَّه" مَرْفُوعَة "فِي السَّمَاء "مُطَهَّرَة "مُنَزَّهَة عَنْ مَسّ الشَّيَاطِين "بِأَيْدِي سَفَرَة "كَتَبَة يَنْسَخُونَهَا مِنْ اللَّوْح الْمَحْفُوظ "كِرَام بَرَرَة "مُطِيعِينَ لِلَّهِ تَعَالَى وَهُمْ الْمَلَائِكَة،

تو جو چاہے اسے یاد کرے۔ یعنی یاد کر کے نصیحت حاصل کرے۔ ایسے صحیفوں میں ہے جن کی عزت کی جاتی ہے۔ یہاں پر لفظ فی صحف یہ اُن کی خبر ثانی ہے اور اس کا ماقبل جملہ معترضہ ہے۔ جو اللہ کے نزدیک آسمان میں نہایت بلند مرتبہ اور شیطانی مس سے پاکیزہ ہیں۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور وہ فرشتے ہیں جو لوح محفوظ سے اس کو لکھتے ہیں۔ جو معزز ہیں، نیک ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور وہ فرشتے ہیں۔

قرآن مجید کو اٹک اٹک کر پڑھنے والے کی فضیلت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ماہر قرآن ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو لکھنے والے اور بزرگ و نیکوکار ہیں اور وہ شخص کہ جو قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور قرآن پڑھنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 624)

ماہر قرآن وہ شخص ہے جس کو قرآن خوب یاد ہو، اٹکے بغیر پوری روانی سے پڑھتا ہو اور اس کے لئے قرآن پڑھنا کوئی مشکل اور دشوار امر نہ ہو۔ اسی طرح فرشتوں سے وہ فرشتے مراد ہیں جو لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ کی کتابیں نقل کرتے ہیں یا وہ فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں جو بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔ اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ ماہر قرآن ان عظیم فرشتوں کے ساتھ ہے بایں طور کہ وہ دنیا میں ان ہی جیسا عمل کرتا ہے اور آخرت میں اسے جو منازل اور درجات عالیہ حاصل ہوں گے ان میں وہ فرشتوں کا رفیق ہوگا۔ جس شخص کو قرآن اچھی طرح یاد نہ ہو اور اٹک اٹک کر پڑھتا ہو تو اسے دو ثواب کی بشارت دی گئی ہے ایک ثواب تو پڑھنے کا اور دوسرا ثواب اس مشقت کا جو اسے قرآن پڑھنے میں ہوتی ہے اس طرح گویا قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو شخص قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے وہ ماہر قرآن سے زیادہ ثواب پاتا ہے! کیونکہ ماہر قرآن کو تو بہت زیادہ ثواب ملتا ہے بایں طور کہ ملائکہ مذکورین کی رفاقت جیسی عظیم سعادت کی بشارت دی گئی ہے بہر حال حاصل یہ کہ افضل تو ماہر قرآن ہے لیکن اٹک اٹک کر پڑھنے والے کے لئے بھی باعتبار مشقت ایک طرح کی فضیلت اور ثواب ثابت ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝
مارا جائے انسان! وہ کس قدر ناشکرا ہے۔ اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا فرمایا ہے۔ ایک قطرے سے،
اس نے اسے پیدا کیا، پس اس کا اندازہ مقرر کیا۔ پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔

انسانی تخلیق کے مراحل میں احسانات کا بیان

"قُتِلَ الْإِنْسَان "لُعِنَ الْكَافِر "مَا أَكْفَرَهُ "اِسْتِفْهَام تَوْبِيخ، أَيْ مَا حَمَلَهُ عَلَى الْكُفْر "مِنْ أَيّ

شَیْءٍ خَلَقَهُ " اِسْتِفْهَام تَقْرِير , ثُمَّ بَيَّنَهُ فَقَالَ : " مِنْ نُطْفَة خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ "" مِنْ نُطْفَة خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ " عَلَقَة ثُمَّ مُضْغَة إِلَى آخِر خَلْقه" ثُمَّ السَّبِيل " أَيْ طَرِيق خُرُوجه مِنْ بَطْن أُمّه " يَسَّرَهُ

مارا جائے انسان! یعنی کافر پر لعنت کی گئی۔ وہ کس قدر ناشکرا ہے۔ یہ استفہام بہ طور توبیخ ہے۔ یعنی اس کو کس نے کفر پر بھڑکایا ہے۔ اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے اس کے بعد بیان کر دیا کہ ایک قطرے سے، اس نے اسے پیدا کیا، پس اس کا اندازہ مقرر کیا۔ یعنی علقہ سے مضغہ اور اس کے بعد خلق کر دیا۔ پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔ یعنی اس کیلئے ماں کے بطن سے خروج کو آسان کر دیا۔

بعث کا انکار کرنے والوں کی مذمت کا بیان

جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکاری تھے ان کی یہاں مذمت بیان ہو رہی ہے، ابن عباس فرماتے ہیں یعنی انسان پر لعنت ہو یہ کتنا بڑا ناشکر گزار ہے اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ عموماً تمام انسان جھٹلانے والے ہیں بلا دلیل محض اپنے خیال سے ایک چیز کو ناممکن جان کر باوجود علمی سرمایہ کی کمی کے جھٹ سے اللہ کی باتوں کی تکذیب کر دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس جھٹلانے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس کے بعد اس کی اصلیت جتائی جاتی ہے کہ وہ خیال کرے کہ کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے اللہ نے اسے بنایا ہے کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ اس نے انسان کو منی کے قطرے سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقدر کی یعنی عمر روزی عمل اور نیک و بد ہونا لکھا۔ پھر اس کے لیے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا اور یہ بھی معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی واضح اور ظاہر کر دیا جیسے اور جگہ ہے آیت (اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا) ، الإنسان: 3) یعنی ہم نے اسے راہ دکھائی پھر یا تو وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا، حسن اور ابن زید اسی کو راجح بتاتے ہیں واللہ اعلم۔ اس کی پیدائش کے بعد پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں لے گیا۔ عرب کا محاورہ ہے کہ وہ جب کسی کو دفن کریں تو کہتے ہیں۔ قَبَرْتُ الرَّجُلَ اور کہتے ہیں اَقْبَرَهُ اللہ اسی طرح کے اور بھی محاورے ہیں مطلب یہ ہے کہ اب اللہ نے اسے قبر والا بنا دیا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا، اسی کی زندگی کو بعثت بھی کہتے ہیں اور نشور بھی کہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ عبس، بیروت)

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ۝ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ۝ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ۝
پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے کھڑا کرے گا۔ ہرگز نہیں، ابھی تک اس نے
وہ کام پورا نہیں کیا جس کا اس نے اسے حکم دیا۔ پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے۔

قبر سے بعث کیلئے زندہ کر کے اٹھائے جانے کا بیان

" ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ " جَعَلَهُ فِي قَبْر يَسْتُرهُ " ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ " لِلْبَعْثِ " كَلَّا " حَقًّا " لَمَّا يَقْضِ " لَمْ يَفْعَل " مَا أَمَرَهُ " بِهِ رَبّه " فَلْيَنْظُرْ الْإِنْسَان " نَظَر اِعْتِبَار " إِلَى طَعَامه " كَيْف قُدِّرَ وَدُبِّرَ

لَهُ،

پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔ یعنی ایسی قبر میں جس نے اس کو چھپالیا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کرے گا۔ ہرگز نہیں، ابھی تک اس نے وہ کام پورا نہیں کیا جس کا اس نے اسے اس کے رب نے حکم دیا۔ پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے اور غور کرے کہ کس طرح تدبیر کی اور کس طرح مقدر کیا ہے۔

تخلیق انسانی کی ابتدا بیان کرنے کے بعد اس کی انتہا موت اور قبر پر ہے اس کا ذکر بسلسلہ انعامات فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی موت درحقیقت کوئی مصیبت نہیں نعمت ہی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحفۃ المومن الموت کو مومن کا تحفہ موت ہے اور اس میں مجموعہ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں۔

اور فاقبرہ کے معنی پھر اس کو قبر میں داخل کیا یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا تو وہیں زمین پر سڑتا اور پھولتا پھٹتا ہے، بلکہ اس کا اکرام یہ کیا گیا کہ اس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جنہیں کھاتا ہے اور جو اسکی حیات کا سبب ہیں کہ انمیں اس کے رب کی قدرت ظاہر ہے کس طرح جزو بدن ہوتے ہیں اور کس نظام عجیب سے کام میں آتے ہیں اور کس طرح رب عزّ وجلّ عطا فرماتا ہے ان حکمتوں کا بیان فرمایا جاتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورۂ عبس، لاہور)

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا۝ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا۝
وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا۝ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا۝ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ۝
بیشک ہم نے خوب زور سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالا۔ پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۔ اور انگور اور ترکاری۔
اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے گھنے باغات۔ اور پھل اور چارا۔ تمھارے لیے اور تمھارے مویشیوں کے لیے زندگی کا سامان۔

بادلوں کے ذریعے زوردار بارش برسانے کا بیان

" اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاء " مِنَ السَّحَاب " صَبًّا "" ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْض " بِالنَّبَاتِ " شَقًّا "" فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا " كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِير " وَعِنَبًا وَقَضْبًا " هُوَ الْقَتّ الرَّطْب " وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا "" وَحَدَائِق غُلْبًا " بَسَاتِين كَثِيرَة الْأَشْجَار " وَفَاكِهَة وَأَبًّا " مَا تَرْعَاهُ الْبَهَائِم وَقِيلَ التِّبْن " مَتَاعًا " مُتْعَة أَوْ تَمْتِيعًا كَمَا تَقَدَّمَ فِي السُّورَة قَبْلهَا " لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ " تَقَدَّمَ فِيهَا أَيْضًا،

بیشک ہم نے خوب زور سے بادلوں سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو نبات کے ساتھ پھاڑ کر چیر ڈالا۔ پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۔ جس طرح گندم اور جو ہیں۔ اور انگور اور ترکاری۔ اور سبز چارہ ہے اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے گھنے باغات جن میں کثیر درخت ہیں۔ اور پھل اور چارا پیدا کیا۔ جس کو جانور چرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گھاس کو پیدا کیا ہے۔ تمھارے لیے اور

تمھارے مویشیوں کے لیے زندگی کا سامان۔یہاں پر لفظ متاعا یہ متعۃ یا تمتیعا سے ہے جس اس سورت کے شروع میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔اور انعام کے بارے میں بھی گزر چکا ہے۔

اس سے مراد بارش ہے۔سورج کی حرارت سے بے حد وحساب مقدار میں سمندروں سے پانی بھاپ بنا کر اٹھایا جاتا ہے، پھر اس سے کثیف بادل بنتے ہیں، پھر ہوائیں ان کو لے کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلاتی ہیں، پھر عالم بالا کی ٹھنڈک سے وہ بھاپیں ازسرنو پانی کی شکل اختیار کرتی اور ہر علاقے میں ایک خاص حساب سے برستی ہیں، پھر وہ پانی براہ راست بھی زمین پر برستا ہے، زیر زمین کنوؤں اور چشموں کی شکل بھی اختیار کرتا ہے، دریاؤں اور ندی نالوں کی شکل میں بھی بہتا ہے، اور پہاڑوں پر برف کی شکل میں جم کر پھر پگھلتا ہے اور بارش کے موسم کے سوا دوسرے موسموں میں بھی دریاؤں کے اندر رواں ہوتا ہے۔کیا یہ سارے انتظامات انسان نے خود کیے ہیں؟ اس کا خالق اس کی رزق رسانی کے لیے یہ انتظام نہ کرتا تو کیا انسان زمین پر جی سکتا تھا؟

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ○ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ○ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ○
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ○ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَىٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ○
پھر جب کان پھاڑ دینے والی آواز آئے گی۔اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔
اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے۔اس دن ہر شخص کو ایسی حالت لاحق ہوگی جو اسے بے پروا کر دے گی۔

قیامت کے دن اپنے آپ میں مصروف ہو جانے کا بیان

" فَاِذَا جَاءَتْ الصَّاخَّة " النَّفْخَة الثَّانِيَة " وَصَاحِبَته " زَوْجَته " وَبَنِيهِ " يَوْم بَدَل مِنْ إِذَا , وَجَوَابهَا دَلَّ عَلَيْهِ " لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْن يُغْنِيه " حَال يَشْغَلهُ عَنْ شَأْن غَيْره , أَيْ اِشْتَغَلَ كُلّ وَاحِد بِنَفْسِهِ،

پھر جب کان پھاڑ دینے والی آواز جو نفخہ ثانیہ کے ذریعے آئے گی۔اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھی۔یہاں پر لفظ یوم یہ اذا سے بدل ہے جس پر آنے والے جملے کی دلالت ہے اس دن ہر شخص کو ایسی پریشان کن حالت لاحق ہوگی جو اسے ہر دوسرے سے بے پروا کر دے گی۔یعنی ہر شخص دوسرے کے معاملے سے بے پرواہ ہو کر اپنے معاملے میں مصروف ہوگا۔

قیامت کا نام صاخہ ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صاخۃ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور ان کا شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دیگا۔اس دن انسان اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا کوئی کسی کے کام نہ آئیگا، میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا وہ کہے گی کہ بیشک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی

اچھا سلوک کیا بہت پیار محبت سے رکھا یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دے دو تا کہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں، تو وہ جواب دے گی کہ سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی، بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا۔

صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ صلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں اللہ کے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لیے کچھ نہ کہوں گا میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کیلئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں، الغرض دوست دوست سے رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپاتا پھرے گا۔ ہر ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھاپی میں لگا ہوگا، کسی کو دوسرے کا ہوش نہ ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں تم ننگے پیروں ننگے بدن اور بے ختنہ اللہ کے ہاں جمع کیے جاؤ گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو ایک دوسروں کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی فرمایا اس روز گھبراہٹ کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کیے ہوئے ہوگا، بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ اس دن کہاں؟ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ عبس، بیروت)

قیامت کے دن نفسا نفسی ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم لوگ ننگے سر ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے اٹھائے جاؤ گے۔ ایک عورت نے پوچھا کہ کیا سب ایک دوسرے کا ستر دیکھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا اے فلاں عورت (لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ، ہر مرد کو ان میں سے اس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اس کے لئے کافی ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1283)

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝
اسی دن بہت سے چہرے چمک رہے ہوں گے۔ مسکراتے ہنستے، خوشیاں مناتے ہوں گے۔

قیامت کے دن اہل ایمان کے چہروں کے منور ہونے کا بیان

"وُجُوه يَوْمئِذٍ مُسْفِرَة "مُضِيئَة" ضَاحِكَة مُسْتَبْشِرَة " فَرِحَة وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ

اسی دن بہت سے چہرے ایسے بھی ہوں گے جو نور سے چمک رہے ہوں گے۔ وہ مسکراتے ہنستے اور خوشیاں مناتے ہوں گے۔ اور وہ اہل ایمان ہوں گے۔

وہاں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے بعض تو وہ ہوں گے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے دل خوشی سے مطمئن ہوں

گے منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے یہ تو جنتی جماعت ہے دوسرا گروہ جہنمیوں کا ہوگا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے گرد آلود ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" قیامت کے روز میری امت اس حال میں پکاری جائے گی کہ وضو کے سبب سے ان کی پیشانیاں روشن ہوں گی اور اعضا چمکتے ہوں گے لہٰذا تم میں سے جو آدمی چاہے کہ وہ اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھائے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 276)

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝
اور بہت سے چہرے ایسے ہوں گے جن پر اس دن گرد پڑی ہوگی۔ ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔ یہی ہیں جو کافر ہیں، نافرمان ہیں۔

قیامت کے دن کفار کے چہروں کے خاک آلودہ ہونے کا بیان

" وَوُجُوه يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَة " غُبَار " تَرْهَقهَا " تَغْشَاهَا " قَتَرَة " ظُلْمَة وَسَوَاد " أُولَئِكَ " أَهْل هَذِهِ الْحَالَة " هُمْ الْكَفَرَة الْفَجَرَة " أَيْ الْجَامِعُونَ بَيْن الْكُفْر وَالْفُجُور،

اور بہت سے چہرے ایسے ہوں گے جن پر اس دن گرد پڑی ہوگی۔ یعنی خاک سے آلودہ ہوں گے مزید ان چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ یہی ایسی حالت میں ہوں گے جو کافر ہیں، نافرمان ہیں۔ یعنی ان میں کفر و فجور جمع ہوگا۔

میدان محشر میں لوگ دو گروہوں میں بٹے ہوں گے اور ان کی علامات ان کے چہروں سے نمایاں ہوں گی۔ اللہ کے فرمانبرداروں کے چہرے ہشاش بشاش کھلکھلاتے اور مسکراتے ہوئے ہوں گے۔ دل میں بھی مسرت کی لہر دوڑ رہی ہوگی اور کچھ لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ رنگ فق اور چہرے بگڑے ہوئے اور بے رونق ہوں گے اور یہ اللہ کے نافرمان اور بدکردار لوگ ہوں گے۔ گویا لوگ گروہوں میں بٹنے سے پہلے ہی پہچانے جاسکیں گے کہ کون شخص کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

سُوْرَۃُ التَّکْوِیْر

یہ قرآن مجید کی سورت تکویر ھے

سورت تکویر کی آیات کلمات کی تعداد کا بیان

سورہ کوّرت مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، انتیس آیات، ایک سو چار کلمات، پانچ سو تیس حروف ہیں۔

سورت تکویر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ کورت استعمال ہوا ہے جس معنی ہے بے نور کر دینا یعنی قیامت کے دن سورج بے نور ہو جائے گا۔ اسی انداز کلام سے قیامت کا بیان ہوا ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت تکویر سے معروف ہوئی ہے۔

پہلی ہی آیت کے لفظ کوّرت سے ماخوذ ہے۔ کوّرت تکویر سے صیغۂ ماضی مجہول ہے جس کے معنی ہیں لپیٹی گئی۔ اس نام سے مراد یہ ہے کہ وہ سورت جس میں لپیٹنے کا ذکر آیا ہے۔

سورت تکویر اور قیامت کے حال کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص قیامت کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ سورت تکویر، سورت انفطار اور سورت انشقاق پڑھ لے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1284)

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَ إِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَ إِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝
وَ إِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَ إِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝
جب آفتاب بے نور ہو جائے گا۔ اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ اور جب پہاڑ چلا دیئے جائیں گے۔
اور جب حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوٹی پھریں گی۔ اور جب وحشی جانور جمع کر دیئے جائیں گے۔

قیام قیامت کے وقت احوال کا بیان

" إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ " لُفِّفَتْ وَذُهِبَ بِنُورِهَا " وَإِذَا النُّجُوم انْكَدَرَتْ " اِنْقَضَّتْ وَتَسَاقَطَتْ عَلَى الْأَرْض فَصَارَتْ هَبَاء مُنْبَثًّا " وَإِذَا الْجِبَال سُيِّرَتْ " ذُهِبَ بِهَا عَنْ وَجْه الْأَرْض " وَإِذَا الْعِشَار " النُّوق الْحَوَامِل " عُطِّلَتْ " تُرِكَتْ بِلَا رَاعٍ أَوْ بِلَا حَلْب لِمَا دَهَاهُمْ مِنْ الْأَمْر . وَإِنْ

لَمْ يَكُنْ مَالٌ أَعْجَبَ إِلَيْهِمْ مِنْهَا" وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ " جُمِعَتْ بَعْدَ الْبَعْثِ لِيَقْتَصَّ لِبَعْضٍ مِنْ بَعْضٍ ثُمَّ تَصِيرُ تُرَابًا،

جب آفتاب بے نور ہو جائے گا۔ یعنی سورج لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ یعنی زمین پر گر جائیں گے۔ اور جب پہاڑ غبار بنا کر فضا میں چلا دیئے جائیں گے۔ یعنی زمین سے اڑا دیئے جائیں جس طرح گرد و غبار اڑتا ہے۔ اور جب حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوٹی پھریں گی کوئی ان کا خبر گیر نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی ان کا دودھ دوہنے والا ہوگا حالانکہ اہل عرب میں دس ماہ کی گابھن اونٹنی سے بڑھ کوئی قیمتی مال شمار نہیں کیا جاتا۔ اور جب وحشی جانور خوف کے مارے جمع کر دیئے جائیں گے۔ یعنی بعث کے بعد زندہ کیے جائیں گے۔ تا کہ انہیں ایک دوسرے سے بدلہ دلوایا جائے اور اس کے بعد وہ مٹی ہو جائیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اذا الشمس کورت: اذا شرطیہ (جب) الشّمس فعل محذوف کا فاعل۔ کورت اسی فعل محذوف کی تفسیر ہے۔ کورت۔ ماضی مجہول صیغہ واحد مونث غائب۔ تکویر (تفعیل) مصدر سے بمعنی تہ کر کے لپیٹنا۔ سر پر عمامہ باندھنے کے لئے تکویر العمامۃ کے لفظ بولے جاتے ہیں۔ (اکار العمامۃ علی راسہ اس نے پگڑی کو اپنے سر کے گرد لپیٹا)۔ کیونکہ عمامہ پھیلا ہوا ہوتا ہے اور پھر سر کے گرد اس کو لپیٹا جاتا ہے اسی نسبت سے اس روشنی کو جو سورج سے نکل کر سارے نظام شمسی میں پھیلتی ہے عمامہ سے تشبیہ دی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز یہ پھیلا ہوا عمامہ سورج پر لپیٹ دیا جائے گا۔ یعنی اس کی روشنی کا پھیلنا بند ہو جائے گا۔

آیت یکور الیل علی النہار ویکور النہار علی الیل ، وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے میں مطالع شمسی کے تبدیل ہونے سے دن رات کے بڑھنے اور گھٹنے کو تکویر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کورت بمعنی اظلمت (تاریک ہو جائے گا) فرمایا ہے۔ اذا شرطیہ جہاں جہاں آیا ہے اس کا جواب آیت نمبر 14 (علمت نفس ما اخضرت) میں دیا گیا ہے۔

یعنی سورج بے نور ہو جائیگا، جاتا رہے گا اوندھا کر کے لپیٹ کر زمین پر پھینک دیا جائیگا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سورج چاند اور ستاروں کو لپیٹ کر بینور کر کے سمندروں میں ڈال دیا جائیگا اور پھر مغربی ہوائیں چلیں گی اور آگ لگ جائیگی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس کو تہہ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ اور ایک حدیث میں سورج کے ساتھ چاند کا ذکر بھی ہے لیکن وہ ضعیف ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث الفاظ کی تبدیلی سے مروی ہے، اس میں ہے کہ سورج اور چاند قیامت کے دن لپیٹ لیے جائیں گے امام بخاری اسے کتاب بدء الخلق میں لائے ہیں لیکن یہاں لانا زیادہ مناسب تھا یا مطابق عادت وہاں اور یہاں دونوں جگہ لاتے جیسے کہ امام صاحب کی عادت ہے حضرت ابو ہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن یہ ہوگا، تو حضرت حسن کہنے لگے ان کا کیا گناہ ہے؟ فرمایا میں نے حدیث کہی اور تم اس پر باتیں بناتے ہو سورج کی قیامت والے دن یہ حالت ہوگی ستارے

سارے متغیر ہو کر جھڑ جائیں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ تکویر، بیروت)

وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ○
اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ اور جب روحیں ملادی جائیں گی۔

قیامت کے وقت سمندروں کو بھڑکا کر آگ کی طرح بنا دینے کا بیان

" وَإِذَا الْبِحَار سُجِّرَتْ " بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد : أُوقِدَتْ فَصَارَتْ نَارًا " وَإِذَا النُّفُوس زُوِّجَتْ " قُرِنَتْ بِأَجْسَادِهَا،

اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ یہاں پر لفظ سجرت یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی بھڑکایا جائے گا گویا وہ آگ ہوجائے گا۔ اور جب روحیں اپنے بدنوں سے ملادی جائیں گی۔

سجرت، تسجیر سے مشتق ہے جس کے معنے آگ لگانے اور بڑھکانے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس جگہ یہی معنے لئے ہیں اور اسکے معنے بھر دینے کے بعد آتے ہیں اور گڈ مڈ خلط ملط کر دینے کے بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنے لئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے سمندر اور میٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائے گا درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط ہو جائیں گے اور زیادہ بھی، پھر شمس وقمر اور ستاروں کو اس میں ڈال دیا جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا جائے گا جو جہنم میں شامل ہو جائیگا۔ (تفسیر مظہری، سورہ تکویر، لاہور)

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ○ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ○
وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ○ وَ اِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ○
اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ کے باعث قتل کی گئی تھی۔ اور جب نامہ اعمال
کھولے جائیں گے۔ اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے۔ اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی۔

زندہ دفن کردہ لڑکیوں سے پوچھا جانے کا بیان

" وَإِذَا الْمَوْءُودَة " الْجَارِيَة تُدْفَن حَيَّة خَوْف الْعَار وَالْحَاجَة " سُئِلَتْ " تَبْكِيتًا لِقَاتِلِهَا " بِأَيِّ ذَنْب قُتِلَتْ " وَقُرِءَ بِكَسْرِ التَّاء حِكَايَة لِمَا تُخَاطَب بِهِ وَجَوَابهَا أَنْ تَقُول : قُتِلْت بِلَا ذَنْب " وَإِذَا الصُّحُف " صُحُف الْأَعْمَال " نُشِرَتْ " بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد فُتِحَتْ وَبُسِطَتْ " وَإِذَا السَّمَاء كُشِطَتْ " نُزِعَتْ عَنْ أَمَاكِنهَا كَمَا يُنْزَع الْجِلْد عَنْ الشَّاة " وَإِذَا الْجَحِيم " النَّار " سُعِّرَتْ " بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد أُجِّجَتْ،

اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا یعنی وہ بچی جس کو عار یا ضرورت کے اندیشہ سے زندہ دفن کر دیا گیا تھا

اس کے قاتل کو لاجواب کرنے کیلئے اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث قتل کی گئی تھی۔ یہاں پر لفظ قتلت تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔اور اس کے مخاطب ہونے کی حکایت ہے اور اس کے جواب میں وہ بچی کہے گی کہ مجھے بغیر کسی قصور قتل کردیا گیا۔اور جب نامہء اعمال کھولے جائیں گے۔ یہاں پر لفظ نشرت یا تخفیف اور تشدید دونوں طرح آیا ہے۔اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے۔یعنی اس کو اس کی جگہ سے یوں ہٹا دیا جائے گا جس طرح بکری کی کھال سے بکری سے اتار دیا جاتا ہے۔اور جب دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ یہاں پر لفظ سعرت یہ تخفیف اور تشدید دونوں طرح آیا ہے۔

دورِ جاہلیت میں زندہ لڑکیوں کو دفن کرنے والوں کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے زندہ دفن کرنے والی اور جسے دفن کیا ہے دونوں جہنم میں ہیں ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال پر کہ جنت میں کون جائے گا آپ نے فرمایا نبی، شہید، بچے اور زندہ درگور کی ہوئی۔ یہ حدیث مرسل ہے حضرت حسن سے جسے بعض محدثین نے قبولیت کا مرتبہ دیا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ مشرکوں کے چھوٹی عمر میں مرے ہوئے بچے جنتی ہیں جو انہیں جہنمی کہے وہ جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَاِذَا الْمَوْءٗ دَةُ سُىِٕلَتْ ،التکویر:8)(ابن ابی حاتم)

قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی بچیوں کو زندہ دبا دیا ہے میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرو انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلام والا تو میں ہوں نہیں البتہ میرے پاس اونٹ ہیں فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک اونٹ اللہ کے نام پر قربان کرو۔(عبدالرزاق)

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کردی ہیں آپ نے فرمایا ان کی گنتی کے مطابق غلام آزاد کرو انہوں نے کہا بہت بہتر میں یہی کروں گا دوسرے سال وہاں یک سو اونٹ لے کر آئے اور کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ میری قوم کا صدقہ ہے جو اس کے بدلے ہے جو میں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔

حضرت علی فرماتے ہیں ہم ان اونٹوں کو لے جاتے تھے اور ان کا قیسیہ رکھ چھوڑا تھا۔ پھر ارشاد ہے کہ نامہ اعمال بانٹے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں، اے ابن آدم تو لکھوا رہا ہے جو لپیٹ کر پھیلا کر تجھے دیا جائے گا دیکھ لے کہ کیا لکھوا کے لایا ہے آسمان گھسیٹ لیا جائے گا اور کھینچ لیا جائے گا اور سمیٹ لیا جائے گا اور برباد ہو جائے گا جہنم بھڑکائی جائے گی اللہ کے غضب اور بنی آدم کے گناہوں سے اس کی آگ تیز ہو جائے گی جنت جنتیوں کے پاس آجائے گی۔

جب یہ تمام کام ہو چکیں گے اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیا کچھ اعمال کیے تھے وہ سب عمل اس کے سامنے موجود ہوں گے جیسے اور جگہ ہے آیت (يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ،آل عمران:30) جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے اعمال کو پالے گا نیک ہیں تو سامنے دیکھ لے گا اور بد ہیں تو اس دن وہ آرزو کریگا کہ کاش! اس کے اور اس کے درمیان بہت دوری ہوتی اور جگہ ہے آیت (يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ،القیامۃ:13) اس دن انسان کو اس

کے تمام اگلے پچھلے اعمال سے تنبیہ کی جائے گی حضرت عمر اس سورت کو سنتے رہے اور اس کو سنتے ہی فرمایا اگلی تمام باتیں اسی لیے بیان ہوئی تھیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ تکویر، بیروت)

وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ○
اور جب جنت قریب کردی جائے گی۔ ہر شخص جان لے گا جو کچھ اس نے حاضر کیا ہے۔

اہل جنت کیلئے جنت کو قریب کردینے کا بیان

" وَإِذَا الْجَنَّة أُزْلِفَتْ " قُرِّبَتْ لِأَهْلِهَا لِيَدْخُلُوهَا وَجَوَاب إِذَا أَوَّل السُّورَة وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا " عَلِمَتْ نَفْس " كُلّ نَفْس وَقْت هَذِهِ الْمَذْكُورَات وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة " مَا أَحْضَرَتْ " مِنْ خَيْر وَشَرّ،

اور جب جنت قریب کردی جائے گی۔ تاکہ اہل جنت اس میں داخل ہو جائیں۔ اور یہ سورت کے شروع میں اذا کا جواب ہے جس پر اس کا عطف کیا گیا ہے۔ ہر شخص جان لے گا جو کچھ اس نے حاضر کیا ہے۔ یعنی ہر جان مذکورہ وقت کو جان لے گی اور قیامت کا دن ہے۔ جس دن خیر و شر کو لایا جائے گا۔ جس اس نے کیا ہے۔

یہ وقت وہ ہوگا جب لوگوں کا حساب کتاب لیا جارہا ہوگا اور اللہ کے فرمانبردار جہنم کو دیکھ کر یہ سمجھ لیں گے کہ اگر وہ اللہ کی فرمانبرداری نہ کرتے تو یہ بھڑکتی ہوئی جہنم ان کا ٹھکانا ہوتا۔ اس پر وہ اللہ کا مزید شکر بجالائیں گے۔ جس نے دنیا میں انہیں راہ راست پر رکھا۔ اور مجرم لوگ جب جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے پھر یہ خیال کریں گے کہ ان کا اصلی ٹھکانا دوزخ ہے تو ان کی حسرت و یاس میں مزید اضافہ ہوگا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ○ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ○ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ○
وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ○ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○
میں قسم کھاتا ہوں ان (ستاروں) کی جو پیچھے ہٹنے والے ہیں! جو بلا روک ٹوک چلتے رہتے ہیں۔ چھپ جاتے ہیں۔ اور رات کی قسم جب اس کی تاریکی جانے لگے۔ اور صبح کی قسم جب اس کی روشنی آنے لگے۔ بیشک یہ بڑی عزت و بزرگی والے رسول کا کلام ہے۔

ستاروں کی قسم اٹھانے کا بیان

" فَلَا أُقْسِم " لَا زَائِدَة " بِالْخُنَّسِ "" الْجَوَارِي الْكُنَّس " هِيَ النُّجُوم الْخَمْسَة : زُحَل وَالْمُشْتَرِي وَالْمِرِّيخ وَالزُّهَرَة وَعُطَارِد ، تَخْنُس بِضَمِّ النُّون ، أَيْ تَرْجِع فِي مَجْرَاهَا وَرَاءَهَا ، بَيْنَمَا نَرَى النَّجْم فِي آخِر الْبُرْج إِذْ كَرَّ رَاجِعًا إِلَى أَوَّله ، وَتَكْنِس بِكَسْرِ النُّون : تَدْخُل فِي كِنَاسهَا ، أَيْ تَغِيب فِي الْمَوَاضِع الَّتِي تَغِيب فِيهَا " وَاللَّيْل إِذَا عَسْعَسَ " أَقْبَلَ بِظَلَامِهِ أَوْ

أَدْبَرَ " وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ " اِمْتَدَّ حَتّٰى يَصِيرَ نَهَارًا بَيِّنًا " إِنَّهُ " أَىِ الْقُرْآنَ " لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ " عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ جِبْرِيلُ أُضِيفَ إِلَيْهِ لِنُزُولِهِ بِهِ،

یہاں پر لفظ فلا میں لاء زائدہ ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو پیچھے ہٹنے والے ہیں۔ جو بلا روک ٹوک چلتے رہتے ہیں پھر ظاہر ہو کر چھپ جاتے ہیں۔ اور نجوم خمسہ ہیں۔ جو زحل مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد ہیں۔ اور لفظ تخنس یہ نون کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ جو اپنے پیچھے کی جانب پلٹ جاتے ہیں۔ جب تو ستاروں کو برج کے آخر میں دیکھے تو وہ لوٹ کر اول مقام پر آجاتے ہیں۔ اور لفظ تکنس یہ نون کے کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی چھپنے کی جگہوں پر چھپ جاتے ہیں۔ اور رات کی قسم جب اس کی تاریکی جانے لگے۔ یعنی وہ تاریکی کے ساتھ آئے یا جائے۔ اور صبح کی قسم جب اس کی روشنی آنے لگے۔ یعنی اس کی روشنی لمبی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ دن بن جاتا ہے۔ بیشک یہ قرآن بڑی عزت و بزرگی والے رسول کا پڑھا ہوا کلام ہے۔ اور وہ جبرائیل ہے اور اس کی اضافت جبرائیل کی طرف اس لئے کی گئی ہے کیونکہ یہ اس کے ذریعے نازل ہوا ہے۔

ستارے، نیل گائے اور ہرن کا بیان

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سورہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اس نماز میں میں بھی مقتدیوں میں شامل تھا۔ (مسلم)

یہ ستاروں کی قسمیں کھائی گئی ہیں جو دن کے وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں یعنی چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں اور بھی صحابہ تابعین وغیرہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے بعض ائمہ نے فرمایا ہے طلوع کے وقت ستاروں کو خنس کہا جاتا ہے اور اپنی اپنی جگہ پر انہیں جوار کہا جاتا ہے اور چھپ جانے کے وقت انہیں کنس کہا جاتا ہے بعض نے کہا ہے اس سے مراد جنگلی گائے ہے یہ بھی مروی ہے کہ مراد ہرن ہے۔ ابراہیم نے حضرت مجاہد سے اس کے معنی پوچھے تو حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ہم نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا البتہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔ انہوں نے پھر سوال کیا کہ جو تم نے سنا ہو وہ کہو تو فرمایا ہم سنتے ہیں کہ اس سے مراد نیل گائے ہے جبکہ وہ اپنی جگہ چھپ جاتے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں جیسے حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو اسفل کا ضامن بنایا امام ابن جریر نے اس میں سے کسی کی تعیین نہیں کی اور فرمایا ہے ممکن ہے تینوں چیزیں مراد ہوں یعنی ستارے نیل گائے اور ہرن۔ عسعس کے معنی ہیں اندھیری والی ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگوں کو ڈھانپ لیا اور جانے لگی۔ صبح کی نماز کے وقت حضرت علی ایک مرتبہ نکلے اور فرمانے لگے کہ وتر کے بارے میں پوچھنے والے کہاں ہیں؟ پھر یہ آیت پڑھی۔

امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ رات جب جانے لگے کیونکہ اس کے مقابلہ میں ہے کہ جب صبح چمکنے لگے، شاعروں نے عسعس کو ادبر کے معنی میں باندھا ہے میرے نزدیک ٹھیک معنی یہ ہیں کہ قسم ہے رات کی جب وہ آئے اور اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے دن کی جب وہ آئے اور روشنی پھیلائے۔ ہاں بیشک اس لفظ کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہی ہیں۔ علماء اصول نے فرمایا ہے

کہ یہ لفظ آگے آنے اور پیچھے جانے کے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔اس بناء پر دونوں معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں۔اور قسم ہے صبح کی جبکہ وہ طلوع ہو اور روشنی کے ساتھ آئے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ تکویر، بیروت)

ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ۝ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ۝
وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ۝
جو قوت وہمت والے ہیں، مالک عرش کے حضور بڑی قدر ومنزلت والے ہیں۔واجب الاطاعت ہیں،
امانت دار ہیں۔اور (اے لوگو!) یہ تمہیں اپنی صحبت سے نوازنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیوانے
نہیں ہیں۔اور بیشک انہوں نے اس کو روشن کنارے پر دیکھا ہے۔

جبرائیل امین کے امین وحی ہونے کا بیان

"ذِی قُوَّة "أَیْ شَدِید الْقُوَی "عِنْد ذِی الْعَرْش "أَیْ اللّٰه تَعَالَی "مَكِین "ذِی مَكَانَة مُتَعَلِّق بِهِ عِنْد"مُطَاع ثَمَّ "تُطِیعهُ الْمَلَائِكَة فِی السَّمَاوَات "أَمِین "عَلَی الْوَحْی، "وَمَا صَاحِبكُمْ "مُحَمَّد صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُطِفَ عَلَی إِنَّهُ إِلَی آخِر الْمُقْسَم عَلَیْهِ "بِمَجْنُون "كَمَا زَعَمْتُمْ" وَلَقَدْ رَآهُ "رَأَی مُحَمَّد صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِیل عَلَی صُورَته الَّتِی خُلِقَ عَلَیْهَا "بِالْأُفُقِ الْمُبِین "الْبَیِّن وَهُوَ الْأَعْلَی بِنَاحِیَةِ الْمَشْرِق،

جو قوت وہمت والے ہیں یعنی مضبوط طاقت والے ہیں۔مالک عرش یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور بڑی قدر ومنزلت اور جاہ وعظمت والے ہیں۔یہاں پر ذی مکان یہ عند سے متعلق ہے۔واجب الاطاعت ہیں کیونکہ آسمانوں کے فرشتے ان کی اطاعت کرتے ہیں، وحی پر امانت دار ہیں۔اور (اے لوگو!) یہ تمہیں اپنی صحبت سے نوازنے والے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیوانے نہیں ہیں (جو فرماتے ہیں وہ حق ہوتا ہے)۔یہاں پر وما صاحبکم کا عطف انہ جو مقسم علیہ ہے اس پر ہے۔یعنی ایسے نہیں ہیں جس طرح تم نے گمان کیا ہوا ہے۔اور بیشک انہوں نے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو یعنی جبرائیل امین کو روشن کنارے پر دیکھا ہے۔یعنی اصلی صورت میں دیکھا۔جس پر وہ پیدا کیا گیا تھا جبکہ وہ مشرق کی جانب اونچے کنارے پر تھا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ذی قوة عند ذی العرش مكین: اس آیت اور اس سے اگلی آیت میں رسول کریم کی چند صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ رسول کریم بڑا طاقت ور ہے مالک عرش کی جناب میں اس کا رتبہ بڑا بلند ہے اور تمام ملائکہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ان کی امانت میں کسی کو ادنیٰ واہمہ بھی نہیں۔(جب لانے والا ان اوصاف عالیہ سے متصف ہو اور ان مراتب رفیعہ پر فائز ہو تو کون یہ خیال کرسکتا ہے کہ اس نے اس کلام میں کوئی کمی بیشی کی ہوگی)۔

ذی قوۃ یہ رسول کریم کی دوسری صفت ہے پہلی صفت آیت سابقہ میں کریم آئی ہے۔ رسول بوجہ مضاف الیہ مجرور ہے چونکہ صفت اعراب میں اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے اس لئے کریم مجرور آیا ہے۔ ذی قوۃ مضاف مضاف الیہ مل کر رسول کریم کی دوسری صفت ہے لہٰذا اعراب میں اپنے موصوف رسول کے تابع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ ذی قوۃ بڑی طاقت والا (بے شک یہ قرآن ایک معزز رسول کی زبانی ہے جو بڑی طاقت والا ہے)۔

عند: نزدیک، پاس۔ (اس کے) ہاں۔ ظرف زمان ظرف مکان دونوں طرح آیا ہے جیسے عندی مال۔ میرے پاس مال ہے) عند طلوع الشمس: سورج طلوع ہونے کے قریب۔ بطور مضاف استعمال ہوتا ہے۔ عند مضاف ذی العرش مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ۔ اپنے مضاف (عند) کا۔ صاحب عرش کے نزدیک۔ مکین: کون (باب نصر) مصدر سے صفت مشبہ کا صیغہ واحد مذکر۔ عزت والا۔ مرتبہ والا۔ جو صاحب عرش یعنی اللہ کے نزدیک بڑی عزت اور مرتبہ والا ہے یہ رسول کی تیسری صفت ہے۔

(تفسیر روح المعانی، سورہ تکویر، بیروت)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ○ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ○ فَأَيْنَ تَذْهَبُوْنَ○
اور وہ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں۔ اور وہ ہرگز کسی شیطان
مردود کا کلام نہیں ہے۔ پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب بیان کرنے میں سخاوت کرنے کا بیان

"وَمَا هُوَ" مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "عَلَى الْغَيْب" مَا غَابَ مِنْ الْوَحْي وَخَبَر السَّمَاء "بِضَنِينٍ" أَيْ بِمُتَّهَمٍ , وَفِي قِرَاءَة بِالضَّادِ , أَيْ بِبَخِيلٍ فَيَنْتَقِص شَيْئًا مِنْهُ" وَمَا هُوَ" أَيْ الْقُرْآن "بِقَوْلِ شَيْطَان "مُسْتَرِق السَّمْع" رَجِيم "مَرْجُوم" فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ" فَبِأَيِّ طَرِيق تَسْلُكُونَ فِي إنْكَاركُمْ الْقُرْآن وَإِعْرَاضكُمْ عَنْهُ،

اور وہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب کے بتانے پر بالکل بخیل نہیں ہیں یعنی وہ غیوب جو وحی اور آسمانی خبروں میں سے ہے۔ یعنی متہم نہیں اور ایک قرأت میں ضاد کے ساتھ یعنی بخیل نہیں کہ کسی چیز کو کم کرتے ہوں۔ اور وہ قرآن ہرگز کسی شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔ پھر اے بدبختو! تم قرآن کا انکار کر کے اور اس سے اعراض کر کے کدھر چلے جا رہے ہو۔

قرآن کے اس بیان کو غور سے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ عرف و معاشرے میں اس شخص کو بخیل کہتے ہیں جس کے پاس کثیر مال اور بڑی دولت ہو لیکن وہ خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچے تو اسے بخیل کہتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص ہو ہی غریب تو اسے مال نہ خرچ کرنے پر بخیل نہیں کہیں گے کیونکہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔ دیکھئے قرآن اس میں یہ شہادت بھی دے رہا ہے کہ لوگو! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم غیب کے وسیع خزانے عطا فرمائے ہیں اور ساتھ ہی انہیں یہ شان بھی عطا فرمائی ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب بیان فرمانے میں کسی

قسم کے بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ سر عام غیب کی خبریں بیان فرماتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں قیام فرمایا: اس مقام میں قیامت تک ہونے والی کسی چیز کو نہ چھوڑا مگر سب کو بیان فرما دیا۔ (الحدیث) (صحیح مسلم، ج ۲، ۲۹۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ○
وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○
یہ تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔ تم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو سیدھی راہ چلنا چاہے۔
اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قرآن مجید کا عالم جن وانس کیلئے نصیحت ہونے کا بیان

"اِنْ" "مَا" "هُوَ اِلَّا ذِكْر" "عِظَة" "لِلْعَالَمِيْنَ" "الْاِنْس وَالْجِنّ" "لِمَنْ شَاء مِنْكُمْ" "بَدَل مِنْ الْعَالَمِيْنَ بِإِعَادَةِ الْجَارّ" "أَنْ يَسْتَقِيم" "بِاتِّبَاعِ الْحَقّ" "وَمَا تَشَاءُونَ" "اِلاسْتِقَامَة عَلَى الْحَقّ" "إِلَّا أَنْ يَشَاء اللّٰه رَبّ الْعَالَمِيْنَ" "الْخَلَائِق اِسْتِقَامَتكُمْ عَلَيْهِ،

یہ قرآن تو تمام جہانوں یعنی عالم انس وجن کے لئے صحیفہ نصیحت ہے۔ تم میں سے ہر اس شخص کے لئے اس چشمہ سے ہدایت میسر آسکتی ہے جو ارادہ حق کے ساتھ سیدھی راہ چلنا چاہے۔ یہاں پر لمن شاء یہ اعادہ جار سے عالمین سے بدل ہے۔ اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو یعنی حق پر استقامت کیلئے جو اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ یعنی جو اللہ اپنی مخلوق کیلئے استقامت حق کو چاہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لمن شاء منکم ان یستقیم: یہ جملہ العلمین سے بدل ہے ان مصدریہ ہے۔ یستقیم بہ تاویل مصدر شاء کا مفعول ہے۔ ای لمن شاء منکم الاستقامۃ تم میں سے ان کے لئے جو استقامت کا خواستگار ہو یہ قرآن نصیحت ہے۔

یستقیم مضارع منصوب (بوجہ عمل ان) واحد مذکر غائب استقامۃ (استفعال) مصدر سے۔ سیدھا چلنا۔ راہ مستقیم پر چلنا۔ راہ راست پر چلنا اور اس پر ثابت قدم رہنا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ۔، جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اس پر قائم رہے۔

صحیح مسلم میں ہے:۔ سفیان بن عبد اللہ ثقفی نے بیان کیا کہ میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اسلام کی کوئی ایسی بات کہہ دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے اس کے متعلق کسی سے نہ پوچھنا پڑے۔ فرمایا۔ کہو امنت باللہ ثم استقم ۔ کہ میں خدا پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہ۔ یہ ق و م سے مشتق ہے اس مادہ سے کثیر التعداد مشتقات مختلف المعانی میں مستعمل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نیک اعمال ہونے کا بیان

صاحب تفسیر ضیاء القرآن رقمطراز ہیں:۔اور یہ حقیقت تو یہ ہے کہ تم از خود اس کی خواہش بھی نہیں کر سکتے جب تک کہ توفیق الٰہی دست گیری نہ کرے فہم وخرد کے سارے چراغ بجھے رہتے ہیں۔راہ راست پر ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا۔اور جب اس کی نظر لطف چارہ سازی کرتی ہے تو سب حجاب اٹھ جاتے ہیں اور ساری روکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان پوری یکسوئی کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔(تفسیر ضیاء القرآن،سورہ تکویر،لاہور)

سُوۡرَۃُ الۡاِنۡفِطَارِ

یہ قرآن مجید کی سورت الانفطار ہے

سورت الانفطار کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ انفطار مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، انیس آیات، اسّی کلمات، تین سوستائیس حروف ہیں۔

سورت انفطار کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت کے لفظ اِنفطَرَت سے ماخوذ ہے۔ انفطار مصدر ہے جس کے معنی پھٹ جانے کے ہیں۔ اس نام کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں آسمان کے پھٹ جانے کا ذکر آیا ہے۔ پس اسی سبب سے یہ سورت انفطار کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ○ وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ○ وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ○
وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ○ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ○
جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب سیارے گر کر بکھر جائیں گے۔ اور جب سمندر ابھر کر بہہ جائیں گے۔
اور جب قبریں زیروزبر کردی جائیں گی۔ ہر شخص جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔

بعض احوال قیامت کا بیان

" إِذَا السَّمَاءِ اِنۡفَطَرَتۡ " اِنۡشَقَّتۡ " وَإِذَا الۡكَوَاكِب اِنۡتَثَرَتۡ " اِنۡقَضَّتۡ وَتَسَاقَطَتۡ " وَإِذَا الۡبِحَار فُجِّرَتۡ " فُتِحَ بَعۡضهَا فِي بَعۡض فَصَارَتۡ بَحۡرًا وَاحِدًا وَاخۡتَلَطَ الۡعَذۡب بِالۡمِلۡحِ " وَإِذَا الۡقُبُور بُعۡثِرَتۡ " قُلِبَ تُرَابهَا وَبُعِثَ مَوۡتَاهَا وَجَوَاب إِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيۡهَا،
" عَلِمَتۡ نَفۡس "أَيۡ كُلّ نَفۡس وَقۡت هَذِهِ الۡمَذۡكُورَات وَهُوَ يَوۡم الۡقِيَامَة " مَا قَدَّمَتۡ " مِنۡ الۡأَعۡمَال " و " مَا " أَخَّرَتۡ " مِنۡهَا فَلَمۡ تَعۡمَلهُ،

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب سیارے گر کر بکھر جائیں گے۔ اور جب سمندر ابھر کر بہہ جائیں گے۔ یعنی بعض کو بعض پر کھول دیا جائے گا۔ تو ایک ہی بن جائے گا اور شریں اور شور سب مل جائے گا۔ اور جب قبریں زیروزبر کردی جائیں گی۔ یعنی ان کی

مٹی پلٹ دی جائے گی اور ان میں دفن مردوں کو زندہ کر دیا جائے گا۔ اور یہ اذا کا جواب ہے جس پر اس کا عطف کیا گیا ہے۔ ہر شخص جان لے گا جو اس نے اعمال کو آگے بھیجا ہے۔ یعنی مذکورہ وقت کو جان لے گا اور وہ قیامت کا دن ہے۔ اور جو پیچھے چھوڑا۔ یعنی جو اس نے عمل نہیں کیا ہے۔

قبروں کے زیروزبر ہو جانے کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے فرمایا آیت (السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ، المزمل:18) اور ستارے سب کے سب گر پڑیں گے اور کھاری اور میٹھے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ اور پانی سوکھ جائے گا قبریں پھٹ جائیں گی ان کے شق ہونے کے بعد مردے جی اٹھیں گے پھر ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو بخوبی جان لے گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دھمکاتا ہے کہ تم کیوں مغرور ہو گئے ہو؟ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب طلب کرتا ہو یا سکھاتا ہو، بعض نے یہ بھی کہا ہے بلکہ انہوں نے جواب دیا ہے کہ اللہ کے کرم نے غافل کر رکھا ہے، یہ معنی بیان کرنے غلط ہیں صحیح مطلب یہی ہے کہ اے ابن آدم اپنے باعظمت اللہ سے تو نے کیوں بیپرواہی برت رکھی ہے کس چیز نے تجھے اس کی نافرمانی پر اکسا رکھا ہے؟ اور کیوں تو اس کے مقابلے پر آمادہ ہو گیا ہے؟

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے ابن آدم تجھے میری جانب سے کسی چیز نے مغرور کر رکھا تھا؟ ابن آدم بتا تو نے میرے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ حضرت عمر نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ انسانی جہالت نے اسے غافل بنا رکھا ہے، ابن عمر ابن عباس وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے، قتادہ فرماتے ہیں اسے بہکانے والا شیطان ہے۔

حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے یہ سوال ہو تو میں جواب دوں گا کہ تیرے لٹکائے ہوئے پردوں نے۔ حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں میں تو کہوں گا کہ کریم کے کرم نے بے فکر کر دیا، بعض سخن شناس فرماتے ہیں کہ یہاں پر کریم کا لفظ لانا گویا جواب کی طرف اشارہ سکھانا ہے۔ لیکن یہ قول کچھ فائدے مند نہیں بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ کرم والوں کو اللہ کے کرم کے مقابلہ میں بد افعال اور برے اعمال نہ کرنے چاہئیں۔ کلبی اور مقاتل فرماتے ہیں کہ اسود بن شریق کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے۔ اس خبیث نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارا تھا اور اسی وقت چونکہ اس پر کچھ عذاب نہ آیا تو وہ پھول گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفطار، بیروت)

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۝
فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝
اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔ وہ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا،
پھر تجھے برابر کیا۔ جس صورت میں بھی چاہا اس نے تجھے ترکیب دے دیا۔ حقیقت تو یہ ہے تم اس کے برعکس روز جزا کو جھٹلاتے ہو۔

انسان کا دھوکہ کھا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الْإِنْسَان " الْكَافِر " مَا غَرَّك بِرَبِّك الْكَرِيم " حَتَّى عَصَيْته " الَّذِي خَلَقَك " بَعْد أَنْ لَمْ تَكُنْ " فَسَوَّاك " جَعَلَك مُسْتَوِي الْخِلْقَة , سَالِم الْأَعْضَاء " فَعَدَلَك " بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد : جَعَلَك مُعْتَدِل الْخَلْق مُتَنَاسِب الْأَعْضَاء لَيْسَتْ يَد أَوْ رِجْل أَطْوَل مِنْ الْأُخْرَى " فِي أَيّ صُورَة مَا " صِلَة " شَاءَ رَكَّبَك "" كَلَّا " رَدْع عَنْ الِاغْتِرَار بِكَرَمِ اللَّه تَعَالَى " بَلْ تُكَذِّبُونَ " أَيْ كُفَّار مَكَّة " بِالدِّينِ " بِالْجَزَاءِ عَلَى الْأَعْمَال،

اے انسان! یعنی کافر، تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ تو نے نافرمانی کی وہ جس نے تجھے پیدا کیا، جب تو کچھ نہ تھا۔ پھر تجھے درست کیا، یعنی اعضاء کا سلامتی کے ساتھ بنایا۔ پھر تجھے برابر کیا۔ یہاں پر لفظ عدلک یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی تخلیق میں مناسبت کے مطابق اعتدال میں بنایا ایسا نہیں کہ کوئی ہاتھ یا پاؤں دوسرے سے لمبا بنادیا ہو۔ جس صورت میں بھی چاہا، یہ مابعد کا صلہ ہے۔ اس نے تجھے ترکیب دے دیا۔ حقیقت تو یہ ہے اور تم یعنی کفار مکہ اس کے برعکس روز جزا کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ اس دن بدلہ دیا جائے گا۔

انسان کی تخلیق اور دلائل قدرت کا بیان

پھر فرماتا ہے وہ اللہ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر درست بنایا پھر درمیانہ قد وقامت بخشا خوش شکل اور خوبصورت بنایا، مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟ حالانکہ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر صحیح قامت بنایا پھر تجھے پہنا اڑھا کر چلنا پھرنا سکھایا آخر کار تیرا ٹھکانہ زمین کے اندر ہے تو نے خوب دولت جمع کی اور میری راہ میں دینے سے باز رہا یہاں تک کہ جب دم حلق میں آ گیا تو کہنے لگا میں صدقہ کرتا ہوں، بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ جس صورت میں چاہا ترکیب دی یعنی باپ کی ماں کی ماموں کی چچا کی صورت میں پیدا کیا۔ ایک شخص سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے ہاں بچہ کیا ہوگا؟ اس نے کہا یا لڑکا یا لڑکی۔ فرمایا کس کے مشابہ ہوگا؟ کہا یا میرے یا اس کی ماں کے۔ فرمایا خاموش ایسا نہ کہہ نطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے تو حضرت آدم تک کا نسب اس کے سامنے ہوتا ہے۔ پھر آپ نے آیت (فی ای صورۃٍ ما شاء رکبك) پڑھی اور فرمایا جس صورت میں اسنے چاہا تجھے چلایا۔

بخاری ومسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا میری بیوی کو جو بچہ ہوا ہے وہ سیاہ فام ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس اونٹ بھی ہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ کہا سرخ رنگ کے۔ فرمایا کہ ان میں کوئی چت کبرا بھی ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اس کا رنگ کا بچہ سرخ نر و مادہ کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ کہنے لگا شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو۔ آپ نے فرمایا اسی طرح تیرے بچے کے سیاہ رنگ کے ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہو۔ حضرت عکرمہ

فرماتے ہیں اگر چاہے بندر کی صورت بنا دے اگر چاہے سور کی۔ ابو صالح فرماتے ہیں اگر چاہے کتے کی صورت میں بنا دے اگر چاہے گدھے کی اگر چاہے سور کی قتادہ فرماتے ہیں یہ سب سچ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن وہ مالک ہمیں بہترین، عمدہ، خوش شکل اور دل لبھانے والی پاکیزہ پاکیزہ شکلیں صورتیں عطا فرماتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس کریم اللہ کی نافرمانیوں پر تمھیں آمادہ کرنے والی چیز صرف یہی ہے کہ تمھارے دلوں میں قیامت کی تکذیب ہے تم اس کا آنا ہی برحق نہیں جانتے اس لیے اس سے بے پرواہی برت رہے ہو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ انفطار، بیروت)

وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ٥ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ٥ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ٥
حالانکہ تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں۔ جو بہت عزت والے ہیں، لکھنے والے ہیں۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

نامہ اعمال کے کاتبین ملائکہ کا بیان

" وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ " مِنَ الْمَلَائِكَةِ لِأَعْمَالِكُمْ " كِرَامًا " عَلَى اللّٰهِ " كَاتِبِيْنَ " لَهَا " يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ " جَمِيْعه،

حالانکہ تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں۔ یعنی جو فرشتے تمہارے اعمال پر نگہبان ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عزت والے ہیں، لکھنے والے ہیں۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ یعنی سب جانتے ہیں۔

فرشتوں کا لوگوں کے اعمال کو لکھنے و باخبر رہنے کا بیان

تم یقین مانو کہ تم پر بزرگ محافظ اور کاتب فرشتے مقرر ہیں۔ تمھیں چاہیئے کہ انکا لحاظ رکھو وہ تمھارے اعمال لکھ رہے ہیں تمھیں برائی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت الگ نہیں ہوتے۔ تم انکا احترام کرو، غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو دیوار سے یا اوٹ سے ہی سہی یہ بھی نہ تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہی پردہ ہو جائے۔ (ابن ابی حاتم)

بزار کی اس حدیث کے الفاظ میں کچھ تغیر و تبدل ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے۔ اللہ کے ان فرشتوں سے شرماؤ۔ اس میں یہ بھی ہے کہ غسل کے وقت بھی یہ فرشتے دور ہو جاتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ کراما کاتبین بندے کے روزانہ اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے غلام کی بخش دیں۔ (بزار)

بزار کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے انسانوں کو اور ان کے اعمال کو جانتے پہچانتے ہیں جب کسی بندے کو نیکی میں مشغول پاتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں شخص نجات پا گیا فلاح حاصل کر گیا اور اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو آپس میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں ہلاک ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفطار، بیروت)

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۝
بیشک نیکوکار جنتِ نعمت میں ہوں گے۔ اور بے شک نافرمان لوگ یقیناً بھڑکتی آگ میں ہوں گے۔
وہ اس میں قیامت کے روز داخل ہوں گے۔

نیک لوگوں کیلئے جنت نعیم ہونے کا بیان

" إِنَّ الْأَبْرَار " الْـمُؤْمِنِينَ الصَّادِقِينَ فِي إِيمَانهمْ " لَفِي نَعِيم " جَنَّة " وَإِنَّ الْفُجَّار " الْكُفَّار " لَفِي جَحِيم " نَار مُحْرِقَة " يَصْلَوْنَهَا " يَدْخُلُونَهَا وَيُقَاسُونَ حَرّهَا " يَوْم الدِّين " الْجَزَاء

بیشک نیکوکار جنتِ نعمت میں ہوں گے۔ یعنی جو اہل ایمان اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ اور بے شک نافرمان لوگ یعنی کفار یقیناً بھڑکتی آگ میں ہوں گے۔ یعنی وہ دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس کی گرمی کو برداشت کریں گے۔ وہ اس میں قیامت کے روز داخل ہوں گے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار فرمانبردار، گناہوں سے دور رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جنت کی خوش خبری دیتا ہے حدیث میں ہے کہ انہیں ابرار اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے ماں باپ کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے، بدکار لوگ دائمی عذاب میں پڑیں گے، قیامت کے دن جو حساب کا اور بدلے کا دن ہے ان کا داخلہ اس میں ہوگا ایک ساعت بھی ان پر عذاب ہلکا نہ ہوگا نہ موت آئے گی نہ راحت ملے گی نہ ایک ذراسی دیر اس سے الگ ہوں گے۔ پھر قیامت کی بڑائی اور اس دن کی ہولناکی ظاہر کرنے کے لیے دو دو بار فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے معلوم کرایا کہ وہ دن کیسا ہے؟ پھر خود ہی بتلایا کہ اس دن کوئی کسی کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ عذاب سے نجات دلا سکے گا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی سفارش کی اجازت خود اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے۔

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝
یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝
اور وہ اس سے غائب نہ ہوسکیں گے۔ اور آپ نے کیا سمجھا کہ روز جزا کیا ہے۔ پھر آپ نے کیا جانا کہ روز جزا کیا ہے۔
جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا۔

دوزخیوں کا جہنم سے نہ نکل سکنے کا بیان

" وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ " بِمُخْرَجِينَ " وَمَا أَدْرَاك " أَعْلَمَك " مَا يَوْم الدِّين " " ثُمَّ مَا أَدْرَاك مَا يَوْم الدِّين " تَعْظِيم لِشَأْنِهِ " يَوْم " بِالرَّفْعِ ، أَيْ هُوَ يَوْم " لَا تَمْلِك نَفْس لِنَفْسٍ شَيْئًا " مِنْ

الْمَنْفَعَة " وَالْأَمْر يَوْمئِذٍ لِلّٰهِ " لَا أَمْر لِغَيْرِهِ فِيهِ أَيْ لَمْ يُمَكِّن أَحَدًا مِنْ التَّوَسُّط فِيهِ بِخِلَافِ الدُّنْيَا .

اور وہ اس سے غائب نہ ہوسکیں گے۔یعنی اس سے نکل نہ سکیں گے۔اور آپ نے کیا سمجھا کہ روز جزا کیا ہے۔پھر آپ نے کیا جانا کہ روز جزا کیا ہے۔یہ اہتمام امر کیلئے آیا ہے۔جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار یعنی نفع نہ رکھے گی۔یہاں پر لفظ یوم رفع کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی ھو یوم۔اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا۔جبکہ اس کے علاوہ کسی کا کوئی حکم نہ ہوگا۔یعنی بہ خلاف دنیا کے کوئی واسطہ بھی ممکن نہ ہوگا۔

ایسی دوزخ جس سے وہ کبھی باہر نہ نکلیں گے۔ما نافیہ۔ھا ضمیر واحد مونث غائب جس کا مرجع الجحیم ہے۔غائبین غیاث (باب ضرب) مصدر ضمیر سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر۔غائب ہونے والے۔چھپ جانے والا۔پوشیدہ ہونے والے۔ہم ضمیر جمع مذکر غائب۔فجار کے لئے ہے۔اور وہ فاجر لوگ کبھی دوزخ سے غائب نہ ہوں گے۔یعنی ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ہم ضمیر الفجار کی طرف راجع ہے۔اس میں الف لام عہد کا ہے اور معبود وہی تھا جو یوم دین کی تکذین کرتے ہیں یعنی کافر۔(تفسیر مظہری، سورہ انفطار،)
کوئی کافر کسی کافر کو نفع نہ پہنچا سکے گا۔(تفسیر خازن، سورہ انفطار، بیروت)

سُورَةُ الْمُطَفِّفِين

یہ قرآن مجید کی سورت مطففین ھے

سورت مطففین کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ مطففین ایک قول میں مکّیہ ہے اور ایک میں مدنیہ، اور ایک قول یہ ہے کہ زمانہ ہجرت میں مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی۔ اس سورت میں ایک رکوع، چھتیس آیات، ایک سو انہتر کلمات اور سات سو تیس حروف ہیں۔

سورت مطففین کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت ویل للمطففین سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی ہے کہ ماپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے ہلاکت ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت مطففین کے نام معروف ہوئی ہے۔

سورت مطففین کے شان نزول کا بیان

حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہ لوگ ناپ تول میں تمام لوگوں سے برے تھے اللہ نے یہ آیات نازل فرمائی۔ تو اس کے بعد یہ لوگ اچھے طریقے سے ناپ تول کرنے لگے۔

قرطبی کہتے ہیں کہ مدینہ میں تاجر ناپ تول میں کمی کرتے اور ان کی خرید وفروخت جوئے کے مشابہ ہوتی جیسے منابذہ (اس میں مشتری کنکر پھینکتا اور کہا جس کو یہ کنکر لگ جائے وہ میری ہے) ملامسہ اس میں مشتری جس چیز کو چھو لیتا اس میں بیع واجب ہو جاتی اور مخاطرہ (یعنی شرط بازی کرنا) اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تو آپ بازار کی طرف نکلے اور لوگوں پر اس کی تلاوت فرمائی۔

سدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں ایک ابوجہینہ نامی آدمی تھا اس کے پاس دو صاع تھے وہ ایک سے دوسروں کو ناپ کر دیتا اور دوسرے سے اپنے لیے ناپتا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(نیسا بوری 370، قرطبی 19۔250، زادالمسیر 9۔52)

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ○ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ○ وَ إِذَا كَالُوهُمْ
أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ○ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ○ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ○

ہلاکت ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔
اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ
وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔ ایک بڑے دن کے لیے۔

ماپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے ہلاکت کا بیان

" وَيْل " كَلِمَة عَذَاب , أَوْ وَادٍ فِي جَهَنَّم " لِلْمُطَفِّفِينَ "" الَّذِينَ إِذَا اِكْتَالُوا عَلَى " أَيْ مِنْ " النَّاس يَسْتَوْفُونَ " الْكَيْل " وَإِذَا كَالُوهُمْ " أَيْ كَالُوا لَهُمْ " أَوْ وَزَنُوهُمْ " أَيْ وَزَنُوا لَهُمْ " يُخْسِرُونَ " يُنْقِصُونَ الْكَيْل أَوْ الْوَزْن " أَلَا " اِسْتِفْهَام تَوْبِيخ " يَظُنّ " يَتَيَقَّن " أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ "" لِيَوْمٍ عَظِيم " أَيْ فِيهِ وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة،

لفظ ویل یہ کلمہ عذاب ہے۔ یا یہ جہنم میں ایک وادی ہے۔ ہلاکت ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں خود ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ یعنی ماپ تول میں وزن کم کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس بات کا یقین نہیں رکھتے، یہاں پر استفہام برائے توبیخ کے ہے۔ کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ایک بڑے دن کے لیے۔ اور وہ قیامت کا دن ہے۔

ناپ تول میں کمی کے سبب وعید کا بیان

نسائی اور ابن ماجہ میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ ناپ تول کے اعتبار سے بہت برے تھے۔ جب یہ آیت اتری پھر انہوں نے ناپ تول بہت درست کر لیا ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ہلال بن طلق نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مکے مدینے والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں نہ رکھتے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے آیت (وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ 83-المطففین:1) ہے۔ پس تطفیف سے مراد ناپ تول کی کمی ہے خواہ اس صورت میں کہ اوروں سے لیتے وقت زیادہ لے لیا اور دیتے وقت کم دیا۔ اسی لیے انہیں دھمکایا کہ یہ نقصان اٹھانے والے ہیں کہ جب اپنا حق لیں تو پورا لیں بلکہ زیادہ لے لیں اور دوسروں کو دینے بیٹھیں تو کم دیں۔ ٹھیک یہ ہے کہ کالوا اور وزنو کو متعدی مانیں اور ھُم کو محلاً منصوب کہیں گو بعض نے اسے ضمیر موکد مانا ہے۔ جو کالو اور وزنو کی پوشیدہ ضمیر کی تاکید کے لیے ہے اور مفعول محذوف مانا ہے جس پر دلالت کلام موجود ہے دونوں طرح مطلب قریب قریب ایک ہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مطففین، بیروت)

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
جس دن سب لوگ تمام جہانوں کے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔

تمام خلائق کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع ہونے کا بیان

"يَوْم " بَدَل مِنْ مَحَلّ لِيَوْمٍ فَنَاصِبه مَبْعُوثُونَ "يَقُوم النَّاس " مِنْ قُبُورهمْ "لِرَبِّ الْعَالَمِينَ " الْخَلَائِق لِأَجْلِ أَمْره وَحِسَابه وَجَزَائِهِ،

یہاں پر لفظ یوم یہ لیوم سے بدل ہے۔اس کا ناصب مبعوثون ہے۔جس دن سب لوگ اپنی قبروں سے نکل کر تمام جہانوں کے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔یعنی تمام مخلوقات اس کے حکم کی وجہ سے حساب وجزاء کیلئے نکلیں گی۔

قیامت کے دن اللہ کے حضور حاضر ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ(يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، جس دن سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے)۔کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس روز لوگ اس حالت میں کھڑے ہوں گے کہ وہ نصف کانوں تک پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔(جامع ترمذی:جلد دوم:حدیث نمبر 1286)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یہ تو بتایئے ، قیامت کے دن کہ جس کے بارے میں خدائے بزرگ و برتر یہ فرماتا ہے(يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)، المطففین : 6)(جس دن کہ تمام لوگ ایک ایک جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے، کس شخص کو(حساب کے لئے) اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی تاب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن مؤمن کے لئے آسان کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دن اس پر فرض نماز (کی ادائیگی کے وقت) کے بقدر رہ جائے گے۔(مشکوۃ شریف:جلد پنجم:حدیث نمبر 136)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے قرآن کے جن الفاظ کا حوالہ دیا،وہ دراصل پارہ عم کی سورت متطففین (ویل للمطففین) کی ایک چھوٹی سی آیت ہے،اس سورت میں قیامت کے دن کے احوال اور اس دن اعمال کی جزاء وسزا دیئے جانے کا ذکر ہے اور چونکہ وہ دن اللہ کے عدل وانصاف کے اظہار کا دن ہوگا اس مناسبت سے اس سورت میں خاص طور سے بعض ان اعمال پر وعید مذکورہ ہے جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں اور سماجی زندگی میں نہایت قابل نفرت سمجھتے ہیں جیسے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ان الفاظ میں تہدید کی گئی ہے کہ الا یظن اولئك انهم مبعوثون ليوم عظيم يوم يقوم الناس لرب العلمين کیا ان لوگوں کو(جو ناپ تول میں کمی کر کے حقوق العباد کو نقصان پہنچاتے ہیں) اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن کہ تمام لوگ ایک ایک جہاں کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے (پس اس دن سے ڈرنا چاہیئے اور ہر اس برائی سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے بندوں کے حقوق پر اثر پڑتا ہو،جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہو اور جس سے سماجی زندگی باہمی اطمینان واعتماد سے محروم ہوتی ہو، جیسے کم ناپنا اور کم تولنا۔

منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سورت کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت (یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) ، المطففین :6) پر پہنچے تو خوف وخشیت الٰہی سے بے حال ہو گئے اور ان پر گریہ طاری ہو گیا اور پھر اس طرح روئے کہ اس کے بعد کی آیتوں کی تلاوت جاری رکھنے پر قادر نہیں ہو سکے۔ بہر حال حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ ایک تو قیامت کا دن خود اپنے اندر ہول و دہشت اور خوف و پریشانی کے صد ہزار عالم لئے ہوگا اور اس پر اپنے اعمال کا کچا چٹھا لے کر خداوند ذوالجلال کی پر ہیبت بارگاہ میں پیش ہوگا، اس کے عدل وانصاف کی ہیبت اور اس کے لئے اس کی عدالت میں ،اس کی پر جلال بارگاہ میں کھڑا ہو سکے؟ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت عطا فرمائی کہ مسلمانوں کو بہر حال اطمینان رکھنا چاہئے کہ وہ دن اپنی تمام ہولناکیوں کے باوجود ان کے حق میں ایک آسان دن ہوگا وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کے سائے میں رہیں گے، اس لئے قیامت کا وہ پورا دن بس اتنے عرصہ میں گزر جائے گا جتنے عرصہ میں کوئی شخص فرض نماز پڑلیتا ہے پس اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ "مسلمان" سے مراد کامل مسلمان ہے، یعنی عقیدہ وفکر کے اعتبار سے پختہ وصالح ،اعمال وکردار کے اعتبار سے پاکباز ومتقی اور پروردگار کی اطاعت وعبادت میں کامل! اسی طرح "فرض نماز کے بقدر" سے مراد وہ عرصہ ہے جس میں فرض نماز کہ جس کی نہایت چار رکعتیں ہیں، ادا کی جاتی ہیں یا یہ کہ فرض نماز کا پورا وقت مراد ہے، یعنی جتنی دیر تک ایک فرض نماز ادا کرنے کا وقت رہتا ہے، اتنی دیر میں قیامت کا پورا دن گزر جائے گا رہی یہ بات کہ "مسلمانوں کے حق میں قیامت کے دن کا فرض نماز کی ادائیگی کے وقت کے بقدر ہونے" سے کیا یہ مراد ہے کہ ان کے حق میں قیامت کا دن واقعۃً اتنے مختصر سے عرصہ پر محیط ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ وہ دن ہوگا تو بہت زیادہ لمبا طویل لیکن مسلمانوں کو وہ اتنا بڑا دن بس ایسا محسوس ہوگا جیسے ایک فرض نماز کے وقت بقدر ہو کر گزر گیا ہو؟ تو اس سلسلہ میں یہی دوسرا پہلو مراد ہے یعنی وہ دن اپنی اتنی طوالت اور اتنی شدت وسختیوں کے باوجود مسلمانوں کے لئے اتنا ہلکا بنا دیا جائے گا کہ ان کو وہ پورا دن ایک فرض نماز کے مختصر ترین عرصہ کے بقدر گزرتا ہوا معلوم ہوگا جب کہ کافروں کے حق میں اس کے برعکس ہوگا۔

چنانچہ یہ تو اس دنیا میں بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وقت اور مقدار کے اعتبار سے شب وروز کی گردش ہر شخص کے لئے یکساں ہوتی ہے لیکن جو لوگ عیش وراحت اور خوشحالی کے ساتھ ہوتے ہیں ان کے لئے چوبیس گھنٹوں کے وہی دن ورات لمحوں کے برابر گزرتے محسوس ہوتے ہیں جو مصائب وآلام اور پریشان حالی میں مبتلا لوگوں کے لئے سالوں کے برابر گزرتے معلوم ہوتے ہیں اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ قیامت کے دن کا مسلمانوں کے حق میں آسان وہلکا ہونا یکساں نوعیت نہیں رکھے گا بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ وعمل کے مراتب کے اعتبار سے الگ الگ نوعیت رکھے گا کہ جو شخص دنیا میں اپنے عقیدہ وعمل کے اعتبار سے زیادہ کامل رہا ہوگا وہ اس دن کو اور وہاں کے احوال کو اتنا ہی زیادہ آسان وہلکا محسوس کرے گا اور دنیا میں جس شخص کا عقیدہ وعمل جتنا زیادہ کمزور رہا ہوگا وہ اس دن کو اتنا ہی کم آسان وہلکا محسوس کرے گا یہاں تک کہ کفار کو وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا، چنانچہ قرآن کریم کے ان الفاظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَ

ہِ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ،المعارج:4-5-6)"فرشتے اور(اہل ایمان کی)روحیں اس کے پاس(عالم بالا میں چڑھ کر جاتی ہیں(اور وہ عذاب)ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار(دنیا کے)پچاس ہزار سال کے برابر)ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم(اہل کفر کی مخالفت پر)صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو یہ لوگ(یعنی اہل کفر)اس دن کو(بدعقیدگی کی وجہ سے بعد از وقوع دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو(وقوع سے)قریب دیکھ رہے ہیں۔

"چنانچہ اس آیت میں "اس دن" سے مراد قیامت کا دن ہے جو اپنی درازی اور سختی کے اعتبار سے کفر کو اتنا لمبا معلوم ہوگا اور جس طرح ایمان کے مراتب میں تفاوت ہونے کی وجہ سے وہ ان اہل ایمان میں سے کچھ کو بہت آسان اور ہلکا معلوم ہوگا اور کچھ کو کم آسان اور ہلکا معلوم ہوگا، اسی اعتبار سے ایک آیت میں اس دن کو ایک ہزار سال کے برابر فرمایا گیا ہے پس بعض کافروں کو ہزار سال کے برابر اور بعض کافروں کو پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا۔(فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ،المدثر:8-9-10)"پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت(یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی۔"دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اہل ایمان پر وہ دن بہت ہلکا اور آسان ہوگا اور وہ ہلکا وآسان ہونا ان کے ایمان وعمل کے اعتبار سے تفاوت رکھے گا۔بہر حال اس حدیث میں مسلمانوں کے لئے واضح طور پر یہ ہدایت ہے کہ اگر وہ قیامت کے دن کو اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ آسان وہلکا اور جلد گزر جانے والا بنانا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان وعقیدہ کو زیادہ سے زیادہ پختہ بنائیں اور اپنی عملی زندگی کو زیادہ سے زیادہ طاعت وعبادت اور رضاء الٰہی کے کاموں سے مامور کریں۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝
وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُكَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝
یہ حق ہے کہ بدکرداروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔اور آپ نے کیا جانا کہ سجین کیا ہے۔ایک کتاب ہے،
واضح لکھی ہوئی۔اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہوگی۔جو لوگ روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔

کفار کا نامہ اعمال مقام سجین پر ہونے کا بیان

" كَلَّا " حَقًّا " إِنَّ كِتَاب الْفُجَّار " أَیْ كِتَاب أَعْمَال الْكُفَّار " لَفِی سِجِّین " قِیلَ هُوَ كِتَاب جَامِع لِأَعْمَالِ الشَّیَاطِین وَالْكَفَرَة , وَقِیلَ هُوَ مَكَان أَسْفَل الْأَرْض السَّابِعَة وَهُوَ مَحَلّ إِبْلِیس وَجُنُوده " وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّین " مَا كِتَاب سِجِّین " كِتَاب مَرْقُوم " مَخْتُوم " الَّذِینَ یُكَذِّبُونَ بِیَوْمِ الدِّین " الْجَزَاء بَدَل أَوْ بَیَان لِلْمُكَذِّبِینَ،

یہ حق ہے کہ بدکرداروں یعنی کفار کا نامہ اعمال سجین (یعنی دیوان خانہ جہنم) میں ہے۔کیا گیا ہے وہ شیاطین وکفار کے نامہ

اعمال کو جمع کرنے والی کتاب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سات زمینوں سے نچلا مکان ہے۔ اور وہ شیطان اور اس کے لشکر کا محل ہے۔ اور آپ نے کیا جانا کہ سجین کیا ہے۔ یعنی کتاب سجین کیا ہے۔ ایک کتاب ہے، واضح لکھی ہوئی۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہوگی۔ جو لوگ روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ یہاں پر الذین یہ مکذبین کیلئے بیان ہے یا بدل ہے۔

انتہائی المناک اور دکھ درد کی جگہ کا بیان

مطلب یہ ہے کہ برے لوگوں کا ٹھکانا سجین ہے یہ لفظ فعیل کے وزن پر سجن سے ماخوذ ہے سجن کہتے ہیں لغت میں تنگی کو ضیق شریب خمیر سکیر وغیرہ کی طرح یہ لفظ بھی سجین ہے پھر اس کی مزید برائیاں بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم نہیں وہ المناک اور ہمیشہ کے دکھ درد کی جگہ ہے مروی ہے کہ یہ جگہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔

حضرت براء بن عازب کی ایک مطول حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ کافر کی روح کے بارے میں جناب باری ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی کتاب سجین میں لکھ لو اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے کہا گیا ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے اور کہا گیا ہے کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے ابن جریر کی ایک غریب منکر اور غیر صحیح حدیث میں ہے کہ فلق جہنم کا ایک منہ بند کردہ کنواں ہے اور سجین کھلے منہ والا گڑھا ہے صحیح بات یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں تنگ جگہ جیل خانہ کے نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے یہاں تک کہ بالکل نیچے کی تہہ بہت تنگ ہے اور سب سے زیادہ تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسطی مرکز ہے چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے نیچے ہے۔

کتاب مرقوم یہ سجین کی تفسیر نہیں بلکہ یہ اس کی تفسیر ہے جو ان کے لیے لکھا جا چکا ہے کہ آخرش جہنم میں پہنچیں گے ان کا یہ نتیجہ لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے نہ اب اس میں کچھ زیادتی ہو نہ کمی، تو فرمایا ان کا انجام سجین ہونا ہماری کتاب میں پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے ان جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی ہوگی انہیں جہنم کا قید خانہ اور رسوائی والے المناک عذاب ہوں گے ویل کی مکمل تفسیر اس سے پہلے گزر چکی ہے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان کی ہلاکی بربادی اور خرابی ہے جیسے کہا جاتا ہے ویل لفلان مسند اور سنن کی حدیث میں ہے ویل ہے اس شخص کے لیے جو کوئی جھوٹی بات کہہ کر لوگوں کو ہنسانا چاہے اور اسے ویل ہے اسے ویل ہے پھر ان جھٹلانے والے بدکار کافروں کی مزید تشریح کی۔

اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو روز جزاء کو نہیں مانتے اسے خلاف عقل کہہ کر اس کے واقع ہونے کو محال جانتے ہیں پھر فرمایا کہ قیامت کا جھٹلانا انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے کاموں میں حد سے بڑھ جائیں اسی طرح اپنے اقوال میں گنہگار ہوں جھوٹ بولیں وعدہ خلافی کریں گالیاں بکیں وغیرہ یہ لوگ ہیں کہ ہماری آیتوں کو سن کر انہیں جھٹلاتے ہیں بدگمانی کرتے ہیں اور کہہ گزرتے ہیں کہ پہلی کتابوں سے کچھ جمع اکٹھا کر لیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مطففین، بیروت)

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور اسے کوئی نہیں جھٹلاتا سوائے ہر اس شخص کے جو سرکش و گنہگار ہے۔ جب اس پر ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

قرآن کی تکذیب کرنے والوں کیلئے ہلاکت کا بیان

"وَمَا يُكَذِّب بِهِ إِلَّا كُلّ مُعْتَدٍ" مُتَجَاوِز الْحَدّ "أَثِيم" صِيغَة مُبَالَغَة "إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتنَا" الْقُرْآن "قَالَ أَسَاطِير الْأَوَّلِينَ" الْحِكَايَات الَّتِي سُطِّرَتْ قَدِيمًا جَمْع أُسْطُورَة بِالضَّمِّ أَوْ إِسْطَارَة بِالْكَسْرِ

اور اسے کوئی نہیں جھٹلاتا سوائے ہر اس شخص کے جو سرکش و گنہگار ہے۔ یعنی حد سے بڑھنے والا ہے۔ اثیم یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جب اس پر ہماری آیتیں یعنی قرآنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا یا سمجھتا ہے کہ یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یعنی پرانی کہانیاں ہیں۔ جو لکھی گئی ہیں۔ اساطیر یہ اسطورۃ کی جمع ہے جو ضمہ کے ساتھ یا اسطارۃ کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ، النحل:24) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا کچھ نازل فرمایا تو کہتے ہیں اگلوں کے افسانے ہیں اور جگہ ہے آیت (وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ وعشیا) یعنی یہ کہتے ہیں کہ اگلوں کے قصے ہیں جو اسے صبح شام لکھوائے جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جواب میں فرماتا ہے کہ واقعہ ان کے قول اور ان کے خیال کے مطابق نہیں بلکہ دراصل یہ قرآن کلام الٰہی ہے اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے پر نازل کی ہے ہاں ان کے دلوں پر ان کے بداعمال نے پردے ڈال دیئے ہیں گناہوں اور خطاؤں کی کثرت نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے کافروں کے دلوں پر رین ہوتا ہے اور نیک کار لوگوں کے دلوں پر غیم ہوتا ہے ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی پھیلتی جاتی ہے اسی کا بیان کلا بل ران میں ہے نسائی کے الفاظ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔

كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

ہرگز نہیں، بلکہ زنگ بن کر چھا گیا ہے ان کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے۔

دلوں پر زنگ چڑھ جانے کا بیان

"كَلَّا" رَدْع وَزَجْر لِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ "بَلْ رَانَ" غَلَبَ "عَلَى قُلُوبهمْ" فَغَشِيَهَا "مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ" مِنْ الْمَعَاصِي فَهُوَ كَالصَّدَأ،

یہاں پر لفظ کلا یہ ردع اور زجر کیلئے آیا ہے جو ان کا قول تھا۔ ہرگز نہیں، بلکہ زنگ بن کر چھا گیا ہے ان کے دلوں پر جو وہ کماتے

تھے۔یعنی وہ برے زنگ کی طرح ہیں۔

گناہوں کے سبب دلوں پر سیاہ نقطہ لگ جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔پھر وہ اگر اسے ترک کر دے یا استغفار کرے اور توبہ کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر دوبارہ گناہ کرے تو سیاہی بڑھا دی جاتی ہے۔

یہاں تک کہ وہ سیاہی اس کے دل پر چھا جاتی ہے اور یہی وہ ران ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ، ہرگز نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے)۔میں کیا ہے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1285)

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ○ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ○
ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ○
حق یہ ہے کہ بیشک اس دن انہیں اپنے رب کے دیدار سے پسِ پردہ کر دیا جائے گا۔پھر وہ دوزخ میں
جھونک دیئے جائیں گے۔پھر کہا جائے گا یہی ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

کفار کیلئے دیدار الٰہی نہ ہونے کا بیان

" كَلَّا " حَقًّا " إِنَّهُمْ عَنْ رَبّهمْ يَوْمئِذٍ " يَوْم الْقِيَامَة " لَمَحْجُوبُونَ " فَلَا يَرَوْنَهُ" ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيم " لَدَاخِلُو النَّار الْمُحْرِقَة" ثُمَّ يُقَال " لَهُمْ " هَذَا " أَيْ الْعَذَاب " الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ "

حق یہ ہے کہ بیشک اس دن یعنی قیامت کے دن انہیں اپنے رب کے دیدار سے محروم کرنے کے لئے پسِ پردہ کر دیا جائے گا۔پس وہ دیکھ نہ سکیں گے۔پھر وہ دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے۔یعنی ان کو جلتی ہوئی آگ میں داخل کر دیا جائے گا۔پھر ان سے کہا جائے گا یہی عذاب ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان عذابوں میں مبتلا ہو کر دیدار باری سے بھی محروم اور محجوب کر دیئے جائیں گے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ مومن قیامت کے دن دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے امام صاحب کا یہ فرمان بالکل درست ہے اور آیت کا صاف مفہوم یہی ہے اور دوسری جگہ کھلے الفاظ میں بھی یہ بیان موجود ہے فرمان ہے آیت (وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ، القیامۃ :22) یعنی اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے

صحیح اور متواتر احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ ایمان دار قیامت والے دن اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے قیامت کے میدان میں اور جنت کے نفیس باغیچوں میں دیکھیں گے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حجاب ہٹ جائیں گے اور مومن اپنے رب کو دیکھیں گے اور کافر پھر کافروں کو پردوں کے پیچھے کر دیا جائیگا البتہ مومن ہر صبح و شام پروردگار عالم کا دیدار حاصل کریں گے یا اسی جیسا اور کلام ہے پھر فرماتا ہے کہ برے لوگ نہ صرف دیدار الٰہی سے ہی محروم رہیں گے بلکہ یہ لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور انہیں حقارت ذلت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر غصہ کے ساتھ کہا جائیگا کہ یہی وہ ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مطففین، بیروت)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ○ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ○ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ○
یہ حق ہے کہ بیشک نیکوکاروں کا نوشتہ اعمال علّیّین میں ہے۔ اور آپ نے کیا جانا کہ علّیّین کیا ہے۔
ایک کتاب ہے، واضح لکھی ہوئی۔ جس کے پاس مقرب حاضر رہتے ہیں۔

نیک لوگوں کا نامہ اعمال مقام علیین پر ہونے کا بیان

" كَلَّا " حَقًّا " إِنَّ كِتَاب الْأَبْرَار " أَيْ كِتَاب أَعْمَال الْمُؤْمِنِينَ الصَّادِقِينَ فِي إِيمَانهمْ " لَفِي عِلِّيِّينَ " قِيلَ هُوَ كِتَاب جَامِع لِأَعْمَالِ الْخَيْر مِنْ الْمَلَائِكَة وَمُؤْمِنِي الثَّقَلَيْنِ , وَقِيلَ هُوَ مَكَان فِي السَّمَاء السَّابِعَة تَحْت الْعَرْش " وَمَا أَدْرَاك " أَعْلَمَك " مَا عِلِّيُّونَ " مَا كِتَاب عِلِّيِّينَ " كِتَاب مَرْقُوم " مَخْتُوم " يَشْهَدهُ الْمُقَرَّبُونَ " مِنْ الْمَلَائِكَة،

یہ بھی حق ہے کہ بیشک نیکوکاروں کا نوشتہ اعمال علّیّین یعنی دیوان خانہ جنت میں ہے۔ یعنی وہ اہل ایمان جو اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ بھلائی کے اعمال کو جمع کرنے والی کتاب جو اہل ایمان اور فرشتوں کی ہے اور کہا گیا ہے وہ مقام عرش کے نیچے ساتویں آسمان پر ہے۔ اور آپ نے کیا جانا کہ علّیّین کیا ہے۔ یعنی وہ کتاب کیا ہے۔ ایک کتاب ہے، واضح لکھی ہوئی۔ جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

نعمتوں، راحتوں اور عزت وجلال کی جگہ کا بیان

بدکاروں کا حشر بیان کرنے کے بعد اب نیک لوگوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ٹھکانا علیین ہے جو کہ سجین کے بالکل برعکس ہے حضرت ابن عباس نے حضرت کعب سے سجین کا سوال کیا تو فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اس میں کافروں کی روحیں ہیں اور علیین کے سوال کے جواب میں فرمایا یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنوں کی روحیں ہیں ابن عباس فرماتے ہیں مراد اس سے جنت ہے عوفی آپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ کے نزدیک آسمان میں ہیں قتادہ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے ظاہر یہ ہے کہ لفظ علو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے۔ جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہوگی

اسی قدر بڑی اور کشادہ ہوگی اس لیے اس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لیے فرمایا تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں پھر اس کی تاکید کی کہ یہ یقینی چیز ہے کتاب میں لکھی جا چکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائیں گے جس کے پاس ہر آسمان کے مقرب فرشتے جاتے ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ مطففین، بیروت)

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ○ عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُونَ○ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ○
بے شک نیک لوگ یقیناً بڑی نعمت میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔
تو ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچانے گا۔

نیک لوگوں کا جنت نعیم میں ہونے کا بیان

" إِنَّ الْأَبْرَار لَفِي نَعِيم " جَنَّة" عَلَى الْأَرَائِك " السُّرَر فِي الْحِجَال "يَنْظُرُونَ " مَا أُعْطُوا مِنْ النَّعِيم" تَعْرِف فِي وُجُوههمْ نَضْرَة النَّعِيم " بَهْجَة التَّنَعُّم وَحُسْنه

بے شک نیک لوگ یقیناً بڑی نعمت میں ہوں گے۔ یعنی جنتی خیموں کی مسہریوں پر ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔ جو انہیں جنت سے عطاء کیا گیا ہوگا۔ تو ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچانے گا۔ یعنی نعمتوں اور حسن کے سبب رونق والے ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے دن یہ نیکو کار دائمی والی نعمتوں اور باغات میں ہوں گے یہ مسہریوں پر بیٹھے ہوں گے اپنے ملک و مال نعمتوں راحتوں عزت و جاہ مال و متاع کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے یہ خیر و فضل یہ نعمت و رحمت نہ کبھی کم ہو نہ گم ہو نہ گھٹے نہ مٹے اور یہ بھی معنی ہیں کہ اپنی آرام گاہوں میں تخت سلطنت پر بیٹھے دیدار اللہ سے مشرف ہوتے رہیں گے تو گویا کہ فاجروں کے بالکل برعکس ہوں گے ان پر دیدار باری حرام تھا ان کے لیے ہر وقت اجازت ہے جیسے کہ ابن عمر کی حدیث میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ سب سے نیچے درجے کا جنتی اپنے ملک اور ملکیت کو دو ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس طرح اس کی نظروں کے سامنے ہوں گی جس طرح سب سے اول چیز۔ اور اعلیٰ درجہ کے جنتی تو دن بھر میں دو دو مرتبہ دیدار باری کی نعمت سے اپنے دل کو مسرور اور اپنی آنکھوں کو پرنور کریں گے ان کے چہرے پر کوئی نظر ڈالے تو بیک نگاہ آسودگی اور خوش حالی جاہ و حشمت شوکت و سطوت خوشی و سرور بہجت و نور دیکھ کر ان کا مرتبہ تاڑ لے اور سمجھ لے کہ راحت و آرام میں خوش و خرم ہیں جنتی شراب کا دور چلتا رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مطففین، بیروت)

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ○ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ○
وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ○ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ○

انھیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوگی۔اس کی مہر کستوری ہوگی اور اسی میں ان لوگوں کو مقابلہ کرنا لازم ہے
جو مقابلہ کرنے والے ہیں۔اور اس کی ملاوٹ تسنیم سے ہوگی۔ایک چشمہ ہے جہاں سے صرف اہل قربت پیتے ہیں۔

اہل جنت کیلئے شراب طہور ہونے کا بیان

" يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيق " خَمْر خَالِصَة مِنْ الدَّنَس " مَخْتُوم " عَلَى إِنَائِهَا لَا يَفُكّ خَتْمه غَيْرهمْ " خِتَامه مِسْك " أَيْ آخِر شُرْبه تَفُوح مِنْهُ رَائِحَة الْمِسْك " وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسْ الْمُتَنَافِسُونَ " فَلْيَرْغَبُوا بِالْمُبَادَرَةِ إِلَى طَاعَة اللَّه " وَمِزَاجه " أَيْ مَا يُمْزَج بِهِ " مِنْ تَسْنِيم " فُسِّرَ بِقَوْلِهِ " عَيْنًا "" عَيْنًا " فَنَصَبَهُ بِأَمْدَحَ مُقَدَّرًا " يَشْرَب بِهَا الْمُقَرَّبُونَ " مِنْهَا , أَوْ ضَمَّنَ يَشْرَب مَعْنَى يَلْتَذّ،

انھیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی یعنی جو میل سے صاف ستھری ہوگی۔اس کی صراحی بند ہوگی جس کو وہ خود توڑیں گے۔ جس پر مہر لگی ہوگی۔یعنی اس کے آخری گھونٹ میں خوشبو مہک رہی ہوگی۔اس کی مہر کستوری ہوگی اور اسی کو حاصل کرنے میں ان لوگوں کو مقابلہ کرنا لازم ہے جو کسی چیز کے حاصل کرنے میں مقابلہ کرنے والے ہیں۔لہٰذا ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سبقت کرنا ہے۔اور اس کی ملاوٹ تسنیم سے ہوگی۔یہ تسنیم ایک چشمہ ہے۔یعنی جس کی تفسیر عینا سے کی گئی ہے اور لفظ عینا یہ امدح مقدر کے سبب منصوب ہے۔جہاں سے صرف اہل قربت پیتے ہیں۔یہاں پر یشرب یہ یلتذ کے معنی کو لازم ہے۔

رحیق جنت کی ایک قسم کی شراب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اسے رحیق مختوم پلائے گا یعنی جنت کی مہر والی شراب اور جو کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا (مسند احمد)

ختام کے معنی ملونی اور آمیزش کے ہیں اسے اللہ نے پاک صاف کر دیا ہے اور مشک کی مہر لگا دی ہے یہ بھی معنی ہیں کہ انجام اس کا مشک ہے یعنی کوئی بدبو نہیں بلکہ مشک کی سی خوشبو ہے چاندی کی طرح سفید رنگ شراب ہے۔جس قدر مہر لگے گی یا ملاوٹ ہوگی اس قدر خوشبو والی ہے کہ اگر کسی اہل دنیا کی انگلی اس میں تر ہو جائے پھر چاہے اسی وقت اسے وہ نکال لے لیکن تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک جائے اور ختام کے معنی خوشبو کے بھی کیے گئے ہیں پھر فرماتا ہے کہ حرص کرنے والے فخر و مباہات کرنے والے کثرت اور سبقت کرنے والوں کو چاہیے کہ اس کی طرف تمام تر توجہ کریں جیسے اور جگہ ہے آیت (لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ، الصافات:61) ایسی چیزوں کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے تسنیم جنت کی بہترین شراب کا نام ہے یہ ایک نہر ہے جس سے سابقین لوگ تو برابر پیا کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے اپنی شراب رحیق میں ملا کر پیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ○ وَاِذَا مَرُّوْا
بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ○ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ○
بیشک مجرم لوگ ایمان والوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔اور جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے
اشارے کیا کرتے تھے۔اور جب اپنے گھر والوں کے پاس واپس آتے تو خوشیاں کرتے ہوئے واپس آتے تھے۔

کافر اہل ایمان کا دنیا میں مذاق اڑاتے تھے

" إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا " كَأَبِي جَهْل وَنَحْوه " كَانُوا مِنْ الَّذِينَ آمَنُوا " كَعَمَّارٍ وَبِلَال وَنَحْوهمَا " يَضْحَكُونَ " اِسْتِهْزَاء بِهِمْ

" وَإِذَا مَرُّوا " أَيْ الْمُؤْمِنُونَ " بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ " يُشِير الْمُجْرِمُونَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ بِالْجَفْنِ وَالْحَاجِب اِسْتِهْزَاء

" وَإِذَا انْقَلَبُوا " رَجَعُوا " إِلَى أَهْلهمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ " وَفِي قِرَاءَة فَكِهِينَ مُعْجَبِينَ بِذِكْرِهِمْ الْمُؤْمِنِينَ

بیشک مجرم لوگ جو ابوجہل وغیرہ ہیں۔ایمان والوں یعنی حضرت عمار و بلال رضی اللہ عنہما وغیرہما کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔اور جب وہ ان اہل ایمان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے۔یعنی مذاق کے طور پر ہنستے۔اور جب اپنے گھر والوں کے پاس واپس آتے تو خوشیاں کرتے ہوئے واپس آتے تھے۔یہاں پر لفظ فکہین ایک قرأت کے مطابق فکھین آیا ہے۔یعنی اہل ایمان کے ذکر پر تعجب کرتے تھے۔

دنیا میں تو ان کافروں کی خوب بن آئی تھی ایمان داروں کو مذاق میں اڑاتے رہے، چلتے پھرتے آواز کستے رہے اور حقارت و تذلیل کرتے رہے اور اپنے والوں میں جا کر خوب باتیں بناتے تھے جو چاہتے تھے پاتے تھے لیکن شکر تو کہاں اور کفر پر آمادہ ہو کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے تھے اور چونکہ مسلمان ان کی مانتے نہ تھے تو یہ انہیں گمراہ کہا کرتے تھے اللہ فرماتا ہے کچھ یہ لوگ محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے انہیں مومنوں کی کیا پڑی کیوں ہر وقت ان کے پیچھے پڑے ہیں۔

اور ان کے اعمال افعال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں اور طعنہ آمیز باتیں بناتے رہتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے اخسؤا فیھا الخ یعنی اس جہنم میں پڑے جھلستے رہو مجھ سے بات نہ کرو میرے بعض خاص بندے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر تو سب سے بڑا رحم و کرم کرنے والا ہے تو تم نے انہیں مذاق میں اڑایا اور اس قدر غافل ہوئے کہ میری یاد بھلا بیٹھے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ مطففین، بیروت)

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝
اور جب انھیں دیکھتے تو کہا کرتے تھے بلاشبہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ پس آج اہل ایمان کافروں پر ہنس رہے ہیں۔ تختوں پر نظارہ کر رہے ہیں۔ کیا کافروں کو اس کا بدلہ دیا گیا جو وہ کیا کرتے تھے؟

اہل جنت کا جنت میں بیٹھ کر کفار کے عذاب پر ہنسنے کا بیان

" وَإِذَا رَأَوْهُمْ " أَيْ الْمُؤْمِنِينَ " قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ " لِإِيمَانِهِمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " وَمَا أُرْسِلُوا " أَيْ الْكُفَّار " عَلَيْهِمْ " عَلَى الْمُؤْمِنِينَ " حَافِظِينَ " لَهُمْ أَوْ لِأَعْمَالِهِمْ حَتَّى يَرُدُّوهُمْ إِلَى مَصَالِحهمْ " " فَالْيَوْم " أَيْ يَوْم الْقِيَامَة " الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ الْكُفَّار يَضْحَكُونَ "" عَلَى الْأَرَائِك " فِي الْجَنَّة " يَنْظُرُونَ " مِنْ مَنَازِلهمْ إِلَى الْكُفَّار وَهُمْ يُعَذَّبُونَ فَيَضْحَكُونَ مِنْهُمْ كَمَا ضَحِكَ الْكُفَّار مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا " هَلْ ثُوِّبَ " جُوزِيَ " الْكُفَّار مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ " نَعَمْ .

اور جب انھیں یعنی اہل ایمان کو دیکھتے تو کہا کرتے تھے بلاشبہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ حالانکہ وہ کفار ان اہل ایمان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ یا ان کے اعمال کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا۔ کہ وہ انہیں اصلاح کی طرف لائیں۔ پس آج قیامت کے دن اہل ایمان کافروں پر ہنس رہے ہیں۔ جو جنت میں تختوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہیں۔ یعنی وہ اپنے مکانوں سے کفار کی جانب دیکھیں گے اور وہ کفار عذاب میں ہوں گے تو اہل جنت ان پر اسی طرح ہنسیں گے جس طرح وہ کفار دنیا میں ان اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔ کیا کافروں کو اس کا بدلہ دیا گیا جو وہ کیا کرتے تھے؟ ہاں۔

دیکھو آج میں نے انہیں ان کے صبر کا یہ بدلا دیا ہے کہ وہ ہر طرح کامیاب ہیں یہاں بھی اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ آج قیامت کے دن ایماندار ان بدکاروں پر ہنس رہے ہیں اور تختوں پر بیٹھے اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہیں جو اس کا صاف ثبوت ہے کہ یہ گمراہ نہ تھے گو تم انہیں گم کردہ راہ کہا کرتے تھے بلکہ یہ دراصل اولیاء اللہ تھے مقربین اللہ تھے اسی لیے آج اللہ کا دیدار ان کی نگاہوں کے سامنے ہے یہ اللہ کے مہمان ہیں اور اس کے بزرگی والے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں جیسا کچھ ان کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں کیا تھا اس کا پورا بدلہ انہیں آخرت میں مل گیا یا نہیں؟ ان کے مذاق کے بدلے آج ان کی ہنسی اڑائی گئی یہ ان کا مرتبہ گھٹاتے تھے اللہ نے ان کا مرتبہ بڑھایا غرض پورا پورا اتمام وکمال بدلہ دے دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مطففین، بیروت)

سُورَۃُ الْاِنْشِقَاقِ

یہ قرآن مجید کی سورت انشقاق ھے

سورت انشقاق کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ انشقت جس کو سورہ انشقاق بھی کہتے ہیں مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، پچیس آیات، ایک سو سات کلمات، چار سو تیس حروف ہیں۔

سورت انشقاق کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت کے لفظ انشقت سے ماخوذ ہے۔ انشقاق مصدر ہے جس کے معنی پھٹ جانے کے ہیں اور اس نام کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر آیا ہے۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت انشقاق کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت انشقاق کی تلاوت اور سجدہ کرنے کا بیان

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں آیت (اذا السماء انشقت) کی سورت پڑھی اور سجدہ کیا اور فارغ ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا تھا یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے بخاری میں ہے حضرت ابو رافع فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی آپ نے اس میں آیت (اذا السماء انشقت) کی تلاوت کی اور سجدہ کیا میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا ہے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سورت کو نماز میں پڑھا اور آیت سجدہ پر سجدہ کیا اور مقتدیوں نے بھی سجدہ کیا) پس میں تو جب تک آپ سے ملوں گا (اس موقعہ پر) سجدہ کرتا رہوں گا (یعنی مرتے دم تک) اس حدیث کی سندیں اور بھی ہیں اور صحیح مسلم شریف اور سنن میں مروی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سورہ آیت (اذا السماء انشقت) میں اور سورہ آیت (اقراء باسم ربك الذی خلق) میں سجدہ کیا۔ (موطا امام مالک)

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ○ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ○ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ○
وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ○ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ○

جب آسمان پھٹ جائے گا۔اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔اور اس میں جو کچھ ہے اسے باہر پھینک دے گی
اور خالی ہو جائے گی۔اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی اور یہی اس کا حق ہے۔

قیامت کے دن زمین و آسمان کا اللہ کے حکم کی اطاعت کرنے کا بیان

" وَأَذِنَتْ " سَمِعَتْ وَأَطَاعَتْ فِي الِانْشِقَاق " لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ " أَيْ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَسْمَع وَتُطِيع " وَإِذَا الْأَرْض مُدَّتْ " زِيدَ فِي سَعَتهَا كَمَا يُمَدّ الْأَدِيم وَلَمْ يَبْقَ عَلَيْهَا بِنَاء وَلَا جَبَل " وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا " مِنْ الْمَوْتَى إِلَى ظَاهِرهَا " وَتَخَلَّتْ " عَنْهُ " وَأَذِنَتْ " سَمِعَتْ وَأَطَاعَتْ فِي ذَلِكَ " لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ " وَذَلِكَ كُلّه يَكُون يَوْم الْقِيَامَة , وَجَوَاب إِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا مَحْذُوف دَلَّ عَلَيْهِ مَا بَعْده تَقْدِيره لَقِيَ الْإِنْسَان عَمَله،

جب آسمان پھٹ جائے گا۔یعنی اللہ تعالی کے حکم پر کان لگائے ہوئے ہے جیسے ہی حکم سنے گا پھٹ جانے میں اس حکم کی تعمیل کرے گا۔اور اس کیلئے یہی حکم ہے کہ حکم کو جیسے ہی سنے گا اس کی اطاعت کرے گا۔اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔یعنی اس کی وسعت میں اضافہ کر دیا جائے گا جس طرح چمڑے کو پھیلا دیا جاتا ہے۔لہٰذا تب اس پر کوئی پہاڑ اور عمارت باقی نہ رہے گی۔اور اس میں جو یعنی مردے وغیرہ ہیں اسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔یعنی یہ جیسے ہی حکم کو سنے گی اس کی طاعت کرے گی۔اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی اور یہی اس کا حق ہے۔یہ سب کچھ قیامت کے دن ہوگا۔اور یہ اذا کا جواب ہے جس پر اس کا عطف کیا گیا ہے۔اور اس کے مابعد محذوف کی اس پر دلالت ہے۔یعنی لقی الانسان عملہ ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز زمین کو اس طرح کھینچ کر پھیلایا جائے گا جیسے چمڑے (یا ربڑ) کے کھینچ کر بڑا کر دیا جاتا ہے،مگر اس کے باوجود میدان حشر جو اس زمین پر ہوگا اس میں ابتداء دنیا سے قیامت تک کہ تمام انسان جمع ہوں گے تو صورت یہ ہوگی کہ ایک آدمی کے حصہ میں صرف اتنی زمین ہوگی جس پر اس کے پاؤں ہیں۔(مستدرک حاکم)

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝
اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے میں سخت مشقتیں برداشت کرتا ہے بالآخر تجھے اسی سے جا ملنا ہے۔

موت کے ذریعے انسان کا اپنے مالک ہاں حاضر ہونے کا بیان

" يَا أَيُّهَا الْإِنْسَان إِنَّك كَادِح " جَاهِد فِي عَمَلك " إِلَى " لِقَاء " رَبّك " وَهُوَ الْمَوْت " كَدْحًا فَمُلَاقِيه " أَيْ مُلَاقٍ عَمَلك الْمَذْكُور مِنْ خَيْر أَوْ شَرّ يَوْم الْقِيَامَة،

اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے میں سخت مشقتیں برداشت کرتا ہے بالآخر تجھے اسی سے جا ملنا ہے۔اور وہ موت ہے۔

جس کے سبب تجھے ملنا ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن اچھے یا برے عمل سے ملنے والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

(6:84) یاایھا الانسان ۔ یا حرف ندا ہے۔ ایھا جب منادی پر الف لام داخل ہو تو مذکر میں ایھا اور مونث میں ایتھا یاء کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے الانسان میں منادی پر چونکہ الف لام داخل ہے اس لئے حرف نداء کے بعد الف لام بڑھا دیا گیا ہے یاایھا الانسان۔ اے آدمی۔ اے انسان۔ مونث کی مثال ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنة (27:89) اے اطمینان پانے والی روح۔

الانسان منادی سے متعلق مختلف اقوال کا بیان

(1) بعض نے کہا ہے کہ الانسان سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے معنی یہ لئے ہیں کہ اے انسان الیعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ابلاغ رسالت میں اور ارشاد و تعلیم میں جو کوشش بلیغ اور سرگرمی دکھا رہے ہیں آپ اس کا نیک بدلہ ضرور پائیں گے آپ کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔

(2) بعض کے نزدیک اس سے مراد کافر ابوجہل و ابی بن خلف ہے کہ تمہارے کفر پر اصرار، رسالت کی تکذیب اور دنیا کی طلب آخر رنگ لائے گی اور ہیبت ناک شکل میں قیامت کے روز تیرے سامنے ہوگی۔

(3) بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ خطاب سب بنی نوع انسان سے ہے ہر ایک اپنے کئے کا بدلہ ضرور پائے گا۔

انک کادح الی ربک کدحا: ان حرف تحقیق مشبہ بالفعل ک ضمیر متصل اسم ان کادح اس کی خبر۔ کدحا مفعول مطلق الی ربک متعلق خبر۔ کادح، کدح (باب ضرب) مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر، کسی چیز کے حصول وکسب میں محنت و مشقت اٹھانا۔ کدح کہلاتا ہے لغت عرب میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دنیا و آخرت کے سلسلہ میں کسی کام میں کوشاں ہو۔ اس کے دل میں اس کی خواہش بھی ہو اور اس کی یہ کوشش لگاتار جاری رہے ان سب امور کے مجموعہ کو کدح کہتے ہیں۔

امام راغب المفردات میں لکھتے ہیں:۔ الکدح بمعنی کوشش کرنا مشقت اٹھانا ہے۔ ترجمہ ہوگا:۔ اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کر رہا ہے۔ آیت ہذا کے ذیل حاشیہ پر تفہیم القرآن میں تحریر کرتے ہیں:۔ یعنی وہ ساری تگ و دو اور دوڑ دھوپ جو تو دنیا میں کر رہا ہے اس کے متعلق چاہے تو یہی سمجھتا رہے کہ یہ صرف دنیا کی زندگی تک ہے اور دنیوی اغراض کے لئے ہے لیکن درحقیقت تو شعوری یا غیر شعوری طور پر (کشاں کشاں) اپنے رب ہی کی طرف جا رہا ہے اور آخر کار تجھے وہیں پہنچ کر ہی رہنا ہے۔

فملاقیہ: ف بمعنی انجام کار، پس، ملاقیہ مضاف مضاف الیہ۔ ملاقی اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر۔ ملاقاۃ (مفاعلۃ) مصدر سے۔ ملنے والا۔ پالینے والا۔ پاس پہنچنے والا۔ مضاف ہ ضمیر واحد مذکر غائب۔ مضاف الیہ، اس کا مرجع رب ہے۔ انجام کار تجھے وہیں پہنچنا ہے۔ (مفردات امام راغب اصفہانی)

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝

پس جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ تو عنقریب اس سے آسان سا حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش واپس آئے گا۔

اہل ایمان کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے کا بیان

" فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابه " كِتَاب عَمَله " بِيَمِينِهِ " هُوَ الْمُؤْمِن " فَسَوْفَ يُحَاسَب حِسَابًا يَسِيرًا " هُوَ عَرْض عَمَله عَلَيْهِ كَمَا فِي حَدِيث الصَّحِيحَيْنِ وَفِيهِ " مَنْ نُوقِشَ الْحِسَاب هَلَكَ " وَبَعْد الْعَرْض يُتَجَاوَز عَنْهُ، " وَيَنْقَلِب إِلَى أَهْله " فِي الْجَنَّة " مَسْرُورًا " بِذَلِكَ،

پس جس شخص کا نامہ اعمال یعنی عمل کی کتاب کو اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور وہ مؤمن ہے۔ تو عنقریب اس سے آسان سا حساب لیا جائے گا۔ یعنی اس میں اس کا عمل پیش کیا جائے گا جس طرح بخاری ومسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ اور اسی میں ہے جس کا حساب کیا گیا وہ ہلاک ہوا البتہ پیش ہونے کے بعد اس سے درگزر کیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش واپس آئے گا۔

سورت انشقاق آیت ۷ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس سے حساب کتاب میں پوچھ گچھ کرلی گئی وہ برباد ہوگیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ (فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ، سو جس کو ملا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں تو اس سے حساب لینگے آسان حساب)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو صرف نیکیوں کا پیش ہونا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محمد بن ابان اور کئی راوی بھی عبدالوہاب ثقفی سے وہ ایوب سے وہ ابن ابی ملیکہ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مانند حدیث نقل کرتی ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1288)

اہل ایمان کے حساب کے آسان ہونے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائے گا وہ تباہ ہو جائے گا (یعنی جو بھی شخص سخت حساب اور دار و گیر سے دوچار ہوگا اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں ہوگا نیز یہاں " تباہ ہونے " سے مراد عذاب میں مبتلا ہونا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (جب میں نے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایک کلیہ کے طور پر سنا تو میرے ذہن میں اشکال پیدا ہوا اور اسی اشکال کو دور کرنے کے لئے) میں نے عرض کیا کہ " کیا اللہ تعالیٰ نے اہل نجات کے حق میں یہ نہیں فرمایا کہ (فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا، الانشقاق:8) یعنی (جس شخص کا نامہ

اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا" پس قریب ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو" (اور جب حساب آسان ہوگا اواس کے تباہ ہونے کے کیا معنی ہوں گے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے اس اشکال کو دور کرنے کے لئے) فرمایا۔ "یہ آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا (یعنی جس کو سخت باز پرس اور دارو گیر سے گزرنا پڑے گا) اور وہ یقیناً تباہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 123)

آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ پس قریب ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو۔ "تو آسان حساب ہونے سے مراد ہے کہ اس کے اچھے اور برے اعمال اس کو بتلا دیئے جائیں گے مثلاً اس سے کہا جائے گا کہ تو نے یہ کیا ہے، وہ کیا ہے اور برے اعمال پر مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جس شخص کے حساب میں دارو گیر اور باز پرس کا دخل ہو جائے گا، اس سے ایک ایک چیز اور ہر چھوٹے بڑے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس پر محاسبہ و مواخذہ کی سخت کاروائی نافذ کی جائے گی تو اس شخص کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں ہوگا پس وہ تباہ ہو جائے گا اور حقیقت میں حساب یہی ہے۔ اس بات کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کلیہ کو ظاہر کرتا ہے کہ جو بھی شخص حساب کے مرحلہ سے گزرے گا وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن قرآن کی مذکورہ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حساب کے مرحلہ سے گزرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا اس سے گویا قرآن کی آیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے؟ لہٰذا اس ظاہری تضاد کو رفع کرنے کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں "حساب" سے مراد صرف عرض ہے یعنی ان لوگوں کے سامنے (کہ جن کو نجات یافتہ قرار دینا مقصود ہوگا ان کے اعمال کی فہرست کھول کر رکھ دی جائے گی، چنانچہ انہوں نے جو برے اعمال کئے ہوں گے وہ ان کا اعتراف و اقرار کریں گے اور حق تعالیٰ اپنا فضل و کرم ظاہر کرتے ہوئے ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائے گا اس کے برخلاف حدیث میں "حساب" سے مراد واقعی محاسبہ و مواخذہ اور دارو گیر ہے جس کو "حساب میں مناقشہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس محاسبہ و دارو گیر کی بنیاد اظہار عدل ہوگا۔

بزار وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے یہ تین اچھی باتیں ہوں گی اس سے اللہ تعالیٰ آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا (اور وہ تین اچھی باتیں یہ ہیں کہ تم اس شخص کو (اخلاقی جسمانی اور مالی مدد پہنچاؤ جو تمہیں اپنی مدد سے محروم رکھے تم اس شخص کے ساتھ درگزر کا معاملہ کرو جو تمہارے اوپر ظلم کرے اور تم اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جو تمہارا مقاطعہ کرے۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ٥ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا٥ وَّ یَصْلٰى سَعِیْرًا٥
اور لیکن وہ شخص جسے اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا گیا۔ تو وہ عنقریب موت کو پکارے گا۔
اور وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔

کفار کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جانے کا بیان

" وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابه وَرَاء ظَهْره " هُوَ الْكَافِر تُغَلّ يُمْنَاهُ إِلَى عُنُقه وَتُجْعَل يُسْرَاهُ وَرَاء ظَهْره فَيَأْخُذ بِهَا كِتَابه " فَسَوْفَ يَدْعُو " عِنْد رُؤْيَته مَا فِيهِ " ثُبُورًا " يُنَادِي هَلَاكه بِقَوْلِهِ : يَا ثُبُورَاه " وَيَصْلَى سَعِيرًا " يَدْخُل النَّار الشَّدِيدَة وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّ الْيَاء وَفَتْح الصَّاد وَاللَّام الْمُشَدَّدَة،

اور لیکن وہ شخص جسے اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا گیا۔ وہ کافر ہے جس کا دایاں ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیا جائے گا اور اس کا بایاں ہاتھ اس کی پشت کی جانب کر دیا جائے گا جس سے وہ نامہ اعمال کو پکڑے گا۔ تو وہ عنقریب موت کو پکارے گا۔ یعنی جب اپنی ہلاکت کو دیکھے گا۔ اور وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ یہاں پر لفظ یصلی ایک قرأت کے مطابق یاء کے ضمہ اور صاد کے فتحہ اور یاء مشدد کے ساتھ آیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وراء ظهره۔ ظهره مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف ہے ورآء مضاف الیہ کا۔ اس کی پشت کے پیچھے سے۔ ورآء مصدر ہے لیکن اس کا معنی ہے آڑ، حد فاصل۔ کسی چیز کا آگے ہونا پیچھے ہونا۔ چاروں طرف ہونا۔ سوا۔ علاوہ۔ فصل اور حد بندی پر دلالت کرتا ہے اس لئے سب معنی میں مستعمل ہے۔ ظہر بمعنی پشت۔ اور جگہ قرآن مجید میں ہے واما من اوتی کتبه بشماله (25:69) اور جسے اس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ اس کی تشریح میں علامہ بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا۔ اور اعمال نامہ کو وہ بائیں ہاتھ سے لے گا۔ واما من اوتی کتبه ورآء ظهره جملہ شرط ہے اور اگلا جملہ اس کا جواب۔

اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝
بیشک وہ اپنے اہل خانہ میں خوش وخرم رہتا تھا۔ یقیناً اس نے سمجھا تھا کہ وہ کبھی واپس نہیں لوٹے گا۔
کیوں نہیں! بیشک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔

خواہشات کی اتباع میں خوش رہنے والے کا بیان

" " إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْله " عَشِيرَته فِي الدُّنْيَا " مَسْرُورًا " بَطِرًا بِاتِّبَاعِهِ لِهَوَاهُ " إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ " مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة وَاسْمهَا مَحْذُوف , أَيْ أَنَّهُ " لَنْ يَحُور " يَرْجِع إِلَى رَبّه " بَلَى " يَرْجِع إِلَيْهِ " إِنَّ رَبّه كَانَ بِهِ بَصِيرًا " عَالِمًا بِرُجُوعِهِ إِلَيْهِ،

بیشک وہ دنیا میں اپنے اہل خانہ میں خوش وخرم رہتا تھا۔ کیونکہ اپنی خواہش کی اتباع کرتا تھا۔ یقیناً اس نے سمجھا تھا کہ وہ کبھی اپنے رب کی طرف واپس نہیں لوٹے گا۔ یہاں اَن یہ مخففہ من ثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی انہ ہے۔ کیوں نہیں! بیشک اس

کا رب اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی اس کے لوٹنے کو خوب جاننے والا ہے۔

یعنی دنیا میں آخرت سے بے فکر تھا اس کا بدلہ یہ ہے کہ آج سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی فکر میں گھلے جاتے تھے۔ ان کو آج بالکل بے فکری اور امن چین ہے۔ کافر یہاں مسرور تھا، مومن وہاں مسرور ہے۔

فَـلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ٥ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ٥ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ٥ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ٥
پس مجھے قسم ہے شفق کی۔ اور رات کی اور ان چیزوں کی جنہیں وہ سمیٹ لیتی ہے۔ اور چاند کی،
جب وہ پورا ہوتا ہے۔ تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری کرتے ہوئے جاؤ گے۔

شفق کی قسم اٹھانے کا بیان

" فَلَا أُقْسِم " لَا زَائِدَة " بِالشَّفَقِ " هُوَ الْـحُمْرَة فِي الْأُفُق بَعْد غُرُوب الشَّمْس " وَاللَّيْل وَمَا وَسَقَ " جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَيْهِ مِنْ الدَّوَابّ وَغَيْرهَا " وَالْقَمَر إِذَا اِتَّسَقَ " اِجْتَمَعَ وَتَمَّ نُوره وَذَلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبِيض

" لَتَرْكَبُنَّ " أَيُّهَا النَّاس أَصْلـه تَـرْكَبُونَنَّ حُذِفَتْ نُون الرَّفْع لِتَوَالِي الْأَمْثَال وَالْوَاو لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ " طَبَقًا عَنْ طَبَق " حَالًا بَعْد حَال , وَهُوَ الْـمَوْت ثُمَّ الْحَيَاة وَمَا بَعْدهَا مِنْ أَحْوَال الْقِيَامَة،

پس مجھے قسم ہے شفق یعنی شام کی سرخی یا اس کے بعد کے اُجالے کی۔ یہاں پر لفظ فلا میں لا زائدہ ہے۔ اور رات کی اور ان چیزوں کی جنہیں وہ اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ یعنی جو اس میں جانور وغیرہ ہیں۔ اور چاند کی، جب وہ مکمل ہو جائے اور اس کا نور مکمل ہو جائے۔ جب وہ پورا ہوتا ہے۔ اور ایسا چاندی راتوں میں ہوتا ہے۔ اے لوگو! تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری کرتے ہوئے جاؤ گے۔ یہاں پر لفظ لترکبن اصل میں ترکبونن تھا والی امثال کے سبب نون رفع کو جبکہ التقائے ساکنین کے سبب واؤ کو حذف کیا گیا ہے۔ اور لفظ طبقا یہ بعد سے حال ہے۔ اور وہ موت ہے اس کے حیات اور کے بعد قیامت کے احوال ہیں۔

شفق کے مفہوم ومراد میں تفسیری اقوال کا بیان

شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے مغربی کناروں پر ظاہر ہوتی ہے حضرت علی حضرت ابن عباس حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابو ہریرہ، حضرت شداد بن اوس، حضرت عبداللہ بن عمر، محمد بن علی بن حسین مکحول، بکر بن عبداللہ مزنی، بکیر بن اشیخ، مالک بن ابی ذئب، عبدالعزیز بن ابوسلمہ، ماجشون یہی فرماتے ہیں کہ شفق اس سرخی کو کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد سفیدی ہے، پس شفق کناروں کی سرخی کو کہتے ہیں وہ طلوع سے پہلے ہو یا غروب کے بعد اور اہل سنت کے

نزدیک مشہور یہی ہے، خلیل کہتے ہیں عشاء کے وقت تک یہ شفق باقی رہتی ہے، جوہری کہتے ہیں سورج کے غروب ہونے کے بعد جو سرخی اور روشنی باقی رہتی ہے اسے شفق کہتے ہیں۔ یہ اول رات سے عشاء کے وقت تک رہتی ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں مغرب سے لے کر عشاء تک، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے۔

مجاہد سے البتہ یہ مروی ہے کہ اس سے مراد سارا دن ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مراد سورج ہے، غالباً اس مطلب کی وجہ اس کے بعد کا جملہ ہے تو گویا روشنی اور اندھیرے کی قسم کھائی، امام ابن جریر فرماتے ہیں دن کے جانے اور رات کے آنے کی قسم ہے۔ اوروں نے کہا ہے سفیدی اور سرخی کا نام "شفق" ہے اور قول ہے کہ یہ لفظ ان دونوں مختلف معنوں میں بولا جاتا ہے۔ وسق کے معنی ہیں جمع کیا یعنی رات کے ستاروں اور رات کے جانوروں کی قسم، اسی طرح رات کے اندھیرے میں تمام چیزوں کا اپنی اپنی جگہ چلے جانا، اور چاند کی قسم جبکہ وہ پورا ہو جائے اور پوری روشنی والا بن جائے، لترکبن الخ کی تفسیر بخاری میں مرفوع حدیث سے مروی ہے۔ کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھتے چلے جاؤ گے، حضرت انس فرماتے ہیں جو سال آئے گا وہ اپنے پہلے سے زیادہ برا ہوگا۔ میں نے اسی طرح تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اس حدیث سے اور اوپر والی حدیث کے الفاظ بالکل یکساں ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے۔ (اللہ اعلم)

اور یہ مطلب بھی اسی حدیث کا بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد ذات نبی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی تائید حضرت عمر ابن مسعود ابن عباس اور عام اہل مکہ اور اہل کوفہ کی قرأت سے بھی ہوتی ہے۔ ان کی قرأت ہے لترکبن۔ شعبی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر چڑھو گے، مراد اس سے معراج ہے، یعنی منزل بمنزل چڑھتے چلے جاؤ گے سدی کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق منزلیں طے کرو گے۔ جیسے حدیث میں ہے، کہ تم اپنے سے اگلے لوگوں کے طریقوں پر چڑھو گے بالکل برابر برابر یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی یہی کرو گے، لوگوں نے کہا اگلوں سے مراد آپ کی کیا یہود و نصرانی ہیں؟ آپ نے فرمایا پھر اور کون؟ حضرت مکحول فرماتے ہیں ہر بیس سال کے بعد تم کسی نہ کسی ایسے کام کی ایجاد کرو گے جو اس سے پہلے نہ تھا، عبداللہ فرماتے ہیں، آسمان پھٹے گا پھر سرخ رنگ ہو جائے گا۔ پھر بھی رنگ بدلتے چلے جائیں گے، ابن مسعود فرماتے ہیں کبھی تو آسمان دھواں بن جائے گا پھر پھٹ جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یعنی بہت سے لوگ جو دنیا میں پست و ذلیل تھے آخرت میں بلند و ذی عزت بن جائیں گے، اور بہت سے لوگ دنیا میں مرتبے اور عزت والے تھے وہ آخرت میں ذلیل و نامراد ہو جائیں گے۔ عکرمہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ پہلے دودھ پیتے تھے پھر غذا کھانے لگے، پہلے جوان تھے پھر بڈھے ہوئے۔ حسن بصری فرماتے ہیں نرمی کے بعد سختی سختی کے بعد نرمی، امیری کے بعد فقیری فقیری کے بعد امیری، صحت کے بعد بیماری، بیماری کے بعد تندرستی ہے۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ابن آدم غفلت میں ہے وہ پروانہیں کرتا کہ کس لیے پیدا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے سے کہتا ہے اس کی روزی اس کی اجل، اس کی زندگی، اس کا بدیا

نیک ہونا لکھ لے پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے، اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آ جاتے ہیں۔ موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آ جاتے ہیں اس کی روح قبض کرتے ہیں پھر قبر میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے، ملک الموت چلے جاتے ہیں قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آ جائیں گے اور اس کی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے، پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے، ایک سائق ہے دوسرا شہید ہے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا آیت (لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ، ق:22) تو اس سے غافل تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت لترکبن الخ پڑھی یعنی ایک حال سے دوسرا حال پھر فرمایا لوگو تمھارے آگے بڑے بڑے ہم امور آ رہے ہیں جن کی برداشت تمھارے بس کی بات نہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ بلند و برتر سے مدد چاہو، یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے، منکر حدیث ہے اور اس کی سند میں ضعیف راوی ہیں لیکن اس کا مطلب بالکل صحیح اور درست ہے۔

امام ابن جریر نے ان تمام اقوال کو بیان کر کے فرمایا ہے کہ صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت سخت کاموں میں ایک کے بعد ایک سے گزرنے والے ہیں اور گو خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے لیکن مراد سب لوگ ہیں کہ وہ قیامت کی ایک کے بعد ایک ہولناکی دیکھیں گے، پھر فرمایا کہ انہیں کیا ہو گیا یہ کیوں نہیں ایمان لاتے؟ اور انہیں قرآن سن کر سجدے میں گر پڑنے سے کونسی چیز روکتی ہے، بلکہ یہ کفار تو الٹا جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں اور سرکشی میں اور برائی میں پھنسے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو جنھیں یہ چھپا رہے ہیں بخوبی جانتا ہے، تم اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خبر پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذاب تیار کر رکھے ہیں، (تفسیر جامع البیان، ابن کثیر، سورہ انشقاق، بیروت)۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ○
تو انھیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

کفار کا ایمان سے منحرف ہونا بغیر کسی دلیل کے ہونے کا بیان

"فَمَا لَهُمْ" أَيْ الْكُفَّار "لَا يُؤْمِنُونَ" أَيْ أَيّ مَانِع مِنْ الْإِيمَان أَوْ أَيّ حُجَّة لَهُمْ فِي تَرْكه مَعَ وُجُود بَرَاهِينه،

و "مَا لَهُمْ" "إِذَا قُرِءَ عَلَيْهِمْ الْقُرْآن لَا يَسْجُدُونَ" يَخْضَعُونَ بِأَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ لِإِعْجَازِهِ،

تو انھیں یعنی کفار کو کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ یعنی ایمان لانے سے کیا چیز روکنے والی ہے۔ یا کونسی براہین ہیں جس کے سبب انہوں نے اس کو چھوڑ رکھا ہے۔ اور انہیں کیا ہوا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔ یعنی وہ کیوں نہیں جھکتے کہ اس کے اعجاز پر ایمان لاتے۔

علامہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ اس استفہام سے مقصود ہے انکار اور تعجب کا اظہار۔ وعدہ ابرار اور وعید فجار

جواو پر گزرا اس سے یہ کلام تعلق رکھتا ہے درمیان میں جملہ فلا اقسم بطور معترضہ ذکر کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کلام کا ربط آیت لترکبن طبقا عن طبق سے ہو کیونکہ تبدیل احوال سے تبدیل کرنے والے کی ہستی کا پتہ چلتا ہے پھر کیا وجہ کہ اس کو نہیں مانتے۔ (تفسیر مظہری، سورہ انشقاق، لاہور)

سورت انشقاق آیت ۲۱ کے شان نزول کا بیان

جب سورہ اقراء میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ نازل ہوا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سجدہ کیا مومنین نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور کفار قریش نے سجدہ نہ کیا، ان کے اس فعل کی برائی میں یہ آیت نازل ہوئی کہ کفار پر جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ تلاوت نہیں کرتے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب ہے سننے والے پر اور حدیث سے ثابت ہے کہ پڑھنے والے سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں سجدہ کی چودہ آیتیں ہیں جن کو پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے، خواہ سننے والے نے سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نشقاق، لاہور)

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ○ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ○ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○
بلکہ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا جھٹلاتے ہیں۔ اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں۔
سو آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔

کفار کا بعث وغیرہ کی تکذیب کرنے کا بیان

"بَلْ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ " بِالْبَعْثِ وَغَيْره" وَاَللَّه أَعْلَم بِمَا يُوعُونَ "يَجْمَعُونَ فِي صُحُفهمْ مِنْ الْكُفْر وَالتَّكْذِيب وَأَعْمَال السُّوء " فَبَشِّرْهُمْ " أَخْبِرْهُمْ " بِعَذَابٍ أَلِيم " مُؤْلِم

بلکہ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا وہ بعث وغیرہ کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں۔ جو کچھ وہ اپنے نامہ اعمال میں کفر، تکذیب اور برے اعمال کو جمع کر رہے ہیں۔ پس آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔ جو تکلیف پہنچانے والا ہے۔

یعنی فقط اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی آیات سن کر انقیاد و تذلل کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کو زبان سے جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو تکذیب و انکار، بغض و عناد اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○
مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

ایمان اور نیک عمل والوں کیلئے نہ ختم ہونے والے اجر کا بیان

" إِلَّا " لٰكِنْ " الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات لَهُ أَجْر غَيْر مَمْنُون " غَيْر مَقْطُوع وَلَا مَنْقُوص وَلَا يُمَنّ بِهِ عَلَيْهِمْ .

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ یعنی ایسا اجر جو کبھی ختم نہ ہوگا اور نہ کبھی کم ہوگا اور نہ اس اجر پر کوئی احسان جتلایا جائے گا۔

غیر ممنون اجر کا بیان

اس معنی میں لازم و متعدی دونوں طرح آتا ہے۔ من میں انقطاع یک دم نہیں ہوتا بلکہ کسی چیز کے آہستہ آہستہ کم ہو کر ختم ہو جانے اور اس طرح سلسلہ منقطع ہو جانے کے معنوں میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کو جو اجر ملے گا اس میں نہ کبھی کمی واقع ہوگی اور نہ ہی اس میں انقطاع واقع ہوگا۔ ممنون: من (باب نصر) مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مذکر، کم کیا ہوا۔ قطع کیا ہوا۔ غیر ممنون صفت ہے اجر کی جو موصوف ہے کم نہ کیا ہوا۔ غیر منقطع۔ غیر حرف استثناء ہے اس کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ ایسا اجر جس میں کبھی کمی نہ کی جائے گی اور نہ کبھی منقطع ہوگا۔ ترجمہ: لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو بے انتہاء دوامی اجر ملے گا۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ انشقاق، بیروت)

سُوۡرَۃُ الۡبُرُوۡج

یہ قرآن مجید کی سورت بروج ہے

سورت بروج کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ بروج مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، بائیس آیات، ایک سونوے کلمات، چار سو پینسٹھ حروف ہیں۔

سورت بروج کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی آیت کے لفظ البروج کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس میں آسمان کو برجوں والا کہہ کر قسم اٹھائی گئی ہے۔ اسی بروج کی اضافت آسمان کے سبب یہ سورت بروج کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت بروج کے شان نزول کا بیان

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یوم موعود قیامت کا دن ہے، مشھود عرفہ کا اور شاھد جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر ٹھیک اسی ساعت میں کوئی مومن بندہ اللہ سے کسی بھلائی کی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے اور جس شر سے پناہ مانگتا ہے اس شر سے ضرور بچاتا ہے۔ (مسند احمد، سنن ترمذی، بحوالہ مظہری)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ۝
قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جو حاضر ہوگا
اس کی قسم اور جو کچھ حاضر کیا جائے گا اس کی قسم۔

برجوں والے آسمان کی قسم اٹھانے کا بیان

" وَالسَّمَاء ذَات الْبُرُوج " الْكَوَاكِب اِثْنَىْ عَشَر بُرْجًا تَقَدَّمَتْ فِي الْفُرْقَان " وَالْيَوْم الْمَوْعُود " يَوْم الْقِيَامَة

" وَشَاهِد " يَوْم الْجُمْعَة " وَمَشْهُود " يَوْم عَرَفَة كَذَا فُسِّرَتْ الثَّلَاثَة فِي الْحَدِيث فَالْأَوَّل مَوْعُود بِهِ وَالثَّانِي شَاهِد بِالْعَمَلِ فِيهِ , وَالثَّالِث تَشْهَدهُ النَّاس وَالْمَلَائِكَة , وَجَوَاب الْقَسَم مَحْذُوف صَدْره , تَقْدِيره لَقَدْ،

قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ان کواکب کی جن کے بارہ برج ہیں جن کا بیان سورہ فرقان میں گزر چکا ہے۔اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔جو قیامت کا دن ہے۔جو اس دن یعنی جمعہ کے دن حاضر ہوگا اس کی قسم اور جو کچھ حاضر کیا جائے گا اس کی قسم۔اس کی تفسیر حدیث میں تین دنوں سے کی گئی ہے۔نمبر ایک وہ یوم موعود ہے دوسرا جمعہ جس میں اعمال پیش ہوتے ہیں اور تیسرا وہ عرفہ کا دن جس میں لوگ اور ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔اور جواب قسم محذوف ہے جس کی تقدیر لقد ہے۔

یوم موعود سے مراد یوم قیامت ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یوم موعود قیامت کا دن ہے اور یوم مشہود عرفات کا دن اور شاہد جمعہ کا دن ہے۔سورج اس سے افضل (یعنی سے افضل) دن میں نہ طلوع ہوا اور نہ غروب۔اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر کوئی مومن اس وقت اللہ تعالیٰ سے اچھی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے اور اگر کسی چیز سے (بندہ مومن) پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے پناہ دیتے ہیں۔اس حدیث کو ہم صرف موسیٰ بن عبیدہ کی روایت سے جانتے ہیں۔موسیٰ بن عبیدہ حدیث میں ضعیف ہیں۔موسیٰ بن عبیدہ کو یحییٰ بن سعید وغیرہ نے حافظے کی وجہ سے ضعیف کہا ہے جبکہ شعبہ،سفیان ثوری اور کئی آئمہ،موسیٰ بن عبیدہ سے احادیث نقل کرتے ہیں۔علی بن حجر بھی قران بن تمام اسدی سے اور وہ موسیٰ بن عبیدہ سے اسی سند سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔موسیٰ بن عبیدہ زیدی کی کنیت ابو عبدالرزاق ہے۔یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ نے اس کے حفظ میں کلام کیا ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1290)

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِۙ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِۙ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌۙ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ
بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌؕ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِۙ
خندقوں والے ہلاک کر دیے گئے۔جو سراسر آگ تھی بہت ایندھن والی۔جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے۔
اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ وہ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے۔اور انھوں نے ان سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ
نہیں لیا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔

اصحاب اخدود کے قتل کے واقعہ کا بیان

" قُتِلَ " لُعِنَ " أَصْحَاب الْأُخْدُود " الشَّقّ فِي الْأَرْض " النَّار " بَدَل اِشْتِمَال مِنْهُ " ذَات الْوُقُود " مَا تُوقَد بِهِ " إِذْ هُمْ عَلَيْهَا " حَوْلهَا عَلَى جَانِب الْأُخْدُود عَلَى الْكَرَاسِيّ " قُعُود " " وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ " بِاَللَّهِ مِنْ تَعْذِيبهمْ بِالْإِلْقَاءِ فِي النَّار إِنْ لَمْ يَرْجِعُوا عَنْ إِيمَانهمْ " شُهُود " حُضُور ، رُوِيَ أَنَّ اللَّه أَنْجَى الْمُؤْمِنِينَ الْمُلْقَيْنَ فِي النَّار بِقَبْضِ أَرْوَاحهمْ قَبْل وُقُوعهمْ فِيهَا وَخَرَجَتْ النَّار إِلَى مَنْ ثَمَّ فَأَحْرَقَتْهُمْ " وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا يُؤْمِنُوا بِاَللَّهِ

الْعَزِیز "فِی مُلْکِه" الْحَمِید" الْمَحْمُود،

خندقوں والے لوگ ہلاک کر دیے گئے۔یعنی زمین کو کھودنے والے ہلاک ہو گئے۔ جو سراسر آگ تھی۔ یہاں پر لفظ النار یہ بدل اشتمال ہے۔ بہت ایندھن والی۔ جس کے ذریعے جلائی گئی ہے۔ جب وہ اس خندق کے کناروں پر کرسیوں پر بیٹھے تھے۔اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ وہ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے یعنی انہیں آگ میں پھینک پھینک کر جلا رہے تھے۔روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں آگ میں پہنچنے سے پہلے ان کی ارواح کو قبض کر کے عذاب دے نجات دی۔اور آگ ان لوگوں کی جانب گئی جو وہاں موجود تماشائی بنے ہوئے تھے اور انہیں جلا ڈالا۔اور انھوں نے ان سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو اپنے ملک میں سب پر غالب ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔

اصحاب اخدود کے واقعہ کی تفصیلات کا بیان

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز سے فراغت کے بعد آہستہ آہستہ کچھ پڑھا کرتے تھے۔(ہمس کے معنی بعض کے نزدیک اسطرح ہونٹ ہلانا ہے کہ ایسا معلوم ہو کہ کوئی بات کر رہے ہیں)۔۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز پڑھ کر ہونٹوں کو حرکت دیتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک نبی کو امت کی کثرت کا عجب ہوا تو انہوں نے دل ہی دل میں کہا کہ ان کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ انہیں اختیار دیدیں کہ یا تو خود پر کسی دشمن کا مسلط ہونا اختیار کر لیں یا پھر ہلاکت۔انہوں نے ہلاکت اختیار کی اور ان میں سے ایک ہی دن میں ستر ہزار آدمی مر گئے۔راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہ حدیث بیان کرتے تو یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ ہوا کرتا تھا جس کا ایک کاہن تھا وہ اسے غیب کی خبریں بتایا کرتا تھا۔اس کاہن نے کہا کہ میرے لئے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کر دیا کہا کہ ذہین و فطین لڑکا تلاش کرو جسے میں اپنا یہ علم سکھا سکوں تا کہ ایسا نہ ہو کہ اگر میں مر جاؤں تو تم لوگوں میں سے یہ علم اٹھ جائے اور اس کا جاننے والا کوئی نہ رہے۔لوگوں نے اس کے بتائے ہوئے اوصاف کے مطابق لڑکا تلاش کیا اور اسے کہا کہ روزانہ اس کاہن کے پاس حاضر ہوا کرو اور اس کے پاس آتے جاتے رہا کرو۔اس نے آنا جانا شروع کر دیا۔اس کے راستے میں ایک عبادت خانہ تھا جس میں ایک راہب ہوتا تھا۔معمر کہتے ہیں کہ میرے خیال میں ان دنوں عبادت خانوں کے لوگ مسلمان ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا جب بھی وہاں سے گزرتا تو اس راہب سے دین کے بارے میں کچھ باتیں سیکھتا یہاں تک کہ اس راہب نے اسے بتایا کہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔اس پر اس لڑکے نے راہب کے پاس زیادہ ٹھہرنا شروع کر دیا اور کاہن کے پاس کم کاہن نے اس کے گھر والوں کو پیغام بھیجا کہ اب وہ کم حاضر ہوتا ہے۔لڑکے نے راہب کو یہ بات بتائی تو اس نے کہا کہ ایسا کرو کہ اگر تمہارے گھر والے پوچھیں کہ کہاں تھے۔تو تم کہو کہ کاہن کے پاس اگر کاہن پوچھے تو کہو کہ گھر تھا۔وہ اسی طرح کرتا رہا کہ ایک دن اس کا ایک ایسی جماعت پر گزر ہوا جنہیں کسی جانور نے روک رکھا تھا۔بعض کا خیال ہے کہ وہ جانور شیر تھا۔اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھایا کہا کہ یا اللہ اگر راہب کی بات سچ ہے تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میں اسے قتل کر

سکوں۔ پھر اس نے پتھر مارا جس سے وہ جانور مر گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا کہنے لگے کہ اس لڑکے نے۔ لوگ حیران ہو گئے اور کہنے لگا کہ اس نے ایسا علم سیکھ لیا ہے جو کسی نے نہیں سیکھا۔ یہ بات ایک اندھے نے سنی تو اسے کہنے لگا کہ اگر تم میری بینائی لوٹا دو تو میں تمہیں اتنا، اتنا مال دوں گا۔ لڑکا کہنے لگا کہ میں تم سے اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا کہ اگر تمہاری آنکھیں تمہیں مل جائیں تو تم اس پر ایمان لے آؤ جس نے تمہاری بینائی لوٹائی ہو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ پس لڑکے نے دعا کی اور اس کی آنکھوں کی بینائی آ گئی۔ اور وہ اس پر ایمان لے آیا۔ جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو اس نے سب کو بلوایا اور کہنے لگا کہ میں تم سب کو مختلف طریقوں سے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ اس نے راہب اور اس سابق نابینا شخص میں سے ایک کو آرے سے چروا (قتل کر) دیا اور دوسرے کو کسی اور طریقے سے قتل کروا دیا۔ پھر لڑکے کے متعلق حکم دیا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر گرا دو۔ وہ لوگ اسے پہاڑ پر لے گئے اور جب اس جگہ پہنچے جہاں سے اسے گرانا چاہتے تھے تو خود گرنے لگے یہاں تک کہ لڑکے کے علاوہ سب مر گئے۔ وہ لڑکا بادشاہ کے پاس واپس گیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے سمندر میں ڈبو دیا جائے۔ وہ لوگ اسے لے کر سمندر کی طرف چل پڑے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو غرق کر دیا اور اس لڑکے کو بچا لیا۔ پھر وہ لڑکا بادشاہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تم مجھے اس وقت تک قتل نہیں کر سکتے جب تک مجھے باندھ کر تیر نہ چلاؤ اور تیر چلاتے وقت یہ نہ پڑھو بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ (اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے)۔ چنانچہ بادشاہ نے اسے باندھنے کا حکم دیا اور تیر چلاتے وقت اسی طرح کیا جس طرح لڑکے نے بتایا تھا۔ جب تیر مارا گیا تو اس نے اپنی کنپٹی پر ہاتھ رکھا اور مر گیا لوگ کہنے لگے کہ اس لڑکے نے ایسا علم حاصل کیا جو کسی کے پاس نہیں تھا۔ لہٰذا ہم سب بھی اسی کے معبود پر ایمان لاتے ہیں۔ تم تو تین آدمیوں کی مخالفت سے گھبرا رہے تھے لو یہ سارا عالم تمہارا مخالف ہو گیا ہے۔ اس پر بادشاہ نے خندق کھدوائی اور اس میں لکڑیاں جمع کر کے آگ لگوا دی۔ پھر لوگوں کو جمع کیا اور کہنے لگا کہ جو اپنے نئے دین کو چھوڑ دے گا۔ ہم بھی اسے چھوڑ دیں گے اور جو اس پر قائم رہے گا ہم اسے آگ میں پھینک دیں گے اس طرح وہ انہیں اس خندق میں ڈالنے لگا۔ (اس کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا (قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ، خندقوں والے ہلاک ہوئے جس میں آگ تھی بہت ایندھن والی، جبکہ وہ ان کے کناروں پر بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ایمانداروں سے جو کچھ کہہ رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے اور ان سے اسی کا تو بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ زبردست خوبیوں والے پر ایمان لائے تھے)۔ راوی کہتے ہیں کہ لڑکا تو دفن کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی نعش حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں نکلی تھی اور اس کی انگلی اس وقت بھی اسی طرح اس کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جس طرح اس نے قتل ہوتے وقت رکھی تھی۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1291)

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۞
جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کیلئے ہونے کا بیان

" اَلَّذِی لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْد " اَیْ مَا اَنْکَرَ الْکُفَّار عَلَی الْمُؤْمِنِینَ اِلَّا اِیمَانَھُمْ،

جس کے لئے آسمانوں اورزمین کی ساری بادشاہت ہے، اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔یعنی کفار کو دیکھ رہا ہے جبکہ اہل ایمان کو ایمان سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں ہے۔

یعنی ان مسلمانوں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے۔جس کی بادشاہت سے زمین وآسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں۔اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے۔جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں، آگ میں جلا دیا جائے تو کیا گمان ہو سکتا ہے کہ ایسا ظلم وستم یوں ہی خالی چلا جائے گا اور وہ خداوندِ قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَھُمْ عَذَابُ جَھَنَّمَ وَ لَھُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ○
بیشک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دی پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے عذاب جہنم ہے
اوران کے لئے آگ میں جلنے کا عذاب ہے۔

اہل ایمان مردوخواتین کواذیت دینے کے سبب عذاب کا بیان

" اِنَّ الَّذِینَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِینَ وَالْمُؤْمِنَات " بِالْاِحْرَاقِ " ثُمَّ لَمْ یَتُوبُوا فَلَھُمْ عَذَاب جَھَنَّم " بِکُفْرِھِمْ " وَلَھُمْ عَذَاب الْحَرِیق " اَیْ عَذَاب اِحْرَاقھمْ الْمُؤْمِنِینَ فِی الْآخِرَة . وَقِیلَ فِی الدُّنْیَا بِاَنْ اُخْرِجَتْ النَّار فَاَحْرَقَتْھُمْ کَمَا تَقَدَّمَ،

بیشک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جلانے کے ساتھ اذیت دی پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے عذاب جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا۔اور ان کے لئے بالخصوص آگ میں جلنے کا عذاب ہے۔ یعنی دنیا میں اہل ایمان کو جلانے کے سبب ان کفار کیلئے آخرت میں آگ کا عذاب ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کیلئے دنیا آگ کا عذاب ہے جس طرح آگ ان کی جانب نکلی اور ان کو جلا دیا جس طرح اس کا بیان گزر چکا ہے۔

یعنی کچھ اصحاب الاخدود پر منحصر نہیں۔جو لوگ ایمانداروں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔(جیسے کفارِ مکہ کر رہے تھے)۔پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہ ہوں گے اس سب کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے جس میں بیشمار قسم کی تکلیفیں ہوں گی اور بڑی تکلیف آگ لگنے کی ہوگی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ؕ
بیشک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کیلئے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اپنے دشمنوں کا انجام بیان کر کے اپنے دوستوں کا نتیجہ بیان فرمار ہا ہے کہ ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان جیسی کامیابی اور کسے ملے گی؟ پھر فرمایا ہے کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے وہ اپنے ان دشمنوں کو جو اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے اور ان کی نافرمانیوں میں لگے رہے سخت تر قوت کیساتھ اس طرح پکڑے گا کہ کوئی راہ نجات ان کے لیے باقی نہ رہے، وہ بڑی قوتوں والا ہے جو چاہا کیا جو کچھ چاہتا ہے وہ ایک لحہ میں ہو جاتا ہے اس کی قدرتوں اور طاقتوں کو دیکھ کر اس نے تمہیں پہلے بھی پیدا کیا اور پھر بھی مار ڈالنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے گا نہ اسے کوئی روکے نہ آگے آئے نہ سامنے پڑے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں اور اس کے سامنے ناک رگڑیں پھر چاہے کیسی ہی خطائیں ہوں ایک دم میں سب معاف ہو جاتی ہیں۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ؕ
بیشک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ بیشک وہی پہلی بار پیدا فرماتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا۔
اور وہ بڑا بخشنے والا بہت محبت فرمانے والا ہے۔

کفار کیلئے اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے سخت ہونے کا بیان

" إِنَّ بَطْش رَبّك " بِالْكُفَّارِ " لَشَدِيد " بِحَسْبِ إِرَادَته " إِنَّهُ هُوَ يُبْدِء " الْخَلْق " وَيُعِيد " فَلَا يُعْجِزهُ مَا يُرِيد " وَهُوَ الْغَفُور " لِلْمُذْنِبِينَ الْمُؤْمِنِينَ 4 " الْوَدُود " الْمُتَوَدِّد إِلَى أَوْلِيَائِهِ بِالْكَرَامَةِ،

بیشک آپ کے رب کی پکڑ کفار کیلئے بہت سخت ہے۔ یعنی جس طرح سختی کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار پیدا فرماتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ جو وہ ارادہ فرماتا ہے اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔ اور وہ گناہگار اہل ایمان کو بڑا بخشنے والا بہت محبت فرمانے والا ہے۔ یعنی وہ عزت کے ساتھ اپنے اولیاء سے محبت کرنے والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ان بطش ربك لشديد: ان حرف مشبہ بالفعل۔ بطش مضاف اسم ان۔ ربک مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ بطش کا۔ لام تاکید کا شدید خبر ان کی۔ بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے۔

فائدہ: اوپر ایمان داروں کا ستانے والوں اور دکھ دینے والوں کے لئے عذاب جہنم اور عذاب حریق کا اور مومنوں اور اعمال صالح کرنے والوں کے لئے باغات اور ان میں جاری وساری نہروں کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ان کے مترادف اپنی صفات ارشاد

فرمائیں۔ کفار کی سزا کے مقابلہ میں فرمایا کہ اس کی گرفت بڑی مضبوط ہے اس سے کسی صورت چھٹکارا نہیں مل سکے گا۔

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝
عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا ہے۔ وہ جو بھی ارادہ فرماتا ہے خوب کر دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ عرش کا خالق و مالک ہے

" ذُو الْعَرْش " خَالِقه وَمَالِكه " الْمَجِيد " بِالرَّفْعِ : الْمُسْتَحِقّ لِكَمَالِ صِفَات الْعُلُوّ " فَعَّال لِمَا يُرِيد " لَا يُعْجِزهُ شَيْء ،

عرش کا مالک ہے، یعنی خالق ہے۔ بڑی شان والا ہے۔ یعنی بلند صفات کے کمال کا حق رکھنے والا ہے۔ وہ جو بھی ارادہ فرماتا ہے اسے خوب کر دینے والا ہے۔ اس کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں ہے۔

عرش مجید کے مفہوم کا بیان

ذوالعرش مضاف مضاف الیہ۔ صاحب عرش، عرش والا۔ تخت والا۔ المجید بڑی شان والا۔ یہ دونوں بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے ہیں۔ مجد یمجد مجد و مجادۃ۔ کے معنی کرم و شرف اور بزرگی میں وسعت اور پہنائی کے ہیں۔ یہ دراصل مجدت الابل کے محاورہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اونٹوں کا کسی وسیع اور زیادہ چارے والی چراگاہ میں پہنچ جانا۔ المجید کے معنی ہیں وہ ذات جو اپنے فضل و کرم سے نوازنے میں نہایت وسعت اور فراخی سے کام لینے والی ہو۔ قرآن مجید کی صفت میں بھی المجید آیا ہے کیونکہ قرآن پاک بھی تمام دینوی و اخروی مکارم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جلیل القدر کتاب ہے۔ چنانچہ اسی سورۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے بل ھو قران مجید۔

هَلْ اَتٰـكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۝
کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ جو فرعون اور ثمود تھے۔ بلکہ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، جھٹلانے میں
لگے ہوئے ہیں۔ اور اللہ ان کے گرد و پیش سے گھیرے ہوئے ہے۔

فرعون و ثمود کی ہلاکتوں کا بہ طور نصیحت ہونے کا بیان

" هَلْ أَتَاك " يَا مُحَمَّد " حَدِيث الْجُنُود "" فِرْعَوْن وَثَمُود " بَدَل مِنْ الْجُنُود وَاسْتَغْنَى بِذِكْرِ فِرْعَوْن عَنْ أَتْبَاعه ، وَحَدِيثهمْ أَنَّهُمْ أُهْلِكُوا بِكُفْرِهِمْ وَهَذَا تَنْبِيه لِمَنْ كَفَرَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْآن لِيَتَّعِظُوا " بَلْ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيب " بِمَا ذُكِرَ " وَاَللَّه مِنْ وَرَائِهِمْ

مُحِيط " لَا عَاصِمَ لَهُمْ مِنْهُ،

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ جو فرعون اور ثمود تھے۔ یہ جنود سے بدل ہیں۔ جبکہ فرعون کا ذکر اس کی اتباع کے سبب کوئی ضرورت نہیں رکھتا۔ اور قصہ یہ ہے انہیں ان کے کفر کے سبب ہلاک کیا گیا ہے اور یہ انتباہ ہے ہر اس شخص کیلئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتا ہے۔ اور قرآن کا انکار کرتا ہے تا کہ وہ سمجھ جائے۔ بلکہ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اللہ ان کے گرد و پیش سے انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہے۔

فرعون کو بھی اپنی سلطنت، حکومت اور لاؤ لشکر پر بڑا گھمنڈ تھا اور قوم ثمود بھی اپنے آپ کو بہت طاقتور سمجھے بیٹھے تھے جنہوں نے اپنے مکانات تک پہاڑوں کے اندر بنا رکھے تھے بلکہ شہروں کے شہر پہاڑوں کے اندر آباد کر رکھے تھے۔ اور کہتے تھے کہ قوت میں ہم سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر جب ان لوگوں نے گھمنڈ میں آ کر اللہ کے مقابلے میں سرکشی کی راہ اختیار کی تو اللہ نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۝
بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے۔ جو لوح محفوظ میں ہے۔

قرآن مجید کا لوح محفوظ میں ہونے کا بیان

" بَلْ هُوَ قُرْآن مَجِيد " عَظِيم " فِي لَوْح " هُوَ فِي الْهَوَاء فَوْق السَّمَاء السَّابِعَة " مَحْفُوظ " بِالْجَرِّ مِنْ الشَّيَاطِين وَمِنْ تَغْيِير شَيْء مِنْهُ طُوله مَا بَيْن السَّمَاء وَالْأَرْض , وَعَرْضه مَا بَيْن الْمَشْرِق وَالْمَغْرِب , وَهُوَ دُرَّة بَيْضَاء قَالَهُ اِبْن عَبَّاس رَضِيَ اللَّه عَنْهُمَا .

بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے۔ جو لوح محفوظ میں ہے۔ اور وہ ساتویں آسمان کے اوپر فضاء میں ہے۔ اور محفوظ اس لئے ہے کہ یہ شیاطین کی تبدیلی کرنے سے محفوظ ہے۔ اور اس کی لمبائی زمین و آسمان کی درمیان مسافت کے برابر ہے۔ اور چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ اور وہ سفید موتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار برس پہلے کتاب لکھی یعنی لوح محفوظ میں فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیا۔ اس کتاب میں سے وہ دونوں آیتیں نازل فرمائیں جن پر سورت بقرہ کا اختتام ہوتا ہے یعنی آمن الرسول سے آخری سورت تک یہ آیتیں جس مکان میں تین رات تک پڑھی جاتی ہیں شیطان اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتا۔ (ترمذی، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 656)

سُوْرَةُ الطَّارِقِ

یہ قرآن مجید کی سورت طارق ہے

سورت طارق کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ الطارق مکّیہ ہے۔اس میں ایک رکوع، سترہ آیات، اکسٹھ کلمات، دوسوانتالیس حروف ہیں۔

سورت طارق کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت کے لفظ الطارق کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔کیونکہ طارق کا معنی رات کو آنے والا ہے۔جس کی تفسیر آگے آرہی ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت طارق کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ○ النَّجْمُ الثَّاقِبُ○
قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی، اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے۔وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔

آسمان اور رات کو آنے والے ستاروں کی قسم کا بیان

" وَالسَّمَاء وَالطَّارِق " أَصْـله كُلّ آتٍ لَيْلًا وَمِنْهُ النُّجُوم لِطُلُوعِهَا لَيْلًا " وَمَا أَدْرَاك " أَعْلَمك " مَا الطَّارِق " مُبْتَدَأ وَخَبَر فِي مَحَلّ الْمَفْعُول الثَّانِي لِأَدْرَى وَمَا بَعْد مَا الْأُولَى خَبَرهَا وَفِيهِ تَعْظِيم لِشَأْنِ الطَّارِق الْمُفَسَّر بِمَا بَعْده هُوَ " " النَّجْم " أَيْ الثُّرَيَّا أَوْ كُلّ نَجْم " الثَّاقِب " الْمُضِيء لِثَقْبِهِ الظَّلَام بِضَوْئِهِ وَجَوَاب الْقَسَم،

قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی، طارق ہر وہ چیز جو رات کو آئے۔اور اسی سے ستاروں کا رات کو طلوع ہونا ہے اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو نظر آنے والا کیا ہے۔یہاں پر لفظ ما الطارق یہ مبتداء اور خبر ہیں۔جو مفعول ثانی کے محل میں واقع ہیں اور لادری اس کا مابعد پہلے کی خبر ہے۔اور اس میں طارق کی اہمیت ہے۔جس کی مابعد طارق سے تفسیر کی گئی ہے۔وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے جو ثریا ہے۔ہر وہ ستارہ جو تاریکی کو ختم کر کے ثاقب کہلائے۔اور یہ جواب قسم ہے۔

روشن ستاروں سے استدلال قدرت کا بیان

اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور ان کے روشن ستاروں کی قسم کھاتا ہے طارق کی تفسیر چمکتے ستارے سے کی ہے وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھر

رات کے وقت بیخبر آ جائے یہاں بھی لفظ طروق ہے، آپ کی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ آیا ہے ثاقب کہتے ہیں چمکیلے اور روشنی والے کو جو شیطان پر گرتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے ہر شخص پر اللہ کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہے جو اسے آفات سے بچاتا ہے جیسے اور جگہ ہے کہ آیت (لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ، الرعد: 11) یعنی آگے پیچھے سے باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے بندے کی حفاظت کرتے ہیں انسان کی ضعیفی کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تو اس کی اصل کیا ہے اور گویا اس میں نہایت باریکی کے ساتھ قیامت کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو ابتدائی پیدائش پر قادر ہے وہ لوٹانے پر قادر کیوں نہ ہوگا جیسے فرمایا آیت (وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَــلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ، الروم: 27) یعنی جس نے پہلے پیدا کیا وہ ہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے انسان اچھلنے والے پانی یعنی عورت مرد کی منی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتی سے نکلتی ہے عورت کا یہ پانی زرد رنگ کا اور پتلا ہوتا ہے اور دونوں سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے تریبہ کہتے ہیں ہار کی جگہ کو کندھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے اور نرخرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے اور چھاتیوں سے اوپر کے حصہ کو بھی کہا گیا ہے اور نیچے کی طرف چار پسلیوں کو بھی کہا گیا ہے اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں آنکھوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے دل کے نچوڑ کو بھی کہا گیا ہے سینہ اور پیٹھ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے یعنی نکلے ہوئے پانی کو اس کی جگہ واپس پہنچا دینے پر اور یہ مطلب کہ اسے دوبارہ پیدا کر کے آخرت کی طرف لوٹانے پر بھی پچھلا قول ہی اچھا ہے اور یہ دلیل کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے پھر فرمایا کہ قیامت کے دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی راز ظاہر ہو جائیں گے بھید آشکار ہو جائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ہر غدار کی رانوں کے درمیان اس کے غدار کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی نہ اس کا مددگار کوئی اور کھڑا ہوگا یعنی نہ تو خود اپنے آپ کو عذابوں سے بچا سکے گا نہ کوئی اور ہوگا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طارق، بیروت)

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاۗءٍ دَافِقٍ ۝
کوئی شخص ایسا نہیں جس پر ایک نگہبان نہیں ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ دیکھے وہ کس چیز سے
پیدا کیا گیا۔ وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ہر شخص پر نگران فرشتوں کے تقرر کا بیان

" اِنْ كُلّ نَفْس لَمَا عَلَيْهَا حَافِظ " بِتَخْفِيفِ مَا فَهِيَ مَزِيدَة وَإِنْ مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة وَاسْمهَا مَحْذُوف , أَيْ إِنَّهُ وَاللَّام فَارِقَة وَبِتَشْدِيدِهَا فَإِنْ نَافِيَة وَلَمَا بِمَعْنَى إِلَّا وَالْحَافِظ مِنْ الْمَلَائِكَة يَحْفَظ عَمَلهَا مِنْ خَيْر وَشَرّ " فَلْيَنْظُرْ الْإِنْسَان " نَظَر اِعْتِبَار " مِمَّ خُلِقَ " مِنْ أَيّ شَيْء " خُلِقَ مِنْ مَاء دَافِق " هَذَا جَوَاب قَوْله مِمَّ خُلِقَ؟ خُلِقَ مِنْ مَاء دَافِق أَيْ ذِي اِنْدِفَاق مِنْ الرَّجُل

وَالْمَرْأَةِ فِي رَحِمِهَا،

کوئی شخص ایسا نہیں جس پر ایک نگہبان مقرر نہیں ہے۔ یہاں پر لفظ ما یہ تخفیف کے ساتھ آیا ہے۔ اور زائدہ ہے اور اُن مخففہ من ثقیلہ ہے۔ اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی انہ ہے۔ اور لام یہ مخففہ اور نافیہ کے درمیان فرق کرنے کیلئے آیا ہے۔ اور لفظ اُن نافیہ ہے اور لما بہ معنی الا ہے۔ اور نگرانی کرنے والے فرشتے ہیں جو ہر اچھے برے عمل کی نگرانی کرتے ہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ یعنی غور وفکر کرے۔ وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ جملہ مم خلق کا جواب ہے۔ یعنی اس کو اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا جو مرد سے عورت کے رحم میں ہوتا ہے۔

اس کے رب کی طرف سے جو اس کے اعمال کی نگہبانی کرے اور اس کی نیکی بدی سب لکھ لے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد اس سے فرشتے ہیں۔

يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ○ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ○
جو پیٹھ اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بیشک وہ اس کو پھر واپس لانے پر بھی قادر ہے۔

انسان کی تخلیق سے دلیل بعث پر استدلال کا بیان

"يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ" لِلرَّجُلِ "وَالتَّرَائِبِ" لِلْمَرْأَةِ وَهِيَ عِظَامُ الصَّدْرِ "إِنَّهُ" تَعَالَى "عَلَى رَجْعِهِ" بَعْثِ الْإِنْسَانِ بَعْدَ مَوْتِهِ "لَقَادِرٌ" فَإِذَا اعْتَبَرَ أَصْلَهُ عَلِمَ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى ذَلِكَ قَادِرٌ عَلَى بَعْثِهِ،

جو مرد کی پیٹھ اور عورت کی پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ اور ترائب سینے کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ بیشک وہ یعنی اللہ تعالیٰ اس زندگی کو پھر واپس لانے پر بھی قادر ہے۔ یعنی انسان کو موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے۔ لہٰذا اس سے یہ قیاس ہوا کہ وہ بعث پر بھی قدرت رکھنے والا ہے۔

یعنی انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے جو نکلتا ہے پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے۔ عام طور سے حضرات مفسرین نے اس کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے نکلتا ہے مگر اعضائے انسانی کے ماہر اطبا کی تحقیق اور تجربہ یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت انسان کے ہر ہر عضو سے نکلتا ہے اور بچے کا ہر عضو اس جز نطفہ سے بنتا ہے جو مرد وعورت کے اسی عضو سے نکلا ہے۔ البتہ دماغ کو اس معاملے میں سب سے زیادہ دخل ہے اسی لئے مشاہدہ ہوتا ہے کہ جماع کی کثرت کرنے والے اکثر ضعف دماغ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ انکی تحقیق یہ بھی ہے کہ نطفہ تمام اعضا سے منفصل ہو کر نخاع کے ذریعہ خصیتین میں جمع ہوتا اور پھر وہاں سے نکلتا ہے۔

اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو حضرات مفسرین نے جو نطفہ کا خروج مرد کی پشت اور عورت کے سینے کے متعلق قرار دیا ہے اس کی توجیہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ اس پر اطبا کا اتفاق ہے کہ نطفہ کی تولید میں سب سے بڑا دخل دماغ کو ہے اور دماغ کا خلیفہ وقائم مقام نخاع

ہے جو ریڑھ کی ہڈی کے اندر دماغ سے پشت اور پھر خصیتین تک آیا ہوا ہے، اسی کے کچھ شعبے سینے کی ہڈیوں میں آئے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ عورت کے نطفہ میں سینے کی ہڈیوں سے آنیوالے نطفہ کا اور مرد کے نطفہ میں پشت سے آنیوالے نطفہ کا دخل زیادہ ہو۔
(ذکرہ البیضاوی)

انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت ہونے کا بیان

انه علی رجعه لقادر، رجع کے معنے لوٹا دینے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس خالق کائنات نے اول انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ اس کو دوبارہ لوٹا دینے یعنی مرنے کے بعد زندہ کر دینے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طارق، بیروت)

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ○ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ○ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ○ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ○
جس دن چھپی ہوئی باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔ پھر انسان کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔
اس آسمانی کائنات کی قسم جو پھر اپنی ابتدائی حالت میں پلٹ جانے والی ہے۔ اس زمین کی قسم جو پھٹ جانے والی ہے۔

قیامت کے دن چھپی باتوں کے اظہار کا بیان

"يَوْمَ تُبْلَى" تُخْتَبَر وَتُكْشَف "السَّرَائِر" ضَمَائِر الْقُلُوب فِي الْعَقَائِد وَالنِّيَّات "فَمَا لَهُ" لِمُنْكِرِ الْبَعْث "مِنْ قُوَّة" يَمْتَنِع بِهَا مِنْ الْعَذَاب "وَلَا نَاصِر" يَدْفَعهُ عَنْهُ "وَالسَّمَاء ذَات الرَّجْع" الْمَطَر لِعَوْدِهِ كُلّ حِين "وَالْأَرْض ذَات الصَّدْع" الشَّقّ عَنْ النَّبَات،

جس دن چھپی ہوئی باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔ یعنی عقائد اور نیتوں کو کھول دیا جائے گا۔ پھر انسان یعنی منکر بعث کے پاس نہ خود کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا۔ جو اس سے عذاب کو دور کر سکے۔ اس آسمانی کائنات کی قسم جو پھر اپنی ابتدائی حالت میں پلٹ جانے والی ہے۔ بارش برسانے والے آسمان کو مطر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر بار رجوع کرتا ہے۔ اس زمین کی قسم جو پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جانے والی ہے۔ یعنی اس سے نباتات کے خروج کے سبب شگاف ہوتے ہیں۔

یوم تبلی السرائر، تبلی کے لفظی معنے امتحان لینے اور آزمانے کے ہیں اور سرائر کے معنی ہیں مخفی امور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز انسان کے تمام عقائد و خیالات اور نیت و عزم جو دل میں پوشیدہ تھی دنیا میں اس کو کوئی نہ جانتا تھا اسی طرح وہ اعمال وافعال جو اس نے چھپ کر کئے دنیا میں کسی کو ان کی خبر نہیں، محشر میں سب کا امتحان لیا جائے گا یعنی سب کو ظاہر کر دیا جائے گا، حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انسان کے ہر مخفی راز کو کھول دے گا۔ ہر اچھے برے عقیدے اور عمل کی علامت انسان کے چہرہ پر یا زینت ہو کر یا ظلمت و سیاہی کی صورت میں ظاہر کر دی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طارق، بیروت)،

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ○ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ○ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ○
وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ○ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ○

بیشک یہ فیصلہ کن فرمان ہے۔اور یہ ہنسی کی بات نہیں ہے۔ بیشک وہ پُر فریب تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔
اور میں اپنی تدبیر فرما رہا ہوں۔پس آپ کافروں کو مہلت دے دیجئے ،انہیں تھوڑی سی ڈھیل دے دیجئے۔

فیصلہ قرآن کے قطعی ہونے کا بیان

" إِنَّهُ " أَيْ الْقُرْآن " لَقَوْل فَصْل " يَفْصِل بَيْن الْحَقّ وَالْبَاطِل " وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ " بِاللَّعِبِ وَالْبَاطِل " إِنَّهُمْ " أَيْ الْكُفَّار " يَكِيدُونَ كَيْدًا " يَعْمَلُونَ الْمَكَايِد لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " وَأَكِيد كَيْدًا " أَسْتَدْرِجهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ،

" فَمَهِّلْ " يَا مُحَمَّد " الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ " تَأْكِيد حَسَّنَهُ مُخَالَفَة اللَّفْظ , أَيْ أَنْظِرْهُمْ " رُوَيْدًا " قَلِيلًا وَهُوَ مَصْدَر مُؤَكِّد لِمَعْنَى الْعَامِل مُصَغَّر رَوْد أَوْ أَرْوَاد عَلَى التَّرْخِيم وَقَدْ أَخَذَهُمْ اللّٰه تَعَالَى بِبَدْرٍ وَنَسَخَ الْإِمْهَال بِآيَةِ السَّيْف , أَيْ الْأَمْر بِالْقِتَالِ وَالْجِهَاد .

بیشک یہ قرآن فیصلہ کن قطعی فرمان ہے۔جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔اور یہ ہنسی کی بات نہیں ہے۔یعنی کھیل تماشہ اور باطل نہیں ہے۔ بیشک وہ کافر پُر فریب تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔یعنی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں۔اور میں اپنی تدبیر فرما رہا ہوں۔یعنی ان کو مہلت دے رہا ہوں جس کو سمجھ نہیں رہے۔پس یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کافروں کو ذرا مہلت دے دیجئے ، یہاں پر لفظ امہلہم یہ تاکید لفظی ہے اور لفظی تالیف نے اس میں حسن پیدا کر دیا ہے۔یعنی ان پر نظر فرمائیں (زیادہ نہیں بس) انہیں تھوڑی سی ڈھیل اور دے دیجئے۔یہاں پر لفظ رویدا یہ مصدر معنی عامل کیلئے مؤکد ہے۔اور یہ مصغر ہے رود یا اورد جو بہ طور ترخیم ہے پس اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں ان کا مواخذہ کیا۔اور یہ مہلت کا حکم جہاد والی آیت کے حکم سے منسوخ ہے کیونکہ اس میں قتال و جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فمهل الكفرين ۔ ف سببیہ ہے مہل فعل امر واحد مذکر حاضر۔تمہیل (تفعیل) مصدر۔تو مہلت دے۔یعنی چونکہ میں خود ان سے نپٹ رہا ہوں جب چاہوں گا ان کی کرتوتوں کا ان کو مزہ چکھا دوں گا آپ ان کافروں کو ذرا مہلت دیں ان کی ہلاکت کے لئے بددعا نہ کریں۔اور ان کی فوری سزا یابی کے لئے پریشان نہ ہوں۔امهلهم رويدا ۔یہ پہلے حکم مہلت کی تاکید ہے۔مہل اور امہل دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔محض تغیر لفظی ہے۔رویدا تھوڑی سی مہلت۔اسم فعل ہے۔ابن خالویہ کہتے ہیں یہ اصل میں اروادا ہے۔یہ رویدا اس کی تصغیر ہے۔رویدا کے معنی مہلت دینے اور ٹھہرنے کے ہیں کہا جاتا ہے امش مشیا رویدا۔آہستہ چل۔جلدی نہ کر۔علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاتقان میں لکھا ہے:۔رویدا اسم ہے ہمیشہ مصغر اور ماموربہ ہو کر بولا جاتا ہے یہ رود کی تصغیر ہے جس کے معنی مہلت کے ہیں۔(الاتقان فی تفسیر القرآن، سورہ طارق، بیروت)

سُورَۃ الْاَعْلیٰ

یہ قرآن مجید کی سورت اعلیٰ ہے

سورت اعلیٰ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ الاعلیٰ مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، انیس آیات، بہتر کلمات، دوسوا کانوے حروف ہیں۔

سورت اعلیٰ کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت سبح اسم ربك الاعلیٰ کے لفظ الاعلیٰ کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وذکر ہی اعلیٰ ہے۔ پس اسی مناسبت کے سبب اس کا نام اعلیٰ قرار دیا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سورت اعلیٰ کو محبوب رکھنے کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورت یعنی سبح اسم ربک الاعلیٰ کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ (مسند احمد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 692)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورت اعلیٰ یعنی سبح اسم ربک الاعلیٰ کو اس لئے بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے کہ اس میں یہ آیت (اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی 18 صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی الاعلیٰ:18-19) ہے جو قرآن کریم کی حقانیت وصداقت پر شاہد اور مشرکین واہل کتاب کے خیالات واعتقادات کی بہت مضبوط تردید ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس میں تمام مثالیں بیان کی گئی ہیں مثلا کہا گیا ہے کہ اے مسلط! گرفتار نفس اور فریب خوردہ بادشاہ میں نے تجھے دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ تو دنیا جمع کرنے لگے بلکہ میں نے تجھے دنیا میں اس لئے بھیجا تھا کہ تو مظلوموں کی بددعا سے بچے کیونکہ میں مظلوموں کی بددعا رد نہیں کرتا خواہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو سلیم الطبع اور عقل مند انسان کے لئے لازم ہے کہ جب تک اس میں عقل ہو وہ اپنے لئے چار اوقات مقرر کرے ایک وقت میں تو وہ اپنے رب سے مناجات کرے، دوسرے وقت میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔

تیسرے وقت میں اللہ کی صفت وقدرت میں غور وفکر کرے اور چوتھے وقت میں اپنی حاجت مثلا کھانے پینے وغیرہ میں مشغول رہے۔ عقل مند کے لئے لازم ہے کہ وہ صرف تین چیزوں کی طمع کرے (ا) معاد (آخرت) کے لئے زادراہ تیار کرنے کی

(۲) یا اپنی معاش کی اصلاح کی (۳) یا غیر حرام سے لذت و نفع حاصل کرنے کی۔ عقلمند کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے زمانہ پر نظر رکھنے والا ہو اپنے حال کی طرف متوجہ ہو اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو (یادرکھو) جس شخص نے اپنے کلام کا اپنے اعمال سے محاسبہ کیا اس کا کلام زیادہ نہیں ہوگا وہ صرف وہی کلام کرے گا جو ضروری ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اچھا حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس میں عبرتیں یعنی ڈرانے کی باتیں تھیں مثلا اس میں یہ کہا گیا ہے کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو موت پر یقین رکھتا ہے مگر اس کے باوجود (وہ اپنی دنیاوی زندگی کے عیش و عشرت پر) خوش بھی ہوتا ہے۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو دوزخ کی آگ پر یقین رکھتا ہے مگر وہ پھر بھی ہنستا ہے۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے مگر وہ پھر بھی (طلب معاش کے سلسلہ میں) رنج و غم اٹھاتا ہے مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا اور اس کے انقلابات کو دیکھتا ہے اور پھر بھی اس سے مطمئن رہتا ہے اور مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو کل (قیامت) کے دن کے حساب پر یقین رکھتا ہے اور پھر بھی عمل نہیں کرتا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ○ وَ الَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى
○ وَالَّذِىْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ○
اپنے رب کے نام کی تسبیح کریں جو سب سے بلند ہے۔ وہ جس نے پیدا کیا، پس درست بنایا۔ اور وہ
جس نے اندازہ ٹھہرایا، پھر ہدایت کی۔ اور وہ جس نے چارہ اگایا۔ پھر اسے سیاہی مائل خشک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو پڑھنے کا بیان

" سَبِّحْ اِسْمِ رَبِّك " أَىْ نَزِّهْ رَبّك عَمَّا لَا يَلِيق بِهِ وَاسْم زَائِد " الْأَعْلَى " صِفَة لِرَبِّك " الَّذِى خَلَقَ فَسَوَّى " مَخْلُوقه , جَعَلَهُ مُتَنَاسِب الْأَجْزَاء غَيْر مُتَفَاوِت " وَالَّذِى قَدَّرَ " مَا شَاءَ " فَهَدَى " إِلَى مَا قَدَّرَهُ مِنْ خَيْر وَشَرّ " وَالَّذِى أَخْرَجَ الْمَرْعَى " أَنْبَتَ الْعُشْب " فَجَعَلَهُ " بَعْد الْخُضْرَة " غُثَاء " جَافًّا هَشِيمًا " أَحْوَى " أَسْوَد يَابِسًا

اپنے رب کے نام کی تسبیح کریں یعنی آپ کا رب اس سے پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ یہاں پر لفظ اسم زائد ہے اور اعلیٰ یہ لفظ رب کی صفت ہے۔ جو سب سے بلند ہے۔ وہ جس نے پیدا کیا، پس اس مخلوق کو درست بنایا۔ اور یعنی اس کے اعضاء مناسب بنایا ہے۔ وہ جس نے اندازہ ٹھہرایا، پھر ہدایت کی۔ یعنی خیر و شر کی راہ دیکھائی۔ اور وہ جس نے چارہ اگایا۔ یعنی گھاس اگائی پھر اسے یعنی گھاس کو سبز ہونے کے بعد سیاہی مائل خشک کوڑا کرکٹ کی طرح کر دیا۔

سورت شروع کرنے سے پہلے سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کا بیان

صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابو موسیٰ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہ معمول تھا کہ

جب یہ سورت شروع کرتے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے۔یعنی نماز کے سوا جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا مستحب ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے کہ جب سورہ سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوھا فی سجود کم یعنی یہ کلمہ سبحان ربی الاعلیٰ اپنے سجدہ میں کہا کرو سبح اسم ربك الاعلیٰ، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں، سبح اسم ربک کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے، اور ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اسکے شایاں نہیں، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے ہیں ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

اسی طرح اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کیلئے استعمال کرنا اس کی تنزیہہ وتقدیس کے خلاف ہے اسلئے جائز نہیں جیسے رحمٰن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ آجکل اس معاملے میں غفلت بڑھتی جارہی ہے، لوگوں کو ناموں کے اختصار کا شوق ہے، عبدالرحمٰن کو رحمٰن، عبدالرزاق کو رزاق، عبدالغفار کو غفار بے تکلف کہتے رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلاوجہ ہوتا رہتا ہے۔اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ اسم سے مراد خود مسمی کو ذات مراد لی ہے اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کی گنجائش بھی ہے اور قرآن کریم میں بھی اس معنے کے لئے استعمال ہوا ہے، اور حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کو نماز کے سجدے میں پڑھنے کا حکم دیا اس کی تعمیل میں جو کلمہ اختیار کیا گیا وہ سبحان اسم ربك الاعلیٰ نہیں بلکہ سبحان ربی الاعلیٰ ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسم اس جگہ مقصود نہیں خود مسمی مراد ہے۔(تفسیر قرطبی، سورہ اعلیٰ، بیروت)

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی○ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی○
ہم آپ کو خود پڑھائیں گے کہ آپ نہیں بھولیں گے۔مگر جو اللہ چاہے، بیشک وہ جہر اور خفی سب باتوں کو جانتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مجید کے محفوظ ہو جانے کا بیان

" سَنُقْرِئُكَ " الْقُرْآن " فَلَا تَنْسَى " مَا تَقْرَؤُهُ " إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰه " أَنْ تَنْسَاهُ بِنَسْخِ تِلَاوَته وَحُكْمه , وَكَانَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْهَر بِالْقِرَاءَةِ مَعَ قِرَاءَة جِبْرِيل خَوْف النِّسْيَان فَكَأَنَّهُ قِيلَ لَهُ : لَا تَعْجَل بِهَا إِنَّك لَا تَنْسَى فَلَا تُتْعِب نَفْسك بِالْجَهْرِ بِهَا " إِنَّهُ " تَعَالَى " يَعْلَم الْجَهْر " مِنْ الْقَوْل وَالْفِعْل " وَمَا يَخْفَى " مِنْهُمَا،

ہم آپ کو خود قرآن ایسا پڑھائیں گے کہ آپ کبھی نہیں بھولیں گے۔مگر جو اللہ چاہے، یعنی تلاوت اور حکم کو جس قدر منسوخ کر دیں گے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل امین کے ساتھ جہر کے ساتھ بھولنے کے اندیشہ کے سبب اہتمام سے قرأت فرمایا کرتے تھے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیلئے فرمایا گیا کہ آپ جلدی نہ فرمائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی بھولنے

والے نہیں ہیں۔لہٰذا جہر سے اپنی جان پر مشقت نہ اٹھائیں۔ بیشک وہ یعنی اللہ تعالیٰ جہر اور خفی (یعنی ظاہر و پوشیدہ اور بلند و آہستہ) سب باتوں کو جانتا ہے۔

سابقہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت وحکمت کے چند مظاہر بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے فریضہ پیغمبری کی طرف چند ہدایات دی ہیں اور ہدایات سے پہلے آپ کے کام کو آسان کردینے کی خوشخبری سنائی ہے وہ یہ کہ ابتداء میں جب آپ پر قرآن نازل ہوتا اور جبرئیل امین کوئی آیت قرآن سناتے تو آپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ الفاظ آیت ذہن سے نکل جائیں اسلئے جبرئیل امین کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ بھی الفاظ قرآن پڑھتے جاتے تھے۔اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ کام یعنی قرآن کا یاد کرادینا اپنے ذمہ لے لیا اور آپکو بےفکر کردیا کہ جبرئیل امین کے چلے جانے کے بعد آیات قرآن کا آپ سے صحیح صحیح پڑھوا دینا پھر ان کو یاد میں محفوظ کرادینا ہماری ذمہ داری ہے آپ فکر نہ کریں جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ فلاتنسی الا ماشاء اللہ یعنی آپ قرآن کی کوئی چیز بھولینگے نہیں بجز اسکے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر آپ کے ذہن سے بھلا دینا اور محو کردینا چاہیں، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بعض آیات قرآن کو منسوخ فرماتے ہیں اس کا ایک طریقہ تو معروف ہے کہ صاف حکم پہلے حکم کیخلاف آ گیا، اور ایک صورت منسوخ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اس آیت ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں کے ذہنوں سے محو اور فراموش کردیا جائے جیسا کہ نسخ آیات قرآنی کے بیان میں فرمایا مانسخ من ایت او ننسھا یعنی ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا آپ کے ذہن سے بھلا دیتے ہیں الخ اور بعض حضرات نے الا ماشاء اللہ کے استثناء کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور حکمت کی بناء پر عارضی طور پر سے کوئی آیت آپ کے ذہن سے بھلادیں پھر یاد آ جائے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سورت سلاوت فرمائی جس میں ایک آیت پڑھنے سے رہ گئی، حضرت ابی بن کعب جو کاتب وحی تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ آیت منسوخ ہوگئی مگر جب آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ منسوخ نہیں مجھ سے سہواً ترک ہوگئی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ اعلیٰ، بیروت)

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ○ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ○
اور ہم آپ کو اس آسان کے لئے سہولت فراہم فرمائیں گے۔پس آپ نصیحت فرماتے رہیے
بشرطیکہ نصیحت فائدہ دے۔البتہ وہی نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہوگا۔

شریعت اسلامیہ کے آسان ہونے کا بیان

"وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَى " لِلشَّرِيعَةِ السَّهْلَةِ وَهِيَ الْإِسْلَام" فَذَكِّرْ " عِظْ بِالْقُرْآنِ " إِنْ نَفَعَتْ الذِّكْرَى " مِنْ تَذْكِرَة الْمَذْكُور فِي سَيَذَّكَّرُ . يَعْنِي وَإِنْ لَمْ تَنْفَع وَنَفْعهَا لِبَعْضٍ وَعَدَم النَّفْع لِبَعْضٍ آخَر" سَيَذَّكَّرُ " بِهَا " مَنْ يَخْشَى " يَخَاف اللّٰه تَعَالَى كَآيَةِ،

اور ہم آپ کو اس آسان شریعت پر عمل پیرا ہونے کے لئے بھی سہولت فراہم فرمائیں گے۔اور وہ اسلام ہے۔پس آپ قرآن کے ذریعے نصیحت فرماتے رہیے بشرطیکہ نصیحت سننے والوں کو فائدہ دے۔یعنی اگر نفع نہ دے تب بھی بعض کیلئے نفع مند ہوگی اور بعض کیلئے نفع نہ ہوگا۔البتہ وہی نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہوگا۔جس طرح آیت مبارکہ میں آیا ہے۔

یعنی کہ وحی تمہیں بے محنت یادرہے گی۔مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ آسانی کے سامان سے شریعت اسلام مراد ہے جو نہایت سہل وآسان ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى○ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى○ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى○
اور بد بخت اس سے پہلو تہی کرے گا۔جو سب سے بڑی آگ میں داخل ہوگا۔پھر وہ نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔

قرآن کی نصیحت کی جانب توجہ نہ کرنے والے کا بیان

" وَيَتَجَنَّبهَا " أَيْ الذِّكْرَى , أَيْ يَتْرُكهَا جَانِبًا لَا يَلْتَفِت إِلَيْهَا " الْأَشْقَى " بِمَعْنَى الشَّقِيّ أَيْ الْكَافِر " الَّذِي يَصْلَى النَّار الْكُبْرَى " هِيَ نَار الْآخِرَة وَالصُّغْرَى نَار الدُّنْيَا" ثُمَّ لَا يَمُوت فِيهَا " فَيَسْتَرِيح " وَلَا يَحْيَا " حَيَاة هَنِيئَة،

اور بد بخت اس نصیحت سے پہلو تہی کرے گا۔یعنی اس کو چھوڑ دے گا اس کی جانب متوجہ نہ ہوگا۔یہاں پر لفظ اشقی بمعنی شقی یعنی کافر ہے۔جو قیامت کے دن سب سے بڑی آگ میں داخل ہوگا۔اور وہ آخرت کی آگ ہے جبکہ دنیا کی آگ چھوٹی ہے۔پھر وہ نہ اس میں مرے گا تا کہ راحت حاصل کرے۔اور نہ زندہ رہے گا۔کہ خوشی کی زندگی گزارے۔

یعنی اخروی زندگی میں مرتو سکے گا نہیں اور جو زندگی ہوگی وہ عذاب کی وجہ سے موت سے بدتر ہوگی۔ایسی زندگی پر وہ خود بھی موت کو ترجیح دینگے مگر موت نام کی وہاں کوئی چیز نہ ہوگی۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
وَّاَبْقٰى○ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى○
بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا۔اور وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔بلکہ تم دنیا کی زندگی
کو ترجیح دیتے ہو۔حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔بے شک یہ بات یقیناً پہلے صحیفوں
میں تھی ہے۔ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحائف ہیں۔

ایمان کی طہارت سے حصول تزکیہ کا بیان

" قَدْ أَفْلَحَ " فَازَ " مَنْ تَزَكَّى " تَطَهَّرَ بِالْإِيمَانِ " وَذَكَرَ اِسْم رَبّه " مُكَبِّرًا " فَصَلَّى " الصَّلَوَات

الْخَمْس وَذَلِكَ مِنْ أُمُور الْآخِرَة وَكُفَّار مَكَّة مُعْرِضُونَ عَنْهَا" بَلْ تُؤْثِرُونَ " بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّة " الْحَيَاة الدُّنْيَا " عَلَى الْآخِرَة" وَالْآخِرَة " الْمُشْتَمِلَة عَلَى الْجَنَّة " خَيْر وَأَبْقَى "" إِنَّ هَذَا " إِفْلَاح مَنْ تَزَكَّى وَكَوْن الْآخِرَة خَيْرًا " لَفِي الصُّحُف الْأُولَى " أَيْ الْمُنَزَّلَة قَبْل الْقُرْآن" صُحُف إِبْرَاهِيم وَمُوسَى " وَهِيَ عَشْر صُحُف لِإِبْرَاهِيم وَالتَّوْرَاة لِمُوسَى .

بے شک وہ کامیاب ہوگیا جو پاک ہوگیا۔یعنی جو ایمان کے ساتھ پاک ہوا۔اور وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا یعنی اس کی برائی کو بیان کرتا رہا اور پانچ وقتہ نماز پڑھتا رہا۔کیونکہ یہ امور آخرت سے ہیں اور کفار مکہ انہی سے اعراض کرتے تھے۔بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔یہاں پر لفظ تو ثرون یہ فوقانیہ اور تحتانیہ دونوں طرح آیا ہے۔حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔کیونکہ وہ جنت پر مشتمل ہے۔لہٰذا یہی بات پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے کامیابی ہے اور اور آخرت بہتر ودائمی ہے بے شک یہ بات یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے۔جو قرآن سے پہلے نازل ہوئے ہیں۔جو ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحائف ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحائف اور موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی ہے۔

اپنے آپ کو برے اخلاق سے پاک کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے رذیل اخلاق سے اپنے آپ کو پاک کرلیا احکام اسلام کی تابعداری کی نماز کو ٹھیک وقت پر قائم رکھا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے اس نے نجات اور فلاح پالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کرکے فرمایا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی دے اس کے سوال کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کو مان لے اور پانچوں وقت کی نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرے وہ نجات پا گیا۔(بزار)

ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پانچ وقت کی نماز ہے حضرت ابوالعالیہ نے ایک مرتبہ ابوخلدہ سے فرمایا کہ کل جب عید گاہ جاؤ تو مجھ سے ملتے جانا جب میں گیا تو مجھ سے کہا کچھ کھالیا ہے میں نے کہا ہاں،فرمایا نہا چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا زکوٰۃ فطر ادا کرچکے ہو؟ میں نے کہا ہاں،فرمایا بس یہی کہنا تھا کہ اس آیت میں یہی مراد ہے۔اہل مدینہ فطرہ سے اور پانی پلانے سے افضل اور کوئی صدقہ نہیں جانتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی لوگوں کو فطرہ ادا کرنے کا حکم کرتے پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے،حضرت ابو الاحواص فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرے اور کوئی سائل آجائے تو اسے خیرات دے دے پھر یہی آیت پڑھی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس نے اپنے مال کو پاک کرلیا اور اپنے رب کو راضی کرلیا پھر ارشاد ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو اور دراصل تمہاری مصلحت تمہارا انفع اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے دنیا ذلیل ہے فانی ہے آخرت شریف ہے باقی ہے کوئی عاقل ایسا نہیں کرسکتا کہ فانی کو باقی کی جگہ اختیار کرلے اور اس فانی کے انتظام میں پڑ کر اس باقی کے اہتمام کو چھوڑ دے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال وہاں نہ ہو اسے جمع کرنے کے پیچھے وہ لگتے ہیں جو بیوقوف ہیں ابن جریر میں ہے کہ حضرت عرفجہ ثقفی اس سورت کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے تو تلاوت چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ سچ ہے ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی لوگ خاموش رہے تو آپ نے پھر فرمایا کہ اس لیے کہ ہم دنیا کے گرویدہ ہو گئے کہ یہاں کی زینت کو یہاں کی عورتوں کو یہاں کے کھانے پینے کو ہم نے دیکھ لیا آخرت نظروں سے اوجھل ہے اس لیے ہم نے اس سامنے والی کی طرف توجہ کی اور اس نظر نہ آنے والی سے آنکھیں پھیر لیں یا تو یہ فرمان حضرت عبداللہ کا بطور تواضع کے ہے یا جنس انسان کی بابت فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا تم اے لوگو! باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو۔

مسند احمد پھر فرماتا ہے کہ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ سب بیان ان صحیفوں میں بھی تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ اعلیٰ، بیروت)

سُورَةُ الْغَاشِيَة

یہ قرآن مجید کی سورت غاشیہ ھے

سورت غاشیہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ غاشیہ مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، چھبیس آیات، بانوے کلمات، تین سو اکیاسی حروف ہیں۔

سورت غاشیہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت کے لفظ الغاشیہ کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی چھا جانے والی ہے جو قیامت کا ایک نام ہے پس اسی نام قیامت کے نام سے یہ سورت معروف ہوئی ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ○ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ○ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ○
تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً○ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ○
کیا آپ کو چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی ہے۔ اس دن کتنے ہی چہرے ذلیل وخوار ہوں گے۔ محنت کرنے والے،
تھک جانے والے۔ دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۔ وہ ایک کھولتے ہوئے چشمے سے پلائے جائیں گے۔

قیامت کا اپنی ہولنا کیوں کے ساتھ مخلوقات پر چھا جانے کا بیان

" هَلْ " قَدْ " أَتَاكَ حَدِيث الْغَاشِيَة " الْقِيَامَة لِأَنَّهَا تَغْشَى الْخَلَائِق بِأَهْوَالِهَا" وُجُوه يَوْمئِذٍ " عَبَّرَ بِهَا عَنْ الذَّوَات فِي الْمَوْضِعَيْنِ " خَاشِعَة "ذَلِيلَة" عَامِلَة نَاصِبَة " ذَات نَصَب وَتَعَب بِالسَّلَاسِلِ وَالْأَغْلَال "تَصْلَى " بِفَتْحِ التَّاء وَضَمّهَا " نَارًا حَامِيَة "" تُسْقَى مِنْ عَيْن آنِيَة" شَدِيدَة الْحَرَارَة،

کیا آپ کو چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے ہولناک ہونے کے ساتھ ساری مخلوقات پر چھا جائے گی اس دن کتنے ہی چہرے ذلیل وخوار ہوں گے۔ یہاں پر دونوں مقامات پر لوگوں کو چہروں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ محنت کرنے والے، تھک جانے والے۔ یعنی طوق اور زنجیروں میں ہونے کے سبب سخت مشقت جھیل رہے ہوں گے۔ دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۔ یہاں پر لفظ تصلی یہ تاء کے فتحہ اور ضمہ دونوں طرح آیا ہے۔ وہ ایک کھولتے ہوئے چشمے سے پلائے جائیں گے۔ جو سخت گرم ہوگا۔

سب کو ڈھانپنے والی حقیقت قیامت کا بیان

غاشیہ قیامت کا نام ہے اس لیے کہ وہ سب پر آ ئیگی سب کو گھیرے ہوئے ہوگی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت ھل اتٰک پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے جواباً فرمایا نعم قد جآء نی یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے اس دن بہت سے لوگ ذلیل چہروں والے ہوں گے پستی ان پر برس رہی ہوں گی ان کے اعمال غارت ہو گئے ہوں گے انہوں نے تو بڑے بڑے اعمال کیے تھے سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ آج بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گئے ایک مرتبہ حضرت عمر ایک خانقاہ کے پاس سے گزرے وہاں کے راہب کو آواز دی وہ حاضر ہوا آپ اسے دیکھ کر روئے لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو فرمایا اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی کہ عبادت اور ریاضت کرتے ہیں لیکن آخر جہنم میں جائیں گے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد نصرانی ہیں عکرمہ اور سدی فرماتے ہیں کہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے رہے اور آخرت میں عذاب کی اور مار کی تکلیفیں برداشت کریں گے یہ سخت بھڑکنے والی جلتی تپتی آگ میں جائیں گے جہاں سوائے ضریع کے اور کچھ کھانے کو نہ ملے گا جو آگ کا درخت ہے یا جہنم کا پتھر ہے یہ تھوہر کی بیل ہے۔

اس میں زہریلے کانٹے دار پھل لگتے ہیں یہ بد ترین کھانا ہے اور نہایت ہی برا نہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے یعنی نہ نفع پہنچے نہ نقصان دور ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ غاشیہ، بیروت)

لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ۝ لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ۝
وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ ۝
ان کے لئے خاردار خشک زہریلی جھاڑیوں کے سوا کچھ کھانا نہ ہوگا۔ جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک سے کچھ فائدہ دے گا۔
کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنی کاوشوں کے باعث خوش وخرم ہوں گے۔

دوزخیوں کیلئے درخت ضریع کی خوراک کا بیان

" لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَام إِلَّا مِنۡ ضَرِيع " هُوَ نَوۡع مِنۡ الشَّوۡك لَا تَرۡعَاهُ دَابَّة لِخُبۡثِهِ " وُجُوه يَوۡمَئِذٍ نَاعِمَة " حَسَنَة " لِسَعۡيِهَا " فِي الدُّنۡيَا بِالطَّاعَةِ " رَاضِيَة " فِي الۡآخِرَة لَمَّا رَأَتۡ ثَوَابه

ان کے لئے خاردار خشک زہریلی جھاڑیوں کے سوا کچھ کھانا نہ ہوگا۔ ضریع ایک کانٹے دار جھاڑی ہے جس کی خباثت کی وجہ سے اسے کوئی جانور بھی نہیں کھاتا۔ جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک سے کچھ فائدہ دے گا۔ کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنی نیک کاوشوں کے باعث خوش وخرم ہوں گے۔ کیونکہ دنیا میں طاعت کے سبب وہ آخرت میں اس کا ثواب دیکھیں گے۔

لیس لھم طعام الا من ضریع یعنی اہل جہنم کو کھانے کے لئے ضریع کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ ضریع دنیا میں ایک خاص قسم

کی خاردار گھاس ہے جو زمین پر پھیلتی ہے کوئی جانور اس کے پاس نہیں جاتا بدبودار زہریلی کانٹوں والی ہے۔

جہنم میں گھاس درخت کیسے:۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے گا کہ گھاس درخت تو آگ سے جل جانے والی چیزیں ہیں جہنم میں یہ کیسے رہیں گی کیونکہ جس خالق و مالک نے ان کو دنیا میں پانی اور ہوا سے پالا ہے اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ جہنم میں ان درختوں کی غذا آگ ہی بنادے وہ اسی سے پھلیں پھولیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ غاشیہ، بیروت)

فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ۝ لَّا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً۝ فِیۡہَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ۝ فِیۡہَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ۝
عالی شان جنت میں ہوں گے۔ وہ اس میں بے ہودگی والی کوئی بات نہیں سنیں گے۔ اس میں بہتے ہوئے
چشمے ہوں گے۔ اس میں اونچے اونچے تخت ہیں۔

اہل جنت کا اونچے محلات میں ہونے کا بیان

"فِي جَنَّة عَالِيَة " حِسًّا وَمَعْنًى " لَا تَسْمَع " بِالْيَاءِ وَالتَّاء " فِيهَا لَاغِيَة " أَيْ نَفْس ذَات لَغْو : هَذَيَان مِنْ الْكَلَام " فِيهَا عَيْن جَارِيَة " بِالْمَاءِ بِمَعْنَى عُيُون" فِيهَا سُرُر مَرْفُوعَة " ذَاتًا وَقَدْرًا وَمَحِلًّا

عالی شان جنت میں قیام پذیر ہوں گے۔ یعنی جب وہ مقام بہ طور حس وحقیقت میں دیکھیں گے۔ وہ اس میں بے ہودگی والی کوئی بات نہیں سنیں گے۔ یہاں پر لفظ لاتسمع یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ لہٰذا وہ پر کوئی ایسا کلام جو بے ہودہ ہو وہ نہ ہوگا۔ اس میں پانی کے ساتھ بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ یہاں پر ماء بہ معنی عیون چشمے ہے۔ اس میں اونچے اونچے تخت ہیں۔ یعنی اونچے محلات میں وہ ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی اپنے اوپر کے بالا خانے والے لوگوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ اس روشن ستارے کو دیکھتے ہو جو آسمان کے مشرقی یا مغربی افق میں ہوتا ہے اور اس (بالا خانوں کی بلندی وخوشنمائی) کا تعلق فرق مراتب سے ہوگا جو اہل جنت کے درمیان پایا جاتا ہے۔ "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بالا خانے اوپر کے پرشکوہ محلات۔ کیا انبیاء علیہم السلام کے مکان ہونگے جن تک انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہوگی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کیوں نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان بلند و بالا محلات اور بالا خانوں تک ان لوگوں کی بھی رسائی ہوگی جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔ (مسلم بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 190)

وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ۝ وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَۃٌ۝ وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ۝
اور جام رکھے ہوئے ہوں گے۔ اور قطاروں میں لگے ہوئے گاؤ تکیے ہیں۔ اور بچھائے ہوئے مخملی قالین ہیں۔

اہل جنت کیلئے مشروبات وتکیہ گاہوں کا بیان

" وَأَكْوَاب " أَقْدَاح لَا عُرَا لَهَا " مَوْضُوعَة " عَلَى حَافَّات الْعُيُون مُعَدَّة لِشُرْبِهِمْ " وَنَمَارِق " وَسَائِد " مَصْفُوفَة " بَعْضهَا بِجَنْبِ بَعْض يُسْتَنَد إِلَيْهَا " وَزَرَابِيّ " بُسُط طَنَافِس لَهَا خَمْل " مَبْثُوثَة " مَبْسُوطَة،

اور جام بڑے قرینے سے رکھے ہوئے ہوں گے۔ایسے جام جو بغیر دستہ کے ہوں گے۔اور اہل جنت کے پینے کیلئے رکھے ہوئے ہوں گے۔اور قطاروں میں لگے ہوئے گاؤ تکیے ہیں۔جن پر اہل جنت ٹیک لگائے ہوں گے۔یعنی بعض کے پہلو بعض پر ٹیک لگائے ہوں گے۔اور بچھائے ہوئے مخملی قالین ہیں۔یعنی ایسے فرش ہوں گے جو روئی کی طرح نرم ہوں گے۔

جنت کے بعض آداب معاشرت کا بیان

واکواب موضوعة اکواب، کوب کی جمع ہے، پانی پینے کے برتن کو کہا جاتا ہے جیسے آبخورے، گلاس وغیرہ اس کی صفت میں لفظ موضوعہ یعنی اپنی مقررہ جگہ پر پانی کے قریب رکھے ہوئے ہوں گے۔یہ فرما کر آداب معاشرت کے ایک اہم باب کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ پانی پینے کے برتن پانی کے قریب مقررہ جگہ پر رہنے چاہئیں وہاں سے اُدھر اُدھر ہو جائیں اور پانی پینے کے وقت تلاش کرنا پڑے یہ ایذا و تکلیف کی چیز ہے اس لئے ہر شخص کو اس کا اہتمام چاہئے کہ ایسی استعمالی چیزیں جو سب گھر والوں کے کام میں آتی ہے جیسے لوٹے، گلاس، تولیہ وغیرہ ان کی جگہ مقرر رہنی چاہئے اور استعمال کرنے کے بعد اس کو وہیں رکھنا چاہئے اتکہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔یہ اشارہ لفظ موضوعہ سے اس لئے نکلا کہ حق تعالیٰ نے اہل جنت کی راحت و آسائش کے لئے اس کے ذکر کا اہتمام فرمایا کہاں کے پانی پینے کے برتن پانی کے قریب رکھے ہوئے ملیں گے۔

اَفَـلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ۝
وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ۝
تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے۔اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے بلند کیا گیا۔
اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے نصب کیے گئے۔اور زمین کی طرف کہ وہ کیسے بچھائی گئی۔

مخلوقات میں غور وفکر سے استدلال توحید کا بیان

" أَفَلَا يَنْظُرُونَ " أَيْ كُفَّار مَكَّة نَظَر اِعْتِبَار " إِلَى الْإِبِل كَيْف خُلِقَتْ "" وَإِلَى الْأَرْض كَيْف سُطِحَتْ " أَيْ بُسِطَتْ , فَيَسْتَدِلُّونَ بِهَا عَلَى قُدْرَة اللَّه تَعَالَى وَوَحْدَانِيّته , وَصُدِّرَتْ بِالْإِبِلِ لِأَنَّهُمْ أَشَدّ مُلَابَسَة لَهَا مِنْ غَيْرهَا , وَقَوْله : " سُطِحَتْ " ظَاهِر فِي أَنَّ الْأَرْض سَطْح , وَعَلَيْهِ عُلَمَاء الشَّرْع , لَا كُرَة كَمَا قَالَهُ أَهْل الْهَيْئَة وَإِنْ لَمْ يَنْقُض رُكْنًا مِنْ أَرْكَان الشَّرْع،

کیا کفار مکہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ غور کریں کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے۔ اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے بلند کیا گیا۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے نصب کیے گئے۔ اور زمین کی طرف کہ وہ کیسے بچھائی گئی۔ لہٰذا وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و وحدانیت پر استدلال کریں۔ یہاں پر لفظ ابل کو شروع میں اس لئے لایا گیا ہے کیونکہ اہل عرب بہ نسبت دیگر چیزوں کے زیادہ تر اونٹوں میں رہا کرتے تھے۔ اور یہ قول سطحت بالکل زمین کے بچھنے میں ظاہر ہے۔ یہی نظریہ علمائے شریعت ہے جبکہ زمین گول نہیں ہے جس طرح اہل ہیئت کا نظریہ ہے۔ اگرچہ زمین کے گول ہونے کی صورت کوئی شرعی رکن ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

کائنات پر غور و تدبر کی دعوت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی مخلوقات پر تدبر کے ساتھ نظریں ڈالیں اور دیکھیں کہ اس کی بے انتہا قدرت ان میں سے ہر ایک چیز سے کس طرح ظاہر ہوتی ہے اس کی پاک ذات پر ہر ایک چیز کس طرح دلالت کر رہی ہے اونٹ کو ہی دیکھو کہ کس عجیب و غریب ترکیب اور ہیئت کا ہے کتنا مضبوط اور قوی ہے اور اس کے باوجود کس طرح نرمی اور آسانی سے بوجھ لا دلیتا ہے اور ایک بچے کیساتھ کس طرح اطاعت گزار بن کر چلتا ہے۔ اس کا گوشت بھی تمہارے کھانے میں آئے اس کے بال بھی تمہارے کام آئیں اس کا دودھ تم پیو اور طرح طرح کے فائدے اٹھاؤ، اونٹ کا حال سب سے پہلے اس لیے بیان کیا گیا کہ عموماً عرب کے ملک میں اور عربوں کے پاس یہی جانور تھا حضرت شریح قاضی فرمایا کرتے تھے آؤ چلو چل کر دیکھیں کہ اونٹ کی پیدائش کس طرح ہے اور آسمان کی بلندی زمین سے کس طرح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ غاشیہ، بیروت)

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ۝
پس آپ نصیحت فرماتے رہیے، آپ تو نصیحت ہی فرمانے والے ہیں۔ آپ ان پر جابر و قاہر مسلط نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور دلائل توحید کو بیان کرتے رہنے کا بیان

"فَذَكِّرْ" هُمْ نِعَمَ اللّٰهِ وَدَلَائِلَ تَوْحِيدِهِ "إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّر" "لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِر" وَفِي قِرَاءَة بِالسِّينِ بَدَل الصَّاد، أَيْ بِمُسَلَّطٍ وَهٰذَا قَبْل الْأَمْر بِالْجِهَادِ،

پس آپ نصیحت فرماتے رہیے، یعنی انہیں اللہ کی نعمتوں اور توحید کے دلائل دیتے رہیں۔ آپ تو نصیحت ہی فرمانے والے ہیں۔ آپ ان پر جابر و قاہر کے طور پر مسلط نہیں ہیں۔ ایک قرأت میں مصیطر یہ سین کی بجائے صاد کے ساتھ جس کا معنی مسلط ہے اور یہ حکم جہاد والے حکم سے پہلے کا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ نہ کہنے لگیں۔ اگر ان لوگوں نے اس کا اقرار کر لیا تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیا اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ 21 لَسْتَ

عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1292)

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ٥ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ٥ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ٥ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ٥
مگر جو رُوگردانی کرے اور کفر کرے۔ تو اسے اللہ سب سے بڑا عذاب دے گا۔ یقیناً ہماری ہی طرف
ان کا لوٹ کر آنا ہے پھر بیشک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے۔

ایمان سے روگردانی کرنے والوں کیلئے بڑا عذاب ہونے کا بیان

" إِلَّا " لَكِنْ " مَنْ تَوَلَّى " أَعْرَضَ عَنْ الْإِيمَان " وَكَفَرَ " بِالْقُرْآنِ " فَيُعَذِّبهُ اللَّه الْعَذَاب الْأَكْبَر " عَذَاب الْآخِرَة وَالْأَصْغَر عَذَاب الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْأَسْر " إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابهمْ " رُجُوعهمْ بَعْد الْمَوْت " ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابهمْ " جَزَاءَهُمْ لَا نَتْرُكهُ أَبَدًا .

مگر جو ایمان سے رُوگردانی کرے اور قرآن کا انکار کرے۔ تو اسے اللہ سب سے بڑا عذاب دے گا۔ جو آخرت کا عذاب ہے جبکہ دنیا کو چھوٹا عذاب قتل وقید ہے۔ موت کے بعد یقیناً ہماری ہی طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے پھر بیشک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے۔ یعنی ان کی جزاء ہے جس کو ہم کبھی ترک نہ کریں گے۔

یعنی ایمان سے روگردانی کرنے والوں کو اور اللہ کا انکار کرنے والوں کو اس دنیا میں بھی کئی قسم کے عذاب ملیں گے مثلاً بھوک۔ قحط۔ قتل۔ بیماری وغیرہ۔ لیکن یہ عذاب، آخرت کے عذاب (یعنی عذاب جہنم) سے دکھ اور تکلیف میں بہت کم درجے کے ہوں گے اور آخرت کا عذاب ان تمام عذابوں سے بہت بڑا اور دردناک ہوگا۔

سُوْرَةُ الْفَجْرِ

یہ قرآن مجید کی سورت فجر ہے

سورت فجر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ الفجر مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، انتیس یا تیس آیات، ایک سو انتالیس کلمات، پانچ سو ستانوے حروف ہیں۔

سورت فجر کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلے ہی لفظ والفجر کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس میں لفظ فجر کو قسم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت فجر کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

وَالْفَجْرِ ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ○ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ○ وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ○ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ○
اس صبح کی قسم، اور دس راتوں کی قسم۔ اور جفت کی قسم اور طاق کی قسم۔ اور رات کی قسم جب گزر چلے۔
بیشک ان میں عقل مند کے لئے بڑی قسم ہے۔

فجر اور دس راتوں کی قسم اٹھانے کا بیان

" وَالْفَجْر " أَيْ فَجْر كُلّ يَوْم " وَلَيَالٍ عَشْر " أَيْ عَشْر ذِي الْحِجَّة " وَالشَّفْع " الزَّوْج " وَالْوَتْر " بِفَتْحِ الْوَاو وَكَسْرهَا لُغَتَانِ : الْفَرْد " وَاللَّيْل إِذَا يَسْرِ " مُقْبِلًا وَمُدْبِرًا " هَلْ فِي ذَلِكَ " الْقَسَم " قَسَم لِذِي حِجْر " عَقْل , وَجَوَاب الْقَسَم مَحْذُوف أَيْ : لَتُعَذَّبُنَّ يَا كُفَّار مَكَّة

فجر کی قسم ہے یعنی ہر دن کی فجر (صبح صادق) کی قسم ہے۔ اور دس راتوں کی قسم ہے یعنی ذوالحج کی دس راتوں کی۔ جفت یعنی جوڑے اور ''وتر'' اس میں واؤ پر زبر بھی پڑھی گئی ہے اور زیر بھی پڑھی گئی ہے یعنی طاق کی قسم ہے۔ اور رات کی قسم ہے، جب وہ رخصت ہوتی ہے، جب وہ آتی اور جاتی ہے۔ کیا اس میں یعنی قسم میں کسی حجر والے یعنی عقل والے کے لئے قسم ہے یہاں پہ قسم کا جواب محذوف ہے یعنی اے مکہ کے کفار تمہیں ضرور عذاب دیا جائے گا۔

شفع اور وتر سے مراد نمازیں ہونے کا بیان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ یعنی جفت

اور طاق)۔ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے مراد نمازیں ہیں۔ یعنی بعض جفت ہیں اور بعض طاق۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف قتادہ کی روایت سے جانتے ہیں۔ خالد بن قیس بھی اسے قتادہ ہی سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1293)

شفع اور وتر کے مفہوم کا بیان

فجر تو ہر شخص جانتا ہے یعنی صبح اور یہ مطلب بھی ہے کہ بقر عید کے دن کی صبح، اور یہ مراد بھی ہے کہ صبح کے وقت کی نماز، اور پورا دن اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ مہینے کی پہلی دس راتیں۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ کوئی عبادت ان دس دنوں کی عبادت سے افضل نہیں لوگوں نے پوچھا اللہ کی راہ کا جہاد بھی نہیں؟ فرمایا یہ بھی نہیں مگر وہ شخص جو جان مال لے کر نکلا اور پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا بعض نے کہا ہے محرم کے پہلے دس دن مراد ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رمضان شریف کے پہلے دس دن لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے یعنی ذی الحجہ کی شروع کی دس راتیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں اور وتر سے مراد عرفے کا دن ہے اور شفع سے مراد قربانی کا دن ہے اس کی اسناد میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن متن میں نکارت ہے واللہ اعلم۔ وتر سے مراد عرفے کا دن ہے یہ نویں تاریخ ہوتی ہے تو شفع سے مراد دسویں تاریخ یعنی بقر عید کا دن ہے وہ طاق ہے یہ جفت ہے۔

حضرت واصل بن سائب رضی اللہ عنہ نے حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وتر سے مراد یہی وتر نماز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں شفع عرفہ کا دن ہے اور وتر عید الاضحیٰ کی رات ہے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ شفع کیا ہے اور وتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا آیت (فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ،البقرة:203) میں جو دو دن کا ذکر ہے وہ شفع ہے اور من تاخر میں جو ایک دن ہے وہ وتر ہے یعنی گیارہویں بارہویں ذی الحجہ کی شفع اور تیرھویں وتر ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایام تشریق کا درمیانی دن شفع ہے اور آخری دن وتر ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں یاد کرلے جنتی ہے وہ وتر ہے وتر کو دوست رکھتا ہے زید بن اسلم فرماتے ہیں اس سے مراد تمام مخلوق ہے اس میں شفع بھی ہے اور وتر بھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مخلوق شفع اور اللہ وتر ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع صبح کی نماز ہے اور وتر مغرب کی نماز ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع سے مراد جوڑ جوڑ اور وتر سے مراد اللہ عز وجل جیسے آسمان، زمین، تری، خشکی جن انس سورج چاند وغیرہ قرآن میں ہے آیت (وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ، الذاريات:49) ہم نے ہر چیز کو جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کرلو یعنی جان لو کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد گنتی ہے جس میں جفت بھی ہے اور طاق بھی ہے ایک حدیث میں ہے کہ شفع سے مراد دو دن ہیں اور وتر سے مراد تیسرا دن۔ یہ حدیث اس حدیث کے مخالف ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد نماز ہے کہ اس میں شفع ہے جیسے صبح کی دو ظہر عصر اور عشاء کی چار چار اور وتر ہے جیسے مغرب کی تین رکعتیں جو دن

کے وتر ہیں اور اسی طرح آخری رات کا وتر ایک مرفوع حدیث میں مطلق نماز کے لفظ کے ساتھ مروی ہے بعض صحابہ سے فرض نماز مروی ہے لیکن یہ مرفوع حدیث نہیں زیادہ ٹھیک یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمران بن حصین پر موقوف ہے، واللہ اعلم۔ امام ابن جریر نے ان آٹھ نو اقوال میں سے کسی کو فیصل قرار نہیں دیا۔

پھر فرماتا ہے رات کی قسم جب جانے لگے اور یہ بھی معنی کیے گئے ہیں کہ جب آنے لگے بلکہ یہی معنی زیادہ مناسب اور والفجر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ فجر کہتے ہیں رات کے جانے کو اور دن کے آنے کو تو یہاں رات کا آنا اور دن کا جانا مراد ہوگا۔ جیسے آیت (وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ 17 وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ 18)-81التکویر:17) میں عکرمہ فرماتے ہیں مراد مزدلفہ کی رات ہے۔

(تفسیر جامع البیان، سورہ فجر، بیروت)

حجر والوں کے قصہ کا بیان

حجر سے مراد عقل ہے، حجر کہتے ہیں روک کو چونکہ عقل بھی غلط کاریوں اور جھوٹی باتوں سے روک دیتی ہے اس لیے اسے عقل کہتے ہیں۔ حطیم کو بھی حجر البیت اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والے کو کعبۃ اللہ کی شامی دیوار سے روک دیتا ہے اسی سے ماخوذ ہے حجر یمامہ اور اسی لیے عرب کہتے ہیں حجر الحاکم علی فلان جبکہ کسی شخص کو بادشاہ تصرف سے روک دے اور کہتے ہیں کہ حجرا مجورا تو فرماتا ہے کہ ان میں عقل مندوں کے لیے قابل عبرت قسم ہے کہیں تو قسمیں ہیں عبادتوں کی کہیں عبادت کے وقتوں کی جیسے حج نماز وغیرہ کہ جن سے اس کے نیک بندے اس کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی پستی اور خود فراموشی ظاہر کرتے ہیں جب ان پرہیزگار نیک کار لوگوں کا اور ان کی عاجزی و تواضع خشوع و خضوع کا ذکر کیا تو اب ان کے ساتھ ہی ان کے خلاف جو سرکش اور بدکار لوگ ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے تو فرمایا ہے کہ کیا تم نے نہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو غارت کر دیا جو کہ سرکش اور متکبر تھے، اللہ کی نافرمانی کرتے، رسول کی تکذیب کرتے اور بدیوں پر جھک پڑتے تھے ان میں اللہ کے رسول حضرت ہود علیہ السلام آئے تھے یہ عاد اولیٰ ہیں جو عاد بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایمانداروں کو تو نجات دے دی اور باقی بے ایمانوں کو تیز و تند خوفناک اور ہلاک آفریں ہواؤں سے ہلاک کیا سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ غضب ناک آندھی چلتی رہی اور یہ سارے کے سارے اس طرح غارت ہو گئے کہ ان کے سر الگ تھے اور دھڑ الگ تھے ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فجر، بیروت)

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي
الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا۔ ارم تھے، بڑے بڑے ستونوں
والے تھے۔ وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔ اور ثمود کے ساتھ، جنھوں نے وادی میں

چٹانوں کو تراشا۔ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (کس طرح کیا)۔

قوم عاد کے ساتھ ہونے والے سلوک کا بیان

" اَلَمْ تَرَ " تَعْلَم يَا مُحَمَّد " كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ "" إِرَم " هِيَ عَاد الْأُولَى . فَإِرَم عَطْف بَيَان أَوْ بَدَل , وَمَنْع الصَّرْف لِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّأْنِيث " ذَات الْعِمَاد " أَيْ الطُّول كَانَ طُول الطَّوِيل مِنْهُمْ أَرْبَعمِائَةِ ذِرَاع " الَّتِي لَمْ يُخْلَق مِثْلهَا فِي الْبِلَاد " فِي بَطْشهمْ وَقُوَّتهمْ
" وَثَمُود الَّذِينَ جَابُوا " قَطَعُوا " الصَّخْر " جَمْع صَخْرَة وَاتَّخَذُوهَا بُيُوتًا " بِالْوَادِ " وَادِي الْقُرَى " وَفِرْعَوْن ذِي الْأَوْتَاد " كَانَ يَتِد أَرْبَعَة أَوْتَاد يَشُدّ إِلَيْهَا يَدَيْ وَرِجْلَيْ مَنْ يُعَذِّبهُ

کیا تم نے دیکھا، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ارم یہ پہلے والی عاد قوم ہے۔ ارم عطف بیان ہے یا بدل ہے اور یہ غیر منصرف یعنی علم اور مؤنث ہونے کی وجہ سے ہے' جو ستون والی تھی یعنی جو لمبے تھے۔ ان کا طویل شخص بھی چار سو ہاتھ جتنا ہوتا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں' کہ ان کے جیسے شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے۔ یعنی ان کی گرفت کے حساب سے اور ان کی قوت کے حساب سے۔ اور قوم ثمود جس نے کاٹ دیا چٹانوں کو یہ لفظ صخرۃ کی جمع ہے اور اس نے انہیں گھر بنالیا۔ وادی میں یعنی وادی قریٰ میں اور وہ فرعون جو میخوں والا ہے' جسے وہ سزا دیتا تھا اسے چار کیل لگوا دیتا تھا دو دونوں ہاتھوں پر اور دو دونوں پاؤں پر۔

ذات عماد والوں کا بیان

ارم ذات العماد یہ عاد کی تفسیر بطور عطف بیان کے ہے تا کہ بخوبی وضاحت ہو جائے یہ لوگ مضبوط اور بلند ستونوں والے گھروں میں رہتے تھے اور اپنے زمانے کے اور لوگوں سے بہت بڑے تن و توش والے قوت و طاقت والے تھے اسی لیے حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ آیت (وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ، الاعراف:69) یعنی یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین پر خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں جسمانی قوت پوری طرح دی تمہیں چاہیے کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فسادی بن کر نہ رہو اور جگہ ہے کہ عادیوں نے زمین میں ناحق سرکشی کی اور بول اٹھے کہ ہم سے زیادہ قوت والا اور کون ہے؟ کیا وہ بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے بہت ہی زبردست طاقت و قوت والا ہے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس قبیلے جیسے طاقتور اور شہروں میں نہ تھے بڑے طویل القامت قوی الجثہ تھے ارم ان کا دار السلطنت تھا۔ انہیں ستونوں والے کہا جاتا تھا اس لیے بھی کہ یہ لوگ بہت دراز قد تھے بلکہ صحیح وجہ یہی ہے۔ مثلھا کی ضمیر کا مرجع عماد بتایا گیا ہے ان جیسے اور شہروں میں نہ تھے یہ احقاف میں بنے ہوئے لمبے لمبے ستون تھے اور بعض نے ضمیر کا مرجع قبیلہ بتایا ہے یعنی اس قبیلے جیسے لوگ اور شہروں میں نہ تھے اور یہی قول ٹھیک ہے اور اگلا قول ضعیف ہے اسی لیے بھی کہ یہی مراد ہوتی تو لم یعمل کہا جاتا نہ کہ لم تخلق ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان میں اس

قد رزور وطاقت تھی کہ ان میں سے کوئی اٹھتا اور اور ایک بڑی ساری چٹان لے کر کسی قبیلے پر پھینک دیتا تو بیچارے سب کے سب دب کر مرجاتے۔

حضرت ثور بن زید دیلی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق پر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ میں شداد بن عاد ہوں میں نے ستون بلند کیے ہیں میں نے ہاتھ مضبوط کیے ہیں میں نے سات ذرائع کے خزانے جمع کیے ہیں جو امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکالے گی غرض خواہ یوں کہو کہ وہ عمدہ اونچے اور مضبوط مکانوں والے تھے خواہ یوں کہو کہ وہ بلند و بالا ستونوں والے تھے یا یوں کہو کہ وہ بہترین ہتھیاروں والے تھے یا یوں کہو لمبے لمبے قد والے تھے مطلب یہ ہے کہ ایک قوم تھی جن کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ ثمودیوں کے ساتھ آچکا ہے یہاں بھی اسی طرح عادیوں اور ثمودیوں کا دونوں کا ذکر ہے واللہ اعلم۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ ارم ذات العماد ایک شہر ہے یا تو دمشق یا اسکندریہ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ عبارت کا ٹھیک مطلب نہیں بنتا کیونکہ یا تو یہ بدل ہوسکتا ہے یا عطف بیان دوسرے اس لیے بھی کہ یہاں یہ بیان مقصود ہے کہ ہر ایک سرکش قبیلے کو اللہ نے برباد کیا جن کا نام عادی تھا، نہ کہ کسی شہر کو میں نے اس بات کو یہاں اس لیے بیان کر دیا ہے تا کہ جن مفسرین کی جماعت نے یہاں یہ تفسیر کی ہے کہ ان سے کوئی شخص دھوکے میں نہ پڑ جائے وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جس کی ایک اینٹ سونے کی ہے دوسرے چاندی کی اس کے مکانات باغات محلے وغیرہ سب چاندی سونے کے ہیں کنکر لولو اور جواہر ہیں مٹی مشک ہے نہریں بہہ رہی ہیں پھل تیار ہیں، کوئی رہنے سہنے والا نہیں ہے درو دیوار خالی ہیں کوئی ہاں ہوں کرنے والا بھی نہیں، یہ شہر جگہ بدلتا رہتا ہے کبھی شام میں کبھی یمن میں کبھی عراق میں کبھی کہیں کبھی کہیں۔ وغیرہ یہ سب خرافات بنو اسرائیل کی ہیں ان کے بددینوں نے یہ خود ساختہ روایت تیار کی ہے تا کہ جاہلوں میں باتیں بنائیں، ثعلبی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اپنے گم شدہ اونٹوں کو ڈھونڈ رہا تھا کہ جنگل بیابان میں اس نے اسی صفت کا ایک شہر دیکھا اور اس میں گیا، گھوما پھرا، پھر لوگوں سے آ کر ذکر کیا لوگ بھی وہاں گئے لیکن پھر کچھ نظر نہ آیا، ابن ابی حاتم نے یہاں ایسے قصے بہت سے لمبے چوڑے نقل کیے ہیں یہ حکایت بھی صحیح نہیں اور اگر یہ اعرابی والا قصہ سنداً صحیح مان لیں تو ممکن ہے کہ اسے ہوس اور خیال ہوا اور اپنے خیال میں اس نے یہ نقشہ جما لیا ہو اور خیالات کی پختگی اور عقل کی کمی نے اسے یقین دلایا ہو کہ وہ صحیح طور پر یہی دیکھ رہا ہے اور فی الواقع یوں نہ ہو ٹھیک اسی طرح جو جاہل حریض اور خیالات کے کچے ہوں سمجھتے ہیں کہ کسی خاص زمین تلے سونے چاندی کے پل ہیں اور قسم قسم کے جواہر یاقوت لولو اور موتی ہیں اکسیر کبیر ہے لیکن ایسے چند موانع ہیں کہ وہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے مثلاً خزانے کے منہ پر کوئی اژدھا بیٹھا ہے کسی جن کا پہرہ ہے وغیرہ یہ سب فضول قصے اور بناوٹی باتیں ہیں انہیں گھڑ گھڑا کر بیوقوفوں اور مال کے حریصوں کو اپنے دام میں پھانس کر ان سے کچھ وصول کرنے کے لیے مکاروں نے مشہور کر رکھے ہیں پھر کبھی چلے کھینچنے کے بہانے سے کبھی بخور کے بہانے سے کبھی کسی اور طرح سے ان سے یہ مکار روپے وصول کر لیتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ زمین میں سے جاہلیت کے زمانے کا یا مسلمانوں کے زمانے کا کسی کا گاڑا ہوا مال نکل آئے تو اس کا پتہ جسے چل جائے وہ اس کے ہاتھ لگ

جاتا ہے نہ وہاں کوئی مار گنج ہوتا ہے نہ کوئی دیو بھوت جن پری جس طرح ان لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے یہ بالکل غیر صحیح ہے یہ ایسے ہی لوگوں کی خود ساختہ بات ہے یا ان جیسے ہی لوگوں سے سنی سنائی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیک سمجھ دے۔

امام ابن جریر نے بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے اس سے قبیلہ مراد ہو اور ممکن ہے شہر مراد ولیکن ٹھیک نہیں یہاں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قوم کا ذکر ہے نہ کہ شہر کا اسی لیے اس کے بعد ہی ثمودیوں کا ذکر کیا کہ وہ ثمودی جو پتھروں کی تراش لیا کرتے تھے جیسے اور جگہ ہے آیت (وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ،الشعراء:149) یعنی تم پہاڑوں میں اپنے کشادہ آرام دہ مکانات اپنے ہاتھوں پتھروں میں تراش لیا کرتے ہو۔اس کے ثبوت میں کہ اس کے معنی تراش لینے کے ہیں عربی شعر بھی ہیں ابن اسحاق فرماتے ہیں ثمودی عرب تھے وادی القری میں رہتے تھے عادیوں کا قصہ پورا پورا سورہ اعراف میں ہم بیان کر چکے ہیں اب اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

پھر فرمایا میخوں والا فرعون اوتاد کے معنی ابن عباس نے لشکروں کے کیے ہیں جو کہ اس کے کاموں کو مضبوط کرتے رہتے تھے یہ بھی مروی ہے کہ فرعون غصے کے وقت لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گڑوا کر مروا ڈالتا تھا چورنگ کر کے اوپر سے بڑا پتھر پھینکتا تھا جس سے اس کا کچومر نکل جاتا تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسیوں اور میخوں وغیرہ سے اس کے سامنے کھیل کیے جاتے تھے اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی صاحبہ کو جو مسلمان ہو گئی تھیں لٹا کر دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں گاڑیں پھر بڑا سا چکی کا پتھر ان کی پیٹھ پر مار کر جان لے لی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فجر، بیروت)

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ
سَوْطَ عَذَابٍ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۝
وہ لوگ جو شہروں میں حد سے بڑھ گئے۔پس انھوں نے ان میں بہت زیادہ فساد پھیلا دیا۔تو آپ کے رب نے
ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔بیشک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں۔

زمین میں فساد کرنے والوں کا بیان

" الَّذِيْنَ طَغَوْا " تَجَبَّرُوْا " فِي الْبِلَاد "" فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَاد " اَلْقَتْل وَغَيْره " فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبّك سَوْط " نَوْع " عَذَاب "" اِنَّ رَبّك لَبِالْمِرْصَادِ " يَرْصُد اَعْمَال الْعِبَاد فَلَا يَفُوتهُ مِنْهَا شَيْء لِيُجَازِيَهُمْ عَلَيْهَا

جنھوں نے شہروں میں سرکشی اختیار کی۔انہوں نے ان شہروں میں بکثرت فساد کیا یعنی قتل وغیرہ کیا۔ و تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔یعنی ایک مخصوص قسم کا عذاب نازل کیا۔بے شک تمہارا پروردگار گھات میں ہے یعنی وہ اپنے بندوں کے اعمال کو نوٹ کر رہا ہے تاکہ وہ انہیں ان کی جزا دے اور اس سے کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

صب: ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ صب مصدر۔ لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ پہلی صورت میں بہانے کے معنی ہوں گے۔ اور اس کا فعل باب نصر سے آئے گا۔ دوسری صورت میں بہنے کے معنی ہوں گے۔ اور فعل باب ضرب سے آئے گا۔ قرآن مجید میں یہ متعدی ہی استعمال ہوا ہے۔ اس نے اوپر سے بہایا۔ اس نے اوپر سے ڈالا۔ سوط عذاب میں صفت کی اضافت موصوف کی جانب ہے۔ اصل میں عذاب سوط تھا۔ سوط کا اصل لغوی معنی ہے مخلوط کر دینا۔ کوڑے میں مختلف بل مخلوط ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کو سوط کہتے ہیں آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب ایسا ہے جیسے تلوار کے مقابلہ میں کوڑا۔ اسی لئے دنیوی عذاب کو کوڑے سے تشبیہ دی۔ ترجمہ:۔ پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ یعنی طرح طرح کا عذاب ان پر نازل کیا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰـهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ٥ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰـهُ
فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ ٥ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ٥
پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب
نے مجھے عزت بخشی۔ اور لیکن جب وہ اسے آزمائے، پھر اس پر اس کا رزق تنگ کر دے تو کہتا ہے
میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز ایسا نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔

کفار کی آزمائش ہونے کا بیان

" فَاَمَّا الْاِنْسَان " الْكَافِر " اِذَا مَا ابْتَلَاهُ " اِخْتَبَرَهُ " رَبّه فَاَكْرَمَهُ " بِالْمَالِ وَغَيْره " وَنَعَّمَهُ فَيَقُول رَبِّي اَكْرَمَنَ "

" وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ " ضَيَّقَ " عَلَيْهِ رِزْقه فَيَقُول رَبِّي اَهَانَن "" كَلَّا " رَدْع , اَيْ لَيْسَ الْاِكْرَام بِالْغِنَى وَالْاِهَانَة بِالْفَقْرِ وَاِنَّمَا هُوَ بِالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَة , وَكُفَّار مَكَّة لَا يَنْتَبِهُونَ لِذَلِكَ " بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيم " لَا يُحْسِنُونَ اِلَيْهِ مَعَ غِنَاهُمْ اَوْ لَا يُعْطُونَهُ حَقّه مِنْ الْمِيرَاث

جہاں تک انسان کا یعنی کافر شخص کا تعلق ہے تو جب پروردگار اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تاکہ جان لے تو اسے مال اور دیگر چیزوں کے ذریعے عزت عطا کرتا ہے اور نعمتیں عطا کرتا ہے۔ تو وہ بندہ یہ کہتا ہے میرے پروردگار نے میری عزت افزائی کی ہے۔ اور جب وہ پروردگار اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور اس کا رزق اس کے لئے تنگ کر دیتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے۔ میرے پروردگار نے میری تذلیل کی ہے۔ لفظ کلا، ردع یعنی (ڈانٹنے) کے لئے ہے یعنی خوشحال شخص کی عزت افزائی اور غریب کی رسوائی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو اطاعت اور گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن مکہ کے کفار اس سے آگاہ نہیں ہیں لیکن تم لوگ یتیموں کی عزت افزائی نہیں کرتے یعنی تم ان کے ساتھ ان کے خوشحال ہونے کے باوجود اچھا سلوک نہیں کرتے اور ان کا وراثت میں حق نہیں دیتے۔

دنیا میں انسانیت کی آمائش وامتحان کا بیان

یہاں انسان سے مراد اصل میں تو کافر انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جو چاہے خیال باندھ لے مگر مفہوم عام کے اعتبار سے وہ مسلمان بھی اس خطاب میں شریک ہے جو اس جیسے خیال میں مبتلا ہو اور وہ خیال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے رزق میں وسعت اور مال ودولت صحت وتندرستی سے نوازے تو شیطان اس کو دو باطل خیالات میں مبتلا کرتا ہے اول یہ کہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ میری ذاتی صلاحیت اور عقل وفہم اور سعی وعمل کا لازمی نتیجہ ہے جو مجھے ملنا ہی چاہئے میں اس کا مستحق ہوں دوسرے یہ کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے سے یہ قرار دے کہ میں اللہ کے نزدیک بھی مقبول ہوں اگر مردود ہوتا تو وہ مجھے یہ نعمتیں کیوں دیتا۔ اسی طرح جب کسی انسان پر رزق میں تنگی اور فرقہ وفاقہ آوے تو اس کو اللہ کے نزدیک مردود ہونے کی دلیل سمجھے اور اس پر اسلئے خفا ہو کہ میں تو مستحق انعام واکرام کا تھا مجھے بے وجہ ذلیل وحقیر کر دیا، ایسے خیالات کفار ومشرکین میں تو ہوتے ہی تھے اور قرآن کریم میں کئی جگہ کفار کے ان خیالات کا اظہار مذکور بھی ہے افسوس ہے کہ آجکل بہت سے مسلمان بھی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے ان آیات میں ایسے انسانوں کا حال ذکر کر کے فرمایا کلا یعنی تمہارا یہ خیال بالکل باطل بے بنیاد ہے نہ دنیا میں وسعت رزق نیک اور مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہے اور نہ تنگی رزق اور فقر وفاقہ اللہ کے نزدیک مردود یا ذلیل ہونے کی علامت ہے بلکہ اکثر معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ فرعون کو دعوائے خدائی کے ساتھ کبھی دردسر بھی نہ ہوا اور بعض پیغمبروں کو دشمنوں نے آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات مہاجرین میں سے جو فقیر ومفلس تھے وہ اغنیا مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے (رواہ مسلم عن عبداللہ بن عمر، مظہری) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت فرماتے ہیں اس کو دنیا سے ایسا پرہیز کراتے ہیں جیسے تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فجر، بیروت)

یتیم کی عزت کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا کہ وہ یتیم خواہ اس کا ہو یا کسی اور کا جنت میں اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعہ اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 883)

وہ یتیم خواہ اس کا ہو یا کسی اور کا" کے ذریعہ اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ مطلق یتیم کی کفالت وپرورش کرنے کی فضیلت ہے وہ یتیم خواہ اس کا اپنا قربتی ہو جیسے پوتا اور بھتیجا وغیرہ یا کوئی غیر قرابتی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعہ اشارہ کر کے واضح کیا کہ جنت میں میرے اور یتیم کی پرورش کرنے والے کے درمیان اتنا قریبی علاقہ ہوگا کہ جتنا کہ ان دونوں انگلیوں کے درمیان ہے نیز آپ نے ان دونوں انگلیوں کے ذریعہ اس طرح بھی اشارہ کیا کہ مرتبہ نبوت جو سب سے اعلی درجہ ہے اس کے اور سخاوت ومروت کے مرتبہ کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝
وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝

اور نہ تم آپس میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو۔ یقیناً جب زمین پاش پاش کر کے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔

مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلانے کا بیان

"وَلَا تَحَاضُّونَ " أَنْفُسهمْ أَوْ غَيْرهمْ " عَلَى طَعَام " أَيْ إِطْعَام " الْمِسْكِين "" وَتَأْكُلُونَ التُّرَاث " الْمِيرَاث " أَكْلًا لَمًّا " أَيْ شَدِيدًا , لِلَمِّهِمْ نَصِيب النِّسَاء وَالصِّبْيَان مِنْ الْمِيرَاث مَعَ نَصِيبهمْ مِنْهُ أَوْ مَعَ مَالهمْ" وَتُحِبُّونَ الْمَال حُبًّا جَمًّا " أَيْ : كَثِيرًا فَلَا يُنْفِقُونَهُ , وَفِي قِرَاءَة بِالْفَوْقَانِيَّةِ فِي الْأَفْعَال الْأَرْبَعَة

"كَلَّا " رَدْع لَهُمْ عَنْ ذَلِكَ " إِذَا دُكَّتْ الْأَرْض دَكًّا دَكًّا " زُلْزِلَتْ حَتَّى يَنْهَدِم كُلّ بِنَاء عَلَيْهَا وَيَنْعَدِم

اور تم لوگ ترغیب نہیں دیتے۔ اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی کھانے کی یعنی کھلانے کی غریب کو۔ اور تم لوگ میراث کو کھا لیتے ہو مکمل طور پر یا مراد اس شخص پر سختی کرنا ہے، جو خواتین اور بچوں کی وراثت میں سے حصے کو کھا جانے کا ارادہ کرتا ہے باوجود یکہ انہیں اس شخص کی وراثت میں سے بھی حصہ ملتا ہے یا وہ ان کے مال کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ اور تم مال سے شدید یعنی بکثرت محبت رکھتے ہو وہ لوگ اسے خرچ نہیں کرتے تھے۔ ایک قرأت کے مطابق چاروں افعال میں فوقانیہ ہوگا۔ کلا یہ ان لوگوں کو اس عمل سے جھڑکنے کے لئے ہے، جب زمین کو پاش پاش کر دیا جائے گا یعنی اس پہ زلزلے آئیں گے۔ یہاں تک کہ اس میں موجود ہر عمارت منہدم ہو جائے گی اور معدوم ہو جائے گی۔

یعنی دوسروں کے حقوق واجبہ نہ خود ادا کرتے ہو اور نہ اوروں کو حقوق واجبہ ادا کرنے کو کہتے ہو اور عملا اس کے تارک اور اعتقادا اس کے منکر ہو، اور ترک واجب کافر کے لئے موجب زیادت تعذیب اور فساد اعتقاد موجب نفس تعذیب ہے۔

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍ ۢبِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝

اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔ اور اس دن دوزخ پیش کی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آ جائے گی مگر اسے نصیحت کہاں ہوگی۔ کہے گا اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیجا ہوتا۔ پس اس دن نہ اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب دے سکے گا۔ اور نہ اس کے باندھنے جیسا کوئی باندھے گا۔

فرشتوں کا صف بہ صف حاضر ہونے کا بیان

" وَجَاءَ رَبُّكَ " أَيْ أَمْره " وَالْمَلَكُ " أَيْ الْمَلَائِكَة " صَفًّا صَفًّا " حَال , أَيْ مُصْطَفِّينَ أَوْ ذَوِي صُفُوف كَثِيرَة

" وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّم " تُقَاد بِسَبْعِينَ أَلْف زِمَام كُلّ زِمَام بِأَيْدِي سَبْعِينَ أَلْف مَلَك لَهَا زَفِير وَتَغَيُّظ " يَوْمَئِذٍ " بَدَل مِنْ إِذَا وَجَوَابهَا " يَتَذَكَّر الْإِنْسَان " أَيْ الْكَافِر مَا فَرَّطَ فِيهِ " وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى " اِسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْي , أَيْ لَا يَنْفَعهُ تَذَكُّره ذَلِكَ

" يَقُول " مَعَ تَذَكُّره " يَا لَيْتَنِي " لِلتَّنْبِيهِ " قَدَّمْت " الْخَيْر وَالْإِيمَان " لِحَيَاتِي " الطَّيِّبَة فِي الْآخِرَة أَوْ وَقْت حَيَاتِي فِي الدُّنْيَا

" فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّب " بِكَسْرِ الذَّال " عَذَابه " أَيْ اللَّه " أَحَد " أَيْ لَا يَكِلهُ إِلَى غَيْره

" وَلَا يُوثِق " وَكَذَا " لَا يُوثِق " بِكَسْرِ الثَّاء " وَثَاقه أَحَد " وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ الذَّال وَالثَّاء فَضَمِير عَذَابه وَوَثَاقه لِلْكَافِرِ وَالْمَعْنَى لَا يُعَذَّب أَحَد مِثْل تَعْذِيبه وَلَا يُوثَق مِثْل إِيثَاقه

اور تمہارا پروردگار آئے گا یعنی اس کا حکم آئے گا اور ملک یعنی فرشتے صف بنا کر کھڑے ہوئے ہوں گے یعنی ان کی حالت یہ ہوگی کہ انہوں نے صفیں بنائی ہوئی ہوں گی یا مطلب یہ ہے ان کی بہت زیادہ صفیں ہوں گی۔ اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا یعنی اسے ستر ہزار لگاموں کے ذریعے کھینچ کر لایا جائے گا اور ہر ایک لگام ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوگی۔ وہ آوازیں نکال رہی ہوگی اور جوش مار رہی ہوں گی۔ اس دن یہ اذا کا بدل ہے اور اس کا جواب یہ ہے انسان یاد کرے گا یعنی کافر یاد کرے گا۔ اس چیز کو جو اس نے آگے بھیجی تھی اور اب اس کے لئے یاد کرنے کا وقت کہاں ہے۔ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی اب اس کا یاد کرنا اسے فائدہ نہیں دے گا۔ وہ یہ کہے گا یعنی یاد کرنے کے ساتھ یہ کہے گا اے یہ تنبیہ کے لئے ہے "کاش" میں نے آگے بھیجا ہوتا یعنی بھلائی اور ایمان میں سے آگے بھیجا ہوتا اپنی زندگی کے لئے یعنی آخرت میں اچھی زندگی کے لئے یا دنیا میں اپنی زندگی کے دوران آگے بھیجا ہوا ہوتا۔ وا اس دن عذاب نہیں دے گا یہاں پر "ذ" پر "زیر" ہے۔ اس کا عذاب یعنی اللہ کا عذاب کوئی اور یعنی اللہ تعالیٰ اس عذاب کو کسی دوسرے کے سپرد نہیں کرے گا۔ اور اسی طرح کوئی نہیں باندھے گا یہاں پر "ث" پر زبر ہے اس کے باندھنے کو کوئی ایک قرأت کے مطابق (لفظ یعذب) میں "ذ" پر (لفظ یوثق میں) "ث" پر زبر ہے۔ اس صورت میں لفظ عذابہ اور لفظ وثاقہ کی ضمیر کافر کے لئے ہوگی اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح کافر کو عذاب دیا جائے گا۔ اس کی مانند کسی کو نہیں دیا جائے گا اور جس طرح کافر کو باندھا جائے گا اس کی مانند کسی کو نہیں باندھا جائے گا۔

یعنی آئے گا آپ کا رب اور فرشتے صف بصف مراد میدان حشر میں آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آنے کی کیا شان ہوگی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ متشابہات میں سے ہے اور فرشتوں کا صف بصف آنا بظاہر ہے وجائ یومئذ بجھنم، یعنی لا جائیگا اس روز جہنم کو،

جہنم کو لائے جانے کا کیا مطلب ہے اور کس طرح میدان حشر میں لائی جائے گی اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ظاہر یہ ہے کہ جہنم جواب ساتویں زمین کی تہ میں ہے اس وقت وہ بھڑک اٹھے گی اور سمندر سب آگ ہو کر اس میں شامل ہو جائیں گے اس طرح جہنم عرصہ حشر میں سب کے سامنے آ جائے گی۔

جہنم کی ستر ہزار باگیں ہوں گی، ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے جمع ہو کر اس کو کھینچیں گے اور وہ جوش وغضب میں ہوگی، یہاں تک کہ فرشتے اس کو عرش کے بائیں جانب لائیں گے، اس روز سب نفسی نفسی کہتے ہوں گے، سوائے حضور پُر نور حبیب خدا سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، کہ حضور یارب امّتی امّتی فرماتے ہوں گے، جہنم حضور سے عرض کرے گی کہ اے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا میرا کیا واسطہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجھ پر حرام کیا ہے۔ (تفسیر جمل، سورہ فجر، لاہور)

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○
اے اطمینان والی جان، اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ہو۔
پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

نفس مطمئنہ کو اپنی جناب میں بلانے کا بیان

"يَا أَيَّتهَا النَّفْس الْمُطْمَئِنَّة " الْآمِنَة وَهِيَ الْمُؤْمِنَة" اِرْجِعِي إِلَى رَبّك " يُقَال لَهَا ذَلِكَ عِنْد الْمَوْت , أَيْ اِرْجِعِي إِلَى أَمْره وَإِرَادَته " رَاضِيَة " بِالثَّوَابِ " مَرْضِيَّة " عِنْد اللَّه بِعَمَلِك , أَيْ جَامِعَة بَيْن الْوَصْفَيْنِ وَهُمَا حَالَانِ وَيُقَال لَهَا فِي الْقِيَامَة " فَادْخُلِي فِي " جُمْلَة " عِبَادِي " الصَّالِحِينَ" وَادْخُلِي جَنَّتِي " مَعَهُمْ .

اے مطمئن نفس یعنی امن والے نفس اس سے مراد مومن نفس ہے۔ تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آؤ۔ یہ اس سے موت کے وقت کہا جائے گا یعنی اس کے حکم اور اس کے ارادے کی طرف واپس آ جاؤ۔ راضی ہوتے ہوئے اس کے ثواب سے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہوتے ہوئے اپنے عمل کی وجہ سے یعنی جو دونوں صفات کا جامع ہو اور یہ دونوں حال ہیں اور قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا۔ تم داخل ہو جاؤ میرے نیک بندوں میں۔ اور تم داخل ہو جاؤ ان کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

سورت فجر آیت ۲۷ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میٹھے پانی کے لیے بئر رومہ (ایک میٹھے پانی کا کنواں تھا) خریدے گا اللہ اس کی مغفرت فرما دیں گے تو اس کنویں کو حضرت عثمان نے خرید لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس کنویں کو لوگوں کے پینے کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے انہوں نے کہا جی ہاں اس پر اللہ نے حضرت عثمان کے بارے میں یہ

آیت نازل فرمائی۔یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ۔اے اطمینان پانے والی روح۔(سیوطی 334،زادالمسیر 9۔123،قرطبی 20۔58)

نفس راضیہ ومرضیہ کا بیان

راضیۃ مرضیۃ ،یعنی یہ نفس اللہ تعالیٰ سے اسکے تکوینی اور تشریعی احکام پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہے کیونکہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کے تقدیری احکام پر راضی ہونا ہی اس کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہوتا تو اسکو رضا بالقضا کی توفیق ہی نہ ہوتی۔ یہ نفس اپنی موت کے وقت موت پر بھی راضی اور خوش ہوتا ہے۔حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاہ، ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاہ ،یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے یہ حدیث سن کر حضرت صدیقہ عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ سے ملنا تو موت ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے لیکن موت تو ہمیں یا کسی کو بھی پسند نہیں، آپ نے فرمایا یہ بات نہیں، حقیقت یہ ہے کہ مومن کو موت کے وقت فرشتوں کے ذریعہ اللہ کی رضا اور جنت کی بشارت دیجاتی ہے جس کو سن کر اس کو موت زیادہ محبوب ہوجاتی ہے۔ اسی طرح کافر کو موت کے وقت عذاب اور سزا سامنے کردی جاتی ہے اسلئے اس کو اس وقت موت سے بڑھ کر کوئی چیز بری اور مکروہ معلوم نہیں ہوتی (رواہ البخاری ومسلم،تفسیر مظہری،سورہ فجر،لاہور)

فادخلی فی عبدی وادخلی جنتی ،نفس مطمئنہ کو مخاطب کر کے یہ حکم ہوگا کہ میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔اس میں پہلے اللہ کے صالح اور مخلص بندوں میں شامل ہونیکا حکم ہے پھر جنت میں داخل ہونیکا،اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جنت میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے اللہ کے صالح مخلص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو ان سب کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا میں صالحین کی صحبت ومعیت اختیار کرتا ہے یہ علامت اس کی ہے کہ یہ بھی انکے ساتھ جنت میں جائے گا اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا وادخلنی برحمتك فی عبادك الصلحین اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا میں فرمایا والحقنی بالصلحین ،معلوم ہوا کہ صحبت صالحین وہ نعمت کبریٰ ہے کہ انبیا علیہ السلام بھی اس کی دعا سے مستغنی نہیں۔(تفسیر قرطبی،معارف،سورہ فجر،بیروت)

سُورَةُ الْبَلَدِ

یہ قرآن مجید کی سورت بلد ہے

سورت بلد کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ بلد مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، بیس آیات، بیاسی کلمات، تین سوبیس حروف ہیں۔

سورت بلد کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت کے لفظ البلد کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی شہر یعنی مکہ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد ہوا۔ اور اللہ تعالی نے اس شہر میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی وجہ سے قسم اٹھائی۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت بلد کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۝ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۝
میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں۔ (اے حبیب مکرم!) اس لئے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔
اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد کی کہ تم ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میلاد کی قسم اٹھانے کا بیان

"لا " زَائِدَة " أُقْسِم بِهَذَا الْبَلَد " مَكَّة" وَأَنْتَ " يَا مُحَمَّد " حِلّ " حَلَال " بِهَذَا الْبَلَد " بِأَنْ يَحِلّ لَك فَتُقَاتِل فِيهِ , وَقَدْ أَنْجَزَ اللَّه لَهُ هَذَا الْوَعْد يَوْم الْفَتْح , فَالْجُمْلَة اِعْتِرَاض بَيْن الْمُقْسَم بِهِ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهِ" وَوَالِد " أَيْ آدَم " وَمَا وَلَدَ " أَيْ ذُرِّيَّته وَمَا بِمَعْنَى مِنْ

''لا'' یہ زائدہ ہے میں اس شہر کی قسم اٹھاتا ہوں یعنی مکہ کی۔ اور تم اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حلال ہو جاؤ گے اس شہر میں یعنی تمہارے لئے یہ حلال ہو جائے گا کہ تم اس میں جنگ کر سکو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے دن اپنے اس وعدے کو پورا کر دیا تو اب جس چیز کے ساتھ قسم کھائی گئی اور جو اس پر عطف کیا گیا اس کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہوگا۔ اور والد یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی قسم ہے اور جو اس کی اولاد ہے یعنی جو ان کی ذریت ہے۔ یہاں پر ''ما'' یہ ''من'' کے معنی میں ہے۔

شہر مکہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا بیان

فرمایا جا رہا ہے کہ محبوب میں شہر مکہ کی قسم اس لئے کھاتا ہوں کہ یہ تیرا شہر ہے ورنہ مجھے کیا پڑی کہ میں کسی شہر کی قسم کھاتا پھروں۔ میں تو ساری زمین کا مالک و مختار ہوں۔ میں تو زمینوں، آسمانوں، سورج، چاند، ستاروں سب کا خالق ہوں، میں کرۂ ارضی

کے کسی خاص ٹکڑے کی قسم کیوں کھاؤں۔ میں کسی چاند یا ستارے کی قسم کیوں کھاؤں، یہ تو سب میری مخلوقات ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ میری حمد بیان کرتا ہے، میری ذات کے گرد مصروف طواف رہتا ہے۔ اگر سرزمین مکہ میں کعبہ ہے تو کیا ہوا، یہ تمہارے لئے باعث برکت ہوسکتا ہے، میرے لئے تو یہ محض مخلوقات میں سے ایک ہے۔ اگر شہر مکہ میں صفا اور مروہ ہے تو بھی کیا ہوا! حضرت حاجرہ علیہا السلام کے نقوش پا ہی کو چومنے سے ان کو یہ عظمت ملی۔ یہ تمہارے لئے مقدس پہاڑیاں ہوسکتی ہیں لیکن میرے لئے ان کی حیثیت ریت کے ٹیلوں سے زیادہ نہیں۔ اگر شہر مکہ میں چاہ زم زم ہے تو یہ بھی میرے لئے ایک کنواں ہی ہے جو تمہارے لئے باعث فضیلت ہوسکتا ہے۔ میری ذات تو ان چیزوں سے ماوراء ہے۔ حطیم اور غلاف کعبہ تمہارے لئے خیر و برکت کا موجب ہیں لیکن میری ذات تو کسی چیز کی محتاج نہیں۔ مگر میں پھر بھی اس شہر کی قسم اٹھاتا ہوں، اس کی وجہ کعبہ ہے نہ مطاف و زمزم، یہاں ہزاروں انبیاء کے مزارات ہیں لیکن یہ بھی میری قسم کا سبب نہیں بن سکتے۔ آ محبوب! تجھے بتاؤں کہ میں شہر مکہ کی قسم کیوں کھاتا ہوں۔ محبوب! اس لئے کہ یہ تیرا شہر ہے۔ اس سرزمین نے تیرے قدموں کو بوسہ دینے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ یہ ریگ رواں تیرے تلوؤں کا دھوون پینے کی سعادت سے سرفراز ہوئی ہے۔ اس شہر کی قسم اس لئے کھاتا ہوں کہ محبوب تو ان گلیوں میں چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ مجھے یہ گلیاں پیاری لگتی ہیں کہ یہ تیری پذیرائی کے لئے چشم براہ رہتی ہیں۔ محبوب! تو چلتا ہے تو یہ تیری راہ میں عقیدت کا آنچل بچھا دیتی ہیں۔ اس شہر میں محبوب تیرا گھر ہے۔ یہ تیرے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ اسی شہر مکہ میں صبح میلاد تو یہ نے تیری آمد کا مژدہ سنا کر رہائی پائی تھی کہ آج ساری انسانیت کا نجات دہندہ پیدا ہوا ہے۔ ان ہواؤں نے طشت تمنا میں تیری سانسوں کے گلاب سجائے ہیں۔ ان فضاؤں نے تیرے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا ہے۔ اسی شہر کے در و دیوار نے تیرے جلوؤں کی تابانی کو اپنا جھومر بنایا ہے۔ اس شہر میں تیرا بچپن گزرا، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا گزرا۔ محبوب! ان فضاؤں میں تیری سانسوں کی خوشبو رچی بسی ہے۔ تیرے لب شیریں کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ یہ فضائیں محبوب! تیرے پسینے کی خوشبوؤں سے مہک رہی ہیں۔ ان ہواؤں نے تیرے دامن کو آنکھوں سے لگایا ہے۔ اے شہر مکہ! تو مجھے محبوب ہے اس لئے کہ تو میرے محبوب کا شہر دلنواز ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ؈ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ؈ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا؈
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ؈ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ؈ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ؈ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ؈
بیشک ہم نے انسان کو مشقت میں (مبتلا رہنے والا) پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی بھی قابو نہ پا سکے گا؟
کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال برباد کر ڈالا۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا؟ کیا ہم نے اس کے لئے
دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ اور ہم نے اسے دو واضح راستے دکھا دیے۔

تخلیق انسان اور آزمائش کا بیان

" لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ " أَیِ الْجِنْس " فِیْ كَبَد " نَصَب وَشِدَّة یُكَابِد مَصَائِب الدُّنْیَا وَشَدَائِد الْآخِرَة

میں اکثر جانوروں کی نسبت ضعیف و کمزور ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دماغی قوت سب سے زیادہ ہے اس لئے اس کی تخصیص کی گئی۔ مکہ مکرمہ اور آدم و اولاد آدم علیہ السلام کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ انسان کو ہم نے شدت و محنت اور مشقت ہی میں اور اسی کے لئے پیدا کیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہو گیا یا اس کو کسی دوسرے انسان نے جنم نہیں دیا بلکہ اس کا پیدا کرنے والا ایک قادر مختار ہے جس نے اپنی حکمت سے ہر مخلوق کو خاص خاص مزاج اور خاص اعمال و افعال کی استعداد دے کر پیدا کیا ہے اگر انسان کی تخلیق میں خود انسان کو کچھ دخل ہوتا تو وہ اپنے لئے یہ محنتیں مشقتیں کبھی تجویز نہ کرتا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بلد، بیروت)

سورت بلد آیت ۵ کے سبب نزول کا بیان

یہ آیت ابوالاشد اسید بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی وہ نہایت قوی اور زور آور تھا اور اس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ چمڑہ پاؤں کے نیچے دبا لیتا تھا دس دس آدمی اس کو کھینچتے اور وہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا مگر جتنا اس کے پاؤں کے نیچے ہوتا ہرگز نہ نکل سکتا۔ اور ایک یہ قول ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی معنی یہ ہیں کہ یہ کافر اپنی قوت پر مغرور مسلمانوں کو کمزور سمجھتا ہے کس گمان میں ہے اللہ قادر برحق کی قدرت کو نہیں جانتا۔ اس کے بعد اس کا مقولہ نقل فرمایا۔ (خزائن، بلد، لاہور)

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ
فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝
وہ تو (دینِ حق اور عمل خیر کی) دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔
وہ کسی گردن کا آزاد کرانا ہے۔ یا کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلانا ہے۔ قرابت دار یتیم کو۔
یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین ہے۔

عقبہ اور اس کے مفہوم کا بیان

" فَلَا " فَهَلَّا " اِقْتَحَمَ الْعَقَبَة " جَاوَزَهَا" وَمَا أَدْرَاك " أَعْلَمَك " مَا الْعَقَبَة " الَّتِي يَقْتَحِمهَا تَعْظِيمًا لِشَأْنِهَا , وَالْجُمْلَة اِعْتِرَاض وَبَيَّنَ سَبَب جَوَازهَا" فَكّ رَقَبَة " مِنْ الرِّقّ بِأَنْ أَعْتَقَهَا " أَوْ إِطْعَام فِي يَوْم ذِي مَسْغَبَة " مَجَاعَة " يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَة " قَرَابَة " أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَة " لُصُوق بِالتُّرَابِ لِفَقْرِهِ , وَفِي قِرَاءَة بَدَل الْفِعْلَيْنِ مَصْدَرَانِ مَرْفُوعَانِ مُضَاف الْأَوَّل لِرَقَبَةٍ وَيُنَوَّن الثَّانِي فَيُقَدَّر قَبْل الْعَقَبَة اِقْتِحَام , وَالْقِرَاءَة الْمَذْكُورَة بَيَانه

تو پھر کیوں وہ اس گھاٹی کو عبور نہیں کرتا۔ یعنی اس سے آگے نہیں گزر جاتا۔ اور تمہیں کیا پتا! یعنی تمہیں کس نے بتانا ہے، وہ گھاٹی کیا ہے، جسے وہ دشوار سمجھ رہا ہے۔ یہاں اس گھاٹی کی اہمیت کا اظہار کرنا مقصود ہے اور جملہ معترضہ ہے اور اس کے جواز کے سبب کو ان

" أَيَحْسَبُ " أَيَظُنُّ الْإِنْسَان قَوِيّ قُرَيْش وَهُوَ أَبُو الْأَشَدّ بْن كَلَدَة بِقُوَّتِهِ " أَنْ " مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة وَاسْمهَا مَحْذُوف , أَيْ أَنَّهُ " لَنْ يَقْدِر عَلَيْهِ أَحَد " وَاَللَّه قَادِر عَلَيْهِ " يَقُول أَهْلَكْت " عَلَى عَدَاوَة مُحَمَّد " مَالًا لُبَدًا " كَثِيرًا بَعْضه عَلَى بَعْض

" أَيَحْسَبُ أَنْ " أَيْ أَنَّهُ " لَمْ يَرَهُ أَحَد " فِيمَا أَنْفَقَهُ فَيَعْلَم قَدْره , وَاَللَّه عَالِم بِقَدْرِهِ وَأَنَّهُ لَيْسَ مِمَّا يَتَكَثَّر بِهِ وَمُجَازِيه عَلَى فِعْله السَّيِّء " أَلَمْ نَجْعَل " اِسْتِفْهَام تَقْرِير , أَيْ جَعَلْنَا " لَهُ عَيْنَيْنِ " " وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ " بَيَّنَّا لَهُ طَرِيق الْخَيْر وَالشَّرّ

ہم نے انسان کو یعنی انسانوں کی جنس کو پیدا کیا ہے۔ مشقت میں یعنی شدت اور سختی میں کہ وہ دنیاوی مصائب کا سامنا بھی کرتا ہے اور آخرت کی شدت کا بھی سامنا کرے گا۔ کیا وہ سمجھتا ہے یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے۔ اس سے مراد قریش کا طاقتور ترین شخص ہے اور وہ ابوالاشدین یا ابوالاشد تھا، (اس کا نام) اسید بن کلدہ جمحی (تھا)' یہ اور اس کی مانند (دیگر افراد مراد ہیں) کیا وہ اپنی قوت کی وجہ سے یہ سمجھتا تھا کہ یہاں پر لفظ "ان" تخفیف کے ساتھ ہے اور ثقیلہ کی جگہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے۔ یعنی وہ شخص ایسا ہے' اس پر کوئی قادر نہیں ہو سکے گا جبکہ اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے میں نے ضائع کر دیا ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ایسا کیا ہے۔ بہت سے مال کو یعنی بکثرت مال کو۔ کیا وہ یہ سمجھتا ہے' اسے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ یعنی اس چیز کو جو وہ خرچ کر رہا ہے۔ صرف وہی اس کی مقدار جانتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی مقدار جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ بات بھی جانتا ہے' وہ مال زیادہ بھی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ اس کے اس برے عمل کا بدلہ اسے ضرور دے گا۔ کیا انہوں نے بنائے نہیں ہیں۔ یہاں پر استفہام پختہ کرنے کے لئے ہے یعنی ہم نے بنائی ہیں۔ اس کے لئے دو آنکھیں۔

اور زبان اور دو ہونٹ اور ہم نے دو ابھری ہوئی چیزوں کی طرف اس کی رہنمائی کی ہے یعنی ہم نے اس کے لئے بھلائی اور برائی کے راستے کو بیان کر دیا ہے۔

انسانی فطرت کے بعض احوال کا بیان

کبد کے لفظی معنے محنت و مشقت کے ہیں۔ معنے یہ ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ابتدائے حمل سے رحم مادر میں محبوس رہا پھر ولادت کے وقت کی محنت و مشقت برداشت کی، پھر ماں کا دودھ پینے پھر اسکے چھوٹنے کی محنت اور پھر اپنے معاش اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی مشقت پھر بڑھاپے کی تکلیفیں پھر موت پھر قبر، پھر حشر اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال کی جوابدہی پھر جزا و سزا، یہ سب دور اس پر محنتوں ہی کے آتے ہیں، اور یہ محنت و مشقت اگرچہ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں سب جانور بھی اس میں شریک ہیں مگر اس حال کو انسان کے لئے بالخصوص اسلئے فرمایا کہ اول تو وہ سب جانوروں سے زیادہ شعور و ادراک رکھتا ہے اور محنت کی تکلیف بھی بقدر شعور زیادہ ہوتی ہے، دوسرے آخری اور سب سے بڑی محنت محشر میں دوبارہ زندہ ہو کر عمر بھر کے اعمال کا حساب دینا ہے وہ دوسرے جانوروں میں نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ کوئی مخلوق اتنی مشقتیں نہیں جھیلتی جتنی انسان برداشت کرتا ہے باوجودیکہ وہ جسم اور جثہ

الفاظ میں بیان کیا گیا (جو اگلی آیت میں ہے) وہ گردن کو آزاد کرنا ہے۔ یعنی غلامی سے یوں کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ یا پھر مسغبہ یعنی بھوک والے دن کھانا کھلانا ہے۔ ایسے یتیم کو جو قریبی رشتے دار ہو یعنی جس کے ساتھ رشتے داری ہو۔ یا ایسے مسکین کو جو مٹی والا ہو یعنی جو اپنی غربت کی وجہ سے مٹی کے ساتھ ملا ہوا ہو اور ایک قرأت کے مطابق دونوں فعلوں کی جگہ دو مصدر ہیں اور ان دونوں کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ پہلے والا رقبہ کی طرف مضاف ہے اور دوسرے پر تنوین پڑھی گئی ہے تو اب یہاں لفظ العقبہ سے پہلے اقتحام محذوف مانا جائے گا اور مذکورہ قرأت اس کا بیان ہوگی۔

صدقات اور اعمال صالحہ جہنم سے نجات کے ضامن ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں عقبہ جہنم کے ایک پھسلنے پہاڑ کا نام ہے حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اس کے جہنم میں ستر درجے ہیں قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ داخلے کی سخت گھاٹی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہو جاؤ پھر اسکا داخلہ بتایا یہ کہہ کر کہ تمہیں کس نے بتایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ کے نام کھانا دینا۔

ابن زید فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات اور خیر کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کیا جانو عقبہ کیا ہے؟ آزادگی گردن یا صدقہ طعام فک رقبۃ جو اضافت کے ساتھ ہے اسے فک رقبۃ بھی پڑھا گیا یعنی فلع فاعل دونوں قرأتوں کا مطلب قریباً ایک ہی ہے مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی گردن چھڑوائے اللہ تعالیٰ اس کا ہر ایک عضو اس کے ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ حضرت علی بن حسین یعنی امام زید العابدین نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجانہ راوی حدیث سے پوچھا کہ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلا لو جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ تم اللہ کے نام پر آزاد ہو بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خریدا ہوا تھا اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ بلد، بیروت)

مسند میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے اور جو مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا اسے قیامت کے دن نور ملے گا۔ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے خواہ وہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور حدیث میں ہے جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے مر جائیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کریگا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جوڑے دے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے ان تمام احادیث کی سندیں نہایت عمدہ ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت واثلہ بن اسقع سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جس میں کوئی کمی زیادتی نہ

ہوتو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن شریف اس کے گھر میں ہو تو کیا وہ کمی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سناؤ، آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا، یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے، اور حدیث میں ہے جو شخص کسی کی گردن آزاد کرائے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جاسکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا۔ نسمہ آزاد کر، رقبۃ چھڑا، اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادی کے معنی تو ہیں اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فک رقبۃ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے دودھ والا جانور دودھ پینے کے لیے کسی مسکین کو دینا، ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا، یہ جنت کے کام ہیں، اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا، پیاسے کو پلا، نیکیوں کا حکم کر، برائیوں سے روک، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال۔ ذی مسغبۃ کے معنی ہیں بھوک والا، جبکہ کھانے کی اشتہا ہو، غرض بھوک کے وقت کا کھلانا اور وہ بھی اسے جو نادان بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے اور اس کا رشتہ دار بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ دینا اکہرا ثواب رکھتا ہے، اور رشتے دار کو دینا دوہرا اجر دلواتا ہے، (مسند احمد)

ایسے مسکین کو دینا جو خاک آلود ہو، راستے میں پڑا ہوا ہو گھر ور نہ ہو، بر بستر نہ ہو، بھوک کی وجہ سے پیٹھ زمین دوز ہو رہی ہو، اپنے گھر سے دور ہو، مسافرت میں ہو، فقیر، مسکین، محتاج، مقروض، مفلس ہو کوئی پرسان حال بھی نہ ہو، اہل وعیال والا ہو، یہ سب معنی قریب قریب ایک ہی ہیں، پھر یہ شخص باوجود ان نیک کاموں کے دل میں ایمان رکھتا ہو ان نیکیوں پر اللہ سے اجر کا طالب ہو جیسے اور جگہ ہے من اراد الاخرۃ الخ جو شخص آخرت کا ارادہ رکھے اور اس کے لیے کوشش کرے اور ہو بھی باایمان تو ان کی کوشش اللہ کے ہاں مشکور ہے اور جگہ ہے۔ من عمل صالحا من ذکر او انثی الخ، ایمان والوں میں سے جو مرد وعورت مطابق سنت عمل کرے یہ جنت میں جائیں گے اور وہاں بےحساب روزیاں پائیں گے پھر ان کا وصف بیان ہو رہا ہے کہ لوگوں کے صدمات سہنے اور ان پر رحم وکرم کرنے کی یہ آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا اور حدیث میں ہے جو رحم نہ کرے اس پر رحم نہیں کیا جاتا، ابوداؤد میں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق کو نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بلد، بیروت)

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ○ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ○

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ○ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ○

پھر وہ ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو
رحم کرنے کی وصیت کی۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا
وہ بائیں طرف والے ہیں۔ ان پر آگ بند کی ہوئی ہوگی۔

صبر کی تلقین کرنے والوں کی رحمت ہونے کا بیان

"ثُمَّ كَانَ" عَطْف عَلَى اِقْتَحَمَ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيبِ الذِّكْرِيّ , وَالْمَعْنَى كَانَ وَقْت الِاقْتِحَام "مِنْ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا" "أَوْصَى بَعْضهمْ بَعْضًا" "بِالصَّبْرِ" "عَلَى الطَّاعَة وَعَنْ الْمَعْصِيَة" "وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ" الرَّحْمَة عَلَى الْخَلْق،

"أُولَئِكَ" "الْمَوْصُوفُونَ بِهَذِهِ الصِّفَات" "أَصْحَاب الْمَيْمَنَة" "الْيَمِين" "وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَاب الْمَشْأَمَة" "الشِّمَال" "عَلَيْهِمْ نَار مُؤْصَدَة" "بِالْهَمْزَةِ وَالْوَاو بَدَله مُطْبَقَة.

''پھر ہو'' یہ عطف ہے لفظ اقتحام پر اور لفظ ثم ترتیب کے لئے ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے' جس وقت اقتحام ہو اس وقت ایمان والے ایک دوسرے کو صبر کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر گناہوں سے بچنے پر اور ایک دوسرے کو رحمت کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یعنی مخلوق پر رحمت کرنے کی۔ وہ لوگ یعنی جو لوگ ان صفات سے متصف ہیں۔ وہ دائیں طرف والے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں۔ ان لوگوں پر تہہ در تہہ آگ ہوگی یہ ''ء'' کے ساتھ ہے اور اس کا بدل ''و'' ہے یعنی ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہوگی۔ (یعنی تہہ در تہہ ہوگی)

دائیں پر ہاتھ میں نامہ اعمال والوں کیلئے محرومی کا بیان

پھر فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا اور ہماری آیتوں کے جھٹلانے والوں کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا، اور سر بند تہہ بہ تہہ آگ میں جائیں گے، جس سے نہ کبھی چھٹکارا ملے گا نہ نجات نہ راحت نہ آرام، اس آگ کے دروازے ان پر بند رہیں گے مزید بیان اس کا سورہ ویل لکل الخ، میں آئے گا انشاءاللہ۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں روشنی ہوگی نہ سوراخ ہوگا نہ کبھی وہاں سے نکلنا ملے گا، حضرت ابوعمران جونی فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اللہ حکم دے گا اور ہر سرکش کو، ہر ایک شیطان کو اور ہر اس شخص کو جس کی شرارت سے لوگ دنیا میں ڈرتے رہتے تھے۔ لوہے کی زنجیروں سے مضبوط باندھ دیا جائے گا۔

پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا پھر جہنم بند کر دی جائے گی۔ اللہ کی قسم کبھی ان کے قدم ٹکیں گے ہی نہیں اللہ کی قسم انہیں کبھی آسمان کی صورت ہی دکھائی نہ دے گی اللہ کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں اللہ کی قسم انہیں کبھی کوئی مزے کی چیز کھانے پینے کو ملے گی ہی نہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ بلد، بیروت)

سُورَةُ الشَّمْسِ

یہ قرآن مجید کی سورت شمس ہے

سورت شمس کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ الشمس مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، پندرہ آیات، چوّن کلمات، دوسوسینتالیس حروف ہیں۔

سورت شمس کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلے ہی لفظ الشمس کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی سورج ہے جس کی قسم اٹھائی گئی ہے پس اسی مناسبت کے سبب کے سورت اسی نام سے معروف ہوئی ہے۔

وَ الشَّمْسِ وَضُحٰهَا۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۝ وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا۝ وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا۝
وَ السَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا۝ وَ الْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا۝ وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا
وَ تَقْوٰهَا۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۝ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ۝
اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا۝ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا۝
سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی قسم۔ اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے۔ اور دن کی قسم جب وہ سورج کو ظاہر کرے۔
اور رات کی قسم جب وہ سورج کو ڈھانپ لے۔ اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم۔ اور زمین اور اس کے پھیلانے
والے کی قسم، اور انسانی جان کی قسم اور اسے ہمہ پہلو توازن ودرستگی دینے والے کی قسم۔ پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور
پرہیزگاری (کی تمیز) سمجھادی۔ یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اسے پاک کرلیا۔ اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں
چھپایا۔ (قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلا دیا۔ جب اس کا سب سے بڑا بد بخت اٹھا۔ ان سے اللہ کے رسول نے فرمایا:
اللہ کی (اس) اونٹنی اور اس کو پانی پلانے (کے دن) کی حفاظت کرنا۔ تو انہوں نے اس (رسول) کو جھٹلا دیا، پھر اس (اونٹنی)
کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر ہلاکت نازل کردی، پھر (پوری) بستی کو (تباہ کر کے
عذاب میں سب کو) برابر کردیا۔ اور اللہ کو اس (ہلاکت) کے انجام کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

سورج وچاند وغیرہ کی قسم اٹھانے کا بیان

"وَالشَّمْس وَضُحَاهَا " ضَوْئِهَا" وَالْقَمَر إِذَا تَلَاهَا " تَبِعَهَا طَالِعًا عِنْد غُرُوبهَا " وَالنَّهَار إِذَا جَلَّاهَا " بِارْتِفَاعِهِ " وَاللَّيْل إِذَا يَغْشَاهَا " يُغَطِّيهَا بِظُلْمَتِهِ وَإِذَا فِي الثَّلَاثَة لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّة وَالْعَامِل فِيهَا فِعْل الْقَسَم" وَالْأَرْض وَمَا طَحَاهَا " بَسَطَهَا

"وَنَفْس " بِمَعْنَى نُفُوس " وَمَا سَوَّاهَا " فِي الْخِلْقَة وَمَا فِي الثَّلَاثَة مَصْدَرِيَّة أَوْ بِمَعْنَى مَنْ " فَأَلْهَمَهَا فُجُورهَا وَتَقْوَاهَا " بَيَّنَ لَهَا طَرِيق الْخَيْر وَالشَّرّ وَأَخَّرَ التَّقْوَى رِعَايَة لِرُءُوسِ الْآي وَجَوَاب الْقَسَم : " قَدْ أَفْلَحَ "" قَدْ أَفْلَحَ " حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّام لِطُولِ الْكَلَام " مَنْ زَكَّاهَا " طَهَّرَهَا مِنْ الذُّنُوب

"وَقَدْ خَابَ " خَسِرَ " مَنْ دَسَّاهَا " أَخْفَاهَا بِالْمَعْصِيَةِ وَأَصْله دَسَّسَهَا أُبْدِلَتْ السِّين الثَّانِيَة أَلِفًا تَخْفِيفًا" كَذَّبَتْ ثَمُود " رَسُولهَا صَالِحًا " بِطَغْوَاهَا " بِسَبَبِ طُغْيَانهَا " إِذْ انْبَعَثَ " أَسْرَعَ " أَشْقَاهَا " وَاسْمه قُدَار إِلَى عَقْر النَّاقَة بِرِضَاهُمْ

"فَقَالَ لَهُمْ رَسُول اللَّه " صَالِح " نَاقَة اللَّه " أَيْ ذَرُوهَا " وَسُقْيَاهَا " شُرْبهَا فِي يَوْمهَا وَكَانَ لَهَا يَوْم وَلَهُمْ يَوْم" فَكَذَّبُوهُ " فِي قَوْله ذَلِكَ عَنْ اللَّه الْمُرَتَّب عَلَيْهِ نُزُول الْعَذَاب بِهِمْ إِنْ خَالَفُوهُ " فَعَقَرُوهَا " قَتَلُوهَا لِيَسْلَم لَهُمْ مَاء شُرْبهَا " فَدَمْدَمَ " أَطْبَقَ " عَلَيْهِمْ رَبّهمْ " الْعَذَاب " بِذَنْبِهِمْ فَسَوَّاهَا " أَيْ الدَّمْدَمَة عَلَيْهِمْ , أَيْ عَمَّهُمْ بِهَا فَلَمْ يَفْلِت مِنْهُمْ أَحَد" وَلَا " بِالْوَاوِ وَالْفَاء " يَخَاف عُقْبَاهَا " تَبِعَتهَا

سورج کی اوراس کی دھوپ یعنی روشنی کی قسم ہے۔اور چاند کی قسم ہے جب وہ اس کے پیچھے آئے یعنی اس کی پیروی کرے یعنی اس کے غروب ہونے کے وقت وہ طلوع ہو جائے۔

اور دن کی قسم ہے جب وہ اسے روشن کردے یعنی سورج کے بلند ہونے سے وہ روشن ہو جائے۔اور رات کی قسم ہے جب وہ اسے ڈھانپ لے۔یعنی اپنی تاریکی کے ذریعے اسے ڈھانپ لے۔ان تینوں جگہوں پر لفظ اذا صرف ظرفیت کے لئے ہے اور اس میں عمل کرنے والی چیز قسم کا فعل ہے۔اور آسمان کی قسم ہے اور اسے بنانے والے کی قسم ہے۔اور زمین کی قسم ہے اور اسے بچھانے والے یعنی پھیلانے والے کی قسم ہے۔اور نفس کی قسم ہے یہ نفوس کے معنی میں ہے اور اس کی قسم ہے جس نے اسے برابر کیا ہے یعنی تخلیق میں برابر کیا ہے ان تینوں جگہ میں استعمال ہونے والا لفظ ''ما'' یا تو مصدریہ ہے یا ''من'' کے معنی میں ہے۔

پھر اس نے اس کے فجور اور اس کی پرہیزگاری کو اس میں الہام کیا یعنی اس نے اس نفس کے لئے بھلائی اور برائی کے راستے کو بیان کردیا۔یہاں تقویٰ کو بعد میں اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ آیات کے اختتام (کے وزن کا خیال رکھا جاسکے) ان تمام قسموں کا جواب یہ ہے۔(جو اگلی آیت میں مذکور ہے) کرلیا یعنی جس نے اسے گناہوں سے پاک کرلیا۔

اور وہ شخص برباد ہو گیا یعنی خسارے کا شکار ہو گیا جس نے اسے چھپا دیا یعنی گناہوں کے ذریعے اسے پوشیدہ کر دیا۔ یہ اصل میں لفظ دسنھا تھا۔ اس میں دوسری ''س'' کو ''ا'' میں تبدیل کر دیا گیا تاکہ تخفیف ہو جائے۔

ثمود نے اپنے رسول حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اپنی سرکشی کے ساتھ یعنی اپنی سرکشی کی وجہ سے۔ جب چلا یعنی تیزی سے چلا ان کا بدبخت شخص جس کا نام قدار تھا تاکہ ان لوگوں کی رضامندی کی وجہ سے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ دے۔ تو اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا یہ اللہ کی اونٹنی ہے اسے چھوڑ دو اور اس کے پینے کو بھی چھوڑ دو۔ یعنی اس کے اپنے مخصوص دن میں پینے کو چھوڑ دو۔ اس کی وجہ یہ ہے' اس اونٹنی کے لئے ایک مخصوص دن تھا۔ باقی سب لوگوں کے لئے ایک مخصوص دن تھا۔ تو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان کی بات کے بارے میں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور اس کے نتیجے میں ان پر عذاب نازل ہوگا اگر وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت کریں گے' تو ان لوگوں نے اس اونٹنی کو مار دیا۔ یعنی اسے قتل کر دیا تاکہ اس کے پینے کا حصہ بھی ان لوگوں کو مل جائے' تو تہہ در تہہ ان پر ان کے پروردگار نے عذاب نازل کیا ان کے اس گناہ کی وجہ سے اور اسے برابر کر دیا یعنی اس تہہ در تہہ کو ان پر ایسے کیا' کہ وہ ان سب پر حاوی ہو گیا اور ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں بچ سکا۔ اور اس نے اس کے پیچھے یعنی اس کے بعد کی صورت حال کا خوف نہیں کیا۔ یہاں پر لفظ ''ولا'' ''و، فا'' کے ساتھ ہے۔

کامیابی کے لیے کیا ضروری ہے؟

حضرت مجاہد فرماتے ہیں "ضحا سے مراد روشنی ہے" قتادہ فرماتے ہیں "پورا دن مراد ہے" امام جریر فرماتے ہیں کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی اور دن کی قسم کھائی ہے اور چاند جبکہ اس کے پیچھے آئے یعنی سورج چھپ جائے اور چاند چمکنے لگے، ابن زید فرماتے ہیں کہ مہینہ کے پہلے پندرہ دن میں تو چاند سورج کے پیچھے رہتا ہے اور پچھلے پندرہ دنوں میں آگے ہوتا ہے، زید بن اسلم فرماتے ہیں مراد اس سے لیلۃ القدر ہے۔ پھر دن کی قسم کھائی جبکہ وہ منور ہو جائے یعنی سورج دن کو گھیر لے، بعض عربی دانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دن جبکہ اندھیرے کو روشن کر دے لیکن اگر یوں کہا جاتا کہ پھیلاوٹ کو وہ جب چمکا دے تو اور اچھا ہوتا ہے تاکہ یغشاہا میں بھی یہ معنی ٹھیک بیٹھتے، اسی لیے حضرت مجاہد فرماتے ہیں دن کی قسم جبکہ وہ اسے روشن کر دے۔

امام ابن جریر اس قوم کو پسند فرماتے ہیں کہ ان سب میں ضمیر ھا کا مرجع شمس ہے کیونکہ اسی کا ذکر چل رہا ہے، رات جبکہ اسے ڈھانپ لے یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور چاروں طرف اندھیرا پھیل جائے، یزید بن ذی حمایہ کہتے ہیں کہ جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے میرے بندوں کو میری ایک بہت بڑی خلق نے چھپا لیا پس مخلوق رات سے ہیبت کرتی ہے حالانکہ اس کے پیدا کرنے والے سے زیادہ ہیبت کرنی چاہیے، (ابن ابی حاتم) پھر آسمان کی قسم کھاتا ہے یہاں جو ما ہے یہ مصدریہ بھی ہو سکتا ہے یعنی آسمان اور اس کی بناوٹ کی قسم، حضرت قتادہ کا قول یہی ہے اور یہ ما معنی میں من کے بھی ہو سکتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کی قسم اور اس کے بنانے والے کی قسم، یعنی خود اللہ کی، مجاہد یہی فرماتے ہیں یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں بنا کے معنی بلندی کے ہیں جیسے اور جگہ ہے والسماء بنینٰھا باید الخ یعنی آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں ہم

نے زمین کو بچھایا اور کیا ہی اچھا ہم بچھانے والے ہیں، اس طرح یہاں بھی فرمایا کہ زمین کی اور اس کی ہمواری کی اسے بچھانے، پھیلانے کی اس کی تقسیم کی، اس کی مخلوق کی قسم زیادہ مشہور قول اس کی تفسیر میں پھیلانے کا ہے۔

اہل لغت کے نزدیک بھی یہی معروف ہے، جوہری فرماتے ہیں طحوتہ مثل وحولتہ کے ہے اور اس کے معنی پھیلانے کے ہیں اکثر مفسرین کا یہی قول ہے پھر فرمایا نفس کی اور اسے ٹھیک ٹھاک بنانے کی قسم یعنی اسے پیدا کیا اور آنحالیکہ یہ ٹھیک ٹھاک اور فطرت پر قائم تھا جیسے اور جگہ ہے فاقم وجھک الخ، اپنے چہرے کو قائم رکھ دین حنیف کے لیے فطرت ہے، اللہ کی جس پر لوگوں کو بنایا اللہ کی خلق کی تبدیل نہیں، حدیث میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کوئی ان میں کن کٹا نہ پاؤ گے (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندے کو یکسوئی والے پیدا کئے ان کے پاس شیطان پہنچا اور دین سے ورغلا لیا، پھر فرماتا ہے کہ اللہ نے اس کے لیے بدکاری و پرہیزگاری کو بیان کر دیا اور جو چیز اس کی قسمت میں تھی اس کی طرف اس کی رہبری ہوئی، ابن عباس فرماتے ہیں یعنی خیر و شر ظاہر کر دیا، ابن جریر میں ہے حضرت ابوالاسود فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا ذرا بتاؤ تو لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یہ کیا ان کے لیے اللہ کی جانب سے مقرر ہو چکی ہیں اور ان کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں یا یہ خود آئندہ کے لیے اپنے طور پر کر رہے ہیں اس بنا پر کہ انبیاء کے پاس آ چکے اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہوئی میں جواب میں کہا نہیں نہیں بلکہ یہ چیز پہلے سے فیصل شدہ ہے اور مقدر ہو چکی ہے حضرت عمران نے کہا پھر یہ ظلم تو نہ ہوگا میں تو اسے سن کر کانپ اٹھا اور گھبرا کر کہا کہ ہر چیز کا خالق مالک وہی اللہ ہے تمام ملک اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے افعال کی باز پرس کوئی نہیں کر سکتا وہ سب سے سوال کر سکتا ہے میرا یہ جواب سن کر حضرت عمران بہت خوش ہوئے اور کہا اللہ تجھے درستگی عنایت فرمائے میں نے تو یہ سوالات اسی لیے کئے تھے کہ امتحان ہو جائے، سنو ایک شخص مزینہ جہینہ قبیلے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی سوال کیا جو میں نے پہلے تم سے کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا جو تم نے دیا تو اس نے کہا پھر ہمارے اعمال سے کیا؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس منزل کے لیے پیدا کیا ہے اس سے ویسے ہی کام ہو کر رہیں گے اگر جنتی ہے تو اعمال جنت اور دوزخی لکھا گیا ہے تو ویسے ہی اعمال اس پر آسان ہوں گے سنو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ونفس وما سوٰها فالهمها فجورها وتقوٰها** یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے، مسند احمد میں بھی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور بامراد ہوا، یعنی اطاعت رب میں لگا رہا نکمے اعمال رذیل اخلاق چھوڑ دیئے جیسے اور جگہ ہے **قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی** جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام دیا کیا پھر نماز پڑھی اس نے کامیابی پالی اور جس نے اپنے ضمیر کا ستیاناس کیا اور ہدایت سے ہٹا کر اسے برباد کیا، نافرمانیوں میں پڑ گیا اطاعت اللہ کو چھوڑ بیٹھا یہ ناکام اور نامراد ہوا۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا اور بامراد ہوا اور جس کے نفس کو اللہ نے نیچے گرا دیا وہ برباد، خائب اور خاسر رہا، عوفی اور علی بن ابوطلحہ حضرت ابن عباس سے یہی روایت کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورۃ شمس، بیروت)

سورت شمس کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عمران بن حصین (آپ کا اسم گرامی عمران ابن حصین اور کنیت ابو نجید ہے آپ فتح خیبر کے سال اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے تھے بمقام بصرہ ۵۱ھ میں وفات پائی)۔ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلہ مزینہ کے دو آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بتائیے کہ آج (دنیا میں) لوگ عمل کرتے ہیں اور اعمال کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ کیا یہ وہی چیز ہے جس کا حکم ہو چکا ہے اور نوشتہ تقدیر بن چکا ہے یا یہ عمل ان احکام کے موافق ہیں جو آئندہ ہونے والے ہیں جن کو اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم لایا ہے اور جن پر دلیل قائم ہو چکی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نہیں یہ وہی چیز ہیں جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور نوشتہ تقدیر بن چکا ہے اور اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت سے ہوتی ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ، قسم ہے (انسان کی) جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں کا) القاء کیا۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 84)

سوال یہ تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بتلا دیجئے کہ دنیا میں لوگ جتنے اعمال کرتے ہیں خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا عمال بد کیا یہ وہی ہیں جو ان کے لئے ازل ہی میں مقدر ہو چکے تھے اور اب وقت پر وقوع پذیر ہوتے ہیں یا یہ وہ چیزیں ہیں جو ازل میں تو ان کے لئے نوشتہ تقدیر نہیں بنی تھیں بلکہ اب جب رسول آئے اور انہوں نے اللہ کی جانب سے دیئے گئے معجزات کے ذریعہ اپنی صداقت کا اعلان اور ان احکام و اعمال کے کرنے کا حکم دیا تو یہ اعمال وقوع پذیر ہونے لگے تو ایسی شکل میں کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ اعمال بندوں کے مقدر میں پہلے سے نہیں لکھے ہوئے تھے بلکہ اپنے اختیار سے یہ اعمال کرتے ہیں چاہے وہ اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال؟ بارگاہ رسالت سے جواب دیا گیا کہ یہ اعمال وہی ہیں جو ازل ہی سے بندوں کے مقدر میں لکھ دیئے گئے ہیں اور اب اسی نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر صادر ہوتے رہتے ہیں۔

قوم ثمود کے بدبخت انسان کا بیان

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور اسے ذبح کرنے والے کے متعلق بیان کرتے ہوئے سنا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا، جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں کا بڑا بدبخت)۔

اور فرمایا ایک بدبخت، شریر اور اپنی قوم کا طاقتور ترین شخص (جو ابوزمعہ کی طرح تھا) اٹھا پھر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی کیوں اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح کوڑے مارے اور پھر دوسرے دن اس کے ساتھ سوئے بھی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ٹھٹھہ مار کر مت ہنسا کرو اور فرمایا تم میں سے کوئی اپنے ہی کئے پر کیوں ہنستا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1294)

سُوْرَةُ الَّيْلِ

یہ قرآن مجید کی سورت اللیل ہے

سورت اللیل کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ والیل مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، اکیس آیات، اکہتر کلمات، تین سودس حروف ہیں۔

سورت اللیل کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلے ہی لفظ والیل کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی رات ہے جس کی قسم اٹھائی گئی ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت لیل کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰٓى ۝ اِنَّ سَعْيَكُمْ
لَشَتّٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۝ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝
وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝
قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے، اور دن کی قسم جب وہ چمک اٹھے۔ اور اس ذات کی (قسم) جس نے (ہر چیز میں) نر اور مادہ کو
پیدا فرمایا۔ بے شک تمھاری کوشش یقیناً مختلف ہے۔ پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی۔ اور اس
نے سب سے اچھی بات کو سچ مانا۔ تو یقیناً ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور لیکن وہ جس نے بخل کیا اور
بے پرواہوا۔ اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلا دیا۔ تو یقیناً ہم اسے مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے۔

رات اور دن کی قسم اٹھانے کا بیان

" وَاللَّيْل إِذَا يَغْشَى " بِظُلْمَتِهِ كُلّ مَا بَيْن السَّمَاء وَالْأَرْض " وَالنَّهَار إِذَا تَجَلَّى " تَكَشَّفَ وَظَهَرَ وَإِذَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّة وَالْعَامِل فِيهَا فِعْل الْقَسَم " وَمَا " بِمَعْنَى مَنْ أَوْ مَصْدَرِيَّة " خَلَقَ الذَّكَر وَالْأُنْثَى " آدَم وَحَوَّاء وَكُلّ ذَكَر وَكُلّ أُنْثَى , وَالْخُنْثَى الْمُشْكِل عِنْدنَا ذَكَر أَوْ أُنْثَى عِنْد اللَّه تَعَالَى فَيَحْنَث بِتَكْلِيمِهِ مَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّم ذَكَرًا وَلَا أُنْثَى " إِنَّ سَعْيكُمْ " عَمَلكُمْ " لَشَتَّى " مُخْتَلِف فَعَامِل لِلْجَنَّةِ بِالطَّاعَةِ وَعَامِل لِلنَّارِ بِالْمَعْصِيَةِ

" فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى " حَقَّ اللّٰه " وَاتَّقَى " اللّٰه " وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى " أَيْ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه فِي الْمَوْضِعَيْنِ " فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى " لِلْجَنَّةِ " وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ " بِحَقِّ اللّٰه " وَاسْتَغْنَى " عَنْ ثَوَابِه

رات کی قسم ہے جب وہ چھا جائے یعنی اپنی تاریکی کے ساتھ چھا جائے اور ہر اس چیز پر جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

اور دن کی قسم ہے جب وہ روشن ہو جائے یعنی جب وہ واضح کر دے اور ظاہر کر دے یہاں پر دونوں جگہ پر لفظ اذا ظرفیت کے لئے استعمال ہوا ہے اور یہاں عمل کرنے والی چیز قسم کا فعل ہے۔

اور "ما" یہ "من" کے معنی میں ہے یا مصدر یہ ہے جس نے مذکر اور مؤنث کو پیدا کیا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اور ہر مذکر اور ہر مونث جسے ہم ہیجڑا سمجھتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مذکر یا مؤنث۔ اس کی دلیل یہ ہے اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھائے کہ وہ کسی مذکر یا کسی مؤنث کے ساتھ کلام نہیں کرے گا (تو ہیجڑے کے ساتھ کلام کرنے سے اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ بے شک تمہاری کوشش یعنی تمہارا عمل مختلف صورتوں میں ہے۔ کچھ لوگ فرمانبرداری کی شکل میں جنت کے لئے عمل کرتے ہیں اور کچھ لوگ گناہوں کی شکل میں جہنم کے لئے عمل کرتے ہیں۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور اچھائی یعنی لا الٰہ الا اللہ کی تصدیق کرتا ہے دونوں جگہ پر یہی مراد ہے۔ تو ہم اس کے لئے آسانی کی چیز یعنی جنت کو آسان کر دیں گے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے حق کے بارے میں بخل سے کام لے اور اس کے ثواب سے بے نیازی اختیار کر لے۔ اور اچھائی (یعنی لا الٰہ الا اللہ) کی تکذیب کرے۔ تو ہم اس کے لئے آسان کر دیں گے یعنی ہم اس کے لئے تیار کر دیں گے تنگی کو یعنی جہنم کو۔

نیک اعمال اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں جا کر وہاں کی کھجوریں اتارتا اس میں جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آ کر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال لی ہے تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکلوا لیتا، اس مسکین نے اسکی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی آپ نے اس سے فرمادیا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دے دے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے جنت کا ایک درخت دے گا وہ کہنے لگا اچھا حضرت میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے گئے۔ ایک شخص جو یہ بات چیت سن رہا تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے اس کے بدلے جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے ان کا بھی باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص ان سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضرت مجھے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو کہہ رہے تھے۔ میں نے

یہ جواب دیا یہ سن کر خاموش ہو رہے پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دے دے۔ لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ کہا چالیس درخت خرما کے۔ اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو ایک کے چالیس؟

پھر اور باتوں میں لگ گئے پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے ہی میں خریدتا ہوں اس نے کہا اچھا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کر لو، اس نے چند لوگوں کو بلا لیا اور معاملہ طے ہو گیا گواہ مقرر ہو گئے پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے یہ معاملہ طے نہیں ہوا۔ اس نے بھی کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں تو یہ کہنے لگا کہ اچھا اچھا مجھے منظور ہے۔ لیکن درخت جو میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ لوں گا اس نے کہا اچھا منظور۔ چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا فیصل ہوا اور مجلس برخاست ہوئی۔ یہ شخص خوشی خوشی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب وہ درخت میرا ہو گیا اور میں نے اسے آپ کو دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مسکین کے پاس گئے اور فرمانے لگے۔ یہ درخت تمھارا ہے اور تمھارے بال بچوں کا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی ابن جریر میں مروی ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ آپ مکہ شریف میں ابتداء میں اسلام کے زمانے میں بڑھیا عورتوں اور ضعیف لوگوں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے آزاد کر دیا کرتے تھے اس پر ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت ابوقحافہ نے جواب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا کہ بیٹا تم جوان کمزور ہستیوں کو آزاد کرتے پھرتے ہو اس سے تو یہ اچھا ہو کہ نوجوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تا کہ وقت پر وہ تمھارے کام آئیں، تمھاری مدد کریں اور دشمنوں سے لڑیں۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ابا جی میرا ارادہ دینوی فائدے کا نہیں میں تو صرف رضائے رب اور مرضی مولا چاہتا ہوں۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئیں۔ تردی کے معنی مرنے کے بھی مروی ہیں اور آگ میں گرنے کے بھی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ للیل، بیروت)

صدقہ دینا اور پرہیزگاری اپنانے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ کے ساتھ بقیع میں تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے ہم بھی بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک لکڑی تھی جس سے زمین کو کریدرہے تھے۔ پھر سر آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا کوئی جان ایسی نہیں جس کا ٹھکانہ لکھا نہ جا چکا ہو۔ لوگ اپنے بارے میں لکھے گئے پر بھروسہ کیوں نہ کر بیٹھیں؟ جو نیکی والا ہو گا وہ نیک عمل ہی کرے گا اور جو بد بخت ہو گا وہ اسی طرح کے عمل کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ عمل کرو۔ ہر ایک کے لئے وہی آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے وہ بنا ہے جو نیک بخت ہے اس کے لئے بھلائی کے کام آسان کر دیئے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں (فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى، پھر جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک

بات کی تصدیق کی تو ہم اس کے لئے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ رہا اور نیک بات کو جھٹلایا تو ہم اس کے لئے جہنم کی راہیں آسان کر دیں گے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1295)

سورت للیل آیت ۱۰ کے شان نزول کا بیان

یہ آیتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُمیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئیں جن میں سے ایک حضرت صدیق اتقی ہیں اور دوسرا اُمیہ اشقی۔ اُمیہ ابن خلف حضرت بلال کو جو اس کی مِلک میں تھے دین سے منحرف کرنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا۔ اور انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا تھا ایک روز حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اُمیہ نے حضرت بلال کو گرم زمین پر ڈال کر تپتے ہوئے پتھر ان کے سینہ پر رکھے ہیں اور اس حال میں کلمہ ایمان ان کی زبان پر جاری ہے۔

آپ نے اُمیہ سے فرمایا اے بدنصیب ایک خدا پرست پر یہ سختیاں اس نے کہا آپ کو اس کی تکلیف ناگوار ہو تو خرید لیجئے آپ نے گراں قیمت پر ان کو خرید کر آزاد کر دیا اس پر یہ سورت نازل ہوئی اس میں بیان فرمایا گیا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوشش اور اُمیہ کی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضائے الٰہی کے طالب ہیں اُمیہ حق کی دشمنی میں اندھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ للیل، لاہور)

وَمَا يُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ○ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰی ○ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی ○ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی ○
لَا يَصْلٰـهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی ○ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ○ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰی ○
وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ○ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ○ وَلَسَوْفَ يَرْضٰی ○
اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت میں گرے گا۔ بیشک ہدایت فرمانا ہمارے ذمہ ہے، اور بیشک
ہم ہی آخرت اور دنیا کے مالک ہیں۔ پس میں نے تمھیں ایک ایسی آگ سے ڈرا دیا ہے جو شعلے مارتی ہے۔ جس میں اس
بڑے بد بخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔ جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ اور اس سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گا۔
جو اپنا مال دیتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔ صرف اپنے رب کی
رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے۔ اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔

آخرت میں مال کام نہ آنے کا بیان

" وَمَا " نَافِيَة " يُغْنِي عَنْهُ مَاله إِذَا تَرَدَّى " فِي النَّار " إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى " لَتَبْيِين طَرِيق الْهُدَى مِنْ طَرِيق الضَّلَال لِيَمْتَثِل أَمْرنَا بِسُلُوكِ الْأَوَّل وَنَهْينَا عَنْ اِرْتِكَاب الثَّانِي
" وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَة وَالْأُولَى " أَيْ الدُّنْيَا فَمَنْ طَلَبَهُمَا مِنْ غَيْرنَا فَقَدْ أَخْطَأَ " فَأَنْذَرْتُكُمْ " خَوَّفْتُكُمْ يَا أَهْل مَكَّة " نَارًا تَلَظَّى " بِحَذْفِ إِحْدَى التَّاءَيْنِ مِنْ الْأَصْل وَقُرِئَ بِثُبُوتِهَا , أَيْ

تَتَوَقَّد

"لَا يَصْلَاهَا" يَدْخُلهَا "إِلَّا الْأَشْقَى" بِمَعْنَى الشَّقِيّ "الَّذِي كَذَّبَ" النَّبِيّ "وَتَوَلَّى" عَنْ الْإِيمَان وَهَذَا الْحَصْر مُؤَوَّل لِقَوْلِهِ تَعَالَى : "وَيَغْفِر مَا دُون ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاء" فَيَكُون الْمُرَاد الصِّلِيّ الْمُؤَبَّد" وَسَيُجَنَّبُهَا" يُبْعَد عَنْهَا "الْأَتْقَى" بِمَعْنَى التَّقِيّ

"الَّذِي يُؤْتِي مَاله يَتَزَكَّى" مُتَزَكِّيًا بِهِ عِنْد اللَّه تَعَالَى بِأَنْ يُخْرِجهُ لِلَّهِ تَعَالَى لَا رِيَاء وَلَا سُمْعَة , فَيَكُون زَاكِيًا عِنْد اللَّه , وَهَذَا نَزَلَ فِي الصِّدِّيق رَضِيَ اللَّه عَنْهُ لَمَّا اشْتَرَى بِلَالًا الْمُعَذَّب عَلَى إِيمَانه وَأَعْتَقَهُ , فَقَالَ الْكُفَّار : إِنَّمَا فَعَلَ ذَلِكَ لِيَدٍ كَانَتْ لَهُ عِنْده فَنَزَلَتْ . " وَمَا لِأَحَدٍ عِنْده مِنْ نِعْمَة تُجْزَى "" إِلَّا " لَكِنْ فَعَلَ ذَلِكَ " اِبْتِغَاء وَجْه رَبّه الْأَعْلَى " أَيْ طَلَب ثَوَاب اللَّه " وَلَسَوْفَ يَرْضَى " بِمَا يُعْطَاهُ مِنْ الثَّوَاب فِي الْجَنَّة وَالْآيَة تَشْمَل مَنْ فَعَلَ مِثْل فِعْله رَضِيَ اللَّه تَعَالَى عَنْهُ فَيُبْعَد عَنْ النَّار وَيُثَاب .

اوراس کا مال اس کے کوئی کام نہیں آسکے گا' جب وہ جہنم میں گر جائے گا۔ بے شک ہدایت کے بارے میں بتانا ہمارے ذمے ہے یعنی گمراہی کے راستے کے مقابلے میں حق کے راستے کو واضح کر دینا تا کہ پہلے راستے پر چل کر وہ آدمی ہمارے احکام پر عمل پیرا ہو سکے اور ہم نے دوسرے کے ارتکاب سے منع کیا ہے۔ اور آخرت اور پہلے والی یعنی دنیا ہماری ہی ہیں' تو جو شخص ہمارے علاوہ کسی اور سے ان دونوں کو طلب کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔

تو میں تمہیں ڈرا رہا ہوں یعنی اے اہل مکہ میں تمہیں خوفزدہ کر رہا ہوں۔ اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے۔ یہاں پر ایک ''ت'' کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اصل سے' اور اس کے ثبوت کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یعنی وہ آگ بھڑکتی ہے۔ اس تک نہیں پہنچے گا یعنی اس میں داخل نہیں ہوگا۔ ماسوائے اس شخص کے جو بدبخت ہو یہ شقی کے معنی میں ہے۔

جس نے نبی کی تکذیب کی اور ایمان سے منہ پھیر لیا۔ اس حصر کی تاویل کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ذریعے وہ ''اس کے علاوہ جسے چاہے اس کی مغفرت کر سکتا ہے''۔ لہٰذا دوزخ میں داخل ہونے سے مراد یہ ہے' وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

اور اس سے بچ جائے گا یعنی دور ہوگا۔ پرہیزگار شخص یہ ''تقی'' کے معنی میں ہے۔ جو پاکیزگی کے حصول کے لئے اپنا مال دیتا ہے۔ یعنی اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزگی بھی حاصل کر لیتا ہے' وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرتا ہے۔ دکھاوے کے لئے اور شہرت کے لئے نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق t کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب انہوں نے حضرت بلال t کو خرید لیا تھا۔ جنہیں ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا تھا اور انہوں نے حضرت بلال t کو آزاد کر دیا تھا تو کفار نے یہ کہا تھا کہ ابوبکر نے ایسا اس لئے کیا ہے' بلال نے اس پر کوئی احسان کیا ہوگا' تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (یعنی اگلی آیت نازل ہوئی) ''اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں ہے' جس کا بدلہ دیا جائے۔'' الا

یعنی اس نے ایسا اس لئے کیا ہے تا کہ اپنے بلند و برتر پروردگار کی رضا حاصل کر لے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کی طلب میں ایسا کیا ہے۔ تو وہ عنقریب راضی ہو جائے گا یعنی وہ اسے جنت میں اس کا ثواب عطا کرے گا اور یہ آیت ہر اس شخص کے لئے ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے اعمال کرے گا۔ وہ بھی جہنم سے دور ہو جائے گا اور اسے بھی ثواب ملے گا۔

جہنم کی سختی کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے آپ بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے یہاں تک کہ میری اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے جاتے تھے لوگو! میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا۔ لوگو! میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں، بار بار یہ فرما رہے تھے یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کے دونوں قدموں تلے دو انگارے رکھ دیئے جائیں جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہو۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے ہلکے عذاب والا ہے جہنمی ہوگا جس کی دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا وہ گا جس طرح ہنڈیا جوش کھا رہی ہو باوجود یہ کہ سب سے ہلکے عذاب والا یہی ہے لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا اور کوئی نہ ہوگا، اس جہنم میں صرف وہی لوگ گھیر گھار کر بدترین عذاب کیے جائیں گے جو بدبخت تر ہوں جن کے دل میں کذب بعض ہو اور اسلام پر عمل نہ ہو، مسند احمد کی حدیث میں بھی ہے کہ جہنم میں صرف شقی لوگ جائیں گے لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جو اطاعت گذار نہ ہوں اور نہ اللہ کے خوف سے کوئی بدی چھوڑتا ہو مسند کی اور حدیث میں ہے میری ساری امت جنت میں جائیگی سوائے اس کے جو جنت میں جانے سے انکار کریں لوگوں نے پوچھا جنت میں جانے سے انکار کرنے والا کون ہے؟ (مسلم)

اہل اطاعت کیلئے جنت ہونے کا بیان

فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا جنت میں جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا جہنم سے دوری اسے ہوگی جو تقویٰ شعار، پرہیز گار اور اللہ کے ڈر والا ہوگا جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دے تا کہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنی چیزوں کو بھی پاک کر لے اور دین دنیا میں پاکیزگی حاصل کر لے کیونکہ یہ شخص اس کے لیے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا کہ اس کا کوئی احسان اس پر ہے بلکہ اس لیے کہ آخرت میں جنت ملے اور وہاں اللہ کا دیدار نصیب ہو پھر فرماتا ہے کہ بہت جلد بالیقین ایسی پاک صفتوں والا شخص راضی ہو جائیگا۔

اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہیں یہاں تک کہ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے بیشک صدیق اکبر اس میں داخل ہیں اور اس کی عمومیت میں ساری امت سے پہلے ہیں گو الفاظ آیت

کے عام ہیں لیکن آپ سے اول اس کے مصداق ہیں ان تمام اوصاف میں اور کل کی کل نیکیوں میں سب سے پہلے اور سب سے آگے اور سب سے بڑھے چڑھے ہوئے آپ ہی تھے آپ صدیق تھے پرہیزگار تھے بزرگ تھے سخی تھے۔ آپ مالوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد میں دل کھول کر خرچ کرتے رہتے تھے ہر ایک کیساتھ احسان وسلوک کرتے اور کسی دنیوی فائدے کی چاہت پر نہیں کسی کے احسان کے بدلے نہیں بلکہ صرف اللہ کی مرضی کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کے لیے جتنے لوگ تھے خواہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے سب پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات کے بار تھے یہاں تک کہ عروہ بن مسعود جو قبیلہ ثقیف کا سردار تھا صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جبکہ حضرت صدیق نے اسے ڈانٹا ڈپٹا اور دو باتیں سنائیں تو اس نے کہا کہ اگر آپ کے احسان مجھ پر نہ ہوتے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا۔

تو میں آپ کو ضرور جواب دیتا پس جبکہ عرب کے سردار اور قبائل عرب کے بادشاہ کے اوپر آپ کے اس قدر احسان تھے کہ وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا تو بھلا اور تو کہاں؟ اسی لیے یہاں بھی فرمایا گیا کہ کسی پر احسان کا بدلہ انہیں دینا نہیں بلکہ صرف دیدار اللہ کی خواہش ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے داروغے پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے ادھر سے آ یہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمایئے تو کیا کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ للیل، بیروت)

سُوْرَةُ الضُّحیٰ

یہ قرآن مجید کی سورت ضحیٰ ہے

سورت ضحیٰ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ والضحیٰ مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، گیارہ آیات، چالیس کلمات، ایک سو بہتر حروف ہیں۔

سورت ضحیٰ کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلے ہی لفظ والضحیٰ کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی چاشت کی قسم ہے لہٰذا اسی لفظ سے یہ سورت معروف ہوئی ہے۔

سورت ضحیٰ کے شان نزول کا بیان

اسود بن قیس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے جندب کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو ایک یا دو رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم (تہجد کے لئے) کھڑے نہیں ہو سکے ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت (وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی، الضحیٰ) نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2219)

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کافی عرصہ تک نہ آئے اس وجہ سے آپ نہایت خوف زدہ ہوئے تو خدیجہ نے کہا کہ آپ کا رب آپ کے انتہائی خوف کو دیکھ کر آپ سے ناراض ہو گیا ہے اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (ابن کثیر 4۔ 521)

حضرت خولہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں سے روایت ہے کہ ایک کتیا کا بچہ گھر میں چارپائی کے نیچے گھسا اور وہیں مر گیا نبی ہر کئی دن وحی نازل نہ ہوئی تو آپ نے فرمایا اے خولہ میرے گھر میں کیا ہوا ہے؟ جبرائیل میرے پاس نہیں آ رہے خولہ کہتی ہیں کہ بہتر ہوتا کہ میں گھر میں جھاڑ دے کر سامان درست کر دیتی ہوں پھر میں نے جھاڑو دیا۔

تو چارپائی کے نیچے جھاڑو بھارا پایا تو وہاں کوئی بھاری چیز پڑی تھی میں نے اسے جھاڑو کے ذریعے نکالا تو وہ مرا ہوا کتیا کا بچہ میں نے اسے دیوار کے پیچھے پھینک دیا نبی ادھر سے آئے تو آپ کے دانت بج رہے تھے جب بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی اور آپ فرما دیتے اے خولہ مجھے چادر اوڑھا دو۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ وَالضُّحٰی،

وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى)(نیسابوری 371، مجمع الزوائد 7۔138)

وَالضُّحٰىo وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰىo مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰىo وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰىo
وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىo اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰىo وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰىo وَوَجَدَكَ
عَآئِلًا فَاَغْنٰىo فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْo وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْo وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْo

چاشت کی قسم، اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ آپ کے رب نے (جب سے آپ کو منتخب فرمایا ہے) آپ کو نہیں چھوڑا
اور نہ ہی (جب سے آپ کو محبوب بنایا ہے) ناراض ہوا ہے۔ اور بیشک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لئے پہلے سے بہتر
(یعنی باعث عظمت ورفعت) ہے۔ اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔
(اے حبیب!) کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اس نے (آپ کو معزز ومکرم) ٹھکانا دیا۔ اور اس نے آپ کو اپنی محبت
میں خود رفتہ وگم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیا۔ اور اس نے آپ کو (وصالِ حق کا) حاجت مند پایا تو اس نے (اپنی لذتِ دید
سے نواز کر ہمیشہ کے لئے ہر طلب سے) بے نیاز کر دیا۔ سو آپ بھی کسی یتیم پر سختی نہ فرمائیں۔ اور (اپنے در کے)
کسی منگتے کو نہ جھڑکیں۔ اور اپنے رب کی نعمتوں کا (خوب) تذکرہ کریں۔

وقت چاشت اور کی رات کی قسم اٹھانے کا بیان

" وَالضُّحَى " أَيْ أَوَّل النَّهَار أَوْ كُلّه " وَاللَّيْل إِذَا سَجَى " غَطَّى بِظَلَامِهِ أَوْ سَكَنَ " مَا وَدَّعَك " تَرَكَك يَا مُحَمَّد " رَبّك وَمَا قَلَى " أَبْغَضَك نَزَلَ هَذَا لَمَّا قَالَ الْكُفَّار عِنْد تَأَخُّر الْوَحْي عَنْهُ خَمْسَة عَشَر يَوْمًا : إِنَّ رَبّه وَدَّعَهُ وَقَلَاهُ" وَلَلْآخِرَة خَيْر لَك " لِمَا فِيهَا مِنْ الْكَرَامَات لَك " مِنْ الْأُولَى " الدُّنْيَا

" وَلَسَوْفَ يُعْطِيك رَبّك " فِي الْآخِرَة مِنْ الْخَيْرَات عَطَاء جَزِيلًا " فَتَرْضَى " بِهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِذْن لَا أَرْضَى وَوَاحِد مِنْ أُمَّتِي فِي النَّار " إِلَى هُنَا تَمَّ جَوَاب الْقَسَم بِمُثْبَتَيْنِ بَعْد مَنْفِيَّيْنِ

" أَلَمْ يَجِدك " اِسْتِفْهَام تَقْرِير أَيْ وَجَدَك " يَتِيمًا " بِفَقْدِ أَبِيك قَبْل وِلَادَتك أَوْ بَعْدهَا " فَآوَى " بِأَنْ ضَمَّك إِلَى عَمّك أَبِي طَالِب " وَوَجَدَك ضَالًّا " عَمَّا أَنْتَ عَلَيْهِ مِنْ الشَّرِيعَة " فَهَدَى " أَيْ هَدَاك إِلَيْهَا

" وَوَجَدَك عَائِلًا " فَقِيرًا " فَأَغْنَى " أَغْنَاك بِمَا قَنَّعَك بِهِ مِنْ الْغَنِيمَة وَغَيْرهَا وَفِي الْحَدِيث : "

لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ "

" فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ " بِأَخْذِ مَالِه أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ " وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ " تَزْجُرْهُ لِفَقْرِهِ

" وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ " عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا " فَحَدِّثْ " أَخْبِرْ , وَحُذِفَ ضَمِيرُه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ الْأَفْعَالِ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ .

چاشت کی قسم! اس سے مراد دن کا ابتدائی حصہ ہے یا پورا دن مراد ہے اور رات کی قسم! جب وہ ڈھانپ لے یعنی جب وہ اندھیرے کی وجہ سے ہر چیز پر پردہ ڈال دے یا سکون کی حالت میں آ جائے۔ تم کو نہیں چھوڑا ہے یعنی تمہیں ترک نہیں کیا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے پروردگار نے اور نہ ہی اس نے تمہیں ناپسند کیا ہے یعنی تم سے بغض نہیں رکھا۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے 15 دن تک وحی نازل نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہا کہ اس کے پروردگار نے اسے چھوڑ دیا اور اسے ناپسند کیا ہے اور تمہاری آنیوالی گھڑی تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ یعنی اس میں جو تمہارے لیے عزت و احترام ہوگا پہلے والی گھڑی سے یعنی دنیا سے۔

اور تمہارا پروردگار عنقریب تمہیں عطا کرے گا یعنی آخرت میں وہ بھلائی جو عظیم عطا ہوگی تو تم راضی ہو جاؤ گے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تو میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی جہنم میں ہوگا۔ یہاں پر دو منفی جملوں کے بعد دو مثبت باتوں کے ذریعے قسم کا جواب دے دیا گیا ہے۔

کیا اس نے تمہیں نہیں پایا؟ یہاں پر استفہام کسی بات کو پختہ کرنے کے لئے ہے یعنی اس نے تمہیں پایا ہے یتیم۔ یعنی تمہاری ولادت سے پہلے یا بعد میں تمہارے والد موجود نہیں تھے تو اس نے پناہ دی یعنی تمہیں تمہارے چچا ابوطالب تک پہنچا دیا اور اس نے تمہیں پایا ''عائل'' اس حوالے سے جس پر اب تم شریعت کے حوالے سے گامزن ہو اس نے تمہاری رہنمائی کی یعنی اس شریعت کی طرف تمہاری رہنمائی کی۔

اور اس نے تمہیں پایا حاجت مند یعنی غریب اور پھر اس نے تمہیں خوشحال کر دیا یعنی تمہیں خوشحال کیا اس حوالے سے کہ مال غنیمت اور اس طرح کی دیگر چیزوں کے ذریعے قناعت حاصل کی اور حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ خوشحال ہونے کا مطلب مال زیادہ ہونا نہیں ہے بلکہ اصل خوشحالی نفس کا بے نیاز ہونا ہے۔

جہاں تک یتیم کا معاملہ ہے تو تم اس پر غصہ نہ کرو یعنی اس کا مال نہ لو اور دیگر حوالے سے (نہ جھڑکو)۔ جہاں تک مانگنے والے کا تعلق ہے تو تم اسے جھڑکو نہیں یعنی اس کی غربت کی وجہ سے اسے ڈانٹو نہیں۔

جہاں تک تمہارے پروردگار کی نعمت کا تعلق ہے جو اس نے نبوت وغیرہ کے حوالے سے تم پر کی ہے تو تم اسے بیان کرو یعنی اس کی خبر دو یہاں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضمیر کو حذف کیا گیا ہے بعض افعال میں تا کہ ''فواصل'' کا خیال

رکھا جاسکے۔

وقت چاشت اور رات کے مفہوم کا بیان

اور اس کی تاریکی عام ہوجائے۔امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ چاشت سے مراد وہ چاشت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ چاشت سے اشارہ ہے نور جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اور شب کنایہ ہے آپ کے گیسوئے عنبرین سے۔(تفسیر روح البیان،سورہ ضحیٰ،بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مقام محمود کا بیان

یعنی آخرت دنیا سے بہتر کیونکہ وہاں آپ کے لئے مقام محمود وحوض مورود وخیر موعود اور تمام انبیاء ورُسل پر تقدم اور آپ کی امت کا تمام امتوں پر گواہ ہونا اور آپ کی شفاعت سے مومنین کے مرتبے اور درجے بلند ہونا اور بے انتہا عزتیں اور کرامتیں ہیں جو بیان میں نہیں آتیں۔اور مفسرین نے اس کے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ آنے والے احوال آپ کے لئے گذشتہ سے بہتر و برتر ہیں گویا کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ روز بروز آپ کے درجے بلند کرے گا اور عزت پر عزت اور منصب پر منصب زیادہ فرمائے گا اور ساعت بساعت آپ کے مراتب ترقیوں میں رہیں گے۔(تفسیر خزائن العرفان،سورہ ضحیٰ،لاہور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی عطا اور رضا کا بیان

اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ کریمہ ان نعمتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں۔ کمال نفس اور علوم اوّلین وآخرین اور ظہور امر اور اعلائے دین اور وہ فتوحات جو عہد مبارک میں ہوئیں اور عہد صحابہ میں ہوئیں اور تاقیامت مسلمانوں کو ہوتی رہیں گی اور دعوت کا عام ہونا اور اسلام کا مشارق ومغارب میں پھیل جانا اور آپ کی امت کا بہترین اُمم ہونا اور آپ کے وہ کرامات وکمالات جن کا اللہ ہی عالم ہے اور آخرت کی عزت وتکریم کو بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت عامہ وخاصہ اور مقام محمود وغیرہ جلیل نعمتیں عطا فرمائیں۔مسلم شریف کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو کر دعا فرمائی اور عرض کیا اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیۡ اُمَّتِیۡ ، اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں جا کر دریافت کرو رونے کا کیا سبب ہے باوجود یہ کہ اللہ تعالیٰ دانا ہے،جبریل نے حسب حکم حاضر ہو کر دریافت کیا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تمام حال بتایا اور غم امت کا اظہار فرمایا،جبریل امین نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں باوجود یہ کہ وہ خوب جاننے والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا جاؤ اور میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے،حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے میں راضی نہ ہوں گا۔آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں

رسول راضی ہوں اور احادیث شفاعت سے ثابت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اسی میں ہے کہ سب گنہگاران امت بخش دیئے جائیں تو آیت واحادیث سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک گنہگاران امت بخشے جائیں گے، سبحان اللہ کیا رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لئے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں، وہ اس حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے عطا عام کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو آپ کے ابتدائے حال سے آپ پر فرمائیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ ضحیٰ، لاہور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بیان

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی والدہ ماجدہ کے بطن میں تھے، حمل دو ماہ کا تھا، آپ کے والد صاحب نے مدینہ شریفہ میں وفات پائی اور نہ کچھ مال چھوڑا، نہ کوئی جگہ چھوڑی، آپ کی خدمت کے متکفل آپ کے دادا عبدالمطلب ہوئے، جب آپ کی عمر شریف چار یا چھ سال کی ہوئی تو والدہ صاحبہ نے بھی وفات پائی، جب عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے بھی وفات پائی، انہوں نے اپنی وفات سے پہلے اپنے فرزند ابو طالب کو جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپ کی خدمت ونگرانی کی وصیت کی ابو طالب آپ کی خدمت میں سرگرم رہے، یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ایک معنی یہ بیان کئے ہیں کہ یتیم معنی یکتا وبینظیر کے ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے درِ یتیمہ۔ اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزّ وشرف میں یکتا وبینظیر پایا اور آپ کو مقامِ قرب میں جگہ دی اور اپنی حفاظت میں آپ کے دشمنوں کے اندر آپ کی پرورش فرمائی اور آپ کو نبوت واصطفا ورسالت کے ساتھ مشرف کیا۔ (خازن وجمل روح البیان، ضحیٰ، بیروت)

اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علومِ ما کان وما یکون عطا کئے، اپنی ذات وصفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا۔ مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی خبر بھی نہیں رکھتے تھے تو آپ کو آپ کے ذات وصفات اور مراتب ودرجات کی معرفت عطا فرمائی۔

سُورَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ

یہ قرآن مجید کی سورت الانشراح ہے

سورت انشراح کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ الم نشرح مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، آٹھ آیات، ستائیس کلمات، ایک سوتین حروف ہیں۔

سورت الانشراح کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلے آیت کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی کھولنا ہے۔ جس طرح تفسیر میں اس کی وضاحت آرہی ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت الانشراح کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ○ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ○ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ○ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ○
فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا○ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ○ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ○
کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لئے) کشادہ نہیں فرمادیا۔ اور ہم نے آپ کا (غمِ امت کا
وہ) بار آپ سے اتار دیا۔ جو آپ کی پشتِ (مبارک) پر گراں ہو رہا تھا۔ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ
ملاکر دنیا وآخرت میں ہر جگہ) بلند فرمادیا۔ پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے۔ بے شک اسی مشکل کے ساتھ
ایک اور آسانی ہے۔ پس جب آپ فارغ ہوں تو محنت فرمایا کریں۔ اور اپنے رب کی طرف راغب ہوجایا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے شرح صدر ہونے کا بیان

" أَلَمْ نَشْرَح " اِسْتِفْهَام تَقْرِير أَیْ شَرَحْنَا " لَك " یَا مُحَمَّد " صَدْرك " بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرهَا

" وَوَضَعْنَا " حَطَطْنَا " عَنْك وِزْرك "" الَّذِی أَنْقَضَ " أَثْقَل " ظَهْرك " وَهَذَا كَقَوْلِهِ تَعَالَى

لِيَغْفِر لَك اللَّه مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبك "

" وَرَفَعْنَا لَك ذِكْرك " بِأَنْ تُذْكَر مَعَ ذِكْرِی فِی الْأَذَان وَالْإِقَامَة وَالتَّشَهُّد وَالْخُطْبَة وَغَيْرهَا"

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْر " الشِّدَّة " يُسْرًا " سُهُولَة

" إِنَّ مَعَ الْعُسْر يُسْرًا " وَالنَّبِیّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاسَى مِنْ الْكُفَّار شِدَّة ثُمَّ حَصَلَ لَهُ

الْيُسْرِ بِنَصْرِهِ عَلَيْهِمْ

"فَإِذَا فَرَغْتَ" مِنَ الصَّلَاةِ "فَانْصَبْ" اِتْعَبْ فِي الدُّعَاءِ "وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ" تَضَرَّعْ.

کیا ہم نے کھول نہیں دیا یہاں پر استفہام نے بات کو پختہ کر دیا ہے یعنی ہم نے کھول دیا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے سینے کو یعنی نبوت وغیرہ کے ذریعے۔ اور ہم نے ہٹا دیا ہے یعنی اتار دیا ہے تم سے تمہارے بوجھ کو۔ جس نے بھاری کیا تھا یا ثقیل کیا تھا تمہاری پشت کو اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مانند ہے۔ "تا کہ اللہ تعالیٰ مغفرت کر دے تمہارے سبب سے اور تمہارے گزشتہ لوگوں کے ذنب کی"۔

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند کیا یعنی اذان و اقامت، تشہد خطبے وغیرہ میں، میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر کیا جائیگا۔ بے شک "عسر" کے ساتھ "یسر" ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی طرف سے بہت سختی برداشت کی تھی۔ پھر آپ کو ان کیخلاف مدد کی شکل میں آسانی نصیب ہوئی۔ جب تم فارغ ہو جاؤ یعنی نماز سے تو نصب کرو یعنی اہتمام کے ساتھ دعا کرو اور تم اپنے پروردگار کی طرف رغبت رکھو یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑاؤ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارکہ میں علوم و معارف رکھ دیئے جانے کا بیان

ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ اور وسیع کیا ہدایت و معرفت اور موعظت و نبوت اور علم و حکمت کے لئے یہاں تک کہ عالمِ غیب و شہادت اس کی وسعت میں سما گئے اور علائقِ جسمانیہ، انوارِ روحانیہ کے لئے مانع نہ ہو سکے اور علوم لدنیہ و حکم الٰہیہ و معارف ربانیہ و حقائقِ رحمانیہ سینہ پاک میں جلوہ نما ہوئے۔ اور ظاہری شرحِ صدر بھی بار بار ہوا ابتدائے عمر شریف میں اور ابتدائے نزول وحی کے وقت اور شب معراج جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، اس کی شکل یہ تھی کہ جبریلِ امین نے سینہ پاک کو چاک کر کے قلب مبارک نکالا اور زریں طشت میں آب زمزم سے غسل دیا اور نور و حکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک اپنی قوم کے ایک شخص مالک بن صعصعہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بیت اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نہ ہی سو رہا تھا اور نہ ہی جاگ رہا تھا۔ کہ ایک شخص کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ دو اور بھی تھے۔ وہ لوگ ایک طشت لائے جس میں زمزم تھا۔ اس نے میرے سینے کو چاک کیا۔ یہاں تک کہ قتادہ کہتے کہ میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا مطلب تو انہوں نے فرمایا کہ پیٹ کے نیچے تک پھر میرے دل کو نکالا اور آب زمزم سے دھونے کے بعد واپس اسی جگہ لگا دیا پھر اس میں ایمان اور حکمت بھر دیا گیا۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1297)

شق صدر کا بیان

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی دلیری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم سے وہ باتیں پوچھ لیا کرتے تھے جسے دوسرے نہ پوچھ سکتے تھے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر نبوت میں سب سے پہلے آپ نے کیا دیکھا؟ آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے ابو ہریرہ میں دس سال کچھ ماہ کا تھا جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے اوپر آسمان کی طرف سے کچھ آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کیا یہ وہی ہیں؟ اب دو شخص میرے سامنے آئے جن کے منہ ایسے منور تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ میرے دماغ نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی اور ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ میں نے کبھی کسی پر ایسے کپڑے نہیں دیکھے اور آکر انہوں نے میرے دونوں بازو تھام لئے لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی میرے بازو تھامے ہوئے ہے۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ انہیں لٹا دو چنانچہ اس نے لٹا دیا لیکن اس میں بھی نہ مجھے تکلیف ہوئی نہ برا محسوس ہوا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ شق کرو چنانچہ میرا سینہ چیر دیا لیکن نہ تو مجھے اس میں کچھ دکھ ہوا اور نہ میں نے خود دیکھا پھر کہا اس میں سے غل وغش، حسد وبغض سب نکال دو، چنانچہ اس نے ایک خون بستہ جیسی کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا پھر اس نے کہا اس میں رافت ورحمت رحم وکرم بھر دو پھر ایک چاندی جیسی چیز جتنی نکالی تھی اتنی ڈال دی پھر میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا جائیے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے اب میں چلا تو میں نے دیکھا کہ ہر چھوٹے پر میرے دل میں شفقت ہے اور ہر بڑے پر رحمت ہے (مسند احمد)

پھر فرمان ہے کہ ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا۔ یہ اسی معنی میں ہے کہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے۔ جس بوجھ نے تیری کمر سے آواز نکلوا دی تھی یعنی جس نے تیری کمر کو بوجھل کر دیا تھا۔ ہم نے تیرا ذکر بلند کیا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں یعنی جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں تیرا ذکر کیا جائے گا جیسے اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمدا رسول اللہ۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کر دیا کوئی خطیب کوئی واعظ کوئی کلمہ گو کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اور آپ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی کا بیان

ابن جریر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل آئے اور فرمایا کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں آپ کا ذکر کس طرح بلند کروں؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی کو پورا علم ہے فرمایا جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا، ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے ایک سوال کیا لیکن نہ کرتا تو اچھا ہوتا میں نے کہا اللہ مجھ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے لیے تو نے ہوا کو تابعدار کر دیا تھا کسی کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا تجھے میں نے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ میں نے کہا بیشک فرمایا راہ گم کردہ پا کر میں نے تجھے ہدایت نہیں کی؟ میں نے کہا بیشک فرمایا کیا فقیر پا کر غنی نہیں بنا دیا؟ میں نے کہا بیشک فرمایا کیا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا؟ میں نے کہا بیشک کیا ہے۔ ابو نعیم دلائل النبوۃ میں لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میں فارغ ہوا اس چیز سے جس کا حکم مجھے میرے رب عزوجل نے کیا تھا آسمان اور زمین کے کام سے تو میں نے کہا اللہ مجھ سے پہلے جتنے انبیاء ہوئے اب

سب کی تو نے تکریم کی، ابراہیم کو خلیل بنایا، موسیٰ کو کلیم بنایا داؤد کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا، سلیمان کے لیے ہواؤں اور شیاطین کو بھی تابعدار بنایا اور عیسیٰ کے ہاتھ پر مردے زندہ کرائے، پس میرے لیے کیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل چیز نہیں دی کہ میرے ذکر کے ساتھ ہی تیرا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور میں نے تیری امت کے سینوں کو ایسا کر دیا کہ وہ قرآن کو قرأت سے پڑھتے ہیں۔ یہ میں نے کسی اگلی امت کو نہیں دیا اور میں نے تجھے اپنے عرش کے خزانوں میں سے خزانہ دیا جو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ہے ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اذان ہے یعنی اذان میں آپ کا ذکر ہے جس طرح حضرت حسان کے شعروں میں ہے۔

اغر علیه للنبو ة خاتم من اللّٰه من نور یلوح ویشهد وضم الاله اسم النبی اسمه اذا قال فی الخمس المؤذن اشهد وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود وهذا محمد

یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر نبوت کو اپنے پاس کا ایک نور بنا کر آپ پر ثبت فرمایا جو آپ کی رسالت کی گواہ ہے اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی کا نام ملا لیا جبکہ پانچویں وقت اشھد کہتا ہے آپ کی عزت وجلال کے اظہار کے لیے اپنے نام میں سے آپ کا نام نکالا دیکھو وہ عرش والا محمود ہے اور آپ محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کیا اور تمام انبیاء علیہم السلام سے روز میثاق میں عہد لیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ پر ایمان لانے کا حکم کریں پھر آپ کی امت میں آپ کے ذکر کو مشہور کیا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے، صرصری نے کتنی اچھی بات بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی مگر آپ کے پیارے اور میٹھے نام سے جو پسندیدہ اور اچھے منہ سے ادا ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ ہماری اذان اور ہمارا فرض صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ آپ کا ذکر بار بار اس میں نہ آئے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ تکرار اور تاکید کے ساتھ دو دو دفعہ فرماتا ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی دشواری کے ساتھ سہولت ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا پس لوگوں نے کہا اور سختی آئے اور اس پتھر پر گھس جائے تو آسانی ہی آئے گی اور اسی میں جائے گی۔ اور اسے نکال لائے گی اس پر یہ آیت اتری۔

مسند بزار میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہا گر دشواری اس پتھر میں داخل ہو جائے تو آسانی آ کر اسے نکالے گی، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی، یہ حدیث عائذ بن شریح حضرت انس سے روایت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ابو حاتم راضی کا فیصلہ ہے کہ ان کی حدیث میں ضعف ہے اور ابن مسعود سے یہ موقوف مروی ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں لوگ کہتے تھے کہ ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی، حضرت حسن ابن جریر میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن شادان اور فرحاں آئے اور ہنستے ہوئے فرمانے لگے ہرگز ایک دشواری پر دو نرمیوں پر غالب نہیں آ سکتی۔ پھر اس آیت کی آپ نے تلاوت کی، یہ حدیث مرسل ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو خوش خبری سنائی کہ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آ سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ عسرہ کے لفظ کو تو دونوں جگہ معرفہ لائے ہیں تو وہ مفرد ہوا اور یسر کے لفظ کو نکرہ لائے ہیں تو وہ متعدد ہو گیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ معونۃ یعنی امداد الٰہی بقدر معونۃ یعنی تکلیف کے آسمان سے نازل ہوتی ہے یعنی صبر مصیبت کی مقدار پر نازل ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں اچھا صبر آسانیوں سے کیا ہی قریب ہے؟ اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ لحاظ رکھنے والا، نجات یافتہ ہے، اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کو کوئی ایذاء نہیں پہنچتی اس سے بھلائی کی امید رکھنے والا اسے اپنی امید کے ساتھ ہی پاتا ہے۔ حضرت ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں ڈیرہ جما لیتی ہیں کوئی چارہ سجھائی نہیں دیتا اور کوئی تدبیر نجات کارکردگی نہیں ہوتی اس وقت اچانک اللہ کی مدد آ پہنچتی ہے۔ اور وہ دعاؤں کا سننے والا باریک بین اللہ اس سختی کو آسانی سے اور اس تکلیف کو راحت میں بدل دیتا ہے۔ تنگیاں جب کہ بھرپور آ پڑی ہیں پروردگار معاً وسعتیں نازل فرما کر نقصن کو فائدے سے بدل دیتا ہے کسی اور شاعر نے کہا ہے۔ بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگ دل ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ہے جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں اور اس زنجیر کے حلقے، مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ بھلا یہ کیا ہٹیں گی کہ اچانک اس رحیم وکریم اللہ کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اس مصیبت کو اس طرح دور کرتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی۔ اس کے بعد ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب تو دینوی کاموں سے اور یہاں کے اشغال سے فرصت پائے تو ہماری عبادتوں میں لگ جا اور فارغ البال ہو کر دلی توجہ کے ساتھ ہمارے سامنے عاجزی میں لگ جا، اپنی نیت خالص کر لے اپنی پوری رغبت کے ساتھ ہماری جناب کی طرف متوجہ ہو جا۔ اسی معنی کی وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے جس میں ہے کہ کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو اور حدیث میں ہے کہ جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لو۔

حضرت مجاہد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لیے کھڑے ہو تو محنت کے ساتھ عبادت کرو اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں یعنی دعا کر، زید بن اسلم اور ضحاک فرماتے ہیں جہاد سے فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگ جا، ثوری فرماتے ہیں اپنی نیت اور اپنی رغبت اللہ ہی کی طرف رکھ۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ نشرح، بیروت)

اذان ونماز وغیرہ میں ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا بیان

حدیث شریف میں ہے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل سے اس آیت کو دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اذان میں، تکبیر میں، تشہد میں، منبروں پر، خطبوں میں۔ تو اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بیکار وہ کافر ہی رہے گا۔ قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر دنیا وآخرت میں بلند کیا ہر خطیب ہر تشہد پڑھنے والا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پکارتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نشرح، لاہور)

سُورَةُ التِّين

یہ قرآن مجید کی سورت التین ہے

سورت التین کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ والتین مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، آٹھ آیات، چونتیس کلمات، ایک سو پانچ حروف ہیں۔

سورت التین کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلے ہی لفظ التین کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی انجیر ہے جس کی قسم اٹھائی گئی ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت والتین کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

وَالتِّيۡنِ وَالزَّيۡتُوۡنِۙ وَطُوۡرِ سِيۡنِيۡنَۙ وَهٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِۙ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡۤ
اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَۙ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ
اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍؕ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعۡدُ بِالدِّيۡنِؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَحۡكَمِ الۡحٰكِمِيۡنَ
انجیر کی قسم اور زیتون کی قسم۔ اور سینا کے (پہاڑ) طور کی قسم۔ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم۔ بیشک ہم نے آدمی کو
اچھی صورت پر بنایا۔ پھر ہم نے اسے پست سے پست تر حالت میں لوٹا دیا۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے
نیک اعمال کیے تو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ پس اس کے بعد کون سی چیز تجھے جزا کے بارے میں جھٹلانے
پر آمادہ کرتی ہے؟ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟

انجیر وزیتون کی قسم اٹھانے کا بیان

" وَالتِّين وَالزَّيْتُون " أَيْ الْمَأْكُولَيْنِ أَوْ جَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُنْبِتَانِ الْمَأْكُولَيْنِ " وَطُور سِينِينَ " الْجَبَل الَّذِي كَلَّمَ اللَّه تَعَالَى عَلَيْهِ مُوسَى وَمَعْنَى سِينِينَ الْمُبَارَك أَوْ الْحَسَن بِالْأَشْجَارِ الْمُثْمِرَة" وَهَذَا الْبَلَد الْأَمِين " مَكَّة لِأَمْنِ النَّاس فِيهَا جَاهِلِيَّة وَإِسْلَامًا" " لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَان " الْجِنْس " فِي أَحْسَن تَقْوِيم " تَعْدِيل لِصُورَتِهِ

" ثُمَّ رَدَدْنَاهُ " فِي بَعْض أَفْرَاده " أَسْفَل سَافِلِينَ " كِنَايَة عَنْ الْهَرَم وَالضَّعْف فَيَنْقُص عَمَل الْمُؤْمِن عَنْ زَمَن الشَّبَاب وَيَكُون لَهُ أَجْره

" إِلَّا " لَكِنْ " الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات فَلَهُمْ أَجْر غَيْر مَمْنُون " مَقْطُوع وَفِي الْحَدِيث : " إِذَا بَلَغَ الْمُؤْمِن مِنْ الْكِبَر مَا يُعْجِزهُ عَنْ الْعَمَل كُتِبَ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَل "

" فَمَا يُكَذِّبك " أَيُّهَا الْكَافِر " بَعْد " بَعْد مَا ذُكِرَ مِنْ خَلْق الْإِنْسَان فِي أَحْسَن صُورَة ثُمَّ رَدّه إِلَى أَرْذَل الْعُمُر الدَّالّ عَلَى الْقُدْرَة عَلَى الْبَعْث " بِالدِّينِ " بِالْجَزَاءِ الْمَسْبُوق بِالْبَعْثِ وَالْحِسَاب , أَيْ مَا يَجْعَلك مُكَذِّبًا بِذَلِكَ وَلَا جَاعِل لَهُ

" أَلَيْسَ اللَّه بِأَحْكَم الْحَاكِمِينَ " هُوَ أَقْضَى الْقَاضِينَ وَحُكْمه بِالْجَزَاءِ مِنْ ذَلِكَ وَفِي الْحَدِيث : " مَنْ قَرَأَ وَالتِّين إِلَى آخِرهَا فَلْيَقُلْ بَلَى وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنْ الشَّاهِدِينَ " .

انجیر کی قسم اور زیتون کی قسم! اس سے مراد یا تو کھائی جانے والی دو چیزیں ہیں یا شام میں موجود دو پہاڑ ہیں جن (میں پیدا ہونے والوں پھلوں کو) کھایا جاتا ہے اور طور سینا کی قسم! اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تھا اور سینین کا مطلب مبارک ہے یا اچھا پھلدار درخت ہے اور اس امین شہر کی قسم! اس سے مراد مکہ ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں امن کی حالت میں رہتے ہیں۔ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے جنس انسان کو یعنی اچھی شکل میں اور بالکل مناسب بنائی ہے پھر ہم نے اسے لوٹا دیا سب سے پست حالت میں۔ یہ کنایہ ہے اس کے بوڑھے ہونے اور کمزور ہونے کی طرف تو اس وقت مومن کا عمل جوانی کے عالم میں کم ہو جاتا ہے لیکن اس کے لئے اجر ہو گا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے۔

ماسوائے ان لوگوں کے یعنی لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے۔ انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لئے ایسا ثواب ہو گا جو ختم نہیں ہو گا یعنی منقطع نہیں ہو گا۔ حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ جب مومن بوڑھا ہو جاتا ہے اور عمل کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں وہی عمل لکھا جاتا ہے جو وہ پہلے کیا کرتا تھا۔ تو کیا بات تمہیں جھٹلانے پر مجبور کرتی ہے۔ اے کافر! اس کے بعد یعنی اس کے بعد؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہترین شکل میں تخلیق کیے جانے کا ذکر کیا تو اسے انتہائی عمر تک پہنچانے کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ دین کا (انکار کرنا) یعنی جزا کا جو دوبارہ زندہ کیے جانے اور حساب سے پہلے ہو گی یعنی کس بات نے تمہیں اس بات کو جھٹلانے پر مجبور کیا اور تم ایسا نہیں کر سکتے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ وہ سب سے عظیم فیصلہ کرنے والا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اس کا بدلہ دے گا۔ حدیث میں یہ بات موجود ہے۔

''جوشخص سورۃ والتین کو پوری پڑھ لے گا تو پھر یہ کہے: جی ہاں! میں اس بات پر گواہی دینے والوں میں شامل ہوں''۔

انجیر کے مفہوم میں مفسرین کے اقوال کا بیان

اس کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہوا ہے۔حسن بصری، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، جابر بن زید، مجاہد اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ انجیر سے مراد یہی انجیر ہے جسے لوگ کھاتے ہیں اور زیتون بھی یہی زیتون ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ابن ابی حاتم اور حاکم نے ایک قول حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی اس کی تائید میں نقل کیا ہے۔اور جن مفسرین نے اس تفسیر کو قبول کیا ہے انہوں نے انجیر اور زیتون کے خواص اور فوائد بیان کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی خوبیوں کی وجہ سے ان دونوں پھلوں کی قسم کھائی ہے۔اس میں شک نہیں کہ ایک عام عربی داں تین اور زیتون کے الفاظ سن کر وہی معنی لے گا جو عربی زبان میں معروف ہیں۔لیکن دو وجوہ ایسے ہیں جو یہ معنی لینے میں مانع ہیں۔ایک یہ کہ آگے طورِ سینا اور شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور دو پھلوں کے ساتھ دو مقامات کی قسم کھانے میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔دوسرے ان چار چیزوں کی قسم کھا کر آگے جو مضمون بیان کیا گیا ہے۔اس پر طور سینا اور شہر مکہ تو دلالت کرتے ہیں، لیکن یہ دو پھل اس پر دلالت نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی کسی چیز کی قسم کھائی ہے، اس کی عظمت یا اس کے منافع کی بنا پر نہیں کھائی، بلکہ ہر قسم اس مضمون پر دلالت کرتی ہے جو قسم کھانے کے بعد بیان کیا گیا ہے۔اس لیے ان دونوں پھلوں کے خواص کو وجہ قسم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

بعض دوسرے مفسرین نے تین اور زیتون سے مراد بعض مقامات لیے ہیں، کعب احبار، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ تین سے مراد دمشق اور زیتون سے مراد بیت المقدس ہے۔

ابن عباس کا ایک قول ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے یہ نقل کیا ہے کہ تین سے مراد حضرت نوح کی وہ مسجد ہے جو انہوں نے جودی پہاڑ پر بنائی تھی۔اور زیتون سے مراد بیت المقدس ہے۔لیکن والتین والزیتون کے الفاظ سن کر یہ معنی ایک عام عرب کے ذہن میں نہیں آسکتے تھے اور نہ یہ بات قرآن کے مخاطب اہل عرب میں معروف تھی کہ تین اور زیتون ان مقامات کے نام ہیں۔البتہ یہ طریقہ اہل عرب میں رائج تھا کہ جو پھل کسی علاقے میں کثرت سے پیدا ہوتا ہو اس علاقے کو وہ بسا اوقات اس پھل کے نام سے موسوم کر دیتے تھے۔اس محاورے کے لحاظ سے تین زیتون کے الفاظ کا مطلب مناسبت تین وزیتون، یعنی ان پھلوں کی پیداوار کا علاقہ ہو سکتا ہے، اور وہ شام وفلسطین کا علاقہ ہے کیونکہ اس زمانے میں اہل عرب میں یہی علاقہ انجیر اور زیتون کی پیداوار کے مشہور تھا۔ابن تیمیہ، ابن القیم، زمخشری اور آلوسی رحمہم اللہ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

اور ابن جریر نے بھی اگرچہ پہلے قول کو ترجیح دی ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بات تسلیم کی ہے کہ تین وزیتون سے مراد ان پھلوں کی پیداوار کا علاقہ بھی ہوسکتا ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، کتب تفاسیر، سورہ تین، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے جو آدمی سورت

والتین والزیتون پڑھے اور (اس آیت) (اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ، التین:8) یعنی کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ پر پہنچے تو یہ الفاظ کہا کرے بلی و انا علی ذلك من الشهدين (یعنی ہاں اور میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو آدمی سورت لا اقسم بيوم القيمة پڑھے اور (اس آیت) اليس ذلك بقدر على ان يحيىٰ الموتى (یعنی کیا اس اللہ کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے) پر پہنچے تو کہے بلی (یعنی ہاں وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے) اور جو آدمی سورت والمرسلات پڑھے اور اس (آیت) فبای حديث بعده يومنون یعنی اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے) تو کہے امنا باللہ (یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے) ابوداؤد اور ترمذی نے اس روایت کو (والتین کی آیت) وانا علی ذلک من الشاھدین تک نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 822)

سُورَةُ الْعَلَقِ

یہ قرآن مجید کی سورت علق ہے

سورت علق کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ اقراء اس کو سورہ علق بھی کہتے ہیں مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، انیس آیات، بانوے کلمات، دوسواٹھی حروف ہیں۔

سورت علق کی وجہ تسمیہ کا بیان

دوسری آیت کے لفظ علق کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ پس اسی نام سے یہ سورت معروف ہوئی ہے۔

پہلی وحی کے نزول کا بیان

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا آغاز اس طرح سے ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب سچے ہونے لگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہائی پسند ہونے لگی، غار حرا میں تنہا تشریف لے جاتے کئی کئی رات گھر میں تشریف نہ لاتے اور عبادت کرتے رہتے (دین ابراہیمی کے مطابق) اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان رکھتے پھر ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس تشریف لاتے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر اسی طرح کھانے پینے کا سامان پکا دیتیں یہاں تک کہ اچانک غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اتری فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا پڑھیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ نے مجھے پکڑ کر اتنا دبایا کہ میں تھک گیا پھر مجھے چھوڑ کر فرمایا پڑھیے! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ نے دوبارہ مجھے پکڑ کر اتنا دبایا کہ میں تھک گیا اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فرشتہ نے پھر تیسری دفعہ مجھے پکڑ کر اتنا دبایا کہ میں تھک گیا پھر مجھے چھوڑ کر کہا (اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ) پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے، پڑھ! تیرا پروردگار بڑی عزت والا ہے جس نے قلم سے سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس گھر تشریف لائے تو وحی کے جلال سے آپ کے شانہ مبارک اور گردن کے درمیان کا گوشت کانپ رہا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لا کر فرمایا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کپڑا اوڑھا دیا گیا یہاں تک کہ جب گھبراہٹ ختم ہوگئی تو فرمایا کہ

مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمانے لگیں کہ ہرگز نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش رہیں، اللہ کی قسم اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی رسوا نہیں کرے گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، یتیموں مسکینوں اور کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور ناداروں کو دینے کی خاطر کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور پریشان لوگوں کی پریشانی میں لوگوں کے کام آتے ہیں، اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی کے پاس لے گئیں، ورقہ دور جاہلیت میں اسلام سے قبل نصرانی ہو گئے تھے، وہ عربی لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں جتنا اللہ کو منظور ہوتا لکھتے تھے یہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ سے کہا اے چچا! (ان کی بزرگی کی وجہ سے اس طرح خطاب کیا اصل میں وہ چچازاد بھائی تھے) اپنے بھتیجے کی بات سنئے ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا اے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا اس سے آگاہ کیا، ورقہ کہنے لگا یہ تو وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب تیری قوم تجھے نکالے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے نکال دیں گے ورقہ نے کہا ہاں جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا نبی بن کر دنیا میں آیا لوگ اس کے دشمن ہو گئے اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 403)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۝ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۝
(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔ اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے۔ وہ جس نے قلم کے ساتھ سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ہرگز نہیں، بے شک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ غنی ہو گیا ہے۔

اللہ کے نام سے پڑھنے کی ابتداء کا بیان

" اِقْرَأْ " أَوْجِدْ الْقِرَاءَة مُبْتَدِئًا " بِاسْمِ رَبّك الَّذِی خَلَقَ " الْخَلَائِق " خَلَقَ الْإِنْسَان " الْجِنْس " مِنْ عَلَق " جَمْع عَلَقَة وَهِیَ الْقِطْعَة الْیَسِیرَة مِنْ الدَّم الْغَلِیظ " اِقْرَأْ " تَأْكِید لِلْأَوَّلِ " وَرَبّك الْأَكْرَم " الَّذِی لَا یُوَازِیه كَرِیم , حَال مِنْ الضَّمِیر فِی اِقْرَأْ

" الَّذِی عَلَّمَ " الْخَطّ " بِالْقَلَمِ " وَأَوَّل مَنْ خَطَّ بِهِ إِدْرِیس عَلَیْهِ السَّلَام

" عَلَّمَ الْإِنْسَان " الْجِنْس " مَا لَمْ یَعْلَم " قَبْل تَعْلِیمه مِنْ الْهُدَی وَالْكِتَابَة وَالصِّنَاعَة وَغَیْرهَا " كَلَّا " حَقًّا " إِنَّ الْإِنْسَان لَیَطْغَی " " أَنْ رَآهُ " أَیْ نَفْسه " اِسْتَغْنَی " بِالْمَالِ , نَزَلَ فِی أَبِی جَهْل

وَرَأَى عِلْمِيَّة وَاسْتَغْنَى مَفْعُول ثَانٍ وَأَنْ رَآهُ مَفْعُول لَهُ

تم پڑھو یعنی قرات وجود میں لاؤ ابتداء کرتے ہوئے اپنے پروردگار کے اسم سے برکت حاصل کرتے ہوئے جس نے پیدا کیا ہے مخلوقات کو۔

اس نے انسان کو یعنی جنس انسان کو پیدا کیا ہے۔ "علق" کے ذریعے یہ لفظ علاقہ کی جمع ہے اس سے مراد گاڑھے خون کا چھوٹا سا قطرہ ہے۔ تم قرات کرو یہ پہلے کی تاکید کے لئے ہے۔ وہ تمہارا پروردگار بڑا اکرم کرنے والا ہے۔ وہ یعنی کوئی بھی شخص کریم ہونے کے اعتبار سے اس کے مانند نہیں ہو سکتا۔ یہ لفظ اقراء کی ضمیر کا حال ہے۔

وہ جس نے علم دیا ہے یعنی خط کے ذریعے۔ قلم کے ذریعے اور سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس نے انسان کو یعنی جنس انسان کو علم دیا اس چیز کے بارے میں جو وہ نہیں جانتا تھا یعنی اس کے اس شخص کو ہدایت' کتابت' کاریگری وغیرہ کی تعلیم دینے سے پہلے۔ درحقیقت بے شک انسان سرکشی کرتا ہے۔

جب وہ دیکھتا ہے اس کو یعنی اپنے آپ کو کہ وہ بے نیاز ہے مال کے اعتبار سے۔ یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور لفظ "رأی" کا مطلب جاننا ہے اور "اِسْتَغْنٰی" یہ دوسرا مفعول ہے اور "اَنْ رَّاٰہُ" مفعول الیہ ہے۔

نزول وحی کی کیفیت کا بیان

عروہ بن زبیر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر تنہائی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہونے لگی اور غار حرا میں تنہا رہنے لگے اور قبل اس کے کہ گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو وہاں تحنث کیا کرتے، تحنث سے مراد کئی راتیں عبادت کرنا ہے اور اس کے لئے توشہ ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے، حق آیا، چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھ، آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا، یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دہرایا اس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو، تو

لوگوں نے کمبل اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسید بن عبدالعزی کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے، زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا، نابینا اور بوڑھے ہو گئے تھے، ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو آپ سے ورقہ نے کہا اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا، بیان کر دیا، ورقہ نے آپ سے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا، کاش میں نوجوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا، ہاں! جو چیز تو لے کر آیا ہے اس طرح کی چیز جو بھی لے کر آیا اس سے دشمنی کی گئی، اگر میں تیرا زمانہ پاؤں تو میں تیری پوری مدد کروں گا، پھر زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی کا آنا کچھ دنوں کے لئے بند ہو گیا۔

ابن شہاب نے کہا کہ مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ جابر بن عبداللہ انصاری وحی کے رکنے کی حدیث بیان کر رہے تھے، تو اس حدیث میں بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما رہے تھے کہ ایک بار میں جا رہا تھا تو آسمان سے ایک آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ تھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور واپس لوٹ کر میں نے کہا مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، (یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے، پھر وحی کا سلسلہ گرم ہو گیا اور لگاتار آنے لگی۔ عبداللہ بن یوسف اور ابو صالح نے اس کے متابع حدیث بیان کی ہے اور ہلال بن رواد نے زہری سے متابعت کی ہے، یونس اور معمر نے فوادہ کی جگہ بوادرہ بیان کیا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 3)

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰىؕ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰىۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤىۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰىؕ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰىؕ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰىؕ كَلَّا لَىٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ﳔ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِۙ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍۚ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَۙ كَلَّاؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ۠

بیشک آپ کے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا
ہے۔ بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔ یا اس نے پرہیز گاری کا حکم دیا ہو۔ اب بتایئے! اگر اس نے جھٹلایا ہے اور منہ پھیر لیا
ہے۔ تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یقیناً اللہ دیکھ رہا ہے۔ ہرگز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی کے بالوں کے ساتھ
گھسیٹیں گے۔ پیشانی کے ان بالوں کے ساتھ جو جھوٹے ہیں، خطا کار ہیں۔ پس وہ اپنے ہم نشینوں کو بلا لے۔ ہم عنقریب جہنم
کے فرشتوں کو بلالیں گے۔ ہرگز نہیں! آپ اس کے کہئے کی پرواہ نہ کیجئے، اور آپ سر بسجود رہیئے اور قریب ہوتے جایئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا بیان

" إِنَّ إِلَى رَبِّك " يَا إِنْسَان " الرُّجْعَى " أَيْ الرُّجُوع تَخْوِيف لَهُ فَيُجَازِي الطَّاغِي بِمَا يَسْتَحِقّهُ،

" أَرَأَيْت " فِي الثَّلَاثَة مَوَاضِع لِلتَّعَجُّبِ " الَّذِي يَنْهَى " هُوَ أَبُو جَهْل " عَبْدًا " هُوَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إِذَا صَلَّى "" أَرَأَيْت إِنْ كَانَ " الْمَنْهِيّ " عَلَى الْهُدَى "" أَوْ " لِلتَّقْسِيمِ " أَمَرَ بِالتَّقْوَى "" أَرَأَيْت إِنْ كَذَّبَ " أَيْ النَّاهِي النَّبِيّ " وَتَوَلَّى " عَنْ الْإِيمَان،

" " أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّه يَرَى " مَا صَدَرَ مِنْهُ , أَيْ يَعْلَمهُ فَيُجَازِيه عَلَيْهِ , أَيْ اِعْجَبْ مِنْهُ يَا مُخَاطَب مِنْ حَيْثُ نَهْيه عَنْ الصَّلَاة وَمِنْ حَيْثُ أَنَّ الْمَنْهِيّ عَلَى الْهُدَى آمِر بِالتَّقْوَى وَمِنْ حَيْثُ أَنَّ النَّاهِي مُكَذِّب مُتَوَلٍّ عَنْ الْإِيمَان،

" كَلَّا " رَدْع لَهُ " لَئِنْ " لَام قَسَم " لَمْ يَنْتَهِ " عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنْ الْكُفْر " لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ " لَأَجُرَّنَّ بِنَاصِيَتِهِ إِلَى النَّار " نَاصِيَة " بَدَل نَكِرَة مِنْ مَعْرِفَة " كَاذِبَة خَاطِئَة " وَصَفَهَا بِذَلِكَ مَجَاز وَالْمُرَاد صَاحِبهَا

" فَلْيَدْعُ نَادِيه " أَيْ أَهْل نَادِيه وَهُوَ الْمَجْلِس يُنْتَدَى يَتَحَدَّث فِيهِ الْقَوْم وَكَانَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اِنْتَهَرَهُ حَيْثُ نَهَاهُ عَنْ الصَّلَاة : لَقَدْ عَلِمْت مَا بِهَا رَجُل أَكْثَر نَادِيًا مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ عَلَيْك هَذَا الْوَادِي إِنْ شِئْت خَيْلًا جُرْدًا وَرِجَالًا مُرْدًا

" سَنَدْعُ الزَّبَانِيَة " الْمَلَائِكَة الْغِلَاظ الشِّدَاد لِإِهْلَاكِهِ كَمَا فِي الْحَدِيث " لَوْ دَعَا نَادِيه لَأَخَذَتْهُ الزَّبَانِيَة عِيَانًا "

" كَلَّا " رَدْع لَهُ " لَا تُطِعْهُ " يَا مُحَمَّد فِي تَرْك الصَّلَاة " وَاسْجُدْ " صَلِّ لِلَّهِ " وَاقْتَرِبْ " مِنْهُ بِطَاعَتِهِ .

بے شک تمہارے پروردگار کی طرف ہی یعنی اے انسان لوٹنا ہے یعنی رجوع کرنا ہے اور یہ خوف دلانے کے لئے ہے کہ پروردگار سرکشی کرنے والے کواس کے مطابق بدلہ دے گا۔

کیاتم نے دیکھا ہے تینوں جگہ پر تعجب کا اظہار کرنے کے لئے اس شخص کو جو منع کرتا ہے اس سے مراد ابو جہل ہے۔

اور بندے سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب وہ نماز ادا کرتا ہے۔ کیاتم نے دیکھا ہے اگر وہ ہو یعنی جسے منع کیا گیا ہے ہدایت کے اوپر یا یہ تقسیم کے لئے ہے۔ وہ ہدایت کرتا ہو پرہیز گاری کی۔ کیاتم نے اس شخص کو دیکھا جو جھٹلا دے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے والا اور منہ موڑے یعنی ایمان سے۔ کیا وہ یہ بات نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اس چیز کو جو اس سے صادر ہو رہی ہے یعنی اے مخاطب اسے اس کا علم ہے اور وہ بدلہ اسے دے گا یعنی اے مخاطب اس کے اوپر حیرانگی کا اظہار کرو کہ وہ نماز سے روکتا ہے اور جس کو وہ روک رہا ہے وہ ہدایت کے اوپر ہے اور وہ پرہیز گاری کا حکم دیتا ہے اس اعتبار سے کہ منع کرنے والا شخص جھٹلا رہا ہے اور ایمان سے منہ پھیر رہا ہے۔ یہ اس کی ردع کے لئے ہے یہاں پر ل قسم کے لئے ہے۔ اگر وہ باز نہ آیا یعنی جس کفر پر ہے تو ہم اس کی پیشانی کو پکڑ لیں گے یعنی اس کی پیشانی کے ذریعے گھسیٹ کر اسے جہنم میں لے جائیں گے۔

''پیشانی'' یہاں پر معرفہ کے بدل پر نکرہ آیا ہے یہ پیشانی کے لئے ہے جو جھوٹ بولنے والی ہے اور خطا کرنے والی ہے۔ اس کو مجازی طور پر موصوف کیا گیا ہے۔ اس سے مراد پیشانی کا مالک شخص ہے

تو وہ اپنی مجلس کو یعنی اپنی مجلس میں شریک لوگوں کو۔ اس سے مراد وہ مجلس ہے جسے وہ اس لیے اختیار کر رہا ہے تا کہ وہ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کر سکے جیسا کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا جب اس نے آپ کو جھڑکا تھا اور نماز پڑھنے سے روکا تھا۔ کیاتم جانتے ہو یہاں پر مجھ سے زیادہ بڑی مجلس کسی اور شخص کی نہیں ہوتی۔ میں چاہوں تو تمہارے خلاف اس وادی کو گھڑ سواروں کے ساتھ اور جوان مردوں کے ساتھ بھر دوں'

تو ہم اپنے محافظوں کو بلا لیں گے یعنی وہ فرشتے جو سخت ہیں اور شدید ہیں تم کو ہلاک کرنے کے لئے۔ حدیث میں یہ الفاظ ہیں اگر وہ مجلس کے افراد کو بلالیتا تو فرشتے سب کے سامنے اس کو پکڑ لیتے۔

''کلاّ'' یہ اس کی ردع کے لئے ہے تم اس کی اطاعت نہ کرو یعنی اے محمد! نماز ترک کرنے کے حوالے سے۔ سجدہ کر و یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے نماز ادا کرو۔ قربت حاصل کرو یعنی فرمانبرداری کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرو۔

ابو جہل کیلئے موکلین دوزخ کو بلانے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ، ہم بھی موکلین دوزخ کو بلالیں گے)۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کی گردن روندوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا اگر اس نے ایسا کیا تو فرشتے اسے دیکھتے ہی پکڑ لیں گے۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1299)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آیا اور کہنے لگا کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا (تین مرتبہ یہی جملہ دھرایا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اسے ڈانٹا۔ وہ کہنے لگا تم جانتے ہو کہ مجھ سے زیادہ کسی کے ہم نشین نہیں ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں (فَلْيَدْعُ نَادِيَه 17 سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ، پس وہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ہم بھی موکلین دوزخ کو بلائیں گے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر وہ اپنے دوستوں کو بلا لیتا تو اللہ کے فرشتے اسے پکڑ لیتے۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ اس باب میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1300)

سُورَۃُ الْقَدْر

یہ قرآن مجید کی سورت قدر ہے

سورت قدر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ القدر مدنیہ اور ایک قول کے مطابق مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، پانچ آیات، تیس کلمات، ایک سو بارہ حروف ہیں اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابوحیان نے البحر المحیط میں دعویٰ کیا ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ علی بن حمد الواحدی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ بخلاف اس کے الماوردی کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ مکی ہے، اور یہی بات امام سیوطی نے اتقان میں لکھی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس، ابن الزبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ سورت کے مضمون پر غور کرنے سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کو مکہ ہی میں نازل ہونا چاہیے تھا۔

سورت قدر کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی ہی آیت کے لفظ القدر کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں شب قدر کا ذکر کیا گیا ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت قدر کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت قدر کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت یوسف بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کے بعد کہا کہ آپ نے مسلمانوں نے منہ پر کالک مل دی۔ انہوں نے فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے مجھے الزام مت دو۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے منبر پر بنوامیہ کے لوگ نظر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اِنَّـآ اَعۡـطَیۡنٰـكَ الۡكَوۡثَرَ، اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو (جنت کی ایک نہر) کوثر عطا کی ہے) پھر یہ سورت نازل ہوئی (اِنَّـآ اَنۡـزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ‌ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ‌ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ، بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے)۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بنوامیہ بادشاہ ہوں گے۔ قاسم کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی (یعنی بنوامیہ کی) حکومت کے دن گنے تو انہیں پورے کے پورے ایک ہزار ماہ پایا۔ نہ ایک دن کم نہ

زیادہ۔ یہ حدیث غریب ہے۔
ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے قاسم بن فضل کی روایت سے جانتے ہیں بعض اسے قاسم بن فضل سے اور وہ یوسف بن مازن سے نقل کرتے ہیں۔ قاسم بن فضل حدانی کو یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اس سند میں یوسف بن سعد مجہول ہیں۔ ہم اسے ان الفاظ سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلددوم: حدیث نمبر 1301)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ
الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝
بیشک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا۔ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ شب قدر کیا ہے۔ قدر کی رات ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اس میں
فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر امر کے ساتھ اترتے ہیں۔ وہ رات فجر طلوع ہونے تک سراسر سلامتی ہے۔

قرآن مجید کا نزول شب قدر میں ہونے کا بیان

" إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ " أَيْ الْقُرْآن جُمْلَة وَاحِدَة مِنْ اللَّوْح الْمَحْفُوظ إِلَى السَّمَاء الدُّنْيَا " فِي لَيْلَة الْقَدْر " أَيْ الشَّرَف الْعَظِيم " وَمَا أَدْرَاك " أَعْلَمَك يَا مُحَمَّد " مَا لَيْلَة الْقَدْر " تَعْظِيم لِشَأْنِهَا وَتَعْجِيب مِنْهُ " لَيْلَة الْقَدْر خَيْر مِنْ أَلْف شَهْر " لَيْسَ فِيهَا لَيْلَة الْقَدْر فَالْعَمَل الصَّالِح فِيهَا خَيْر مِنْهُ فِي أَلْف شَهْر لَيْسَتْ فِيهَا

" تَنَزَّل الْمَلَائِكَة " بِحَذْفِ إِحْدَى التَّاءَيْنِ مِنْ الْأَصْل " وَالرُّوح " أَيْ جِبْرِيل " فِيهَا " فِي اللَّيْلَة " بِإِذْنِ رَبّهمْ " بِأَمْرِهِ " مِنْ كُلّ أَمْر " قَضَاهُ اللَّه فِيهَا لِتِلْكَ السَّنَة إِلَى قَابِل وَمِنْ سَبَبِيَّة بِمَعْنَى الْبَاء " سَلَام هِيَ " خَبَر مُقَدَّم وَمُبْتَدَأ " حَتَّى مَطْلَع الْفَجْر " بِفَتْحِ اللَّام وَكَسْرهَا إِلَى وَقْت طُلُوعه , جُعِلَتْ سَلَامًا لِكَثْرَةِ السَّلَام فِيهَا مِنْ الْمَلَائِكَة تَمُرّ بِمُؤْمِنٍ وَلَا بِمُؤْمِنَةٍ إِلَّا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ .

بے شک ہم نے اس کو نازل کیا یعنی قرآن کو ایک ہی مرتبہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف (نازل کیا)۔ شب قدر میں یعنی شرف اور عظمت والی (رات میں) اور تمہیں کیا معلوم یعنی تمہیں کس نے بتایا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہ شب قدر کیا ہے؟ یعنی یہ اس (رات) کی عظمت کے اظہار کے لئے اور حیرانگی کے اظہار کے لئے۔ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی جن میں شب قدر موجود نہ ہو تو اس رات میں کوئی نیک عمل کرنا ان ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں یہ رات موجود نہ ہو۔

فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اس میں اصل میں دو میں سے ایک ''ت'' کو حذف کر دیا گیا ہے اور روح بھی (نازل ہوتا ہے)

یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام اس میں یعنی اس رات میں۔ اپنے پروردگار کے اذن کے تحت یعنی حکم کے تحت ہر حوالے سے یعنی اللہ تعالیٰ اس رات میں اس سال سے اگلے سال تک کے فیصلے (فرشتوں کو بتا) دیتا ہے۔ یہاں پر ''من'' سببیت کے لئے ہے اور ''باء'' کے معنی میں ہے۔ یہ سلامتی والی ہے۔ یہ مقدم خبر ہے اور مبتداء یہ ہے یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو جائے۔ اس میں ''ل'' پر زبر بھی پڑھی جاسکتی ہے یعنی اس کے طلوع ہونے کے وقت تک میں نے اسے سلامتی والا بنایا ہے کیونکہ اس میں فرشتوں کی طرف سے بکثرت سلام کیا جاتا ہے جو بھی مومن (مرد یا عورت) گزرتے ہیں تو فرشتے انہیں سلام کرتے ہیں۔

ستائیسویں شب کے لیلۃ القدر ہونے کا بیان

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تمہارے بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ جو شخص سال بھر جاگے گا (یعنی رات کو عبادت کرے گا) وہ سب قدر کو پالے گا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مغفرت کرے وہ جانتے تھے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرے میں ہے۔

اور یہ کہ یہ ستائیسویں رات ہے لیکن انہوں نے چاہا کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں پھر انہوں نے قسم کھائی کہ یہ وہی ستائیسویں شب ہے۔ میں نے عرض کیا اے امنذر (یعنی ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔ انہوں نے فرمایا اس نشانی یا فرمایا اس علامت کی وجہ سے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتائی کہ اس دن سورج اس طرح نکلتا ہے کہ اس میں شعاع نہیں ہوتی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1302)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان میں) سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روزے رکھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینے کے اکثر ایام میں ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی راتوں میں ہمارے ساتھ فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں پڑھی) یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی تئیسویں آئی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام (یعنی ہمیں نماز تراویح پڑھائی) جب پانچ راتیں باقی رہ گئیں (یعنی پچیسویں شب آئی) تو آپ نے ہمارے ساتھ آدھی رات تک قیام کیا میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کاش آج کی رات قیام اور زیادہ کرتے (یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات سے بھی زیادہ تک ہمیں نماز پڑھاتے رہتے تو بہتر ہوتا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب کوئی آدمی (فرض) نماز امام کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس سے فارغ ہو کر واپس جاتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے (یعنی عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی وجہ سے اسے پوری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے نیز یہ کہ نوافل کا اسی وقت تک پڑھتے رہنا مناسب اور بہتر ہے جب تک دل لگے) جب چار راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چھبیسویں شب آئی) تو ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی) ہم اسی انتظار میں لگے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں) جب تین راتیں باقی رہ گئیں (یعنی ستائیسویں شب آئی) تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں، اپنی عورتوں اور سب لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا (یعنی تمام رات نماز پڑھتے رہے) یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں فلاح فوت نہ ہو جائے" راوی فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا "فلاح کیا ہے"؟ حضرت ابوذر نے فرمایا کہ (فلاح سے مراد) سحر کا کھانا (ہے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ مہینہ کے باقی دنوں میں (یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں شب میں) قیام نہیں کیا" سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی) ابن ماجہ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے نیز ترمذی نے اپنی روایت میں ثم لم يقم بنا بقية الشهر (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ مہینے کے باقی دنوں میں قیام نہیں کیا، کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1271)

اس حدیث میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے دو عشروں میں تراویح کی نماز صحابہ کو نہیں پڑھائی اس کا سبب وہی ہے جو پہلی حدیث میں گذر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مجھے اندیشہ ہے کہ یہ نماز فرض نہ ہو جائے" حدیث کے الفاظ حتی بقی سبع الخ) یعنی یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں) کے بارے میں علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حساب باعتبار یقین کی ہے یعنی انتیس دن کا مہینہ یقینی ہوا سی پر حساب لگایا ہے جیسا کہ ترجمہ کے دوران قوسین میں اس کی وضاحت کر کے اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ "سحر کھانے" کو "فلاح" اس لئے کہا ہے کہ اس کے ذریعے روزہ رکھنے کی قوت وطاقت حاصل ہوتی ہے جو درحقیقت فلاح کا سبب ہے۔ آخری راتوں میں قیام کا تفاوت فضیلت کے اعتبار سے تھا یعنی جن راتوں کی فضیلت کم تھی ان راتوں میں قیام کم کیا اور جن راتوں کی فضیلت زیادہ تھی ان میں فضیلت کی اسی زیادتی کے مطابق قیام بھی زیادہ کیا یہاں تک کہ ستائیسویں شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات قیام کیا۔ کیونکہ اکثر علماء کے قول کے مطابق "لیلۃ القدر" ستائیسویں ہی شب ہے یہی وجہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو اپنے گھر والوں، عورتوں کو جمع کیا اور سب کے ساتھ پوری رات عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔

شب قدر کی علامت کا بیان

حضرت زر بن حبیش رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے (دینی) بھائی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص تمام سال عبادت کے لئے شب بیداری کرے تو وہ شب قدر کو پالے گا؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم کرے انہوں نے یہ بات اس بنا پر کہی ہے کہ لوگ بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں ورنہ تو جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ شب قدر رمضان میں آتی ہے اور رمضان کے آخری عشرہ کی ایک رات شب قدر ہوتی ہے اور وہ رات ستائیسویں شب ہے پھر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی قسم کھائی جس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا کہ بلاشبہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہے میں نے عرض کیا ابومنذر! (یہ ابی بن کعب کی کنیت ہے) آپ یہ بات کس دلیل کی بنا پر کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اس علامت یا نشانی کی بنا پر جو ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی ہے کہ اس رات کی صبح آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں روشنی نہیں

ہوتی چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ ستائیسویں شب کی صبح آفتاب طلوع ہوا تو اس میں روشنی نہیں تھی۔

(مسلم، مشکوٰۃ شریف۔ جلد دوم۔ حدیث نمبر 598)

تا کہ لوگ بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ یہ قول صحیح ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہے اور ظن غالب کے اعتبار سے اس پر فتویٰ بھی ہے مگر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو متعین اس لئے نہیں کیا کہ کہیں لوگ اس قول پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور یہ جان کر کہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہی ہے صرف اسی رات میں عبادت کے لئے شب بیداری کریں اور بقیہ راتوں کی شب بیداری ترک کر دیں چنانچہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ راتوں میں لوگوں کو شب بیداری کی طرف راغب کرنے کے لئے کہا کہ لیلۃ القدر سال کی کسی بھی شب میں آ سکتی ہے۔ ستائیسویں شب کو لیلۃ القدر قرار دینے کے سلسلہ میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قسم کھانا ظن غالب کی بنا پر تھا اسی لئے انہوں نے قسم کھاتے ہوئے انشاء اللہ نہیں کہا، کیونکہ اگر کوئی شخص قسم کھاتے ہوئے انشاء اللہ بھی کہہ دے تو نہ صرف یہ کہ قسم جزماً (یقینی) نہیں ہوتی بلکہ شرعی طور پر وہ منعقد نہیں ہوتی، لہٰذا حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھائی اور انشاء اللہ نہیں کہا تا کہ قسم جزماً ہو۔ اس حدیث میں شب قدر کی ایک علامت بتائی گئی ہے اور وہ یہ کہ جس رات میں شب قدر ہوتی ہے اس کی صبح سورج جب طلوع ہوتا ہے تو کچھ دیر اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں چنانچہ بعض ارباب نظر فرماتے ہیں کہ یہ علامت ایسی ہے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ

یہ قرآن مجید کی سورت بینہ ھے

سورت بینہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ لم یکن اس کو سورہ بیّنہ بھی کہتے ہیں، جمہور کے نزدیک یہ سورت مدنیّہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت یہ ہے کہ مکّیہ ہے، اس سورت میں ایک رکوع، آٹھ آیات، چورانوے کلمات، تین سوننانوے حروف ہیں۔اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے اور بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک مدنی ہے۔ابن الزبیر اور عطاء بن یسار کا قول ہے کہ یہ مدنی ہے۔ابن عباس اور قتادہ کے دو قول منقول ہیں۔ایک یہ کہ یہ مکی ہے اور دوسرا یہ کہ مدنی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے مکی قرار دیتی ہیں۔ابو حیان صاحب بحرالمحیط اور عبدالمنعم ابن الفرس صاحب احکام القرآن اس کے مکی ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

سورت البینہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی آیت کے لفظ البینہ کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔جس کا معنی دلیل ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت البینہ کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝
رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝
اہل کتاب میں سے جو لوگ کافر ہو گئے اور مشرکین اس وقت تک الگ ہونے والے نہ تھے جب تک ان کے پاس روشن دلیل
(نہ) آجاتی۔اللہ کی طرف سے ایک رسول، جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔جن میں لکھے ہوئے مضبوط احکام ہوں۔
اور وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، جدا جدا نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آ گئی۔حالانکہ انہیں فقط
یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اسی کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں، حق کی طرف یک سُوئی

پیدا کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی سیدھا اور مضبوط دین ہے۔

دلیل ہونے کے باوجود اہل کتاب ومشرکین کے ایمان نہ لانے کا بیان

" لَمْ يَكُنْ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ " لِلْبَيَانِ " أَهْل الْكِتَاب وَالْمُشْرِكِينَ " أَيْ عَبَدَة الْأَصْنَام عَطْف عَلَى أَهْل " مُنْفَكِّينَ " خَبَر يَكُنْ , أَيْ زَائِلِينَ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ " حَتَّى تَأْتِيهِمْ " أَيْ أَتَتْهُمْ " الْبَيِّنَة " أَيْ الْحُجَّة الْوَاضِحَة وَهِيَ مُحَمَّد صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " رَسُول مِنْ اللَّه " بَدَل مِنْ الْبَيِّنَة وَهُوَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَة " مِنْ الْبَاطِل

" فِيهَا كُتُب " أَحْكَام مَكْتُوبَة " قَيِّمَة " مُسْتَقِيمَة , أَيْ يَتْلُو مَضْمُون ذَلِكَ وَهُوَ الْقُرْآن , فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ

" وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَاب " فِي الْإِيمَان بِهِ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إِلَّا مِنْ بَعْد مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَة " أَيْ هُوَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ الْقُرْآن الْجَائِي بِهِ مُعْجِزَة لَهُ وَقَبْل مَجِيئِهِ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا مُجْتَمِعِينَ عَلَى الْإِيمَان بِهِ إِذَا جَاءَهُ فَحَسَدَهُ مَنْ كَفَرَ بِهِ مِنْهُمْ

" وَمَا أُمِرُوا " فِي كِتَابهمْ التَّوْرَاة وَالْإِنْجِيل " إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّه " أَيْ أَنْ يَعْبُدُوهُ فَحُذِفَتْ أَنْ وَزِيدَتْ اللَّام " مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّين " مِنْ الشِّرْك " حُنَفَاء " مُسْتَقِيمِينَ عَلَى دِين إِبْرَاهِيم وَدِين مُحَمَّد إِذَا جَاءَ فَكَيْف كَفَرُوا بِهِ " وَيُقِيمُوا الصَّلَاة وَيُؤْتُوا الزَّكَاة وَذَلِكَ دِين " الْمِلَّة " الْقَيِّمَة " الْمُسْتَقِيمَة

نہیں تھے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا یہاں پر ''من'' بیان کے لئے ہے اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے یعنی بتوں کی پوجا کرنے والوں میں سے۔ اس کا عطف ہے لفظ اہل پر اور چھوڑنے والے یہ لفظ یکن کی خبر ہے یعنی جس (نظریے) پر وہ ہیں اسے ترک کرنے والے۔ یہاں تک کہ آ جائے گی ان کے پاس یعنی ان کے پاس آ جائے گی یعنی ان کے پاس آ گئی۔

''البینہ'' یعنی واضح حجت جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہیں۔ یہ لفظ البینہ کا بدل ہے اور اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ تلاوت کرتے ہیں پاکیزہ صحیفوں کی یعنی جو باطل سے پاک ہیں۔ اس میں کتابیں ہیں یعنی احکام ہیں جو تحریر کئے گئے ہیں اور وہ تلاوت کرتے ہیں اس مضمون کو یعنی اس سے مراد قرآن ہے تو ان لوگوں میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لے آئے اور کچھ نے ان کا انکار کیا اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی وہ مختلف گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے حوالے سے مگر یہ کہ اس کے بعد ہوئے جب ان کے پاس البینہ آ گئی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے یا قرآن آ گیا جسے آپ ساتھ لے کر آئے ہیں اور جو آپ کا معجزہ ہے۔ آپ

کی تشریف آوری سے پہلے یہ لوگ ایمان لانے کے حوالے سے اکٹھے ہوئے تھے لیکن جب آپ تشریف لائے تو جس نے آپ کا انکار کیا اس نے حسد کی وجہ سے ایسا کیا۔ انہیں صرف یہی حکم دیا گیا یعنی ان کی کتاب تورات میں اور انجیل میں کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں یعنی اس کی بندگی کریں۔ یہاں پر''اَنْ'' کو حذف کر دیا گیا ہے اور''ل'' کو زائد کر دیا گیا ہے۔ دین کے اعتبار سے اس کے لئے خالص رہتے ہوئے یعنی شرک سے (بچتے ہوئے) حنفاء کے طور پر یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر مستقیم رہتے ہوئے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو کیسے انہوں نے اس کا انکار کیا اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین یعنی ملت سیدھی راہ ہے۔

سورت بینہ کے نزول اور قرأت قرآن کا بیان

جب یہ سورت اتری تو حضرت جبرائیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا اللہ کا آپ کو حکم ہوا ہے کہ یہ سورت حضرت ابی کو سناؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی سے یہ ذکر کیا تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہاں میرا ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا ہاں ہاں، تو حضرت ابی رو پڑے مسند احمد۔ مسند ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابی نے پوچھا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا؟

یہ حدیث بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی ہے مسند کی اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت ابی نے یہ واقعہ بیان کیا اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بالبزی نے کہا کہ پھر تو تم اے ابو منذر بہت ہی خوش ہوئے ہو گے کہاں ہاں خوش کیوں نہ ہوتا اللہ خود فرماتا ہے **قل بفضل اللّٰہ وبرحمتہ فبذالك فلیفرحوا ھوا خیر مما یجمعون** یعنی فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ساتھ لوگ خوش ہوا کریں یہ ان کے جمع کیے ہوئے سے بہت ہی بہتر ہے اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت حضرت ابی کے سامنے پڑھی اس میں یہ آیت بھی تھی۔ **لو ان ابن ادام سال وادیا من مال فاعطیہ لسأال ثانیا ولو سأال ثانیا فاعطیہ لسأال ثالثا ولا یملا جوف ابن آدم الا التواب و یتوب اللّٰہ علی من تاب وان ذات الدین عند اللّٰہ الحنیفۃ غیر المشرکتہ ولا الیھودیتہ ولا النصر انیتہ ومن یفعل خیرا فلن یکفرہ**، یعنی اگر انسان مجھ سے ایک جنگل بھر کر سونا مانگے اور میں اسے دے دوں تو پھر دوسرا مانگے گا اور دوسرے کو بھی دے دوں تو یقیناً تیسرے کی طلب کریگا انسان کے پیٹ کو سوا مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یکطرفہ ہو کر صرف اس کی عبادت کرے نہ وہ مشرک ہو نہ یہودی ہو نہ نصرانی ہو جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے اللہ کے ہاں اس کی ناقدری نہ کی جائیگی (مسند احمد) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔

طبرانی میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی سے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو حضرت ابی نے فرمایا کہ حضرت میں اللہ پر ایمان لایا آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا آپ ہی سے علم دین حاصل کیا آپ نے پھر یہی فرمایا اس پر حضرت ابی نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میرا وہاں ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا تیرے نام اور نسب کے

ساتھ ملاء الاعلیٰ، میں تیراذکر ہوا حضرت ابی نے فرمایا اچھا پھر پڑھئے یہ روایت اس طریقہ سے غریب ہے اور ثابت وہ ہے جو پہلے بیان ہوا یہ یادرہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سورت کو حضرت ابی کے سامنے پڑھنا یہ ان کی ثابت قدمی اور ان کے ایمان کی زیادتی کے لیے تھا۔

مسند احمد، نسائی ابوداؤد اور مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت سن کر حضرت ابی بگڑ بیٹھے تھے کیونکہ انہوں نے جس طرح اس سورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا تھا حضرت عبداللہ نے اسی طرح نہیں پڑھا تھا تو غصے میں آ کر انہیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قرآن سنا اس نے اپنے طریقے سے اس نے اپنے طور پر پڑھا آپ نے فرمایا دونوں نے درست پڑھا حضرت ابی فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک وشبہ میں پڑ گیا کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک سامنے آ گیا آپ نے یہ حالت دیکھ کر میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور اس قدر مجھ پر خوف طاری ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے فرمایا سن جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا اللہ کا حکم ہے کہ قرآن ایک ہی قرأت پر اپنی امت کو پڑھاؤ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں پھر مجھے دو طرح کے قرأتوں کی اجازت ہوئی لیکن میں پھر بھی زیادہ طلب کرتا رہا یہاں تک کہ سات قرأتوں کی اجازت ملی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بینہ، بیروت)

پاک وشفاف اوراق کی زینت قرآن کا بیان

اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد بت پوجنے والے عرب اور آتش پرست عجمی ہیں فرماتا ہے کہ یہ لوگ بغیر دلیل حاصل کیے باز رہنے والے نہ تھے پھر بتایا کہ وہ دلیل اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پاک صحیفے یعنی قرآن کریم پڑھ سناتے ہیں جو اعلیٰ فرشتوں نے پاک اوراق میں لکھا ہوا ہے جیسے اور جگہ ہے فی صحف مکرمۃ، الخ کہ وہ نامی گرامی بلند و بالا پاک صاف اوراق میں پاک باز نیکوکار بزرگ فرشتوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہیں پھر فرمایا کہ ان پاک صحیفوں میں اللہ کی لکھی ہوئی باتیں عدل و استقامت والی موجود ہیں جن کے اللہ کی جانب سے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں نہ ان میں کوئی خطا اور غلطی ہوئی ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمدگی کے ساتھ قرآنی وعظ کہتے ہیں اور اس کی اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں۔ (جامع البیان، سورہ بینہ، بیروت)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ○ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ○

بے شک وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، جہنم کی آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،
یہی لوگ مخلوق میں سب سے برے ہیں۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی لوگ ساری مخلوق سے بہتر
ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے حضور دائمی رہائش کے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ
رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ لوگ اس سے راضی ہیں، یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے خائف رہا۔

کفار و مشرکین کے جہنم کی آگ ہونے کا بیان

" إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْل الْكِتَاب وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَار جَهَنَّم خَالِدِينَ فِيهَا " حَال مُقَدَّرَة ، أَيْ مُقَدَّرًا خُلُودهمْ فِيهَا مِنْ اللَّه تَعَالَى " أُولَئِكَ هُمْ شَرّ الْبَرِيَّة " " إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات أُولَئِكَ هُمْ خَيْر الْبَرِيَّة " الْخَلِيقَة " جَزَاؤُهُمْ عِنْد رَبّهمْ جَنَّات عَدْن " إِقَامَة " رَضِيَ اللَّه عَنْهُمْ " بِطَاعَتِهِ " وَرَضُوا عَنْهُ " بِثَوَابِهِ " ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبّه " خَافَ عِقَابه فَانْتَهَى عَنْ مَعْصِيَته تَعَالَى .

بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا اور مشرکین میں سے بھی وہ جہنم کی آگ میں ہونگے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ "مقدرہ" کا حال ہے یعنی ان کا اس میں ہمیشہ رہنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کر دیا گیا ہے اور یہ لوگ مخلوق میں سب سے برے ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔ وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں یہاں پر لفظ بریہ کا مطلب مخلوق ہے۔ ان کی جگہ ان کے پروردگار کے نزدیک جنت عدن ہے یعنی جہاں رہائش ہوگی۔ جس کے نیچے نہریں جاری ہوتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہونگے۔ اس کے اجر و ثواب کی وجہ سے' یہ اس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈر جائے اور اس کی ناراضگی سے خوفزدہ رہے اور اس کی نافرمانی سے باز آ جائے۔

ساری مخلوق سے بہتر اور بدتر کون ہے؟

اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے وہ کافر خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو بھی انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب اللہ کے جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں گے نہ رہا ہوں گے یہ لوگ تمام مخلوق سے بدتر اور کمتر ہیں پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں اس آیت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان لازوال جنتوں کی صورت میں ہے جن

کے چپے چپے پر پاک صاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں دوام اور ہمیشہ کی زندگی کے ساتھ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں نہ کم ہوں نہ اور کوئی کھٹکا ہے نہ غم پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب مرضی مولا انہیں حاصل ہوگئی ہے اور انہیں اس قدر نعمتیں جناب باری نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی دل سے راضی ہو گئے ہیں پھر ارشاد فرماتا ہے کہ یہ بہترین بدلہ یہ بہت بڑی جزاء یہ اجر عظیم دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا عوض ہے ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو جس کی عبادت میں اخلاص ہو جو جانتا ہو کہ اللہ کی اس پر نظریں ہیں بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا خود وہ اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک سچے رب اور حقیقی اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگا تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز بلند ہو اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور گرجتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوہ سے جی چراتا ہے آؤ اب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ اللہ کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بینہ، بیروت)

سُوۡرَۃُ الزُّلۡزَال

یہ قرآن مجید کی سورت زلزالہ ھے

سورت زلزال کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ اذازلزلت جس کوسورہ زلزلہ بھی کہتے ہیں مکّیہ اور ایک قول کے مطابق مدنیہ ہے۔اس میں ایک رکوع، آٹھ آیات، پینتیس کلمات اور ایک سو انتالیس، حروف ہیں۔

اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عطاء، جابر اور مجاہد کہتے ہیں کہ یہ مکی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ایک قول اس کی تائید کرتا ہے۔بخلاف اس کے قتادہ اور مقاتل کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی دوسرا قول اس کے مدنی ہونے کی تائید میں نقل ہوا ہے۔اس کے مدنی ہونے پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جو ابن ابی حاتم نے ان سے نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنا عمل دیکھنے والا ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا "یہ بڑے بڑے گناہ؟" آپ نے جواب دیا "ہاں" میں نے عرض کیا "اور یہ چھوٹے چھوٹے گناہ بھی؟" حضور نے فرمایا ہاں۔اس پر میں نے کہا" پھر تو میں مارا گیا؟" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خوش ہو جاؤ اے ابوسعید، کیونکہ ہر نیکی اپنے جیسی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔" اس حدیث سے اس سورت کے مدنی ہونے پر استدلال کی بنا یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری مدینے کے رہنے والے تھے اور غزوۂ احد کے بعد سن بلوغ کو پہنچے۔اس لیے اگر یہ سورت ان کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ زلزال، بیروت)

سورت الزلزال کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ جس میں زلزلہ قیامت کا بیان ہے پس اسی لفظ سے یہ سورت معروف ہوئی ہے۔

سورت زلزال کے جامع ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پڑھائیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے کہ جن کے شروع میں الر ہے پڑھو۔اس نے عرض کیا میری عمر زیادہ ہو چکی ہے اور دل میرا سخت ہو گیا ہے (یعنی میرے قلب پر حافظہ کی کمی اور نسیان کا غلبہ ہے) نیز میری زبان موٹی ہے (یعنی کلام اللہ خصوصاً! بڑی سورتیں میں یاد نہیں کرسکتا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم وہ

سورتیں نہیں پڑھ سکتے تو ان سورتوں میں سے تین سورتیں پڑھو جن کے شروع میں حم ہے۔

اس شخص نے پھر وہی کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی جامع سورت پڑھایئے (یعنی کوئی ایسی سورت بتایئے جس میں بہت سی باتیں جمع ہوں) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سورت اذا زلزلت پڑھائی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پوری سورت پڑھا کر) اس سے فارغ ہوئے اس شخص نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں (اس سورت پر عمل کرنے کے سلسلہ میں) اس پر کبھی بھی زیادتی نہیں کروں گا۔

پھر اس شخص نے پیٹھ پھیری (یعنی جب واپس ہو گیا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے مراد حاصل کرلی یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا۔ (احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 693)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سورت اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے، سورت قل ہو اللہ تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورت قل یا ایہا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 666)

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا٥ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا٥ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا٥
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا٥ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا٥ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا
اَعْمَالَهُمْ٥ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ٥ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ٥
جب زمین تھرتھرا دی جائے، جیسا اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے۔ اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک دے۔ اور انسان کہے گا اسے
کیا ہو گیا ہے۔ اس دن وہ اپنے حالات خود ظاہر کر دے گی۔ اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔
اس دن لوگ مختلف گروہ بن کر نکلیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی
وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

زمین پر زلزلہ طاری ہو جانے کا بیان

" إِذَا زُلْزِلَتْ الْأَرْض " حُرِّكَتْ لِقِيَامِ السَّاعَة " زِلْزَالهَا " تَحْرِيكهَا الشَّدِيد الْمُنَاسِب لِعَظَمَتِهَا " وَأَخْرَجَتْ الْأَرْض أَثْقَالهَا " كُنُوزهَا وَمَوْتَاهَا فَأَلْقَتْهَا عَلَى ظَهْرهَا " وَقَالَ الْإِنْسَان " الْكَافِر بِالْبَعْثِ " مَا لَهَا " إِنْكَارًا لِتِلْكَ الْحَالَة

" يَوْمئِذٍ " بَدَل مِنْ إِذَا وَجَوَابهَا " تُحَدِّث أَخْبَارهَا " تُخْبِر بِمَا عُمِلَ عَلَيْهَا مِنْ خَيْر وَشَرّ " بِأَنَّ " بِسَبَبِ أَنَّ " رَبّك أَوْحَى لَهَا " أَيْ أَمَرَهَا بِذَلِكَ , وَفِي الْحَدِيث " تَشْهَد عَلَى كُلّ عَبْد أَوْ أَمَة بِكُلِّ مَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرهَا "

"يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاس " يَنْصَرِفُونَ مِنْ مَوْقِف الْحِسَاب " أَشْتَاتًا " مُتَفَرِّقِينَ فَآخِذ ذَات الْيَمِين إِلَى الْجَنَّة وَآخِذ ذَات الشِّمَال إِلَى النَّار " لِيُرَوْا أَعْمَالهمْ " أَيْ جَزَاءَهَا مِنْ الْجَنَّة أَوْ النَّار " فَمَنْ يَعْمَل مِثْقَال ذَرَّة " زِنَة نَمْلَة صَغِيرَة " خَيْرًا يَرَهُ " يَرَ ثَوَابه " وَمَنْ يَعْمَل مِثْقَال ذَرَّة شَرًّا يَرَهُ " يَرَ جَزَاءَهُ .

جب زمین میں زلزلہ آئے گا یعنی اسے قیامت قائم ہونے کے وقت حرکت دی جائے گی اس کا زلزلہ یعنی اس کی شدید حرکت جو اس کی عظمت کے مناسب ہے اور زمین اپنے بوجھ کو باہر نکال دے گی یعنی اپنے خزانوں کو اور اپنے مُردوں کو اور انہیں اپنی پشت پر رکھ لے گی۔

اور انسان کہے گا یعنی کافر شخص زندہ ہوتے وقت کہے گا یہ کیا ہے؟ یعنی وہ ایسی حالت کا انکار کرے گا۔ اس دن' یہ بدل ہے اذا کا اور اس کا جواب ہے وہ (زمین) اپنی خبریں بیان کرے گی یعنی وہ بتائے گی کہ اس کے اوپر اچھائی یا برائی میں سے کیا عمل کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے یعنی اس سبب کی وجہ سے کہ تمہارے پروردگار نے اسے وحی کی ہوگی۔ اسے اس بات کا حکم دیا گیا ہوگا۔ ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے وہ ہر بندے اور کنیز کے خلاف گواہی دے گی۔ ہر چیز کے بارے میں جو اس نے اس زمین کی پشت پر عمل کیا تھا۔ اس دن لوگ واپس آئیں گے یعنی حساب کے لئے کھڑے ہونیوالے مقام سے واپس آئیں گے "اشتـــات" کے طور پر یعنی متفرق طور پر کسی نے دائیں ہاتھ کو اختیار کرنا ہے وہ جنت کی طرف جائے گا اور کوئی بائیں ہاتھ کو پکڑے گا اور وہ جہنم کی طرف جائے گا تا کہ وہ لوگ اپنے اعمال کو دیکھ لیں۔ یعنی جنت اور جہنم کی شکل میں اپنی جگہ کو دیکھ لیں تو جس شخص نے ذرے کے وزن جتنا عمل کیا ہوگا یعنی چھوٹی چیونٹی کے وزن جتنا بھلائی کا تو وہ بھی دیکھ لے گا یعنی اس کے ثواب کو دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرے کے وزن جتنی برائی کی ہوگی وہ اس کے بدلے کو دیکھ لے گا۔

زمین کا لوگوں کے اعمال کی خبر دینے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ،الزلزلہ:4)۔ (جس روز کہ زمین اپنی خبریں سنائے گی اور فرمایا کہ جانتے ہو (قیامت کے دن) زمین کی خبریں (جو وہ سنائے گی، کیا ہوں گی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ وہ (زمین) ہر بندے اور ہر لونڈی یعنی ہر مرد وعورت کے ہر اس عمل کی گواہی دے گی جو اس نے اس کی پشت پر کیا ہوگا (یعنی فلاں شخص نے فلاں وقت فلاں نیک کام کیا ہے اور فلاں وقت فلاں برا کام کیا ہے" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بس یہی (گواہی دینا) زمین کی خبریں ہیں" اس روایت کو احمد ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 117)

سُوۡرَۃُ الۡعٰدِیٰتِ

یہ قرآن مجید کی سورت عادیات ھے

سورت عادیات کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ والعٰدیٰت بقولِ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ مکّیہ ہے، اور بقولِ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما مدنیّہ ہے اس میں ایک رکوع، گیارہ آیات، چالیس کلمات، ایک سو تریسٹھ حروف ہیں۔

اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود، جابر، حسن بصری، عکرمہ اور عطاء کہتے ہیں کہ یہ مکی ہے۔ حضرت انس بن مالک اور قتادہ کہتے ہیں کہ مدنی ہے اور حضرت ابن عباس سے دو قول منقول ہوئے ہیں ایک یہ کہ سورت مکی ہے اور دوسرا یہ کہ مدنی ہے لیکن سورت کا مضمون اور انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ نہ صرف مکی ہے بلکہ مکہ کے بھی ابتدائی دور کی نازل ہوئی ہے۔

سورت عادیات کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ جس میں لفظ عادیات کا استعمال ہوا ہے جس کا معنی وہ گھوڑے جو جہاد کیلئے کام آتے ہیں ان کی قسم اٹھائی گئی ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت عادیات کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا۝ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا۝ فَالۡمُغِيۡرٰتِ صُبۡحًا۝ فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا۝ فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا۝ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوۡدٌ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ۝ اَفَلَا يَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِى الۡقُبُوۡرِ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوۡرِ۝ اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّخَبِيۡرٌ۝
قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو پیٹ اور سینے سے آواز نکالتے ہوئے دوڑنے والے ہیں۔ پھر جو سم مار کر چنگاریاں نکالنے والے ہیں۔ پھر جو صبح کے وقت حملہ کرنے والے ہیں۔ پھر وہ اس (حملے والی) جگہ سے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ پھر وہ اس کے ساتھ بڑی جماعت کے درمیان جا گھستے ہیں۔ بیشک انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اور بے شک وہ اس بات پر یقیناً (خود) گواہ ہے۔ اور بیشک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔ تو کیا اسے معلوم نہیں جب وہ (مردے) اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے گا۔ بیشک ان کا رب اس دن ان (کے اعمال) سے خوب خبردار ہوگا۔

جہادی گھوڑوں کی اہمیت کا بیان

"وَالْعَادِيَات " الْخَيْل تَعْدُو فِي الْغَزْو وَتَضْبَح "ضَبْحًا " هُوَ صَوْت أَجْوَافهَا إِذَا عَدَتْ " فَالْمُورِيَات " الْخَيْل تُورِي النَّار " قَدْحًا " بِحَوَافِرِهَا إِذَا سَارَتْ فِي الْأَرْض ذَات الْحِجَارَة بِاللَّيْلِ" فَالْمُغِيرَات صُبْحًا " الْخَيْل تُغِير عَلَى الْعَدُوّ وَقْت الصُّبْح بِإِغَارَةِ أَصْحَابهَا

" فَأَثَرْنَ " هَيَّجْنَ " بِهِ " بِمَكَانِ عَدْوهنَّ أَوْ بِذَلِكَ الْوَقْت " نَقْعًا " غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرَكَتهنَّ " فَوَسَطْنَ بِهِ " بِالنَّقْعِ " جَمْعًا " مِنْ الْعَدُو أَيْ صِرْنَ وَسَطه وَعُطِفَ الْفِعْل عَلَى الِاسْم لِأَنَّهُ فِي تَأْوِيل الْفِعْل أَيْ وَاَللَّاتِي عَدَوْنَ فَأَوْرَيْن فَأَغَرْنَ

" إِنَّ الْإِنْسَان " الْكَافِر " لِرَبِّهِ لَكَنُود " لَكَفُور يَجْحَد نِعْمَته تَعَالَى " وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ " أَيْ كُنُوده " لَشَهِيد " يَشْهَد عَلَى نَفْسه بِصُنْعِهِ" وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْر " أَيْ الْمَال " لَشَدِيد " الْحُبّ لَهُ فَيَبْخَل بِهِ " أَفَلَا يَعْلَم إِذَا بُعْثِرَ " أُثِيرَ وَأُخْرِجَ " مَا فِي الْقُبُور " مِنْ الْمَوْتَى , أَيْ بُعِثُوا " وَحُصِّلَ " بُيِّنَ وَأُفْرِزَ " مَا فِي الصُّدُور " الْقُلُوب مِنْ الْكُفْر وَالْإِيمَان

" إِنَّ رَبّهمْ بِهِمْ يَوْمئِذٍ لَخَبِير " لَعَالَم فَيُجَازِيهِمْ عَلَى كُفْرهمْ , أُعِيدَ الضَّمِير جَمْعًا نَظَرًا لِمَعْنَى الْإِنْسَان وَهَذِهِ الْجُمْلَة دَلَّتْ عَلَى مَفْعُول يَعْلَم , أَيْ إِنَّا نُجَازِيه وَقْت مَا ذُكِرَ وَتَعَلَّقَ خَبِير بِيَوْمَئِذٍ وَهُوَ تَعَالَى خَبِير دَائِمًا لِأَنَّهُ يَوْم الْمُجَازَاة،

قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی! یعنی وہ گھوڑے جو جہاد میں دوڑتے ہیں جو سینے سے آواز نکالتے ہیں یعنی یہ سینے کی آواز ہے جب وہ دوڑتے ہیں یہ اس وقت نکلتی ہے۔

پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں یعنی وہ گھوڑے آگ نکالتے ہیں۔ اپنے سُم مار کر جب وہ پتھریلی زمین پر چلتے ہیں یعنی وہ گھوڑے جو صبح کے وقت اپنے سواروں کے ہمراہ دشمن پر حملہ کرتے ہیں تو وہ اڑاتے ہیں تو اس کا مطلب ہیج یعنی اڑانا اس کے ذریعے یعنی اپنے دشمن کی جگہ پر یا اس وقت پر غبار (اڑاتے ہیں) اپنی شدید حرکت کی وجہ سے پھر وہ اس کے ہمراہ یعنی اس غبار کے ہمراہ اس کے درمیان میں جاتے ہیں "جمعا" سے مراد دشمن ہے یعنی وہ ان کے درمیان میں ہو جاتے ہیں یہاں پر فعل کا عطف اسم ہے کہ وہ فعل کی تاویل میں ہے کہ جب دوڑتے ہیں' آواز نکالتے ہیں اور حملہ کرتے ہیں۔

بے شک انسان یعنی کافر شخص اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرہ ہے جو اپنے پروردگار کی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اور بے شک وہ اس بات پر یعنی اپنے ناشکرے پن پر گواہ ہے اپنے آپ کے خلاف اپنے کیے کی گواہی دے گا۔

اور بے شک وہ بھلائی کی محبت میں یعنی مال کی محبت میں شدید ہے یعنی اسے شدید محبت ہے اور وہ اس میں بخل سے کام لیتا ہے۔ کیا وہ علم نہیں رکھتا کہ جب اٹھایا جائے گا اور نکالا جائے گا اس چیز کو جو قبروں میں ہے اور حاصل کیا جائیگا یعنی

بیان کر دیا جائیگا وہ جو سینوں کے اندر ہے کفر یا ایمان۔ بے شک ان کا پروردگار ان کے بارے میں اس دن خبر رکھتا ہوگا یعنی وہ انہیں جاننے والا ہے اور ان کے کفر کا بدلہ وہ انہیں دے گا۔ ضمیر کا اعادہ جمع کے طور پر کیا گیا ہے۔

لفظ ''انسان'' کے معنیٰ کی رعایت کرتے ہوئے یہ جملہ دلالت کرتا ہے یَعْلَمُ کے مفعول پر یعنی ہم اس کی جزا دیں گے اس وقت جس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور لفظ خبیر متعلق ہے لفظ یَوْمَئِذٍ کے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ خبیر ہے لیکن اس دن جو کہ بدلہ کا دن ہوگا اس کے لیے بطور خاص اس کا تذکرہ کیا۔

جہاد کیلئے تیاریوں اور سامان جہاد کی فضیلت کا بیان

مجاہدین کے گھوڑے جبکہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ہانپتے اور ہنہناتے ہوئے دوڑتے ہیں ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ قسم کھاتا ہے پھر اس تیزی میں دوڑتے ہوئے پتھروں کے ساتھ ان کے نعل کا ٹکرانا اور اس رگڑ سے آگ کی چنگاریاں اڑنا پھر صبح کے وقت دشمن پر ان کا چھاپہ مارنا اور دشمنان رب کو تہہ و بالا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی عادت مبارک تھی کہ دشمن کی کسی بستی پر آپ جاتے تو وہاں رات کو ٹھہر کر کام لگا کر سنتے اگر اذان کی آواز آ گئی تو آپ رک جاتے نہ آتی تو لشکر کو حکم دیتے کہ بزن بول دیں پھر ان گھوڑوں کا گرد و غبار اڑانا اور ان سب کا دشمنوں کے درمیان گھس جانا ان سب چیزوں کی قسم کھا کر پھر مضمون شروع ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ والعادیات سے مراد اونٹ ہیں حضرت علی بھی یہی فرماتے ہیں حضرت ابن عباس کا قول کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں جب حضرت علی کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا گھوڑے ہمارے بدر والے دن تھے ہی کب یہ تو اس چھوٹے لشکر میں تھے جو بھیجا گیا تھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آ کر اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو بوقت جہاد دشمنوں پر دھاوا بولتے ہیں پھر رات کے وقت یہ گھڑ سوار مجاہد اپنے کیمپ میں آ کر کھانے پکانے کے لیے آگ جلاتے ہیں وہ یہ پوچھ کر حضرت علی کے پاس گیا آپ اس وقت زمزم کا پانی لوگوں کو پلا رہے تھے اس نے آپ سے بھی یہی سوال کیا آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی تم نے پوچھا ہے؟ کہا ہاں حضرت ابن عباس سے پوچھا ہے تو انہوں نے فرمایا مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو اللہ کی راہ میں دھاوا بولیں حضرت علی نے فرمایا جانا ذرا انہیں میرے پاس بلانا جب وہ آ گئے تو حضرت علی نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں اور تم لوگوں کو فتوے دے رہے ہو اللہ کی قسم پہلا غزوہ اسلام میں بدر کا ہوا اس لڑائی میں ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے ایک شخص حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا تو عادیات ضبحا یہ کیسے ہو سکتے ہیں اس سے مراد تو عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے والے اور پھر مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانے والے ہیں۔

حضرت عبدالہل فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا اور حضرت علی نے جو فرمایا تھا وہی کہنے لگا مزدلفہ میں پہنچ کر حاجی بھی اپنی ہنڈیا روٹی کے لیے آگ سلگاتے ہیں، غرض حضرت علی کا فرمان یہ ہوا کہ اس سے مراد اونٹ ہیں اور یہی قول ایک جماعت کا ہے جن میں ابراہیم عبید بن عمیر وغیرہ ہیں اور حضرت ابن عباس سے گھوڑے مروی ہیں مجاہد، عکرمہ، عطاء

قتادہ اور ضحاک بھی یہی کہتے ہیں۔

اور امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت عطا سے مروی ہے کہ ضبح یعنی ہانپنا کسی جانور کے لیے نہیں ہوتا سوائے گھوڑے اور کتے کے ابن عباس فرماتے ہیں ان کے منہ سے ہانپتے ہوئے جو آواز اح اح کی نکلتی ہے یہی ضبح ہے اور دوسرے جملے کے ایک تو معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ان گھوڑوں کی ٹاپوں کا پتھر سے ٹکرا کر آگ پیدا کرنا اور دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ان کے سواروں کا لڑائی کی آگ کو بھڑکانا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لڑائی میں مکرو دھوکہ کرنا اور یہ بھی مروی ہے کہ راتوں کو اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر آگ روشن کرنا اور مزدلفہ میں حاجیوں کا بعد از مغرب پہنچ کر آگ جلانا امام ابن جریر فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے زیادہ ٹھیک قول یہی ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور سموں کا پتھر سے رگڑ کھا کر آگ پیدا کرنا پھر صبح کے وقت مجاہدین کا دشمنوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا اور جن صاحبان نے اس سے مراد اونٹ لیے ہیں وہ فرماتے ہیں اس سے مراد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف صبح کو جانا ہے پھر یہ سب کہتے ہیں کہ پھر ان کا جس مکان میں یہ اترے ہیں خواہ جہاد میں ہوں خواہ حج میں غبار اڑانا پھر ان مجاہدین کا کفار کی فوجوں میں مردانہ گھس جانا اور چیرتے پھاڑتے مارتے پچھاڑتے ان کے بیچ لشکر میں پہنچ جانا اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ سب جمع ہو کر اس جگہ درمیان میں آجاتے ہیں تو اس صورت میں جمعا حال موکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا ابو بکر بزار میں اس جگہ ایک غریب حدیث ہے جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تھا ایک مہینہ گذر گیا لیکن اس کی کوئی خبر نہ آئی اس پر یہ آیتیں اتریں۔

اور اس لشکر کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے گھوڑے ہانپتے ہوئے تیز چال سے گئے ان کے سموں کی ٹکر سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں انہوں نے صبح ہی صبح دشمنوں پر پوری یلغار کے ساتھ حملہ کر دیا ان کی ٹاپوں سے گرد اڑ رہی تھی پھر غالب آ کر سب جمع ہو کر بیٹھ گئے ان قسموں کے بعد اب وہ مضمون بیان ہو رہا ہے جس پر قسمیں کھائیں گئی تھیں کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا قدر دان نہیں اگر کوئی دکھ درد کسی وقت آ گیا ہے تو وہ تو بخوبی یاد رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ہزار ہا نعمتیں جو ہیں سب کو بھلائے ہوئے ہے ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ کنود وہ ہے جو تنہا کھائے غلاموں کو مارے اور آسان سلوک نہ کرے۔ (ابن کثیر، سورہ عادیات)

پھر فرمایا اللہ اس پر شاہد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خود اس بات پر اپنا گواہ آپ ہے اس کی ناشکری اس کے افعال و اقوال سے صاف ظاہر ہے جیسے اور جگہ ہے **شاھدین علی انفسھم بالکفر** یعنی مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی نہیں ہو سکتی جبکہ یہ اپنے فکر کے آپ گواہ ہیں پھر فرمایا یہ مال کی چاہت میں بڑا سخت ہے یعنی اسے مال کی بیحد محبت ہے اور یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی محبت میں پھنس کر ہماری راہ میں دینے سے جی چراتا اور بخل کرتا ہے۔

پھر پروردگار عالم اسے دنیا سے بیرغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرما رہا ہے کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت وہ آ رہا ہے کہ جب تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور جو کچھ باتیں چھپی لگی ہوئی تھیں سب ظاہر ہو جائیں گی سن لو ان کا رب ان کے تمام کاموں سے باخبر ہے اور ہر ایک عمل کا بدلہ پورا پورا دینے والا ہے ایک ذرے کے برابر ظلم وہ روا نہیں رکھتا اور نہ رکھے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ عادیات، بیروت)

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

یہ قرآن مجید کی سورت قارعہ ھے

سورت قارعہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ القارعہ مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، آٹھ آیات، چھتیس کلمات، ایک سو باون حروف ہیں۔

سورت قارعہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلے ہی لفظ القارعۃ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔ یہ صرف نام ہی نہیں ہے بلکہ اس کے مضمون کا عنوان بھی ہے کیونکہ اس میں سارا ذکر قیامت ہی کا ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَ مَآ اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝
وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝
وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝
دل دہلانے والی، وہ (ہر شے کو) کھڑ کھڑا دینے والا شدید جھٹکا اور کڑک کیا ہے۔ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ (ہر شے کو)
کھڑ کھڑا دینے والے شدید جھٹکے اور کڑک سے مراد کیا ہے۔ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں
گے۔ اور پہاڑ رنگ برنگ دھنکی ہوئی اُون کی طرح ہو جائیں گے۔ پس وہ شخص کہ جس (کے اعمال) کے پلڑے
بھاری ہوں گے۔ تو وہ خوش گوار عیش و مسرت میں ہوگا۔ اور لیکن وہ شخص جس کے پلڑے ہلکے ہوگئے۔ تو اس کا ٹھکانا
ہاویہ (جہنم کا گڑھا) ہوگا۔ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ ہاویہ کیا ہے۔ ایک سخت گرم آگ ہے۔

قیامت کو لفظ قارعہ سے ذکر کرنے کا بیان

" الْقَارِعَة " الْقِيَامَة الَّتِي تَقْرَع الْقُلُوب بِأَهْوَالِهَا " مَا الْقَارِعَة " تَهْوِيل لِشَأْنِهَا وَهُمَا مُبْتَدَأ وَخَبَر خَبَر الْقَارِعَة

" وَمَا أَدْرَاك " أَعْلَمَك " مَا الْقَارِعَة " زِيَادَة تَهْوِيل لَهَا وَمَا الْأُولَى مُبْتَدَأ وَمَا بَعْدهَا خَبَره وَمَا

الثَّانِيَة وَخَبَرهَا فِي مَحَلّ الْمَفْعُول الثَّانِي لِأَدْرَى" يَوْم " نَاصِبه دَلَّ عَلَيْهِ الْقَارِعَة , أَيْ تَقْرَع " يَكُون النَّاس كَالْفِرَاشِ الْمَبْثُوث " كَغَوْغَاء الْجَرَاد الْمُنْتَشِر يَمُوج بَعْضهمْ فِي بَعْض لِلْحِيرَةِ إِلَى أَنْ يُدْعَوْا لِلْحِسَابِ

" وَتَكُون الْجِبَال كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوش " كَالصُّوفِ الْمَنْدُوف فِي خِفَّة سَيْرهَا حَتَّى تَسْتَوِي مَعَ الْأَرْض " فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينه " بِأَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاته عَلَى سَيِّئَاته " فَهُوَ فِي عِيشَة رَاضِيَة " فِي الْجَنَّة , أَيْ ذَات رِضًى بِأَنْ يَرْضَاهَا , أَيْ مَرْضِيَّة لَهُ

" وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينه " بِأَنْ رَجَحَتْ سَيِّئَاته عَلَى حَسَنَاته " فَأُمّه " فَمَسْكَنه " هَاوِيَة " " وَمَا أَدْرَاك مَا هِيَهْ " أَيْ مَا هَاوِيَة " نَار حَامِيَة " هِيَ شَدِيدَة الْحَرَارَة وَهَاء هِيَهْ لِلسَّكْتِ تُثْبَت وَصْلًا وَوَقْفًا وَفِي قِرَاءَة تُحْذَف وَصْلًا .

ہلا دینے والی یعنی وہ قیامت جو ہولناک ہونے کی وجہ سے دلوں کو لرزا دے گی۔ وہ دہلا دینے والی چیز کیا ہے یہ اس کی ہولناکی کی طرف اشارہ ہے اور یہ دونوں مبتدا اور خبر ہیں اور القارعہ کی خبر ہے

اور تمہیں کیا پتہ یعنی کیا علم کہ دہلا دینے والی چیز کیا ہے یہ اس کی ہولناکی کا مزید تذکرہ ہے اور اس میں پہلا ''ما'' مبتدا ہے اور اس کے بعد والی ''ما'' خبر ہے۔ دوسرا ''ما'' اور اس کی خبر ادریٰ کے مفعول ثانی کے محل میں ہے۔

اس دن یہ منصوب ہے اس لفظ القارعہ دلالت کرتا ہے یعنی وہ چیز جو دہلائے گی۔ لوگ ہونگے یوں جیسے پھیلے ہوئے پتنگے ہوتے ہیں یعنی پھیلے ہوئے ٹڈی دل کا لشکر، وہ ایک دوسرے کے اوپر گر رہے ہوں گے حیرت کی وجہ سے۔ یہاں تک کہ انہیں حساب کے لئے بلایا جائیگا۔ اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہونگے یعنی وہ اون جسے دُھنا گیا ہو اور وہ چلنے میں ہلکی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین کے اوپر آ جاتی ہے۔ پس جس شخص کا نامہ اعمال بھاری ہوگا یعنی جس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے وزنی ہوں گی۔ پس وہ شخص راضی رہنے والی زندگی میں ہوگا یعنی جنت میں ہوگا کہ وہ اس سے راضی ہوگا یعنی وہ اس کے لئے پسندیدہ ہوگی۔

اور جن لوگوں کا نامہ اعمال ہلکا ہوگا یعنی ان کے گناہ ان کی نیکیوں سے بھاری ہونگے تو اس کا ٹھکانہ یعنی اس کا مسکن ھاویہ (جہنم) ہوگا اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ کیا ہے یعنی ھاویہ سے مراد کیا ہے یہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے یعنی شدید گرمی والی یہاں پر لفظ حاویہ میں موجود ''ہ'' سکتہ کے لئے ہے۔ وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یہ ثابت رہے گی۔ ایک قرات کے مطابق وصل کی صورت میں یہ حذف ہو جائے گی۔

اعمال کا ترازو اور جہنم کی سختیوں کا بیان

قارعہ بھی قیامت کا ایک نامہ ہے جیسے حاقہ طآمہ صآخہ غاشیہ وغیرہ اس کی بڑائی اور ہولناکی کے بیان کے لیے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا پھر خود بتاتا ہے کہ اس دن لوگ منتشر اور پراگندہ حیران و

پریشان ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں اور جگہ فرمایا ہے کانھم جراد منتشر گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیں پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دھنی ہوئی اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے نظر آئیں گے پھر فرماتا ہے اس دن ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائیگا نیکوں پر چھا گئیں بھلائیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ جہنمی ہو جائیگا وہ منہ کے بل اوندھا جہنم میں گرا دیا جائیگا ام سے مراد دماغ ہے یعنی سر کے بل ہاویہ میں جائیگا اور یہ بھی معنی ہیں کہ فرشتے جہنم میں اسے کے سر پر عذابوں کی بارش برسائیں گے اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ جہاں اس کے لیے قرار گاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے ھاویہ جہنم کا نام ہے۔

اسی لیے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے حضرت اشعث بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ مومن کی موت کے بعد اس کی روح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دلجوئی اور تسکین کرو یہ دنیا کے رنج و غم میں مبتلا تھا اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے وہ کہتا ہے کہ وہ تو مر چکا تمہارے پاس نہیں آیا تو یہ سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں پھونکا اسے وہ تو اپنی ماں ہاویہ میں پہنچا ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب سبط سے ہے اور ہم نے بھی اسے کتاب صفۃ النار میں وارد کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس آگ جہنم سے نجات دے آمین۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے بڑے بڑے شعلے مارنے والی جھلسا دینے والی۔ رسول اللہ صلی اللہ عیلہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا سترھواں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہلاکت کو تو یہی کافی ہے آپ نے فرمایا ہاں لیکن آتش دوزخ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر ایک حصہ اس آگ جیسا ہے مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے مسند کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اس آگ کا ستھواں حصہ ہونے کے بھی دو مرتبہ سمندر کے پانی میں بجھا کر بھیجی گئی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اٹھا سکتے اور حدیث میں ہے یہ آگ سوواں حصہ ہے طبرانی میں ہے جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ اور جہنم کی آگ کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصہ زیادہ سیاہ خود وہ آگ ہے ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سرخ ہوئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہوگئی پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہونگی جس سے اس کا دماغ کھد بدا رہا ہوگا بخاری و مسلم میں ہے کہ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے اللہ میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو پروردگار نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی ایک جاڑے میں ایک گرمی میں پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو یہ اس کا سرد سانس ہے اور سخت گرمی جو پڑتی ہے یہ اس کے گرم سانس کا اثر ہے۔ (تفسیر جامع البیان، ابن کثیر، سورہ قارعہ، بیروت)

سُوْرَۃُ التَّکَاثُر

یہ قرآن مجید کی سورت تکاثر ہے

سورت تکاثر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ تکاثر مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، آٹھ آیات، اٹھائیس کلمات، ایک سو بیس حروف ہیں۔

سورت تکاثر کی وجہ تسمیہ کا بیان

پہلی آیت کے لفظ التکاثر کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جس کا معنی مال کی کثرت وغیرہ ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت تکاثر کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت تکاثر کو پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کون شخص اس بات پر قادر ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھتا رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہو سکتا کہ وہ روزانہ الھکم التکاثر پڑھ لیا کرے۔ (بیہقی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 694)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزانہ یہ سورت پڑھ لیا کرے تو اسے ایک ہزار آیتوں کا ثواب ملے گا کیونکہ اس سورت میں دنیا سے بے رغبتی دلائی گئی ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا
لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝
تمہیں کثرت مال کی ہوس اور فخر نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ ہرگز نہیں، تم جلدی جان لو گے۔ پھر
ہاں ہاں جلد جان جاؤں گے۔ ہاں ہاں اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے۔ تم دوزخ کو ضرور دیکھ کر رہو گے۔
پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔

کثرت مال کے سبب لوگوں کا اطاعت سے دور ہونے کا بیان

" أَلْهَاكُمْ " شَغَلَكُمْ عَنْ طَاعَة اللّٰه " التَّكَاثُر " التَّفَاخُر بِالْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَاد وَالرِّجَال " حَتّٰى

زُرْتُمُ الْمَقَابِر " بِأَنْ مُتُّمْ فَدُفِنْتُمْ فِيهَا . أَوْ عَدَدْتُمُ الْمَوْتَى تَكَاثُرًا " كَلَّا " رَدْع " سَوْفَ تَعْلَمُونَ " " ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ " سُوء عَاقِبَة تَفَاخُرِكُمْ عِنْدَ النَّزْع ثُمَّ فِي الْقَبْر " كَلَّا " حَقًّا " لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِين " عِلْمًا يَقِينًا عَاقِبَة التَّفَاخُر مَا اشْتَغَلْتُمْ بِهِ " لَتَرَوُنَّ الْجَحِيم " النَّار جَوَاب قَسَم مَحْذُوف وَحُذِفَ مِنْهُ لَام الْفِعْل وَعَيْنه وَأُلْقِيَتْ حَرَكَتهَا عَلَى الرَّاء
" ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا " تَأْكِيد " عَيْنَ الْيَقِين " مَصْدَر لِأَنَّ رَأَى وَعَايَنَ بِمَعْنًى وَاحِد
" ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ " حُذِفَ مِنْهُ نُون الرَّفْع لِتَوَالِي النُّونَات وَوَاو ضَمِير الْجَمْع لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ " يَوْمَئِذٍ " يَوْم رُؤْيَتهَا " عَنِ النَّعِيم " مَا يَلْتَذّ بِهِ فِي الدُّنْيَا مِنَ الصِّحَّة وَالْفَرَاغ وَالْمَطْعَم وَالْمَشْرَب وَغَيْر ذَلِكَ .

تمہیں غافل کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مشغول کر دیا ہے کثرت نے یعنی اموال، اولاد اور مردوں کی حوالے سے ایک دوسرے پر فخر کرنے نے۔ یہاں تک کہ تم قبر کی زیارت کرو یعنی تم مر جاؤ گے اور تمہیں دفن کر دیا جائیگا یا تم اپنے مردوں کو زیادہ شمار کرو گے۔ ہرگز نہیں یہ ردع کے لئے ہے یعنی عنقریب تم جان جاؤ گے۔ پھر ہرگز نہیں عنقریب تم جان جاؤ گے یعنی تمہارے ایک دوسرے پر فخر کرنے کا برا انجام کیا ہے پھر قبر میں۔ درحقیقت تم جان جاؤ گے یقینی علم یعنی ایسا علم جو یقینی ہو جو ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کرنے کا انجام ہوگا اس نے تمہیں مشغول رکھا۔

پھر تم ضرور "جحیم" کو دیکھو گے یعنی آگ کو۔ یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور اس میں سے "لامِ فعل" کو حذف کر دیا گیا ہے اور ع کو بھی اور اس کی حرکت "ر" کو دے دی گئی ہے۔ پھر تم اسے ضرور بالضرور دیکھو گے۔ یہ تاکید کے لئے ہے عین یقین کے ساتھ یہ مصدر ہے کیونکہ لفظ رَاٰی اور لفظ عَایَنَ ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے

پھر تم سے سوال کیا جائے گا یہاں پر نون رفع کو محذوف کر دیا گیا ہے کیونکہ نون ایک دوسرے کے بعد آ رہے ہیں اور "و" ضمیر جمع کو بھی کیونکہ یہاں پر دونوں ساکن اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اس دن یعنی جس دن اسے دیکھو گے۔ نعمتوں کے بارے میں یعنی دنیا میں انسان، صحت، فراغت، امن، کھانے پینے وغیرہ کے حوالے سے جن چیزوں سے لذت حاصل کرتا تھا۔

تکاثر کثرت سے مشتق ہے معنی ہیں کثرت کیساتھ مال و دولت جمع کرنا۔ حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے اور یہ لفظ بمعنے تفاخر بھی استعمال کیا جاتا ہے حضرت قتادہ کی یہی تفسیر ہے اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الہاکم التکاثر پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مال کو ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور مال پر جو فرائض اللہ کے عائد ہوتے ہیں انہیں خرچ نہ کریں (تفسیر قرطبی، سورہ تکاثر، بیروت)

نعمتوں کے بارے میں پوچھا جانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن زبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل (ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ، پھر اس

دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا)۔ تو زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کونسی نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ ہمارے پاس کھجور اور پانی کے علاوہ ہے کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ نعمتیں عنقریب تمہیں ملیں گی۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1307)

یقین کے مدارج:

یقین کے تین درجے ہیں ۱۔علم الیقین ۲۔عین الیقین ۳۔حق الیقین

۱۔علم الیقین کی تعریف:

کسی خبر کو سن کر یا دلائل میں غور وفکر کرنے سے جو یقین حاصل ہو، اسے علم الیقین کہتے ہیں۔ جیسے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین ہے۔

۲۔عین الیقین کی تعریف:

کسی چیز کو دیکھ کر جو یقین حاصل ہو، اسے عین الیقین کہتے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین تھا۔

۳۔حق الیقین کی تعریف:

وہ یقین جو تجربہ سے حاصل ہو، اسے حق الیقین کہتے ہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کا یقین تھا۔

(تبیان القرآن، ج ۱۲، ص، مکتبہ فرید بک سٹال لاہور)

سُوْرَۃُ الْعَصْر

یہ قرآن مجید کی سورت عصر ہے

سورت عصر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ والعصر جمہور کے نزدیک مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، تین آیات، چودہ کلمات، اڑسٹھ حروف ہیں۔

سورت عصر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں لفظ عصر کو قسم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس کا معنی زمانہ ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت عصر کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝
اس زمانہ محبوب کی قسم، بیشک آدمی ضرور نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال
کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

زمانہ عصر کی قسم اٹھانے کا بیان

" وَالْعَصْر " الدَّهْر أَوْ مَا بَعْد الزَّوَال إِلَى الْغُرُوب أَوْ صَلَاة الْعَصْر " إِنَّ الْإِنْسَان " الْجِنْس " لَفِي خُسْر " فِي تِجَارَته " إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات " فَلَيْسُوا فِي خُسْرَان " وَتَوَاصَوْا " أَوْصَى بَعْضهمْ بَعْضًا " بِالْحَقِّ " الْإِيمَان " وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ " عَلَى الطَّاعَة وَعَنْ الْمَعْصِيَة

عصر یعنی زمانے کی قسم ہے یا زوال کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کے وقت کی یا اس سے مراد نماز عصر ہے۔ بے شک انسان یعنی جنس انسان خسارے میں ہے تجارت کے اعتبار سے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یہ لوگ خسارے میں نہیں ہیں جنہوں نے وصیت کی یعنی ان میں سے ایک نے دوسرے کو تلقین کی حق کی یعنی ایمان کی اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی یعنی اطاعت کے اوپر (گامزن رہنے) اور نافرمانی (سے نبچنے کی تلقین کی)۔

زمانہ عصر سے زمانہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا بیان

عصر زمانہ کو کہتے ہیں اور زمانہ چونکہ عجائبات پر مشتمل ہے اس میں احوال کا تغیر و تبدل ناظر کے لئے عبرت کا سبب ہوتا ہے اور یہ چیزیں خالق حکیم کی قدرت و حکمت اور اس کی واحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ زمانہ کی قسم مراد ہو، اور عصر اس وقت کو بھی کہتے ہیں جو غروب سے قبل ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ خاسر کے حق میں اس وقت کی قسم یاد فرمائی جائے جیسا کہ رابح کے حق میں ضحیٰ یعنی وقت چاشت کی قسم ذکر فرمائی گئی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عصر سے نماز عصر مراد ہوسکتی ہے جو دن کی عبادتوں میں سب سے پچھلی عبادت ہے اور سب سے لذیذ۔ وراجح تفسیر وہی ہے جو حضرت مترجم قدس سرہ نے اختیار فرمائی کہ زمانہ سے مخصوص زمانہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مراد ہے جو بڑی خیر و برکت کا زمانہ اور تمام زمانوں میں سب سے زیادہ فضیلت و شرف والا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک کی قسم یاد فرمائی جیسا کہ (لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ، البلد: 1) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسکن و مکان کی قسم یاد فرمائی ہے اور جیسا کہ لَعَمْرُكَ میں آپ کی عمر شریف کی قسم یاد فرمائی اور اس میں شان محبوبیت کا اظہار ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ عصر، لاہور)

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ

یہ قرآن مجید کی سورت ھمزہ ھے

سورت ھمزہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ ہمزہ مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، نو آیات، تیس کلمات، ایک سوتیس حروف ہیں۔

سورت ھمزہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت مبارکہ میں لفظ ہمزہ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ سورت اسی نام کے ساتھ معروف ہوئی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝
الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝
بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لیے۔ وہ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ
گمان کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں! وہ ضرور حطمہ (یعنی چورا چورا کر دینے والی آگ) میں
پھینک دیا جائے گا۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے وہ توڑ پھوڑ کرنے والی آگ کیسی ہے۔ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ وہ جو
دلوں پر جھانکتی ہے۔ بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی۔ لمبے لمبے ستونوں میں۔

غیبت وعیوب بیان کرنے کی مذمت کا بیان

" وَيْل " كَلِمَة عَذَاب أَوْ وَادٍ فِي جَهَنَّم " لِكُلِّ هُمَزَة لُمَزَة " أَيْ كَثِير الْهَمْز وَاللَّمْز , أَيْ الْغِيبَة نَزَلَتْ فِيمَنْ كَانَ يَغْتَاب النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ كَأُمَيَّة بْن خَلَف وَالْوَلِيد بْن الْمُغِيرَة وَغَيْرهمَا " الَّذِي جَمَعَ " بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد " مَالًا وَعَدَّدَهُ " أَحْصَاهُ وَجَعَلَهُ عُدَّة لِحَوَادِثِ الدَّهْر " يَحْسَب " لِجَهْلِهِ " أَنَّ مَاله أَخْلَدَهُ " جَعَلَهُ خَالِدًا لَا يَمُوت " كَلَّا " رَدْع " لَيُنْبَذَنَّ " جَوَاب قَسَم مَحْذُوف , أَيْ لَيُطْرَحَنَّ " فِي الْحُطَمَة " الَّتِي تُحَطِّم كُلّ

مَا أُلْقِيَ فِيهَا" وَمَا أَدْرَاكَ "أَعْلَمَكَ " مَا الْحُطَمَة "" نَار اللَّه الْمُوقَدَة " الْمُسَعَّرَة "الَّتِي تَطَّلِع " تُشْرِف " عَلَى الْأَفْئِدَة " الْقُلُوب فَتُحْرِقهَا وَأَلَمهَا أَشَدّ مِنْ أَلَم غَيْرهَا لِلُطْفِهَا " إِنَّهَا عَلَيْهِمْ " جَمَعَ الضَّمِير رِعَايَة لِمَعْنَى كُلّ "مُؤْصَدَة " بِالْهَمْزِ وَبِالْوَاوِ بَدَله , مُطْبَقَة" فِي عَمَد " بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَبِفَتْحِهِمَا " مُمَدَّدَة " صِفَة لِمَا قَبْله فَتَكُون النَّار دَاخِل الْعَمَد

بربادی ہے یہ لفظ عذاب کے لئے استعمال ہوتا ہے یا جہنم کی ایک وادی ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو منہ پر عیب بیان کرے اور غیر موجودگی میں عیب بیان کرے یعنی بکثرت سامنے اور غیر موجودگی میں عیب چینی کرتا ہو یعنی غیبت کرتا ہو۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کی غیبت کیا کرتے تھے جیسے امیہ بن خلف ولید بن مغیرہ وغیرہ۔ وہ شخص جس نے جمع کیا اس کو تخفیف اور شد کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔ مال کو یعنی اس کی گنتی کی اور اسے شمار کیا اور اسے زمانے کے حادثات سے بچنے کا ذریعہ سمجھا۔ وہ یہ گمان کرتا تھا اپنی جہالت کی وجہ سے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا یعنی اسے ایسا بنا دے گا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسے موت نہیں آئے گی۔ ہرگز نہیں یہ رفع کے لئے ہے۔ انہیں پھینکا جائے گا یہ محذوف قسم کا جواب ہے یعنی انہیں ضرور ڈالا جائے گا یعنی اس میں جو ہر چیز کو توڑ دیتی ہے جو بھی اس میں ڈالی جاتی ہے اور تمہیں کیا پتہ یعنی کیا علم کہ وہ کیا چیز ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آگ ہے جو جلائی گئی ہے بھڑکائی گئی ہے۔ جو جھانکے گی یعنی آئے گی دلوں پر یعنی قلوب پر اور انہیں جلا دے گی اور اس کی تکلیف دیگر اعضاء کی تکلیف کے مقابلے میں زیادہ شدید ہوتی ہے کیونکہ یہ لطیف ہوتا ہے۔ بے شک وہ ان لوگوں پر یہاں پر جمع کی ضمیر ہے تاکہ "کُلّ" کے معنی کی رعایت کی جا سکے بند کر دی جائے گی۔ یہاں پر لفظ ہمزہ کے ذریعے ہے لیکن اسے "و" سے بدل دیا گیا ہے یعنی جس چیز کو طبق کے طور پر رکھا گیا ہو۔

ستونوں میں ان دونوں حروف پر پیش بھی پڑھی گئی ہے اور زبر بھی پڑھی گئی ہے۔ لمبے لمبے یہ اپنے سے پہلے لفظ کی صفت ہے وہ آگ ان ستونوں کے اندر ہو گی۔

غیبت کے مفہوم و ممانعت کا بیان

"غیبت" کے معنی ہیں پیٹھ پیچھے بدگوئی کرنا، یعنی کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق ایسی باتیں کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناپسند کرے۔ "شتم" کے معنی ہیں گالی دینا یعنی کسی کو کوئی فحش بات کہنا بدزبانی کرنا برا بھلا کہنا اور کسی کو ایسے الفاظ کے ذریعہ یاد و مخاطب کرنا جو شریعت و اخلاق اور تہذیب و شائستگی کے خلاف ہوں۔ بہرحال اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے یہ واضح ہوگا کہ زبان کو ایسے الفاظ و کلام سے بچانا چاہیے جن کو زبان پر لانا شرعی، اخلاقی اور معاشرتی طور پر ناروا ہے، خصوصا غیبت، گالم گلوچ اور بدزبانی و بدکلامی، نیز ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان چیزوں میں شرعی طور پر کیا برائی ہے اور ان کا ارتکاب کرنے والا شریعت و اخلاق کی نظر میں کس کی نظر میں کس قدر ناپسندیدہ ہے۔

زبان کی حفاظت کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ جب بندہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نکالتا ہے جس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے تو اگر چہ بندہ اس بات کی اہمیت کو نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے یعنی اگر چہ وہ بندہ اپنی اس بات کی قدر و اہمیت سے واقف نہیں ہوتا اور اس کو ایک نہایت سہل اور معمولی درجہ کی بات سمجھتا ہے مگر حق تعالیٰ کے نزدیک وہ بات بہت بلند پایہ اور بڑے مرتبہ کی ہوتی ہے اسی طرح جب بندہ کوئی ایسی بات زبان سے نکالتا ہے جو حق تعالیٰ کی ناخوشی کا ذریعہ بن جاتی ہے تو اگر چہ وہ بندہ اس بات کی اہمیت کو نہیں جانتا یعنی وہ اس بات کو بہت معمولی سمجھتا ہے اور اس کو زبان سے نکالنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا لیکن حقیقت میں وہ بات نتیجے کے اعتبار سے اتنی ہیبت ناک ہوتی ہے کہ وہ بندہ اس کے سبب سے دوزخ میں گر پڑتا ہے۔ (بخاری) اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ اس کے سبب سے دوزخ میں اتنی دور سے گرتا ہے جو مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہے یعنی وہ جہاں سے دوزخ میں گرے گا وہ دوزخ جس جگہ جا کر گریگا ان دونوں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ ہے جتنا مشرق و مغرب کے درمیان بھی نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 750)

اس ارشاد گرامی کا حاصل اس بات پر متنبہ کرتا ہے کہ زبان پر ہر وقت قابو رکھو اور اس کے معاملہ کو کم اہم نہ سمجھو نیز اس حقیقت کو کسی بھی لمحہ نظر انداز نہ کرو اگر زبان پر احتیاط کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور یہ چھوٹی سی چیز تمہارے قابو سے باہر ہوگئی تو پھر تمہاری خیر نہیں چنانچہ اس حقیقت کو فرمایا گیا کہ بسا اوقات بندہ اپنی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے اور اس کو اپنے نزدیک بہت معمولی درجہ کی بات سمجھتا ہے مگر در حقیقت و نتیجہ کے اعتبار سے اس بات کی اہمیت ہوتی کیا ہے؟ اس کو یوں سمجھ لو کہ اگر وہ بات حق ہوتی ہے اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بنتی ہے تو وہی ذرا سی بات جنت میں اس کی بلندی کا سبب بن جاتی ہے اور اگر وہ بات کہیں ایسی ہوئی جو بری ہونے کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی کا سبب بن گئی ہو تو بندے کے نزدیک تو ہی معمولی بات اس کو دوزخ میں گرا دینے کا ذریعہ بن جائے گی۔

سُورَۃ اَلفِیل

یہ قرآن مجید کی سورت الفیل ہے

سورت فیل کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ الفیل مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، پانچ آیات، بیس کلمات، چھیانوے حروف ہیں۔

سورت فیل کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ سورت فیل کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ○ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ
طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا اس نے ان کے مکروفریب
کو باطل و ناکام نہیں کر دیا۔ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیے۔ جو ان پر کنکر یلے پتھر مارتے تھے۔
پس اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

اصحاب فیل کے واقعہ کا بیان

" أَلَمْ تَرَ " اِسْتِفْهَام تَعَجُّب , أَيْ اِعْجَبْ " كَيْف فَعَلَ رَبّك بِأَصْحَابِ الْفِيل " هُوَ مَحْمُود وَأَصْحَابه أَبْرَهَة مَلِك الْيَمَن وَجَيْشه , بَنَى بِصَنْعَاء كَنِيسَة لِيَصْرِف إِلَيْهَا الْحَاجّ عَنْ مَكَّة فَأَحْدَثَ رَجُل مِنْ كِنَانَة فِيهَا وَلَطَّخَ قِبْلَتهَا بِالْعَذِرَةِ اِحْتِقَارًا بِهَا , فَحَلَفَ أَبْرَهَة لَيَهْدِمَنَّ الْكَعْبَة , فَجَاءَ مَكَّة بِجَيْشِهِ عَلَى أَفْيَال الْيَمَن مُقَدَّمهَا مَحْمُود , فَحِين تَوَجَّهُوا لِهَدْمِ الْكَعْبَة أَرْسَلَ اللَّه عَلَيْهِمْ مَا قَصَّهُ فِي قَوْله : " أَلَمْ يَجْعَل " أَيْ جَعَلَ " كَيْدهمْ " فِي هَدْم الْكَعْبَة " فِي تَضْلِيل " خَسَارَة وَهَلَاك

" وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيل " جَمَاعَات جَمَاعَات , قِيلَ لَا وَاحِد لَهُ كَأَسَاطِير , وَقِيلَ وَاحِده : أَبُول أَوْ إِبَال أَوْ إِبِّيل كَعُجُولِ وَمِفْتَاح وَسِكِّين " تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيل " طِين

مَطْبُوخ " فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ " كَوَرَقِ زَرْعٍ أَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْهُ وَأَفْنَتْهُ ، أَيْ أَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى كُلَّ وَاحِدٍ بِحَجَرِهِ الْمَكْتُوبِ عَلَيْهِ اِسْمُهُ ، وَهُوَ أَكْبَرُ مِنَ الْعَدَسَةِ وَأَصْغَرُ مِنَ الْحِمَّصَةِ يَخْرِقُ الْبَيْضَةَ وَالرَّجُلَ وَالْفِيلَ وَيَصِلُ إِلَى الْأَرْضِ ، وَكَانَ هٰذَا عَامَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

کیا تم نے نہیں دیکھا یہ سوال تعجب کرنے کے لئے ہے۔ یعنی تم اس بات پر حیرانگی کا اظہار کرو۔ کہ کیسا سلوک کیا تمہارے پروردگار نے اصحاب فیل کے ساتھ۔ فیل سے مراد محمود نامی ہاتھی ہے اور اس کے اصحاب سے مراد یمن کا بادشاہ ابرہہ ہے اور اس کا لشکر ہے۔ ابرہہ نے صنعاء میں ایک گرجا بنایا تا کہ حاجی مکہ کو چھوڑ کر اس کی طرف جائیں تو بنی کنانہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے اس میں پیشاب اور پاخانہ کر دیا اور اس گندگی کو اس کی دیواروں پر مل دیا تا کہ اسے حقیر قرار دے تو ابرہہ نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ خانہ کعبہ کو گرا دے گا تو وہ اپنے لشکر کو لے کر مکہ کی طرف آیا اور اس کے آگے ہاتھی چل رہے تھے جن میں سب سے آگے محمود تھا تو جب وہ خانہ کعبہ کو گرانے کی طرف متوجہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس چیز کو بھیج دیا جس کا قصہ اس نے اپنے اس فرمان میں بیان کیا ہے۔

'' کیا اس نے نہیں بنا دیا۔ اس نے بنا دیا ان کے ''مکر'' کو یعنی خانہ کعبہ کو گرانے کے منصوبے کو ''تضلیل'' یعنی خسارہ اور ہلاکت اور اس نے بھیجا ان لوگوں کے اوپر ابابیل کو گروہوں کی شکل میں۔ ایک قول کے مطابق اس لفظ کی کوئی واحد نہیں ہوتی جیسے لفظ ''اساطیر'' کی کوئی واحد نہیں ہوتی۔ ایک قول کے مطابق اس کی واحد ابول' ابال یا ابیل ہے جیسے لفظ عجول ہوتا ہے اور لفظ مفتاح ہوتا ہے اور جیسے لفظ سکین ہوتا ہے۔ اس نے ان لوگوں کے اوپر کنکریوں کی طرح کے پتھر برسائے یعنی جو پکائی گئی مٹی سے بنتے ہیں تو اس نے انہیں یوں کر دیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہوتا ہے یعنی اس کھیت کا پتہ جسے کسی جانور نے کھالیا ہو اور پھر اسے اپنے پاؤں کے نیچے روند کر خراب کر دیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو اس پتھر کے ذریعے ہلاکت کا شکار کر دیا جس پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا اور وہ پتھر مسور کے دانوں سے بڑا اور چنے کے دانوں سے چھوٹا تھا اور یہ لوہے کی ٹوپی' آدمی اور ہاتھی کو پھاڑ کر زمین تک چلا جاتا تھا۔

یہ واقعہ اس سال ہوا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی۔

ابرہہ اور اس کا حشر کا تفصیلی بیان

اللہ رب العزت نے قریش پر جو اپنی خاص نعمت انعام فرمائی تھی اس کا ذکر کر رہا ہے کہ جس لشکر نے ہاتھیوں کو ساتھ لے کر کعبے کو ڈھانے کے لیے چڑھائی کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ وہ کعبے کے وجود کو مٹائیں ان کا نام ونشان مٹا دیا۔ ان کی تمام فریب کاریاں ان کی تمام قوتیں سلب کر لیں برباد وغارت کر دیا یہ لوگ مذہبا نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کر دیا تھا قریبا بت پرست ہو گئے تھے انہیں اس طرح نامراد کرنا یہ گویا پیش خیمہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا اور اطلاع تھی آپ کی آمد آمد کی حضور علیہ السلام اسی سال تولد ہوئے اکثر تاریخ داں حضرات کا یہی قول ہے تو گویا رب العالم فرما رہا ہے کہ اے قریشیو! حبشہ کے

اس لشکر پر تمہیں فتح تمہاری بھلائی کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ اس میں ہمارے گھر کا بچاؤ تھا جسے ہم شرف بزرگی عظمت وعزت میں اپنے آخرالزماں پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے بڑھانے والے تھے۔ غرض اصحاب فیل کا مختصر واقعہ تو یہ ہے جو بیان ہوا اور مطول واقعہ اصحاب الاخدود کے بیان میں گذر چکا ہے کہ قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس جو مشرک تھا جس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو کھائیوں میں قتل کیا تھا جو سچے نصرانی تھے اور تعداد میں تقریباً بیس ہزار تھے سارے کے سارے شہید کر دیئے گئے تھے صرف دوس ذوثعلبان ایک بچ گیا تھا جو ملک شام جا پہنچا اور قیصر روم سے فریاد رسی چاہی۔ یہ بادشاہ نصرانی مذہب پر تھا اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ اس کے ساتھ اپنی پوری فوج کر دو اس لیے کہ یہاں سے دشمن کا ملک قریب تھا۔ اس بادشاہ نے ارباط اور ابویکسوم ابرہہ بن صباح کو امیر لشکر بنا کر بہت بڑا لشکر دے کر دونوں کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا یہ لشکر یمن پہنچا اور یمن کو اور یمنیوں کو تاخت وتاراج کر دیا۔ ذونواس بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا اور ان لوگوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سارے یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں سردار یہاں رہنے سہنے لگے لیکن کچھ تھوڑی مدت کے بعد ان میں ناچاقی ہو گئی آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں نے آمنے سامنے صفیں باندھ لیں اور لڑنے کے لیے نکل آئے۔

عام حملہ ہونے سے بیشتر ان دونوں سرداروں نے آپس میں کہا کہ فوجوں کو لڑانے اور لوگوں کو قتل کرانے کی کیا ضرورت، آؤ ہم تم دونوں میدان میں نکلیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر فیصلہ کر لیں جو زندہ بچ جائے ملک وفوج اس کی۔ چنانچہ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں میدان میں نکل آئے ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ خون خون کر دیا ناک ہونٹ اور منہ کٹ گیا، ابرہہ کے غلام عتودہ نے اس موقعہ پر ارباط پر ایک بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا ابرہہ زخمی ہو کر میدان سے زندہ واپس گیا۔ علاج معالجہ سے زخم اچھے ہو گئے اور یمن کا یہ مستقل بادشاہ بن بیٹھا۔

نجاشی حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ سخت غصہ ہوا اور ایک خط ابرہہ کو لکھا اسے بڑی لعنت ملامت کی اور کہا کہ قسم اللہ کی میں تیرے شہروں کو پامال کر دوں گا۔ اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا، ابرہہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیئے دیئے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھر دی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دیئے۔ اور اپنے خط میں اپنے قصوروں کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور چوٹی کے بال بھی، آپ اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضی معاف فرمایئے اس سے شاہ حبشہ خوش ہو گیا اور یہاں کی سرداری اسی کے نام کر دی، اب ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لیے ایک ایسا گرجا تعمیر کر رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہوا اور اس گرجا گھر کا بنانا شروع کیا بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا بہت مضبوط بے حد خوبصورت اور منقش ومزین گرجا بنایا۔ اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی اسی لیے عرب اسے قلیس کہتے یعنی ٹوپی پھینک دینے والا۔

اب ابرہہ اشرم کو یہ سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں، اپنی ساری مملکت میں اس کی منادی کرادی عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت برا لگا ادھر سے قریش بھی بھڑک اٹھے تھوڑے دن میں کوئی شخص رات کے وقت اس کے اندر گھس گیا

اور وہاں پاخانہ کر کے چلا آیا چوکیدار نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں کا ہے چونکہ آپ نے ان کا کعبہ روک دیا ہے لہٰذا انہوں نے جوش اور غضب میں آ کر یہ حرکت کی ہے ابر ہہ نے اسی وقت قسم کھالی کہ میں مکہ پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند ملے جلے نوجوان قریشیوں نے اس گرجا میں آگ لگادی تھی اور اس وقت ہوا بھی بہت تیز تھی سارا گرجا جل گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا اس پر ابر ہہ نے بہت بڑا لشکر ساتھ لے کر مکہ پر چڑھائی کی تا کہ کوئی روک نہ سکے اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھی لیا جسے محمود کہا جاتا تھا۔

اس جیسا ہاتھی اور کوئی نہ تھا شاہ حبشہ نے یہ ہاتھی اس کے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی ساتھ تھے یہ کعبے کے ڈھانے کی نیت سے چلا یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں گا اور ہاتھیوں کی گردنوں میں ان زنجیروں کو باندھ دوں گا ہاتھی ایک ہی جھٹکے میں چاروں دیواریں بیت اللہ کی جڑ سے گرادیں گے، جب اہل عرب کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو ان پر بڑا بھاری اثر ہوا انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم ضرور اس سے مقابلہ کریں گے اور اسے اس کی اس بدکرداری سے روکیں گے ایک یمنی شریف سردار جو وہاں کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا جسے 'ذونفر' کہا جاتا تھا یہ کھڑا ہو گیا اپنی قوم کو اور کل آس پاس کے عرب کو جمع کیا اور اس بدنیت بادشاہ سے مقابلہ کیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر اس خبیث کے ہاتھ میں قید ہو گیا اس نے اسے بھی ساتھ لیا اور مکہ شریف کی طرف بڑھا خثعم قبیلے کی زمین پر جب یہ پہنچا تو یہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنے لشکروں سے اس کا مقابلہ کیا۔

لیکن ابر ہہ نے انہیں بھی مغلوب کر لیا اور نفیل بھی قید ہو گیا پہلے تو اس ظالم نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن پھر قتل نہ کیا اور قید کر کے ساتھ لے لیا تا کہ راستہ بتائے، جب طائف کے قریب پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کر لی کہ ایسا نہ ہو ان کے بت خانوں کو جس میں لات نامی بت تھا یہ توڑ دے اس نے بھی ان کی بڑی آؤ بھگت کی انہوں نے ابورغال کو اس کے ساتھ کر دیا کہ یہ تمہیں وہاں کا راستہ بتائے گا۔ ابر ہہ جب مکے کے بالکل قریب مغمس کے پہنچا تو اس نے یہاں پڑاؤ کیا اس کے لشکر نے آس پاس مکہ والوں کے جو جانور اونٹ وغیرہ چر چگ رہے تھے سب کو اپنے قبضہ میں کیا ان جانوروں میں دوسو اونٹ تو صرف عبدالمطلب کے تھے اسود بن مقصود جو اس کے لشکر کے ہراول کا سردار تھا اس نے ابر ہہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹا تھا، جس پر عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں اشعار تصنیف کیے ہوئے ہیں جو سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں۔

اب ابر ہہ نے اپنا قاصد حناطہ حمیری مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کو میرے پاس لاؤ اور یہ بھی اعلان کر دو کہ میں مکہ والوں سے لڑنے نہیں آیا میرا ارادہ صرف بیت اللہ کو گرانے کا ہے ہاں اگر مکہ والے اس کے بچانے کے درپے ہوئے تو لامحالہ مجھے ان سے لڑائی کرنی پڑے گی، حناطہ جب مکہ میں آیا اور لوگوں سے ملا جلا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بڑا سردار عبدالمطلب بن ہاشم ہے، یہ عبدالمطلب سے ملا اور شاہی پیغام پہنچایا جس کے جواب میں عبدالمطلب نے کہا واللہ نہ ہمارا ارادہ اس سے لڑنے کا ہے نہ ہم میں اتنی طاقت ہے یہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے اس کے خلیل حضرت ابراہیم کی زندہ یادگار ہے اللہ اگر چاہے گا تو

اپنے گھر کی آپ حفاظت کرے گا، ورنہ ہم میں تو ہمت وقوت نہیں۔ حناطہ نے کہا اچھا تو آپ میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلیے چلئے عبدالمطلب ساتھ ہوئے، بادشاہ نے جب انہیں دیکھا تو ہیبت میں آ گیا عبدالمطلب گورے چٹے سڈول اور مضبوط قوی والے حسین وجمیل انسان تھے، دیکھتے ہی ابرہہ تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر عبدالمطلب کے ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا چاہتا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا میرے دوسو اونٹ جو بادشاہ نے لے لئے ہیں انہیں واپس کر دیا جائے بادشاہ نے کہا ان سے کہہ دے کہ پہلی نظر میں تیرا رعب مجھ پر پڑا تھا اور میرے دل میں تیری وقعت بیٹھ گئی تھی لیکن پہلے ہی کلام میں تو نے سب کچھ کھو دی اپنے دوسو اونٹ کی تو تجھے فکر ہے اور اپنے اور اپنی قوم کے دین کی تجھے فکر نہیں میں تو تم لوگوں کا عبادت خانہ توڑنے اور اسے خاک میں ملانے کے لیے آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے جواب دیا کہ سن بادشاہ اونٹ تو میرے ہیں اس لیے انہیں بچانے کی کوشش میں میں ہوں اور خانہ کعبہ اللہ کا ہے وہ خود اسے بچالے گا اس پر یہ سرکش کہنے لگا کہ اللہ بھی آج اسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا، عبدالمطلب نے کہا بہتر ہے وہ جانے اور تو جان، یہ بھی مروی ہے کہ مکہ نے تمام حجاز کا تہائی مال ابرہہ کو دینا چاہا کہ وہ اپنے اس بدارادہ سے باز آئے لیکن اس نے قبول نہ کیا خیر عبدالمطلب تو اپنے اونٹ لے کر چل دیئے اور آ کر قریش کو حکم دیا کہ مکہ بالکل خالی کر دو پہاڑوں میں چلے جاؤ، اب عبدالمطلب اپنے ساتھ قریش کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر بیت اللہ میں آیا اور بیت اللہ کے دروازہ کا کنڈا تھام کر رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ باری تعالیٰ ابرہہ اور اس کے خونخوار لشکر سے اپنے پاک اور ذی عزت گھر کو بچالے عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے۔

لا هم ان المرأيم نع رحله فامنع رحالك لا يغلبن صليبهم ومحالهم ابدا محالك

یعنی ہم بے فکر ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنے گھر کا بچاؤ آپ کرتا ہے اے اللہ تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان کی صلیب اور ان کی ڈولیں تیری ڈولوں پر غالب آ جائیں۔

اب عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گیا یہ بھی مذکور ہے کہ جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ بیت اللہ کے اردگرد نشان لگا کر چھوڑ دیئے تھے اس نیت سے کہ اگر یہ بددین آئے اور انہوں نے اللہ کے نام کی قربانی کے ان جانوروں کو چھیڑا تو عذاب الٰہی ان پر اترے گا، دوسری صبح ابرہہ کے لشکر میں مکہ جانے کی تیاریاں ہونے لگیں اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا اسے تیار کیا لشکر میں کمر بندی ہو چکی تھی اور مکہ شریف کی طرف منہ اٹھا کر چلنے کی تیاری کی اس وقت نفیل بن حبیب جو اس سے راستے میں لڑا تھا اور اب بطور قیدی کے اس کے ساتھ تھا وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا تو اللہ تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑی میں جا چھپا، محمود ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، اب ہزار جتن فیلبان کر رہے ہیں لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے تھک گئے لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے ہلتا ہی نہیں، سر پر آنکس مار رہے ہیں ادھر ادھر سے

بھالے اور برچھے مار رہے ہیں آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں غرض تمام جتن کر لئے لیکن ہاتھی جنبش بھی نہیں کرتا پھر بطور امتحان کے اس کا منہ یمن کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ سے کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا، مشرق کی طرف لے جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا پھر مکہ شریف کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا وہیں بیٹھ گیا، انہوں نے پھر اسے مارنا شروع کیا دیکھا کہ ایک گھٹا ٹوپ پرندوں کا جھرمٹ بادل کی طرح سمندر کے کنارے کی طرف سے امڈا چلا آرہا ہے ابھی پوری طرح دیکھ بھی نہیں پائے تھے کہ وہ جانور سر پر آ گئے چاروں طرف سے سارے لشکر کو گھیر لیا اور ان میں ہر ایک کی چونچ میں ایک مسریا ماش کے دانے برابر کنکری تھی، اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں یہ ان پر پھینکنے لگے جس پر یہ کنکری آن پڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا، اب تو اس لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی ہر ایک نفیل نفیل کرنے لگا کیونکہ اسے ان لوگوں نے اپنا راہبر اور راستے بتانے والا سمجھ رکھا تھا نفیل تو ہاتھی کو کہہ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور دیگر اہل مکہ ان لوگوں کی یہ درگت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور نفیل وہیں کھڑا یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

این المفر والا له الطالب والاشرم المغلوب ليس الغالب

اب جائے پناہ کہاں ہے؟ جبکہ اللہ خود تاک میں لگ گیا ہے سنو اشرم بد بخت مغلوب ہو گیا اب یہ پنپنے کا نہیں اور بھی نفیل نے اس واقعہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کاش کہ تو اس وقت موجود ہوتا جبکہ ان ہاتھی والوں کی شامت آئی ہے اور وادی محصب میں ان پر عذاب کے سنگریزے برسے ہیں تو اس وقت تو اس اللہ کے لشکر یعنی پرندوں کو دیکھ کر قطعاً سجدے میں گر پڑتا ہم تو وہاں کھڑے حمد رب کی راگنیاں الاپ رہے تھے گو کلیجے ہمارے بھی اونچے ہو گئے تھے کہ کہیں کوئی کنکری ہمارا کام بھی تمام نہ کر دے نصرانی منہ موڑے بھاگ رہے تھے اور نفیل نفیل پکار رہے تھے۔ گویا کہ نفیل پر ان کے باپ دادوں کا کوئی قرض تھا۔

واقدی فرماتے ہیں یہ پرندے زرد رنگ کے تھے کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے ان کے پاؤں سرخ تھے اور روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی پیشانی پر کنکری پڑی اور بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھرا اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے گا ان میں سے کوئی جانبر نہ ہوا بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے ابرہہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خثعم کے شہروں میں سے صنعا میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا ہوا تھا وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کتے کی موت مرا دل تک پھٹ گیا قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا، عبدالمطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا۔

زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے ہوئے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے ہیں پس اللہ تعالیٰ بزبان رسول معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے اور گویا فرمایا

جارہا ہے کہ اگر تم میرے گھر کی اسی طرح عزت وحرمت کرتے رہتے اور میرے رسول کو مانتے تو میں بھی اسی طرح تمہاری حفاظت کرتا اور تمھیں دشمنوں سے نجات دیتا ابابیل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد لغت عرب میں پایا نہیں گیا، سجیل کے معنی ہیں بہت ہی سخت اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دو فارسی لفظوں سے مرکب ہے یعنی سنگ اور گل سے یعنی مٹی اور پتھر غرض سجیل وہ ہے جس میں پتھر معہ مٹی کے ہو، عصف جمع ہے عصفۃ کی کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جو پک نہ گئے ہوں۔ ابابیل کے معنی ہیں گروہ گروہ جھنڈ بہت سارے پے در پے جمع شدہ ادھر ادھر سے آنے والے بعض نحوی کہتے ہیں اس کا واحد ابیل ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان پرندوں کی چونچ تھی پرندوں جیسی اور پنجے کتوں جیسے عکرمہ فرماتے ہیں یہ سبز رنگ کے پرند تھے جو سمندر سے نکلے تھے ان کے سر درندوں جیسے تھے اور اقوال بھی ہیں یہ پرند باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پرے باندھ کر کھڑے ہوگئے اور پھر چیخنے لگے پھر پتھر کیا جس کے سر میں لگا اس کے نیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا جس کے جس عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہو گیا ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہ و بالا ہو گئے عصف کہتے ہیں چارے کو اور کٹی کھیتی کو اور گیہوں کے درخت کے پتوں کو اور ماکول سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے۔

ابن زید فرماتے ہیں مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جنھیں جانور چر چکے ہوں مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو تہس نہس کر دیا اور عام خاص کو ہلاک کر دیا اس کی ساری تدبیریں الٹ ہو گئیں کوئی بھلائی انہیں نصیب نہ ہوئی ایسا بھی کوئی ان پر صحیح سالم نہ رہا جو کہ ان کی خبر پہنچائے، جو بھی بچا وہ زخمی ہو کر اور اس زخم سے پھر جاں بر نہ ہو سکا، خود بادشاہ بھی گو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا تھا جوں توں صنعا میں پہنچا لیکن وہاں جاتے ہی اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور واقعہ بیان کر ہی چکا تھا کہ مر گیا، اس کے بعد اسکا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا پھر اس کے دوسرے بھائی مسروق بن ابرہہ کو سلطنت ملی اب سیف بن ذویزن حمیری کسریٰ کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد طلب کی تاکہ وہ اہل حبشہ سے لڑے اور یمن ان سے خالی کرالے کسریٰ نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار کر دیا اس لشکر نے اہل حبشہ کو شکست دی اور ابرہہ کے خاندان سے سلطنت نکل گئی اور پھر قبیلہ حمیر یہاں کا بادشاہ بن گیا عربوں نے اس پر بڑی خوشی منائی اور چاروں طرف سے مبارکبادیاں وصول ہوئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیلبان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے اس فیلبان کا نام انیسا تھا، بعض تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ ابرہہ خود اس چڑھائی میں نہ تھا بلکہ اس نے اپنے لشکر کو بہ ماتحتی شمس بن مقصود کے بھیجا تھا یہ لشکر بیس ہزار کا تھا اور یہ پرند ان کے اوپر رات کے وقت آئے تھے اور صبح تک ان سب کا ستیاناس ہو چکا تھا لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ خود ابرہہ اشرم حبشی ہی اپنے ساتھ لشکر لے کر آیا تھا یہ ممکن ہے کہ اس کے ہراول کے دستہ پر یہ شخص

سر درہو، اس واقعہ کو بہت سے عرب شاعروں نے اپنے شعروں میں بھی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، سورہ فتح کی تفسیر میں ہم اس واقعہ کو مفصل بیان کر آئے ہیں جس میں ہے کہ جب حدیبیہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ٹیلے پر چڑھے جہاں سے آپ قریشیوں پر جانیوالے تھے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے اسے ڈانٹا ڈپٹا لیکن وہ نہ اٹھی لوگ کہنے لگے قصواء تھک گئی آپ نے فرمایا یہ تھکی نہ اس میں اڑنے کی عادت ہے اسے اس اللہ نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مکے والے جن شرائط پر مجھ سے صلح چاہیں گے میں سب مان لوں گا بشرطیکہ اللہ کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو پھر آپ نے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوگی۔ یہ حدیث صحیح بخاری مسلم کی اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ پر سے ہاتھیوں کو روک لیا اور اپنے نبی کو وہاں کا قبضہ دیا اور اپنے ایماندار بندوں کو، سنو آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ کر آ گئی ہے جیسے کل تھی، خبردار ہر حاضر کو چاہیے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فیل، بیروت)

سُورَةُ قُرَيْشٍ

یہ قرآن مجید کی سورت قریش ہے

سورت قریش کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ القریش بقولِ اصح مکّیہ ہے، اس میں ایک رکوع، چار آیات، سترہ کلمات، تہتّر حروف ہیں۔

سورت قریش کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں لفظ قریش جس میں ان کے سردی وگرمی کے احوال کا بیان کیا گیا ہے پس اسی مناسبت سے یہ سورت قریش کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ۝
الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۝
قریش کے دل میں محبت ڈالنے کی وجہ سے۔ انہیں سردیوں اور گرمیوں کے (تجارتی) سفر سے مانوس کردیا۔ تو ان پر لازم ہے کہ
اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا، اور انہیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا۔

قریش کا سفر کی جانب مانوس ہونے کا بیان

" إِيلَافِهِمْ " تَأْكِيد وَهُوَ مَصْدَر آلَف بِالْمَدّ " رِحْلَة الشِّتَاء " إِلَى الْيَمَن " و " رِحْلَة " الصَّيْف " إِلَى الشَّام فِي كُلّ عَام , يَسْتَعِينُونَ بِالرِّحْلَتَيْنِ لِلتِّجَارَة عَلَى الْمُقَام بِمَكَّة لِخِدْمَةِ الْبَيْت الَّذِي هُوَ فَخْرهمْ , وَهُمْ وَلَد النَّضْر بْن كِنَانَة " فَلْيَعْبُدُوا " تَعَلَّقَ بِهِ لِإِيلَافِ وَالْفَاء زَائِدَة " رَبّ هَذَا الْبَيْت "" الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوع " أَيْ مِنْ أَجْله " وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْف " أَيْ مِنْ أَجْله وَكَانَ يُصِيبهُمْ الْجُوع لِعَدَمِ الزَّرْع بِمَكَّة وَخَافُوا جَيْش الْفِيل .

قریش کی رغبت کی وجہ سے ان کی وہ رغبت یہ تاکید ہے اور لفظ ''الف'' کا مصدر ہے اور یہ مد کے ساتھ آتا ہے، جو سردیوں کے سفر کے لئے ہے جو یمن کی طرف ہوتا ہے اور گرمیوں کے سفر کے لئے ہے جو شام کی طرف ہوتا ہے اور یہ ہر سال ہوتے ہیں اور وہ لوگ ان دونوں سفروں کے ذریعے تجارت میں مدد لیتے ہیں تاکہ وہ مکہ میں رہائش رکھ سکیں اور بیت اللہ کی خدمت کرسکیں اور یہ ان کے لئے فخر کا باعث ہے اور اس سے مراد نضر بن کنانہ کی اولاد ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ عبادت کریں یہ لفظ متعلق ہے ''ایلاف'' کے

اوراس میں ''ف'' زائد ہے' اس گھر کے پروردگار کی۔ وہ جوانہیں کھلاتا ہے بھوک کی حالت میں یعنی اس کی وجہ سے اور وہ انہیں امن میں رکھتا ہے انہیں خوف کے حوالے سے یعنی اس کی وجہ سے ورنہ وہ انہیں بھوک بھی پہنچا سکتا ہے کیونکہ مکہ میں کھیتی باڑی نہیں ہوتی اورانہیں ہاتھیوں کے لشکر کا خوف بھی ہوسکتا ہے۔

قریش کی فضیلت کا بیان

اس سورت میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام قابئل عرب میں قریش اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کواور کنانہ میں سے قریش کواور قریش میں سے بنی ہاشم کواور بنی ہاشم میں سے مجھ کو انتخاب کرلیا ہے (البغوی عن واثلہ بن اسقع) اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام آدمی قریش کے تابع ہیں خیر وشر میں (راہ مسلم عن جابر، مظہری) اور پہلی حدیث میں جس خداوندی انتخاب کا ذکر ہے غالباً اس کی وجہ ان قبائل کے خاص ملکات اوراستعداد یں ہیں، کفر وشرک اور جہالت کے زمانہ میں بھی ان کے بعض اخلاق اور ملکات نہایت اعلیٰ تھے ان میں قبول حق کی استعداد بہت کامل تھی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اوراولیاء اللہ میں بیشتر لوگ قریش میں سے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مظہری، سورہ قریش، لاہور)

سُورَةُ الْمَاعُوْن

یہ قرآن مجید کی سورت ماعون ہے

سورت ماعون کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ الماعون مکّیہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نصف مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی عاص بن وائل کے بارے میں اور نصف مدینہ طیبہ میں عبداللہ بن اُبَی سلول منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔اس میں ایک رکوع، سات آیات، پچیس کلمات، ایک سو پچیس حروف ہیں۔

ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور یہی قول عطاء اور جابر کا بھی ہے۔ لیکن ابوحیان نے البحر المحیط میں ابن عباس اور قتادہ اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔

سورت ماعون کی وجہ تسمیہ کا بیان

آخری آیت کے آخری لفظ الماعون کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ۝ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ۝
فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ۝ وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۝
کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے۔تو یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔اور مسکین کو کھانا دینے کی
ترغیب نہیں دیتا۔پس ان نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔وہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔وہ جو ریاکاری
کرتے ہیں۔اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتے۔

قیامت کے دن کو جھٹلانے والوں کیلئے بربادی کا بیان

" أَرَأَيْت الَّذِي يُكَذِّب بِالدِّينِ " بِالْجَزَاءِ وَالْحِسَاب , أَيْ هَلْ عَرَفْته وَإِنْ لَمْ تَعْرِفهُ : " فَذَلِكَ " بِتَقْدِيرِ هُوَ بَعْد الْفَاء " الَّذِي يَدُعّ الْيَتِيم " أَيْ يَدْفَعهُ بِعُنْفٍ عَنْ حَقّه" وَلَا يَحُضّ " نَفْسه وَلَا غَيْره " عَلَى طَعَام الْمِسْكِين " أَيْ إِطْعَامه , نَزَلَتْ فِي الْعَاصِي بْن وَائِل أَوْ الْوَلِيد بْن الْمُغِيرَة" الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتهمْ سَاهُونَ " غَافِلُونَ يُؤَخِّرُونَهَا عَنْ وَقْتهَا" الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ "

فِی الصَّلٰوۃِ وَغَیْرِھَا "وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ" کَالْاِبْرَۃِ وَالْفَاْسِ وَالْقِدْرِ وَالْقَصْعَۃِ.

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو دین یعنی یوم حساب اور یوم جزاء کو جھلاتا ہے یعنی کیا تم اسے جانتے ہو یا تم اسے نہیں جانتے تو یہ وہ شخص ہے یہ "تقدیری" اعتبار سے "ھو" ہے جو "ف" کے بعد ہے جو یتیم کو پرے کرتا ہے اور اسے دور کر دیتا ہے یعنی اس کے حق سے اسے دور کرتا ہے اور وہ ترغیب نہیں دیتا اپنے آپ کو بھی اور دوسرے کو بھی مسکین کو کھانا کھلانے کی (یعنی مسکین کو کھانا کھلانے کی) یہ آیت عاص بن وائل یا شاید ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

تو بربادی ہے ان نمازیوں کے لئے۔ وہ لوگ جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں یعنی وہ ان سے غافل ہیں اور ان کے وقت سے زیادہ تاخیر سے ادا کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دکھاوے کے لئے ایسا کرتے ہیں یعنی نماز میں بھی اور دیگر اعمال میں بھی اور یہ لوگ منع کرتے ہیں برتنے کی چیزوں کو جیسے سوئی، کلہاڑا، ہنڈیا، پیالہ (یعنی وہ کسی کو نہیں دیتے)

غفلت برتنے والے نمازیوں کے لیے ویل ہے یعنی ان منافقوں کے لیے جو لوگوں کے سامنے نماز ادا کریں ورنہ ہضم کر جائیں یہی معنی حضرت ابن عباس کے کیے ہیں اور یہ بھی معنی ہیں کہ مقرر کردہ وقت ٹال دیتے ہیں جیسے کہ مسروق اور ابوالضحی کہتے ہیں حضرت عاء بن دینا فرماتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ فرمان باری میں عن صلوتھم ہے فی صلوتھم نہیں یعنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فرمایا نمازوں میں غفلت برتتے ہیں نہیں فرمایا اسی طرح یہ الف ظ شامل ہے ایسے نمازی کو بھی جو ہمیشہ نماز کو آخری وقت ادا کرے یا عموماً آخری وقت پڑھے یا ارکان و شروط کی پوری رعایت نہ کرے یا خشوع خضوا اور تدبر و غور و فکر نہ کرے لفظ قرآن ان میں سے ہر ایک کو شامل ہے یہ سب باتیں جس میں ہوں وہ تو پورا پورا بد نصیب ہے اور جس میں جتنی ہوں اتنا ہی وہ ویل ہے اور نفاق عملی کا حقو دار ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملا لے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مار لے جس میں اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرے یہاں مراد عصر کی نماز ہے جو صلوہ وسطی ہے جیسے کہ حدیث کے لفظوں سے ثابت ہے یہ شخص مکروہ وقت میں کھڑا ہوتا اور کوے کی طرح چونچیں مار لیتا ہے جس میں اطمینان ارکان بھی نہیں ہوتا نہ خشوع خضوع ہوتا ہے بلکہ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ماعون، بیروت)

سُورَۃُ الْکَوْثَر

یہ قرآن مجید کی سورت الکوثر ہے

سورت کوثر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ الکوثر جمہور کے نزدیک مدنیہ ہے، اس میں ایک رکوع، تین آیات، دس کلمات، بیالیس حروف ہیں۔

سورت الکوثر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کا نام الکوثر جس اس کی پہلی آیت مبارکہ میں آیا ہے۔ پس اسی مناسبت سے یہ الکوثر معروف ہوئی ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○
اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھا کریں
اور قربانی دیا کریں۔ بیشک آپ کا دشمن ہی بے نسل اور بے نام ونشاں ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عطائے کوثر کا بیان

" إِنَّا أَعْطَيْنَاك " يَا مُحَمَّد " الْكَوْثَر " هُوَ نَهر فِي الْجَنَّة هُوَ حَوْضه تَرِد عَلَيْهِ أُمَّته , وَالْكَوْثَر : الْخَيْر الْكَثِير مِنْ النُّبُوَّة وَالْقُرْآن وَالشَّفَاعَة وَنَحْوهَا " فَصَلِّ لِرَبِّك " صَلَاة عِيد النَّحْر " وَانْحَرْ " نُسُكك " إِنَّ شَانِئُك " أَيْ مُبْغِضك " هُوَ الْأَبْتَر " الْمُنْقَطِع عَنْ كُلّ خَيْر , أَوْ الْمُنْقَطِع الْعَقِب , نَزَلَتْ فِي الْعَاصِي بْن وَائِل سَمَّى النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْتَر عِنْد مَوْت اِبْنه الْقَاسِم .

بے شک ہم نے تمہیں عطا کیا یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کوثر! اس سے مراد جنت میں موجود ایک نہر ہے یا یہ آپ کا حوض ہے، جس پر آپ کی امت آئے گی اور الکوثر خیر کثیر کو کہتے ہیں جیسے نبوت' قرآن پاک اور شفاعت وغیرہ۔

تو تم اپنے پروردگار کے لئے نماز ادا کرو یعنی عید قربان کے موقع پر نماز ادا کرو اور قربانی کرواپنے قربانی کے جانور کی۔

بے شک تمہارا دشمن یعنی تم سے بغض رکھنے والا وہ "ابتر" ہوگا یعنی ہر بھلائی سے منقطع ہو جائے گا یا اس کی اولاد باقی نہیں رہے گی۔ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہا تھا۔ اس وقت جب آپ کے صاحبزادے قاسم انتقال کر گئے تھے۔

سورت الکوثر کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت انس سورت کوثر کی تفسیر میں نبی اکرم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے راوی کہتے ہیں کہ نبی اکرم نے مزید فرمایا میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے۔

میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1310)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں جنت میں چل رہا تھا کہ میں نے ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے۔ میں نے فرشتے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا کی ہے۔ پھر انہوں نے ہاتھ مارا اور اس کی مٹی نکالی، تو وہ مشک تھی۔ پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ آ گئی اور میں نے اس کے قریب عظیم نور دیکھا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1311)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں (معراج کی رات میں) جنت کی سیر کر رہا تھا کہ اچانک میرا گزر ایک نہر پر ہوا! جس کے دونوں طرف موتیوں کے گنبد تھے میں نے پوچھا کہ جبرائیل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ حوض کوثر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔ پھر جو میں نے دیکھا تو اس کی مٹی مثل مشک تیز خوشبودار تھی۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 140

"مجوف" کے معنی ہیں کھوکھلا! مجوف موتی کے گنبدے سے مراد یہ ہے کہ حوض کوثر کے دونوں کناروں پر جو گنبد اور قبے ہیں وہ اینٹ پتھر اور چونے گارے جیسی چیزوں سے تعمیر شدہ نہیں ہیں بلکہ ہر گنبد دراصل ایک بہت بڑا موتی ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے اور جس میں نشست و رہائش کی جملہ آسائشیں موجود ہیں" جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔" کے ذریعہ آیت کریم انا اعطینك الكوثر کی طرف اشارہ ہے۔

جس کی تفسیر میں بہت سے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت کریمہ میں" کوثر" سے مراد" خیر کثیر یعنی بیشمار بھلائیاں اور نعمتوں کی کثرت" ہے جو پروردگار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے، اس میں نبوت و رسالت، قرآن کریم اور علم و حکمت کی نعمتیں بھی شامل ہیں اور امت کی کثرت اور وہ تمام مراتب عالیہ بھی شامل ہیں جن میں ایک بہت بڑی نعمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں مقام محمود، لوائے ممدود اور مذکورہ حوض کا عطا کیا جانا ہے۔ اس اعتبار سے اس بارہ میں کوئی منافات نہیں ہے کہ " کوثر" سے مراد "حوض کوثر" ہے یا" خیر کثیر " مراد ہونے کی صورت میں بشمول حوض کوثر، تمام ہی نعمتیں اور بھلائیاں اس میں شامل ہو جائیں گی اس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مذکورہ جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو " کوثر" عطا کیا ہے اسی میں کی ایک چیز یہ "حوض کوثر" ہے! بعض مفسرین نے " کوثر" کی مراد "اولاد اور علماء امت" لکھا ہے، لیکن یہ قول بھی " خیر کثیر" کے قول کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں (یعنی اولاد اور علماء امت) بھی "خیر کثیر" ہی میں داخل ہیں۔

سُوۡرَۃُ الۡکٰفِرُوۡنَ

یہ قرآن مجید کی سورت الکافرون ھے

سورت الکافرون کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ الکافرون مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، چھ آیات، چھبیس کلمات، چورانوے حروف ہیں۔

سورت کافرون کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت میں کافروں سے خطاب اور جن وہ کی عبادت کرتے ہیں ان سے بیزاری کا اظہار ہوا ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت کافرون کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت الکافرون کی تلاوت سے برأت شرک کا بیان

فروہ بن نوفل اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیوں آئے ہو انہوں نے جواب دیا میں اس لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ مجھے ایسی چیز کی تعلیم دیں جس میں سوتے وقت پڑھ لیا کروں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بستر پر جاؤ تو سورت کافرون پڑھ لیا کرو۔ اور اسے پڑھ کر سو جایا کرو یہ شرک سے بری ہونا ہے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 1251)

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ۝ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ۝ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ۝ وَ لَاۤ اَنَا
عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ۝ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ۝ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَ لِیَ دِیۡنِ۝
آپ فرما دیجئے، اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو
جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم نے کی۔ اور نہ تم اس کی عبادت
کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے ہے۔

بتوں کی پوجا سے اظہار برأت کا بیان

" لَا أَعْبُد " فِي الْحَال " مَا تَعْبُدُونَ " مِنْ الْأَصْنَام " وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ " فِي الْحَال " مَا أَعْبُد " وَهُوَ اللّٰه تَعَالَى وَحْده " وَلَا أَنَا عَابِد " فِي الِاسْتِقْبَال " مَا عَبَدْتُمْ "" وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ " فِي

اِلاسْتِقْبَال " مَا أَعْبُد " عَلِمَ اللّٰه مِنْهُمْ أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ . وَإِطْلَاق مَا عَلَى اللّٰه عَلَى وَجْه الْمُقَابَلَة " . لَكُمْ دِينكُمْ " الشِّرْك " وَلِيَ دِين " الْإِسْلَام وَهَذَا قَبْل أَنْ يُؤْمَر بِالْحَرْبِ وَحَذَفَ يَاء الْإِضَافَة الْقُرَّاء السَّبْعَة وَقْفًا وَوَصْلًا وَأَثْبَتَهَا يَعْقُوب فِي الْحَالَيْنِ .

تم فرمادو اے کافرو! میں عبادت نہیں کروں گا یعنی کسی بھی حال میں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو یعنی ان بتوں کی اور نہ ہی تم لوگ عبادت کرو گے اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے جو وحدہ لاشریک ہے اور نہ ہی میں عبادت کروں گا مستقبل میں بھی جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرو مستقبل میں بھی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں یہ بات معلوم تھی کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور لفظ ''ما'' اللہ تعالیٰ کے لئے مطلق کے طور پر استعمال ہوا ہے اور یہ مقابلے کے طور پر ہے۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے جو شرک ہے اور میرے لیے میرا دین ہے جو اسلام ہے اور یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب آپ کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہاں پر اضافت میں ''ی'' کو حذف کیا گیا ہے۔ سات قاریوں کے نزدیک وصل اور وقف دونوں صورتوں میں؛ جبکہ یعقوب نامی قاری نے اس کو دونوں حالتوں میں برقرار رکھا ہے۔

شانِ نزول کا بیان

قریش کی ایک جماعت نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے دین کا اتباع کیجئے ہم آپ کے دین کا اتباع کریں گے ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ میں اس کے ساتھ غیر کو شریک کروں کہنے لگے تو آپ ہمارے کسی معبود کو ہاتھ ہی لگا دیجئے ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، اس پر یہ سورہ شریفہ نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لے گئے وہاں قریش کی وہ جماعت موجود تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سورت انہیں پڑھ کر سنائی تو وہ مایوس ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور حضور کے اصحاب کے در پے ایذا ہوئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ کافرون، لاہور)

سُورَةُ النَّصْر

یہ قرآن مجید کی سورت نصر ھے

سورت نصر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ نصر مدنیہ ہے، اس میں ایک رکوع، تین آیات، سترہ کلمات، ستر حروف ہیں۔

سورت نصر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد کا بیان پہلی آیت میں ذکر ہوا ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت نصر کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ۝ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۝
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۝
جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں کہ وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔
تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور اس سے استغفار کریں، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد آنے کا بیان

" إِذَا جَاءَ نَصْر اللّٰه " نَبِيّه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَعْدَائِهِ " وَالْفَتْح " فَتْح مَكَّة " وَرَأَيْت النَّاس يَدْخُلُونَ فِي دِين اللّٰه " أَيْ الْإِسْلَام " أَفْوَاجًا " جَمَاعَات بَعْدَمَا كَانَ يَدْخُل فِيهِ وَاحِد وَاحِد , وَذَلِكَ بَعْد فَتْح مَكَّة جَاءَهُ الْعَرَب مِنْ أَقْطَار الْأَرْض طَائِعِينَ " فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبّك " أَيْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهِ " وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا " وَكَانَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْد نُزُول هَذِهِ السُّورَة يُكْثِر مِنْ قَوْل : سُبْحَان اللّٰه وَبِحَمْدِهِ , أَسْتَغْفِر اللّٰه وَأَتُوب إِلَيْهِ , وَعَلِمَ بِهَا أَنَّهُ قَدْ اقْتَرَبَ أَجَله وَكَانَ فَتْح مَكَّة فِي رَمَضَان سَنَة ثَمَان وَتُوُفِّيَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَبِيع الْأَوَّل سَنَة عَشْر .

جب اللہ کی مدد آ گئی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے دشمنوں کیخلاف اور فتح بھی آ گئی یعنی فتح مکہ بھی آ گئی

اورتم نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں یعنی اسلام میں افواج کی شکل میں یعنی جماعتوں کی شکل میں یعنی وہ ایک ایک کرکے اس میں داخل ہورہے ہیں اور یہ فتح مکہ کے بعد ہوا جب عرب زمین کے مختلف کونوں سے فرمانبردار ہوتے ہوتے آپ کے پاس آگئے۔ اگر تم اپنے پروردگار کی حمد کے ہمراہ تسبیح بیان کرو یعنی اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کو شامل رکھو اور اس سے مغفرت طلب کرو بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد بکثرت یہ پڑھا کرتے تھے۔ سبحان اللہ وبحمدہ، استغفر اللہ واتوب الیہ ''اللہ کی ذات پاک ہے حمد اس کے لئے مخصوص ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں''۔

اس سورت سے آپ کو پتہ چل گیا تھا کہ آپ کے وصال کا وقت قریب ہے فتح مکہ رمضان کے مہینے میں ۸ھ ہجری میں ہوئی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ربیع الاول کے مہینے میں ۱۰ھ ہجری میں ہوا۔

سورت نصر کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں مجھ سے مسائل پوچھتے تھے۔ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ ان سے مسائل پوچھتے ہیں۔ جبکہ یہ ہماری اولاد کے برابر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیوں اس سے پوچھتا ہوں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ،جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی)۔ کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا اس میں نبی اکرم کو اللہ کی طرف سے وفات کی خبر دی گئی ہے۔ پھر پوری سورت پڑھی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1313)

فتح سے مراد کسی ایک معرکے میں فتح نہیں، بلکہ وہ فیصلہ کن فتح ہے جس کے بعد ملک میں کوئی طاقت اسلام سے ٹکر لینے کے قابل باقی نہ رہے اور یہ امر واضح ہو جائے کہ اب عرب میں اسی دین کو غالب ہو کر رہنا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد فتح مکہ لی ہے۔ لیکن فتح مکہ 8 ھ میں ہوئی ہے اور اس سورہ کا نزول 10 ھ کے آخر میں ہوا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت سراء بنت نبہان کی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ قول بھی اس تفسیر کے خلاف پڑتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی سب سے آخری سورۃ ہے۔ کیونکہ اگر فتح سے مراد فتح مکہ ہو تو پوری سورہ توبہ اس کے بعد نازل ہوئی تھی، پھر یہ سورۃ آخری سورۃ کیسے ہو سکتی ہے۔ بلاشبہ فتح مکہ اس لحاظ سے فیصلہ کن تھی کہ اس نے مشرکین عرب کی ہمتیں پست کر دی تھیں، مگر اس کے بعد بھی ان میں کافی دم خم باقی تھا۔ طائف اور حنین کے معرکے اس کے بعد ہی پیش آئے اور عرب پر اسلام کا غلبہ مکمل ہونے میں تقریبا دو سال صرف ہوئے۔

سُورَةُ اللَّهَب

یہ قرآن مجید کی سورت لہب ہے

سورت لہب کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ ابی لہب مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع، پانچ آیات، بیس کلمات، ستّر حروف ہیں۔

سورت لہب کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے ابولہب کی خباثت وہلاکت کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کرنا چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے اس بد بخت کی بدبختی کو بیان کر دیا اسی سبب سے یہ سورت لہب کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○
وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ فِیْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○
ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے۔ نہ اس کے کام اس کا مال آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا۔
عنقریب وہ شعلے والی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی (بھی آگ میں داخل ہوگی) جو ایندھن
اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

ابولہب کیلئے ہلاکت کا بیان

" تَبَّتْ " لَمَّا دَعَا النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمه وَقَالَ : إِنِّي نَذِير لَكُمْ بَيْن يَدَيْ عَذَاب شَدِيد , فَقَالَ عَمّه أَبُو لَهَب : تَبًّا لَكَ أَلِهَذَا دَعَوْتنَا , نَزَلَتْ " تَبَّتْ " خَسِرَتْ " يَدَا أَبِي لَهَب " أَيْ جُمْلَته وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازًا لِأَنَّ أَكْثَر الْأَفْعَال تُزَاوَل بِهِمَا , وَهَذِهِ الْجُمْلَة دُعَاء " وَتَبَّ " خَسِرَ هُوَ , وَهَذِهِ خَبَر كَقَوْلِهِمْ : أَهْلَكَهُ اللّٰه وَقَدْ هَلَكَ , وَلَمَّا خَوَّفَهُ النَّبِيّ بِالْعَذَابِ , فَقَالَ : إِنْ كَانَ مَا يَقُول اِبْن أَخِي حَقًّا فَإِنِّي أَفْتَدِي مِنْهُ بِمَالِي وَوَلَدِي نَزَلَ " مَا أَغْنَى عَنْهُ مَاله وَمَا كَسَبَ " " مَا أَغْنَى عَنْهُ مَاله وَمَا كَسَبَ " أَيْ وَكَسْبه , أَيْ وَلَده مَا أَغْنَى بِمَعْنَى يُغْنِي "

سَيَصْلَى نَارًا ذَاتَ لَهَب " أَيْ تَلَهُّب وَتَوَقُّد فَهِيَ مَآل تَكْنِيَته لِتَلَهُّبِ وَجْهه إِشْرَاقًا وَحُمْرَة " وَامْرَأَته " عَطْف عَلَى ضَمِير يَصْلَى سَوَّغَهُ الْفَصْل بِالْمَفْعُولِ وَصِفَته وَهِيَ أُمّ جَمِيل " حَمَّالَة " بِالرَّفْعِ وَالنَّصْب " الْحَطَب " الشَّوْك وَالسَّعْدَان تُلْقِيه فِي طَرِيق النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " فِي جِيدهَا " عُنُقهَا " حَبْل مِنْ مَسَد " أَيْ لِيف وَهَذِهِ الْجُمْلَة حَال مِنْ حَمَّالَة الْحَطَب الَّذِي هُوَ نَعْت لِامْرَأَتِهِ أَوْ خَبَر مُبْتَدَأ مُقَدَّر .

برباد ہو گئے یعنی خسارے کا شکار ہو گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ یعنی اس کا پورا وجود۔ یہاں پر مجازی طور پر دونوں ہاتھوں کے ذریعے تعبیر کی گئی ہے کیونکہ اکثر افعال انہی دونوں ہاتھوں کے ذریعے انجام دیئے جاتے ہیں اور یہ جملہ دعا کے طور پر ہے اور وہ خسارے کا شکار ہو گیا یہ اس کی خبر ہے جیسا کہ لوگ یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاکت کا شکار کیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عذاب سے خوف دلایا تو وہ بولا میرا بھتیجا جو کہہ رہا ہے اگر وہ صحیح ہے تو میں اس کے بدلے میں اپنا مال اور اپنی اولاد فدیے کے طور پر دے دوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کا مال اور اس نے جو کمایا ہے۔ وہ اسے بے نیاز نہیں کر سکے گا یعنی اس کی اولاد۔ یہاں پر اغنیٰ لفظ یغنی کے معنی میں ہے۔ عنقریب وہ پہنچ جائے گا آگ تک جو انگاروں والی ہے یعنی اسے اس میں جلایا جائیگا تو یہ اس کا انجام ہے جو اس نے کنیت اختیار کی تھی اس کے چہرے کی چمک اور سرخی کی وجہ سے اور اس کا عطف ضمیر کے اوپر ہے جو لفظ یصلیٰ کے اندر ہے۔ مفعول اور اس کی صفت میں فصل کی وجہ سے یوں لایا گیا ہے۔ وہ عورت ام جمیل ہے اور وہ اٹھانے والی ہے اس کو رفع اور نصب دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا ہے لکڑیوں کے گٹھے کو یعنی کانٹوں کو اور سعدان نامی بوٹی کو جسے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی اس کی گردن میں ''مسد'' سے بنی ہوئی رسی ہے یعنی کھجور کی چھال سے بنی ہوئی۔ یہ جملہ ''حمالة الحطب'' کا حال بن رہا ہے جو اس عورت کی صفت کے طور پر آیا ہے یا پھر یہ مقدر مبتدا کی خبر ہے۔

سورت لہب کے نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صفا پر چڑھے اور پکارنے لگے یا صباحاہ اس پر قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ دیکھو اگر میں تم سے یہ کہوں کہ دشمن صبح یا شام کو تم تک پہنچنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ ابولہب کہنے لگا۔ کیا تم نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا، تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ، نازل فرمائی (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1315)

ام جمیل کی بدبختی کا بیان

اُمِ جمیل بنتِ حرب بن اُمیہ ابوسفیان کی بہن جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہایت عناد وعداوت رکھتی تھی اور باوجود یہ کہ بہت دولتمند اور بڑے گھرانے کی تھی لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں انتہا کو پہنچی تھی کہ خود اپنی سر پر کانٹوں کا گٹھا لاکر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں ڈالتی تا کہ حضور کو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو ایذا وتکلیف ہو اور حضور کی ایذا رسانی اس کو اتنی پیاری تھی کہ وہ اس کام میں کسی دوسرے سے مدد لینا بھی گوارا نہ کرتی تھی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا اور حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتے ہیں روزہ دار کا روزہ اور وضو والے کا وضو خراب کر دیتے ہیں یعنی غیبت اور چغل خوری اور جھوٹ۔

عطار بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ تین قسم کے آدمی جنت میں نہ داخل ہوں گے۔ ناحق خون بہانے والا چغل خوری کرنے والا، اور تاجر جو سود کا کاروبار کرے۔ عطا کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کر کے شعبی سے بطور تعجب کے دریافت کیا کہ حدیث میں چغلخور کو قاتل اور سود خور کی برابر بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں چغلو خوری تو ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے قتل ناحق اور غصب اموال کی نوبت آجاتی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ لہب، بیروت)

سُورَۃ الْاِخْلَاص

یہ قرآن مجید کی سورت اخلاص ہے

سورت اخلاص کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ اخلاص مکّیہ ہے اور ایک قول کے مطابق مدنیّہ ہے اس میں ایک رکوع، چار یا پانچ آیات، پندرہ کلمات، سینتالیس حروف ہیں۔

سورت اخلاص کی وجہ تسمیہ کا بیان

الاخلاص اس سورہ کا محض نام ہی نہیں ہے بلکہ اس کے مضمون کا عنوان بھی ہے، کیونکہ اس میں صرف توحید بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں تو بالعموم کسی ایسے لفظ کو ان کا نام قرار دیا گیا ہے

سورت اخلاص پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ تہائی قرآن کیسے پڑھا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آیت (قل هو الله احد) تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (جس شخص نے رات میں یہ سورت پڑھ لی گویا اس نے تہائی قرآن پڑھ لیا) (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 639)

امام بخاری نے اس روایت کو ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ قرآن کریم میں بنیادی طور پر تین قسم کے مضمون مذکور ہیں (۱) قصص۔ (۲) احکام (۳) توحید، چونکہ سورت آیت (قل هو الله احد) میں باری تعالیٰ کی توحید نہایت اونچے اور بلیغ انداز میں بیان ہے یا یوں کہئے کہ پورے قرآن مجید میں توحید کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے سورت آیت (قل هو الله احد) اس کا خلاصہ اور حاصل ہے اس لئے سورت قل ھو اللہ پڑھنا تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ آیت (قل هو الله احد) کا ثواب تہائی قرآن کے اصل ثواب کے بقدر مضاعف کیا جاتا ہے یعنی بڑھایا جاتا ہے اس طرح ان دونوں اقوال میں ایک لطیف فرق پیدا ہو گیا ہے پہلے قول اور پہلی وضاحت کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص سورت قل هو الله تین مرتبہ پڑھے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اسے پورے قرآن کا ثواب ملے جب کہ دوسرے قول کے مطابق قل ھو اللہ تین مرتبہ پڑھنے سے ایک پورے قرآن کا اصل ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سورت یعنی قل ھو اللہ کو دوست رکھتا ہوں (یعنی اسے اکثر پڑھتا رہتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ اس سورت سے تمہاری دوستی تمہیں جنت میں داخل کرے گی۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 641)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۝
آپ فرمادیجئے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے۔
اور نہ ہی اس کے کوئی برابر ہے۔

سورت اخلاص میں بیان کردہ توحید کا بیان

"قُلْ هُوَ اللّٰه أَحَد" سُئِلَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَبّه فَنَزَلَ "قُلْ هُوَ اللّٰه أَحَد" فَاَللّٰه خَبَر هُوَ وَأَحَد بَدَل مِنْهُ أَوْ خَبَر ثَانٍ "اللّٰه الصَّمَد" مُبْتَدَأ وَخَبَر أَيْ الْمَقْصُود فِي الْحَوَائِج عَلَى الدَّوَام "لَمْ يَلِد" لِانْتِفَاءِ مُجَانَسَته "وَلَمْ يُولَد" لِانْتِفَاءِ الْحُدُوث عَنْهُ
"وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَد" أَيْ مُكَافِئًا وَمُمَاثِلًا , وَلَهُ مُتَعَلِّق بِكُفُوًا , وَقُدِّمَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مَحَطّ الْقَصْد بِالنَّفْيِ وَأُخِّرَ أَحَد وَهُوَ اِسْم يَكُنْ عَنْ خَبَرهَا رِعَايَة لِلْفَاصِلَةِ .

تم فرمادو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ یہاں پر لفظ ''اللہ'' خبر ہے ھو کی۔ اور احد اس کا بدل بن رہا ہے یا دوسری خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے یہ مبتدا اور خبر ہے یعنی ہمیشہ ہر ضرورت میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے اور اسی سے مدد مانگی جاتی ہے۔ اس نے کسی کو جنم نہیں دیا کیونکہ اس کا کوئی ہم جنس نہیں ہے اور نہ ہی اسے جنم دیا گیا ہے کیونکہ اسے کوئی حادث لاحق نہیں ہوسکتا اور اس کا کوئی بھی ہمسر نہیں ہے یعنی کوئی اس کے برابر اور اس کی مثل نہیں ہے۔ یہاں پر لفظ ''لَهٗ كُفُوًا'' سے متعلق ہے اور اسے اس سے مقدم کیا گیا ہے تاکہ نفی سے جو مقصود ہے اس کا مرکز صرف وہی ذات ہے اور لفظ احد کو موخر اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ وہ ''يَكُنْ'' کا اسم ہے۔ اس کو اس کی خبر سے موخر کیا گیا ہے تاکہ فصل کا خیال رکھا جاسکے۔

سورت اخلاص کے شان نزول کا بیان

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ مشرکین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ الخ ، نازل فرمائی ، فرمادیں وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے برابر کا کوئی نہیں ہے)۔ صمد وہ ہے جو نہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اس لئے کہ ہر پیدا ہونے والی چیز یقیناً مرے گی۔ اور جو مرے گا اس کا وارث بھی ہوگا۔ کفو کے معنی مشابہ اور برابری کے ہیں یعنی اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1316)

سُورَةُ الْفَلَق

یہ قرآن مجید کی سورت الفلق ھے

سورت فلق کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورہ فلق مدنیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکیہ ہے۔ جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس سورت میں ایک رکوع، پانچ آیات، تیس کلمات، چوہتر حروف ہیں۔

سورت فلق کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں لفظ فلق آیا ہے۔ جس کی تخلیق کو ایک انداز سے ذکر کیا گیا ہے پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورۃ فلق کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت فلق والناس کی فضیلت کا بیان

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج کی رات ایسی عجیب آیتیں اتاری گئی ہیں کہ (پناہ طلب کرنے کے سلسلہ میں) ان کا کوئی جواب نہیں ہے اور وہ **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** ہیں۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 642)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ رات میں جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنے دونوں ہاتھ ملا کر ان پر دم کرتے اور پھر ان پر **قل ھو اللہ، قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھتے اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنے جسم پر جہاں تک ہو سکتا پھیرتے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ پھیرنا اپنے سر، منہ اور بدن کے آگے کے حصہ سے شروع کرتے (اس کے بعد بدن کے دوسرے حصوں پر پھیرتے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عمل (یعنی پڑھنا، دم کرنا اور بدن پر دونوں ہاتھوں کا پھیرنا) تین مرتبہ کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 643)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝
وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝
تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے۔ ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا فرمائی ہے۔

اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں۔
اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا بیان

" قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ " الصُّبْحِ " مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ " مِنْ حَيَوَانٍ مُكَلَّفٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَجَمَادٍ كَالسُّمِّ وَغَيْرِ ذٰلِكَ " وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ " أَيِ اللَّيْلِ إِذَا أَظْلَمَ وَالْقَمَرِ إِذَا غَابَ " وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ " السَّوَاحِرِ تَنْفُثُ " فِي الْعُقَدِ " الَّتِي تَعْقِدُهَا فِي الْخَيْطِ تَنْفُخُ فِيهَا بِشَيْءٍ تَقُولُهُ مِنْ غَيْرِ رِيقٍ , وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مَعَهُ كَبَنَاتِ لَبِيدٍ الْمَذْكُورِ " وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ " أَظْهَرَ حَسَدَهُ وَعَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ , كَلَبِيدٍ الْمَذْكُورِ مِنَ الْيَهُودِ الْحَاسِدِينَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , وَذِكْرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلِ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهُ لِشِدَّةِ شَرِّهَا .

تم فرما دو میں پناہ مانگتا ہوں صبح کو پیدا کرنے والی ذات سے لفظ فلق کا مطلب صبح ہے۔ ہر چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے یعنی وہ مکلف حیوان ہو یا غیر مکلّف ہو یعنی جمادات کو جیسے زہر اور اس کے علاوہ دیگر چیزیں اور اندھیرا ڈالنے والے کے شر سے جب وہ ڈوب جائے یعنی وہ رات جب تاریک ہو جائے یا جب چاند غروب ہو جائے اور پھونکنے والی عورتوں کے شر سے بھی سحر کرنے والے لوگوں سے جو پھونک مارتے ہیں گرہوں میں یعنی جو انہوں نے دھاگوں میں گرہیں لگائی ہوئی ہیں اور جس میں وہ پھونک مارتے ہیں جو تھوک کے بغیر ہوتی ہے۔

علامہ زمخشری نے یہ بات کہی ہے کہ وہ تھوک کے ساتھ ہوتی ہے جس طرح لبید کی بیٹیاں جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے یعنی اپنے حسد کو ظاہر کرے اور وہ عمل کرے جو اس کا تقاضا ہے یعنی وہ لبید ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے جو حسد کرنے والے یہودیوں میں سے ایک تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کا ذکر کیا ہے جو اس میں شامل تھے ان کے شر کی شدت کی وجہ سے ان کے بعد ان جیسے پیدا نہیں کئے گئے۔

(ف 1) سورہ فلق مدنیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکّیہ ہے "وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ" اس سورت میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، تیس کلمے، چوہتر ۷۴ حرف ہیں۔

سورت فلق وناس کے شان نزول کا بیان

یہ سورت اور سورۃ الناس جو اس کے بعد ہے جو اس وقت نازل ہوئی جب کہ لبید بن اعصم یہودی اور اس کی بیٹیوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا اور حضور کے جسمِ مبارک اور اعضاءِ ظاہرہ پر اس کا اثر ہوا قلب وعقل واعتقاد پر کچھ اثر نہ ہوا چند روز کے بعد جبریل آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور جادو کا جو کچھ سامان ہے وہ فلاں کوئیں میں ایک پتھر کے نیچے داب دیا ہے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے کنوئیں کا

پانی نکالنے کے بعد پتھر اٹھایا اس کے نیچے سے کھجور کے گابھے کی تھیلی برآمد ہوئی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے شریف جو کنگھی سے برآمد ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنگھی کے چند دندانے اور ایک ڈورا یا کمان کا چلّہ جس میں گیارہ گرہیں لگی تھیں اور ایک موم کا پُتلہ جس میں گیارہ سوئیاں چبھیں تھیں یہ سب سامان پتھر کے نیچے سے نکلا اور حضور کی خدمت میں حاضر کیا گیا اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں ان دونوں سورتوں میں گیارہ آیتیں ہیں پانچ سورہ فلق میں ہر ایک آیت کے پڑھنے کے ساتھ ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل تندرست ہو گئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فلق، لاہور)

سُوْرَۃُ النَّاسِ

یہ قرآن مجید کی سورت الناس ہے

سورت الناس کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورۃ الناس بقولِ اصح مدنیہ ہے، اس میں ایک رکوع، چھ آیات، بیس کلمات، اناسی حروف ہیں۔

سورت الناس کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کے شروع میں لفظ رب کو الناس کی جانب مضاف کر کے ذکر کیا گیا ہے۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت الناس کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

معوذتین کے نزول پر اظہار خوشی کا بیان

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے چل رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں جو پڑھی گئی ہیں (یعنی مجھ پر نازل کی گئی ہیں) نہ بتلا دوں؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (معوذتین یعنی **قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس**) سکھائیں۔ عقبہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان دونوں سورتوں سے زیادہ خوش نہیں دیکھا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے لئے اترے تو لوگوں کو نماز میں یہی دونوں سورتیں پڑھائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "عقبہ! تم نے (ان کی فضیلت کو) دیکھا؟

(مسند احمد بن حنبل، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 812)

بہترین سورتوں" کا مطلب یہ ہے کہ شیطان مردود کے مکر وفریب اور نفس کی گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگنے کے سلسلہ میں معوذتین بہترین سورتیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سورتیں سکھانے کے بعد جب دیکھا کہ وہ ان سورتوں کو دیکھ کر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے کیونکہ دوسری سورتوں کی طرح ان سورتوں میں اللہ کی وحدانیت اور پاکیزگی کا بیان نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں انہیں سورتوں کو پڑھ کر فرمایا کہ عقبہ! تم نے اس سورتوں کی فضیلت دیکھی کہ میں نے ان کو فجر کی نماز میں جو تمام نمازوں سے افضل نماز ہے اور جس میں طویل قرات کرنا مستحب ہے پڑھا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ○
الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ○

تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب ہے۔ جو سب لوگوں کا بادشاہ ہے۔ جو نسلِ انسانی کا معبود ہے۔ اس بڑے وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ اگر چہ وہ جنوں اور انسانوں میں سے ہو۔

شیطانی وسواس سے بچنے کیلئے دعا کا بیان

" قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاس " خَالِقهمْ وَمَالِكهمْ خُصُّوا بِالذِّكْرِ تَشْرِيفًا لَهُمْ وَمُنَاسَبَة لِلاسْتِفَادَةِ مِنْ شَرّ الْمُوَسْوِس فِي صُدُورهمْ " إِلَه النَّاس " بَدَلَانِ أَوْ صِفَتَانِ أَوْ عَطْفَا بَيَان وَأَظْهَر الْمُضَاف إِلَيْهِ فِيهِمَا زِيَادَة لِلْبَيَانِ " مِنْ شَرّ الْوَسْوَاس " الشَّيْطَان سُمِّيَ بِالْحَدَثِ لِكَثْرَةِ مُلَابَسَته لَهُ " الْخَنَّاس " لِأَنَّهُ يَخْنِس وَيَتَأَخَّر عَنْ الْقَلْب كُلَّمَا ذُكِرَ اللَّه " الَّذِي يُوَسْوِس فِي صُدُور النَّاس " قُلُوبهمْ إِذَا غَفَلُوا عَنْ ذِكْر اللَّه

" مِنْ الْجِنَّة وَالنَّاس " بَيَان لِلشَّيْطَانِ الْمُوَسْوِس أَنَّهُ جِنِّيّ وَإِنْسِيّ , كَقَوْلِهِ تَعَالَى : " شَيَاطِين الْإِنْس وَالْجِنّ " أَوْ مِنْ الْجِنَّة بَيَان لَهُ وَالنَّاس عَطْف عَلَى الْوَسْوَاس وَعَلَى كُلّ يَشْتَمِل شَرّ لَبِيد وَبَنَاته الْمَذْكُورِينَ , وَاعْتَرَضَ الْأَوَّل بِأَنَّ النَّاس لَا يُوَسْوِس فِي صُدُورهمْ النَّاس إِنَّمَا يُوَسْوِس فِي صُدُورهمْ الْجِنّ , وَأُجِيبَ بِأَنَّ النَّاس يُوَسْوِسَونَ أَيْضًا بِمَعْنًى يَلِيق بِهِمْ فِي الظَّاهِر ثُمَّ تَصِل وَسْوَسَتهمْ إِلَى الْقَلْب وَتَثْبُت فِيهِ بِالطَّرِيقِ الْمُؤَدِّي إِلَى ذَلِكَ وَاَللَّه تَعَالَى أَعْلَم .

تم فرمادو میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں یعنی ان کے خالق اور مالک کی۔ یہاں پر بطور خاص انسانوں کا ذکر ان کے شرف کی وجہ سے کیا گیا ہے اور مناسبت یہ بھی ہے کہ لوگوں کے شر سے پناہ مانگی جارہی ہے جو ایک دوسرے کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود کی۔ یہ دونوں بدل ہیں اور یہ دونوں صفت ہیں یا یہ دونوں عطف بیان ہیں اور مضاف کو ظاہر کر دیا گیا ہے ان دونوں کے اندر تا کہ بیان زیادہ ہو۔ وسوسے ڈالنے والوں کے شر سے یعنی وہ شیطان جسے حدث سے موسوم کیا گیا ہے چونکہ وہ بکثرت اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ دبکتا ہے یعنی اس لیے کہ سکڑتا ہے اور دل سے پیچھے ہٹ جاتا ہے جب کبھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ جو لوگوں کے دلوں کے اندر وسوسے ڈالتا ہے یعنی اس وقت جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوتے ہیں۔ جنوں میں سے اور انسانوں میں سے یہ بیان ہے کہ یہ شیطان ہے جو دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ یہ جن میں ہوسکتا ہے اور انسان بھی ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: شیاطین الانس والجن (انسانوں اور جنوں سے تعلق رکھنے والے شیاطین) یا اس کا تعلق صرف جنوں سے بھی ہوسکتا ہے جو اس کا بیان ہوگا اور لفظ الناس کا عطف وسواس کے اوپر ہوگا یا ہر وہ چیز جو لبید اور اس کی بیٹیوں کے شر پر مشتمل ہو۔ جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

پہلی بات پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ لوگ دوسرے لوگوں کے سینوں میں وسوسے نہیں ڈالتے بلکہ لوگوں کے سینوں میں وسوسے تو جنات ڈالتے ہیں جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لوگ بھی ایک دوسرے کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اس معنی کے

اعتبار سے جو ظاہر کے اندر اس کے لائق ہو تو پھر وہ وسوسہ دل تک پہنچ جاتا ہے اور وہاں پر ثابت رہ جاتا ہے۔اس طریقے کے اعتبار سے جو اس کی طرف لے کر جا رہا ہو۔باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

پناہ طلب کرنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا کرتے تھے۔ دعا،اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں،طاعت میں سستی سے،بڑھاپے کے سبب سے مخبوط الحواس اور اعضاء کے ناکارہ ہونے سے تاوان یا قرض سے اور گناہ سے،اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کے عذاب سے اور عذاب کے فتنہ سے۔قبر کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے،دولت کے فتنہ سے اور برائی سے،فقر کے فتنہ کی برائی سے اور کانے دجال کے فتنہ سے اے اللہ۔برف اور اولے کے پانی سے میرے گناہ دھودے (یعنی طرح طرح مغفرتوں کے ذریعہ مجھے گناہوں سے پاک کردے جس طرح برف اور اولے کا پانی میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور میرے دل کو برے اخلاق اور برے خیالات سے پاک کردے جس طرح سفید کپڑا پانی سے صاف کیا جاتا ہے اور میرے گناہوں کے درمیان اسی طرح بعد پیدا کردے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان بعد پیدا کیا ہے۔(بخاری ومسلم،مشکوۃ شریف:جلد دوم:حدیث نمبر 991)

سورت الناس کی تفسیر مصباحین جلد ہفتم کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى اله الطيبين واصحابه الطاهرين اجمعين ،تمت تفسير الجلالين مع الاعراب والمتن والترجمة والشرح،المرتب بترتيب الآيات ،محمد لياقت على الرضوى الحنفى ،الفاضل بدارالعلوم الجامعة النعيميه بلاهور باكستان،

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ الناس کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ آج بروز بدھ ۲۸ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ بہ مطابق ۲۸ مئی ۲۰۱۴ء کو ساتویں جلد مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے،اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی،ہدایت کی پختگی،تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما،آمین،بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیر مصباحین اور اظہار تشکر کا بیان

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تفسیر میں جن علمائے مفسرین کی تفاسیر میں روایات احادیث اور تفسیری تصریحات کا نقل کیا ہے ان کا بھی شکریہ ادا کیا جائے۔اس تفسیر میں کتب احادیث وتفاسیر جن فہرست طویل ہے